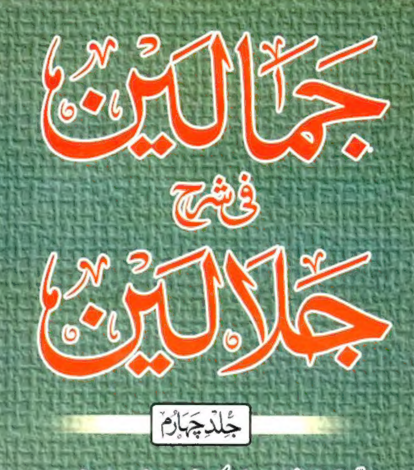


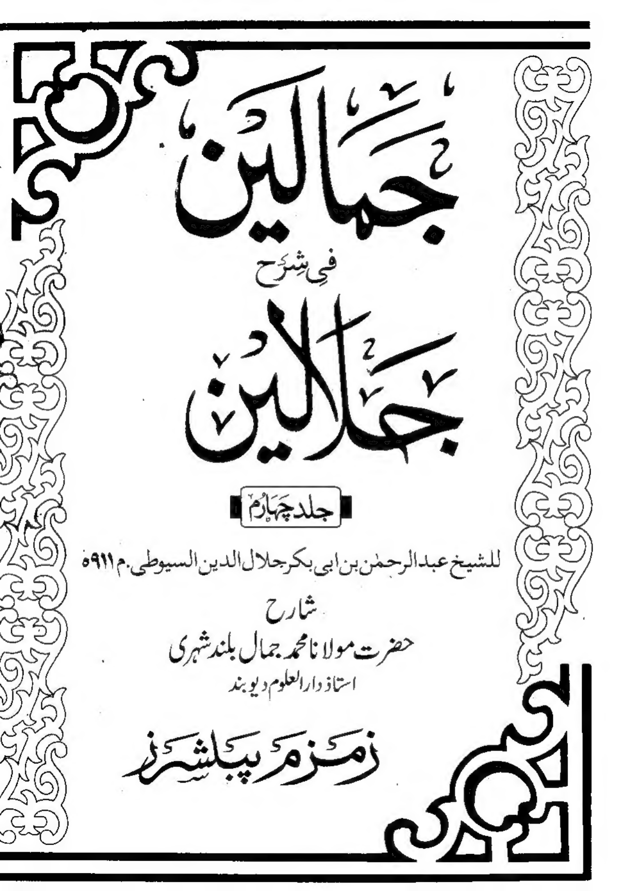
للشیخ عبدالرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلندشہری

اُستاذ دارالعلوم دیوبند

زمزم پبلشرز


جمالین
فی شرح
جلالین
جلد چہارم
للشیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی. م ۹۱۱ھ
شارح
حضرت مولانا محمد جمال بلندشہری
استاذ دارالعلوم دیوبند
زمزم پبلشرز

کتاب کا نام ——— جمالین شرح جلالین جلد چہارم

(جدید طرز کا نیا ایڈیشن)

تاریخ اشاعت ——— جنوری ۲۰۰۶ء

باہتمام ——— احباب زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ———

سرورق ———

مطبع ———

ناشر ——— زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون : 2725673 - 0092-21-2760374

فیکس : 0092-21-2725673

ای میل : zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی۔ فون 7224292
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
- ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

——— ساؤتھ افریقہ میں ———

Madrasah Arabia Islamia
P.O.Box 9786
Azaad Ville 1750
South Africa
Tel. (011) 413 - 2786

——— انگلینڈ میں ———

AL Farooq International Ltd
1 Atkinson Street.
Leicester, LE5 3QA
Tel: (0116) 2537640

کلمات بابرکت

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہٗ استاذ حدیث دارالعلوم دیو بند

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ رب العلمین والصّلوۃ والسّلام علیٰ رسولہ محمّد وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین ، امابعد!!

قرآن کریم دنیا کی وہ واحد آسمانی کتاب ہے جو زمانہ نزول سے آج تک اپنی اصلی شکل وصورت میں انسان کے پاس محفوظ ہے اور قرآن کے اعلان و انا لہٗ لحافظون کے مطابق ان شاءاللہ مستقبل میں بھی ہر طرح کے تغییر وتحریف سے محفوظ رہے گی۔

اس کتاب مبین کے صفحات میں خداوند ذوالجلال نے انسانوں کو خود مخاطب بنایا ہے اور اس نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ زندگی کے سفر میں اس کے اپنے بندوں سے کیا مطالبات ہیں جن کو پورا کر کے انسان آخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

اس کتاب میں خدا نے انسان کو عربی زبان میں مخاطب کیا ہے اور قرآن ہی میں خدا نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرح وبیان کا ذمہ دار بنایا ہے، ارشاد ہے:

وانزلناہ الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون . (سورۂ النحل آیت ۴۴)	اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کو کھول کر بیان کردیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں اور وہ بھی اس پر غور وفکر کریں۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے مضامین کو کھول کر بیان کر دینا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی ہے، اور اہل علم کو بھی اس پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

کتاب انزلناہ الیك مبارك لیدبّروا ایاتہ ولیتذکر اولوا الالباب . (سورۂ ص آیت (۲۹))	قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے، برکت والی ہے تاکہ انسان اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت حاصل کریں۔

چنانچہ اہل بصیرت ارباب علم نے قرآن کریم کی آیات پر غور وتدبر کا حق ادا کیا، الفاظ کی تصحیح وتجوید کے طریقے مدون کئے، معانی کی تنقیح اور مسائل کی تخریج واستنباط کے قواعد وقوانین مقرر کئے، اس سلسلے میں جو باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تھیں ان کی حفاظت کی، پھر عربی زبان کے قواعد اور مسلمات شرعیہ کو رہنما بنا کر الفاظ ومعانی کی وہ بیش قیمت خدمات انجام دیں جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کے علمی خزانے عاجز ہیں۔

اور اس طرح قرن اول سے آج تک قرآن کریم کی بے شمار مختصر اور مفصل تفاسیر وجود میں آگئیں، انہی معتبر تفاسیر میں تفسیر جلالین ہے جو اوساط علمیہ میں قبول عام کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے کہ عہد تصنیف سے آج تک تسلسل کے ساتھ نصاب تعلیم کا جز ہے۔

اس تفسیر کے دونوں مفسرین علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ نے نہایت مختصر الفاظ میں دقیق اشارات

سے کام لیا ہے، اردو زبان میں ان دقیق اشارات کی شرح کی ضرورت تھی، نہایت مسرت کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور باذوق مدرس برادر محترم حضرت مولانا محمد جمال صاحب زید مجدہم نے ادھر توجہ کی اور اب ان کا اشہب قلم اس ضرورت کی تکمیل میں مصروف ہے، موصوف دس سال سے جلالین کا درس دے رہے ہیں، انہوں نے اپنے تدریسی تجربات اور قرآن فہمی کے معتبر ذوق کی مدد سے یہ خدمت اس طرح انجام دی کہ:

(الف) عام طور پر مشکل مفردات کی لغوی اور صرفی تحقیق کا اہتمام کیا، یعنی صیغہ بھی بتایا اور معانی بھی بیان کئے۔

(ب) مشکل جملوں کی ترکیب نحوی پر زور دیا اور اختلاف کے موقع پر راجح صورت کو مقدم کیا۔

(ج) اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ جلالین کے مختصر الفاظ میں جو فوائد ملحوظ ہو سکتے ہیں ان کی طرف پوری توجہ مبذول کی کہ مفسر کے پیش نظر کہاں لغوی ترجمہ ہے، کہاں ابہام کی وضاحت ہے، کہاں اجمال کی تفصیل ہے، کہاں معنی مرادی کی تعیین ہے، کہاں اختلاف کی طرف اشارہ ہے، کہاں ترکیب نحوی کا بیان ہے، کہاں اختلاف میں ترجیح کی جانب اشارہ ہے؟ وغیرہ وغیرہ

موصوف نے جلالین کی ترتیب تصنیف کے مطابق جلد دوم سے اپنی خدمت کا آغاز کیا ہے، دعا ہے کہ پروردگار عالم کے فضل وکرم سے ان کی خدمت طلبہ اور اہل علم کے درمیان قبول عام کی دولت سے سرفراز ہو اور بارگاہ خداوندی میں شرف قبول حاصل کرے، آمین۔

والحمدللّٰہ اولاً و آخرًا

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
۲۲ / ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

کچھ کتاب کے بارے میں

تفسیر جلالین جس کے تفسیری کلمات تقریباً قرآنی کلمات کے برابر ہیں، اگر اس تفسیر کو قرآن کا عربی ترجمہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو تقریباً دس سال سے جلالین نصف ثانی کا درس احقر سے متعلق ہے، اس دس سالہ تدریسی تجربہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مفسر جلالین نصف ثانی علامہ محلی اور ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علامہ سیوطی کے مختصر مگر جامع تفسیری الفاظ میں جو فوائد پیش نظر ہیں ان کی تشریح و توضیح ہی جلالین کی اصل روح ہے، جلالین کے سوالات کے پرچوں میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیگر باتوں کے علاوہ تفسیری کلمات کے فوائد کی وضاحت بھی مطلوب ہوتی ہے، اس کے پیش نظر اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کا یہ طریقہ رہا ہے کہ تفسیری کلمات کی وضاحت فرماتے ہیں، تفسیری کلمات کے فوائد اگرچہ جلالین کی شروح وحواشی میں جا بجا ضمنی اور منتشر طور پر ملتے ہیں، مگر اس کو عنوان اور موضوع بنا کر جس توجہ کی ضرورت تھی اس کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق توجہ نہیں دی جاسکی۔

تفسیری کلمات اور ان کے فوائد

شارح کے فرائض میں جہاں متکلم کے کلام کی گرہ کشائی اور وضاحت ہوتی ہے وہاں مندرجہ ذیل امور بھی توجہ طلب ہوتے ہیں چنانچہ علامہ سیوطی اور علامہ محلی نے ان باتوں کی طرف اکثر اجمال واشارات سے کام لیا ہے ان ہی اشاروں کی توضیح اور اجمال کی تفصیل جلالین کو درس میں داخل کرنے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

شارح کا مقصد کہیں تو معنی لغوی کی وضاحت ہوتی ہے، اور کہیں مقصد تعیین معنی ہوتا ہے، اور کہیں متضمن معنی بیان کر کے صلہ کی تصحیح مقصد ہوتی ہے اور کہیں اضافہ کا مقصد کسی شبہ کا ازالہ اور اعتراض کا دفعیہ ہوتا ہے، اور کہیں بیان مذہب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اور کہیں ترکیب نحوی کو حل کرنا پیش نظر ہوتا ہے، اور کہیں صیغہ کی تعیین وتعلیل پیش نظر ہوتی ہے، کہیں کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصد ہوتا ہے، اور کہیں اختلاف قرأت کو بیان کرنا مدنظر ہوتا ہے، اور کہیں شان نزول کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

پیش نظر شرح میں کوشش کی گئی ہے کہ مذکورہ امور پیش نظر رہیں تاکہ اب تک کی اردو شروحات میں جو کمی محسوس ہوتی رہی ہے اس کا کسی حد تک تدارک ہوسکے۔

چونکہ جلالین کی تصنیف کا آغاز نصف ثانی سورۂ کہف سے ہوا تھا شرح میں اسی ترتیب کو احقر نے بھی ملحوظ رکھا ہے یہ جلد جو آپ کے ہاتھوں میں ہے چوتھی جلد ہے، پانچویں جلد جو کتابت کے مرحلہ میں ہے مراحل طبع سے آراستہ ہو کر انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گی، پروگرام مسلسل جاری ہے، پوری شرح چھ جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ (انشاء اللہ)

چوتھی جلد چونکہ پہلے شائع ہو رہی ہے اس لئے مقدمہ اسی کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے، انشاء اللہ جب اول جلد شائع ہوگی تو اس وقت اس مقدمہ کو کچھ مزید اضافوں کے ساتھ اول جلد کے شروع میں شامل کر دیا جائے گا، احقر کی کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ فیصلہ تو ناظرین ہی کر سکتے ہیں، آخر میں ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر کوئی کمی یا غلطی محسوس فرمائیں تو احقر کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے، ممنون ہوں گا، نیز ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ اس ناکارہ کو دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں، اور دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ احقر کی اس حقیری کوشش کو ذخیرۂ آخرت فرمائے، آمین۔

محمد جمال بلند شہری، متوطن میرٹھ

استاذ دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۲/۱۲/۲۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغاز کلام

ایک کے مافی الضمیر کی **تشریح دوسرے کی زبان** سے کتنا مشکل کام ہے!! جب انسانی قول کی تشریح میں اتنا اشکال ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی تشریح **اس کے بندوں کی زبان** وقلم سے جتنا مشکل ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ قرآن پاک کی کوئی تفسیر کبھی مکمل نہیں ہوسکتی، کیونکہ شارح کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماتن سے زیادہ علم رکھتا ہو، ورنہ کم از کم اس کے برابر تو ہو، اور اس کا تصور بھی کسی **بندہ میں** قرآن اور صاحب قرآن کی **نسبت** سے نہیں کیا جاسکتا۔

شارح اور **مفسر کا کام** یہ ہے کہ **ماتن** کے اختصار کی تفصیل اور اجمال کی توضیح کرے اور اس کے کلام بے دلیل کو بادلیل کرے، اس کی بات پر کوئی شبہ یا **اعتراض** ہو تو اس کو دفع کرے، اس کے لفظوں کی گرہ کھولے، ترکیبوں کی پیچیدگی صاف اور مطلب کی دشواریوں کو حل کرے، اور اگر کہیں تضاد نظر آئے تو اس کی تطبیق دے، اور اس کے ایک قول سے دوسرے قول کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

یہ اور اسی قسم کے اور طریقے ہیں کہ جن سے انسانوں کے کلام کو سمجھتے اور ان کی دشواریوں کو حل کرتے ہیں، لیکن قرآن پاک کی تفسیر میں ان طریقوں کے علاوہ کچھ طریقے اور بھی ہیں، جو قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قرآن خدا کا کلام ہے جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے عرب میں فصیح وبلیغ زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر نازل ہوا، اس میں نظریئے بھی ہیں اور عملی تعلیمات بھی، اس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا، اور ان عملی تعلیمات پر عمل کر کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا اور بتایا اور اس لئے کہ وہ کلام کا پہلا مخاطب تھا، اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں تک سمجھانا تھا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی اس کلام کے مطالب کو سب سے بہتر سمجھ سکتا تھا، اور اسی لئے وہ اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی تعلیم وعمل سے دوسروں کو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے، اس لئے قرآن کو سمجھنے کے لئے حامل قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی، عملی، تفسیر سے بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا، رسول کی قولی وعملی تفسیر سنت ہے، اور قرآن کتاب اللہ ہے، کتاب وسنت اسلام کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

حامل قرآن علیہ السلام کے بعد قرآن کی فہم میں ان سے تربیت اور فیض پائے ہوئے اشخاص کا مرتبہ ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ان آیتوں کو سنا، آیتوں کے ماحول کو جانا اور جو ان فضا سے آشنا تھے، اور جو آیتوں کے نزول کے وقت موطن وحی میں جلوہ گر تھے، اس کے بعد تابعین کا گروہ ہے جنہوں نے صحابہ کرام سے اس فیض کو حاصل کیا اور خاص طور سے قرآن کی تعلیم کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا، دن رات وہ اس کے ایک ایک لفظ کی تحقیق اور اس کی صرفی ونحوی ترکیبوں کا حل اور کلام عرب سے ہر قرآنی محاورہ کی تطبیق کرتے تھے۔

کچھ عرصہ سے بعض عقلیت پسندوں کا میلان ادھر ہے کہ وہ اس طریقہ تفسیر کو روایتی سمجھ کر اس کی تحقیر کریں، حالانکہ دوسری حیثیتوں کو چھوڑ کر اگر صرف زبان کو، ماہر اور واقف کار ہی کی حیثیت سے ان مفسرین بالروایت کو دیکھا جائے تو بھی ان کا مرتبہ ہم سے آپ سے بمراتب اونچا ہوگا، یہ کوئی قدامت پرستی کی بات نہیں بلکہ واقعہ کا حقیقی پہلو ہے۔

قرآن پاک کی تفسیر کا پہلا دور اسی طریقہ سے شروع ہوا، لیکن افسوس کہ غیر ضروری تشریح وتوضیح کے لئے مسلمانوں نے ان مضامین میں جو قرآن پاک اور پہلے آسمانی صحیفوں میں اشتراک رکھتے تھے، نومسلم اہل کتاب کی طرف رجوع کیا اور ان سے سن سن کر اسرائیلی روایات کا بہت بڑا حصہ قرآن پاک کی تفسیروں میں بھر دیا محدثین نے ان اسرائیلیات سے بے اعتنائی کا ہمیشہ اظہار کیا ہے، اور

اس لئے وہ حصہ ہماری تفسیروں کا نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ بہت حد تک مضر اور قرآن کے صحیح مطلب سمجھنے میں عائق ہے۔

کسی کتاب کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے سب سے اہم چیز اس کتاب کی زبان اور اس زبان کے قواعد کی پیروی ہے یہ کسی طرح درست نہ ہوگا کہ ہم عقلیت کے جوش میں اس کتاب کے کسی فقرہ کی تشریح میں اس زبان کی لغت اور قواعد میں ایسا تصرف کریں، جو ہر حیثیت سے ناجائز ہو، اور ہمارے اس تصرف کا اصل منشا صرف اتنا ہو کہ ہم اپنے استبعادِ عقلی کی تسکین کرسکیں، حالانکہ استبعاد عقلی کوئی یکساں چیز نہیں اور نہ وہ خلاف عقل کے معنی میں ہے، استبعادات عقلی کی فہرست ہر زمانہ میں گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تفسیر کا یہ معیار نہیں بنایا جاسکتا، تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر زمانہ کا ماحول دوسرے زمانہ سے الگ ہوتا ہے عقلی مسلمات اور زمانہ کے غیر محسوس عقائد ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ہر کتاب کے مفہوم و معنی کے سمجھنے میں اس زمانہ کے مؤثرات سے قطع نظر کرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں، ہر زمانہ کے لوگ اپنے ہی زمانہ کے مؤثرات کے مطابق کسی کلام کو سمجھنا چاہتے ہیں، فانی انسان کے فانی کلام اور جزئی علم رکھنے والوں کے جزئی علم، اگر ایک زمانہ میں صحیح اور دوسرے زمانہ میں غلط ہو جائیں تو ایسا ہونا بہت حد تک قرین قیاس ہے، مگر خدائے پاک کے کلام میں جس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہے اس قسم کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جاسکتا، اس لئے کہ اگر مخلص اہل علم اور نیک نیت علماء اس کلام کی مزید تشریح اپنے زمانہ کے مؤثرات کے مطابق اس طرح کرسکیں کہ وہ متکلم کے اصول متواترہ مخاطب اول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور زبان کے لغت و قواعد کے خلاف نہ ہو تو یہ سعی مشکور ہوگی، الفوز الکبیر، مطبوعہ مکتبہ حجاز دیوبند کے صفحہ ۴۱ پر مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے جس سے مذکورہ نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

والتفسير بالراى: هو التفسير بالهوىٰ والتفسير من عند نفسه، بحيث يوجبُ تغييرًا لمسئلة اجماعية قطعية او تبديلاً في عقيدة السلف المجمع عليها وأما التفسير بالدليل والقرينة فهو تفسير صحيح معتبرٌ في الشرع ومن يطالع كتب التفسير يجدها مشحونة بمثل هذه التفاسير فلا ضير فيها.

اسی بناء پر اس زمانہ سے جب سے مسلمانوں میں عقلیات کا رواج ہوا، اس نظریہ سے بھی قرآن پاک کی تفسیریں لکھی گئیں، معتزلہ میں ابومسلم اصفہانی کی تفسیر اور قاضی عبدالجبار معتزلی کی تنزیہ القرآن اور اہل سنت میں ابومنصور ماتریدی کی تاویلات اور امام ابوخورک کی مشکلات القرآن اور امام محمد غزالی کی جواہر القرآن اور سب سے آخر میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر اپنے اپنے زمانہ کے مؤثرات کی بہترین ترجمان ہیں، سرسید احمد خان نے ہندوستان میں اور مفتی محمد عبدہ نے مصر میں ادھر توجہ کی اور قرآن مجید کی آیات کی اپنے زمانہ کے خیالات کے مطابق تفسیر کی کوشش کی، اگر بالفرض سرسید کی نیت خیر بھی ہو، مگر افسوس کہ ان کے حسن نیت کے مطابق انکے علم کا پایہ نہ تھا، اور نہ ان کو عربی زبان کے لغت وادب پر عبور تھا، اس لئے ان کی غلطیاں ان کی صحت سے زیادہ ہوئیں، اور خصوصاً فطرت اور قوانین فطرت کا جو تخیل ان کے زمانہ میں چھایا تھا ان کی غلط پیروی نے ان کو جادۂ حق سے ہٹا دیا۔

اس کے بعد مصر میں سید رشید رضا اور ہندوستان میں مولانا عبدالحمید فراہی کا دور شروع ہوا، یہ دونوں گو اصول میں مختلف تھے مگر نتیجہ میں بہت حد تک متفق تھے، رشید مرحوم آیات وروایات کی چھان بین کرکے آیات کو روح عصری کے مطابق کرتے تھے، اور فراہی رحمۃ اللہ علیہ خود قرآن پاک کے نظم ونسق اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کی تطبیق اور کلام عرب کی تصدیق سے مطالب کو حل کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں مصر میں دو اور تفسیروں کی تالیف شروع ہوئی، ایک نئے تعلیم یافتہ فاضل فرید وجدی کے قلم سے، دوسرے ایک ایسے فاضل کے قلم سے جو یورپ کے علوم وفنون اور ترقیات سے پوری طرح واقف اور اپنے گھر کی قدیم دولت سے بھی آشنا تھے یعنی حضرت شیخ طنطاویؒ جوہری جو جامعہ مصریہ اور مدرسہ دارالعلوم میں ایک زمانہ تک علوم وفنون کے مدرس رہ چکے تھے، شیخ طنطاوی جوہری کی تفسیر کی اصل غایت مسلمانوں کو نئے علوم وفنون کی طرف توجہ کرانا اور مسلمانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ ان کا یہ تنزل اس وقت تک دور نہ ہوگا جب

تک وہ جدید سائنس اور دوسرے نئے علوم اور یورپ کے جدید آلات اور علمی و مادی قوتوں سے مسلح نہ ہوں گے۔

سید صاحب کے بعد اسی خیال نے تذکرہ کی صورت اختیار کر لی تھی مگر افسوس کہ جو غلطی سرسید سے ان کے زمانہ میں ہوئی وہی صاحب تذکرہ سے اپنے زمانہ میں ہوئی، مسلمانوں کو یورپ کے علوم وفنون اور مادی قوتوں کی تحصیل کی طرف متوجہ کرنا بالکل صحیح ہے مگر اس کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں کہ ہم اپنے چودہ سو برس کے سرمایہ کو نذر آتش یا در یا برد کر دیں اور پہلے کے سارے مفسرین، اہل لغت، اہل قواعد اور اہل علم کو ایک سرے سے جاہل، دشمن اسلام اور احمق کہنا شروع کر دیں ورنہ آئندہ جب زمانہ ورق پلٹے گا، مؤثرات اور ماحول میں تغیر ہوگا تو ان خوش فہموں کی تفسیریں اور تاویلیں بھی ایسی ہی غلط اور دور از کار نظر آئیں گی، جیسی آج ان کی نظر میں امام ماتریدی اور امام غزالی، اور امام رازی کی تفسیریں معلوم ہوتی ہیں

خدا کا کلام، بحر ناپیدا کنار ہے بھلا اس کی موجوں کی گنتی کون کر سکتا ہے؟ بس جس کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ اس کی تشریح کرے لیکن جو کچھ اگلوں کو نظر آیا اس کو نادانی اور جہالت نہ کہے اور جو آئندہ نظر آئے گا اس کا انکار نہ کریں اور صرف اپنی ہی نظر کی وسعت کو جو زمان ومکان کی قیود وحدود میں گھری ہے تحقیق کی انتہا اور صحت کا معیار قرار نہ دے لیں۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس پر اجماع ہے، کہ حدیث قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا اہم ماخذ ہے، لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بیحد مرعوب تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی، تقلید مغرب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اسلام کے بہت سے احکام اس کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے مغربی افکار سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اسلامی احکام میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا اس طبقہ کو اہل تجدد کہا جاتا ہے، ہندوستان میں سرسید احمد خاں، مصر میں طٰہٰ حسین اور ترکی میں ضیا گوگ الپ اس طبقہ کے رہنما ہیں، ان حضرات نے مغربی افکار سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر حجیت حدیث کا انکار کیا اور تفسیر کے متفق علیہ اصولوں کو خیر باد کہہ کر اپنے خیالات کے مطابق تفسیریں بھی کیں۔

قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی زبان پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی پڑھ لیتا ہے یا از خود مطالعہ کر لیتا ہے وہ قرآن کریم میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد، بد رکھنے والے لوگ نہ صرف من مانے طریقہ پر قرآن کریم کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف صرف ترجمہ کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم وفنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا اور نہ اپنی جان اس کے حوالہ کر سکتا ہے جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی، اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، اسی طرح انجینئرنگ کی کتابوں کے مطالعہ سے انجینئر نہیں بن سکتا، جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن

وحدیث کے معاملہ میں صرف عربی سیکھ لینا کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ آخر قرآن وسنت ہی اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لئے کسی علم وفن کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو؟ اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کرے۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ کا صحیح مطلب بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ وہ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ اور بلاشبہ ہم نے قرآن نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، اور جب قرآن کریم آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں، لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک وہ جن میں عام نصیحت کی باتیں اور سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، اس قسم کی آیات بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ لِلذِّکْرِ اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو احکام وقوانین عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیات کا کماحقہ سمجھنا اور ان سے احکام مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک کہ اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے، علامہ سیوطی نے امام ابوعبدالرحمٰن سلمی نے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے ہیں کہ فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِیْعًا ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔ (اتقان ۲/۱۷۶) چنانچہ مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے، اور مسند احمد میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا ہماری نظر میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا۔ (ایضاً)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ جن کی مادری زبان عربی تھی جو عربی کے شعر وادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہو جاتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی بلکہ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کو عربی زبان کی مہارت اور نزول وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود (عالم قرآن) بننے کے لئے باقاعدہ حضور سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزول قرآن کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد عربی کی معمولی شدبد پیدا کر کے یا صرف ترجمہ دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم دین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

مَنْ تَکَلَّمَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِہٖ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ جو شخص قرآن کے معاملہ میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں وہ کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔ (ابوداؤد ونسائی، از اتقان ۲/۱۷۹)

محمد جمال بلند شہری، متوطن شہر میرٹھ

استاذ دارالعلوم دیوبند ۱۴۳۲/۱۲/۲۲

مُقَدِّمَۃ

وحی کی ضرورت

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند سورج، آسمان زمین ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے کہ جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جا سکیں، اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، پس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی رسالت ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ وحی ایک دینی عقیدہ ہی نہیں ایک عقلی ضرورت ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ انسان کو اس دنیا میں امتحان و آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ لگا دیا ہے۔

لہٰذا انسان کے دنیا میں آنے کے بعد دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے جو اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے وقت احکام خداوندی کو مدنظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو علم کی ضرورت ہے، اس لئے کہ علم کے بغیر کائنات سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، نیز جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ خدا کی مرضی کیا ہے، اور کن کاموں کو وہ پسند اور کن کو ناپسند کرتا ہے، اس وقت تک اس کے لئے اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے مذکورہ چیزوں کا علم ہوتا ہے، ایک انسان کے حواس خمسہ ظاہرہ سے جو کہ آنکھ، کان، ناک، زبان اور پورے جسم میں قدرت نے ودیعت فرما دیئے ہیں، قوت باصرہ آنکھ میں قوت سامعہ کان میں قوت شامہ ناک میں، قوت ذائقہ زبان میں، اور قوت لامسہ پورے جسم میں، یہ قوت پورے جسم کے اعتبار سے ہاتھوں میں اور ہاتھوں میں بھی انگلیوں میں اور انگلیوں میں سے انگشت شہادت میں سب سے زیادہ ہے، دوسری چیز عقل ہے اور تیسری وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی چیزوں کا علم حواس خمسہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے اور بہت سی چیزوں کا علم عقل سے حاصل ہوتا ہے، اور جو باتیں ان دونوں کے ذریعہ معلوم نہیں ہو سکتیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان مذکورہ تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس سے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس خمسہ ظاہرہ سے معلوم ہوتی ہیں، ان کا علم محض عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً آپ کے سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، آپ کو اپنی آنکھ کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ انسان ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کا رنگ گورا یا کالا ہے، لیکن اگر یہی باتیں آپ اپنے حواس کو معطل کر کے محض عقل سے معلوم کرنا چاہیں، تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ ہوتا ہے وہ محض حواس ظاہرہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں، مثلاً اسی شخص کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی ماں ضرور ہے، نیز آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کو کسی نے پیدا کیا ہے؟ اگر چہ آپ کے سامنے اس کی ماں موجود نہیں ہے، اور نہ آپ اس کے پیدا کرنے

والے کو دیکھ سکتے ہیں، مگر آپ کی عقل یہ بتا رہی ہے کہ یہ شخص خود بخود پیدا نہیں ہوسکتا، اب اگر آپ اس علم کو اپنی عقل کے بجائے آنکھ سے یا کان سے یا ناک سے حاصل کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں ہے۔

غرض یہ کہ جہاں تک حواس خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کر سکتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دیدیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا علم نہ حواس سے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ عقل سے مثلاً عقل نے یہ تو بتا دیا کہ اسے ضرور کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن اس شخص کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کے ذمہ پیدا کرنے والے کے کیا فرائض ہیں؟ اور اس کا کونسا کام اللہ کو پسند اور کونسا ناپسند ہے؟ یہ سوالات ایسے ہیں کہ ان کا جواب عقل و حواس دونوں مل کر بھی نہیں دے سکتے، ان سوالات کا جواب دینے کے لئے اللہ نے جو ذریعہ متعین کیا ہے اسی کا نام وحی ہے۔ (علوم القرآن)

اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل و حواس کے ذریعہ حل نہیں ہوتے، حالانکہ ان سوالوں کا جواب حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اور مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم دینا عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لئے محض عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، نہ صرف یہ کہ محض حواس ظاہرہ اور عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، بلکہ یہ دونوں ذریعہ علم بعض اوقات نہ صرف یہ کہ رہنمائی نہیں کرتے بلکہ غلط رہنمائی بھی کرتے ہیں، مثلاً اس شخص کو جس کے جسم میں خلط صفراء غالب ہوگئی ہر چیز پیلی نظر آتی ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوتا، یا ایک کے دو نظر آتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات میٹھی چیز کڑوی اور کڑوی میٹھی معلوم ہوتی ہے، اور اگر قوت سامعہ میں خلل واقع ہو جائے تو مختلف قسم کی آوازیں آنے لگتی ہیں حالانکہ خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

عقل اگرچہ معلومات کا اہم ذریعہ ہے مگر یہ کوئی ضروری نہیں کہ عقل ہمیشہ درست نتیجے ہی پر پہنچے، اگر عقل ہمیشہ درست نتیجے پر پہنچا کرتی تو عقلاء کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا حالانکہ ایک ہی مسئلہ ایک عاقل اس کو درست کہتا ہے اور دوسرا اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں ایک بات کو درست کہتا ہے اور دوسرے وقت میں اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عقل کوئی آخری معیار نہیں، بلکہ عقل کا ایک محدود دائرہ کار ہے۔

آخری معیار وحی ہے

حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ کی پرواز کی ایک حد ہے، ہر ایک کا ایک دائرہ عمل ہے، ان میں سے کوئی بھی اپنی حد سے آگے کام نہیں کر سکتا، مثلاً آنکھ سے دیکھ کر، آپ تو یہ بتا سکتے ہیں کہ دار العلوم کی مسجد رشید سفید پتھر کی بنی ہوئی نہایت خوبصورت ہے، اس کے فلک بوس دو منارے ہیں، مگر یہی کام آپ کان سے لینا چاہیں یا آنکھ کے بجائے کان سے آپ مسجد رشید کی خوبصورتی اور رنگ معلوم کرنا چاہیں تو آپ کو مایوسی ہوگی، اسی طرح آپ آنکھ یا کان یا ناک سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں آگئی ہے، یا اس کا کوئی بنانے والا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ کان یا آنکھ یا ناک اس کا جواب نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ بات ان کے دائرہ کار سے باہر کی چیز ہے، یہ کام عقل کا ہے، عقل بتا سکتی ہے، یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا بنانے والا نہایت ہوشیار اور اپنے فن کا ماہر شخص ہے، اسی طرح عقل کا بھی اپنا ایک دائرہ کار ہے جہاں حواس خمسہ ظاہرہ کی حد ختم ہو جاتی ہے وہیں سے عقل کی پرواز شروع ہوتی ہی، مگر اس کی پرواز بھی ایک حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے، مذکورہ ذرائع معلومات کے علاوہ ایک

ذریعہ اور بھی ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے، اس کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے، وحی کی اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ وحی الٰہی رہنمائی ہی وہاں کرتی ہے جہاں عقل ہتھیار ڈال دیتی ہے، جو لوگ وحی الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے وہ غلط اور صحیح کا تمام تر دارومدار عقل ہی پر رکھتے ہیں، حالانکہ نہ تو عقل آخری معیار ہے اور نہ اس کا لگا بندھا کوئی ضابطہ ہے نیز اس کی پرواز بھی محدود ہے، اگر آپ عقل سے اس کے دائرہ کار سے باہر کی بات معلوم کریں گے تو نہ صرف یہ کہ وہ صحیح جواب نہیں دے گی بلکہ وہ خود بھی شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی، جس طرح کہ اگر کوئی شخص سونا تولنے کے کانٹے سے گیہوں کا بھرا ہوا بورا تولنے لگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بورا تلنے کے بجائے وہ کانٹا خود ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گا، اور لوگ تولنے والے کو بھی بے وقوف اور احمق بتائیں گے۔

تاریخ انسانی میں عقل نے بے شمار مرتبہ دھوکے کھائے ہیں، اگر عقل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو انسان کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے، تاریخ میں آپ کو ہزاروں مثالیں ایسی مل جائیں گی کہ عقل کے نزدیک وہ بالکل درست ہیں، ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ اگر اس کے خلاف ہوتا تو خلاف عقل ہوتا۔

حقیقی بہن سے نکاح کرنا عقل کے عین مطابق ہے؟

آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے مسلمانوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو باطنی فرقہ کے نام سے مشہور تھا، اور اس کو قرامطہ بھی کہتے تھے، اس فرقہ کا ایک مشہور پیشوا گذرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے، اس نے اپنے پیروکاروں کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو زندگی گذارنے کے لئے ہدایات دی ہیں، اس میں وہ لکھتا ہے:

''میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں بڑی خوبصورت سلیقہ شعار لڑکی، بہن کی شکل میں موجود ہے، اور بھائی کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے، اس کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہے لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ ایک اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے، جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایسی لڑکی لے آتا ہے کہ جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی اور مزاج شناسی کے اعتبار سے اس کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دیدے اور اپنے لئے ایک ایسی چیز لے آئے کہ جو اس کو پوری راحت نہ دے سکے، یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں، اور اپنے گھر کی دولت کو گھر میں ہی رکھیں''۔ (الفرق بین الفرق للبغدادی: ص ۸۱)

عقلی جواب ناممکن

آپ اخلاقی طور پر اس کے نظریہ پر جتنی بھی چاہیں لعنت بھیجیں، لیکن کیا خالص عقل کی بنیاد پر جو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، جس کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو اس کے استدلال کا جواب خالص عقل کی بنیاد پر قیامت تک دیا جا سکتا ہے؟

عقل کو وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار سمجھنے کا بھیانک نتیجہ

گیارہویں صدی عیسوی کے کلیسا سے جب وہ دینی امور کا ذمہ دار تھا، ایک بھیانک غلطی ہوئی کہ اس نے اپنی مقدس کتابوں میں ان تاریخی، جغرافیائی اور طبقاتی نظریات اور مشہورات کو داخل کر دیا جو اس زمانہ کی تحقیقات اور مسلمات سمجھے جاتے تھے، انسانی علم و عقل کی رسائی اس زمانہ میں اسی حد تک ہوئی تھی، لیکن وہ درحقیقت انسانی علوم و عقل کی آخری حد نہ تھی، مگر اس کو آخری سمجھ لیا گیا تھا، انسانی عقل کا سفر چونکہ بتدریج جاری ہے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آنے والا نظریہ گذشتہ نظریہ کی تردید کر دیتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی ہر منزل عارضی ہوتی ہے، اس پر کوئی پائیدار عمارت قائم نہیں کی جا سکتی، ورنہ توریت کی

دیوار کی طرح کھسک کر منہدم ہو جائے گی۔

ارباب کلیسا نے غالباً نیک نیتی سے ایسا کیا تھا، ان کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اس سے ان آسمانی کتابوں کی عظمتِ شان اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا، لیکن آگے چل کی یہی چیز ان کے لئے وبال جان اور مذہب وعقلیت کے اس نامبارک معرکہ کا سبب بن گئی جس میں مذہب نے شکست فاش کھائی، چونکہ کلیسا نے مذہب میں عقلی علوم کی آمیزش کر لی تھی اس لئے اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں اہل مذہب کا ایسا زوال ہوا کہ جس کے بعد اس کا عروج نہ ہو سکا، اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ یورپ لادینی ہو گیا۔

عقلیت پسندوں پر کلیسا کے مظالم

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یورپ میں عقلیت پسندی کا کوہ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، طبعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے، انہوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جن کو کلیسا اور اہل مذہب نے اپنی مقدس کتابوں میں داخل کر لیا تھا اور ان پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان پر بے سمجھے ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہو گئی تھی، ارباب کلیسا نے کہ جن کے ہاتھوں میں اس وقت زمام اقتدار تھی ان محققین اور ماہرین طبعیات علماء کی تکفیر کی، اور ملاحدہ اور مرتدین کی صفوں میں شامل کر کے دین مسیحی کی حفاظت کے لئے ان کا خون بہانے کی اجازت دیدی، ایمرجنسی اور فوری عدالتیں قائم کی گئیں، ان عدالتوں میں ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ لوگوں کو سزائے موت دی گئی جن میں تیس ہزار افراد کو زندہ جلایا گیا، انہیں زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت اور طبعیات کے مشہور عالم برونو (Brunoe) بھی شامل ہے، جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، اسی طرح مشہور ماہر طبعیات وفلکیات گلیلیو (Galilio) کو اس بناء پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کی گردش کا قائل تھا، موجودہ تمام حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عقل انسانی وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار نہیں ہے، جن لوگوں نے عقل کو ہر معاملہ میں آخری معیار سمجھا ہے انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

تاریخ حفاظت قرآن

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل دیکر محفوظ کر لیا جائے، چنانچہ ابتداء اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، مگر چونکہ محض حفظ کی صورت میں نسیان کا امکان رہتا ہے اس لئے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کا بھی اہتمام کیا گیا۔

جمع وترتیب کا کام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور نگرانی میں ہو رہا تھا، ایسا نہیں تھا کہ صحابہ کرام کیف ما تفق جہاں چاہا لکھ دیا، مثلاً جب غیر اولی الضرر کے الفاظ نازل ہوئے تو آپ نے نہ صرف یہ کہ فوراً قلمبند کرنے کا حکم فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ فلاں آیت کے بعد لکھو، چنانچہ آنحضرت کے وصال کے بعد سلسلہ وحی بند ہوا، تو اس وقت صحابہ کے پاس مکمل قرآن مرتب شکل میں لکھا ہوا موجود تھا مگر آپ ﷺ کی موجودگی میں سلسلہ وحی جاری رہنے کی وجہ سے درمیانی اضافوں کی گنجائش تھی اس لئے کتابی شکل میں نہ تھا۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں **وقد کان القرآن مکتوباً فی عهده صلی الله علیه وسلم لکن غیر مجموعة فی موضع واحد** یعنی قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا البتہ یکجا تمام سورتوں کی شیرازہ بندی نہیں تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں تاریخ حفاظت قرآن

حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں یمامہ کے مقام پر مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے ایک خوں ریز جنگ ہوئی جس میں تقریباً بارہ سو مسلمان شہید ہوئے ان میں سات سو حفاظ اور قراء بھی شہید ہوئے، حفاظ قرآن کی اس کثیر تعداد کے شہید ہو جانے سے سیدنا حضرت عمر فاروق کو شدید اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ جنگوں میں باقی حفاظ بھی شہید ہو جائیں، اور اس دولت سے

ت محروم ہو جائے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اس طرف توجہ دلائی، ابتداءً تو ابوبکر صدیق تیار نہ ہوئے مگر حضرت عمر فاروق کے مسلسل اصرار اور خود غور و فکر کرکے نتیجہ کی وجہ سے آخر کار حضرت ابوبکر صدیق کو بھی اس مسئلہ میں شرح صدر ہو گیا اور آپ تیار ہو گئے، چنانچہ آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلایا اور فرمایا آپ ایک صالح نوجوان ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ خدمت دیتے رہے ہیں نیز ہمیں آپ کے اوپر پورا اعتماد ہے آپ اس کام کو انجام دیں، چنانچہ حضرت زید لکھنے اور حضرت ابی بن کعب لکھانے پر مامور ہوئے، غرضیکہ ان حضرات نے یہ کام بحسن وخوبی انجام دیا، اور کتابی شکل میں ایک مکمل نسخہ تیار ہو گیا، جو حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہا، آپ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس تاحیات رہا، حضرت عمرؓ کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ کے پاس رہا، اور اس کی تصدیق شدہ نقلیں ملک کے اطراف و جوانب میں بھیج دی گئیں۔

حفاظت قرآن وعہد عثمانی

جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور جب بکثرت اہل عجم حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے جن کی مادری زبان عربی نہ ہونے کی وجہ سے عربی حروف کا صحیح تلفظ اور ادائیگی عموماً نہیں پائی جاتی تھی، اس کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں لب ولہجہ کا اختلاف بکثرت موجود تھا، ابن قتیبہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی ہذیل (حتی حین) کو عتی عین پڑھتے ہیں، اور بنواسد تعلمون کسرۂ تا کے ساتھ تِعلمون پڑھتے ہیں اور تمیمی اُن کے بجائے عن اور سین کی جگہ تا پڑھتے ہیں، چنانچہ سورۂ ناس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں، بوَبّ النات ملك النات اله النات چنانچہ عہد عثمانی میں آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتح کے وقت شام وعراق کی فوجیں ایک جگہ جمع ہوئیں تو ان کی قرأت میں تشویشناک حد تک اختلاف پایا گیا ہر ایک اپنی قرأت کو دوسرے سے اصح قرار دیتا تھا، حضرت حذیفہؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو حضرت عثمانؓ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور اس کی طرف توجہ مبذول فرمانے کے لئے کہا، حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہ کی رائے کو پسند فرمایا، اور حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن مجید منگوا کر، حضرت زید ابن ثابت اور حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن الحارثؓ کو اس کام پر مقرر فرمایا

اس کام کی تکمیل کے بعد مشہور قول کے مطابق اس کے پانچ نسخے لکھے گئے یہ نسخے مکہ، مدینہ، شام، بصرہ اور کوفہ روانہ کئے گئے، ایک نسخہ خود حضرت عثمانؓ نے اپنے پاس رکھا اس نسخہ کو مصحف امام کہا جاتا ہے، اس طرح نسخوں کی تعداد چھ ہو جاتی ہے، بعض حضرات نے نسخوں کی تعداد آٹھ بتائی ہے، ساتواں بحرین اور آٹھواں یمن روانہ کیا گیا، مذکورہ نسخوں کے علاوہ تمام دیگر نسخے معدوم کردئے گئے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ موجودہ قرآن حضرت عثمان غنیؓ کا جمع کردہ ہے، حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت بجائے خود ایک عظیم خدمت ہے، مگر جمع قرآن کی نہیں تھی بلکہ اس کی نوعیت اور صورت یہ تھی کہ آپ نے لوگوں کو کتابت کی حد تک ایک رسم الخط پر جمع کر دیا تھا اصل جامع اور مرتب حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اور حضرت عثمانؓ نے مختلف قراءات ایک رسم الخط پر جمع کیا اور اس کے متعدد نسخے مختلف شہروں میں پھیلا دئے۔ (علوم القرآن، ملخصاً)

وحی کی اقسام

۱ وحی قلبی

اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے، اس قسم میں نہ فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ نبی کی قوت سامعہ اور نہ دیگر حواس کا، لہٰذا اس میں کوئی آواز نبی کو نہیں سنائی دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی ہے، یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے در خواب میں بھی، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا

حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

۲۔ کلام باری اس دوسری قسم میں باری تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہمکلامی کا شرف عطا فرماتا ہے اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا مگر اس میں نبی کو آواز سنائی دیتی ہے، یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل مختلف ایک عجیب وغریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں، جو انبیاء اس کو سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں، یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم کا ارشاد ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا (النساء) اور اللہ نے موسیٰ سے خوب باتیں کیں۔

۳۔ وحی ملکی اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعہ نبی تک پہنچا دیتا ہے، بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور بعض مرتبہ کسی انسانی شکل میں سامنے آکر پیغام پہنچا دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کو اپنی اصل صورت میں نظر آجائے مگر ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے، قرآن کریم نے وحی کی انہی تین قسموں کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ الْحِجَابِ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ (الشوریٰ) ''کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے (روبرو) بات کرے مگر دل میں بات ڈال کر پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے''۔

اس آیت میں وحیًا (دل میں بات ڈالنے) سے پہلی قسم یعنی وحی قلبی مراد ہے، اور پردے کے پیچھے سے مراد دوسری قسم یعنی کلام الٰہی اور پیغامبر بھیجنے سے مراد تیسری قسم یعنی وحی ملکی ہے۔

وحی اور ایحاء میں فرق وحی اور ایحاء، لغت میں ان کے معنی ہیں جلدی سے کوئی اشارہ کردینا خواہ وہ اشارہ کسی بھی طریقہ سے ہو، چنانچہ اسی معنی میں حضرت زکریا کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے **فخرج علی قومه من المحراب فاوحی الیهم ان سبحوا بکرة وعشیًا** ظاہر ہے کہ اشارہ کا مقصد مخاطب کے دل میں کسی بات کا ڈالنا ہوتا ہے، اس لئے وحی اور ایحاء دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں، مثلاً وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ، واِنّ الشیاطین لیوحون الی اولیاء شیاطینهم لیجادلوکم، وَاَوْحَيْنَا اِلٰى ام موسی ان ارضعیه مذکورہ تمام آیات میں ایحاء لغوی معنی میں ہے۔

وحی کے اصطلاحی معنی وحی کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کلام اللّٰه المنزل علی نبی من انبیاءه، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وحی اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اس کا استعمال پیغمبر کے سوا کسی اور کیلئے درست نہیں، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ وحی اور ایحاء دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، ایحاء کا مفہوم عام ہے، انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے برخلاف وحی صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایحاء کا استعمال انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لئے کیا ہے لیکن لفظ وحی سوائے انبیاء کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں فرمایا۔ (علوم القرآن)

مکی اور مدنی آیات آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورت کے ساتھ مکی اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے، اکثر مفسرین کی اصطلاح میں مکی آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، بعض لوگ مکی و مدنی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو مکہ میں نازل ہوئی وہ مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوئی وہ مدنی، مگر

مفسرین کی اصطلاح کے مطابق، یہ مطلب درست نہیں ہے، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکیں تھیں اس لئے انہیں مکی کہا جاتا ہے چنانچہ منیٰ وعرفات وغیرہ اور سفر معراج کے دوران نازل ہونے والی آیات ایسی ہی ہیں، حتی کہ سفر ہجرت کے دوران مدینہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں جو آیات نازل ہوئیں وہ بھی مکی کہلاتی ہیں، اسی طرح بہت سی وہ آیات جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں، اگرچہ مکہ یا مکہ کے اطراف میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کو مدنی ہی کہا جاتا ہے۔

مکی مدنی آیتوں کی خصوصیات

علماء تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے بادی النظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سلسلہ میں بعض قواعد کلی ہیں اور بعض اکثری، قواعد کلیہ یہ ہیں:

۱ ہر وہ سورت جس میں کَلَّا آیا ہے وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے نصف آخر میں ہیں۔

۲ ہر وہ سورت کہ جس میں کوئی سجدہ کی آیت آئی ہے مکی ہے (یہ اصول حنفیہ کے مسلک پر ہے) کیونکہ ان کے نزدیک سورۂ حج میں سجدہ نہیں ہے، شوافع کے نزدیک سورۂ حج میں سجدہ ہے اور وہ مدنی ہے، لہٰذا وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہو گئی۔

۳ سورۂ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت کہ جس میں آدم وابلیس کا واقعہ آیا ہے مکی ہے۔

۴ ہر وہ سورت کہ جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں مدنی ہے۔

۵ ہر وہ سورت کہ جس میں منافقین کا ذکر ہے مدنی ہے، بعض حضرات نے اس قاعدہ سے سورۂ عنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورۂ عنکبوت بحیثیت مجموعی تو مکی ہے، مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں۔

مندرجہ ذیل خصوصیات اکثری ہیں کلی نہیں

۱ مکی سورتوں میں عموماً یا ایہا الناس کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں یا ایہا الذین آمنوا کے الفاظ سے۔

۲ مکی آیات عموماً چھوٹی اور مختصر ہیں۔

۳ مکی آیات زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت کے اثبات اور حشر و نشر کی منظر کشی، آنحضرت کو صبر وتسلی کی تلقین پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام کم بیان ہوئے ہیں بخلاف مدنی سورتوں کے۔

۴ مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے۔

۵ مکی سورتوں کا اسلوب زیادہ پرشکوہ ہے۔

قرآن کریم کے متعلق مفید اعداد وشمار

سورتیں	۱۱۴	زبر	۵۳۲۴۳
رکوعات	۵۴۰	زیر	۳۹۵۸۲
آیات مدنی	۶۲۱۴	پیش	۸۸۰۴
آیات مکی	۶۲۲۱	مدات	۱۷۷۱
آیات بصری	۶۲۲۵	تشدیدات	۱۲۵۲
آیات شامی	۶۲۲۶	نقطے	۱۵۶۸۴
کلمات	۷۷۴۳۹	حروف	۳۶۴۲۱۹

تاریخ نزول قرآن قرآن کریم کلام الٰہی ہے جو کہ ازل ہی سے لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے **بل هُوَ قرآنٌ مَّجیدٌ فی لوحٍ محفوظ** بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن مجید کا نزول لوح محفوظ سے دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ پورے کا پورا آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کر دیا گیا تھا، (بیت العزت کو بیت المعمور بھی کہتے ہیں) کعبۃ اللہ کے محاذات میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے، یہ نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا، پھر دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ۲۳ سال میں اس کی تکمیل ہوئی، اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول اس وقت شروع ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال تھی، اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر ہی میں ہوا ہے، لیکن اس رات میں رمضان المبارک کی کونسی تاریخ تھی اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترہ اور بعض سے انیس اور بعض سے ستائیس شب معلوم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت صحیح قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں، وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں تھیں جو غار حرا میں نازل ہوئیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ پر نزول وحی کی ابتداء تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ کو خلوت میں عبادت کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپ غار حراء میں کئی کئی راتیں گذارتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز اسی غار میں آپ کے پاس اللہ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے پہلی بات یہ کہی اقرأ یعنی پڑھو، حضور نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد فرشتے نے آپ کو اس زور سے دبایا کہ مشقت کی انتہا ہوگئی، غرضیکہ اسی طرح آپ کے ساتھ تین مرتبہ فرشتے نے عمل کیا، تیسری مرتبہ کے بعد سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں، آپ اس واقعہ سے بہت خوف زدہ ہوگئے تھے اور خوف کی وجہ سے آپ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، جب آپ گھر پہنچے تو حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، آپ پر نازل ہونے والی یہ سب سے پہلی آیتیں تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اس زمانہ کو فترت وحی کا زمانہ کہتے ہیں، تین سال کے بعد پھر وہی فرشتہ جو غار حرا، میں آیا تھا آپ کو آسمان زمین کے درمیان نظر آیا، اور اس نے سورۂ مدثر کی آیات آپ کو سنائیں۔

التفسیر لغةً و اصطلاحاً

تفسير لغةً، الكشف والإبانة تفسير اصطلاحاً، علم يُبحثُ فيه عن احوال القرآن المجيد من حيث دلالته على مراد الله تعالى بحسب طاقة البشرية پہلی قید سے علم قرأت خارج ہوگیا اس لئے کہ علم القرأت میں ضبط الفاظ اور کیفیت اداء سے بحث ہوتی ہے، اور بقدر طاقۃ البشر یہ کی قید کا اضافہ اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ متشابہات اور اللہ تعالیٰ کی واقعی اور نفس الامری مراد کے عدم علم سے علم تفسیر میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

تفسیر وتاویل میں فرق تفسیر کا علم وادراک صرف نقل ہی سے ہوسکتا ہے، جیسا کہ اسباب نزول، اور تاویل کا علم وادراک قواعد عربیہ سے بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا علم تاویل، ان علوم میں سے ہے، جس کا تعلق درایت سے ہے، نیز تاویل چند محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو، احتمال خطاء کے ساتھ ترجیح دینا ہے، اور تفسیر حتمی اور قطعی طور پر یہ بیان کرنا ہے کہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔ (جمل ملخصاً)

موضوع: القرآن من حيثُ دلالته على مراد الله تعالى .
غرض: اَلإهتِداء بِهداية الله تعالىٰ، والتَّمسُّك بالعروةِ الوثقىٰ و الوصول الى السعادة الاَبديه

ترجمة الإمامَيْن الهمامين الجليلين

الشیخ محمد بن احمد جلال الدین المحلی، والشیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی۔
بلاشبہ ان دونوں حضرات کی ذات گرامی اپنے زمانہ میں یگانۂ روزگار تھی، ایسی عبقری شخصیتیں بہت کم پیدا ہوتی ہیں

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات　　تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یوں تو اس عالم ہست وبود و جہانِ رنگ وبو میں بے شمار قابل فخر سپوت جنم لیتے ہیں، لیکن ان میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جو سینۂ گیتی پر نقش دوام چھوڑ کر جاتے ہیں، ان ہی خوش نصیب اور قابل مبارک باد افراد میں سے دونوں صاحب جلالین بھی ہیں۔
اگر چہ ان حضراتؒ کے تذکرہ وتعارف کی چنداں ضرورت نہیں اسلئے کہ عیاں را چہ بیاں، بلکہ یہ تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے مگر چونکہ ترجمہ نویسی کا طریقہ اسلاف واکابر سے چلا آرہا ہے، اسی کے پیش نظر احقر بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔
ابتداء صاحب جلالین نصف ثانی سے کرتا ہوں اس لئے کہ موصوف کو تقدم زمانی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب نصف اول علامہ سیوطی کے استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

صاحب جلالین نصف ثانی

نام ونسب آپ کا نام محمد اور والد محترم کا نام احمد ہے اور جلال الدین لقب ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم بن شہاب بن کمال الانصاری محلی، مصر کے ایک شہر محلۃ الکبریٰ کی طرف منسوب ہیں۔

سن پیدائش ووفات آپ ماہ شوال ۷۹۱ھ میں مصر کے دارالسلطنت قاہرہ میں پیدا ہوئے اور ۸۶۴ھ میں ۵ رمضان مبارک بروز شنبہ بوقت صبح رحلت فرمائی، آپ نے ۷۳ سال عمر پائی، باب النصر میں اپنے آباء و اجداد کے قریب مدفون ہوئے۔

تحصیل علوم قرآن کریم کے حفظ سے فراغت کے بعد آپ نے چند ابتدائی کتابیں مقامی اساتذہ سے پڑھیں اور فقہ علامہ بیجوری، جلال بلقینی، ولی عراقی سے پڑھی، اور نحو شہاب عجیمی اور شمس شطنوفی سے اور فرائض وحساب ناصر الدین بن انس مصری حنفی سے اور منطق، جدل، معانی، بیان، عروض، بدر محمود اقصرائی سے اور اصول دین وتفسیر علامہ شمس بساطی وغیرہ سے حاصل کئے، ان حضرات کے علاوہ دیگر اساطین علم کے حلقہ درس میں حاضر ہو کر استفادہ کیا، اولاً آپ نے کپڑے کی تجارت اختیار کی، ایک مدت تک کپڑے کی تجارت کرتے رہے، اس کے بعد ایک شخص کو قائم مقام بنا کر خود درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور ایک خلق کثیر نے آپ سے تحصیل علم کیا، آپ پر عہدۂ قضاء بھی پیش کیا گیا مگر آپ نے انکار فرمادیا۔

آپ کی تصانیف آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں جمع الجوامع، جلالین نصف ثانی بڑی اہمیت کی حامل ہیں، آپ نے تفسیر کی ابتداء سورۂ کہف سے فرمائی نصف ثانی مکمل کرنے کے بعد نصف اول سے صرف سورۂ فاتحہ ہی کی تفسیر کر پائے تھے کہ عمر نے وفا نہ کی اور اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون) بقیہ نصف اول کی تکمیل

آپ کے شاگرد رشید علامہ سیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کی۔

تفسیر جلالین | فن تفسیر کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر ہے اگر اس کو قرآن پاک کا عربی ترجمہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، قرآنی اور تفسیری الفاظ سورۂ مدثر تک تقریباً برابر ہیں اس کے بعد قرآنی کلمات سے تفسیری کلمات زیادہ ہیں، جس کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ تفسیر جلالین کو بے وضو چھونا جائز ہے، یہ تفسیر چونکہ دو بزرگوں کی ہے اور ان دونوں ہی کا لقب جلال الدین ہے اس لئے اس کتاب کا نام جلالین رکھا گیا بعض اوقات نصف اول وثانی کے مفسر کی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اس کے یاد رکھنے کی آسان شکل یہ ہے کہ سیوطی کے شروع میں سین ہے اور محلی کے شروع میں میم ہے اور سین حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے مقدم ہے اور میم مؤخر، لہٰذا جس کے شروع میں سین ہے اس کا حصہ مقدم ہے اور جس میں میم ہے اس کا مؤخر۔

جلالین کے مآخذ | شیخ موفق الدین احمد بن حسن بن رافع کواشی نے دو تفسیریں لکھی ہیں، ایک کبیر جس کو تبصرہ کہتے ہیں اور دوسری صغیر جس کو تلخیص کہتے ہیں، شیخ جلال الدین محلی کا اعتماد اسی تفسیر صغیر پر ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے، مگر اس کے ساتھ تفسیر وجیز اور تفسیر بیضاوی اور ابن کثیر پیش نظر رہی ہیں۔

جلالین کے شروح وحواشی | (۱) جمالین، ملا نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی المشہور بملا علی قاری التوفی ۱۰۱۴ھ کا بہت عمدہ حاشیہ ہے (۲) قبس النیرین یہ ۹۵۲ھ کی تالیف ہے (۳) مجمع البحرین ومطلع البدرین، جلال الدین محمد بن محمد کرخی کی کئی جلدوں میں ہے (۴) کمالین شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن عبدالصمد التوفی ۱۲۲۹ھ کی ہے یہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے احفاد میں سے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی حواشی وشروح ہیں چونکہ استیعاب مقصد نہیں اس لئے ان ہی چند کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔

صاحب جلالین نصف اول

نام ونسب | نام عبدالرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، لقب جلال الدین، کنیت ابوالفضل ہے، پورا نسب اس طرح ہے، عبدالرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، بن سابق الدین، بن عثمان فخر الدین بن ناظر الدین الاسیوطی، سیوط کی طرف منسوب ہیں، جس کو اسیوط بھی کہتے ہیں، سیوط دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر ہے، یہی محلہ خضیریہ ہے جو سوق خضر کے نام سے مشہور ہے، یکم رجب ۸۴۹ھ بعد مغرب تولد ہوئے، اپنے عہد کے نہایت باکمال ائمہ فن میں سے تھے۔

تحصیل علوم | آپ صغر سنی یعنی پانچ سال سات ماہ کی عمر میں ہی سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے، حسب وصیت والد ماجد، چند بزرگوں کی سرپرستی میں رہے، جن میں شیخ کمال ابن الہمام حنفی بھی تھے، موصوف نے آپ کی طرف پوری توجہ فرمائی، چنانچہ آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن کریم کے حفظ سے فراغت حاصل کر لی، اس کے بعد آپ نے منہاج الاصول، الفیہ ابن مالک وغیرہ کتابیں حفظ کیں، شیخ شمس سراجی اور شیخ شمس مرزبانی حنفی سے بہت سے درسی اور غیر درسی کتابیں پڑھیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ علم وفن کے حلقۂ درس میں شرکت فرمائی۔

ایک غلطی کا ازالہ | بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ علامہ سیوطی حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں، مگر یہ تاریخ کی رو سے درست نہیں ہے اس لئے کہ اصحاب تاریخ کی یہ صراحت موجود ہے کہ حافظ ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی ہے، اور علامہ سیوطی کی پیدائش ۸۴۹ھ میں ہے، اس حساب سے حافظ ابن حجر کی وفات کے وقت علامہ سیوطی کی عمر صرف تین سال ہے، ظاہر ہے کہ اس عمر میں تلمذ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

درس وتدریس اور افتاء | تحصیل علوم وتکمیل فنون کے بعد ۸۷۰ھ میں افتاء کا کام شروع کیا اور ۸۷۲ھ سے املا میں مشغول

ہو گئے، آپ نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے سات علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع میں تبحر عطا فرمایا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حج کے موقع پر آب زمزم پیا اور یہ دعا کی کہ فقہ میں شیخ سراج الدین بلقینی کے رتبہ کو اور حدیث میں حافظ ابن حجر کے مرتبہ کو پہنچ جاؤں۔

آپ اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، آپ نے خود فرمایا کہ مجھے دولاکھ حدیثیں یاد ہیں، اور اگر مجھے اس سے بھی زیادہ ملتیں تو ان کو بھی یاد کرتا، چالیس سال کی عمر میں قضاء وافتاء وغیرہ سے سبکدوش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور ریاضت وعبادت، رشد وہدایت میں مشغول ہو گئے، آپ کے زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ امراء، اور اغنیاء آپ کی خدمت میں آتے اور قیمتی قیمتی ہدایا وتحائف پیش کرتے، مگر آپ قبول نہ فرماتے، سلطان غوری نے ایک خصی غلام اور ایک ہزار اشرفیاں آپ کی خدمت میں بھیجیں، آپ نے اشرفیاں واپس کر دیں، اور غلام آزاد کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ کا خادم بنا دیا۔

آپ صاحب کشف وکرامات بزرگوں میں سے تھے، طی الارض کی کرامت آپ کی بہت مشہور ہے، بقول آپ کے آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر مرتبہ خواب میں زیارت فرمائی۔

علمی خدمات بقول داؤد مالکی آپ کی تصانیف کی تعداد پانصد سے بھی متجاوز ہے، آپ کی تصانیف میں سب سے پہلی تصنیف شرح استعاذہ وبسملہ ہے، علوم القرآن پر آپ کی تالیف ''الاتقان فی القرآن'' نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے۔

وفات آپ کی وفات ہاتھ کے ورم میں مبتلا ہو کر جمعہ کی آخری شب ۱۹ر جمادی الاول ۹۱۱ھ میں پائی إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

محمد جمال بلند شہری متوطن میرٹھ

استاذ دار العلوم دیو بند

۱۲ر ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق

۲۵ر فروری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الکھف

سُورَةُ الكَهْفِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الآية مائة وعشر آيات او خمس عشرة آية

سورۂ کہف مکی ہے، سوائے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ (الآیہ) کے ایک سودس یا ایک سو پندرہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ اَلْحَمْدُ هو الوصفُ بالجميلِ ثابتٌ لِلّٰهِ وهَلِ المرادُ الإعلامُ بذلك الثناءُ به اَوْهما احتمالاتٌ اَفْيَدُهَا الثالثُ الَّذِى اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ مُحمدٍ الكِتٰبَ القرآنَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهٗ اى فيه عِوَجًا۝ اِختلافًا وتَنَاقُضًا والجملةُ حالٌ من الكتاب.

ترجمہ

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، حمد صفات کمالیہ بیان کرنے کو کہتے ہیں، ہر قسم کی حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے، آیا جملہ خبریہ کے استعمال سے ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا مقصود ہے یا (انشاء) ثنا مقصود ہے یا دونوں مقصود ہیں یہ کل تین احتمالات ہیں، ان میں تیسرا احتمال زیادہ مفید ہے جس نے اپنے بندے محمد پر کتاب قرآن نازل فرمائی اور اس میں کسی قسم کی کجی یعنی لفظی اختلاف اور معنوی تناقض نہیں رکھا، اور جملہ لَمْ يَجْعَلْ لَهٗ، کتابٌ سے حال ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

عِوَجٌ بالکسر فساد فی المعانی اور بالفتح فساد فی الاجسام یعنی عَوَج ایسی کجی جو جوارح سے محسوس ہو، اور عِوَج ایسی کجی جو عقل سے محسوس ہو، مگر یہ قاعدہ اکثری ہے کلیہ نہیں۔

وَهَلِ المراد الإعلامُ بذلك اس سوالیہ جملہ سے شارح علام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جملہ خبریہ کے ذریعہ جو ثبوتِ حمد کی خبر دی گئی ہے اس سے تین مرادیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ ازلی و ابدی ہیں، اس صورت میں جملہ لفظاً اور معناً خبریہ ہوگا، اور خبر دینے کے لئے ثابت محذوف نکال کر جملہ اسمیہ اختیار کرنے سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندوں کے لئے ضروری ہے کہ خداوند قدوس کے لئے کمالات کے ازلی وابدی ہونے کا اعتقاد رکھیں (۲) یا مقصد انشاء حمد ہے اسی کو مفسر علام نے او الثناء بہ سے تعبیر کیا ہے، اس صورت میں جملہ لفظاً خبریہ اور معناً انشائیہ ہوگا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَحْمَدُ واُنْشِئُ حمدًا لِنَفْسِى لعجزِ خلقى من

کہ حمدی (۳) یا دونوں مقصود ہیں اس کی طرف اپنے قول او ھما سے اشارہ فرمایا ہے، یعنی اِخبار حمد اور انشاء حمد دونوں مقصود ہوں گے، اس صورت میں جملہ کا استعمال خبر اور انشاء دونوں میں ہوگا، اور یہ حقیقت و مجاز کے اجتماع کے طور پر ہوگا، مگر خبر میں حقیقت اور انشاء میں مجاز ہوگا، اور مقصد ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا اور انشاء حمد کرنا ہوگا۔

اَفْیَدُھَا ثالث شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں صورتوں میں تیسری صورت زیادہ مفید اور بہتر ہے، اس لئے کہ اس صورت میں اِخبار اور انشاء دونوں مقصود بالذات ہوجاتے ہیں، بخلاف پہلی دونوں صورتوں کے کہ ان میں ایک مقصود بالذات اور دوسرا مقصود بالتبع ہوتا ہے، اگر تو اعتراض کرے کہ انشاءِ ثناء اِخبار بالثناء کو مستلزم ہے، بایں طور کہ انشاء حمد کرنے والا بھی حمد کرنے والا ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ مقصود بالذات اور مقصود بالتبع میں فرق ہوتا ہے، مثلاً اگر جملہ کو فقط خبریہ قرار دیا جائے تو اس صورت میں اخبار بالحمد قصداً ہوگی مگر انشاء ثناء تبعاً ہوگی اور اگر جملہ کو فقط انشائیہ قرار دیا جائے تو اس صورت میں انشاء حمد تو قصداً ہوگی مگر اخبار بالحمد ضمناً اور تبعاً ہوگی، اور اگر دونوں یعنی جملہ خبریہ اور انشائیہ قرار دیا جائے تو اخبار اور انشاء دونوں قصداً ہوں گے **قولہ** اَلَّذِیْ اَنْزَلَ (الآیہ) ثبوت حمد کے لئے علت کے قائم مقام ہے اس لئے کہ موصول صلہ سے مل کر جب صفت واقع ہو اور صلہ مشتق ہو تو ایسی صفت موصوف کے لئے ثبوت حکم کی علت ہوا کرتی ہے، اسی قاعدہ کے مطابق الذی انزَلَ، الحمد ثابت للّٰہ کے لئے علت ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے حمد اس لئے ہے کہ اس نے قرآن نازل فرمایا۔

الحمد کے بعد ھو الوصف بالجمیل کے اضافہ کا مقصد حمد کے معنی کو بیان کرنا ہے اور ثابت مقدر مان کر یہ بتانا ہے کہ الحمد مبتداء ہے اور للّٰہ ثابت مقدر کے متعلق ہو کر مبتدا کی خبر ہے۔

سوال: ثَبَتَ کے بجائے ثابت اسم فاعل کا صیغہ محذوف ماننے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: ثابتٌ اسم فاعل استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے اس سے اشارہ کردیا کہ باری تعالیٰ کے لئے ثبوت حمد دائمی اور ازلی ہے، بخلاف ثَبَتَ کے کہ یہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے **قولہ** تناقضًا حذف مضاف کے ساتھ اختلافًا کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے اختلافًا ذَا تناقُضٍ، لَہٗ کی تفسیر فیہ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لام بمعنی فی ہے۔

تفسیر وتشریح

سورہ کہف کے فضائل

اس سورت کے پڑھنے سے گھر میں سکینت و برکت نازل ہوتی ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی نے سورۂ کہف پڑھی گھر میں ایک جانور بھی تھا وہ بدکنا شروع ہوگیا اور کودنے لگا، تو انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انہیں ایک بادل

نظر آیا جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا، صحابی مذکور نے اس واقعہ کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا سے پڑھا کرو، اس کے پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری فضل سورۃ الکہف)

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن نازل کیا اور اس میں کسی قسم کی کمی باقی نہ چھوڑی۔

قَیِّمًا مُسْتَقِیْمًا حالٌ ثانِیَةٌ مؤکّدة لِیُنْذِرَ یُخوّفَ بالکتاب الکافرین بَاْسًا عذابًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ من قِبَلِ اللّٰهِ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاکِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا هو الجنةُ وَّیُنْذِرَ من جُملَةِ الکافرین الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مَالَهُمْ بِهٖ بهٰذا القول مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَائِهِمْ مِّنْ قَبْلِهِمْ القائلین له کَبُرَتْ عَظُمَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کلمةً تمیزٌ مُفَسِّرَةٌ للضمیر المُبْهَم والمخصوص بالذّمّ محذوف ای مقالتُهم المذکورةُ اِنْ ما یَقُوْلُوْنَ فی ذٰلک اِلَّا مقولاً کَذِبًا۔

ترجمہ

درحال یہ ہے کہ وہ بالکل سیدھی مستقیم ہے قَیِّمًا کتاب سے حال ثانیہ ہے اور جملہ حالیہ کی تاکید ہے، تاکہ ڈرائے (اللہ) کتاب کے ذریعہ کافروں کو اپنے سخت عذاب سے، جو کہ اس کی طرف سے ہے اور تاکہ ان مومنین کو خوشخبری دے جو نیک عمل کرتے ہیں یہ کہ ان کے لئے اجر حسن ہے حال یہ ہے کہ وہ اس اجر حسن میں کہ وہ جنت ہے ہمیشہ رہیں گے، اور منجملہ کافروں سے ان کافروں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے اس قول کی نہ ان کے پاس کوئی سند ہے اور نہ ان کے آباء کے پاس جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اور وہ بھی اسی بات کے قائل تھے اور یہ بات جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے بڑی بھاری ہے، کلمةً تمیز ہے جو کہ کَبُرَتْ کی ھی ضمیر مبہم کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ان کا قول مذکور (اِتَّخَذَ اللّٰهُ ولدًا ہے) اور وہ اس بارے میں جھوٹ کے سوا کچھ نہیں بکتے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قَیِّمًا صیغہ صفت ہے، اس کے دو معنی ہیں (۱) درست، مستقیم، جیسے ذٰلک دِین القَیِّمَة یہی طریقہ درست ہے (۲) درست کرنے والا یعنی ایسی کتاب جو انسانوں کے دینوی اور اخروی تمام معاملات کو درست کرنے والی ہے، اس صورت میں قَیِّمًا مقوّمٌ کے معنی میں ہوگا قَیِّمًا یہ الکتاب سے حال ثانی ہے اس صورت میں حال مترادفہ ہوگا، پہلا حال جملہ وَلَمْ یَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا ہے، یا لَهٗ کی ضمیر سے حال ہوگا اس صورت میں حال متداخلہ ہوگا، اور یہ حال مؤکدہ کہلائے گا اس لئے کہ دوسرا حال پہلے حال کے مفہوم کی تاکید کرتا ہے، فعل محذوف کا مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے، تقدیر

عبارت یہ ہوگی جعلہ قیما، **قولہ** لِیُنْذِرَ میں لام تعلیل یا عاقبت کا ہے اور اَنْزَلَ سے متعلق ہے اور لِیُنذِرَ کا مفعول اول یعنی الکافرین محذوف ہے اور بأسًا شدیدًا مفعول ثانی ہے، اور مِنْ لَدُنْہُ کائناً محذوف کے متعلق ہوکر جملہ ہوکر بأسًا کی صفت ثانی ہے، ای بأسًا شدیدًا کائنًا منہ یُبَشِّرُ کا عطف یُنْذِرَ پر ہے اور لام کے تحت ہے، المومنین یُبَشِّرُ کا مفعول ہے، اور الذین یعملون الخ المومنین کی صفت ہے اَنَّ لَھُمْ کے پہلے بَ حرف جار محذوف ہے۔

قولہ ماکثین لَھُمْ کی ضمیر سے حال ہے اور فیہ کی ضمیر کا مرجع اجرٌ ہے دوسرے یُنذر کا عطف لِیُنْذِرَ پر ہے یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے اور اس کا مفعول ثانی محذوف ہے، ای بأسًا شدیدًا، مالھُمْ جملہ مستانفہ ہے اور لَھُمْ خبر مقدم ہے مِنْ علم مبتدا مؤخر ہے اور من زائدہ ہے اور لا لِآبائِھِمْ کا خبر پر عطف ہے، اور بہ کی ضمیر کا مرجع قول ہے کَبُرَتْ فعل ماضی انشاء ذم کیلئے ہے اس میں ضمیر ھی فاعل ہے جو کہ مقالتھم کی طرف راجع ہے کلمۃً تمیز ہے تخرج جملہ ہوکر کلمۃ کی صفت ہے اور مقالتُھُمْ المذکورۃ مخصوص بالذم ہے۔

تفسیری فوائد

قیمًا کے بعد مستقیمًا کا اضافہ تعیین معنی کیلئے ہے اس لئے کہ قیمًا دو معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے ایک مستقیم سیدھا اور دوسرے مقوّم سیدھا کرنے والا، بعض نسخوں میں بالکتاب کے بجائے یُخَوِّفُ الکتابُ ہے اس صورت میں یُنذرُ کا فاعل کتاب ہوگی، پیش نظر نسخہ میں بالکتاب ہے لہٰذا یُنذِرُ کا فاعل اللہ ہوگا یا پھر محمد ہوں گے، مِنْ قبل اللّٰہِ کے اضافہ کا مقصد مِن کے ابتدائیہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ھو الجنۃ کے اضافہ کا مقصد فیہ کی ضمیر کا مصداق متعین کرنا ہے، اس لئے کہ وہ ضمیر اجرٌ کی طرف راجع ہے، مَنْ قَبْلَھُمْ یہ لآبائِھِمْ کا بیان ہے اور مراد وہ آباء ہیں جو خدا کیلئے اولاد کے قائل تھے، اِلَّا کے بعد مقولاً کا اضافہ کرکے بتادیا کہ کذبًا کا موصوف مقولاً محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں (۱) حمد باری اور قرآن کریم کی عظمت (۲) نزول قرآن کے تین مقاصد (۳) حامل قرآن کی ذمہ داری کس قدر ہے؟ (۴) اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات کس مقصد کے لئے پیدا فرمائی، اور اس کائنات کا انجام کیا ہوگا؟

اجمال کی تفصیل

تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے اپنے خاص بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نازل فرمائی،

یعنی وہ ذات جس نے کتاب نازل فرمائی تمام خوبیوں ر ہے، اور تمام تعریفوں کے لائق اور بہتر سے بہتر شکر کی مستحق ہے، اور تمام عیوب ونقائص اور کمزوریوں سے منزہ ہے...... وحدہ لاشریک ہے، اور اس کتاب میں ذرا بھی کجی نہیں باقی رکھی، نہ لفظی، کہ فصاحت وبلاغت کے خلاف ہو اور نہ معنوی، کہ اس کا کوئی حکم حکمت کے خلاف ہو، اور نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ کافروں کو اپنے سخت عذاب سے ڈرائے، اور اہل ایمان کو جو اعمال صالح بھی کرتے ہیں آخرت میں اچھے انجام یعنی اجر حسن کی خوشخبری سنائے، اور کافروں میں سے بالخصوص اُن لوگوں کو ڈرائے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں، اولاد کا عقیدہ رکھنے والے کافروں کا عام کافروں سے الگ ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس باطل عقیدہ میں عرب کے عام لوگ اور یہود ونصاریٰ سب مبتلا تھے، نہ اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے اور نہ ان کے آباء واجداد کے پاس تھی عقیدۂ اولاد کے بارے میں جو بات ان کی زبان سے نکلتی ہے یہ بہت بھاری بات ہے ادنیٰ عقل رکھنے والا شخص بھی اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔

لَمْ یجعل له عوجًا سے جس مفہوم کو منفی انداز میں بیان کیا گیا ہے اسی مضمون کو **قَیِّمًا** کے ذریعہ مثبت انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے کہ مستقیم وہی شئ ہوتی ہے جس میں کجی نہیں ہوتی۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ مُهْلِكٌ نَّفْسَكَ عَلٰى آثَارِهِمْ بَعْدَهُمْ اى بعد تَوَلِّيهِمْ عنك اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ القرآن اَسَفًا ○ غَيْظًا وحُزْنًا مِنك لِحِرْصِكَ على اِيمانهم ونَصْبُه على المفعول له اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ من الحيوان والنباتِ والشجرِ والانهارِ وغيرِ ذٰلكَ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ لِنَخْتَبِرَ النَّاسَ ناظرين الى ذٰلك اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ فيه اى اَزْهَدُ لَهُ وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا فُتَاتًا جُرُزًا ○ يَابِسًا لايُنْبِتُ.

ترجمہ

شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے تو خود کو افسوس کی وجہ سے غم وغصہ میں ہلاک کرلیں گے یعنی ان کے آپ سے اعراض کرنے کے بعد آپ کے ان کے ایمان پر حریص ہونے کی وجہ سے، اور اَسَفًا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بے شک ہم نے **زمین پر جو کچھ ہے** حیوانات اور نباتات اور اشجار وانہار وغیرہ کو زمین کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں یعنی ان لوگوں کو آزمائیں جو اس کی طرف مائل ہیں، کہ ان میں سے کون ما علی الارض کے بارے میں عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے، یعنی ان میں سے کون دنیا سے زیادہ بے رغبتی کرنے والا ہے اور ہم زمین کی تمام چیزوں کو چٹیل میدان کردیں گے یعنی خشک سپاٹ میدان بنادیں گے جو زراعت کے لائق نہ ہو۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

مُهْلِكٌ کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے **قوله** بَعْدَهم یہ آثار کی تفسیر ہے اور بَعْدَ تولیهم تفسیر کی تفسیر ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ان کافروں کے ایمان نہ لانے پر اتناغم نہ کیجئے کہ خود کو ہلاک کر ڈالیں لَعَلَّ ترجی اور اشفاق کے لئے آتا ہے، مگر یہاں نہی کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی آپ کو اس قدر زیادہ غم کرنے سے منع کرنے کے لئے آثار اثرٌ کی جمع ہے، ان کے پیچھے یعنی ان کی فکر میں آپ خود کو ہلاک نہ کریں **قوله** اِنْ لَّمْ یومنوا اس کی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں (۱) اِنْ لم یومنوا شرط ہے اور ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے جزاء محذوف ہے یعنی **فلا تهلك نفسك** (۲) اِنْ لَمْ یومِنُوا شرط مؤخر اور فَلَعَلَّكَ بَا... اء مقدم **قوله** اَسَفًا باخع کا مفعول لہ ہے یا باخع کی ضمیر سے حال ہے **قوله** لِحرصِكَ یہ علۃ العلۃ ہے یعنی آپ کو اتنا زیادہ غم کیوں ہے اس لئے کہ آپ ان کے ایمان پر حریص ہیں **قوله** اِنا جعلنا یہ جملہ مستانفہ ہے اگر جَعَلَ صَیَّرَ کے معنی میں ہو تو زینةً اس کا مفعول ثانی ہوگا، لَهَا کا لام زینةً سے متعلق ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کائنةً سے متعلق ہو کر زینةً کی صفت ہو، ما علی الارض مفعول اول ہے اور اگر جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہو تو زینةً یا تو حال ہوگا یا پھر مفعول لہ **قوله** ناظرین الی ذٰلك یہ مِن الناس سے حال ہے **قوله** جُرُزًا صعیداً کی صفت ہے اس میں اسناد مجازی ہے اسلئے کہ جُرُز کے اصل معنی ایسی زمین کے ہیں جس کی گھاس کاٹ دی گئی ہو یہ ماعلی الارض کا وصف قرار دیا ہے حالانکہ یہ ارض کا وصف ہے لہٰذا علاقہ مجاورت کی وجہ سے اسناد مجازی ہوگی۔

قوله اَيُّهُمْ بترکیب اضافی مبتداء ہے اور اَحْسَنُ اس کی خبر اور عملاً تمیز ہے جملہ ہو کر نبلوا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے فیه کی ضمیر کا مرجع ما علی الارض ہے مراد دنیا و مافیہا ہے **قوله** اَزْهَدُ لَهٗ یہ اَحْسَنُ عملاً کی تفسیر ہے **قوله** اَسَفًا کی تفسیر غَیْظاً و حُزْنًا سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہے اس لئے کہ اَسَفًا متعدد معنی کے لئے آتا ہے **قوله** من الحیوان والنبات یہ ما علی الارض کا بیان ہے **قوله** ناظرین الی ذٰلك سے اشارہ ہے کہ هُمْ ذوالحال ہے اور ناظرین اس سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

کافروں کے ایمان نہ لانے پر آپ اس قدر غم نہ کریں کہ خود کو ہلاک ہی کر ڈالیں، اس آیت میں نفس حزن سے منع نہیں کیا گیا اس لئے کہ کفر پر نفس حزن تو ایمان کی علامت ہے، آپ کو حد سے زیادہ غم کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ دنیا عالم امتحان ہے اس میں کفر و ایمان، خیر و شر دونوں رہیں گے اسی امتحان کے لئے ہم نے زمین کی چیزوں کو زمین کے لئے رونق بنایا ہے، تاکہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں سے زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے

یعنی کون دنیا سے اعراض کرتا ہے اور کون اس دنیا کی زینت اور رونق پر مفتون ہو کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، غرضیکہ یہ عالم ابتلا ہے تکوینی طور پر کوئی مومن رہے گا اور کوئی کافر پھر حد سے زیادہ غم کرنا بیکار ہے، آپ تبلیغ و رسالت کا اپنا کام کرتے رہئے اور باقی معاملہ ہمارے اوپر چھوڑ دیجئے، چنانچہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہم زمین کو چٹیل میدان کر دیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ ای اظَنَنْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الكَهْفِ الغار فی الجبل وَالرَّقِيْم اللوح المكتوب فيه اَسْمَائُهُمْ وانسَابُهُمْ وقد سُئِل صلى اللّٰهُ عليه وسلم عن قِصَّتِهِمْ كَانُوا فى قِصَّتِهِم مِنْ جُمْلَة آيَاتِنَا عَجَبًا خبرُ كان وما قبله حالٌ ای كانوا عَجبا دون باقی الآيات او اَعْجبها ليس الامرُ كذلك اُذْكُرْ اِذْ اَوى الفِتْيَةُ اِلَى الكَهْفِ جمع فتى وهو الشابُ الكاملُ خائفين على ايمانهم مِنْ قومِهم الكُفّار فَقَالُوْا رَبَّنَا آتنا مِنْ لَّدُنْكَ مِنْ قبلك رحمةً وَّهَيِّئْ اَصْلِحْ لنا مِنْ اَمْرِنا رَشَدًا هِدَايَةً فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ ای اَنَمْنَاهُمْ فِى الكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا مَعْدُوْدَةً ثُمَّ بَعَثْنٰهُم ای ايقظنَاهُمْ لِنَعْلَمَ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ اَیُّ الحِزْبَيْنِ الفريقين المُختلفِيْن فى مُدّة لُبثهم اَحْصٰى فعلٌ بمعنى ضَبَطَ لِمَا لَبِثُوْا لِلُبْثِهِمْ مُتعلق بما بعده اَمَدًا غاية.

ترجمہ

کیا آپ خیال کرتے ہیں یعنی گمان کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے کہف پہاڑ کے غار کو کہتے ہیں اور رقیم وہ تختی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے اسماء کندہ تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا قصہ معلوم کیا گیا تھا، کہ وہ اپنے قصہ کے اعتبار سے ہماری آیات (قدرت) میں کچھ زیادہ عجیب تھے عجبا کان کی خبر ہے اور اس کا ماقبل (یعنی من آیاتنا) کانوا کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ آیات قدرت میں عجیب تھے نہ کہ باقی آیات یا عجائبات میں زیادہ عجیب تھے۔ حقیقت حال ایسی نہیں ہے، اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب چند نوجوانوں نے ایک غار میں پناہ لی تھی فتیۃ فتیٰ کی جمع ہے یعنی کامل نوجوان جب کہ وہ اپنے ایمان کے بارے میں اندیشہ کرتے ہوئے اپنی کافر قوم کے پاس سے نکلے تھے تو اس وقت انہوں نے یہ دعا کی اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اپنے پاس سے یعنی اپنی خصوصی عنایت سے رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملہ کو درست فرما تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال کے لئے پردہ ڈال دیا یعنی ان کو گہری نیند سلا دیا پھر ہم نے ان کو اٹھایا یعنی بیدار کیا تا کہ ہم علم مشاہدہ کے طور پر معلوم کرلیں کہ ان کی مدت قیام میں اختلاف کرنے والے دو فریقوں میں سے کس نے ان کے قیام کی مدت کو یاد رکھا" احصٰی فعل ماضی ہے ضبط کے معنی میں لما لبثوا اپنے مابعد سے متعلق ہے اور امدًا بمعنی غایت ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَمْ حَسِبْتَ میں اَم منقطعہ بمعنی استفہام انکاری ہے، یعنی اے محمد آپ کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے **قوله** اَنَّ اَصْحَابَ الكهفِ جملہ ہوکر حَسِبْتَ کا مفعول بہ ہے، اور کانوا مِن آیاتِنَا عَجَبًا جملہ ہوکر اَنَّ کی خبر ہے اور عجبًا (آیة) محذوف کی صفت ہوکر اَنَّ کی خبر ہے، اور اصحاب الكهف اَنَّ کا اسم ہے کہف مفرد ہے جمع کهوف واكهُف ہے بمعنی غار، کہف اور غار میں فرق یہ ہے کہ غار تنگ اور چھوٹی ہوتی ہے اور کہف کشادہ اور بڑی ہوتی ہے رقیم بمعنی مرقوم، لکھا ہوا، نوشتہ، رقیم کے بارے میں مفسرین کے چھ قول ہیں (۱) اس بستی کا نام جہاں سے اصحاب کہف نکلے تھے (۲) اس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ غار ہے (۳) اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے (۴) اس میدان کا نام ہے جو اس غار کے دامن میں واقع ہے (۵) وہ تختی جس میں اصحاب کہف کے نام ونسب وحالات لکھے ہوئے ہیں اور غار کے دہانے پر نصب تھی (٦) سیسہ کی وہ لوح جس پر اصحاب کہف کے نام کندہ کرکے شاہی خزانہ میں محفوظ کردی گئی تھی، امام بخاریؒ نے اس قول کو اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے هَيِّئْ هَيِّئَ تَهيئةً سے فعل امر، اصلاح کرنا، درست کرنا، مہیا کرنا اَحصٰی باب انعال کا فعل ماضی ہے نہ کہ اسم تفضیل اس لئے کہ ثلاثی مزید سے اسم تفضیل افعل کے وزن پر نہیں آتا اَیُّ الحزبین ترکیب اضافی مبتداء احصی جملہ ہوکر خبر، احصی کی ضمیر کا مرجع کل واحد من الحزبین ہے، لِمَا لَبِثُوْا بواسطہ حرف جر احصی کا مفعول بہ ہے اور اَمَدًا تمیز ہے **قوله** ضَرَبْنَا علٰی آذانِهِمْ ضربنا کا مفعول حجاباً محذوف ہے، کلام میں مجاز ہے اسلئے کہ القاءِ نوم کو ضرب حجاب سے تشبیہ دی ہے اور ضَرَبْنَا بمعنی انمنا ہے **قوله** عَدَدًا بمعنی معدودًا سنین کی صفت ہے

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیت میں اصحاب کہف کے واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاکہ اجمال کے بعد تفصیل جاننے کا شوق پیدا ہو، کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کچھ زیادہ عجیب چیز تھے یہ ہمارے عجائبات قدرت میں سب سے زیادہ عجیب چیز تھے، یعنی عجائبات قدرت اور حیرت انگیز نشانیاں تو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں یہ بے ستونوں والا آسمان اور یہ عظیم کرۂ ارض اور یہ فلک بوس پہاڑ اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا اور سمندر کیا کچھ کم عجائبات قدرت ہیں جو تم غار والوں اور رقیم والوں کی داستان پوچھتے ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے نزدیک بس واقعہ سے زیادہ کوئی حیرت زا بات نہیں ہے، حالانکہ یہ واقعہ تو واقعات قدرت میں سے ایک معمولی واقعہ ہے۔

فائدہ: اصحاب کہف کے بعد، الرقیم اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اصحاب کہف متعدد ہیں (۱) ضحاک فرماتے ہیں کہ روم کے ایک شہر میں ایک غار ہے جس میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں (۲) ابن

عطیہ نے ملک شام میں ایک غار کا ذکر کیا ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں اور اس غار کے پاس ایک مسجد بھی ہے (۳) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ساحل عقبہ کے پاس فلسطین سے نیچے ایلہ کے قریب ایک غار ہے (۴) ایک واقعہ افسوس شہر کا بیان کیا گیا ہے جس کا اسلامی نام طرطوس ہے، یہ شہر ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔

غرض کہ اپنے دین وایمان کو بچانے کے لئے غار میں پناہ لینے کے متعدد واقعات ہوئے ہیں قرآن کریم نے ان واقعات میں سے اصحاب کہف کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جن کے نام اور حالات سیسے کی لوح پر کندہ کرکے شاہی خزانہ میں رکھ لئے گئے تھے، چونکہ یہ نوجوان اونچے خاندان کے چشم وچراغ تھے ان کی اچانک گمشدگی ان کے اہل خاندان اور خود حکومت کے لئے تشویش کا باعث تھی، یہ چند نوجوان زمانہ کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر اور کافر حکمرانوں کے ظلم وستم سے بھاگ کر دین کی حفاظت کے لئے شہر سے نکل گئے تھے اور جنگل میں ایک غار میں پناہ لی تھی، وہاں انہوں نے بارگاہ ایزدی میں گڑگڑا کر دعاء کی، خدایا تو اپنی خاص مہربانی سے ہم کو نواز دے اور ہمارے دین کی حفاظت فرما اس لئے کہ ہم آپ کی مدد کے بغیر راہ راست پر قائم نہیں رہ سکتے، مخالفت کی آندھیوں کے جھکڑ چل رہے ہیں، دشمن ہاتھ دھو کر ہمارے قتل کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اپنی جان کا تو ہمیں فکر نہیں کہیں دین کی رسی ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے، اللہ تعالیٰ نے ان شکستہ دل بندوں کی دعاء کو شرف قبولیت بخشا اور ان کی حفاظت کا بہترین انتظام فرما دیا۔

نَحْنُ نَقُصُّ نقرأ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط بالصِّدْقِ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ قَوَّيْنَاهَا عَلٰى قول الحق اِذْ قَامُوْا بَيْنَ يَدَىْ مَلِكِهِم وقد اَمَرَهُمْ بالسُّجُوْدِ للاصنام فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖ اى غَيْرِهٖ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا اى قَوْلًا ذَا شَطَطٍ اى اِفْرَاطٍ فِى الْكُفْرِ اِنْ دَعَوْنَا اِلٰهًا غَيْرَ اللّٰهِ تعالٰى فرضًا هٰٓؤُلَآءِ مُبْتَدَأٌ قَوْمُنَا عطف بَيَانٍ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ آلِهَةً ط لَوْ لَا هَلَّا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ عَلٰى عِبَادَتِهِم بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ط بحجةٍ ظاهرةٍ فَمَنْ اَظْلَمُ اى لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ط بنسبة الشريك اليه تعالٰى قال بعضُ الفتيةِ لبعضٍ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ بكَسْرِ الميم وفتح الفاء وبالعكسِ وماترفقون به من غداءٍ وعشاءٍ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ بالتشديد والتخفيف تَمِيْلُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ ناحيتَهُ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ تترُكُهُم وتتجاوزُ عنهم فلا تصيبُهم البتةَ وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط متسعٍ مِنَ الكهفِ ينالُهُم بَرْدُ الرِّيحِ ونسيمُهَا ذٰلِكَ المذكورُ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ط دلائلِ قُدْرَتِهٖ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ ع

ترجمہ

ہم آپ کو ان کا صحیح قصہ سناتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل قوی کردئے تھے یعنی حق بات کہنے کے لئے قوی کردیئے تھے جب وہ اپنے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس بادشاہ نے ان کو بتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم اس کو چھوڑ کر کسی غیر کی ہرگز بندگی نہ کریں گے، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کی یعنی حد سے گذری ہوئی حرکت کی یعنی بالفرض اگر ہم نے اللہ کے علاوہ کسی غیر کی بندگی کی تو ہم کفر میں حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے یہ ہماری قوم ہے جس نے معبود حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے معبود ٹھہرائے ہیں **ھٰؤلاء** مبتداء ہے **قومنا** عطف بیان ہے وہ ان پر یعنی ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ یعنی کوئی کھلی دلیل، اس سے بڑا ظالم کون ہوگا یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، جو اس کی طرف شریک کی نسبت کرکے اللہ پر بہتان باندھے، نوجوانوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا جب تم نے ان عابدین کو اور اللہ کے علاوہ ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے تو اب کسی غار میں پناہ لو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام میں سہولت مہیا کردے گا، **مرفقاً** میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا عکس بھی، وہ صبح و شام کا کھانا کہ جس سے تم فائدہ اٹھاؤ گے اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ وہ ان کی غار کی دائیں جانب کتراتا ہوا نکل جاتا ہے **تَزّٰوَرُ** تشدید اور بلا تشدید دونوں (درست ہے) اور جب ڈھلتا ہے تو ان سے بائیں جانب بچ کر نکل جاتا ہے یعنی ان کو چھوڑ کر کترا کر نکل جاتا ہے، جس کی وجہ سے یقیناً ان پر دھوپ نہیں پڑتی، حال یہ ہے کہ وہ غار کے کشادہ مقام میں ہیں کہ جہاں ان کو ٹھنڈی ہوا اور بادنسیم پہنچتی رہتی ہے یہ یعنی مذکورہ حالات اس کی نشانیاں یعنی اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، وہ جس کی چاہے رہبری فرمائے وہ راہ راست پر ہے اور وہ جسے گمراہ کردے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز اور رہنما پاسکیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

فِتْيَةٌ فَتىً کی جمع ہے جیسا کہ صِبْيَةٌ صَبِيٌّ کی جمع۔ نوجوان **قوله** بالحق متلبساً کے متعلق ہو کر یا تو نَقُصُّ کے فاعل سے حال ہے یا نَبَأ مفعول سے حال ہے اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ جملہ مستانفہ ہے یعنی ما هو الخبر الصادق کا جواب ہے آمنوا بِرَبِّهِمْ جملہ ہو کر فتية کی صفت ہے **قوله** ربطنا (ن) ربطًا باندھنا، قوی کرنا لَنْ نَدْعُوَا فعل مضارع منصوب بلن جمع متکلم آخر میں واؤ جمع کا نہیں ہے بلکہ لام کلمہ ہے واؤ جمع کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رسم قرآنی کے مطابق اس کے آخر میں الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور نہ پڑھنے کی علامت کے طور پر اس کے اوپر ایک چھوٹا

سا گول دائرہ بنادیا جاتا ہے (یعنی) ہرگز نہیں پکاریں گے **قولہ** شَطَطًا (ن،ض) شططًا حد سے تجاوز کرنا حق سے بعید ہونا اِذْقَامُوْا ، رَبَطْنَا کا ظرف ہے فَاْوٗا میں فا جزائیہ ہے اور اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ الخ شرط ہے واؤ اشباع کا ہے **قولہ** قولاً ذا شطط کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے کہ شططًا حذف مضاف کے ساتھ مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا موصوف قولاً محذوف ہے اور اگر ذَا محذوف نہ مانیں تو مصدر کا حمل مبالغۃً ہوگا جیسا کہ زیدٌ عدلٌ میں ہے **قولہ** فرضًا، فرضًا کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیر اللہ کی بندگی کرنے کا کسی قسم کا امکان نہیں ہے نہ عقلی نہ شرعی اور نہ اخلاقی اگر بفرض المحال ایسا ہو بھی جائے تو یہ بڑی بے جا بات ہوگی **قولہ** ھٰؤلاء مبتداء ہے اور اِتَّخذُوْا من دونِ اللّٰہِ اس کی خبر ہے لولا کی تفسیر ھَلّاَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ لَوْ لَا تحضیضیہ ہے قَوْمُنَا،ھٰؤلاء سے عطف بیان ہے نیز بدل بھی ہوسکتا ہے **قولہ** تَزَاوَرُ اصل میں تَتَزَاوَرُ تھا ایک تا حذف کر دی گئی (فعل مضارع واحد مؤنث غائب) قوم کا آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرنا اور اگر اس کا صلہ عَن ہو تو انحراف کرنا اور اگر اصل تَزْاوَرُ ہو تو ایک تا کو زا کیا اور زا کو زا میں ادغام کر دیا تَقْرِضُهُمْ مضارع واحد مؤنث غائب، قرضًا کاٹنا، کترانا، بچ کر نکل جانا ذَاتَ ذو کا مؤنث ہے، آیت میں ذات کا لفظ زائدہ ہے زینت کلام کے لئے ہے **قولہ** ذات الیمین و ذات الشِّمال تَزَاوَرُ کا ظرف مکان ہے **قولہ** ناحیۃً اس کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ذات الیمین اور ذات الشمال ظرف مکان ہیں، ای جهت الیمین و جهت الشمال وھم فی فجوۃٍ جملہ حالیہ ہے **قولہ** مَنْ یھد اللّٰہ فھو المھتد یہ جملہ درمیان قصہ میں معترضہ ہے، مقصد آپ کو تسلی دینا ہے۔

تفسیر وتشریح

اولاً اصحاب کہف کا قصہ اجمالاً بیان فرمایا اب نحنُ نقصُّ سے تفصیلاً بیان فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا ہم آپ سے اصحاب کہف کا قصہ صحیح صحیح بیان کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآنی بیان میں کوئی بات خلاف واقعہ نہیں ہے، اور ہو بھی کیسے سکتی ہے قرآن تو خالق کائنات کا کلام ہے جو کائنات کے ہر ذرہ سے واقف ہے البتہ لوگوں میں اصحاب کہف کا واقعہ مختلف طریقوں سے مشہور ہے ان میں صحیح وہ ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں، وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی بخشی تھی، یہ چند نوجوان ایک ظالم بادشاہ دقیانوس کے زمانہ میں تھے، بادشاہ غالی متعصب اور بت پرست تھا، اور جبر و اکراہ کے ذریعہ بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا ان نوجوانوں نے سچا دین قبول کر لیا تھا، ان نوجوانوں کا تعلق اونچے گھرانوں اور عمائدین سلطنت سے تھا، حق تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت سے نوازا تھا، یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ دین مسیحی پر تھے، لیکن علامہ ابن کثیر نے

مختلف قرائن سے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ مسیح علیہ السلام سے پہلے کا ہے مگر تحقیق اور راجح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ پہلی صدی عیسوی کا ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے قصص القرآن کی طرف رجوع کریں)

غرض کہ ان نوجوانوں کو شاہی دربار میں طلب کیا گیا ان نوجوانوں نے بے جھجک بغیر کسی خوف و ہراس کے ظالم بادشاہ کے روبرو اپنے ایمان کا اعلان کر دیا، اور اپنی ایمانی جرأت سے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا، ارشاد ربانی ہے ''اور ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب وہ دربار میں بادشاہ کے روبرو جواب دہی یا دعوت دین دینے کے لئے کھڑے ہوئے تھے، تو انہوں نے اپنے پروردگار سے یوں دعاء کی، اے ہمارے پروردگار تو ہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم تجھ کو چھوڑ کر کسی غیر کی بندگی نہ کریں گے، اور اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً بہت بے جا بات کرنے والے ہوں گے۔

یہ ہماری قوم جو معبود حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے فرضی معبودوں کو اختیار کئے ہوئے ہے یہ ان کے معبود حقیقی ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتی؟ لہٰذا اس سے بڑا ظالم کوئی ہو ہی نہیں سکتا جو اللہ پر بہتان باندھے نوجوانوں کی یہ بات سن کر بادشاہ کو ان کی نوجوانی پر کچھ رحم آیا اور کچھ دیگر مشاغل مانع ہوئے اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ عمائدین سلطنت اور بڑے گھرانوں کے چشم چراغ تھے اس لئے یک لخت ان پر ہاتھ ڈالنا مصلحت کے خلاف تھا اس لئے ان کو چندروز کی مہلت دیدی، تاکہ وہ اپنے معاملہ میں غور کر لیں۔

ادھر یہ نوجوان دربار سے نکل کر مشورہ کے لئے بیٹھ گئے، اور یہ طے کیا کہ اب اس شہر میں قیام خطرہ سے خالی نہیں، مناسب یہ ہے کہ کسی قریبی غار میں روپوش ہو جائیں، اور واپسی کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کریں۔

وَتَحْسَبُهُمْ لَوْ رَأَيْتَهُمْ أَيْقَاظًا اى مُنْتَبِهِينَ **لِاَنَّ اَعْيُنَهُمْ مُفَتَّحَةٌ** جمع يَقِظٍ بكسر القاف **وَّهُمْ رُقُوْدٌ** نِيَامٌ جمع رَاقِدٍ **وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ** لِئَلَّا تَاْكُلَ الْاَرْضُ لُحُوْمَهُمْ **وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ** يَدَيْهِ **بِالْوَصِيْدِ** بِفِنَاءِ الكهف وكانُوْا اِذَا انْقَلَبُوْا اِنْقَلَبَ وَهُوَ مِثْلُهُمْ فِى النومِ واليَقْظَةِ **لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ** بالتخفيف والتشديد **مِنْهُمْ رُعْبًا** بسُكون العين وضمها مَنَعَهُمُ اللّٰهُ بالرُّعبِ مِنْ دُخولِ احَدٍ عليهم **وَكَذٰلِكَ** كما فعلنا بهم ماذكرنا **بَعَثْنَاهُمْ** ايقظنَاهُمْ **لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ** عَنْ حَالِهِمْ ومُدَّةِ لُبْثِهِم **قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ** لِاَنَّهُمْ دخلوا الكهفَ عندَ طلوعِ الشمسِ وبُعِثُوْا عند غُرُوبِها فظنُّوْا اَنَّهُ غروبُ يومِ الدُّخول ثم **قَالُوْا** مُتَوَقِّفِيْنَ فى ذلك **رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ** بسكون الراء وكسرها **بِفِضَّتِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ** يقال اِنَّهَا المُسَمَّاةُ الآن طرطوس

بفتح الراء فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا اَىُّ اَطْعِمَةِ المدينة اَحَلُّ فَلْيَاْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَايُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا○ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا يَطَّلِعُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ يَقْتُلُوْكُمْ بِالرَّجم اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِىْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْا اِذًا اى اِنْ عُدْتُمْ فى مِلَّتِهِمْ اَبَدًا○

ترجمہ

اور اگر آپ ان کو دیکھیں تو بیدار محسوس کریں یعنی بیدار سمجھیں گے اس لئے کہ آنکھیں ان کی کھلی ہوئی ہیں (اَيقاظ) يُقظ بکسر قاف کی جمع ہے حالانکہ وہ سو رہے ہیں رُقود راقد کی جمع ہے اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ بدلتے رہتے ہیں تاکہ زمین ان کے گوشت کو نہ کھا جائے اور ان کا کتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے یعنی غار کے صحن میں اور جب اصحاب کہف کروٹ لیتے ہیں تو وہ بھی کروٹ لیتا ہے، یعنی نیند اور بیداری میں وہ کتا انہیں کے مانند ہے اور اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں تو وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوں اور آپ کے اوپر دہشت غالب آجائے (لملئت) لام کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے (رُعْبًا) عین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے رعب کے ذریعہ ان کی حفاظت فرمائی ہے تاکہ ان کے پاس کوئی داخل نہ ہو سکے اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے ان کے ساتھ مذکورہ معاملات کئے اسی طرح ہم نے ان کو بیدار کر دیا تاکہ وہ اپنے احوال کے بارے میں اور غار میں قیام کی مدت کے بارے میں آپس میں پوچھ تاچھ کریں ان میں سے ایک سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ تم (غار میں) کتنی مدت ٹھہرے ہوگے، تو وہ کہنے لگے کہ ہم ایک دن یا اس سے بھی کم ٹھہرے ہوں گے اس لئے کہ وہ غار میں طلوع شمس کے وقت داخل ہوئے تھے، اور غروب کے وقت بیدار ہوئے تو وہ سمجھے کہ یہ دخول ہی کے دن کا غروب ہے، پھر کچھ غور کرنے کے بعد بولے تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے، اب کسی کو یہ چاندی کا روپیہ (سکہ) دیکر شہر بھیجو (بِوَرِقِكُمْ) میں راء کے سکون اور کسرہ دونوں درست ہیں، کہا جاتا ہے کہ اب اس شہر کو طرطوس فتحہ راء کے ساتھ کہتے ہیں اور وہ اس بات کا خیال رکھے کہ کونسا کھانا ستھرا ہے یعنی شہر کا کونسا کھانا حلال ہے پھر اس میں سے وہ تمہارے لئے کچھ کھانا لے آئے اور اس کو چاہئے کہ بیدار مغزی سے کام لے اور ہرگز کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے اگر وہ تمہاری خبر پالیں گے تو یقیناً وہ تم کو یا تو سنگسار کر دیں گے یا اپنے دھرم میں واپس لے جائیں گے اور اس صورت میں تم ہرگز کامیاب نہ ہوگے، یعنی اگر تم ان کے دھرم میں واپس چلے گئے تو تم کبھی کامیاب نہ ہوگے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

الوصِيْدُ دہلیز، آستانہ، چوکھٹ، شارح نے کشادہ جگہ یا صحن کے معنی مراد لئے ہیں، باسطٌ ذراعیہ، حکایت حال ماضیہ ہے اس لئے کہ اسم فاعل اگر ماضی کے معنی میں ہو تو عمل نہیں کرتا، بالوصید باسط سے متعلق ہے اور

ذراعیه باسطٌ کا مفعول بہ ہے فِرَارًا وَلَّیتَ کا مفعول بغیر لفظہ ہے نیز ولّیتَ سے حال اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے رُعْبًا ای حوفًا تمیز کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر وَلّیتَ کا مفعول ثانی ہے کَمَا فَعَلْنَا کے اضافہ کا مقصد کذلك کے مرجع کو ظاہر کرنا ہے **قوله** بَعَثْنَا کی تفسیر اَیْقَظْنَا سے تعیین معنی کے لئے ہے اس لئے کہ بعثنا مختلف معنی میں مستعمل ہے یہاں بیدار ہونے کے معنی مراد ہیں لِیَتَسَاءَلُوْا میں لام عاقبۃ یا سببیہ کا ہے کَمْ ظرفیت کی وجہ سے محلًا منصوب ہے اس کا ممیز محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کَمْ مدةً لبثتم قال قائل منهم ، لیتساءلوا کا بیان ہے **قوله** اَیُّهَا ازکی اَیُّهَا مرکب اضافی مبتداء ہے ازکی اس کی خبر ہے طعامًا تمیز ہے مضاف الیہ سے منقول ہے ای ازکی الطعام پھر جملہ ہوکر یَنْظُرْ کا مفعول بہ ہے اور اَیُّهَا کی ضمیر کا مرجع الاطعمه ہے جو کہ باہمی گفتگو کے وقت معہود فی الذہن ہے (دوسری ترکیب) اَیُّهَا میں ہا ضمیر کا مرجع مدینہ کو قرار دیا جائے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی ای ینظرُ اَیُّ اَهْلِهَا اَطْیَبُ طعامًا شہر کے باشندوں میں سے کھانے کے معاملہ میں کون پاکیزہ لوگ ہیں (فتح القدیر شوکانی)

قوله اِذًا کے بعد اِنْ عُدتُم نکال کر اشارہ کر دیا کہ اِذًا متضمن بمعنی شرط ہے اور لن تفلحوا اسکا جواب ہے

تفسیر وتشریح

اور اگر آپ یا کوئی بھی شخص ان کو دیکھتا تو بیدار محسوس کرتا حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، کیونکہ اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو نیند کے آثار وعلامات سے محفوظ رکھا تھا، اور وہ اس نیند کی مدت میں ہر چھ ماہ میں کروٹ لیتے تھے، اسی طرح ان کا کتا جو کہ ان کے ساتھ آگیا تھا ہر چھ ماہ میں کروٹ بدلتا تھا، اور وہ دہلیز یا فناء غار میں ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، اصحاب کہف کے خداداد رعب وجلال کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ان کو جھانک کر دیکھتا تو مارے خوف کے ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور اس کے اندر دہشت سما جاتی، اور یہ تمام سامان حق تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے جمع کر دئے تھے۔

فائدہ: حدیث کی رو سے بلا ضرورت کتا پالنا ممنوع ہے، البتہ ضرورت مثلاً شکار کے لئے یا گھر اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالا جا سکتا ہے ورنہ اس کے ثواب میں دو قیراط یومیہ کمی ہو جائے گی، اصحاب کہف کا کتا از خود ساتھ ہوگیا تھا، یا ہوسکتا ہے اصحاب کہف کی شریعت میں مطلقاً کتا پالنا جائز ہو۔

وَكَذٰلِكَ كَمَا بَعَثْنَاهُمْ اَعْثَرْنَا اَطْلَعْنَا عَلَيْهِمْ قَوْمَهُمْ وَالْمُؤْمِنِيْنَ لِيَعْلَمُوْا اى قَوْمُهُمْ اَنَّ وَعْدَ اللّٰه بِالْبَعْثِ حَقٌّ بِطَرِيْقِ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنَامَتِهِمُ الْمُدَّةَ الطَّوِيْلَةَ وَاِبْقَائِهِمْ عَلٰى حَالِهِمْ بِلَا غِذَاءٍ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَارَيْبَ شَكَّ فِيْهَا اِذْ معمول لِاَعْثَرْنَا يَتَنَازَعُوْنَ اى المؤمنون والكفارُ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ اَمْرَ الْفِتْيَةِ فِى الْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ فَقَالُوْا اى الكُفَّارُ ابْنُوْا عَلَيْهِمْ اى حولهم بُنْيَانًا يَسْتُرُهُمْ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ اَمْرِ الْفِتْيَةِ وهم المؤمنون لَنَتَّخِذَنَّ

عَلَيْهِمْ حولهم مَّسْجِدًا ۔ يُصَلّٰى فيه وفُعِلَ ذلك على باب الكهف سَيَقُوْلُوْنَ اى المتنازعون فِى عَدَدِ الفِتْيَة فى زمن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم اى يقول بعضهم، هُمْ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ اى بعضهم خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ والقولان لنصارى نجران رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ اى ظنًّا فى الغَيْبَةِ عَنْهم وهو رَاجِعٌ الى القَوْلَيْن مَعًا ونصبُه على المفعول له اى لِظَنِّهِمْ ذلك وَيَقُوْلُوْنَ اى المؤمنون سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۗ الجُمْلَةُ من مُبْتَدَإٍ وخبرٍ صِفَةُ سَبْعَةٍ بزيادَةِ الوَاوِ وقيل تاكيدٌ اَوْ دلالةٌ على لُصُوقِ الصفة بالموصوف ووصفُ الاَوَّلَين بالرجم دون الثالث يدُلُّ على أنه مَرْضِيٌّ وصحيح قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۟ قال ابن عباس رضى اللّٰه عنه انا مِنَ القليل وذكر، هُمْ سبعةٌ فَلَا تُمَارِ تُجادِلْ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا بما اُنزل عليك وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ تَطْلُبِ الفُتْيَا مِّنْهُمْ مِن اهل الكتب اليهود اَحَدًا ۧ وساله اهلُ مكة عن خبر اهل الكهف فقال اُخبِرُكم به غدًا ولم يقُلْ ان شاء اللّٰه فنزل وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اى لِاَجْلِ شيءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ اى فيما يُسْتَقبل من الزمان اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ اى الا مُتلبِّسًا بمشيئةِ اللّٰه بانْ تقولَ ان شاء اللّٰه وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اى مشيئتَهُ مُعلَّقًا بها اِذَا نَسِيْتَ التعليقَ بها ويكون ذِكْرُها بعدَ النِّسيان كذكرها مع القول قال الحسنُ وغيرُه ما دام فى المجلس وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا من خبر اهل الكهف فى الدّلالة على نبوّتى رَشَدًا هدايةً وقد فعل اللّٰهُ تعالٰى ذٰلك وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ بالتنوين سِنِيْنَ عطفُ بيانٍ لِثلاثِ مِائَةٍ وهذه السّنون الثلاثُ مائةٍ عند اهل الكتاب شمسيةٌ وتزيد القمريةُ عليها عند العرب تِسْعَ سنين وقد ذُكِرَتْ فى قوله وَازْدَادُوْا تِسْعًا اى تِسْعَ سنين فالثلاثُ مائةِ الشَّمْسِيَّةُ ثلاثُ مائةٍ وتسعٌ قمريةً قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ مِمَّنْ اختلفوا فيه وهو ما تقدَّم ذكرُهُ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اى عِلْمُه اَبْصِرْ بِهٖ اى باللّٰه هى صيغةُ تعجُّبٍ وَاَسْمِعْ ۭ به كذالك بمعنى ما ابصرهُ ومَا اَسْمَعَهُ وهما على جهة المجاز والمراد انه تعالٰى لايغيبُ عن بصره وسمعِهِ شئٌ مَا لَهُمْ لِاَهْلِ السَّمٰواتِ والاَرْضِ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ ناصرٍ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا لانه غنيٌّ عن الشريك .

ترجمہ

اور ہم نے اسی طرح جس طرح کہ ان کو بیدار کیا، ان کے حالات پر ان کی قوم کو اور مومنین کو مطلع کر دیا تا کہ ان کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا بعث بعد الموت کا وعدہ حق ہے، اس طریقہ پر کہ جوذات اصحاب کہف کو ایک طویل زمانہ

تک سلانے اور ان کو بغیر غذا کے اپنے حال پر باقی رکھنے پر قادر ہے وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ہے اِذْ، اَعْثَرْنَا کا معمول ہے اور جبکہ مومنین اور کفار آپس میں ان نوجوانوں کے سنے (یادگار کے طور پر) عمارت کے بنانے میں اختلاف کر رہے تھے، چنانچہ کفار نے کہا ان کے اردگرد کوئی یادگاری عمارت بنا دو کہ جو ان کو مستور کر دے ان کا رب ان کے احوال سے خوب واقف ہے (آخرکار) ان لوگوں نے جو ان نوجوانوں کے معاملہ میں غالب رہے اور وہ مومنین تھے کہا ہم تو ان کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائیں گے تاکہ اس میں نماز پڑھی جائے، چنانچہ غار کے دہانے پر مسجد بنوا دی گئی، نوجوانوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف کرنے والوں کا قصہ جب آپ کے زمانہ میں (لوگوں) کو سنایا جائے گا تو ان میں سے بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض کہیں گے پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ دونوں قول نجران کے نصاریٰ کے ہیں اور یہ لوگ بلاتحقیق انکل سے ہانک رہے ہیں (یعنی) ان کے بارے میں اندازے سے کہہ رہے ہیں اور رجمًا بالغیب کا تعلق مذکورہ دونوں قولوں سے ہے، اور رجمًا کا نصب مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے ای نَظُنُّهُمْ لذلِكَ اور مومن کہیں گے سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا جملہ مبتداء اور خبر سے مل کر واؤ کی زیادتی کے ساتھ سبعة کی (بلالحاظ تاکید) صفت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واؤ زائدہ ہے تاکیدی معنی کے ساتھ، صفت کے موصوف کے ساتھ لاحق ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اول دونوں قولوں کا رجم بالغیب کے ساتھ متصف ہونا نہ کہ تیسرے کا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تیسرا قول ہی پسندیدہ اور صحیح ہے (تاکیدًا اَوْ دلالةً میں اَوْ بمعنی مع ہے) آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کی تعداد کو بخوبی جانتا ہے اور ان کی صحیح تعداد بہت کم لوگ جانتے ہیں، ابن عباسؓ نے فرمایا میں ان کم لوگوں میں سے ہوں اور فرمایا کہ وہ سات تھے لہٰذا آپ اس معاملہ میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور آپ اصحاب کہف کے معاملہ میں ان میں سے کسی سے یعنی اہل کتاب سے کچھ معلوم نہ کیجئے اور اہل مکہ نے اصحاب کہف کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا تھا، تو آپؐ نے فرمایا تھا اس کے بارے میں کل جواب دوں گا مگر آپؐ نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا تو اس بارے میں آئندہ آیات نازل ہوئیں اور آپ کسی کام کی نسبت ہرگز یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کر دوں گا یعنی زمانۂ آئندہ میں کسی بھی کام کے بارے میں (نہ کہا کریں کہ کل کر دوں گا) مگر یہ کہ آپ انشاء اللہ کہہ لیا کریں یعنی انشاء اللہ کہتے ہوئے اللہ کی مشیت کو شامل فرما لیا کریں اور اگر آپ انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو آپ اپنے رب کو یعنی اس کی مشیت کو یاد کر لیا کریں اس طریقہ پر کہ وعدہ کو مشیت سے معلق کر دیا کریں اور نسیان کے بعد یہ انشاء اللہ کہہ لینا اس کے بروقت (انشاء اللہ) کہنے کے مانند ہوگا، حضرت حسن وغیرہ نے فرمایا کہ یہ اس وقت صحیح ہوگا کہ (قائل) اسی مجلس میں موجود ہو (یعنی مجلس نہ بدلی ہو) اور آپ کہہ دیں کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ (نبوت پر دلالت کرنے والی) دلیل کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا، یعنی اصحاب کہف کی خبر سے بھی زیادہ میری نبوت پر دلالت کرنے والی اور اللہ

تعالیٰ نے ایسا کر (بھی) دیا اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے، مأۃٍ تنوین کے ساتھ ہے سنین ثلاث مأۃٍ کا بیان ہے اور یہ تین سو سال اہل کتاب کے نزدیک شمسی حساب سے ہیں اور قمری حساب سے عرب کے نزدیک تین سو پر نو سال اور مزید ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قول وازدادوا تسعاً میں ذکر کئے گئے ہیں لہٰذا تین سو سال شمسی حساب سے ہیں اور تین سو نو سال قمری حساب سے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قیام کی مدت کو خوب جانتا ہے یعنی ان لوگوں سے جو ان کی تعداد میں اختلاف کر رہے ہیں، اس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے اسی کو آسمانوں اور زمین کے پوشیدہ راز معلوم ہیں وہ ان مغیبات کے علم کو کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ جاننے والا ہے اَبْصِرْ به ای باللّٰهِ (بہ میں با فاعل پر داخل ہے) یہ صیغہ تعجب ہے اور اَسمع به بھی صیغہ تعجب ہے اور معنی میں ما ابصرہ اور ما اسمعہٗ کے ہے اور ان دونوں صیغوں کا استعمال باری تعالیٰ کے لئے بطور مجاز ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سمع و بصر (یعنی علم ازلی) سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے اور لوگوں کے لئے یعنی اهل الارض والسماء کے لئے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے ورنہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے اس لئے کہ وہ شریک سے مستغنی ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله اَعْتَزَلْنَا اِعْتَزَالًا (افعال) واقف کرنا، مطلع کرنا **قوله** قومَهُم والمومنونَ یہ اَعْثرنا کا مفعول بہ محذوف ہے **قوله** لِيَعْلَمُوْا اعْثَرْنَا کے متعلق ہے وانَّ السَّاعةَ کا عطف، انَّ وَعْدَ اللّٰه پر ہے **قوله** يَسْترهم جملہ ہو کر بنیاناً کی صفت ہے ثلثة هُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے، کما اشارہ الیہ الشارح **وقوله** رابِعُهُمْ كلبُهُمْ مبتداء خبر سے مل کر ثلثة کی صفت ہے ایسی ہی ترکیب بعد میں آنے والے دونوں جملوں میں ہوگی، **قوله** رجمًا بالغيب يَرْمُوْنَ کا مفعول مطلق ہے ای يَرْمُوْنَ رَمْيًا حال بھی ہو سکتا ہے ای راجمين بالغيب **قوله** رابِعُهُمْ كلبهم حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ای حالَ كون كلبهم جاعِلَهُمْ اربعةً بانضمامِهٖ اليهم وثامِنُهُمْ واؤ زائدہ ہے تاکیدی معنی کا لحاظ کئے بغیر، یا تاکیدی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے، یعنی اتصاف موصوف بالصفت کی تاکید کے لئے یعنی دلالت کے لئے ہے، اس لئے کہ موصوف جب صفت کے ساتھ متصف ہوگا تو موصوف کا وجود لازمی ہوگا کیونکہ صفت موصوف کے بغیر موجود نہیں ہو سکتی، مطلب یہ ہوا کہ اصحاب کہف کتے کے ساتھ مل کر آٹھ ہو گئے یعنی وہ سات تھے کتا آٹھواں ہوا **قوله** اَوْ دلالةً میں او عاطفہ تفسیریہ (بمعنی) ای ہے، یعنی تاکیدٌ بمعنی دلالةٌ ہے تاکید یعنی دلالۃ علی لصوق الصفة بالموصوف پر دلالت کرنے کے لئے (لہٰذا یہ دو قول ہوئے) **قوله** ربّی اعلم به یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے **قوله** فی الدلالة، اَقْرَبُ سے متعلق ہے رَشَدًا، لَيَهْدِيَنِ کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے اور اقربُ سے تمیز واقع ہونا بھی صحیح ہے ای لِاَقْرَبَ هدايَةً مِن هٰذا مأةٌ، ثلث کی تمیز ہے اور سنين مأة کا

عطف بیان یا بدل ہے اس لئے کہ مأۃ کی تمیز عام طور پر مفرد مجرور ہوتی ہے ایک قرأۃ میں **ماۃ سنین** اضافت کے ساتھ ہے اس صورت میں **سنین** ، **ماۃ** کی تمیز ہوگی اور جمع محل میں مفرد کے ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول **بالأخسرین أعمالاً** میں۔

تفسیر وتشریح

ان آیات پر اصحاب کہف کا قصہ ختم ہو رہا ہے ان آیات میں پانچ باتیں بتائی گئی ہیں جو اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عرصۂ دراز کے بعد اصحاب کہف کے بیدار ہونے میں اور لوگوں کو ان کا حال معلوم ہونے میں کیا حکمت تھی؟

(۲) لوگوں میں اصحاب کہف کے بارے میں بعض باتوں میں اختلاف رونما ہوا ایک فریق غار پر ایک یادگاری عمارت بنانا چاہتا تھا اور دوسرا مسجد، دوسرا فریق غالب آیا اور مسجد تعمیر کردی گئی۔

(۳) اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف رونما ہوا، اس سلسلہ میں مختلف اقوال ذکر کرکے صحیح تعداد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴) آخر میں یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ اصحاب کہف کا جس قدر واقعہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے اسی پر اکتفا کیا جائے، مزید بحث نہ کی جائے، نیز اس سلسلہ میں دوسروں سے قطعاً معلومات حاصل نہ کی جائیں اور اگر ان کی کوئی بات آئندہ بتانے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہہ لیا جائے۔

(۵) اصحاب کہف کتنی مدت تک سوتے رہے؟

وکذٰلك أعثرنا علیھم یعنی جس طرح ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے اصحاب کہف کو سالہا سال سلایا اور بیدار کیا اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حالات سے مطلع بھی کردیا۔

اصحاب کہف کو سالہا سال تک سلانے اور پھر بیدار کرنے میں حکمت کیا تھی؟

اصحاب کہف کا راز اہل شہر پر اس لئے منکشف کیا گیا تھا کہ ان کا عقیدۂ آخرت مضبوط ہو اور یقین آجائے کہ مرنے کے بعد قیامت کے روز سب کو دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

اصحاب کہف کا بیدار ہونا

تفسیر قرطبی میں اس کا مختصر قصہ اس طرح لکھا ہے: جس بادشاہ کے عہد میں اصحاب کہف شہر سے نکلے تھے اس کا نام دقیانوس تھا اور ظالم اور مشرک تھا وہ مرچکا تھا اور اس پر صدیاں گذر گئیں تھیں اور جس زمانہ میں اصحاب کہف بیدار ہوئے

تھے شہر پر اہل حق کا قبضہ تھا اور ان کا بادشاہ ایک نیک صالح آدمی تھا جس کا نام بیدوسیس تھا (مظہری) قیامت کے بارے میں اور مردوں کو زندہ ہونے کے بارے میں شدید اختلاف چل رہا تھا ایک فرقہ اس بات کا قطعاً منکر تھا کہ جسم کے گلنے سڑنے اور ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہوجائے گا، بادشاہ ان گمراہ لوگوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا کہ کس طرح ان کے شکوک وشبہات دور کئے جائیں جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اس نے ٹاٹ کے کپڑے پہن کر اور راکھ کے ڈھیر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ التجا کی کہ خدایا آپ ہی کوئی ایسی صورت پیدا فرمادیں کہ ان لوگوں کا عقیدہ درست ہوجائے اور یہ راہ راست پر آجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اصحاب کہف بیدار ہوئے، بیدار ہونے کے بعد ان میں یہ بحث چھڑ گئی کہ ہم کتنی مدت سوئے ہیں؟ کوئی کہتا تھا کہ ایک دن سوئے ہوں گے دوسرا کہتا کہ ایک دن سے بھی کم سوئے ہوں گے، بحث نے جب طول پکڑا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا اس فضول بحث کو چھوڑو اور کام کی بات کرو بھوک لگ رہی ہے لہٰذا کچھ کھانے پینے کی بات کرو، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک شخص کو جس کا نام تملیخا بتایا جاتا ہے بازار میں کھانا لانے کے لئے بھیج دیا، اور یہ تاکید کردی کہ ہوشیاری اور بیدار مغزی سے کام لے، اور کسی کو ہماری خبر نہ ہونے دے اور اس بات کا بھی خیال رکھے کہ کھانا حلال اور پاکیزہ ہو اس لئے کہ اہل شہر کی اکثریت بت پرستوں کی ہے ایسا نہ ہو کہ غیر شرعی طور پر ذبح کیا ہو، چنانچہ تملیخا نے ایک دوکان سے کھانا خرید کر تین سو سال پہلے کا سکہ نکال کر دکاندار کو دیا تو دکاندار حیران رہ گیا کہ یہ سکہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ بازار کے دیگر دکانداروں کو بھی دکھلایا سب نے یہ کہا کہ اس شخص کو کہیں سے پرانا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے، اس شخص نے انکار کیا کہ مجھے کوئی خزانہ نہیں ملا بلکہ یہ روپیہ میرا ہے، بات بڑھ گئی بازار والوں نے اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کردیا، یہ بادشاہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ نیک صالح اور اللہ والا تھا اور اس نے سلطنت کے خزانہ میں وہ تختی بھی دیکھی تھی کہ جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے فرار ہونے کا واقعہ لکھا ہوا تھا بادشاہ نے اس تختی کی روشنی میں حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہوگیا کہ یہ انہی لوگوں میں سے ہے، بادشاہ نے کہا میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے ملادے جو دقیانوس کے زمانہ میں اپنا ایمان بچا کر بھاگے تھے، بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا اور کہا شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعاء قبول فرمالی ہے، اور اس شخص سے کہا کہ ہم کو اس غار پر لے چلو جہاں سے تم آئے ہو، بادشاہ ایک بڑے مجمع کے ساتھ غار پر پہنچا اور جب غار قریب آیا تو تملیخا نے کہا کہ آپ ذرا ٹھہریں میں جا کر اپنے ساتھیوں کو حقیقت حال سے باخبر کردوں تاکہ وہ گھبرا نہ جائیں، اس کے بعد روایات میں اختلاف ہے، ایک روایت میں یہ ہے کہ تملیخا نے غار میں جا کر ساتھیوں کو تمام حالات سنائے کہ اب بادشاہ مسلمان ہے اور قوم بھی مسلمان ہے وہ سب ملاقات کے لئے آئے ہیں، اصحاب کہف اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کا استقبال کیا پھر وہ اپنے غار میں واپس چلے گئے، اکثر روایات میں یہ ہے کہ جس وقت اس ساتھی نے غار میں

پہنچ کر تلی حضرت کو یہ پورا واقعہ سنایا اسی وقت سب کی وفات ہوگئی بادشاہ سے ملاقات نہ ہوسکی، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ملاقات کے بعد اصحاب کہف نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور غار کے اندر چپے گئے اسی وقت اللہ نے ان کو وفات دیدی، واللہ اعلم بالصواب۔ (قرطبی بحوالہ معارف القرآن ملخصاً)

بہر حال جب اہل شہر کے سامنے قدرت الٰہی کا یہ عجیب واقعہ ظاہر ہوگیا تو سب کو یقین ہوگیا کہ جس ذات کی قدرت میں یہ داخل ہے کہ تین سو سال تک انسانوں کو بغیر غذا اور دیگر سامان زندگی کے زندہ رکھ سکتا ہے، اور طویل عرصہ تک سونے کے بعد پھر صحیح سالم قوی اور تندرست اٹھا سکتا ہے تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان کو مع اجسام کے زندہ کردے، اس واقعہ سے ان کے انکار کا سبب دور ہوگیا کہ حشر اجساد کو مستبعد اور خارج از قدرت سمجھتے تھے اب معلوم ہو، کہ مالک الملکوت کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کرنا خود جہالت ہے، اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حقٌ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَارَيْبَ فِيهِ.

اس واقعہ کے بعد تمام شہر والے اصحاب کہف کی بزرگی اور تقدس کے قائل ہوگئے تھے، اب ان میں اس بات میں اختلاف ہوا کہ ان کی یادگار کے طور پر غار پر کیا بنایا جائے؟ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ غار کے پاس کوئی یادگاری عمارت تعمیر کردی جائے کہ جو لوگوں کے لئے تفریح گاہ بھی ہو اور ان بزرگوں کے لئے یادگار بھی، اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ایک مسجد تعمیر کردی جائے تاکہ زائرین کے لئے سہولت ہو اور ان اہل اللہ کو اجر بھی پہنچے۔

مسئلہ: اگر کسی نیک آدمی کی قبر پر زائرین بکثرت آتے ہوں تو ان کے قیام اور نماز نیز دیگر سہولتوں کے لئے قریب میں مسجد بنانا جائز ہے بشرطیکہ وقف قبرستان میں نہ بنائی جائے اور جن احادیث میں انبیاء کی قبروں پر مسجد بنانے پر لعنت آئی ہے ان سے مراد خود قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ہے جو بالاتفاق شرک اور حرام ہے۔

مسئلہ: کسی مسجد کے پاس یا کسی مکان میں کسی کی تدفین جائز نہیں مردوں کی تدفین قبرستانوں ہی میں ہونی چاہئے، حدیث شریف میں ہے صَلُّوْا فِي بُيُوْتِكُمْ وَلَاتَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا (ترمذی شریف، ج ا، ص ۶۰) یعنی اپنے گھروں میں نماز پڑھو، ان کو قبریں نہ بناؤ، آپ کی تدفین جو مکان میں ہوئی یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

اصحاب کہف کی تعداد کیا تھی؟

سیقولون ثلثة رابعهم کلبهم اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف کرنے والوں میں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ یہ وہی لوگ ہوں جن کا اختلاف اصحاب کہف کے زمانہ میں ان کے نام و نسب کے بارے میں ہوا تھا جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے (کمافی البحر) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ سیقولون کی ضمیر نصاریٰ نجران کی طرف راجع ہو جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں مناظرہ کیا تھا ان کے تین فرقے تھے ایک فرقہ ملکانیہ کے نام سے موسوم تھا اس نے تعداد کے متعلق پہلا قول کیا یعنی تین کا عدد بتایا، اور دوسرا فرقہ یعقوبیہ تھا اس نے دوسرا قول

یعنی پانچ ہونا بتایا، تیسرا فرقہ نسطوریہ تھا اس نے تیسرا قول یعنی سات ہونا اختیار کیا، بعض حضرات جن میں مفسر علام بھی شامل ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ تیسرا قول مسلمانوں کا تھا اور پہلے دونوں نصاریٰ نجران کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور قرآن کریم کے اشارہ سے تیسرے قول کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (بحر محیط)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ان کم لوگوں میں سے ہوں کہ جن کو اصحاب کہف کی صحیح تعداد معلوم ہے، اصحاب کہف سات تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دونوں قول رجماً بالغیب فرما کر رد کر دئے ہیں اور تیسرے قول کی تردید نہیں فرمائی۔

وثامنھم کلبھم قرآن کریم نے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں تین قول نقل کئے ہیں، تین، پانچ، سات، اور ہر ایک کے بعد کتے کو شمار کیا گیا ہے لیکن پہلے دو قول میں ان کی تعداد اور کتے کے شمار میں واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا، **ثلثة رابعھم کلبھم، خمسة سادسھم کلبھم** یہ دونوں قول بلا واؤ عاطفہ کے آئے ہیں اور تیسرا قول **سبعة وثامنھم کلبھم** واؤ کے ساتھ لایا گیا ہے، اس کی وجہ حضرات مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ عرب کے لوگوں میں عدد کی پہلی گرہ سات کی ہوتی تھی، سات کے بعد جو عدد آئے وہ الگ شمار ہوتا تھا، قرآن کریم میں بھی اس کا استعمال متعدد جگہ ہوا ہے، **کما فی قوله تعالیٰ وفتحت ابوابها وقوله تعالیٰ ثیبات وابکارا**، جیسا کہ آج کل نو کا عدد اس کے قائم مقام ہے کہ نو تک اکائی ہے اور دس سے دہائی شروع ہوتی ہے گویا کہ یہ دونوں الگ الگ عدد ہیں اس لئے تین سے سات تک واؤ عاطفہ کے ساتھ الگ کر کے بتلاتے تھے اور اسی لئے اس واؤ کو واؤ ثمان کا لقب دیا تھا یہ واؤ محض زائدہ بھی ہو سکتا ہے اور زائدہ مع التاکید بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ واؤ الصاق موصوف بالصفت اور تاکید پر دلالت کرتا ہے بایں طور کہ جب کسی موصوف کو یقین کے ساتھ متصف بالصفت کیا جائے تو موصوف کا وجود یقینی ہوگا اس لئے کہ صفت موصوف کے بغیر وجود نہیں ہو سکتی **ثامنھم** یہ **سبعة** کی صفت ہے یعنی وہ سات کہ جن کو آٹھ کرنے والا کتا ہے یعنی اصحاب کہف سات ہیں اور ان کو آٹھ کرنے والا کتا ہے، **ثامنھم کلبھم** واؤ کے ساتھ مستقل جملہ کی صورت میں ذکر کرنا یہ عزم اور پختگی کو ظاہر کرتا ہے یعنی آٹھواں کتا ہونا یقینی ہے تو اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اصحاب کہف سات تھے، مفسر کے قول **وقیلَ تاکیدٌ اَوْ دلالةٌ علی لصُوقِ الصفةِ بالموصوفِ** میں **اَوْ** عاطفہ تفسیریہ ہے یعنی معطوف علیہ اور معطوف کا مفہوم ایک ہی ہے۔

اصحاب کہف کے اسماء

کسی صحیح حدیث سے اصحاب کہف کے نام صحیح صحیح ثابت نہیں ہیں تفسیری اور تاریخی روایات میں نام مختلف بیان کئے گئے ہیں ان میں اقرب وہ روایت ہے جس کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا

ہے کہ ان کے نام یہ ہیں: ۱ مُكَسلْمِينَا ۲ تَمْلِيْخَا ۳ مَرْطُوْنَس ۴ سَنُوَنَس ۵ سَارِيْنُوتَس ۶ ذُ نُوَاس ۷ كَعَسْطَطْيُوْنُس۔

اسماء اصحاب کہف بعض حضرات نے یہ بتائے ہیں، جیسا کہ صاوی وحاشیہ علی الجلالین میں مذکور ہیں:

۱ مُكَسَلْمِينَا ۲ تَمْلِيْخَا ۳ مَرْطُونَس ۴ نَيْنُوْنَس ۵ سَارْبُولَس ۶ ذُو نواس ۷ فَلْيَسْتَطْيُونَس یہ آخری شخص چرواہا تھا جو کہ راستہ سے ساتھ ہو گیا تھا اس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا جس کا نام قطمیر بتا گیا ہے، نیشاپوری نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے حاشیہ جلالین پر اصحاب کہف کے نو فوائد درج کئے ہیں نیز حاشیہ صاوی پر بھی درج ہیں طلب وہرب (بھاگنے) کے لئے آگ بجھانے کے لئے، اگر کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر آگ میں ڈال دیا جائے تو اللہ کے حکم سے وہ آگ بجھ جائے گی، بچوں کے رونے کے لئے اور تیسرے دن کے بخار کے لئے اور درد سر کے لئے دائیں بازو پر باندھیں، اور ام صبیان اور دریائی یا خشکی کے سفر اور مال و پھلوں کی حفاظت کے لئے اور ترقی ذہن کے لئے اور قتل سے نجات کے لئے حاشیہ جلالین پر استعمال کی مندرجہ ذیل ترکیب لکھی ہے، بچہ کے رونے کے لئے تکیہ کے نیچے رکھا جائے اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر کھیت کے درمیان کسی اونچی لکڑی پر آویزاں کر دیا جائے، شدید درد، تیسرے دن کے بخار سر کے درد اور حاکم یا سلاطین کے پاس جانے کے وقت دائیں ران پر باندھا جائے اور عسر ولادت کے لئے بائیں ران پر باندھا جائے۔

فلا تُمارِ اِلا مراء ظاهرا الخ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور امت کو ان دونوں جملوں سے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آئے تو جس قدر ضروری بات ہے اس کو واضح کر کے بیان کر دیا جائے اس کے بعد بھی لوگ غیر ضروری بحث میں الجھیں تو ان کے ساتھ سرسری گفتگو کر کے بات ختم کر دی جائے، اپنے دعوی کے اثبات اور ان کی بات کی تردید میں بہت زور لگانے سے گریز کیا جائے اور وقت کو ضائع نہ کیا جائے، اس لئے کہ اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، اس سے باہم تلخی پیدا ہونے کا بھی خطرہ ہے، دوسرے جملہ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وحی الٰہی کے ذریعہ قصہ اصحاب کہف کی جتنی معلومات آپ کو دیدی گئی ہیں ان پر قناعت فرمائیں کہ وہ بالکل کافی ہیں زائد کی تحقیق اور لوگوں سے سوال وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیں۔

قوله تعالى ولاتقولن لشایٔ الخ **اى لِاَجل شيئ تعزم عليه فيما يستقبل من الزمان ، فعبّر بالغد** **لاجل شئ** کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ کہیں مخاطب **غدًا** سے محض غد ہی نہ سمجھ لے جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ بعد غد کے لئے بغیر انشاء اللہ کے کہہ سکتا ہے، **لاجل شئ** کا مطلب ہے **لمدت شئ فی المستقبل**۔

اگر لوگ آپ سے کوئی بات قابل جواب دریافت کریں اور آپ جواب کا وعدہ فرمائیں تو اس کے ساتھ انشاء اللہ اس کے ہم معنی کوئی لفظ ضرور ملا لیا کریں اور وعدہ کی بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر کام میں اس کا لحاظ رکھئے، اور آئندہ ایسا

ہو جیسا اس واقعہ میں پیش آیا کہ آپ سے لوگوں نے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے بغیر انشاء اللہ کے ان سے کل جواب دینے کا وعدہ کر لیا پھر پندرہ روز تک وحی نازل نہیں ہوئی اور آپ کو بڑا غم ہوا، اس ہدایت اور تنبیہ کے ساتھ لوگوں کے سوالوں کا جواب بھی نازل ہوا۔ (کذا فی اللباب عن ابن عباسؓ)

اور اگر آپ اتفاقاً انشاء اللہ کہنا بھول جائیں پھر کبھی یاد آئے تو اسی وقت انشاء اللہ کہہ کر اپنے رب کو یاد کر لیا کیجئے، اور ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھ کو نبوت کی دلیل بننے کے اعتبار سے اس واقعہ سے بھی نزدیک (واضح تر) بات بتلا دے، مطلب یہ ہے کہ تم نے میری نبوت کا امتحان لینے کے لئے اصحاب کہف وغیرہ کے قصے دریافت کئے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے بتلا کر تمہارا اطمینان کر دیا مگر اصل بات یہ ہے کہ ان قصوں کے سوال وجواب اثبات نبوت کے لئے کوئی بہت بڑی دلیل نہیں ہو سکتی یہ کام تو غیر نبی بھی جو تاریخ عالم سے بخوبی واقف ہو کر سکتا ہے، مگر مجھے تو اللہ تعالیٰ نے میری نبوت کے اثبات کے لئے اس سے بڑے اور قطعی دلیل اور معجزات عطا فرمائے ہیں جن میں سب سے بڑی دلیل خود قرآن ہے جس کی ایک آیت کی بھی ساری دنیا مل کی نقل نہ اتار سکی، اس کے علاوہ حضرت آدم سے لیکر قیامت تک کے وہ واقعات بذریعہ وحی مجھے بتلا دئے گئے جو زمانہ کے اعتبار سے بھی بہ نسبت واقعہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین زیادہ بعید ہیں اور ان کا علم بھی کسی کو بجز وحی کے ممکن نہیں، خلاصہ یہ کہ تم نے تو اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات کو سب سے زیادہ عجیب سمجھ کر اسی کو امتحان نبوت کے طور پیش کیا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بھی زیادہ عجیب عجیب چیزوں کے علوم عطا فرمائے ہیں، اور جیسا اختلاف اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں ہے یہ ہی اختلاف ان کے سونے کی مدت میں بھی ہے ہم اس میں صحیح بات بتلاتے ہیں:

اصحاب کہف کے غار میں سونے کی مدت

وَلَبِثُوْا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا اصحاب کہف غار میں تین سو سال مزید براں نو سال رہے، قرآن کے ظاہر نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کے تین سو سال سونے کی مدت کا بیان حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، ابن کثیر نے اسی کو جمہور سلف وخلف کا قول قرار دیا ہے، مگر حضرت ابو قتادہ وغیرہ سے اس میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ تین سو نو سال کا قول بھی انہیں اختلاف کرنے والوں میں سے بعض کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول صرف وہ ہے جو بعد میں فرمایا یعنی (اَللّٰهُ اعلم بِمَا لَبِثُوْا) مگر جمہور مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں جملے حق تعالیٰ کا کلام ہیں پہلے میں حقیقت واقعہ کا بیان ہے اور دوسرے میں اس سے اختلاف کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ جب اللہ کی طرف سے مدت کا بیان آ گیا تو اب اس کو تسلیم کرنا لازم ہے وہی جاننے والا ہے محض تخمینوں اور اندازوں سے اس کی مخالفت بے عقلی ہے۔

ایک سوال

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے بیان مدت میں پہلے تین سو سال بیان کئے اس کے بعد فرمایا ان تین سو پر نو اور زیادہ ہو گئے عام دستور کے مطابق پہلے ہی تین سو نو نہیں فرمایا، اس کا جواب حضرات مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں چونکہ شمسی سال کا رواج تھا اس حساب سے تین سو سال ہی ہوئے ہیں اور اسلام میں قمری سال کا ہے اور قمری حساب سے ایک سال میں دس دن اور ہر تین سال میں ایک ماہ اور ہر چھتیس سال میں ایک سال کا اضافہ ہو جاتا ہے، اس حساب سے ہر سو سال میں تقریباً تین سال کا اضافہ ہو جاتا ہے، اس حساب سے تین سو سال شمسی کے تقریباً ۳۰۹ سال قمری ہوں گے، یہ حساب تقریبی ہے یعنی کسر کو ترک کر دیا گیا ہے اس لئے کہ بڑی گنتی میں عام طور پر کسر کو چھوڑ دیتے ہیں، شمسی اور قمری حسابوں میں امتیاز بتانے کے لئے تعبیر کا مذکورہ عنوان اختیار کیا گیا ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں تفسیر حقانی کے حوالہ سے اصحاب کہف کا مقام اور مقام کی تاریخی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ یہ ظالم بادشاہ کہ جس کے خوف سے بھاگ کر اصحاب کہف نے غار میں پناہ لی تھی اس کا زمانہ ۲۵۰ء تھا پھر تین سو سال تک یہ لوگ سوتے رہے تو مجموعہ ۵۵۰ء ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ۵۷۰ء میں ہوئی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بیس سال پہلے ان کے بیدار ہونے کا یہ واقعہ پیش آیا اور تفسیر حقانی میں بھی ان کا مقام شہر افسوس یا طرسوس کو قرار دیا ہے جو ایشائے کوچک میں واقع ہے اب بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَامُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ملجأ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اِحْبِسْهَا مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ بعبادتهم وَجْهَهٗ تعالى لاشيئًا من اغراض الدنيا وهم الفقراء وَلَا تَعْدُ تنصرف عَيْنٰكَ عَنْهُمْ عُبِّرَ بِهِمَا عن صاحبهما تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَاتُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا اى القرآن وهو عُيَيْنَةُ بن حِصن واصحابه وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فى الشرك وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا اسرافا وَقُلِ له ولاصحابه هذا القرآن الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ تهديد لهم اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ اى الكافرين نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ما احاط بها وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ كعكر الزيت يَشْوِي الْوُجُوْهَ من حره اذا قرب اليها بِئْسَ الشَّرَابُ هو وَسَآءَتْ اى النار مُرْتَفَقًا تمييز منقول من الفاعل اى قبح مرتفقها وهو مقابل لقوله الآتى فى الجنة وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا والّا فاىّ ارتفاق فى النار اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَانُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا الجملة خبر انّ الذين وفيها اقامة الظاهر مقام المضمر والمعنى اجرهم ان

يُثِيبهم بما تضمّنه أُولٰئكَ لَهُمْ جنّٰتُ عدْنٍ اقامةٍ تجْري منْ تحتهِمُ الانْهٰرُ يُحلَّوْن فيها منْ اساورَ
قيل منْ زائدةٌ وقيل للتّبعيض وهي جمعُ اسْورةٍ كاحْمرة جمع سوار منْ ذهبٍ وّيلْبسُوْنَ ثيابًا
خُضرًا مّنْ سُندُسٍ ما رَقّ من الديباج وّاِسْتبْرقٍ ما غلُظَ منه وفي آية الرحمٰن بطائنُها منْ
اسْتبْرقٍ مُتّكئين فيْها على الارآئكْ جمع اريْكةٍ وهي السريرُ في الحجْلة وهي بيْتٌ يُزيّنُ
بالثياب والسُّتُور للعرُوْس نعْم الثّوابُ الجزاءُ الجنةُ وحسُنتْ مُرْتفقًا

اور آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ آئی ہے آپ اس کو تلاوت کیا کیجئے، اس کی باتوں کو کوئی نہیں بدل سکتا، اور آپ خدا کے سوا کہیں جائے پناہ نہ پائیں گے، اور آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ پابند مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام (ہمہ وقت) اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت کا مقصد محض اپنے رب کی خوشنودی ہے ان کی دنیوی کوئی غرض نہیں ہے، اور وہ فقراء ہیں، اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (توجہ) ان سے ہٹنے نہ پائیں عین بول کر صاحب عین مراد ہے اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے یعنی قرآن سے، اور وہ عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی ہیں اور وہ شرک میں اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گذر گیا ہے یعنی حد سے تجاوز کر گیا ہے اور آپ اس سے اور اس کے ساتھیوں سے (صاف صاف) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن تمہارے رب کی جانب سے حق ہے سو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر رہے، بلاشبہ ہم نے ظالموں کافروں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس آگ کی قناتیں اس کو گھیرے ہوئے ہوں گی، وہ قناتیں کہ جن کے ذریعہ احاطہ کیا جائے گا اور اگر وہ (پیاس کی شدت) سے فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی کہ جو تیل کی تلچھٹ کے مانند ہو گا وہ پانی جب ان کے چہروں کے قریب کیا جائے گا تو اپنی حرارت کی وجہ سے چہروں کو جھون ڈالے گا اور کیا ہی برا پانی ہے وہ اور وہ آگ بھی کیا ہی بری آرام کی جگہ ہوں مُرتفقًا تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہوئی ہے، ای قَبُحَ مُرْتفَقُها یعنی اس کا آرام نہایت ہی برا ہے اور یہ قول جنت کے بارے میں آنے والے قول حسُنتْ مُرْتفقًا کے بالمقابل لایا گیا ہے ورنہ تو آگ میں کونسا آرام ہے؟ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ایسے نیک عمل کرنے والوں کا ہم اجر ضائع نہ کریں گے جملہ یعنی (انَّا لانُضيعُ الخ) انّ الذين امنوا کی خبر ہے، اور جملہ خبریہ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھ دیا گیا ہے اور اصل عبارت اجرَهُم ہے یعنی ہم ان کا اجر عطا فرمائیں گے، یہ اجر کہ وہ مذکورہ آراموں کو شامل ہو گا ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے قیام کرنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، کہا گیا ہے کہ مِنْ زائدہ ہے اور بعض مفسرین نے مِنْ کو تبعیضیہ کہا ہے، اساورُ، اسْورةٌ کی جمع ہے اور اسْورةٌ سوارٌ کی جمع ہے، یعنی اساورُ سوارٌ کی جمع جمع

ہے، اور ریشم کا باریک سبز رنگ کا لباس اور موٹے ریشم کا لباس پہنیں گے، اور سورہ رحمٰن کی آیت میں بطائنها من استبرق ہے (یعنی ان کا استر موٹے ریشم کا ہوگا) اور وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اَرَائِك اریکۃ کی جمع ہے سریر کو اریکۃ اس وقت کہتے ہیں جب وہ حجلہ میں ہو اور حجلہ اس مکان کو کہتے ہیں جس کو دلہن کے لئے کپڑوں اور پردوں وغیرہ سے آراستہ کیا جاتا ہے جنت کیا ہی اچھا صلہ ہے اور کیا آرام دہ جگہ ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ واتْلُ تو تلاوت کر (ن) تلاوۃ تلاوت کرنا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ تِلْوٌ سے مشتق ہو اس کے معنی اتباع کرنا پیچھے پیچھے چلنا مِن الکتاب مِن بیانیہ ہے ما موصولہ کا بیان ہے مُلْتَحدًا (اسم ظرف، مصدر میمی ہے) (افتعال) پناہ گاہ یا پناہ لینا، **قولہ** مِنْ کتابِ رَبِّكَ ، مَا اُوحِیَ اِلَیْكَ کا بیان ہے **قولہ** لاتعْدُ واحد مؤنث غائب حرف نہی کی وجہ سے آخر سے حرف علت واؤ ساقط ہوگیا (ن) عَدْوًا کسی چیز سے تجاوز کرنا، دوڑنا، عَیْنَاكَ ، لا تَعْدُ کا فاعل ہے اور جملہ تُرِیدُ الخ عینَاكَ کے کاف مضاف الیہ سے حال ہے اگر مضاف الیہ مضاف کا جز ہو تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست ہے، یا اس لئے کہ عین سے صاحب عین مراد ہے، لہٰذا فعل کی اسناد اگرچہ بظاہر مضاف الیہ کی طرف ہے مگر حقیقت میں مضاف ہی کی طرف ہے فُرُطًا (ن) حد سے تجاوز کرنا فَرَطَ فی الامر کوتاہی کرنا، **قولہ** الحق یہ مبتداء محذوف هذا القرآن کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کردیا ہے اور الحقُ فعل محذوف کا فاعل بھی ہوسکتا ہے ای جاء الحقُ ، مِنْ رَّبِّکُمْ یا تو الحقُ سے حال ہے ای کائنًا من رَّبِّکم یا هذا القرآن مبتداء محذوف کی خبر ثانی ہے ای کائن من رَّبِّکم اِنَّا اَعْتَدْنَا یہ لف ونشر غیر مرتب ہے یعنی اِنَّ اَعْتدنَا کا تعلق وَمَنْ شاءَ فلیکفر سے ہے اور اِنَّ الذین آمنوا کا تعلق فمن شاء فلیومن سے ہے اَحَاطَ بِهِمْ سرادقُهَا ، نارًا کی صفت ہے، سرادق کی جمع سَرَادِقَات ہے سرادق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہو، خواہ چہار دیواری ہو یا شامیانہ اور قناتیں **قولہ** یَسْتَغِیْثُوْا مصدر اِغاثَةٌ مدد طلب کرنا یَسْتَغِیْثُوْا اصل میں یَسْتَغْوِثُوْا تھا، واؤ کا کسرہ ماقبل کو دیدیا گیا، اور واؤ کو یٰ سے بدل دیا یَسْتَغِیْثُوْا ہوگیا **قولہ** اَلْمُهْلُ (اسم) تلچھٹ، پیپ، کچلہو جملہ یشوِیْ ، ماءٌ کی صفت بھی ہوسکتا ہے اور المهل سے حال بھی، عَکَرٌ گاد، تلچھٹ الشرابُ بئس کا فاعل ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ هُوَ ہے جس کا مرجع مستغاث بہ ہے، مُرْتفقًا نسبت سے تمیز ہے جو کہ فاعل سے منقول ہے ای قَبُحَ مُرْتَفَقُهَا المرتفق ظرف مکان، آرام کی جگہ، دوزخیوں کے لئے اس کا استعمال استہزاءً ہوا ہے یا مشاکلت کے طور پر بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ جنتیوں کے لئے حَسُنَتْ مُرتفقًا فرمایا گیا ہے **قولہ** اِنَّا ... حرف مشبہ بالفعل اس کے اندر ضمیر وہ اس کا اسم لانضیع اجر مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا جملہ

ہوکر اِنَّ کی خبر، اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر خبر ہوئی اِنَّ اول کی، اِنَّ اول اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا اُولٰئك لَھُمْ جنّٰتُ عدنٍ لَھُمْ خبر مقدم ہے اور جنت عدن مبتداء مؤخر ہے پھر جملہ ہوکر اُولٰئكَ مبتدا کی خبر ہے **قوله** مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ابتدائیہ ہے یا مفعول بہ پر زائدہ ہے اور مِنْ ذھب میں مِن بیانیہ ہے اور کائنة یا مصنوعة کے متعلق ہوکر اساوِرَ کی صفت ہے اَسَاوِرُ سوار کی جمع ہے بمعنی کنگن متکئین فعل محذوف یجلسون کی ضمیر سے حال ہے فی الحجلة کائناً کے متعلق ہوکر السریر سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

اور آپ کا کام صرف اس قدر ہے کہ آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ آتی ہے وہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا کیجئے، آپ کا فرض منصبی صرف اتنا ہی ہے آپ اپنے فرض منصبی کے انجام دہی میں مشغول رہئے، آپ اس فکر میں نہ پڑیئے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ اگر اسلام کی مخالفت کرتے رہے تو دین کو ترقی کس طرح ہوگی؟ کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ فرمالیا ہے، اس کے وعدوں کو بدلا نہیں جاسکتا یعنی اگر پوری دنیا بھی مل کر اللہ کو وعدہ پورا کرنے سے روکنا چاہے تو روک نہیں سکتی اور اگر آپ نے ان بڑے لوگوں کی دل جوئی اس طرح کی کہ جس سے احکام الٰہی ترک ہوجائیں تو پھر آپ خدا کے سوا کسی کو پناہ گاہ نہ پائیں گے اگرچہ آپ سے احکام شرعیہ کا ترک بدلائل شرعیہ محال ہے مگر مبالغۃً اور تاکیداً بفرض محال یہ کہا گیا ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فقراء صحابہ کی رعایت رکھنے اور ان ہی کے ساتھ بود و باش رکھنے اور خود کو ان کے ساتھ پابند رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں مختلف واقعات مذکور ہیں ممکن ہے کہ سب ہی واقعات نزول کا سبب ہوئے ہوں، سورہ انعام میں بھی آپ کو فقراء مومنین کو اپنے پاس سے جدا کرنے کی ممانعت مذکور ہے کما قال اللہ تعالیٰ (**ولا تطرد الذین یدعُونَ ربھم**)

پہلا واقعہ: بغوی نے نقل کیا ہے کہ مکہ کا رئیس عیینہ بن حصن فزاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو آپ کے پاس چند فقراء صحابہ بیٹھے ہوئے تھے ان کا لباس خستہ اور ہیئت فقیرانہ تھی عیینہ نے کہا کہ ہمیں آپ کے پاس آنے اور آپ کی بات سننے سے یہی لوگ مانع ہیں ایسے خستہ حال لوگوں کے پاس ہم نہیں بیٹھ سکتے آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیں یا کم از کم ہمارے لئے علیحدہ مجلس رکھیں۔

دوسرا واقعہ: ابن مردویہ نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ غریب فقیر شکستہ حال مسلمانوں کو آپ اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ قریش کے سرداروں کو ساتھ لگائیں اگر یہ لوگ آپ کا دین قبول کرلیں گے تو دین کو ترقی ہوگی اس طرح کے واقعات پر وَاصْبِرْ نَفْسَكَ آیت نازل ہوئی، جس میں ان لوگوں کے مشورہ کو قبول کرنے سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان فقراء صحابہ کو اپنی مجلس سے ہٹانے سے منع فرمایا گیا ہے بلکہ یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ باندھ کر رکھیں، مطلب یہ ہے کہ خصوصی توجہات کے ذریعہ آپ ان فقراء کے ساتھ وابستہ رہئے، معاملات میں انہی سے مشورہ لیں اور انہی کی امداد واعانت سے کام کریں، اور اس کی وجہ اور حکمت ان الفاظ سے بتلادی گئی ہے کہ یہ لوگ صبح و شام یعنی ہر حال میں اللہ کو پکارتے اور اسی کا ذکر کرتے ہیں ان کا جو عمل ہے وہ خالص اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہے اور یہ سب حالات وہ ہیں کہ جو اللہ کی امداد اور نصرت کو کھینچ کر لاتے ہیں اور رؤساء قریش کا مشورہ قبول نہ کیجئے اس لئے کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے غافل ہیں اور ان کے سب کام نفسانی خواہشات کے تابع ہیں اور یہ حالات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت سے ان کو دور کرنے والے ہیں۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ مشورہ تو قابل عمل تھا کہ ان کے لئے ایک مجلس الگ کردی جاتی مگر اس طرح کی تقسیم میں سرکش مالداروں کا ایک خاص قسم کا اعزاز تھا جس سے غریب مسلمانوں کی دل شکنی ہوسکتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو گوارہ نہ فرمایا اور اصول دعوت وتبلیغ یہی قرار دیا کہ اس میں کسی کا کوئی امتیاز نہ ہونا چاہئے۔

وقل الحق من ربكم فمن شاء الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ اعلان کردیں کہ حق آچکا ہے اور اللہ کی حجت تام ہوچکی ہے اب لوگوں کی مرضی ہے کہ مانیں یا نہ مانیں اللہ تعالیٰ کو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی پرواہ نہیں جو کچھ نفع ونقصان ہوگا لوگوں کا خود اپنا ہوگا، ارشاد فرمایا اب جس کا دل چاہے مانے اور جس کا دل چاہے انکار کرے یہ تخییر نہیں ہے بلکہ تہدید ہے یعنی اب جو نہ مانے گا وہ سن لے ہم نے ظالموں کے لئے آتش دوزخ تیار کر رکھی ہے اس کی ہولناکی، خدا کی پناہ! اور اگر لوگ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی ایسے پانی سے فریاد رسی کی جائے گی جو (صورۃً) تیل کی تلچھٹ کی طرح ہے، جو اُن کا منہ بھون ڈالے گا، یعنی جہنم میں جب گرمی کی شدت سے دوزخیوں کو پیاس لگے گی اور وہ فریاد کریں گے اور پانی پانی چلائیں گے تب تیل کی تلچھٹ یا پگھلی ہوئی دھات یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا جو اس قدر گرم ہوگا کہ منہ کو بھون ڈالے گا، کیا برا مشروب ہے اور کیسی بری آرام گاہ ہے؟

ان الذين آمنوا بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے بے شک ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہ کریں گے

جو عمل کے اعتبار سے اچھے ہیں یعنی ان کی ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہ کی جائے گی بلکہ ہم ان کے ہر اس عمل کا ثواب عطا کریں گے جو ثواب کے لائق ہوگا ایسے ہی لوگوں کے لئے دائمی جنت ہے، قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ جب مشرکین وکافرین کے لئے عذاب کا ذکر کرتا ہے تو وہیں تقابل کے طور پر مومنین ومخلصین کے اجر وثواب کا بھی ذکر کرتا ہے اسی لئے فریقین کی جزاء وسزاء کا ذکر کیا ہے یُحَلَّوْنَ فیھا اس آیت میں جنتی مردوں کو بھی سونے کے کنگن پہنانے کا ذکر ہے اس پر سوال ہوسکتا ہے کہ مردوں کے لئے زیور پہننا نہ زیبا ہے اور نہ زینت، جواب: جمال وزینت عرف وعلاقہ کے تابع ہے، ایک علاقہ میں جو چیز جمال وزینت سمجھی جاتی ہے دوسرے علاقوں میں بسا اوقات قابل نفرت قرار دی جاتی ہے جنت میں مردوں کے لئے بھی زیور اور ریشمی کپڑے جمال وزینت قرار دیئے جائیں گے دنیا میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ مردوں کے لئے سونے کا کوئی زیور یہاں تک کہ انگوٹھی اور گھڑی کی چین بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح ریشمی کپڑے بھی جہاد کے علاوہ جائز نہیں ہیں، ہاں البتہ ساڑھے چار گرام تک چاندی کی انگوٹھی جائز ہے اللہ تعالیٰ نے زیورات کے ئے یُحَلَّوْنَ مجہول صیغہ اور کپڑوں کے لئے یلبسونَ معروف کا صیغہ استعمال فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر عادت یہی ہے کہ زیور دوسرے پہناتے ہیں اور لباس آدمی خود پہنتا ہے وہ وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے یعنی نہایت عزت اور احترام کے ساتھ مسہریوں پر گاؤ تکیے لگائے بیٹھے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے، کیسا اچھا صلہ ہے اور کیسی اچھی آرام گاہ ہے، اللہ تعالیٰ ہر مومن کو یہ نعمتیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ لَهُمْ لِلْكُفَّارِ مع المؤمنين مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ بدلٌ وهُوَ وَمابعدَه تفسيرٌ لِلْمَثَلِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا الكافرِ جَنَّتَيْنِ بُستانَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا احدقنا هما بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ؕ يُقتاتُ به كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ كلتا مفردٌ يدُلُّ على التثنيةِ مُبتدأٌ آتَتْ خبرُه اُكُلَهَا ثَمَرَها وَلَمْ تَظْلِمْ تَنقُصْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ يجري بينهما وَّكَانَ لَهٗ مع الجَنَّتَيْنِ ثَمَرٌ ۚ بفتح الثاء والميم وضَمِّهما وبضَمِّ الاول وسكون الثاني وهو جمعُ ثَمَرة كشجرة وشجر وخشبة وخُشُب وبَدَنة وبُدْن فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ المؤمن وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ يُفاخره اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۔ عشيرةً وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ بِصَاحِبِه يَطُوف به فيها ويُرِيه اَثمارَها ولم يقُل جَنَّتَيْهِ اِرادةً للرَّوْضة وقيل اكتفى بالواحد وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ بالكفرِ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ تنعدِمَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ في الآخرةِ على زَعْمِكَ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۚ مَرجعًا قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ يجاوبه اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ لِاَنَّ آدمَ خُلِقَ منه ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ ثُمَّ سَوّٰكَ عَدَّلَكَ وَصَيَّرَكَ رَجُلًا ۔ لٰكِنَّا اَصْلُه لكنْ انا، نُقِلت حركةُ الهمزةِ الى النون

وحُذِفت الهمزَةُ ثم اُدغِمت النونُ فی مِثلِها هُوَ ضمیر الشان یُفَسِّرہ الجُملَةُ بَعده و المعنیٰ اَنا اَقُوْلُ اللّٰهُ رَبِّیْ وَلَآ اُشرِكُ بِرَبِّی اَحَدًا۝

ترجمہ

اور حال بیان کیجئے ان کافروں اور مومنوں کے لئے ان دو شخصوں کا رجلین مثلاً سے بدل ہے رجلین اور اس کا مابعد مثلاً کی تفسیر ہے ان دو میں سے ایک کو جو کافر تھا انگور کے دو باغ دئے تھے اور ہم نے دونوں باغوں کا کھجوروں کے درختوں کے ذریعہ احاطہ کر دیا تھا اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی بھی اگائی تھی جس کے ذریعہ غذا حاصل کی جاتی تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اس میں بالکل کمی نہیں کرتے تھے کلتا لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے (مگر معنی کے اعتبار سے) تثنیہ پر دلالت کرتا ہے اور کلتا مبتدا ہے اور آتت اس کی خبر ہے اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہریں جاری کر رکھی تھیں اور اس شخص کے لئے دو باغوں کے علاوہ اور بھی اموال تھے ثَمَرٌ ثا اور میم دونوں کے فتحہ کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ ثُمُرٌ اور اول کے ضمہ اور ثانی کے سکون کے ساتھ ثُمْرٌ اور ثَمَرٌ ثَمرةٌ کی جمع ہے جیسے شَجَرٌ شَجرةٌ کی جمع ہے اور خُشُبٌ خَشَبَةٌ کی جمع ہے اور بُدنٌ بَدَنَةٌ کی جمع ہے (تینوں میں مفرد ایک ہی وزن پر ہے البتہ تینوں کی جمع مختلف ہے) (ایک روز) اس کافر نے اپنے مومن ساتھی سے فخریہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور افراد خاندان میں بھی اور اپنے ساتھی کو گھماتا ہوا اور باغ کے پھلوں کو دکھاتا ہوا ساتھ لیکر اپنے باغ میں داخل ہوا حال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا کفر کے ذریعہ، اور اس موقع پر جَنَّتَیْهِ نہیں کہا یا تو اس لئے کہ جنت سے مراد روضہ ہے (جو کہ دونوں باغوں پر مشتمل ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے ایک باغ ہی دکھانے پر اکتفاء کیا تھا اور کہنے لگا میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت آئے گی اور اگر تیرے خیال کے مطابق (قیامت آ بھی گئی) اور میں اپنے رب کے پاس پہنچا دیا گیا تو ضرور اس باغ سے بھی بہتر جگہ مجھے ملے گی اس کے (مومن) ساتھی نے اس کی (ان کفریہ) باتوں کے جواب میں کہا کہ کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا؟ اسلئے کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے پھر تجھ کو نطفہ منی سے پیدا کیا اور پھر تجھ کو صحیح سالم یعنی (تجھ کو معتدل الاعضاء) مرد بنایا لکِنّا اس کی اصل لکِنْ اَنَا تھی ہمزہ کی حرکت نون کو دیدی اور ہمزہ کو حذف کر دیا پھر نون کو نون میں ادغام کر دیا ھُوَ ضمیر شان ہے اس کے بعد کا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے اور معنی یہ ہیں کہ میں کہتا ہوں (یعنی عقیدہ رکھتا ہوں) کہ میرا رب تو اللہ ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

ضَرَبَ کا استعمال جب مثل کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے دو مفعول ہوتے ہیں، یہاں ایک مفعول مثلاً ہے اور

دوسرا رَجُلَیْنِ دونوں مفعول درحقیقت ایک ہی ہیں اور رجلین حذف مضاف کے ساتھ مثلاً سے بدل بھی ہوسکتا ای مثلاً مثل الرجلین **قولہ** من اَعْنَابٍ میں مِن بیانیہ ہے، مافی الجنتین مبیَّن ہے مِن اعناب بیان ہے **قولہ** حَفَفْنَا حَفٌّ سے ماضی جمع متکلم (ن) حفًّا گھیرنا کِلتا چونکہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اسی کا اعتبار کرتے ہوئے اٰتَتْ کو مفرد لائے ہیں اور خِلالَهُمَا خبر ہے معنی کے اعتبار سے تثنیہ لائی گئی ہے کِلتا الجنتینِ مرکب ہوکر مبتداء ہے اور جملہ اٰتَتْ خبر ہے **قولہ** ثَمَرٌ سے باغات کے علاوہ دیگر اموال مراد ہیں خواہ وہ نقود کی شکل میں ہوں یا مویشیوں کی شکل میں **قولہ** یُحاوِرُ (مفاعلة) مُحَاوَرَةً وحِوَارًا گفتگو کرنا، جواب دینا، یُحاوِرُ کی تفسیر یُفَاخِرُ سے قرینۂ مقام کی وجہ سے ہے، **قولہ** مالاً ونفرًا یہ نسبت سے تمیز ہیں، **قولہ** اثمارَها بعض نسخوں میں اثمارها کے بجائے آثارها ہے بمعنی رونق وشادابی **قولہ** اَنْ تَبِیْدَ بتاویل مصدر ہوکر اَظُنُّ کا مفعول ہے **قولہ** سَوّاكَ تسویةً برابر کرنا، متناسب الاعضاء بنانا، یہاں سَوّیٰ جَعَلَ اور صَیَّرَ کے معنی میں ہے، جعل کا كَ مفعولِ اول اور رجلاً مفعول ثانی ہے، لٰکِنَّا اصل میں لکن انا تھا، انا کے ہمزہ کو خلاف قیاس حذف کرکے نون کا نون میں ادغام کردیا گیا ہے **قولہ** لٰکِنَّا میں لکن غیر عامل ہے، اس کے اندر ضمیر مبتداء اول ہے اور ھُوَ مبتداء ثانی ہے اور اللّٰہ مبتدا ثالث ہے، رَبِّی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیات میں جن دو شخصوں کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں شخص فرضی ہیں اور بطور تمثیل ان کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے یا حقیقی اور واقعی ہیں، جو حضرات واقعی ہونے کے قائل ہیں ان کے درمیان ان کی تعیین میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے دو بھائی تھے اور بعض کا قول ہے کہ وہ دونوں مکہ کے مخزومی قبیلہ کے دو بھائی تھے ان میں سے ایک کا نام عبداللہ بن عبدالاسود تھا اور وہ مومن تھا اور دوسرا اسود ابن عبدالاسود تھا یہ کافر تھا اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ وہی دو شخص ہیں کہ جن کا ذکر سورہ الصافات میں اللہ تعالیٰ کے قول قال قائل منهم انی کان لی قرین میں ہے، مذکورہ دونوں بھائیوں کے واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کو بیان کرنا ہے، آپ، ان دو شخصوں کا جن کے درمیان دوستی یا قرابت کا تعلق تھا، بیان کیجئے عطاء خراسانی کے بیان کے مطابق ان کا قصہ اس طرح تھا، دو شریک یا دو بھائی تھے ان میں سے ایک مومن اور دوسرا کافر تھا ان دونوں کے پاس آٹھ ہزار دینار مشترکہ تھے بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کے والد کے ترکہ سے آٹھ ہزار دینار ان کے حصہ میں آئے تھے، چار چار ہزار دونوں نے تقسیم کرلئے تھے ان میں سے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی جب مومن بھائی کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے اور میں تجھ

سے ہزار دینار کے بدلے جنت میں زمین خریدتا ہوں اور یہ کہہ کرایک ہزار دینار راہ خدا میں صرف کردئے، پھر کافر بھائی نے شادی کی اور اس پر اس نے ہزار دینار خرچ کئے جب اس مومن بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کی ہے میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت کی حور سے شادی کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کردئے پھر اس کے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار کے عوض کچھ غلام اور گھریلو سامان خریدا جب اس مومن بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض تجھ سے جنت میں خدام اور سامان راحت خریدتا ہوں یہ کہہ کر اس نے ایک ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کردیئے اب اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا اور شدید حاجت مند ہوگیا، اس نے سوچا اگر میں اپنے بھائی کے پاس جاؤں اور اس سے اپنی حاجت کا سوال کروں تو وہ ضرور میری مدد کرے گا، چنانچہ وہ ایک روز اس راستہ پر جا کر بیٹھ گیا جہاں سے اس کے بھائی کی آمد ورفت تھی جب اس کا بھائی بڑی شان وشوکت کے ساتھ وہاں سے گذرا تو اپنے اس غریب مومن بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا فلاں؟ اس نے کہا ہاں، اس نے حالت دیکھ کر کہا تیرا یہ کیا حال ہے؟ تو مومن بھائی نے جواب دیا مجھے حاجت شدیدہ پیش آگئی ہے مدد کے لئے تیرے پاس آیا ہوں، کافر بھائی نے معلوم کیا تیرا وہ مال کیا ہوا جو تیرے حصہ میں آیا تھا؟ تو اس مومن بھائی نے پوری صورت حال بیان کی تو اس کے کافر بھائی نے کہا میں کچھ نہ دوں گا تو تو بڑا سخی ہے پھر کافر بھائی نے مومن بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغوں میں گھمایا تو ان کے بارے میں آیت واضرب لھم مثلاً نازل ہوئی۔

وَلَوْ لَآ هَلَّا **اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ** عِنْدَ اِعْجَابِكَ بها هٰذَا **مَا شَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** فی الحدیث مَنْ اُعطِیَ خیرًا من اهلٍ او مالٍ فیقول عند ذٰلك ماشآء اللّٰه لاقُوَّةَ الا باللّٰهِ لَم یَر فیه مکروهًا **اِنْ تَرَنِ اَنَا** ضمیرُ فَصْلٍ بَیْنَ المفعولین **اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا فَعَسٰی رَبِّیْ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ** جوابُ الشرط **وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا** جمع حُسْبَانَةٍ ای صواعق **مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا** رَضًا مَلْسَاء لایَثْبُتُ علیها قَدَمٌ **اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا** بمعنی غَائِرًا عطف علی یُرْسِلَ دُوْن تُصْبِحَ لِاَنَّ غَوْرَ الماءِ لایَتَسَبَّبُ عن الصَّوَاعِقِ **فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا** حِیْلَةً تُدْرِكُهُ بها **وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ** بِاَوْجُهِ الضَّبْطِ السابقة مع جَنَّتِهِ بالهلاكِ فَهَلَكَتْ **فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ** نَدَمًا وتَحَسُّرًا **عَلٰی مَا اَنْفَقَ فِیْهَا** فی عِمَارة جنَّتِه **وَهِیَ خَاوِیَةٌ** سَاقِطَةٌ **عَلٰی عُرُوْشِهَا** دَعَائِمها للكَرْمِ بِاَنْ سَقَطَتْ ثُمَّ سَقَطَ الكَرْمُ **وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ** یا لِلتَّنْبِیْهِ **لَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْ اَحَدًا وَلَمْ تَكُنْ** بالتاء والیاء **لَّهٗ فِئَةٌ** جماعةٌ **یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** عِند هَلَاكِهَا **وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا** عِند هلاكها بنَفْسِه **هُنَالِكَ** ای یوم القیٰمةِ **الْوَلَایَةُ** بفتح الواو النُّصْرَةُ وبكسرها الـمُلْكُ **لِلّٰهِ الْحَقِّ** بالرفع

صِفةُ الولايةِ وبالجرِّ صفةُ الجلالَةِ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا مِنْ ثوابِ غيرِه لَوْ كانَ يُثِيبُ وَّخَيْرٌ عُقْبًا ع بضمِّ القاف وسكونها عاقِبَةٌ للمؤمنين ونصبُهما على التميز

ترجمہ

اور جب تو باغ میں داخل ہوا تھا تو تو نے اس باغ پر تعجب (پسندیدگی) کے وقت کیوں نہ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ نے چاہا خدا کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کو بہترین مال یا اولاد عطا کیا گیا ہو اور اس نے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کہہ لیا تو اس مال میں اس کو ناپسندیدہ حالت پیش نہیں آئے گی اور اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کم ہوں کچھ بعید نہیں کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دیدے (أنا) دو مفعولوں کے درمیان ضمیر فصل ہے اور فعسیٰ جواب شرط ہے اور اس (تیرے باغ) پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے حُسْبَانٌ حُسْبَانَة کی جمع ہے (یعنی) بجلیاں تو وہ باغ دفعتاً ایک صاف (چٹیل) میدان ہو کر رہ جائے، ایسی چکنی سپاٹ زمین کر دے کہ اس پر قدم نہ ٹھہر سکے یا اس کا پانی بالکل اتر جائے غوراً (مصدر) بمعنی غائر ہے یُرْسِلَ پر عطف ہے نہ کہ تصبح پر اس لئے کہ پانی کے اترنے کا سبب صواعق (بجلیاں) نہیں ہوتیں پھر تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش بھی نہ کر سکے یعنی کوئی ایسی تدبیر بھی تیرے بس میں نہ رہے کہ جس کے ذریعہ تو (پانی) دوبارہ حاصل کر سکے اور اس شخص کے مال کو تو آفت نے آگھیرا مع اس کے باغ کے ہلاک ہو گیا ثمر میں سابق تین مذکور، تینوں قرأتیں ہیں، تو حسرت اور ندامت سے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر جو اس نے باغ پر (یعنی اس کی شجر کاری پر) خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا یعنی انگوروں کے لئے (نصب کردہ) ٹٹیوں پر بایں طور کہ وہ ٹٹیاں گر گئیں (ان پر) انگور کی بیلیں گر پڑیں اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا، یا تنبیہ کے لئے ہے اور لَمْ يَكُن میں یا اور تا دونوں قرأتیں ہیں اور نہ ہوئی اس کے لئے کوئی جماعت کہ جو ہلاکت کے وقت اس کی مدد کرتی اللہ کے سوا اور وہ خود بھی ہلاکت کے وقت اپنی مدد نہ کر سکا، اور وہاں یعنی قیامت کے دن حکومت اللہ برحق کے لئے ہوگی وَلَايَة واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی نصرت اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ بمعنی حکومت الحقّ رفع کے ساتھ ہو تو ولایةُ کی صفت ہوگی اور اگر جر کے ساتھ ہو تو لفظ اللہ کی صفت ہوگی وہی ثواب دینے کے اعتبار سے بہتر ہے دوسروں کے اجر سے، بالفرض اگر دوسرے اجر دینے والے ہوں اور (مومنین کے لئے) انجام کے اعتبار سے بہتر ہے عُقْبًا قاف کے ضمہ کے ساتھ اور سکونِ قاف دونوں درست ہیں اور اس کا نصب تمیز کی وجہ سے ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله لَوْلَا تحضیضیہ ہے آمادہ کرنے، ورغلانے کے لئے ہے اِذْ، دَخَلْتَ کا ظرف مقدم ہے ماشاء اللہ موصول

صلہ سے ملکر، مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے الأمرُ ماشاء اللّٰہ یا ماشاء اللّٰہ مبتداء ہے، اور اس کی خبر کائنٌ محذوف ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ماشرطیہ ہو اور جواب شرط محذوف ہو ای ایُّ شیئٍ ما شاء اللّٰہ کانَ ، باللّٰہ محذوف سے متعلق ہو کر لائے نفی جنس کی خبر ہے **قولہ** اِنْ تَرَنِ اِنْ حرف شرط تَرَنِ مضارع مجزوم واحد مذکر حاضر، نون سے پہلے یٓ کی لام کلمہ محذوف ہے نون وقایہ یٓ ضمیر متکلم مفعول اول محذوف ہے نون کا کسرہ اس کی علامت ہے اور رویت سے رویت قلبی مراد ہے اَنَا دو مفعولوں کے درمیان ضمیر فصل برائے تاکید ہے اَقَلَّ مفعول ثانی ہے مالاً اور ولداً تمیز ہیں، **فعسٰی** جواب شرط ہے اور اگر تَرَنِ سے رویت بصری مراد ہو تو اَقلَّ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا **قولہ** یُؤتِیَنِ اس کے آخر میں یٓ ضمیر متکلم محذوف ہے آتیٰ یُؤتِیْ اِیْتاءً سے فعل مضارع واحد مذکر غائب بمعنی دینا **قولہ** حُسْبانٌ گرم ہوا کا بگولہ، عذاب حسبان (ن) سے بروزن غفران مصدر ہے بمعنی حساب ای مقدارٌ قدرہ اللّٰہ تعالٰی علیھا اس کا واحد حسبانۃ ہے قول تُصْبِحَ فعل ناقص ھِیَ اس میں ضمیر اس کا اسم صعیدًا زلقًا موصوف صفت سے مل کر خبر **قولہ** او یُصْبِحَ کا عطف جملہ سابقہ یُرْسِلَ پر ہے نہ کہ تُصبحَ صعیدًا زَلَقًا پر، اگر حسبان کی تفسیر مطلق عذاب سے کی جائے تو اس صورت میں یُصْبِحَ کا عطف فَتُصْبِحَ پر بھی درست ہوگا، اس لئے کہ عذاب الٰہی باغ کو چٹیل میدان کرنے اور پانی کو گہرائی میں چلے جانے کا سبب ہو سکتا ہے غوْرًا بمعنی غائر ہے تاکہ حمل درست ہو سکے، ورنہ تو مبالغۃً زید عدل کے مانند حمل ہوگا **قولہ** علیٰ ما ، یقلِّب کے متعلق ہے **قولہ** بأوجُہ الضبط السابقۃ کا مطلب یہ ہے کہ ماسبق میں مذکور ثمرٌ میں جو تین قرأتیں ہیں وہ یہاں بھی ہیں **قولہ** نَدَمًا و تحسُّرًا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یقلب کا صلہ علیٰ اس لئے درست ہے کہ یقلِّبُ ندمًا و تحسُّرًا کے معنی میں ہے ورنہ تو یقلب کا صلہ بِعلیٰ مستعمل نہیں ہے، تحسُّرًا یقلِّبُ کی ضمیر سے حال ہے خاویَۃٌ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول گری ہوئی چیز عُرُوش عَرْشٌ کی جمع ہے ٹٹی، شاخوں کی چھت، دعائم دعامۃ کی جمع ہے ٹیکی، ستون **قولہ** ینصرونہ جملہ ہو کر فِئۃ کی صفت اول ہے اور من دون اللّٰہ کائنۃ کے متعلق ہو کر صفت ثانی ہے، **قولہ** هُنَالِكَ خبر مقدم الولایۃ مبتدا موخر، للّٰہ خبر ثانی الحقُّ ، الولایۃُ کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اگر الحق پر کسرہ پڑھا جائے تو اللہ کی صفت ہوگی، عقبًا تمیز ہے عقب بمعنی بدلہ ثواب۔

تفسیر وتشریح

اور جب تو باغ میں داخل ہوا تھا اور باغ کی سرسبزی اور شادابی نے تجھ کو تعجب میں ڈالدیا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے بغیر اللہ کی مدد کے کسی کو نہ کوئی طاقت اور نہ قوت؟ یعنی مال اللہ کی بڑی نعمت ہوتی ہے شکر گذاری سے اس کی پائیداری ہوتی ہے اور ناشکری سے آفت آتی ہے، حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ

جس شخص کو بہترین مال اور اولاد عطا کئے جائیں تو اگر وہ شخص ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ کہہ لے تو وہ مال اور اولاد آفت پہنچنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اگر چہ تو مال اور اولاد میں مجھے اپنے سے کمتر پاتا ہے مگر کچھ بعید نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دنیا ہی میں دیدے آخرت میں تو انشاء اللہ عطا کرے ہی گا اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آسمانی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا اس آفت سے اس کا پانی اتنا گہرا اتر جائے کہ پھر تو اسے کسی تدبیر سے نہ نکال سکے، یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ مومن شخص نے باغ پر فخر کرنے کا جواب تو دیا مگر اولاد پر فخر کرنے کا جواب نہیں دیا حالانکہ کافر بھائی نے مال اور اولاد دونوں پر فخر کیا تھا، اس لئے کہ اولاد کی کثرت جب ہی اچھی معلوم ہوتی ہے جب مال و دولت خوب ہو ورنہ تو کثرت اولاد وبال جان معلوم ہوتی ہے۔

تو اس کا سارا سامان عیش مع اس کے باغ کے تباہ و برباد ہو گیا اور باغ کی آبادکاری پر لگائی ہوئی لاگت کے ضائع ہونے پر کف افسوس ملتا رہ گیا اور جس طرح مکان کی چھت گر جاتی ہے اور پھر اس پر دیواریں بھی گر جاتی ہیں تو وہ مکان بالکل برباد ہو جاتا ہے اسی طرح اس کا باغ بھی گر کر تباہ و برباد ہو گیا اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس شخص کی یہ ندامت اور حسرت دنیوی نقصان پر تھی تو بہ اور رجوع الی اللہ یا عقیدہ کفریہ پر ندامت کی وجہ سے نہیں تھی اس لئے اس کے اس قول کی وجہ سے اس کو مومن نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔

اور اس کے پاس اس کے معاونین کی کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی کہ جو خدا کے سوا اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہم سے بدلہ لے سکا ایسے موقع پر مدد کرنا خدائے برحق ہی کا کام ہے اور آخرت میں بھی اسی کا اجر سب سے بہتر ہے اور دنیا میں بھی اسی کا نتیجہ اچھا ہے۔

وَاضْرِبْ صَيِّرْ **لَهُم لِقَوْمِكَ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** مفعولٌ اول **كَمَآءٍ** مفعول ثان **اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ** تَكَاثَفَ بِسَبَبِ نزول الماءِ **نَبَاتُ الْاَرْضِ** وامتزج الماءُ بالنَّباتِ فرَوِيَ وحَسُن **فَاَصْبَحَ** فصار النباتُ **هَشِيْمًا** يابسًا متفرِّقةً اجزاؤه **تَذْرُوْهُ** تُثِيْرُهُ وتُفَرِّقُه **الرِّيٰحُ** فتذهب به المعنى شبَّه الدنيا بِنَبَاتٍ حَسَنٍ فَيَبِسَ وتَكَسَّرَ فَفَرَّقَتْهُ الرِّيَاحُ وفي قراءة الريحُ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا** قادِرًا **اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يُتجمَّل بهما فيها **وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ** هي سبحان اللّٰه والحمد للّٰهِ ولا اله الا اللّٰهُ واللّٰه اكبر وزاد بعضُهم ولاحول ولاقوة الا باللّٰهِ **خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا** اى مَا يَأْمُلُهُ الانسانُ ويرجوه عند اللّٰه تعالٰى

ترجمہ

آپ اپنی قوم کے لئے دنیوی زندگی کی مثال بیان کیجئے، مَثَلَ (اضرب بمعنی صَیِّر) کا مفعول اول ہے کَمَاءٍ مفعول ثانی ہے (دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے) جیسے ہم نے بادلوں سے پانی برسایا اس (پانی) کی وجہ سے زمین کا سبزہ (آپس) میں اس پانی برسنے کی وجہ سے گتھ گیا اور سبزہ پانی کی وجہ سے رل مل گیا اور سرسبز و بارونق ہو گیا پھر وہ سبزہ سوکھ کر ایسا چورا چورا ہو گیا کہ اس کے ذرّے متفرق ہو گئے جن کو ہوا اڑائے پھرتی ہے یعنی ریزہ ریزہ کر کے ہوا اس کو اڑائے پھرتی ہے حتی کہ اس کا نام ونشان مٹا دیا، مطلب یہ ہے کہ آپ دنیا کو ایسے خوشنما سبزے سے تشبیہ دیجئے جو آخر کار خشک ہو کر چورا ہو گیا ہو اور پھر ہوا نے اس کو منتشر کر دیا ہو اور ایک قرأت میں الریاح کے بجائے الریح ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں مال اور اولاد دنیوی زندگی کی رونق ہے دنیا میں ان دونوں سے زینت حاصل کی جاتی ہے اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ ہیں وہ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں اور بعض حضرات نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا اضافہ کیا ہے یہ اعمال تیرے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی یعنی جس چیز کی انسان آس اور امید رکھتا ہے، اللہ کے پاس ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

کَمَاءٍ میں کاف بمعنی مثل ہے اور اِضرب کا مفعول ثانی ہے اور مَثَل الحیوٰۃ الدنیا مفعول اول ہے اور اِضرب معنی میں صَیِّر کے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کَمَاءٍ هي مبتدا محذوف کی خبر ہو، اور انزلناہ جملہ ہو کر ماء کی صفت ہو **قوله** الهشيم (ض) هَشْمًا ریزہ ریزہ کرنا هَشِيْمٌ بمعنی مَهْشُوْمٌ رَوِي (س) رِوًا تروتازہ ہونا، خوش منظر ہونا و تَفَرَّقَهٗ میں عطف تفسیری ہے شَبِّهْ فعل امر ہے اس کا فاعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں زینة مصدر بمعنی اسم مفعول ہے، جس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہیں اسی وجہ سے زینَة، المال اور البنون دونوں کی خبر واقع ہوئی ہے

اِضْرِب کی تفسیر صَیِّرْ سے کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اِضرب کا استعمال جب مثل کے ساتھ ہوتا ہے تو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اس مثال میں دنیوی زندگی کی ابتداء اور انتہاء کو بارش میں اگنے والی گھاس کے آغاز اور انجام سے تشبیہ دی گئی ہے **قوله** المال والبنون ایسا قیاس ہے کہ جس کا کبریٰ اور نتیجہ محذوف ہے قیاس کی ترتیب یہ ہے:
المال والبنون زينة الحيٰوة الدنيا، وكل ما هُوَ زينتها فهو هالك فالمال والبنون هالكان پھر کہا جائے گا، **كل ما هُوَ هالك لا يُفتخر به، فالمال والبنون لايفتخر بهما۔**

قوله الباقيات صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ الکلمات یا الاعمال ہے خیرٌ اسم تفضیل ہے مگر اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہے شارح نے بسبب النزول کہہ کر اشارہ کر دیا کہ بہ میں باسببیہ ہے **قوله** اِمْتَزَجَ الماء سے اِختلطَ کی دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور اِمتزاج چونکہ جانبین سے ہوتا ہے لہٰذا

امتزاج کی نسبت پانی کے بجائے نبات کی طرف کرنا درست ہے، اگرچہ عرف اور استعمال اس کا عکس ہے عرف اور لغت میں با کثیر غیر طاری پر داخل ہوتی ہے جیسا کہ اِمتزجَ الماء باللبن پانی دودھ میں مل گیا، نہ کہ دودھ پانی میں مل گیا، اور یہاں کثیر طاری پر باداخل ہے، یہ پانی کی کثرت میں مبالغہ کرنے کے لئے ہے اگر دودھ کم اور پانی زیادہ ہو تو کہیں گے امتزج اللبن بالماء دودھ پانی میں مل گیا، اسی طرح مذکورہ مثال میں یہ بتانا مقصود ہے کہ پانی اتنا زیادہ ہے کہ گویا وہ ہی اصل ہے **قوله** اَمَلاً اَمَلاً کی تفسیر ما یامله سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ اَمَلاً مصدر بمعنی اسم مفعول مال کے معنی میں ہے۔

تفسیر وتشریح

پہلی مثال میں دنیوی زندگی اور اس کے سامان کی ناپائیداری ایک شخصی اور جزوی مثال سے بیان فرمائی تھی اس میں بھی یہی مضمون، عام اور کلی مثال سے واضح فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے کہ آپ سرکشان قریش سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس پانی سے زمینی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہوں اور چند ہی دن کے بعد خشک ہوکر ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا اڑائے پھرتی ہو بس یہی حال دنیا کا ہے کہ آج بڑی شاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے کل اس کا نام ونشان بھی نہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں کہ جب چاہیں ایجاد کریں اور جب چاہیں فنا کریں اور جب پوری دنیا کا یہ حال ہے تو مال اور اولاد بھی جو کہ دنیا کا ایک جز ہے دنیوی زندگی کی ایک رونق ہے ان دونوں کے ذریعہ دنیا میں زینت حاصل کی جاتی ہے اس لئے یہ بھی سریع الزوال ہے اور اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں اور وہ اعمال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں، اور بعض حضرات نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا بھی اضافہ کیا ہے وہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر اور امید کے اعتبار سے بھی بہتر ہے یعنی اعمال صالحہ سے جو امیدیں وابستہ ہوئی ہیں وہ آخرت میں ضرور پوری ہوں گی اور اس کی امید سے بھی ثواب زیادہ ملے گا بخلاف متاع دنیا کے کہ اس سے دنیا میں بھی انسانی امیدیں پوری نہیں ہوتیں اور آخرت میں تو کوئی سوال ہی نہیں۔

فائدہ: اس آیت میں مال اور اولاد کو دنیوی زندگی کی زیب وزینت کہا گیا ہے یہ حکم فی نفسہ محض مال اور اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنالیا جائے اور ان سے طاعت الٰہی اور خدمت دین کا کام لیا جائے تو یہی مال واولاد مقصود اور مطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار بھی باقیات الصالحات میں ہونے لگتا ہے **حدیث شریف** میں ہے کہ جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے **مگر تین** عمل ایسے ہیں کہ ان کے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے: (۱) صدقۂ جاریہ (۲) وہ علم کہ جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو (۳)

نیک اولاد جو مرنے والے کیلئے دعا کرے (رواہ مسلم) تفسیر قرطبی میں عبید بن عمیر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ باقیات صالحات نیک لڑکیاں ہیں وہ اپنے والدین کیلئے سب سے بڑا ذخیرہ ہیں اور دلیل میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کو جہنم میں لیجانے کا حکم دیدیا گیا تو اس کی نیک لڑکیاں اس کو چمٹ گئیں اور رونے چلانے لگیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں کہ یا اللہ انہوں نے دنیا میں ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور ہماری پرورش میں بڑی محنت اٹھائی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر بخش دیا۔

وَاذكر يَوْمَ نُسَيِّرُ الجِبَالَ يَذْهَبُ بِه عن وجه الارض فتصِيرُ هباءً مُنبثًا وفی قراءة بالنون و كسرِ الياء ونَصْبِ الجبال وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ظاهرةً ليس عليها شئٌ مِن جبلٍ ولاغيره وَّحَشَرْنٰهُمْ المؤمنين والكافرين فَلَمْ نُغَادِرْ نَتْرُكْ مِنْهُمْ اَحَدًا وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا حالٌ اى مُصْطَفِّيْنَ كُلُّ امَّةٍ صَفٌّ ويقالُ لهم لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اى فُرَادٰى حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ويقال لِمُنكِرِى البَعْثِ بَلْ زَعَمْتُمْ اَنْ مخففةٌ مِنَ الثقيلة اى انَّهُ لَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا لِلْبَعْثِ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ اى كتابُ كُلِّ امرءٍ فى يَمِيْنِه من المؤمنين وفى شِمالِه من الكافرين فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ الكافرين مُشْفِقِيْنَ خائفين مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ عند مُعَايَنَتِهِمْ مافيه من السَّيِّئَاتِ يا للتَّنْبِيْه يٰوَيْلَتَنَا هَلَكَتَنَا وهو مصدر لافعل له من لفظه مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَايُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً مِنْ ذُنوبنا اِلَّآ اَحْصٰهَا عَدَّها واَثْبَتَها تعجبُوْا منه فى ذٰلك وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِرًا مُثْبَتًا فى كتابهم وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا لايُعاقِبُهُ بغير جُرْمٍ ولاينقُصُ مِن ثوابِ مؤمنٍ .

ترجمہ

اور یاد کرو اس دن کو کہ وہ (اللہ) چلا دے گا پہاڑوں کو یعنی اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو روئے زمین سے اکھاڑ دیں گے اور پہاڑ پراگندہ غبار ہو جائیں گے اور ایک قرأت میں نُسَیِّرُ نون اور ی کے کسرہ اور جبال کے نصب کے ساتھ ہے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا کہ ایک کھلا میدان ہے کہ اس پر پہاڑ وغیرہ کچھ نہ رہیں گے اور ہم تمام انسانوں کو خواہ مومن ہوں یا کافر سب کو جمع کریں گے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے اور سب کے سب تیرے رب کے روبرو صف بستہ حاضر کئے جائیں گے صَفًّا حال ہے (اور معنی میں) مصطفین کے ہے ہر امت کی ایک صف ہوگی اور ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو آخر کار تم ہمارے پاس آئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا یعنی تن تنہا یا برہنہ پا، ننگے دھڑ نگے غیر مختون اور منکرین بعث سے کہا جائے گا تم یہ سمجھتے رہے تھے کہ ہم تمہارے بعث کے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے اَنْ مخففہ عن المثقلہ ہے یعنی اَنَّهٗ اور نامۂ عمل سامنے رکھ دیا جائے گا یعنی ہر شخص کا نامۂ

عمل، اگر مومن ہوگا تو دائیں ہاتھ میں اور اگر کافر ہوگا تو بائیں ہاتھ میں دیدیا جائے گا تو اے مخاطب تو دیکھے گا مجرموں کافروں کو کہ اس تحریر سے جو اس میں ہوگی خوف زدہ ہو رہے ہوں گے اور اس (نامۂ اعمال) میں لکھی ہوئی بداعمالیوں کو دیکھ کر کہیں گے ہائے ہماری بدنصیبی **وَیْلَتَنَا**، **هَلَكَتَنَا** کے معنی میں ہے اور ویل ایسا مصدر ہے کہ اس کا فعل (اس مادہ) سے مستعمل نہیں ہے یہ (نامۂ عمل) کیسی عجیب کتاب ہے کہ جس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا جس کا احاطہ نہ کیا ہو؟ یعنی ہر گناہ کو شمار کر کے قلمبند کرلیا اور مجرمین نامۂ اعمال کی اس کیفیت سے تعجب کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا موجود پائیں گے یعنی اپنے اعمال ناموں میں لکھا ہوا پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا یعنی ناکردہ گناہ کی سزا نہ دے گا اور نہ کسی مومن کا اجر کم کرے گا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ تعالیٰ حَشَرْنَا وعُرِضُوْا ووُضِعَ مذکورہ تینوں افعال ماضی کے صیغے ہیں مگر معنی میں استقبال کے ہیں، وقوع یقینی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ماضی لایا گیا ہے **لَمْ نُغادر** کا عطف **حَشَرْنا** پر ہے اس لئے کہ **لَمْ نُغادر لَمْ** کی وجہ سے ماضی منفی کے معنی میں ہے **قولہ صَفًّا عُرِضُوْا** کی ضمیر سے حال ہے مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے **یُسَیِّرُ** کی تفسیر **یذهَبُ بها** سے کرنے میں اشارہ ہے کہ **یُسَیِّرُ** متعدی بالباء ہے اور **الجبال** اس کا مفعول اول ہے **قولہ نُغادرُ** کی تفسیر **نَتْرُكُ** سے کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ **نُغادرُ** باب مفاعلہ اگرچہ طرفین سے فعل کا تقاضہ کرتا ہے مگر یہاں طرفین سے فعل مراد نہیں ہے بلکہ **غَادَرَ** بمعنی **غدر** ہے، ای **نترك** اور **عاقبتُ اللص** کے قبیل سے ہے **قولہ مصطفین** سے اشارہ کردیا کہ **صَفًّا** اگرچہ مفرد ہے مگر مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے **قولہ کَمَاءِ** یا تو مفعول مطلق ہے یا ضمیر مرفوع سے حال ہے، پہلی صورت میں **کماء** مصدر محذوف کی صفت ہوگا ای **فحنَا کائنًا کمَاءِ الخ قولہ اَنْ لَنْ** یہ دو حرف ہیں اول **اَنْ** مخففہ عن المثقلہ ہے اس کا اسم، ضمیر شان محذوف ہے ای **اَنَّهٗ** اور جملہ **لَن نَجْعَلَ** اس کی خبر ہے دوسرا کلمہ **لَنْ** حرف ناصب ہے **اَنْ** کا نون **لَن** کے لام میں مدغم کردیا گیا ہے اور قرآنی رسم الخط میں نون کو حذف کردیا گیا **لَکُمْ نجعل** کا مفعول ثانی ہے اور **موعدًا** مفعول اول ہے **قولہ کتاب کلِّ امرئٍ** مفسر علام نے **الکتاب** کی تفسیر **کتاب کل امرئ** سے کرکے اشارہ کردیا کہ **الکتاب** کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے **قولہ مشفقین** کی تفسیر **خائفین** سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہیں اس لئے کہ **مشفقین** مختلف معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں خوف کے معنی مراد ہیں، حسن اور ابن کثیر اور ابوعمر نے **تُسَیَّرُ الجبالُ** مجہول پڑھا ہے اور **الجبالُ** کو نائب فاعل قرار دیا ہے اور ابن محیصن نے **تَسِیْرُ الجبالُ** پڑھا ہے اور **الجبالُ** کو فاعل قرار دیا ہے، اور امام باقون نے **نُسَیِّرُ الجبالَ** پڑھا ہے اور **جبال** کو مفعول قرار دیا ہے، اور فاعل

اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے یاد رہے کہ نُسَیِّرُ فعل محذوف اُذکر کا ظرف ہے **قولہ** مالِ ھذا الکتاب میں ما استفہامیہ مبتدا ہے یہ استفہام توبیخی ہے لام جارہ ہے ھذا اسم اشارہ الکتاب مشار الیہ لہٰذا کالام یہاں پر رسم الخط قرآنی کے مطابق ھذا سے الگ لکھا جاتا ہے مصحف عثمانی میں اسی طرح لکھا ہوا ہے **قولہ** صغیرۃ و کبیرۃ کا موصوف ھنۃ یعنی فعلۃً محذوف ہے معصیۃ بھی مقدر مان سکتے ہیں۔

تفسیر وتشریح

وَاِذْ نُسَیِّرُ الجبال سے اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں کو بیان فرما رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ یہ باغ و بہار زندگی اور سرسبز وشاداب زمین کس طرح ویران ہو جائے گی اور آخرت کی گھڑی کافروں کے لئے کس قدر حسرت ناک ہوگی ارشاد فرمایا اس دن کو یاد کرو کہ جس دن ہم پہاڑوں کو چلتا کر دیں گے اور یہ پہاڑ دھنی ہوئی روئی اور بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے سورہ النمل آیت ۸۸ میں فرمایا کہ تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ بڑی مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں مگر وہ اس طرح چلیں گے جس طرح بادل چلتے ہیں اور آپ اے محمد یا ہر مخاطب زمین کو ایک کھلا میدان دیکھے گا اس دن پہاڑ، دریا اور ٹیلے، عمارتیں، درخت غرضیکہ ہر چیز ناپید ہو جائے گی اور کہیں کوئی نشیب وفراز نہ رہے گا سورہ طہ میں ارشاد فرمایا لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں معلوم کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو بالکل اڑا دیگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام انسانوں کو سفید بھوری زمین پر جمع کیا جائے گا جو میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی بھی انسان کی کوئی علامت باقی نہیں رہے گی اور ہم سب انسانوں کو جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے یعنی اولین وآخرین چھوٹے بڑے کافر مومن سب کو جمع کریں گے کوئی زمین کی تہہ میں یا کسی گوشے میں پڑا نہ رہ جائے گا اور نہ قبر سے نکل کر کہیں چھپ سکے گا صَفًّا کے معنی کھڑے ہونے کی حالت میں بھی ہو سکتے ہیں یعنی بارگاہ خداوندی میں سب کی حاضری حالت قیام میں ہوگی کوئی بیٹھا ہوا نہ ہوگا اور صفًا کے معنی صفوف کے بھی ہیں یعنی قطار در قطار کے بھی ہو سکتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ اہل محشر کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور جو لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے ان سے کہا جائے گا کہ لو دیکھ لو آ گئے نا تم ہمارے پاس اسی طرح کہ جیسے ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا یعنی جان ومال، آل واولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر تم دنیا میں ناز کیا کرتے تھے ننگ دھڑنگ ہماری بارگاہ میں حاضر ہو گئے بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم قیامت میں اپنے رب کے سامنے ننگے پاؤں ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں جمع کئے جاؤ گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۴ تلاوت فرمائی اور قیامت میں سب سے اول جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے (متفق علیہ عن ابن عباس) ایک دوسری روایت میں ہے کہ

مذکورہ حدیث سن کر حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا یارسول اللہ کیا سب مرد و زن ننگے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے، آپ نے فرمایا اس وقت معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہوگا کہ کوئی کسی کو دیکھے یعنی اس روز ہر ایک کو ایسی فکر دامن گیر ہوگی کہ کسی کو کسی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا سب کی نظریں اوپر کو اٹھی ہوئی ہوں گی اور منکرین قیامت سے یہ بھی کہا جائے گا بلکہ تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدہ کا وقت مقرر نہیں کیا بتاؤ تم دوبارہ پیدا ہو گئے یا نہیں؟ اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم لوگ اس کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر خوف کھا رہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ دیکھئے اب کیسی سزا ملتی ہے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی یہ کیسی عجیب کتاب ہے کہ اس نے نہ ہماری چھوٹی بات چھوڑی اور نہ بڑی مگر اس نے سب احاطہ کر لیا ہے یعنی کوئی بات ایسی نہیں رہی کہ جو اس میں درج نہ ہوگئی ہو اور جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب موجود پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہ کرے گا، اس کا مفہوم عام طور پر حضرات مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ اپنے کئے ہوئے اعمال کی جزاء کو موجود پائیں گے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں بے شمار روایات حدیث اس بات پر شاہد ہیں کہ یہی اعمال آخرت کی جزاء سزاء بن جائیں گے اس اعمال کی شکلیں وہاں بدل جائیں گی نیک اعمال جنت کی نعمتوں کی شکل اختیار کر لیں گے اور برے اعمال جہنم کی آگ اور سانپ اور بچھوؤں کی شکل اختیار کر لیں گے، اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کا مال قبر میں ایک بڑے سانپ کی شکل میں آکر اس کو ڈسے گا، اور کہے گا انا مالك (میں تیرا مال ہوں) اور نیک اعمال ایک حسین عورت کی شکل میں انسان کی قبر کی تنہائی میں وحشت دور کرنے کے لئے آئیں گے وغیرہ وغیرہ، ان تمام روایات کو عموماً مجاز پر محمول کیا جاتا ہے اور اگر مذکورہ تحقیق کو لیا جائے تو پھر مجاز کی ضرورت نہیں رہتی۔

قرآن کریم نے یتیم کے مال کو ناجائز طریقہ سے کھانے کو آگ فرمایا (اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِی بُطُوْنِهِمْ نَارًا) مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس وقت بھی آگ ہے مگر اس کے آثار محسوس کرنے کے لئے اس دنیا سے گذرنا شرط ہے جیسے کہ کوئی ماچس کے بکس کو آگ کہے تو صحیح ہے مگر اس کے آگ ہونے کے لئے رگڑنا شرط ہے، خلاصہ یہ کہ انسان جو کچھ نیک یا بد عمل دنیا میں کرتا ہے یہ عمل ہی آخرت میں جزاء یا سزاء کی شکل اختیار کرے گا، اس وقت اس کے آثار و علامات اس دنیا میں مختلف ہوں گے۔

وَ اِذْ منصوبٌ بِاذْكُرْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سجودَ انحِنَاءٍ لاوَضْعَ جَبْهَةٍ تحيَّةً لَهُ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط كَانَ مِنَ الْجِنِّ قِيلَ هم نوعٌ من الملٰئكة فالاِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وقِيلَ هو منقطعٌ وابليس اَبُو الجِنِّ وله ذريةٌ ذُكِرَتْ معهُ بعدُ والملٰئكة لاذُرِّيَّةَ لَهُمْ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اى خرجَ عَنْ طاعتِهِ بِتَرْكِ السُّجودِ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ الخطابُ لِاٰدَمَ وذرِّيتِهِ والهاءُ في الموضعين لِاِبْلِيسَ

اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ تُطِیْعُوْنَھُمْ وَھُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ط ای اَعْداء حال بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا. ابلیسُ وذریتُه فی اطاعتھم بَدَلَ اِطاعةِ اللّٰهِ تعالٰی مَا اَشْھَدْتُّھُمْ ای ابلیسَ وذرّیّتَهٗ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ وَلَاخَلْقَ اَنْفُسِھِمْ ص ای لم اُحْضِر بعضَھم خَلْقَ بعْضٍ وَمَا کُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ الشیاطین عَضُدًا○ اَعْوانًا فی الخلقِ فَکَیْفَ تُطِیْعُوْنَھم ویَوْمَ منصوب بِاُذْکر یَقُوْلُ بالیاء والنون نَادُوْا شُرَکَآئِیَ الاَوْثَانَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ لِیَشْفَعُوْا لَکُمْ بِزَعْمِکُمْ فَدَعَوْھُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَھُمْ لَمْ یُجِیْبُوْھم وَجَعَلْنَا بَیْنَھُمْ بَیْنَ الاَوْثَان وعَابِدِیْھا مَوْبِقًا○ وادِیا مِنْ اَوْدِیةِ جَھَنَّمَ یَھْلِکُوْنَ فیھا جمیعًا وھو مِنْ وَبَقَ بالفتح ھَلَکَ وَرَاَی الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْا ای اَیْقَنُوْا اَنَّھُمْ مُّوَاقِعُوْھَا ای وَاقِعون فیھا وَلَمْ یَجِدُوْا عَنْھَا مَصْرِفًا ع مَعْدِلًا. ع ۵

ترجمہ

وَاِذْقُلنا یہ اذکر فعل محذوف کی وجہ سے محلًا منصوب ہے اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو یعنی آدم کی تعظیم کے لئے تم اس کے سامنے جھکو نہ یہ کہ زمین پر پیشانی رکھو چنانچہ ابلیس کے علاوہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا کیونکہ (ابلیس) جنات میں سے تھا، کہا گیا ہے کہ جنات ملائکہ کی اقسام میں سے ایک قسم ہیں، تو اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگا اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ اِلَّا ابلیس مستثنیٰ منقطع ہے اور ابلیس جنات کا جداعلیٰ ہے اس کی ذریت بھی ہے جس کا ذکر بعد والی آیت میں آرہا ہے، اور ملائکہ کی ذریت نہیں ہوتی اسی سبب (یعنی جنی ہونے کے سبب سے)، اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی یعنی ترک سجدہ کرکے اپنے رب کی اطاعت سے خارج ہوگیا کیا تم پھر بھی اس کو اور اس کی ذریت کو (یہ) خطاب آدم اور ان کی ذریت کو ہے مجھے چھوڑ کر دوست بناتے ہو یعنی ان کی اطاعت کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں عدوٌّ بمعنی اَعْداءٌ ہے اور حال یہ ہے کہ (یہ) ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے یعنی ابلیس اور اس کی ذریت کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے بجائے نہایت برا بدل ہے، اور میں نے ان کو یعنی ابلیس اور اس کی ذریت کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت اور خود ان کی تخلیق کے وقت حاضر نہیں رکھا یعنی خود ان میں سے بعض کی تخلیق کے وقت ان میں سے کسی کو حاضر نہیں رکھا اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں یعنی تخلیق میں اپنا معاون بنانے والا نہیں تو پھر ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور یوم اذکر (محذوف) کی وجہ سے منصوب ہے یقولُ کی اور ن کے ساتھ ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ تمہارے خیال میں جو میرے شریک تھے (یعنی بت) ان کو پکارو تا کہ تمہارے خیال کے مطابق وہ تمہاری شفاعت کریں چنانچہ یہ ان کو پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا اور ان کے یعنی بتوں اور ان کے عابدین کے درمیان جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی متعین کردیں گے تو وہ سب

اس میں ہلاک ہو جائیں گے مَوْبِقًا وَبَقَ بالفتح سے مشتق ہے بمعنی هَلَكَ اور مجرم جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے (یقین کرلیں گے) کہ وہ اس میں جھونکے جانے والے ہیں یعنی اس میں داخل ہوں گے اور اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله تحیةً له یہ اسجدوا کا معمول ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ کان بمعنی صارَ ہے ای صارَ من الجن، کان من الجن جملہ مستانفہ ہے اور لم یسجد کی علت ہے **قوله** فَفَسَقَ عن امر ربّه فا تعلیلیہ اور سببیہ دونوں ہوسکتی ہے فَسَقَ بمعنی خَرَجَ ہے عرب بولتے ہیں فَسَقَتِ الرطبة عن قشرها جبکہ کھجور اپنے چھلکے سے نکل جائے اسی طرح یہ بھی بولتے ہیں فَسَقَتِ الفَارة من اُجْحرِها چوہا اپنے بل سے نکل گیا (ض ن ک) اس کے اصطلاحی معنی ہیں حق وصلاح کے راستے سے ہٹ جانا، نافرمان ہو جانا، حدود شریعت سے نکل جانا، **قوله** هم نوع من الملائكة یہ مستثنیٰ متصل کی توجیہ ہے اور ابلیس ابو الجن یہ مستثنیٰ منقطع کی توجیہ ہے افتتخذونهٗ میں ہمزہ انکار اور اظہار حیرت کے لئے ہے اور فا تعقیب کے لئے ہے ذریتهٗ کا عطف تتخذونهٗ کی ضمیر پر ہے مجاہد نے کہا ہے کہ ابلیس کی ذریت میں لاقس اور ولهان ہیں ان دونوں کا کام طہارت میں وسوسہ ڈالنا ہے **قوله** ذریّة یہ ابو الجن پر تفریع ہے فَسَقَ کی تفسیر خرج سے کر کے لغوی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور عن طاعته بترك السجود کا اضافہ کر کے اصطلاحی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قوله اَفتتخذونهٗ ہمزہ محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے معطوف علیہ فعل محذوف ہے، استفہام توبیخی ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَبَعْدَ مَاحَصَلَ منه ماحصلَ من الإباء والفسق يليق منكم اتخاذهٗ وذريتهٗ اولياء **قوله** من دونی محذوف سے متعلق ہو کر اولیاء کی صفت ہے مِن دونی کا تعلق تتخذوا سے بھی ہوسکتا ہے وهم لكم عدوٌّ مفعول یا فاعل سے حال ہے عَدُوٌّ مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں اعداء کے ہے للظالمين بدلاً سے متعلق ہے اور بدلاً بئس کے فاعل ضمیر مستتر هو سے تمیز واقع ہے اور ابلیس وذریتهٗ مخصوص بالذم محذوف کا بیان ہے تقدیر عبارت یہ ہے بئس البدلُ بدلاً هو ابليس وذريتهٗ **قوله** شركائی شرکائی کے قرینہ سے زعمتمونی کے دونوں مفعول محذوف ہیں ای زعمتموهم شركائی **قوله** رَءَ یَ کوفی ر ء یٰ کے آخر یا لکھتے ہیں بصری نہیں لکھتے، رآی کی اصل رَاَیَ ہے یا متحرک ما قبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گئی تو رآ ہوا عربی زبان میں کوفیوں کا رسم الخط رائج ہے لہٰذا را کے آخر میں یا لکھی گئی **قوله** مُوَاقِعُوْا اسم فاعل جمع مذکر اصل میں مُواقعُونَ تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، ایک دوسرے سے قریب ہونے والے، مصدر موقعةٌ ہے، مصرف ظرف مکان ہے لوٹنے کی جگہ

تفسیر وتشریح

اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو یعنی اس کی تعظیم بجالاؤ تا کہ تمام مخلوق کا انقیاد ظاہر ہو جائے اور آدم خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا یعنی ابلیس کے علاوہ سب نے آدم کی بڑائی کا اعتراف کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اور گھمنڈ میں آ کر کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو آدم کے سامنے کیوں جھکوں اس طرح وہ حکم خداوندی کا انکار کر کے کافروں میں شامل ہو گیا، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ابلیس جنات میں سے تھا فرشتہ نہ تھا ورنہ حکم عدولی نہ کرتا، اس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر وہ اللہ کے حکم کا مخاطب ہی نہیں تھا اس لئے کہ حکم کے مخاطب تو فرشتے تھے انہیں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ یقیناً نہیں تھا لیکن وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور ان ہی میں شمار ہوتا تھا اس لئے وہ حکم خداوندی کا مخاطب تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (مَامَنَعَكَ اَلاَّ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ) واخرج ابن جرير ابن الانبارى عنه قال ماكان من الملائكة طرفة عينٍ واخرج ابن المنذر وابن ابى حاتم عن الحسن قال (قاتَلَ اللّٰهُ اَقوامًا زَعَمُوْا اَنَّ ابليسَ كانَ من الملائِكَةِ وَاللّٰهُ يقُولُ كانَ مِنَ الجِنِّ)

جنات، انس نوں ہی کی طرح با اختیار مخلوق ہیں، مگر جنات اور انسان فرشتوں کے مانند پیدائشی فرمانبردار مخلوق نہیں ہے بلکہ کفر و ایمان اطاعت و معصیت دونوں پر قدرت دی گئی ہے چنانچہ ابلیس خود اپنے اختیار سے فسق و عصیان کی راہ اختیار کر کے حکم خداوندی کا منکر ہو گیا، فرشتوں کا یہ سجدہ ایک رمزی سجدہ، انقیاد و اطاعت کی علامت کے طور پر تھا اور اس قسم کا سجدہ امم سابقہ میں جائز تھا یہ سجدہ تحیۃ (سلامی کا سجدہ) تھا شریعت محمدیہ میں غیر اللہ کے لئے ہر قسم کا سجدہ حرام ہے، اور سجدہ کرنے کا حکم صرف جن و ملائکہ ہی کو نہیں تھا بلکہ تمام مخلوقات کو تھا اور روح المعانی میں ایک قول یہ لکھا ہے کہ صرف زمینی مخلوق کو تھا اور فرشتوں میں سے جو زمین پر رہتے تھے انہی کو تھا قرآن کریم میں یہ واقعہ متعدد جگہ آیا ہے مگر کسی جگہ کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا بلکہ یہاں صراحت ہے کہ ابلیس کو بھی تھا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سجدہ کا حکم ملائکہ کے علاوہ دیگر مخلوقات کو بھی دیا گیا تھا اور فرشتوں کا تذکرہ ہر جگہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت کی مخلوق میں سب سے بہتر مخلوق تھے اس لئے جب ان کو حکم ہوا تو دیگر مخلوقات کو بدرجہ اولی حکم ہوگا، ابلیس کے بارے میں جو یہ بات مشہور ہے کہ وہ فرشتہ بلکہ فرشتوں کا استاد تھا یہ خیال اسرائیلی روایت کی پیداوار ہے اور (وكانَ مِنَ الجِنِّ) سے مقصد ابلیس کی اصل بتانا نہیں ہے بلکہ اس بات کی علت بیان کرنا ہے کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور وجہ یہ بتائی گئی ہے چونکہ وہ جنی تھا فرشتہ نہ تھا اس لئے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لئے ممکن ہوا اگر فرشتہ ہوتا تو یہ بات ممکن نہ ہوتی اس لئے کہ فرشتے فطرۃً مطیع اور معصوم ہوتے ہیں۔ (دیکھئے سورہ تحریم)

وذریتہ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے اولاد ہے توالد وتناسل کا سلسلہ جس طرح انسانوں میں ہے اسی طرح جنات میں بھی ہے البتہ فرشتوں میں یہ سلسلہ نہیں ہے اس لئے یہ بات تو طے ہے کہ ابلیس کی بھی اولاد ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ ان میں توالد وتناسل کی کیا صورت ہے، ایک صحیح حدیث جس کو حمیدی نے کتاب الجمع میں حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تم ان لوگوں میں سے نہ بنو جو سب سے پہلے بازار میں داخل ہوتے ہیں یا سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے کہ جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذریت انڈوں بچوں سے پھیلتی ہے اور بعض حضرات نے اس جگہ ذریت سے مراد اس کے معاون ومددگار مراد لئے ہیں خواہ جن ہوں یا انس۔

ابلیس چونکہ جنات میں سے تھا اس لئے اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو اپنا کارساز بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں یہ شیاطین کارساز تو کیا ہوتے میں نے آسمان اور زمین پیدا کرتے وقت ان کو دکھلایا بھی نہیں، کیونکہ زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت یہ موجود ہی نہیں تھے اور نہ خود ان کی تخلیق ان کو دکھلائی گئی یعنی ان میں سے ایک کی تخلیق دوسرے کو نہیں دکھلائی گئی تھی اور میں ایسا نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست وبازو بناؤں اور اس دن کو یاد کرو جب حق تعالیٰ فرمائیں گے پکارو ان کو جن کو تم میرا شریک مانتے تھے لہٰذا وہ پکاریں گے تو وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے یعنی وہ ان کی کچھ مدد نہ کرسکیں گے اور ہم ان (عابدین ومعبودین) کے درمیان ہلاکت کی جگہ حائل کردیں گے یعنی دونوں کے درمیان آگ کی وسیع خلیج حائل کردی جائے گی جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب بھی نہ آسکیں گے کام آنا تو درکنار اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ کافر چالیس سالہ مسافت سے جہنم کو دیکھ لیں گے اور وہ یقین کرلیں گے کہ انہیں ضرور اس میں گرنا ہے یعنی ان کے لئے فرار کی کوئی راہ نہ ہوگی۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَيَّنَّا فِي هٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط صفةٌ لمحذوفٍ اى مَثَلاً مِن جنسِ كُلِّ مثلٍ لِيَتَّعِظُوْا وَكَانَ الْإِنْسَانُ اى الكافرُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا خصومةً في الباطلِ وهو تمييزٌ منقولٌ من اسمِ كانَ، المعنى وكانَ جدلُ الانسانِ اَكْثَرَ شيءٍ فيهِ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اى كُفّارَ مكةَ أَنْ يُّؤْمِنُوْا مفعولٌ ثانٍ إِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى اى القرآنُ وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِيْنَ فاعلٌ اى سُنَّتُنَا فيهم وهى الإهلاكُ المُقَدَّرُ عليهم أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا مُقابلةً وعِيانًا وهو القتلُ يومَ بدرٍ وفى قراءة بضمتين جمعُ قَبِيلٍ اى انواعًا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ج مُخَوِّفِيْنَ للكافرينَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ بقولِهم ابعثَ اللّٰهُ بشرًا رَسُولًا ونحوِه لِيُدْحِضُوْا بِهِ لِيُبْطِلُوْا بجدالِهم الْحَقَّ الْقُرْآنَ وَاتَّخَذُوْا اٰيَاتِي القرآنَ وَمَا أُنْذِرُوْا

بہ من النار هُزُوًا○ سُخْرِيَةً وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ط مَا عَمِلَ مِنَ الْكُفْرِ والمعاصى فَلَمْ يَتَفَكَّرْ فى عَاقِبَتِهَا اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اغطية اَنْ يَّفْقَهُوْهُ مِن اَنْ يفقهوا القرآنَ اى فَلا يَفْهَمُوْنَه وفِي اٰذانِهِمْ وَقْرًا ط ثِقْلاً فلا يَسْمَعُوْنَه وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْا اِذًا اى بِالْجَعْلِ المذكور اَبَدًا○ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ط لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ فى الدنيا بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ط فيها بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ وهو يومُ القيمة لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلاً○ مَلْجَاً مِنَ العذاب وَتِلْكَ الْقُرٰى اى اَهْلُها كَعَادٍ وثمودَ وغيرهما اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ج كَفَرُوْا وَجَعَلْنَا لِمُهْلِكِهِمْ لِاِهْلاَكِهِمْ وفى قراءة بفتح الميم اى لِهَلاكِهِمْ مَوْعِدًا ع

ترجمہ

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف انداز سے بیان کئے ہیں من کل مثلٍ موصوف محذوف مثلاً کی صفت ہے یعنی ہر قسم کی مثالیں تاکہ نصیحت حاصل کریں، اور کافر انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے یعنی خصومت میں باطل طریقہ اختیار کرتا ہے جَدلاً کانَ کے اسم سے منقول ہو کر تمیز ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وکانَ جَدَلُ الانسان اکثرَ شیئٍ فیہ اور لوگوں کو یعنی کفار مکہ کو ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے معافی طلب کرنے سے ان کے پاس ہدایت قرآن پہنچنے کے بعد صرف اس انتظار نے روکا کہ ان کو بھی پہلی امتوں جیسا معاملہ پیش آجائے یا یہ کہ عذاب ان کے روبرو آکھڑا ہو، سنۃُ الاولین تاتِیَھُمْ کا فاعل ہے یعنی جو ہمارا قانون قدرت ان کے بارے میں ہے، اور وہ، وہ ہلاکت ہے جو ان کے حق میں مقدر ہو چکی ہے اَنْ یُؤمنوا (منع کا) مفعول ثانی ہے قِبَلاً بمعنی روبرو نظروں کے سامنے اور وہ (عذاب) یوم بدر میں قتل کی شکل میں پیش آیا، اور ایک قرأت میں قُبُلاً قاف اور باء کے ضمہ کے ساتھ ہے جو کہ قبیل کی جمع ہے، انواع کے معنی میں اور ہم نے رسولوں کو مومنین کو بشارت دینے والے اور کافروں کو ڈرانے والے بنا کر بھیجا، اور کافر ایسی باتیں کہہ کر کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ناحق جھگڑے کھڑے کرتے ہیں تاکہ وہ اس (باطل) طریقہ سے حق قرآن کو زیر کر دیں اور انہوں نے میری آیتوں قرآن اور اس عذاب نار کا جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا مذاق اڑایا اور اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے منہ پھیر لیا؟ اور وہ ان کرتوتوں کو بھول گیا جو اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے یعنی وہ کفر و معصیت کے اعمال جن کو وہ کر چکا ہے بلاشبہ ہم نے ان کے قلوب پر پردے ڈال دیئے ہیں، اس بات سے کہ وہ قرآن کو سمجھیں اس وجہ سے وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سنتے نہیں ہیں اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ اس وقت ہرگز راہ راست پر نہ آئیں گے یعنی جعل مذکور کی وجہ سے اور وہ قلوب پر پردے اور

کانوں میں ثقل (بہراپن) ہے اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگذر کرنے والے رحم کرنے والے ہیں اور اگر وہ دنیا میں ان کے کرتوتوں کے سبب مؤاخذہ کرنے لگے تو فوراً ہی ان پر دنیا ہی میں عذاب بھیج دے بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ ہے اور وہ قیامت کا دن ہے اور وہ اس کے علاوہ کوئی پناہ گاہ ٹھکانہ نہ پائیں گے اور ہم نے ان بستیوں یعنی ان کے باشندوں مثلاً عاد و ثمود وغیرہ کو اس وقت ہلاک کر دیا جب انہوں نے ناانصافی کی (کفر کیا) اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا یعنی ان کو ہلاک کرنے کے لئے اور ایک قرأت میں میم کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی ان کی ہلاکت کے لئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ لقد صَرَّفْنَا صرَّف تصریفًا مختلف طریقوں سے بیان کرنا اور مختلف انداز سے سمجھانا، مِنْ کُلِّ مثلٍ میں مِنْ زائدہ ہے، مِنْ کلِّ مثلٍ، مثلاً محذوف کی صفت ہو کر صرَّفنا کا مفعول بہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے صرَّفْنَا فی ھٰذا القرآنَ مثلاً کائنًا من کلِّ مثلٍ **قولہ** جَدَلاً اکثرَ شيءٍ کی نسبت سے تمیز ہے، کان کے اسم سے منقول ہے، ای کان جدالُ الانسان اکثر شيءٍ فیہ ای جدالہ اکثر من کل مجادلٍ مَنَعَ فعل ماضی (ف) الناس مفعول اول اور ان یومنوا جملہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ان سے پہلے مِنْ محذوف ہے **قولہ** اذ جاء ھم یومنوا کا ظرف ہے یستغفروا کا عطف یومنوا پر ہے **قولہ** اَنْ تاتِیَھم بتاویل مصدر ہو کر مَنَعَ کا فاعل ہے اِنتظار مضاف محذوف ہے اور اَنْ تاتِیَھُمْ مضاف الیہ ہے جو کہ مضاف کے قائم مقام ہے اور یاتِیَھم کا عطف تاتِیَھُمْ پر ہے **قولہ** قِبَلاً، العذابُ سے حال ہے بمعنی سامنے، روبرو اور ایک قرأت میں قُبُلاً ہے جو قبیل کی جمع ہے اس کے معنی انواع واقسام کے ہیں جیسے سُبُلٌ سبیلٌ کی جمع ہے بمعنی انواع **قولہ** مبشرین ومنذرین مرسلین سے حال ہیں یُجادل کا مفعول المرسلین محذوف ہے لِیُدْحِضُوْا یجادل سے متعلق ہے اِدحاض (افعال) پھسلانا، ٹلانا، **قولہ** ما اُنْذِرُوْا میں ما موصولہ ہے اور اُنذِرُوْا جملہ ہو کر صلہ بہٖ عائد محذوف ہے یا ما مصدریہ ہے انذارھم کے معنی میں اُنذِرُوا کا عطف آیاتی پر ہے ھُزُوًا، اتخذوا کا مفعول ثانی ہے اور آیاتی وما اُنذِرُوْا جملہ عاطفہ ہو کر اتخذوا کا مفعول اول ہے **قولہ** مَنْ لفظاً مفرد ہے اور معناً جمع ہے لہٰذا اس کی طرف واحد اور جمع دونوں قسم کی ضمیریں لوٹ سکتی ہیں جیسا کہ آئندہ پانچ ضمیریں مفرد اور پانچ جمع کی مَن کی طرف لوٹ رہی ہیں **قولہ** اکنّۃ کنانٌ کی جمع ہے بمعنی پردہ یہ جملہ اعراض اور نسیان کی علت ہے **قولہ** بالجعل المذکور اس جملہ کا اضافہ اذًا کے مفہوم کی تعیین کے لئے ہے **قولہ** رَبُّكَ مبتداء الغفور خبر اول ذو الرحمۃ خبر ثانی **قولہ** مَوْئلٌ ظرف ہے بمعنی جائے پناہ (ض) وَاَلَ یئِلُ وَاَلًا، وال الیہ، پناہ لی **قولہ** تلك القریٰ مبتداء اَھْلَکناھُمْ خبر تلك

القریٰ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں باب اشتغال سے ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی اَھلکنا تلك القریٰ اَھلکنَاھُمْ **قوله مَھْلِكْ** مصدر میمی ہے، ہلاک کرنا یا ظرف زمان ہے ہلاک ہونے کا وقت جمع مھالك ، مھلك میں تین قرأتیں ہیں (۱) میم کا ضمہ اور لام کا فتحہ **مُھْلَكْ** (۲) میم اور لام دونوں کا فتحہ **مَھْلَكْ** (۳) میم کا فتحہ اور لام مکسور **مَھلِك** .

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِی هٰذا القرآن الخ اللہ تبارک وتعالیٰ نے گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن پاک میں کیسے کیسے قیمتی مضامین بیان فرمائے اور مختلف قسم کی مثالوں اور عبرت آموز واقعات کے مضامین کو ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی مگر جن لوگوں کی مت ہی ماری گئی ہو ان کا کیا علاج؟ وہ ہر خیر خواہی کو بدخواہی سمجھتے ہیں کفار کے رویہ سے ان کی ہٹ دھرمی اور ضد روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے ورنہ جہاں تک دلیل کا تعلق ہے قرآن کریم نے حق واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر کفار ٹس سے مس نہ ہوئے، غالباً اب صرف انہیں عذاب الٰہی کا ہی انتظار ہے جیسا کہ عذاب الٰہی نے پہلی قوموں کو بالکل تباہ و برباد کر ڈالا، مذکورہ آیات میں تین باتوں کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے (۱) انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے وہ جھوٹے جھگڑے کھڑا کرنے میں طاق ہے اللہ کی وعیدوں کا مذاق اڑاتا ہے مگر یاد رکھو حجت تام کردی گئی ہے، مؤثر انداز اور بہتر طریقہ سے بات پیش کی جا چکی ہے اب بس عذاب کا کوڑا برسنا باقی ہے، (۲) کفار کی حق بیزاری اور دین دشمنی کی وجہ سے ان سے حق بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی گئی ہے لہٰذا اب ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھی جائے (۳) اللہ تعالیٰ انسانوں کی حرکتوں پر فوراً گرفت نہیں کرتے ڈھیل پر ڈھیل دیتے ہیں تاکہ انسان راہ راست پر آجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے امہال کا قانون مقرر کر رکھا ہے مگر جب عذاب کا وقت موعود آئے گا تو اس وقت کوئی راہ فرار نہ ملے گی، ارشاد خداوندی ہے: اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں قرآن کریم میں مختلف عنوانوں سے اور قسم قسم کے دلائل وشواہد سے سچی باتیں سمجھائی گئی ہیں، فہمائش کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی مگر سرکش اور نافرمان انسان ماننے کے لئے تیار نہیں اور انسان بڑا جھگڑالو ہے کتنی ہی صاف اور سیدھی بات ہو وہ کٹ حجتی کے بغیر نہیں رہتا جب دلائل کا جواب نہیں بن پڑتا تو بیہودہ اور مہمل باتیں شروع کردیتا ہے، حدیث میں ایک جھگڑالو آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا، اسے بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو رسول بھیجے تھے ان کے ساتھ تیرا کیا طرز عمل رہا؟ وہ کہے گا اے پروردگار میں آپ پر بھی ایمان لایا اور آپ کے رسول پر بھی اور عمل میں بھی اس کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ ہے اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے وہ کہے گا میں اس اعمال نامہ

کو نہیں مانتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہمارے یہ فرشتے جو تیری نگرانی کرتے تھے تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں وہ کہے گا میں ان کی شہادت بھی نہیں مانتا اور نہ ان کو پہنچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو یہ لوح محفوظ ہے اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے وہ کہے گا کہ اے پروردگار کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بے شک تو ظلم سے ہماری پناہ میں ہے تب وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں ایسی بن دیکھی شہادتوں کو کیسے مان لوں؟ میں ایسی شہادت کو مان سکتا ہوں جو میرے اندر سے ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب ہم تیرے خلاف تیری ہی ذات میں سے گواہ کھڑا کرتے ہیں وہ سوچ میں پڑ جائے گا کہ اس کی ذات میں سے اس کے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی (اور اس کی قوت گویائی اس کے اعضاء کی طرف منتقل کردی جائے گی) اس کے ہاتھ پیر اس کے کفر وشرک کی گواہی دیں گے پھر اس کی مہر توڑ دی جائے گی اور اس کو جہنم رسید کردیا جائے گا اس کا بعض حصہ بعض پر لعنت کرے گا، وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تمہارا بیڑا غرق ہو میں تو تمہارے ہی لئے جھگڑا کررہا تھا اس کے اعضاء جواب دیں گے تجھ پر خدا کی مار ہو کیا تو سمجھتا تھا کہ خدا سے کوئی بات چھپائی جاسکتی ہے؟ یہ روایت قرطبی سے لی ہے اور اس کا آخری حصہ مسلم شریف میں بروایت حضرت انسؓ مروی ہے۔ (ماخوذ از ہدایت القرآن)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُؤْمِنُوْا یعنی ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ان کے پاس نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس اب ان کو اس بات کا انتظار ہے کہ گذشتہ اقوام کی طرح عام تباہی ان پر ڈال دی جائے یا وہ زندہ رہیں اور مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کردیئے جائیں اور وہ ان عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی رسولوں کی بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو فرمانبرداری کے اچھے نتائج اور نافرمانی کے برے انجام سے خبردار کردیں ان کے پاس کوئی کوڑا نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی لوگوں سے منوالیں اور نہ عذاب لیکر آنا ان کے اختیار میں ہے کہ جب مانگو عذاب لا کھڑا کریں، اور یہ کفار جھوٹے جھگڑے کھڑے کرکے اور کٹ حجتی کرکے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز کو زیر کردیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگادیں مگر ایسا کبھی نہ ہوگا، آیات الٰہی اور تنبیہات خداوندی کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھئے، اور انہوں نے میری آیتوں کا اور اس عذاب کو جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا مذاق اڑایا یعنی تذکیر بالعذاب کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ ان کے دل دہل جاتے اور بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا اور اپنی غلط روش ترک کردیتے مگر اس کے برعکس سنگ دل منکروں نے الٹا اسی عذاب کا مذاق اڑایا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگے کہ خدایا اگر واقعی یہ قرآن آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب ڈال دے (انفال آیت ۳۲) اور ان ظالموں سے ان کی بداعمالیوں کے سبب سے توفیق حق سلب کرلی گئی ہے اس لئے کہ ان کے ایمان سے اب مایوسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے اعراض کیا اور وہ اپنے ان کرتوتوں کو بھول گیا جن کو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے یعنی سب سے بڑا

ظالم اور نا انصاف وہ شخص ہے جس کو اللہ کا کلام سنایا گیا اور مختلف طریقوں سے اسے نصیحت کی گئی مگر پھر بھی بات پر کان نہ دھرا اور اونٹ کی طرح سر اٹھا کر چلدیا اس کو اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ وہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے، آخرت میں اسے کیسی کچھ سزا بھگتنی ہوگی، اس لئے کہ بندہ جب اپنے اختیار سے عرصہ تک حق کی مخالفت کرتا رہتا ہے اور خیر خواہانہ نصیحت کے مقابلہ پر جھگڑوں پر تل جاتا ہے اور حق کا مقابلہ مکر و فریب سے کرنے لگتا ہے تو اس سے حق کو سمجھنے اور سننے کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے دلوں پر پردے ڈالدئے جاتے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی جاتی ہے۔

اور اب چونکہ ان کے کان اور دل ان کی ضد کی وجہ سے قبول حق کی استعداد کھو چکے ہیں تو اب ان بدبختوں کے راہ راست پر آنے کی کبھی توقع نہیں اس لئے آپ ان کا زیادہ غم نہ کریں۔

اور آپ ان کی فوری گرفت نہ کرنے سے یہ نہ سمجھیں کہ یہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے بلکہ بات یہ ہے کہ مجرموں کی فوری گرفت ہماری سنت نہیں ہے ہم مجرموں کو سنبھلنے کی کافی مہلت دیتے ہیں، ارشاد ہے: اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگذر کرنے والے ہیں رحم فرمانے والے ہیں اگر وہ ان کی حرکتوں پر فوری گرفت کرنے لگیں تو فوراً ہی (دنیا میں) عذاب بھیج دیں یعنی حرکتیں تو ان کی ایسی ہیں کہ عذاب بھیجنے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جہاں کسی نے قصور کیا فوراً ہی سزا دیدی بلکہ وہ اپنی صفت غفاری اور ستاری اور شان رحیمی سے مجرموں کو سنبھلنے کا خوب موقعہ دیتا ہے اور ان کے لئے عذاب کا وقت موعود ہے اس سے کوئی ہرگز بچنے کی جگہ نہ پائے گا کہ اس میں چھپ چھپا کر خود کو محفوظ کرلے۔

اور ہم نے عاد و ثمود کی بستیوں کو اس وقت ہلاک کیا جب انہوں نے ناانصافی کی اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی اے کفار مکہ تمہیں اس سے سبق لینا چاہئے اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے تو وقت مقررہ پر تمہیں بھی عذاب الٰہی آگھیرے گا اور اس وقت تمہارے لئے بھی کوئی راہ فرار نہ ہوگی۔

وَ اذْكُر اِذْ قَالَ مُوْسٰى هو ابنُ عِمْرانَ لِفَتٰهُ يُوْشَعَ بنَ نونٍ وكان يَتْبَعُهُ ويخدِمه ويَأخُذُ منه العلمَ لَآ اَبْرَحُ لا اَزَال اَسِيْر حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ مُلْتَقٰى بَحْرِ الرُّوْمِ وبَحْرِ فَارِسَ مِمَّا يَلِي المشرِقَ اى المكان الجامع لِذٰلك اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا○ دَهْرًا طَوِيْلًا فى بُلُوْغِه اِنْ بَعُدَ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ نَسِيَا حُوْتَهُمَا نَسِيَ يُوشَعُ حَمْلَه عِنْدَ الرَّحِيْلِ ونَسِيَ مُوسٰى تَذْكِيْرَهُ فَاتَّخَذَ الْحُوْتُ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ اى جَعَلَهُ بِجَعْلِ اللّٰهِ سَرَبًا○ اى مِثْلَ السَّرَبِ وهو الشَّقُّ الطَّوِيْلُ لَا نَفَاذَ به وذٰلك بِاَنَّ اللّٰه تعالٰى اَمْسَكَ عن الحوتِ جَرْيَ الماءِ فَانْجَابَ عنه فَبَقِيَ كَالْكُوَّةِ لَمْ يَلْتَئِمْ وجَمَدَ مَا تَحْتَهُ منه فَلَمَّا جَاوَزَا ذٰلكَ المكانَ بِالسَّيْرِ اِلٰى وقتِ الغداءِ مِنْ ثَانِي يومٍ قَالَ لِفَتٰهُ آتِنَا غَدَآءَنَا هو مَا يُؤْكَل اَوَّلَ النهار لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا○ تَعَبًا وحصُولُه بعد

المُجَاوزَةِ قَالَ اَرَاَيْتَ اى تَنَبَّهْ اِذْ اَوَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ بذلك المكان فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَا اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطَانُ يُبْدَلُ مِنَ الهَاءِ اَنْ اَذْكُرَهُ بَدَلَ اِشتمالٍ اى اَنْسانِىْ ذِكْرَه وَاتَّخَذَ الحوتُ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا○ مفعولٌ ثانٍ اى يَتَعَجَّبُ منه موسٰى وفتاه لِمَا تَقَدَّمَ فى بيانِه قَالَ موسٰى ذٰلِكَ اى فَقْدُنَا الحُوتَ مَا الذى كُنَّا نَبْغِ نَطْلُبُه فاِنَّه علامةٌ لنا علٰى وجودِ مَنْ نَطْلُبُه فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا يَقُصَّانِهَا قَصَصًا فَاَتَيَا الصَّخْرَةَ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا هو الخَضِر اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا نبوةً فى قولٍ وَوِلَايَةً فى آخر وعليه اكثرُ العُلَمَاءِ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا مِنْ قِبَلِنا عِلْمًا○ مفعولٌ ثانٍ اى معلوما مِنَ المُغَيَّبَاتِ روىٰ البخارى حديثَ اَنَّ موسٰى قامَ خَطِيْبًا فى بنى اسرائيل فَسُئِلَ اَىُّ الناسِ اَعْلَمُ فقال اَنَا فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِذْ لَمْ يَرُدَّ العِلْمَ اليه فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيه اَنَّ لِى عبدًا بِمَجْمَعِ البحرين هو اَعلمُ مِنك قال موسٰى يا رَبِّ فكَيْفَ لِىْ بِهٖ قال تَاخُذُ معك حوتا فتجعلُه فى مِكْتَلٍ فحيثما فقدت الحوتَ فهو ثَمَّ فَاَخَذَ حُوتًا فجعله فى مِكْتَلٍ ثم انطَلَقَ وانطلق معه فَتَاهُ يُوْشَع بنُ نونٍ حتى اَتَيَا الصخرةَ فوضعا رؤسَهما فنامَا واضْطَرَبَ الحوتُ فى المِكتل فخرج منه فسَقَطَ فى البحر فاتَّخَذَ سبيلَه فى البحر سربًا واَمْسَكَ اللّٰهُ عن الحوتِ جَرْيَةَ الماءِ فصَارَ عليه مثلُ الطاق فلَمَّا استيقظَ نَسِىَ صاحبُه ان يُخبِره بالحوت فانطلقا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا ولَيْلَتَهُمَا حتى اذا كان من الغَدَاة قال موسٰى لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَ نَا اِلٰى قولِهٖ واتخذ سبيلَه فى البحرِ عجبًا قال وكان للحوتِ سَرَبًا ولِمُوسٰى ولِفتاهُ عَجَبًا.

ترجمہ

اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے جو کہ عمران کے بیٹے ہیں اپنے خادم یوشع بن نون سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کے ساتھ ساتھ موسیٰ علیہ السلام سے تحصیل علم بھی کرتے تھے کہا کہ میں چلتا ہی رہوں گا سفر موقوف نہ کروں گا تا آنکہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں یعنی مشرقی جانب سے، بحر روم اور بحر فارس کے ملنے کی جگہ اور اگر میں منزل مقصود کو نہ پاؤں تو ایک وقت یعنی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا چنانچہ جب یہ دونوں حضرات دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو یہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے یوشع روانگی کے وقت مچھلی اٹھانا بھول گئے اور موسیٰ علیہ السلام یوشع کو یاد دلانا بھول گئے تو مچھلی نے دریا میں سرنگ نما راہ بنائی یعنی مچھلی نے قدرت خداوندی سے ایسا کیا اور سرنگ نما راستہ ایسا لمبا سوراخ تھا جو آر پار نہیں تھا اور یہ اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی رہ گذر سے پانی کا بہاؤ روک دیا جس کی وجہ سے پانی مچھلی کی راہ سے منقطع ہو گیا اس طریقہ سے وہ سوراخ طاق نما ہو گیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی

وہیں تک بند نہیں ہوا اور مچھلی جہاں سے گذرتی تھی پانی منجمد ہوجاتا تھا (جس کی وجہ سے رہ گذر سوراخ کی شکل اختیار کرلیتی تھی) چنانچہ جب یہ دونوں حضرات اس مقام موعود سے آگے بڑھ گئے اور دوسرے دن ناشتہ کے وقت تک سفر کرتے رہے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ غدا اس کھانے کو کہتے ہیں جو بوقت صبح کھایا جاتا ہے آج کے سفر میں تو ہم تھک گئے نَصَبٌ بمعنی تعبٌ ہے اور تکان منزل مقصود سے آگے بڑھنے کے بعد محسوس ہوئی تو یوشع نے کہا دیکھئے سنئے (میں آپ کو اس مچھلی کا واقعہ سناتا ہوں) جب ہم نے اس چٹان کے پاس قیام کیا تھا تو میں اس مچھلی کو بھول گیا تھا اور اس کی یاد مجھے شیطان نے بھلا دی تھی (أن أذكره) انسانیه کی ضمیر مفعول ہٗ سے بدل اشتمال ہے یعنی مجھے اس کا یاد رکھنا بھلا دیا اور اس مچھلی نے دریا میں عجیب طریقہ سے اپنی راہ بنالی عَجَبًا اِتَّخَذَ کا مفعول ثانی ہے، اس واقعہ سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم تعجب میں پڑ گئے، جیسا کہ واقعہ سابق میں بیان ہو چکا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مچھلی کے گم ہونے کی جگہ ہی وہ موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی اور ہمارے مطلوب کے وجود کی علامت ہے چنانچہ دونوں حضرات اپنے نقش قدم کو تلاش کرتے ہوئے واپس لوٹے حتی کہ اس چٹان کے پاس پہنچے پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے خضر کو پایا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا یعنی ایک قول کے مطابق نبوت اور دوسرے قول کے مطابق ولایت سے اور اس دوسرے قول کے اکثر علماء قائل ہیں اور ہم نے اس کو ہماری جانب سے خاص علم دیا تھا عِلْمًا، عَلَّمْنَاهُ کا مفعول ثانی ہے یعنی مغیبات کی معلومات کا علم دیا تھا، امام بخاری نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دیا تو ان سے سوال کیا گیا کہ انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا میں ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جواب کی وجہ سے ان پر عتاب فرمایا اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس مسئلہ کو (واللہ اعلم) کہہ کر اللہ کے حوالہ نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ میرا ایک بندہ ہے جو مجمع البحرین کے پاس ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا الہ العالمین اس بندہ تک رسائی کی میرے لئے کیا صورت ہو سکتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی لو اور اس کو تھیلے میں رکھ لو اور جہاں کہیں وہ مچھلی گم ہو جائے (تو سمجھ لو) کہ وہ بندہ وہیں ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لی اور اس کو تھیلے میں رکھ لیا اور سفر پر روانہ ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی روانہ ہوئے حتی کہ یہ دونوں حضرات ایک چٹان کے پاس پہنچے اور وہاں لیٹنے کے بعد سو گئے اور مچھلی نے تھیلے میں حرکت کی اور تھیلے سے نکل کر دریا میں جا پڑی اور اس نے دریا میں سرنگ نما اپنا راستہ بنا لیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کی رہ گزر سے پانی کا سیلان روک دیا چنانچہ وہ رہ گذر طاق کے مانند ہو گئی جب موسیٰ کے خادم یوشع بیدار ہوئے تو مچھلی کا واقعہ حضرت موسیٰ کو بتانا بھول گئے اور بقیہ دن اور رات چلتے رہے یہاں تک کہ دوسرے دن جب ناشتہ کا وقت آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ الی قوله واتخذ سبيله في البحر عجبًا محمد صلى الله عليه

وسلم نے (اس آیت کی تفسیر میں) فرمایا کان للحوت سربًا ولموسٰی ولفتاہ عجبًا الخ (یعنی مچھلی کا پانی میں اس طرح جانا مچھلی کے لئے تو سرنگ تھی اور موسیٰ اور یوشع کے لئے تعجب خیز بات تھی)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

فَتٰی نوجوان، خادم، غلام (ج) فِتْیَۃٌ، مفسرین نے یہاں عام طور پر خادم مراد لیا ہے لَا اَبْرَحُ فعل ناقص بمعنی لَا اَزَالُ اس کا اسم أنا اس میں وجوبًا مستتر ہے اس کی خبر حتی ابلغ کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے ای اَسِیْرُ اور اگر اس کو فعل تام مانا جائے تو اس کو خبر کی ضرورت نہیں مفسر علام نے موسیٰ کی تفسیر ابن عمران سے کر کے بعض لوگوں کے اس قول کی تردید کردی جو کہتے ہیں کہ موسیٰ سے مراد موسیٰ ابن عمران نہیں ہیں بلکہ موسیٰ بن میشٰی بن یوسف بن یعقوب ہیں **قولہ** لَا اَبْرَحُ کی تفسیر لَا اَزَالُ اَسِیْرُ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ اَبْرَحُ فعل ناقص ہے اور اس کی خبر اَسِیْرُ محذوف ہے اور حذف پر قرینہ حتّٰی ابلغَ ہے ای لا اَبْرَحُ سَائِرًا حُقُبًا حقب زمانہ دراز کو کہتے ہیں، ایک مقررہ مدت کو بھی کہتے ہیں، بعض حضرات نے ستر سال اور بعض نے اسّی سال، اور ایک قول تیس ہزار سال کا بھی ہے یہاں مجازاً مدت دراز مراد ہے سَرَب سرنگ، نالی، سوراخ سربًا اتخذ کا مفعول ثانی ہے اور سبیلہٗ مفعول اول ہے نَصَبًا اسم ہے بمعنی تکان، کوفت، تکلیف، نصبًا لَقِیْنَا کا مفعول بہ ہے اَرَاَیْتَ میں ہمزہ استفہامیہ تعجبیہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسا واقعہ جو کہ عجیب ہونے کی وجہ سے ناقابل فراموش تھا مگر میں اس کو بھول گیا، أرأیت کا مفعول محذوف ہے ای اَرأیتَ مانابنی فی ذٰلك الوقت محاورہ میں اخبرنیْ کے معنی میں مستعمل ہے جیسے اردو محاورے میں بولتے ہیں (بھلا بتلایئے) چونکہ یہاں کوئی دریافت طلب بات نہیں ہے اس لئے محض اظہار تعجب کے لئے ہے اَوَیْنَا ماضی جمع متکلم اَوٰیٰ یاوی (ض) اَوِیًّا واِوَاءً ٹھکانہ لینا، اترنا، اس لفظ کی پوری تحقیق سورہ کہف کی آیت ۱۶ میں گذر چکی ہے اَنْسَانیہ اَنْسَا یُنْسِیْ اِنسَاءً بھلا دینا نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مفعول اول ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ثانی ہُ میں اصل یہ ہے کہ وہ مضموم ہو مگر جب اس کے ماقبل ی ساکنہ یا کسرہ آتا ہے تو ہ کو بھی کسرہ دیتے ہیں جیسے عَلَیْہِ فِیْہِ بہٖ مگر دو جگہ امام حفص نے اصل کے مطابق پڑھا ہے ایک یہاں اور دوسرے سورۃ الفتح آیت ۱۰ میں عَلَیْہُ اللّٰہ جس کو ملا علی قاری نے شاطبیہ کی شرح میں تفصیل سے لکھا ہے ص ۳۲۰، اَنْ اذکرہٗ میں اَنْ مصدریہ ہے جملہ اَذکر بتاویل مصدر ہوکر اَنسانیہ کے مفعول ثانی سے بدل اشتمال ہے ای ما اَنسانی ذِکرہٗ الا الشیطان، ذِکرٌ، دل میں یاد کرنا اور کسی کے سامنے ذکر کرنے کے لئے ذَکَرَ لہٗ استعمال ہوتا ہے عَجَبًا اتخذ کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اور مفعول مطلق بھی اس صورت میں موصوف محذوف ہوگا ای اِتخاذًا عجبًا اور فی البحر بنابرحال منصوب ہے ای کائنًا فی البحر اور اِتَّخذ سے متعلق بھی ہوسکتا تھا نَبْغِ اصل میں نَبْغِیْ تھا ی قرآنی رسم الخط میں

یہاں حذف کردی گئی ہے اور سورہ یوسف آیت ۶۵ میں لکھی گئی ہے، یٓ کا حذف اسماء میں تو شائع ذائع ہے جیسے قاضی میں، مگر افعال میں میں شاذ اور خلاف قیاس ہے قصصًا یا تو مصدر ہے (ن) قَصصًا پیروی کرنا ای نَقُصُّ قَصَصًا یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای قاصِّینَ قصصًا مِن عندنا محذوف سے متعلق ہوکر رحمۃً کا حال ہے اور من لدنا بھی محذوف سے متعلق ہوکر علمًا سے حال ہے رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

سورہ کہف میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے قصہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود مدینہ کے سکھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان سوالوں کا جواب دیدیں تو نبی ہیں اور اگر لاعلمی کا اظہار کریں تو سمجھنا کہ ان کا دعوۂ نبوت جھوٹا ہے، گویا کہ بعض باتوں کے عدم علم کو عدم نبوۃ کی دلیل قرار دیا تھا، حضرت موسیٰ وخضر کے قصہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موسیٰ جن کو تم بھی نبی مانتے ہو ان کو بھی تمام چیزوں کا علم نہیں تھا بلکہ ان کو بعض چیزوں کا علم حاصل کرنے کے لئے غیر نبی (خضر) کے پاس جانا پڑا تھا، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعض باتوں کا فوری جواب نہ دے سکیں تو یہ کوئی نقص کی بات نہیں ہے حتی کہ غیر نبی کو نبی پر جزوی فضیلت حاصل بھی ہو تو اس سے کلی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت موسیٰ کو بھی بعض باتوں کا علم نہیں تھا جن کے حصول کے لئے خضر کے پاس جانا پڑا، موسیٰ وخضر کے دلچسپ واقعہ کو سنانے سے مذکورہ مقصد کے علاوہ اور متعدد مقاصد کے پیش نظر یہ قصہ سنایا گیا ہے دراصل یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلیمی سفرنامہ ہے جو کہ علوم ومعارف کا خزینہ ہے، جب یہ واقعہ پورا ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرمالیتے تو دونوں کی اور خبریں معلوم ہوتیں۔

واقعہ کا آغاز

بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے وعظ کہا جس میں حاضرین کی آنکھیں نم ہوگئیں، اور دل نرم ہوگئے، لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا میں ہوں، اللہ تعالیٰ کو یہ جواب ناپسند آیا، اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو چاہئے تھا (واللہ اعلم) کہتے، یہ جواب واقع میں صحیح تھا ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہوسکتا تھا؟ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے (اس جواب پر تنبیہ کرنے کے لئے وحی آئی) ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خدایا مجھے اس کا پتہ، نشان بتادیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی تل کر اپنے تھیلے میں رکھ لو اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو جس جگہ مچھلی

گم ہو جائے سمجھ لینا کہ اسی جگہ ہمارا وہ بندہ ہے، موسیٰ علیہ السلام نے حسب ہدایت سفر شروع کیا اور اپنے خادم یوشع بن نون کو اپنے ہمراہ لے لیا اور مچھلی والا تھیلا دیکر فرمایا مچھلی کا خیال رکھنا اور فرمایا کہ مجمع البحرین پہنچنے تک برابر سفر کرتا رہوں گا اگر چہ منزل مقصود تک پہنچنے میں ایک طویل زمانہ ہی کیوں نہ گذر جائے، مطلب یہ کہ میں منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لوں گا۔

فائدہ: یہ ہے حسب صادق اور حصول علم کی سچی لگن، موسیٰ علیہ السلام کے اس مختصر ارشاد میں طالب علموں کے لئے بڑا سبق ہے علم کبھی سچی طلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور طلب علم کے لئے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرنا سنت انبیاء ہے۔

مجمع البحرین کی تعیین یقین کے ساتھ تو مشکل ہے موسیٰ علیہ السلام کو یہ سفر قیام مصر کے دوران پیش آیا تھا تو ملک سوڈان کے شہر خرطوم کے پاس جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہو سکتی ہے، جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ وادیٔ سینا میں اسارت کے زمانہ کا ہے اگر ایسا ہے تو بحر قلزم کے شمال میں دو شاخوں کے اتصال کی جگہ مراد ہے یعنی جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویز ملتی ہیں، صاحب فتح القدیر نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے مگر یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں، ملنے سے دونوں کا قرب مراد ہو سکتا ہے (فوائد عثمانی) اور بحر اردن اور بحر قلزم کا احتمال بھی پیش کیا ہے۔

جب دونوں حضرات دریاؤں کے سنگم پر پہنچے وہاں ایک بڑا بھاری پتھر تھا اور اس کے نیچے چشمۂ آب حیات جاری تھا، اس کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے تو حضرت یوشع نے دیکھا کہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر تھیلے سے نکل کر جلدی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی، حضرت یوشع کو اس واقعہ اور مچھلی کے پانی میں سرنگ سی بنانے کی کیفیت سے بڑا تعجب ہوا اور سوچا کہ جب موسیٰ بیدار ہوں گے تو پورا واقعہ سناؤں گا، جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو فوراً ہی چل کھڑے ہوئے اور یوشع واقعہ سنانا بھول گئے، روایات میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع سے کہا تھا کہ مچھلی کا خیال رکھنا تو ان کی زبان سے نکلا تھا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں، لہٰذا مچھلی کی گمشدگی کے واقعہ کو بھلا کر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام کے بارے میں بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دونوں حضرات آگے کے لئے سفر پر روانہ ہو گئے اور یوشع مچھلی والا تھیلا اٹھانا اور مچھلی کا واقعہ سنانا بھول گئے اور موسیٰ یاد دلانا بھول گئے اور باقی دن اور رات سفر کرتے رہے دوسرے روز موسیٰ علیہ السلام نے خادم سے ناشتہ مانگا اور یہ بھی فرمایا آج ہم بہت تھک گئے ہیں، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو تھکان محسوس نہیں ہوئی مگر جب منزل مقصود سے آگے نکل گئے تو تھکان محسوس کی، یعنی بامقصد آدمی تھکتا نہیں بے مقصد سعی سے تھک جاتا ہے، اگر چہ موسیٰ علیہ السلام کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ اب وہ بے مقصد سفر کر رہے ہیں مگر نفس الامری واقعات کا قلب نبوت پر انعکاس ہوا اور طبیعت نے اس کا اثر قبول کیا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ کو تھکان

محسوس ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ نفس الامری واقعہ کا آپ کے قلب مبارک پر انعکاس ہوا ہے ایک مرتبہ کھانا کھایا جا رہا تھا آپ نے بھی ایک بوٹی لی مگر وہ جچی نہیں آپ نے پھینک دی، اور فرمایا یہ گوشت مجھ سے کہہ رہا ہے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے، ایک مرتبہ آپ نے جہری نماز کے بعد مقتدیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا کسی نے میرے پیچھے قرأت کی؟ ایک صاحب نے عرض کیا جی ہاں، میں نے قرأت کی، تو آپ نے فرمایا میں سوچ رہا تھا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے؟ یعنی امر منکر کا قلب نبوت پر اثر پڑا اور آپ کے لئے قرأت دشوار ہوگئی۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ ہم آج تھک گئے، معلوم ہوتا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا اظہار جائز ہے یہ کمال کے منافی نہیں ہے البتہ بےصبری اور شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔ (جصاص)

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کے ناشتہ طلب کرنے سے معلوم ہوا کہ نبیوں کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے، زادِ راہ بھی ساتھ رکھتے ہیں اور تھکن بھی محسوس کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز نبوت و ولایت کے منافی نہیں ہے جو خوش عقیدہ مرید بزرگوں کی جانب بھوک پیاس اور دیگر بشری ضرورتوں کے انتساب کو بےادبی سمجھتے ہیں ان کے لئے اس میں بڑا سبق ہے (تفسیر ماجدی) القصہ دونوں حضرات اگلی صبح تک چلتے رہے اور اس پورے سفر میں مچھلی والے تھیلے کا دونوں میں سے کسی کو بھی خیال تک نہ آیا یہاں تک کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ مانگا تو خادم کو احساس ہوا کہ وہ مچھلی والا تھیلا تو میں وہیں بھول آیا ہوں اس وقت خادم نے مچھلی کے عجیب طریقہ سے پانی میں چلے جانے کا واقعہ بھی سنایا، یہ یوشع کا حسن ادب تھا کہ بھولنے کی نسبت صرف اپنی طرف کی اگرچہ سامان کا ذمہ دار خادم ہی ہوتا ہے مگر مخدوم کی بھی کچھ ذمہ داری ہوتی ہے اسی لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، اور ساتھ ہی خادم نے یہ بھی کہہ دیا کہ شیطان نے مجھے بھلا دیا، شریعت کی اصطلاح میں ہر بری بات کا انتساب شیطان اور نفس کی طرف کیا جاتا ہے کیونکہ شیطان ہی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے اور نفس ہی اس کے فریب میں آتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس موقعہ کی تو ہم کو تلاش تھی سو دونوں اپنے نشان قدم کو دیکھتے ہوئے واپس پلٹے اور اس چٹان کے پاس پہنچے وہاں ہمارے ایک خاص بندے سے ملاقات ہوئی، یہ بندہ کون تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ یہ انسان تھے یا فرشتے اور اگر فرشتے تھے تو علوی یا سفلی اور اگر انسان تھے تو نبی تھے یا ولی؟ اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے، آراء مختلف ہیں علامہ عثمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ نبی ہیں صحیح احادیث میں ان کو خضر کہا گیا ہے یہ ان کا وصفی نام ہے حدیث میں اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک بار حضرت خضر ایک سوکھی سفید زمین پر بیٹھے ہوئے تھے وہ یکایک سبزہ زار ہوگئی اسی وجہ سے ان کا لقب خضر (سبزہ) ہوگیا (رواہ البخاری والترمذی) اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو خصوصی رحمت سے نوازا تھا اور اسرار کونیہ سے وافر مقدار میں حصہ عطا فرمایا تھا، جو حضرات انسان ہونے کے قائل ہیں ان میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ وہ

ولی ہیں، اور جو حضرات ان کو ملائکہ میں شمار کرتے ہیں وہ ملائکہ سفلی میں شمار کرتے ہیں جن کو اصطلاح میں رجال الغیب کہا جاتا ہے، بعض محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ خضر ایک عہدہ ہے جس پر یکے بعد دیگرے فائز ہونے والے کو خضر کہا جاتا ہے

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ای صَوابًا اَرْشُدُ به وفی قراءة بضم الراء وسكون الشين وسأله ذٰلك لِاَنَّ الزيادةَ فی العلم مَطلُوْبة **قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○** فی الحديث السابقِ عَقْبَ هٰذهِ الآيةِ يا موسٰى انی علٰی عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لاتَعْلَمُه وَاَنْتَ علٰی عِلْمٍ مِن عِلْمِ اللّٰه عَلَّمَكَ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهٗ وقوله خُبْرًا مصدرٌ بمعنى لم تُحِطْ ای لَمْ تَخْبُرْ حقيقتَه **قَالَ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِىْ** ای وغيرُ عاصٍ **لَكَ اَمْرًا ○** تامرُنی به وقُيِّد بالمشيَّةِ لِاَنَّه لم يكن علٰى ثِقَةٍ من نَفْسِه فيما التزم وهٰذه عادةُ الانبياء والاولياء ان لايَثِقُوْا علٰى اَنْفُسِهِمْ طَرفة عينٍ **قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِىْ فَلَا تَسْـَٔلْنِىْ** وفی قراءة بفتح اللام وتشديد النون **عَنْ شَىْءٍ** تُنْكِرُه مِنّی فی علمِك واصبر **حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○** ای اَذْكُرَه لك بِعِلَّتِهٖ فَقَبِلَ موسٰى شرطَه رعايةً لِاَدَبِ المتعلِّم مع العالِم ع ۷ **فَانْطَلَقَا** يَمْشِيَانِ علٰى ساحلِ البحرِ **حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ** التی مرَّتْ بهما **خَرَقَهَا** الخضرُ بِاَنِ اقْتَلَعَ لَوْحًا او لَوْحَينِ منها من جِهَةِ البحر بفاسٍ لَمَّا بَلَغَتِ اللُّجَّ **قَالَ** له موسٰى **اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا** وفی قراءة بفتح التحتانيةِ والرَّاء ورفعِ اهلِها **لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ○** ای عظيمًا منكرًا رُوِی اَنَّ الماءَ لَمْ يَدْخُلْهَا.

ترجمہ

موسیٰ نے خضر سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ آپ اس علم مفید سے سکھا ئیں جس علم کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے؟ رَشَدًا ای صوابًا جس کے ذریعہ میں درستگی حاصل کروں، اور ایک قراۃ میں راء کے ضمہ کے ساتھ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے (علم کا) اس لئے سوال کیا کہ علم میں زیادتی مطلوب ہے اس بندے نے جواب دیا آپ میرے ساتھ قطعاً صبر نہیں کر سکتے، اور ایسی باتوں پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہیں؟ سابق میں مذکور حدیث میں اس آیت کے بعد یہ بھی ہے کہ اے موسیٰ اللہ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جس کو آپ نہیں جانتے اور اللہ نے آپ کو ایک ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ جس سے میں ناواقف ہوں، اور تعالیٰ کا قول خُبْرًا مصدر ہے اور لَمْ تُحِطْ، لَمْ تَخْبُرْ حقيقتَهٗ کے معنی میں ہے، موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا

انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا یعنی آپ جو حکم فرمائیں گے میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، موسیٰ علیہ السلام نے (اپنے وعدے) کو مشیت خداوندی کے ساتھ مقید کر دیا، اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اوپر لازم کردہ پابندی کے بارے میں اعتماد نہیں تھا، اور یہ انبیاء اور اولیاء کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر پل بھر کے لئے بھی بھروسہ نہیں کرتے اس بندے خضر نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو آپ مجھ سے کسی بات کے بارے میں جس کو تم اپنے علم کے اعتبار سے منکر سمجھو سوال نہ کریں اور صبر کریں تا آنکہ میں خود ہی آپ کے سامنے بیان کردوں یعنی آپ کے سامنے اس کی علت میں خود ہی بیان نہ کردوں، ایک قرأت میں لام کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ (تسالَنّی) ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک متعلم کے مانند معلم کے ساتھ ادب کی رعایت کرتے ہوئے ان کی شرط قبول کرلی بعد ازاں یہ دونوں حضرات ساحل بحر پر چل پڑے یہاں تک جب دونوں حضرات کشتی میں سوار ہوئے جوان کے پاس سے گذری تو اس کشتی کو خضر نے پھاڑ دیا اس طریقہ پر کہ جب کشتی بیچ منجدھار میں پہنچی تو خضر نے دریا کی جانب سے کلہاڑے کے ذریعہ ایک یا دو تختے نکالدئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا آپ نے کشتی کو توڑ دیا تا کہ کشتی والوں کو غرق کردیں آپ نے یقیناً بڑی نامناسب حرکت کر ڈالی یعنی بڑی بھاری ناپسندیدہ حرکت کر ڈالی، روایت کیا گیا ہے کہ پانی اس کشتی میں داخل نہیں ہوا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله علٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ الخ اَتَّبِعُکَ کے کاف سے حال ہے ای حال کونکَ مُعَلِّمًا لی، رُشْدًا تُعَلِّمَنِ کا مفعول ثانی ہے ای تعلمنِ علمًا ذا رشد، اَن تعلّمَنِ میں اَن مصدریہ اور آخر میں نون وقایہ ہے اور یا متکلم کی محذوف ہے نون کا کسرہ حذف یا کی علامت ہے، رَشَدًا و رُشُدًا (ن) ہدایت پانا **قوله** لَمْ تُحِطْ اَحَاطَ به گھیرنا، اَحَاطَ به عِلمًا پوری طرح جاننا خُبْرًا یا تو فاعل سے منقول ہو کر نسبت سے تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا مفعول مطلق برائے تاکید ہے اس لئے کہ لَمْ تُحِطْ بمعنی لَمْ تَخْبُرْ ہے اور خُبْرٌ بمعنی علم ہے، ای لَمْ تعلم عِلْمًا **قوله** لَا اَعْصِی لَکَ اس کا عطف صابرًا پر ہے اور لا بمعنی غیر ہے **قوله** اَی غیرَ عاصٍ سے مفسر علام نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ لا بمعنی غیر ہے اور اس کا عطف صابرًا پر ہے **قوله** تامُرُنِی سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امرًا تامُرُ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اِمرًا عجیب بات وہ بات جو خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم ہو فاسٌ کلہاڑا (ج) فؤوسٌ **قوله** اِصبر، اصبر محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ حتّٰی اُحدث لَکَ مغیا محذوف کی جزء ہے اور مغیا اصبر ہے۔

تفسیر وتشریح

قال لهٗ موسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ الخ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں چند روز آپ کے ساتھ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود یکہ جلیل القدر پیغمبر ہیں ان بزرگ سے درخواست کررہے ہیں کہ اجازت ہو تو میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ سے اس مخصوص علم میں سے کچھ حاصل کروں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس طلب اجازت میں کس قدر فروتنی اور حسن ادب ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعلم فضیلت وفوقیت کے باوجود معلم کے تابع ہوتا ہے اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاضل بھی مفضول سے وہ علم حاصل کرسکتا ہے جو اس کے پاس نہ ہو، موسیٰ علیہ السلام کا علم شرعی احکام کا علم تھا اور خضر کو بعض مغیبات کا علم اور بواطن کی معرفت حاصل تھی۔

خضر نے کہا آپ قطعاً میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے، اس لئے کہ جب آپ میرے کاموں کو ظاہر شریعت کے خلاف پائیں گے تو ان پر آپ ضرور روک ٹوک کریں گے، حضرت خضر نے اندازہ کرلیا تھا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہوسکے گا اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام جن علوم شرعیہ کے حامل تھے ان کا تعلق ظاہری تشریعی قوانین سے تھا اور خضر مامور تھے کہ واقعات کونیہ کے علم کے مطابق عمل کریں اور وہ علم تکوینی کے مطابق عمل کریں گے تو بظاہر علم تشریعی کے خلاف ہوگا جس پر موسیٰ روک ٹوک کئے بغیر نہ رہ سکیں گے جو کہ نبی کا فرض منصبی ہے انہی وجوہات کے بنا پر حضرت خضر نے کہا اور ایسی باتوں پر آپ صبر کیسے کرسکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہ ہوں، ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا شان پیغمبری سے بعید اور فرض منصبی کے خلاف ہے۔

فائدہ: یہیں سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ جس طرح نبی کا قول وفعل حدیث ہوتا ہے اسی طرح اس کی تقریر (تائید) بھی حدیث ہوتی ہے یعنی اگر نبی کے سامنے کوئی شخص کوئی کام کرے اور نبی اس پر خاموشی اختیار کرے تو یہ خاموشی دلیل جواز ہوگی اس لئے کہ امر منکر پر خاموشی منصب نبوت کے خلاف ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے غرضیکہ موسیٰ نے شرائط کو قبول کرتے ہوئے صبر کرنے اور سکوت اختیار کرنے کا وعدہ کرلیا مگر وعدہ کرتے وقت موسیٰ علیہ السلام کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسے مقرب اور مقبول بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع واخلاق کے بھی خلاف ہوگی اور وہ نکیر کرنے پر مجبور ہوں گے یہ تو غنیمت ہوا کہ موسیٰ نے ان شاء اللہ کہہ لیا تھا ورنہ قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا لازم آتا جو پیغمبر کی شایان شان نہ ہوتا۔

قال فاِن اتبعتنی فَلَا تَسْئَلْنِی عَنْ شَیْءٍ یعنی اگر مجھ سے کوئی بات بظاہر نامناسب اور ناحق معلوم ہو تو مجھ سے

فوراً برس نہ کریں جب تک کہ میں کسی مناسب وقت پر اپنے کام کی حقیقت اور علت خود ہی بیان نہ کردوں اگر یہ بات منظور ہے تو اجازت ہے میرے ساتھ چلئے چنانچہ دونوں بزرگ چل دیئے اس واقعہ پر قرآن کریم نے حضرت یوشع کا ذکر نہیں کیا یا تو اس لئے کہ عام طور پر ایسے موقع پر متبوع کا ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ تابع کا، کشتی کی تلاش میں ساحل سمندر پر چلے جا رہے تھے تو ایک کشتی نظر پڑی، کشتی والوں سے سوار ہونے کی درخواست کی اول تو کشتی والوں نے سوار کرنے سے انکار کردیا چونکہ ان کے پاس کوئی سامان سفر وغیرہ نہیں تھا اس لئے ان کو چور ڈاکو سمجھا مگر ملاحوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور شکل وصورت سے بھی بھلے آدمی معلوم ہوئے تو بغیر کرایہ کے ان کو سوار کرلیا، جب یہ حضرات کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے وہ کشتی نمایاں جگہ سے توڑ دی تاکہ عیب دار ہو جائے، حضرت موسیٰ سے یہ نازیبا حرکت دیکھ کر نہ رہا گیا تو فرمایا آپ نے کشتی کو توڑ دیا تاکہ کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کردیں، آپ کی یہ حرکت شرعی و اخلاقی طور پر کسی طرح مناسب نہیں ہے آپ نے یہ بہت ہی نازیبا حرکت کر ڈالی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۞ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ اى غفلتُ عن التسليم لَكَ وتَرْكِ الإنكارِ عليك وَلَا تُرْهِقْنِىْ تكلِّفْنِى مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ۞ مَشَقَّةً فِى صُحْبَتِىْ اِيَّاكَ اى عَامِلْنِى فيها بالعَفْوِ وَالْيُسْرِ فَانْطَلَقَا بعد خروجهما من السَّفِيْنَةِ يَمْشِيَانِ حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا لم يَبْلُغِ الحِنْثَ يَلْعَبُ مع الصِّبْيَان اَحْسَنُهم وجهًا فَقَتَلَهٗ الخضرُ بِاَنْ ذَبَحَهٗ بالسِّكِّين مُضطَجِعًا او اقتَلَعَ بيَدِهٖ اَوْ ضَرَبَ رَاْسَهٗ بِالجدارِ اَقْوالٌ واُتِىَ هُنَا بِالفَاءِ العَاطِفة لانّ القَتْلَ عَقِبَ اللِّقَاءِ وجوابُ اذا قَالَ له موسٰى اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَاكِيَةً اى طاهرة لم تبلُغْ حَدَّ التكليف وفى قراءة زَكِيَّةً بتشديد الياءِ بلا اَلِفٍ بِغَيْرِ نَفْسٍ اى لم تَقْتُلْ نَفْسًا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۞ بسكون الكاف وضمها اى مُنْكرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۞ زاد لك على ماقبلَهٗ لِعَدَمِ العُذرِ هُنا ولِهٰذا قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍ بَعْدَهَا اى بَعْدَ هٰذه المرَّة فَلَا تُصَاحِبْنِىْ ۚ لاتترُكْنى اَتَّبِعُكَ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ بالتشديد والتخفيف مِنْ قِبَلِى عُذْرًا ۞ فى مُفارقتك لى فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةٍ هِىَ اِنْطَاكِيَّة اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا طَلَبَا منهم الطعامَ ضِيافةً فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا ارتفاعُه مائةُ ذراعٍ يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ اى يَقْرُبُ اَنْ يسقطَ لِمَيْلانِه فَاَقَامَهٗ ؕ الخضرُ بِيَده قَالَ له موسٰى لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ وفى قراءة لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۞ جُعْلًا حَيْثُ لم يُضَيِّفُوْنَا مع حاجتنا الى الطعام قَالَ له الخضرُ هٰذَا فِرَاقُ اى وقتُ فراقِ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ فيه اضافةُ بَيْنِ الى غير متعدّد سَوَّغَهَا تَكْرِيْرُه بالعَطْفِ بِالواوِ سَاُنَبِّئُكَ قَبْلَ فِرَاقِى لَكَ بِتَاْوِيْلِ

مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا

ترجمہ

حضرت خضر نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے تو موسیٰ نے کہا میری بھول چوک پر مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیں یعنی مجھ سے آپ کی فرمانبرداری میں اور آپ پر اعتراض کو ترک کرنے میں غفلت ہوگئی اور آپ مجھ پر میرے معاملہ میں تنگی نہ ڈالیں یعنی کلفت میں مبتلا نہ کریں اور آپ اپنے ساتھ میری مصاحبت کے معاملہ میں دشواری پیدا نہ کیجئے یعنی میرے ساتھ درگذر اور سہولت کا معاملہ کیجئے پھر دونوں کشتی سے اترنے کے بعد پاپیادہ چلے یہاں تک کہ جب دونوں کی ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی جو کہ ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ان میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا تو خضر نے اس لڑکے کو مار ڈالا، یا تو زمین پر لٹا کر چھری سے ذبح کردیا یا ہاتھوں سے پکڑ کر سر اکھاڑ ڈالا یا اس کے سر کو دیوار سے ٹکرا دیا، یہ تین قول ہیں فقتله میں فا تعقیبیہ عاطفہ کا استعمال اس لئے ہوا ہے کہ قتل ملاقات کے بعد واقع ہوا تھا اور اذا کا جواب قَالَ لَهُ موسىٰ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے کہا تم نے ایک بے گناہ شخص کو قتل کردیا یعنی ایسے معصوم نفس کو جو کہ ابھی حد تکلیف (یعنی سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچا) اور ایک قرأت میں زَكِيَّة ی کی تشدید اور بغیر الف کے ہے جس نے کسی کا خون نہیں کیا یعنی وہ کسی نفس کا قاتل نہیں ہے (کہ اسے قصاصاً قتل کیا جائے) بلاشبہ تم نے بہت ہی برا کام کیا نکرا سکون کاف اور ضمہ کاف کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں یعنی ناپسندیدہ حرکت خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے یہاں لَكَ کا اضافہ کیا بخلاف سابق کے اس لئے کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام نے سہو ونسیان کا عذر پیش نہیں کیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں (اعتراض کروں) تو مجھے آپ اپنے ساتھ نہ رکھیں یعنی اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہ دیں یقیناً آپ نے میرے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا لدنی نون کی تشدید اور تخفیف دونوں قرأتیں ہیں مِنْ لَدُنِّي کے معنی مِنْ قِبَلِي کے ہیں یعنی آپ مجھے اپنے سے جدا کرنے کے معاملہ میں معذور ہیں پھر یہ دونوں حضرات چلے یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے وہ بستی انطاکیہ تھی بستی والوں سے ان حضرات نے کھانا طلب کیا یعنی ضیافت کے طور پر ان سے کھانا طلب کیا مگر بستی والوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کردیا پھر ان دونوں حضرات نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی اور اس کی اونچائی سو ذراع تھی یعنی جھکاؤ کی وجہ سے گرنے کے قریب تھی تو خضر نے اس دیوار کو ہاتھ لگا کر درست کردیا موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت یعنی مزدوری لے لیتے ایک قرأت میں لاتخذت ہے اس لئے باوجود یکہ ہم کھانے کے حاجتمند تھے ان لوگوں نے ہماری میزبانی نہیں کی خضر نے کہا بس یہ (اعتراض) میرے اور تیرے درمیان جدائی کرنے والا یعنی جدائی کا سبب ہے فراق مصدر بمعنی اسم فاعل تفریق ہے اس میں بَیْنَ کی اضافت غیر متعدد کی طرف

ہے جس کی گنجائش واؤ عاطفہ کے ذریعہ بین کی تکرار کی وجہ سے ہے، میں ان باتوں کی حقیقت تم کو جدا کرنے سے پہلے بتا دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ لَنْ تَسْتَطِيْعَ استطاعت سے مضارع واحد مذکر حاضر، تو ہرگز نہ کر سکے گا **قولہ** بِمَا نَسِيْتُ ما موصولہ ہے، جار مجرور لا تُؤَاخِذْنِي سے متعلق ہے عائد محذوف ہے ای لاتاخذنی بامر الذی نسیتُہٗ بعض حضرات نے کہا ہے کہ نسیتُ بمعنی ترکتُ ہے جو کہ نسیتُ کے لازم معنی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما مصدریہ ہو ای لاتاخذنی بنسیانی، نَسِیْتُ کی تفسیر غفلتَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں نسیتُ کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ لازم معنی جو کہ غفلت اور ترک کے ہیں مراد ہیں اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے **قولہ** لاتُرْهِقْنِي مِنْ امري عُسرًا، عسرًا لاترهقنی کا مفعول ثانی ہے اور ترهقنی میں یا مفعول اول ہے یقال اَرْهَقَهٗ عُسرًا اس کو تکلیف میں ڈالا، اس کے ساتھ تنگی کا معاملہ کیا **قولہ** زاكية وہ نفس جس نے ابھی تک گناہ نہ کیا ہو اور زکیۃ وہ نفس جس نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی ہو، کسائی نے کہا ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں **قولہ** بغیر نفس اس میں تین وجوہ اعراب ہیں ❶ قتلت کے متعلق ہے ❷ محذوف سے متعلق ہے اور فاعل یا مفعول سے حال ہے ای قتلتَهٗ ظالمًا او مظلومًا بغیر نفسٍ ❸ مصدر محذوف کی صفت ہو ای قتلتَ قتلاً مُتلبّسًا بغیر نفسٍ **قولہ** لَمْ يبلغ الحنث میں مضاف محذوف ہے، ای وقتَ الحنثِ غلام کی تفسیر لم یبلغ الحنث سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہیں اس لئے کہ غلام کے مختلف معنی آتے ہیں مگر یہاں نابالغ لڑکا مراد ہے **قولہ** هذا فراق یعنی ترک اجرت پر اعتراض فراق کے وقت فراق ہے **قولہ** بینی وبینك میں بین کی اضافت غیر متعدد کی طرف ہے حالانکہ بین کی اضافت متعدد کی طرف ضروری ہوتی ہے، جیسے بیننا وبینکم میں اضافت متعدد کی طرف ہے **قولہ** واتی هنا بالفاء العاطفة عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کا جواب ہے یہاں یعنی فقتلَهٗ پر فا داخل ہے مگر سابق میں خرقها پر فا داخل نہیں کی کیا وجہ ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام کا قتل چونکہ کشتی سے اترنے کے بعد واقع ہوا تھا اس لئے اس کے ساتھ فاتعقیبیہ لائے، بخلاف خرقها کے کہ وہاں کشتی میں سواری کے دوران خرق واقع ہوا تھا اس لئے وہاں خرقها نہ کہ فخرقها **قولہ** لَمْ تقتل نفسًا کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بغیر نفس میں مضاف محذوف ہے ای بغیر قتلِ نفسٍ **قولہ** منكرًا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نکرًا مصدر منکرًا مفعول کے معنی میں ہے، سابق میں چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی غلطی کم تھی اس لئے وہاں لك نہیں کہا، یہاں چونکہ غلطی زیادہ ہے اس لئے لَكَ کے ذریعہ خطاب کیا **قولہ** يُرِيْدُ کی تفسیر يَقْرُبُ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا

کہ یُرِیْدُ کی جدار کی طرف نسبت اسناد مجازی ہے اس لئے کہ جدار ذوارادہ اشیاء میں سے نہیں ہے لَمْ تَسْتَطِعْ اصل میں تستطیع تھا، لم داخل ہونے کی وجہ سے آخر میں عین ساکن ہوگئی، التقاء ساکنین ہوا ی اور عین میں ی ساقط ہوگئی تستطع ہوگیا۔

تفسیر وتشریح

قال الم اقل انک الخ حضرت خضر نے کہا کیا میں نے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے اس لئے کہ ایسے حالات اور واقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر آپ خاموشی کے ساتھ صبر نہ کرسکو گے سو دیکھئے آخر وہی ہوا، اس صبر نہ کرنے اور نباہ نہ ہونے سے موسیٰ کی منقصت نہیں بلکہ منقبت نکلتی ہے اس لئے کہ آپ کا خضر علیہ السلام کو بظاہر خلاف شرع حرکات پر بار بار ٹوکنا عین منصب نبوت اور غیرت ایمانی کی بناء پر تھا، بلکہ اس کے خلاف اگر ہوتا تو منقصت کی بات ہوتی، موسیٰ علیہ اسلام نے فرمایا میری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجئے، یہاں نسیان سے حقیقی معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام حقیقت میں اپنے وعدہ یا خضر علیہ السلام کے قول لاتسئلنی عن شئ کو بھول گئے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھولے تو نہ ہوں مگر منصب نبوت کے تقاضہ اور ایمانی غیرت کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکے ہوں مفسر علام نے ثانی معنی مراد لئے ہیں، فانطلقا حتی لقیا غلامًا فقتل عہد معاہدہ کرنے کے بعد جب یہ دونوں حضرات آگے چلے تو ایک بستی میں پہنچے اس بستی کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے ان میں ایک لڑکے کو جس کا نام جیسور بتایا جاتا ہے جو نہایت ہی خوبصورت اور عقلمند تھا قتل کر ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ نے ایک بے گناہ شخص کو قتل کردیا جو کسی کا قاتل بھی نہیں، وہ لڑکا بالغ تھا یا نابالغ دونوں قسم کے اقوال ہیں غلام کا اطلاق دونوں ہی پر ہوتا ہے، اکثر مفسرین اس کو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں، مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے، لفظ زَکِیَّۃً سے نابالغی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اس میں تاویل کی گنجائش ہے جیسا کہ تحقیق وترکیب کے زیرعنوان گذر چکا ہے بغیر نفس یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا، یہاں تو قصاص کا بھی کوئی قصہ نہیں تھا پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کونسی ہوسکتی ہے یعنی آپ کی پہلی حرکت ہی نازیبا تھی مگر اس بار تو آپ نے غضب ہی کردیا کشتی کے نقصان کا تدارک تو کسی حد تک ممکن بھی تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں حضرت خضر نے کہا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے اس مرتبہ خفگی بڑھ گئی اسی لئے خطاب کرتے وقت لَکَ کا لفظ بڑھا دیا موسیٰ علیہ اسلام نے اس مرتبہ بھول سے نہیں بلکہ قصداً اعتراض کیا تھا اس لئے کہ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل عام صالحین سے نہیں ہوسکتا تو موسیٰ علیہ اسلام تو پیغمبر تھے وہ بھلا امر منکر پر خاموش کیسے رہ سکتے تھے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ سہو ونسیان کا عذر بھی پیش نہیں کیا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ کی بات پر اعتراض کروں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں یقیناً

میرے لئے آپ نے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا، یعنی اب کی بار اور درگذر کیجئے، ایک موقع اور دیجئے آئندہ اگر اعتراض کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیں آپ اس حد کو پہنچ جائیں گے کہ مجھے اپنے سے جدا کرنے میں معذور سمجھے جائیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے وہ بات درگذر کردی، اور یہ دونوں حضرات آگے چلے اور ایک بستی میں پہنچے اور لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مسافر سمجھ کر مہمان نوازی کریں قدیم زمانہ میں چونکہ سراؤں اور مسافر خانوں کا رواج نہیں تھا نہ ہوٹلوں اور کھانے پینے کی دوکان کا سلسلہ تھا، مسافر بستی والوں پر اپنا حق سمجھتے تھے کہ بستی والے ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں اور ہر بستی والے بھی مہمان نوازی کو اپنا فرض سمجھتے تھے اس لئے کہ ہر شخص کو سفر کرنا پڑتا تھا اور ہر شخص کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی تھی کہ اہل بستی ہماری میزبانی کے فرائض انجام دیں اور عموماً ہر بستی والے بڑی خوش دلی سے یہ فریضہ انجام دیتے تھے، مگر یہ سعادت اس بستی والوں کی قسمت میں نہیں تھی ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام جیسے مقربین کی مہمان نوازی سے انکار کردیا، یہ معاملہ دیکھ کر چاہئے تھا ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا مگر حضرت خضر نے غصہ کے بجائے ان پر احسان کیا، بستی میں ایک دیوار تھی جو اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ گرنے کے قریب تھی، لوگ اس کے پاس سے گذرتے ہوئے ڈرتے تھے، حضرت خضر نے معجزانہ طور پر اس دیوار پر ہاتھ لگا کر سیدھا کردیا، اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے یعنی جس بستی والوں نے مسافروں کی مہمان نوازی کا حق ادا نہیں کیا ایسے لوگوں کی دیوار مفت درست کردینے کی کیا ضرورت تھی، اگر کچھ معاوضہ لیکر دیوار درست کرتے تو ہمارا بھی کھانے پینے کا کام چلتا، اور ان تنگ دل بخیلوں کو تنبیہ بھی ہوجاتی، اس کے جواب میں حضرت خضر نے کہا بس اب میرا اور آپ کا ساتھ ختم اب میں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کرسکے یعنی حسب وعدہ آپ مجھ سے جدا ہوجائیے آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہوسکتا لیکن جدا ہونے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار ظاہر کردوں جن کو دیکھ کر آپ سے صبر و ضبط نہ ہوسکا۔

حکمت: حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کے درمیان مذکورہ تین واقعات کے پیش آنے میں حکمت موسیٰ علیہ السلام کو تین باتوں پر تنبیہ مقصود تھی، جب موسیٰ علیہ السلام نے کشتی توڑنے پر اعتراض کیا اور دریا میں غرق ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا اور ظاہری اسباب کو اہمیت دی تو ندا آئی اے موسیٰ تیری تدبیر اس وقت کہاں تھی کہ تجھے ایک تابوت میں بند کرکے دریا میں ڈالدیا گیا تھا اور جب قتل غلام پر اعتراض کیا تو ندا آئی کہ تیرا اعتراض اس وقت کہاں تھا کہ جب تو نے ایک قبطی کو قتل کردیا تھا اور جب دیوار کو مفت درست کرنے پر اعتراض کیا تو ندا آئی اس وقت تیرا اعتراض کہاں گیا تھا جب کہ تو نے پتھر ہٹا کر شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو بلا اجرت پانی پلایا تھا۔ (صاوی)

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ عشرة يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ بالسفينة مؤاجرة لها طلبا للكسب فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَ هُمْ اِذَا رجعوا او امامهم الآن مَّلِكٌ كافر يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صالحة

غَصْبًا نصبُه على المصدر المُبَيِّنِ لِنَوْعِ الاَخْذِ وَاَمَّا الغُلَامُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَا اَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَاِنَّهُ كَمَا في حَدِيْثِ مُسْلِم طُبِعَ كافرًا ولَوْ عاشَ لَاَرْهَقَهُمَا ذٰلِكَ اى لِمُحَبَّتِهِمَا لهُ يَتَّبِعَانِهِ فِيْ ذٰلِكَ فَاَرَدْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا بالتشديد والتخفيف رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً اى صلاحًا وتُقًى وَّاَقْرَبَ منه رُحْمًا ۚ بسكون الحاء وضمها رَحْمَةً وهي البِرُّ بوَالِدَيْهِ فَاَبْدَلَهُمَا اللّٰهُ تعالٰى جارِيَةً تزوَّجتْ نَبِيًّا فَوَلَدَتْ نَبِيًّا فهدى اللّٰه تعالٰى به اُمَّةً وَاَمَّا الجدارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي المَدِيْنَةِ وكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ مالٌ مَدْفونٌ من ذَهَبٍ وفِضَّةٍ لَّهُمَا وكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فحُفِظَا بصَلَاحِه في اَنْفُسِهِمَا ومالِهِما فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا اى اِيْنَاسَ رُشْدِهِما وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ مفعول له عامِلُه اَرَادَ وَمَا فَعَلْتُهُ اى ما ذُكِرَ مِن خَرْقِ السَّفِيْنَةِ وَقتلِ الغلام وإقامةِ الجدارِ عَنْ اَمْرِيْ ۭ اى اِخْتِيَارِيْ بَلْ بِاَمْرِ اِلْهَامٍ مِنَ اللّٰهِ تعالٰى ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۭ يقال اسطاع واستطاع بمعنى اَطَاقَ ففي هٰذا وَمَا قبلَه جَمْعٌ بَيْنَ اللُّغَتَيْنِ ونُوِّعَتِ العبارةُ في فَاَرَدْتُّ فَاَرَدْنَا فَاَرَادَ رَبُّكَ

ترجمہ

بہر حال وہ کشتی چند یعنی دس غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں اس کشتی کو کرایہ پر چلا کر روزی کماتے تھے میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور اس کے آگے ایک کافر بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو غصب کر لیتا تھا غصبًا کا نصب اَنْ مصدریہ کی بنا پر ہے جو کہ بیان نوعیت کے لئے ہے بہر حال لڑکا تو اس کے ماں باپ مومن تھے پس ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا ان دونوں پر سرکشی اور کفر سے چھا جائے گا مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا فطرت کفر پر پیدا کیا گیا تھا اگر وہ زندہ رہتا تو یقیناً وہ اپنے والدین پر غالب آجاتا اور وہ اس سے محبت کی وجہ سے کفر میں اس کی اتباع کرتے، اس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کے بدلے میں پاکیزگی صلاح وتقوی کے اعتبار سے اس سے بہتر اور محبت وشفقت میں اس سے بڑھ کر عطا فرمائے یُبْدِلَهُمَا دال کی تشدید اور تخفیف دونوں ہیں رُحْمًا میں ح کا سکون اور ضمہ دونوں ہیں بمعنی رحمت والدین کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی جس نے ایک نبی سے شادی کی تو اس سے ایک نبی پیدا ہوئے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت نصیب فرمائی۔

اب رہی دیوار تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ سونے چاندی کی قسم کا مال مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا چنانچہ اس کے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے ان کی جان ومال

محفوظ رہے اس لئے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ دونوں بچے جوان ہو جائیں یعنی کمال قوت کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں آپ کے رب کی مہربانی سے رحمةً مفعول لہ ہے اس کا عامل اراد ہے اور میں نے یہ کام جو ماقبل میں مذکور ہوئے یعنی کشتی کو توڑنے غلام کو قتل کرنے اور دیوار کو درست کرنے کے اپنے اختیار سے نہیں کئے بلکہ منجانب اللہ الہام کے ذریعہ کئے تھے یہ ہے حقیقت ان کاموں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا اسطاعَ اور اِستطاعَ اطاق کے معنی میں مستعمل ہے اس میں اور ماقبل میں دونوں لغتوں کا اجتماع ہے اور اَرَدتُّ وَاَرَادَ وَاَرَدْنَا میں تیرے رب نے عبارت میں تنوع اختیار کیا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله السفینة (ج) سَفِینٌ وسفائنُ **قوله** وَرَاءَ هُمْ یہ اضداد میں سے ہے اس کے معنی آگے اور پیچھے کے ہیں یہ دراصل مصدر ہے اس معنی ہیں آڑ، حد فاصل، اضمار قد کے ساتھ جملہ حالیہ ہے **قوله** غَصْبًا یاخذ کا مفعول مطلق بیان نوع کے لئے ہے یاخذُ چونکہ غصب کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی غَصَبَ غَصْبًا وارء هم کی تفسیر رجعوا اور اَمَامَهُم سے کرکے اشارہ کر دیا کہ وراء اضداد میں سے ہے یہ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے **قوله** سفینة اس کی صفت صالحة محذوف ہے ای کلَّ سفینةٍ صالحةٍ حضرت اُبی اور ابن عباسؓ کی قرأت میں صالحة کا لفظ موجود ہے **قوله** فخشینا ان یُرهِقَهُمَا ای یُرهِق الغلامُ اَبَوَیْهِ یقالُ رَهِقَهٗ ای غشِیَهٗ طغیانا، یُرْهِقهما کا مفعول ہے، اور کفراً کا عطف طغیاناً پر ہے رُحْمًا مصدر ہے بمعنی شفقت مہربانی (س) رحمةً ورُحْمًا مہربان ہونا زکوۃ اور رُحمًا خیرًا سے تمیز واقع ہیں، خیرًا یہاں اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے **قوله** رحمة یہ تو یبلُغَا اور یستخرجا کا مفعول لہ ہے یا فعل محذوف فعلتهٗ کا مفعول بہ ہے **قوله** اِسطاعَ یسطِیعُ حذف تا کے ساتھ اِستطاعَ یَسْتطِیعُ میں دوسری لغت ہے۔

تفسیر وتشریح

أمَّا السفینة یعنی وہ کشتی جس کو توڑ دیا تھا چند نادار اور غریب آدمیوں کی تھی اور وہ کشتی جدھر جا رہی تھی اس طرف ایک ظالم کافر بادشاہ کی عملداری تھی جو ہر صحیح سالم کشتی کو غصب کر لیتا تھا اور ان غریبوں کا یہ کشتی ہی ذریعہ معاش تھی جس کے کرایہ کی آمدنی سے اپنا گذارہ کرتے تھے اگر میں اس کشتی میں سوراخ کرکے عیب دار نہ کرتا تو وہ بادشاہ اسے بھی چھین لیتا جس کی وجہ سے یہ بیچارے ذریعہ معاش سے بھی محروم ہو جاتے۔

مولانا رومیؒ نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

خضر در بحر کشتی را شکست ☆ صد درستی در شکست خضر ہست

ترجمہ اگر خضر نے دریا میں کشتی توڑ دی تو کیا برا کیا، خضر کے کشتی توڑنے میں سینکڑوں مصلحتیں ہیں۔

اس ظالم بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ غسانی تھا اور اس کا نام جیسور تھا۔

فائدہ . مسکین اور فقیر میں کیا فرق ہے؟ مسکین کی حالت زیادہ ابتر ہوتی ہے یا فقیر کی؟ امام شافعیؒ کے نزدیک فقیر، مسکین کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوتا ہے اس لئے کہ مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو اور اما السفینۃُ فکانت لمساکین سے استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس کشتی ہونے کے باوجود ان کو مسکین کہا گیا ہے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں عرف میں مسکین فقیر کی نسبت زیادہ خستہ حال سمجھا جاتا ہے، اس لئے کہ مسکین وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ شخص جس کے پاس گذارہ کے قابل نہ ہو، سورہ بلد آیت ۱۶ میں اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ خاک نشین مسکین یعنی جس کے پاس بچھونا تک نہ ہو زمین پر پڑا رہتا ہو، رہا فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ سے استدلال تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت ادنیٰ تعلق کی وجہ سے مجازاً ہے جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ کشتی ان کی ملک نہ تھی بلکہ کسی اور کی تھی ان کے پاس کرایہ یا عاریت پر تھی اسی وجہ سے کشتی کی نسبت ان کی طرف کر دی ہے (شامی کتاب الزکوۃ باب المصرف)بحوالہ ہدایت القرآن۔

دوسرا واقعہ لڑکے کو قتل کرنے کا ہے حضرت خضر کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرشت اور جبلت کے اعتبار سے کافر تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے والدین کے لئے فتنہ بنے گا، والدین اپنی طبعی محبت کی وجہ سے بے دینی میں بھی اس کا ساتھ دیں گے، اس لئے حضرت خضر نے اس کو قتل کر دیا، اور یہ قتل اس کے والدین کے حق میں رحمت اور ان کے دین کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا اور طبعی طور پر ان کو جو صدمہ پہنچا تھا حق تعالیٰ نے اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دی جو پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر تھی اور ماں باپ پر شفقت اور مہربانی میں بڑھ کر تھی، کہتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ (فوائد عثمانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ اب صالح بلاواسطہ اب تھا اور بعض نے کہا کہ اب ساتویں پشت میں دادا تھا کہتے ہیں کہ اس کا نام کاشح اور اس کی والدہ کا نام دنیا تھا، اس واقعہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اصول کا تقویٰ فروع کے لئے نافع ہوتا ہے۔ (صاوی)

فائدہ : یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

پہلا سوال: یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور اپنے والدین کو بھی گمراہ کرے گا تو پھر علم الٰہی کے مطابق ایسا ہونا ضروری تھا اس لئے کہ علم الٰہی کے خلاف کوئی چیز نہیں ہو سکتی پھر وہ کیسے قتل کیا گیا اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف یہ واقعہ کیونکر رونما ہوا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کو ایمان پر قائم رکھنا مقصود تھا اور اسی وجہ سے حکمت الہیہ متقضی ہوئی کہ پیش آنے والی رکاوٹ کو دور کردیا جائے اور خضر کو حکم دے کر اس لڑکے کو قتل کرا دیا تو اس سے بہتر تو یہ تھا کہ اس لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو کافر نہ ہونے دیتے یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے دونوں سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں:

سوال اول کا جواب یہ کہ علم ہمیشہ معلوم کے تابع ہوتا ہے نہ کہ معلوم علم کے، مثلاً کسی شخص نے دارالعلوم دیوبند کی مسجد رشید دیکھی، مسجد کو دیکھ کر اس کو ایک علم حاصل ہوا تو یہ علم معلوم یعنی مسجد کے تابع ہوگا یعنی جیسی مسجد ہے ویسا ہی اس کو علم حاصل ہوا ہے اور علم واقعہ کے مطابق ہے اور اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں مسجد رشید کی خیالی صورت بنالے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ واقعی مسجد رشید کے مطابق ہو کیونکہ معلوم کبھی بھی علم کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اس علم ہی کو خلاف واقعہ کہا جائے گا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ علم الہٰی اور علم مخلوق میں یہ فرق تو بہرحال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے یعنی معلوم کے وجود کا محتاج نہیں اور بندوں کا علم کسبی ہے یعنی معلومات کے وجود کا محتاج ہے، اگرچہ وہ وجود وجود ذہنی ہی کیوں نہ ہو مگر جہاں تک تبعیت کا تعلق ہے دونوں کا معاملہ یکساں ہے، لہٰذا سائل کی یہ تعبیر ہی صحیح نہیں ہے کہ اس لڑکے کا علم الہٰی کے مطابق کافر ہونا ضروری تھا یہ تعبیر تو اس وقت صحیح ہو سکتی تھی کہ جب معلوم علم کے تابع ہوتا بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ازل سے جانتے ہیں کیونکہ اس کا علم حضوری ہے معلومات کے وجود سے پہلے بھی اس کو معلومات کا علم حاصل ہے مگر ازل میں اللہ تعالیٰ کے جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ویسا ہی ہو جائے کیونکہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا ہاں یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں وہی بات جانے جو ہونے والی ہے کیونکہ اس کا علم خلاف واقعہ نہیں ہوسکتا ورنہ صفت علم میں کذب (خلاف واقعہ) لازم آئے گا جو محال ہے۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کے علم میں صرف یہی بات نہیں تھی کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور اس کے والدین اس کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے بلکہ علم الہٰی میں پوری تفصیل موجود تھی کہ اگر وہ لڑکا بالغ ہوتا تو کافر ہوتا اور اپنے والدین کے لئے خطرہ بنتا مگر چونکہ وہ سن بلوغ سے پہلے ہی مرجائے گا اس لئے نہ وہ کافر ہوگا اور نہ اس کے والدین اس کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔

یہ درحقیقت تقدیر کا مسئلہ ہے تقدیر کا حاصل یہ ہے کہ بندے جو نیک و بد کام کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ازل سے جانتے ہیں مگر اس جاننے سے انسان ویسا کرنے پر مجبور نہیں ہو جاتا اس لئے کہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا بلکہ بندہ اپنے ارادہ اور مرضی سے جو نیک و بد کرنے والا ہے ان کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے اور یہ جاننا مطابق واقعہ ہے کیونکہ علم معلوم ہی سے ماخوذ ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ وہی جانتا ہے جو ہونے والا ہے اگر اس کے خلاف ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا علم واقعہ کے مطابق نہیں تھا۔ (تعالى الله عن

ذلك علوًا كبيرًا) اس مضمون کی تعبیر اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ تقدیر کے معنی ہیں پلاننگ کرنا، اللہ تعالیٰ نے ازل میں کائنات کے لئے جو اندازہ مقرر کیا ہے اس میں انسان کے لئے ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہونا طے کیا گیا ہے، لہٰذا انسان اپنی مرضی سے جو کام کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، اس کے برخلاف نہیں جانتے، علم الٰہی کے خلاف ہوسکنے یا نہ ہوسکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ تکوینیات کے بارے میں انسان کا علم نہ ہونے کے برابر ہے، حضرت خضر نے اس سے تو پردہ اٹھایا کہ اس لڑکے کو مار ڈالنے میں یہ حکمت تھی مگر یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ اس کو پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی مثلاً انسان کے بدن میں کئی جگہ بال اگتے ہیں ناخون بڑھتے ہیں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو صاف کیا جائے اور یہ نظافت کا تقاضہ ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کو کاٹنا ضروری ہے تو آخر اللہ تعالیٰ ان بالوں کو پیدا ہی کیوں فرماتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت اللہ ہی بہتر جانتے ہیں ہم نہیں جانتے البتہ ہم اجمالاً یہ بات جانتے ہیں کہ ان بالوں کو پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے اسی طرح اس لڑکے کے پیدا کرنے میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی جو ہم نہیں جانتے، خضر نے بھی اس راز سربستہ کو نہیں کھولا، اس لئے عقل انسانی کے لئے بجز اعتراف عجز وقصور کے کوئی راہ نہیں، ہمیں تو بس یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں جو چیزیں بظاہر خراب مہلک اور بری مضر اور نقصان دہ سمجھی جاتی ہیں ان میں بھی مجموعہ عالم کے لحاظ سے بے شمار فوائد ہیں۔ (ہدایت القرآن)

وَاَمَّا الجدار فكان اب تیسرے اور آخری واقعہ کی حقیقت سنئے ارشاد ہے، دیوار کے واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے رہتے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک اور صالح مخلص تھا تو تیرے رب کی مرضی یہ تھی کہ دونوں یتیم بچے جوان ہوجائیں اور اپنا خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے واجتہاد سے کوئی کام نہیں کیا، یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونے چاندی کا ذخیرہ تھا (رواہ الترمذی والحاکم) جوان کو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا تھا، اگر دیوار گر جاتی تو وہ دفینہ ظاہر ہوجاتا اور بدنیت لوگ اس کو لیجاتے بچوں کا باپ چونکہ نیک آدمی تھا اس لئے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو اس کی اولاد کے لئے محفوظ رکھا اور حضرت خضر کے ذریعہ دیوار کی مرمت کرادی جس کی وجہ سے مال محفوظ ہوگیا اور یہ سب رحمت خداوندی تھی اور حضرت خضر کا دیوار کو درست کرنا یہ بامر خداوندی تھا، اور جو کام امر خداوندی سے کرنا ضروری ہو اس پر اجرت لینا درست نہیں، یہیں سے یہ ضابطہ بنا ہے کہ طاعت مقصودہ پر اجرت لینا باطل ہے، یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم کو صبر نہ ہوسکا، لہٰذا الوداع ..

فائدہ: دنیا میں ہر کام خواہ اچھا ہو یا برا اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے خیر وشر سب اسی کی مخلوق ہے مگر ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ شر اور حقیر و ذلیل چیزوں کی تخلیق کی نسبت اس کی طرف نہ کی جائے مثلاً یوں نہ کہا جائے، اے خالق

الشریاے خالق العیوب والذباب چنانچہ حضرت خضر نے جب کشتی توڑنے کا ذکر کیا تو چونکہ وہ کام بظاہر ایک برا کام تھا اس لئے اس کے ارادہ کی نسبت اپنی طرف کی اور اردتُ فرمایا اسی طرح لڑکے کو قتل کرنے اور اس کے بدلے میں اس سے بہتر اولاد دینے کا ذکر کیا تو اس کا قتل چونکہ برائی تھی اور بہتر اولاد دینا ایک بھلائی تھی اس لئے امر مشترک ہونے کی وجہ سے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا تاکہ جتنا بظاہر شر ہے وہ اپنی طرف اور جو خیر ہے وہ اللہ کی طرف منسوب ہو جائے اور تیسرے واقعہ میں دیوار کو درست کر کے یتیموں کا مال محفوظ کر دینا سراسر خیر ہی خیر تھا، اس لئے اس کی پوری نسبت اللہ کی طرف کرتے ہوئے فاراد ربك فرمایا۔ (معارف القرآن)

ويسئلونك اى اليهودُ عن ذى القرنين ۖ اِسْمُهُ اِسكندرُ ولَم يكن نبيًا قُل ساتلوا ساقصّ عليكم مِّنهُ مِن حالِه ذِكرًا خبرًا اِنّا مكّنّا له فى الارضِ بتسهيل السَّير فيها واتيناه من كُلّ شئٍ يحتاجُ اليه سَبَبًا طريقا يُوصِلُ الى مُرادِه فاتبع سببًا سَلَكَ طريقًا نحوَ المغربِ حتّى اذا بلغ مغرب الشَّمسِ موضعَ غروبها وَجدَها تغرُبُ فى عَينٍ حَمِئَةٍ ذات حمأةٍ وهى الطينُ الاسْودُ وغُروبُها فى العينِ فى رَأى العَينِ والّا فَهِىَ اعظمُ من الدُّنيا وَوجدَ عِندها اى العين قومًا ۗ كافرين قُلنا يذَالقرنَين بالِهام اِمّا اَن تُعذّبَ القومَ بالقتل وَاِمّا اَن تتّخِذ فِيهِم حُسنًا بالاسر قال اَمّا من ظلم بالشِّركِ فَسَوفَ نُعذّبُهُ نقتُله ثُمّ يُردُّ اِلى رَبّه فيُعذّبُهُ عذابًا نُكرًا بسكون الكاف وضمها شديدًا فى النار وَاَمّا مَن آمَنَ وعَمِلَ صالِحًا فلَهُ جَزَآءَ نِ الحُسنىٰ ۚ اى الجنة والاضافة لبيان وفى قراءةٍ بنصبِ جزاءٍ وتنوينِه قال الفراء نصبه على التفسير اى لجهة النسبة وسنقولُ له مِن اَمرِنا يُسرًا ۗ اى نَامُرُه بما يَسهُلُ عليه ثُمّ اَتبَعَ سَبَبًا نحوَ المشرق حتّى اِذا بَلَغَ مطلعَ الشمسِ موضعَ طلوعِها وَجدَها تَطلُعُ على قومٍ هم الزّنجُ لَم نجعَل لَهُم مِن دُونِها اى الشمس سترًا ۙ من لِباسٍ ولا سَقفٍ لِاَنّ اَرضَهُم لاتحمِلُ بناءً ولهم سروبٌ يغِيبُون فيها عند طلوع الشمس ويظهَرون عند اِرتفاعِها كذٰلِكَ ۖ اى الامرُ كما قلنا وَقد اَحَطنا بما لَديه اى عند ذى القرنين من الآلات والجُندِ وغيرهما خُبرًا علمًا.

ترجمہ

یہود آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کرتے ہیں اس کا نام اسکندر ہے اور وہ نبی نہیں تھا آپ کہہ دیجئے میں تم کو اس کا کچھ حال سناتا ہوں زمین میں سفر آسان کر کے ہم نے اس کو زمین میں قدرت عطا فرمائی تھی اور ہم نے اس کو ہر قسم کے وسائل جن کی (بادشاہوں) کو ضرورت ہوتی ہے بخشے تھے ایسے وسائل کہ جن کے ذریعہ اس کو اپنے مقصد تک

رسائی حاصل ہو سکے، چنانچہ وہ مغرب کی جانب ایک راستہ پر ہولیا، یہاں تک کہ جب وہ انتہائے مغرب میں پہنچ گیا، تو اس کو آفتاب ایک گدلے چشمہ میں ڈوبتا ہوا نظر آیا، کالی مٹی والے چشمہ میں، حماۃ کالی مٹی اور آفتاب کا چشمہ میں غروب ہونا یہ دیکھنے والے کی نظر میں (محسوس ہوتا) تھا ورنہ آفتاب تو دنیا سے بہت بڑا ہے اور اس کو وہاں چشمہ کے پاس ایک کافر قوم ملی ہم نے بذریعہ الہام اس سے کہا یا تو تم اس قوم کو قتل کے ذریعہ سزا دو یا قید کر کے ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو تو کہا جو شخص شرک کر کے ظلم کرے گا تو اس کو قتل کی سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی جانب لوٹایا جائے گا پس وہ اس کو اور بھی سخت سزا دے گا نُکرًا کاف کے سکون اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے یعنی آگ کا شدید عذاب، اور جو ایمان لائے گا اور نیک اعمال کرے گا تو اس کے لئے بدلے میں بھلائی ہوگی یعنی جنت اور اضافت بیانیہ ہے اور ایک قرأت میں جزاءً کے نصب اور تنوین کے ساتھ ہے، اور فراء نے کہا ہے اس کا نصب جہت نسبت کی تفسیر کی وجہ ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی کا حکم دیں گے یعنی ایسی باتوں کا جو اس کے لئے آسان ہوں گی پھر وہ مشرق کی جانب (دوسرے) راستہ پر چل پڑا یہاں تک کہ جب وہ مطلع شمس یعنی طلوع آفتاب کے مقام (انتہائے مشرق) پر پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا اور وہ زنجی قوم تھی کہ ہم نے ان کے لئے آفتاب سے بچاؤ کی کوئی آڑ جیسے لباس چھت وغیرہ نہیں رکھی تھی اس لئے کہ ان کی زمین عمارت کی متحمل نہیں تھی اور ان کے لئے بھٹ تھے جن میں وہ طلوع آفتاب کے وقت چھپ جاتے تھے اور غروب کے وقت نکلتے تھے بات ایسی ہی ہے جیسا کہ ہم نے کہا اور ہم نے اس کی یعنی ذوالقرنین کی تمام چیزوں کا علمی احاطہ کر رکھا ہے خواہ وہ آلات حرب کے قبیل سے ہوں یا لشکر وغیرہ کے قبیل سے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله ساتلوا سین محض تاکید کے لئے ہے استقبال کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ پورا کلام مسلسل نازل ہوا ہے
قوله منهُ میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ مِن تبعیضیہ ہے اور ضمیر ذوالقرنین کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے ای من اخبارہ جار مجرور درحقیقت ذکرًا کی صفت ہیں مگر مقدم ہونے کی وجہ سے حال واقع ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ منهُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور من ابتدائیہ ہو یعنی میں اللہ کی طرف سے یہ احوال پڑھ رہا ہوں، مگر یہ احتمال ضعیف ہے، ذِکْرًا ساتلوا کا مفعول بہ ہے اور اگر اتلوا اذکر کے معنی میں ہو تو ذکرًا مفعول مطلق ہوگا، ای ساذکر ذکرًا، ذکرًا پہلی صورت میں نبأ کے معنی میں ہوگا اور دوسری صورت میں قرآن کے معنی میں ہوگا منهُ کی تفسیر من حالہ سے کرنے کا مقصد مضاف محذوف کی طرف اشارہ کرنا ہے اس لئے کہ سوال احوال سے ہوتا ہے نہ کہ ذات سے **قوله** مکنّا تمکین سے قدرت دینا، قدم جمانا **قوله** سَبَبٌ رسی، ذریعہ، وسیلہ (ج) سبب **قوله**

وَجَدَ بمعنی رأی دیکھا، محسوس کیا حَمِئَۃٌ حَمِیَ (س) سے صفت مشبہ حَمْئًا حمأ الماءُ پانی گدلا ہو گیا الحمئۃ کالی مٹی **قولہ** اِمَّا یہ اِنْ اور ما سے مرکب ہے اور یہ حرف تفصیل ہے اور أنْ تُعَذِّبَ میں أن مصدر یہ ہے اور جملہ بتاویل مصدر ہو کر یا تو مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے ای اِمَّا تعذیبُكَ واقعٌ یا خبر ہے اور مبتداء محذوف ہے ای امّا اَمْرُكَ تعذیبُكَ یا فعل محذوف کا مفعول ہے ای اِمَّا تُوقِعُ تَعْذِیْبَكَ اور اِمَّا تتخذ میں بھی یہی احتمالات ہیں **قولہ** فی رأی العین کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وَجَدَا اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ نظر آنے یا محسوس کرنے کے معنی میں ہے اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب زمین کے کسی چشمے میں غروب ہو اس لئے کہ آفتاب تیرہ لاکھ زمینوں کے مساوی ہے اور اس کا قطر چھیاسی لاکھ پینسٹھ ہزار (۸۶۶۵۰۰۰) میل ہے، (فلکیات جدیدہ) آفتاب کا چشمے میں غروب ہوتا نظر آنا ایسا ہی ہے جیسا کہ دیکھنے والے کو آسمان چاروں طرف افق سے متصل معلوم ہوتا ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اسی طرح اگر آپ ریل کی لائن پر کھڑے ہو کر لائن کو دور دیکھیں تو آپ کو دونوں لائنیں آپس میں ایک دوسرے سے قریب ہوتی نظر آئیں گی حتی کہ آخر میں ملی ہوئی محسوس ہوں گی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا

قولہ حُسْنًا اس کا مضاف محذوف ہے ای ذَا حسنٍ یا مصدر کا حمل مبالغۃ ہے **قولہ** اَمَّا مَنْ ظلم اَمَّا حرف تفصیل ہے مگر اس میں شرط کے معنی بھی ہیں اسی لئے اس کے جواب پر فا کا لانا ضروری ہے **قولہ** فَلَهٗ جزاء، لَهٗ خبر مقدم ہے اور الحسنیٰ مبتداء مؤخر ہے، جزاء حال ہے یا تمیز ہے ای لهُ الحسنیٰ جزاءً کمایقال لكَ هذا الثوبُ هبةً **قولہ** یُسْرًا کا مضاف محذوف ہے ای ذَا یُسْرٍ یا پھر مصدر کا حمل مبالغۃ ہے **قولہ** لم نجعل قوم کی صفت ہے **قولہ** کذٰلك مبتداء محذوف کی صفت ہے ای الامر کذٰلك **قولہ** اَحَطْنَا کے لئے سورہ کہف کی آیت ۶۸ دیکھئے اَحَطْنَا جملہ مستانفہ ہے خُبْرًا خَبُرَ کا مصدر ہے (ک ف) خبُرَ الشیءَ وبہ حقیقت حال سے واقف ہونا **قولہ** بالھام سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ ایک صالح بادشاہ تھے **قولہ** سَنَقُوْلُ کی تفسیر نامرہٗ سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہے اس لئے کہ قول مختلف معنی میں مستعمل ہے۔

تفسیر وتشریح

وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ

آغاز واقعہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب اسلام کی روشنی کی کرن نمودار ہوئی اور کفر کی ظلمت کے دبیز پردے چاک ہونے لگے تو کفر کے ظلمت کدہ مکہ میں ہنگامہ برپا ہو گیا اس بات کی متفقہ کوشش ہونے لگی کہ بہرصورت اس روشنی کو گل کر دیا جائے، مگر اس روشنی کو گل کرنے کی جس قدر زیادہ کوشش ہونے لگی روشنی اتنی ہی تیزی سے پھیلنے لگی، حتی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مکہ کا کوئی گھر خالی نہ رہا کہ جہاں اس روشنی کی کرن نہ پہنچی ہو، جس کی وجہ سے

ہر گھر میں کفر و اسلام کا معرکہ بپا نہ ہوا ہو، گھر میں اگر باپ کافر ہے تو بیٹا مسلمان، ماں مسلمان ہے تو بیٹی کافرہ، اگر ایک بھائی مسلمان ہے تو دوسرا کافر، غرضیکہ کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جہاں کفر و اسلام کی محاذ آرائی نہ ہو، آخر مجبور ہو کر اہل مکہ نے یہ سوچا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت کے بارے میں اہل کتاب سے معلوم کیا جائے کہ اس کی کیا حقیقت ہے، آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوئے نبوت میں سچے ہیں یا یہ کوئی مکروفریب ہے، چنانچہ قریش نے ایک وفد تشکیل دیا جس میں نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو علماء یہود کے پاس مدینہ یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کے پاس انبیاء سابقین کا علم ہے اور آئندہ آنے والے انبیاء کے بارے میں پیشین گوئیاں ہیں بنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بتاؤ کہ ان کے دعوۂ نبوت کے بارے میں آپ کی کتابوں میں کوئی تذکرہ ہے یا نہیں؟ علماء یہود نے جواب دیا کہ تم ان باتوں کو تو چھوڑو ہم تم کو تین سوال بتاتے ہیں اگر وہ ان کا جواب صحیح دیدیں تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے دعوۂ نبوت میں برحق ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لینا کہ وہ دعوۂ نبوت میں کاذب و مفتری ہیں ۱۔ روح کی حقیقت کیا ہے؟ ۲۔ اصحاب کہف کون تھے؟ ۳۔ سکندر ذوالقرنین کون تھا؟ یہ قریشی وفد خوش و خرم مکہ واپس ہو گیا اور مکہ والوں سے جا کر کہا ہم ایک فیصلہ کن بات لیکر آئے ہیں اور مذکورہ تینوں سوالات ان کو بتائے چنانچہ مکہ کے سرداروں کا ایک نمائندہ وفد ان سوالوں کو لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے مذکورہ تینوں سوالات رکھے، آپ نے فرمایا ان کا جواب میں کل دوں گا، دو کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے روح کے بارے میں سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں اور اصحاب کہف کے بارے میں سورہ کہف میں آپ نے پڑھا یہاں سے تیسرے سوال کے جواب کا آغاز ہوتا ہے، یہ یہود آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں سوال کی نسبت علامہ جلال الدین نے یہود کی جانب کی ہے حالانکہ سوال کرنیوالے اہل مکہ تھے مگر چونکہ اہل مکہ نے سوالات یہود کے سکھانے سے کئے تھے اور اصل سائل یہود ہی تھے اسلئے یہود کی جانب نسبت کی ہے۔

اسکندر نام اور ذوالقرنین لقب کے کئی بادشاہ دنیا میں گذرے ہیں، ذوالقرنین کے معنی ہیں دو سینگوں والا، یہ لقب کیوں پڑا اس میں بہت اختلاف ہے جس کا ذکر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکا ہے، یہ لقب قرآن کریم کا دیا ہوا نہیں ہے بلکہ پہلے سے مشہور چلا آرہا تھا، چنانچہ یہود نے اسی نام سے سوال کیا، اس نام اور لقب کے دو بادشاہ زیادہ مشہور گذرے ہیں، ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر ہے جو نمرود کے بعد ہوا ہے یہ بادشاہ موحد اور دین حق کا پیرو تھا، حضرت ابراہیم پر ایمان لایا تھا اور تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم کے ساتھ حج بھی کیا تھا یہ بادشاہ ۲۰۰۰ قبل مسیح میں گذرا ہے، بعض حضرات اس کو یونانی کہتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ فارسی ہے اس کو یونانی زبان میں سائرس اور عربی زبان میں خسرو و فارسی میں گورش کہتے ہیں اور یہود اس کو خورس کہتے ہیں یہ نہایت خداترس اور عادل بادشاہ تھا۔

دوسرا بادشاہ سکندر رومی ہے جو سکندر یونانی، مقدونی، رومی کے لقب سے مشہور ہے، یہ تقریباً تین سو سال قبل مسیح گذرا ہے اس کا وزیر اور استاد ارسطو تھا جو کہ مشرک تھا اور یہ اسکندر بھی مشرک اور ظالم تھا بلکہ خود کو ایک دیوتا کا مظہر کہتا تھا

یہی وہ سکندر ہے جس نے دارا کو شکست دی تھی، بعض حضرات نے اس کو بھی قرآنی ذوالقرنین کہہ دیا ہے جو سراسر غلط ہے، اس لئے کہ یہ شخص آتش پرست تھا اور قرآن حکیم نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے اس کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر مومن، صالح ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

قرآنی ذوالقرنین نے بہت طویل عمر پائی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے اسرائیلی نبی دانیال علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ رہے، اسی نے بخت نصر کو شکست دیکر بنی اسرائیل کو اس کی قید سے آزاد کرایا، اور بیت المقدس کا جو سامان بخت نصر لوٹ کر لے گیا تھا اور بیت المقدس مسمار کر گیا تھا سامان واپس دلایا اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کیا، گویا کہ یہی ذوالقرنین بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ہے اور اسی مناسبت سے یہودیوں نے سوال کے لئے اس کو منتخب کیا تھا، اس واقعہ کی طرف قرآن میں بھی سورۂ بنی اسرائیل میں جو دو مرتبہ بنی اسرائیل کے فساد میں مبتلا ہونے اور دونوں مرتبہ کی سزا کا تفصیل سے ذکر آیا ہے اس میں بنی اسرائیل کے پہلے فساد کے موقع پر خود قرآن کریم نے فرمایا ہے **بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لنا اولی باسٍ شديدٍ فجاسوا خلل الديار** یعنی تمہارے فساد کی سزا میں ہم تم پر اپنے کچھ ایسے بندے مسلط کردیں گے جو بڑی قوت اور شوکت والے ہوں گے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے اس میں یہ قوت اور شوکت والے لوگ بخت نصر اور اس کے اعوان ہیں جنہوں نے بیت المقدس میں چالیس ہزار اور بعض روایت میں ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو قید کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا اور اس کے بعد قرآن کریم نے فرمایا **ثم رَدَدنَا لكُم الكرة عليهم** (یعنی ہم نے پھر لوٹا دیا تمہارے غلبہ کو) یہ واقعہ اسی کیخسرو بادشاہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا، یہ مومن صالح تھا اس نے بخت نصر کا مقابلہ کر کے اس کے قیدی بنی اسرائیل کو اس کے قبضہ سے نکالا اور ان کو دوبارہ فلسطین میں آباد کیا اور بیت المقدس کو بھی جس کو ویران کر دیا تھا دوبارہ آباد کیا اور بیت المقدس کے خزائن و سامان ان کو جو بخت نصر لے گیا تھا وہ سب واپس بنی اسرائیل کے قبضہ میں دے اس لئے یہ شخص بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ثابت ہوا۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہود مدینہ نے امتحان نبوت کے لئے قریش مکہ کے واسطہ سے جو سوالات متعین کئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی اس تحقیق پر موجودہ تورات کے حوالہ سے انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیوں اور تاریخی روایات سے اس پر کافی شواہد پیش کئے ہیں، اس کی مزید تفصیل مولانا کی معرکۃ الآراء کتاب قصص القرآن میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (معارف القرآن) قدیم مفسرین نے اس کا مصداق اسکندر رومی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا تھا لیکن جدید مفسرین تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس کی تحقیق و تفتیش میں جو داد تحقیق دی ہے وہ نہایت ہی قابل قدر ہے ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ

ہے کہ اس ذوالقرنین کی بابت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمراں تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا وہ مشرقی و مغربی ممالک فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے۔ اس نے وہاں یاجوج و ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لئے ایک نہایت ہی محکم بند تعمیر کیا وہ عادل، اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا وہ نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمراں ہے جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس اور عرب کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں اس کا دور حکمرانی ۵۳۹ قبل مسیح ہے نیز فرماتے ہیں ۱۸۳۸ میں سائرس کے ایک مجسمے کا بھی انکشاف ہوا جس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کی دونوں جانب عقاب کی طرح دو بازو نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر ترجمان القرآن)

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِنْهُ ذِکْرًا اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ ذکرہٗ کا مختصر لفظ چھوڑ کر منہٗ ذکرًا کے دو کلمے کیوں اختیار کئے؟ آپ غور کریں گے تو ان دو کلموں میں اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کا پورا قصہ اور اس کی تاریخ ذکر کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک حصہ کو بیان کرنے کا وعدہ فرمایا جس پر حرف مِنْ اور ذِکْرًا کی تنوین بقواعد عربیت شاہد ہے اوپر جو تاریخی بحث ذوالقرنین کے نام و نسب اور زمانہ وغیرہ کی لکھی گئی ہے قرآن کریم نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دینے کا پہلے ہی اظہار کر دیا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا یعنی مغربی مہم سے فارغ ہونے کے بعد مشرقی جانب مہم پر روانہ ہوا حتی کہ جب مشرقی جانب منتہائے آبادی پر پہنچ گیا (اسی کو قرآن نے مطلع شمس کہا ہے) جہاں ایسی قوم آباد تھی کہ جس کا حال یہ تھا کہ اس کے پاس دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے بھی کوئی معقول سامان نہیں تھا نہ ان کے مکانات تھے اور نہ خیمے وغیرہ اور لباس کے طور پر وہ جانوروں کی کھال استعمال کرتے تھے، قرآن کریم نے ان کے مذہب و اعمال کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ یہ ذکر کیا کہ ذوالقرنین نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ظاہر یہی ہے کہ یہ قوم بھی کافر تھی اور ذوالقرنین نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو مغربی قوم کے ساتھ اوپر گذر چکا ہے، ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس قوم کے حالات کو بھی پچھلی قوم کے حالات پر قیاس کر کے ان کا بھی حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (کذا فی بحر المحیط عن ابن عطیہ)

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ بفتح السین وضمها هُنَا وبَعْدُهما جبلان بمُنْقطعِ بلادِ التُّرْکِ سَدَّ الاسْکَنْدَرُ مابینهما کما سَیَأْتِیْ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا ای امامهما قَوْمًا لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ای لایفهمونه اِلَّا بَعْدَ بُطُوءٍ وفی قراءة بضم الیاء وکسر القاف قَالُوْا یاذا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ بالهمزة وترکها اِسْمَانِ اَعْجَمِیَّانِ لِقَبِیْلَتَیْنِ فَلَمْ ینصرفا مُفْسِدُوْنَ

فِی الْاَرْضِ بالنَّھَبِ و البَغْیِ عِنْدَ خروجھم اِلَیْنَا فَھَلْ نَجْعَلُ لَکَ خَرْجًا جُعْلاً مِن المال وفی قراءۃ خَرَاجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمْ سَدًّا○ حاجزًا فَلاَ یَصِلُوْنَ اِلَیْنَا قَالَ مَامَکَّنِّیْ وفی قراءۃ بالنونین من غیر ادغام فِیْہِ رَبِّیْ من المال وغیرِہ خَیْرٌ من خَرْجِکُمْ الذی تجعلونہ لی فلاحاجۃ لی الیہ واَجْعَلُ لکم السَّدَّ تبرُّعًا فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ لَمَّا اَطْلُبُہٗ منکم اَجْعَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ رَدْمًا○ حَاجزا حَصِینًا آتُوْنِیْ زُبَرَ الحَدِیْدِ قِطَعَہٗ علٰی قَدْرِ الحِجَارَۃِ التی یُبْنٰی بِھَا فَبُنِیَ بِھا وجُعِلَ بینھا الحطبُ والفحمُ حَتّٰی اِذَا ساوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ بضم الحرفین وفتحھما وضم الاول وسکون الثانی ای جَانِبَیِ الجَبَلَیْنِ بِالبِنَاءِ ووُضِعَ المنافخُ والنارُ حَوْلَ ذٰلک قَالَ انْفُخُوْا فنفخُوْا حَتّٰی اِذَا جَعَلَہٗ ای الحدیدَ نَارًا ای کالنار قَالَ آتُوْنِیْ اُفْرِغْ عَلَیْہِ قِطْرًا○ ھو النُّحَاسُ المُذَابُ تَنَازَعَ فیہ الفعلان وحُذِفَ من الاول لِاِعْمالِ الثانی فَاَفْرَغَ النحاسَ المذابَ علی الحدیدِ المُحْمٰی فَدَخَلَ بین زُبُرہ فصارا شیئًا واحدًا فَمَا اسْطَاعُوْا ای یاجوجُ وماجوجُ اَنْ یَّظْھَرُوْہُ یَعْلُوْا ظھرَہ لِاِرْتِفَاعِہٖ ومَلاسَتِہٖ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَہٗ نَقْبًا○ خَرْقًا لِصَلاَبَتِہٖ وسَمْکِہٖ قَالَ ذوالقرنین ھٰذَا ای السَّدُّ ای الِاقْدَارُ علیہ رَحْمَۃٌ مِّنْ رَّبِّیْ نعمۃ لِاَنَّہٗ مانع من خروجھم فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ بخروجھم القریبِ من البعثِ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ مَدْکوکا مبسوطا وَکَانَ وَعْدُ رَبِّیْ بخروجھم وغیرِھم حَقًّا○ کائنا۔

ترجمہ

پھراس نے ایک اورسفر کی تیاری شروع کی یہاں تک کہ جب وہ ایسے مقام پر پہنچا کہ جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا سین کا فتح اور ضمہ دونوں ہیں، یہاں بھی اور بعد میں بھی، بلادترک کے اختتام پر دو پہاڑ ہیں سکندر نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو بند کردیا تھا جیسا کہ عنقریب (اس کا ذکر) آرہا ہے، توان دونوں پہاڑوں کے اس پار یعنی ان کے سامنے ایک ایسی قوم کو پایا جومشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی یعنی بڑی دیر کے بعد (اشارہ وغیرہ سے) ایک قرأت میں ضمۂ ی اور کسرۂ کاف کے ساتھ ہے توانہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج وماجوج ہمزہ اور بدون ہمزہ دونوں قرأتیں ہیں یہ دو عجمی قبیلوں کے نام ہیں اسی وجہ (یعنی عجمہ اور علم ہونے کی وجہ) سے غیر منصرف ہیں، ہماری اس سرزمین میں آکر قتل وغارتگری کرتے ہیں فساد مچاتے ہیں کیا ہم آپ کے لئے کچھ خرچ کا انتظام کردیں یعنی چندے کے طور پر مال جمع کردیں اورایک قرأت میں خَراجًا ہے اس شرط پر کہ آپ ہمارے اوران کے درمیان ایک دیوار بنادیں یعنی ایک آڑ جس کی وجہ سے وہ ہم تک نہ پہنچ سکیں ذوالقرنین نے جواب دیا میری (قدرت) واختیار میں میرے

پروردگار نے جو مال وغیرہ دے رکھا ہے اس مال سے جسے تم میرے لئے جمع کروگے بہت بہتر (کہیں زیادہ) ہے لہٰذا مجھے تمہارے مال وغیرہ کی ضرورت نہیں میں یوں ہی (بلامعاوضہ) تمہارے لئے دیوار بنادوں گا مَکَّنِّیْ میں ایک قرأت دونونوں کے ساتھ بغیر ادغام کے یعنی مَکَّنَنِیْ بھی ہے البتہ تم طاقت (محنت مزدوری) سے میری مدد کرو جب میں تم سے مطالبہ کروں، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار یعنی ایک مضبوط آڑ کھڑی کردوں گا (اچھا تو) تم میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ جن سے دیوار بنائی جاسکے، چنانچہ (ذوالقرنین) نے لوہے کے ٹکڑوں کے درمیان لکڑیاں اور کوئلہ رکھ دیا یہاں تک کہ جب اس دیوار کے ردّے دونوں پہاڑوں کے برابر کردیئے (صدفین میں کئی قرأتیں ہیں) ۱ صاد اور فا دونوں کے ضمہ کے ساتھ ۲ دونوں کے فتحہ کے ساتھ ۳ صاد کے ضمہ اور فا کے سکون کے ساتھ یعنی دونوں پہاڑوں کے درمیان کے خلاء کو تعمیر کرکے پُر کردیا اور اس کے اردگرد دم کشوں اور آگ کا نظم کردیا، تو حکم دیا دھونکو چنانچہ لوگوں نے دھونکا حتی کہ جب اس لوہے کو آگ یعنی آگ کے مانند سرخ کردیا تو حکم دیا اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ تاکہ میں اس کو (گرم لوہے) پر ڈال دوں قطر پگھلا ہوا تانبا قطرًا میں دو فعلوں نے تنازع کیا ہے فعل ثانی کو عمل دینے کی وجہ سے اول فعل کا (مفعول قطرًا) حذف کردیا ہے، چنانچہ پگھلا ہوا تانبا گرم لوہے پر ڈالدیا تو وہ لوہے کے تختوں کے درمیان داخل ہوکر شیٔ واحد ہوگیا، چنانچہ یاجوج ماجوج اس دیوار پر اس کی بلندی اور چکنا ہٹ کی وجہ سے نہ چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے اس کی سختی اور مضبوطی کی وجہ سے ذوالقرنین نے کہا یہ دیوار یعنی اس کے بنانے پر قدرت دینا میرے رب کی رحمت یعنی نعمت ہے اس لئے کہ یہ ان کے خروج کے لئے مانع ہوگی چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ یعنی قرب قیامت ان کے خروج کا وقت آئے گا تو میرا رب اس دیوار کو ریزہ ریزہ کرکے برابر کردے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ ان کے خروج وغیرہ کا حق ہے جو ہوکر رہے گا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

سَدٌّ مصدر (ن) بند کرنا **قوله** بین السدین بلغ کا مفعول ہے بَیْنَ چونکہ بائن کا مصدر ہے اس لئے ظروف متصرفہ میں سے ہے یاجوج و ماجوج یہ دونوں عجمی لفظ ہیں اور دو قبیلوں کے اجداد کے نام ہیں یہ دونوں تو میں حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے یافث کی نسل سے ہیں عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں خرج محصول بعض حضرات نے خَرج اور خراج میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ خرج زر فدیہ کو کہتے ہیں اور خراج عام ہے جس میں زر فدیہ، ٹیکس، محصول وغیرہ سب شامل ہیں **قوله** مَکَّنِّی یہ دراصل مَکَّنَ نِی تھا، ماضی واحد مذکر غائب مصدر تمکین بااختیار وبااقتدار بنانا نِی میں نون وقایہ اور یٰ ضمیر متکلم مفعول بہ پھر لام کلمہ نون کو ساکن کرکے نون وقایہ میں ادغام کردیا

رَدْمٌ موٹی اور مضبوط دیوار ردم (ض) مصدر ہے سوراخ بند کرنا مگر یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے **صدف** پہاڑ کی چوٹی **قوله اسطاعوا** اصل میں استطاعوا تھا تا اور طا قریب المخرج ہونے کی وجہ سے تخفیف کے لئے تا کو حذف کر دیا **قوله الوعد** وقت یا مصدر بمعنی موعود ای القیامة **قوله آتونی** تم میرے پاس لاؤ زُبَرٌ زُبْرَةٌ کی جمع ہے جیسے غُرَفٌ غُرْفَةٌ کی جمع ہے لوہے کی پلیٹ **قوله آتونی اُفْرِغْ** تنازع فعلان کے قبیل سے ہے قطرًا اُفرغ کا مفعول اول ہے آتونی کا مفعول محذوف ہے **قوله یظْهَرُوْهُ** بتاویل مصدر ہو کر ما اسطاعوا کا مفعول ہے، **قوله ای السَّدُّ ای الاقدار علیه** سے اول هذا کا مشار الیہ متعین کیا پھر یہ بتا دیا کہ دیوار سے مراد دیوار بنانے کی توفیق ہے جو در حقیقت رحمت خداوندی ہے، مطلب یہ ہے کہ دیوار تو اس قوم کے حق میں رحمت خداوندی ہے اور اس دیوار کے بنانے کی توفیق ذوالقرنین کے حق میں رحمت خداوندی ہے **قوله بخروجهم** مفسر علام نے بخروجهم کا اضافہ کر کے وعدہ کا مصداق متعین کر دیا کہ وعدہ قرب قیامت میں ان کا خروج ہے، بعض حضرات نے وعدہ سے مراد اس دیوار کے شکست و ریخت ہونے کا وقت مراد لیا ہے **قوله یمُوْجُ** ترکنا کا مفعول ثانی ہے اور بعضهم مفعول اول ہے اور ترکنا بمعنی جعلنا ہے یَوْمئِذٍ یموج سے متعلق ہے۔

تفسیر وتشریح

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا یہ ذوالقرنین کے تیسرے سفر کا بیان ہے، ذوالقرنین نے مغرب و مشرق کے سفر سے فارغ ہونے کے بعد تیسرے سفر کی تیاری شروع کی، یہ تیسرا سفر کس جانب تھا اس بارے میں روایات مختلف ہیں مگر راجح یہ ہے کہ یہ سفر جانب شمال تھا۔

فائدہ: آیت کی مندرجہ ذیل تفسیر امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے عقیدۃ الاسلام صفحہ ۲۰۱ میں کی ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ هذا رحمةٌ من ربّی جعلهُ دَكَّاءَ وكَانَ وعدُ رَبّی حقًّا یہ ذوالقرنین کا اپنا قول ہے، اور کوئی قرینہ سیاق و سباق میں ایسا نہیں ہے جس سے دیوار کے ٹوٹنے کو علامات قیامت میں شمار کیا جائے بلکہ ذوالقرنین کا مقصد وَعْدُ رَبّی سے صرف اس دیوار کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا ہے پس اس صورت میں ارشاد باری (وترکنا بعضهم یومئذ یموج فی بعض) استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے یعنی ایسا برابر ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہیں یہاں تک کہ قیامت کا وقت آجائے گا، البتہ وہ ارشاد جو سورۂ انبیاء میں آیا ہے یعنی (حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون) تو یہ بلاشبہ علامات قیامت میں سے ہے مگر اس میں دیوار کا قطع کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے یعنی سورۂ انبیاء کی آیت میں فتح سے عروج و خروج مراد ہے دیوار کا ٹوٹنا اور یاجوج و ماجوج کا نکلنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت میں دیوار کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

فائدہ: سکندر ذوالقرنین نے جن دو پہاڑوں کے درمیان کے درہ کو بند کیا تھا وہ کونسے پہاڑ تھے اور وہ قوم کونسی تھی جن کی حفاظت کے لئے یہ دیوار بنائی گئی تھی اور ذوالقرنین نے جو دیوار بنائی تھی وہ اب تک باقی ہے یا ٹوٹ پھوٹ گئی یہ وہ سوالات ہیں کہ جن کے جوابات قرآن میں نہیں ہیں، اس لئے یقین کے ساتھ کوئی بات کہنا مشکل ہے، دنیا میں ایسی دیواریں وحشی لوگوں سے حفاظت کے لئے مختلف مقامات پر بنائی گئی ہیں جن میں سے بعض کے خرابات ونشانات آج بھی باقی ہیں، مؤرخین کے بیان کے مطابق وہ دیوار جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ ایران سے جانب شمال بحر کاسپین (Causpian Sea) یعنی بحر قزوین اور بحر اسود کے درمیان جو سلسلہ کوہ ہے جس کو جبال کا کیشیا (چیچنیاں کے دامن میں)(Caucasus) جبال قَفْقَاز ، کَفْقَاس، اور تَفْلِیس کہتے ہیں ان پہاڑوں میں ایک درّہ درّہ داریال کے نام سے ہے، ذوالقرنین نے وہاں دیوار بنائی تھی ان پہاڑوں کے مشرق میں بحر قزوین واقع ہے اور مغرب میں بحر اسود ،ورنیچ میں سلسلہ کوہ ہے اور گذرنے کا کوئی راستہ اس درہ کے علاوہ نہیں ہے، ذوالقرنین نے دیوار بنا کر اس کو بند کر دیا تھا، اور جن قبائل کی حفاظت کا یہ سامان کیا گیا تھا وہ ترک قبائل تھے اور یہ بات بھی خیال رہے کہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار اب باقی نہیں ہے البتہ سیاحوں نے اب وہاں آثار دیکھے ہیں اور ممکن ہے کہ اب بھی موجود ہوں، قرآن وحدیث میں کوئی صحیح اور صریح بات ایسی نہیں ہے جس سے قیامت سے کچھ پہلے تک اس دیوار کا بحالہ باقی رہنا ثابت ہوتا ہو۔

یاجوج ماجوج کون ہیں؟ اکثر علماء کی رائے یہ ہے وہ عام انسانوں کی طرح آدم کی اولاد ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں، علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ ج ۲/ص ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور انسانوں ہی کی طرح شکل وصورت اور اوصاف رکھتے ہیں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ٦، ص ٣٨٦) میں تحریر فرمایا ہے کہ یاجوج ماجوج یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں، حضرت قتادہ سے بھی یہی بات مروی ہے اور روح المعانی میں ہے کہ یاجوج وماجوج یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں اور یہی رائے وہب بن منبہ کی ہے اور متاخرین میں سے اکثر کی یہی رائے ہے، بائبل کتاب پیدائش باب ۱۰ آیت ۲ میں بھی یافث کے ایک لڑکے کا نام یاجوج آیا ہے اور ماجوج کے بارے میں بائبل کا بیان مختلف ہے۔

غرضیکہ یاجوج ماجوج کوئی عجوبہ روزگار مخلوق نہیں ہیں اور نہ برزخی مخلوق ہیں اس قسم کی جو روایات ہیں ان کا اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے یہ سب اسرائیلیات کے بے سروپا ذخیرہ ہے، علامہ یاقوت حمونی نے معجم البلدان میں ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے قصص القرآن میں جلد سوم میں ان روایات کی تغلیط کی ہے اور سمجھنے کی بات ہے کہ یاجوج وماجوج جب بنی آدم اور نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں تو پھر وہ دیگر انسانوں سے اتنے مختلف کیوں ہیں جتنا ان روایات میں مذکور ہے مثلاً

۱ یاجوج ماجوج بالشت، ڈیڑھ بالشت یا زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ کا قد رکھتے ہیں اور بعض غیر معمولی طویل

القامت ہیں۔

۲۔ ان کے کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک کان کو اوڑھ لیتے ہیں اور ایک کو بچھا لیتے ہیں۔

۳۔ ان کی غذا کے لئے قدرت سال بھر میں دو مرتبہ سمندر سے ایسی مچھلیاں پھینک دیتی ہے جن کے سر اور دم کا فاصلہ اس قدر طویل ہوتا ہے کہ دس رات دن اگر کوئی شخص چلتا رہے تب اس فاصلہ کو طے کر سکتا ہے۔

۴۔ وہ ایک برزخی مخلوق ہے جو آدم علیہ السلام کی پشت سے تو ہیں مگر حوا رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں ہیں کیونکہ وہ آدم کے ایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ جو احتلام کی حالت میں نکلا تھا اور مٹی میں رل مل گیا تھا۔ (العیاذ باللہ)

اس قسم کی تمام باتیں قطعاً بے دلیل و بے بنیاد ہیں اسلامی روایات سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

فائدہ: دنیا کی موجودہ اقوام میں سے یاجوج و ماجوج کون ہیں؟ اس کا جواب بھی یقین کے ساتھ دینا مشکل ہے اس لئے کہ یاجوج و ماجوج بہت قدیم نام ہیں اور مرور ایام کے ساتھ نام بدل جاتے ہیں آج دنیا میں کوئی قوم ان ناموں سے معروف نہیں ہے اس لئے اس کی تعیین دشوار ہے، تاہم علماء کی رائے یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا ہے جو یورپ امریکہ اور روس کی اقوام کے منبع اور منشاء ہیں ان کے دو بڑے قبیلے موگ اور یوجی کہلاتے تھے جو عربی زبان میں یاجوج و ماجوج بن گئے۔ (واللہ اعلم)

فائدہ: یاجوج ماجوج کے بارے میں اس قدر بے سروپا روایتیں کیوں مشہور ہوئیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا تذکرہ یہودیوں کی کتابوں میں بھی ہے، حزقی ایل باب ۳۸/۳۹ میں بھی ان کا تذکرہ آیا ہے اسی وجہ سے یہودیوں نے حسب فطرت یاجوج ماجوج کے بارے میں بعید از عقل کہانیاں تصنیف کر لیں اور کعب احبار کے ذریعہ جو یہودی النسل تھے اور ان کی کتابوں کے بڑے عالم تھے وہ سب کہانیاں مسلمانوں میں پھیل گئیں، مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد یا تو تفریح کے طور پر ان کو سنایا کرتے تھے یا اس لئے کہ اس رطب و یابس میں سے جو دور از کار باتیں ہوں وہ رد کر دی جائیں اور جن کی قرآن اور احادیث نبوی سے تائید ہوتی ہو ان کو ایک تاریخی حیثیت میں لے لیا جائے مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت پر نظر نہ رکھتے ہوئے اس پورے طومار کو اسی طرح نقل کرنا شروع کر دیا جس طرح حدیثی روایات کو نقل کیا جاتا ہے۔ (قصص القرآن جلد ۳/ص ۱۹۵)

فائدہ: یاجوج ماجوج کا خروج وعروج بھی دجال کے ظہور کی طرح علامات قیامت میں سے ہے، سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۶ میں اس کا تذکرہ ہے، ارشاد ہے **حَتّٰی اِذَا فُتِحت یاجوج وماجوج من کلِّ حدبٍ ینسِلُوْنَ واقتَرَبَ الوعدُ الحق** اس کا مطلب یہ ہے کہ نفخ صور سے پہلے قیامت کی علامات میں سے ایک نشانی یہ پیش آئے گی کہ یاجوج و ماجوج کے تمام قبیلے ایک ساتھ امنڈ آئیں گے اور دنیا میں عام غارت گری شروع کر دیں گے اور اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے، غرض آیت میں فتح سے مراد ان کا

یکبارگی ڈھادابولنا ہے دیوار توڑ کر نکلنا مراد نہیں ہے۔

فائدہ: یاجوج وماجوج کے بارے میں ایک مشہور حدیث یہ ہے کہ وہ روزانہ سد سکندر کو کھودتے ہیں شام کو دیوار جب اتنی پتلی رہ جاتی ہے کہ سورج کی کرنیں نظر آنے کے قریب ہوجاتی ہیں تو ان کا سردار کہتا ہے کہ اب کام ختم کرو کل اس کام کو پورا کردیں گے مگر اگلے روز جب کام پر واپس آتے ہیں تو دیوار پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم پاتے ہیں پھر وہ کھودنا شروع کردیتے ہیں یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا تا آنکہ مقررہ مدت آجائے گی اور جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ وہ انسانی دنیا پر چھا جائیں تو ان کا سردار کہے گا اب واپس چلو کل انشاء اللہ اس کو کھود ڈالو گے چنانچہ دوسرے دن اسی حالت میں ملے گی، اور وہ اس کو کھود ڈالیں گے اور لوگوں پر نکل پڑیں گے الخ یہ روایت ابو ہریرہؓ کا مضمون ہے اور کعب احبار سے مروی روایت میں یہ ہے کہ وہ روزانہ دیوار چاٹتے رہتے ہیں (یلحسونه) اور یہی روایت لوگوں میں مشہور ہے کعب احبار کی روایت عام کتابوں میں نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ نے عبد بن حمید کی سند کا حوالہ دیا ہے کہ کعب احبار کی روایت اس میں ہے اور ابو ہریرہؓ کی حدیث ترمذی شریف، ابن ماجہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم وغیرہ کتابوں میں ہے اور سب کی ایک ہی سند ہے یعنی قتادہ عن ابی رافع عن ابی هریره عن رسول الله صلی الله علیه وسلم پھر قتادہ کے نیچے اس کی متعدد سندیں ہیں اس حدیث کی ایک دوسری سند عاصم عن ابی صالح عن ابی ہریرہ بھی ہے مگر یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے، یہ سند عبد بن حمید کی کتاب میں ہے **کما ذکره الحافظ.**

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو عام طور پر صحیح سمجھا جاتا ہے البانی نے بھی اس کو سلسلہ احادیث صحیحہ میں نمبر ۱۷۳۵ پر ذکر کیا ہے مگر ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر سخت تنقید کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند اگرچہ عمدہ ہے مگر آنحضرتؐ کی طرف اس کی نسبت غلط ہے سنده جيد ولكن متنهٗ فی رفعه نكارة نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ایک اسرائیلی کہانی کعب احبار سے بھی مروی ہے اور ابو ہریرہ اکثر کعب احبار کے پاس بیٹھا کرتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ ابو ہریرہ نے یہ مضمون کعب احبار سے سنا ہو اور ایک کہانی کے طور پر بیان کردیا ہو مگر نیچے کے کسی راوی نے غلط فہمی سے اس کو مرفوع کردیا ہو۔

اس کے علاوہ ابن کثیر نے درایۃً بھی اس پر دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے اور دوسرا یہ کہ یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے، تفصیل کے لئے ان کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں، مزید غور کیا جائے تو اس کی سند میں مندرجہ ذیل دو خرابیاں ہیں ۱ قتادہ مدلس ہیں حافظ فرماتے ہیں کہ ابن مردویہ کی روایت میں قتادہ اور ابو رافع کے درمیان ایک راوی کا واسطہ ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۳، ص ۱۰۹)

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ قتادہ نے ابو رافع سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ (قال ابو داؤد بذل المجهود ج ۲۰، ص ۱۲۸، بحوالہ ہدایت القرآن ملخصاً)

قال تعالی وتركنا بعضَهُم يومئذٍ يوم خروجهم يَمُوْجُ فِيْ بعضٍ يختلطُ به بكثرتهم وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اى القرن لِلْبعثِ فَجَمَعْنَاهُمْ اى الخلائقَ في مكان واحدٍ يوم القيمة جَمْعًا ۙ وَّعرضنا قَرَّبْنا جهنّم يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِيْنَ عَرْضًا ۙ اِلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ بدلٌ من الكافرين فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ اى القرآن فَهُمْ عُمْىٌ لايهتدون به وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ؕ اى لايقدرون ان يَسْمَعُوْا من النبي مايتلُوْا عليهم بُغضًا لهٗ فلايؤمنون به اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ يَّتَخِذُوْا عِبَادِيْ اى مَلَائِكَتِيْ وعيسى وعُزيرًا مِنْ دُوْنِيْ اَوْلِيَآءَ ؕ اَرْبَابًا مفعول ثان لِيَتَّخِذُوْا والمفعولُ الثاني لِحَسِبَ محذوف المعنى اَظَنُّوْا اَنَّ الإتخاذَ المذكورَ لايُغْضِبُنِيْ ولاأُعَاقِبُهُمْ عليه كَلَّا اِنَّا اَعْتَدْنَا جهنّم لِلْكَافِرِيْنَ هؤلاء وغيرهم نُزُلًا اى هى مُعدَّةٌ لَهُمْ كالنُّزُلِ المُعَدِّ للضَّيْفِ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا تمييزٌ طابقَ المُمَيَّزَ وَبَيَّنَهم بقوله اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بطلَ عَمَلُهم وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ يظنُّون اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا عَمَلًا يُجَازون عليه اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ بدَلائِل توحِيدِهِ من القُرانِ وغيرِهِ وَلِقَآئِهٖ اى وبالبعثِ والحساب والثواب والعقاب فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ بطَلَتْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا اى لانجعَلُ لهم قدرًا ذٰلِكَ اى الامرُ الذى ذكرتُ من حُبُوطِ اعمالِهم وغيره وابتداءٌ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْا اٰيَاتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا اى مَهزُوًّا بهما اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ فى عِلْمِ اللّٰهِ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ هو وَسَطُ الجنةِ واعلاها والإضافَةُ اليه لِلْبَيَانِ نُزُلًا ۙ مُنْزَلًا خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَايَبْغُوْنَ يَطْلُبُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا تحوُّلًا الى غيرها قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ اى ماؤُهٗ مِدَادًا هو ما يُكْتَبُ به لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ الدَّالَّةِ على حكمِه وعجائبه بِاَنْ تُكْتَبَ به لَنَفِدَ الْبَحْرُ فى كتابتها قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ بالتاء والياء تَفْرُغَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ اى البحرِ مَدَدًا زيادةً فِيهِ لَنَفِدَ وَلَمْ تَفْرُغْ هىَ ونصبُه على التمييز قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ آدميٌّ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ اَنَّ المَكْفُوْفَةُ بِمَا بَاقِيَةٌ على مصدريّتِها والمعنى يُوحٰى اِلَيَّ وَحْدَانِيَّةُ الإلٰهِ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا يَاْمُلُ لِقَآءَ رَبِّهٖ بِالبَعْثِ والجزاءِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَايُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اى فيها بان يُرائى اَحَدًا ۧ

ترجمہ

وقال تعالی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم ان کے خروج کے دن ان کو آپس میں موجیں مارتے ہوئے یعنی گڈمڈ

ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے ان کی کثرت کی وجہ سے اور صور یعنی سینگ میں پھونک ماردی جائے گی بعث کے لئے اور ہم سب کو یعنی پوری مخلوق کو قیامت کے دن اکٹھا کر کے جمع کریں گے اور اس دن ہم جہنم کو ان کافروں کے روبرو پیش کریں گے جن کی آنکھوں پر یہ الکافرین سے بدل واقع ہے میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا یعنی قرآن سے غافل تھے، یہ لوگ اندھے ہیں قرآن سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے اور وہ سن ہی نہیں سکتے تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعداوت کی وجہ سے ان کی باتوں کو سننا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے تو پھر ایمان لانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ تو کیا یہ کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ وہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو یعنی میرے فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو کارساز یعنی رب بنالیں گے، اولیاء، یتخذوا کا مفعول ثانی ہے اور حَسِبَ کا مفعول ثانی محذوف ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کیا یہ کافر اتخاذ مذکور کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات مجھے غضبناک نہیں کرے گی؟ اور یہ کہ میں اس بات پر ان کو سزا نہ دوں گا؟ ہرگز ایسا نہ ہوگا، ہم نے تو ان کافروں اور دوسرے کافروں کی ضیافت کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، جس طرح دنیا میں مہمانوں کے لئے مہمان خانے تیار کئے جاتے ہیں آپ ان سے دریافت کیجئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل نقصان میں ہیں؟ اعمالاً تمیز ہے ممیّز کے مطابق ہے، اور نقصان اٹھانے والوں کو اپنے قول الذین ضَلَّ سَعْیُهم فی الحیوۃ الدنیا سے بیان کیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کی کری کرائی محنت دنیا میں بیکار ہوگئی اور ضَلَّ سَعْیُهُمْ سے مراد بَطَلَ عَمَلُهُمْ ہے حال یہ ہے کہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں ایسے اعمال کر رہے ہیں کہ جن کا ان کو اجر دیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں یعنی قرآن وغیرہ کے دلائل توحید کا اور اس کے حضور پیشی یعنی بعث وحساب ثواب وعقاب کا انکار کیا چنانچہ ان کے تمام اعمال حبط (باطل) ہوگئے پس قیامت کے دن ہم ان کے لئے ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے یعنی ہم ان کے اعمال کی ذرا بھی قدر وقیمت نہیں کریں گے یہ یعنی وہ امور جن کا ذکر کیا گیا ہے بطلان عمل وغیرہ ذٰلک یعنی حبط اعمال وغیرہ جن کا ذکر ہوا، اور جزاء هم جملہ مستانفہ ہے ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ان کی جزا جہنم ہے اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا یعنی ان کا مذاق بنایا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے اللہ کے علم میں جنت فردوس کی ضیافت مہمانی ہے اور جنت الفردوس جنت کے بیچ میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور جنات الفردوس میں اضافت بیانیہ ہے اس جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہاں سے کسی اور جگہ کے لئے انتقال مکانی کی خواہش نہ کریں گے آپ فرمادیجئے اگر سمندر یعنی اس کا پانی روشنائی بن جائے جس سے لکھا جاتا ہے میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گو ہم اسی جیسا سمندر اس کی مدد میں لے آئیں تو بھی ختم ہو جائیں ینفد تا اور یاء کے ساتھ ہے یعنی اس سمندر میں اضافہ کر دیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے وہ سمندر ختم ہو جائیں اور میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں اور مدداً تمیز کی بناء پر منصوب ہے آپ فرمادیجئے کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں آدمی

ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے یہ کہ تم سب کا معبود صرف ایک معبود ہے اَنَّ جس پر ما کافہ داخل ہے وہ اپنی مصدریت پر باقی ہے آیت کے معنی یہ ہیں کہ میری طرف وحدانیت اللہ کی وحی کی جاتی ہے لہٰذا جو اپنے رب کی ملاقات کا آرزومند ہو امیدوار ہو بعث اور جزاء کے ذریعہ تو اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے بایں طور کہ عبادت میں ریاکاری نہ کرے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قال تعالٰی اس جملہ سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ ذوالقرنین کا کلام پورا ہوگیا اور اب و ترکنا سے اللہ تبارک وتعالٰی کا کلام شروع ہو رہا ہے **قولہ** یَوْمَئِذٍ کی تفسیر **یوم خروجھم** سے کرکے تعیین مراد کی طرف اشارہ کیا ہے، اس لئے کہ بعض مفسرین نے **یومئذٍ** سے وہ دن مراد لیا ہے جس دن ان کا راستہ بند کردیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ آپس میں لڑنے بھڑنے لگے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ **یومئذٍ** سے قرب قیامت قتل دجال کے بعد کا خروج مراد ہے، مفسر علام کے نزدیک چونکہ دوسرے معنی راجح ہیں اس لئے **یومئذ** کی تفسیر **یوم خروجھم** سے کرکے اپنے مختار مذہب کی طرف اشارہ کردیا اگرچہ محققین کے نزدیک راجح معنی اول ہیں **قولہ یَمُوْجُ** (ن) موجاً لہریں مارنا، موجوں کا اٹھنا **نفخ فی الصور** کی تفسیر **ای القرن للبعث** سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہاں نفخۂ ثانیہ مراد ہے اس لئے کہ نفخۂ اولیٰ تو کائنات کو فنا کرنے کے لئے ہوگا **فجمعنا** میں فاتعقیبیہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے **قولہ غطاء** اس کے معنی اگرچہ سرپوش کے ہیں مگر یہاں مرادی معنی غفلت کے ہیں **عرضنا** کی تفسیر **قرّبنا** سے کرنے کا مقصد **عرضنا** کے صلہ میں لام کو درست قرار دینا ہے ورنہ تو **عرضنا** کا صلہ علیٰ آتا ہے **کانوا** کا عطف **کانت** پر ہے پھر جملہ ہو کر **الکافرون** کی صفت ہے **الذین کفروا حَسِبَ** کا فاعل ہے **اَفَحَسِبَ** پر ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے **أکفروا فَحَسِبُوْا** اور یہ استفہام توبیخی ہے **قولہ اَنْ یتخذوا حَسِبَ** کا مفعول بہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے **عبادی یتخذوا** کا مفعول اول ہے اور اولیاء مفعول ثانی ہے اور **من دونی، عبادی** سے حال ہے **حَسِبَ** کا مفعول ثانی محذوف بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ شارح کا خیال ہے **قولہ اَعمالاً** تمیز ہے، جمع یا تو مشاکلت کے طور پر ہے یا انواع اعمال کا خیال کرتے ہوئے جمع لائی گئی ہے حالانکہ تمیز میں اصل افراد ہے **قولہ الذین** مع صلہ مبتداء محذوف کی خبر ہے **ای ھم الذین** یہ جملہ مستانفہ ہے اور **مَن ھم؟** کے جواب میں واقع ہے **الَّذِیْنَ، الاخسرِینَ** کی صفت، بدل، اور عطف بیان بھی ہوسکتا ہے **وھم یحسبون** جملہ **ضَلَّ** کے فاعل سے حال ہے **قولہ ذٰلک، ذٰلک** کے بعد **ای الامر الذی ذکرت** الخ کا اضافہ کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ **ذٰلکَ الامر** مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور دوسرا مقصد **ذٰلک** کے مشارالیہ کو متعین کرنا ہے **قولہ ذٰلک جزاء ھم** میں

ترکیب کے اعتبار سے چار احتمال ہیں ۱ ذلك مبتدا محذوف الامر کی خبر ای الامر ذلك اور جزاء هم مستقل جملہ ہے ۲ ذلك مبتداء اول اور جزاء هم مبتداء ثانی اور جهنم اس کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر خبر مبتداء اول کی اور عائد محذوف ہے ای جزاء هم به ۳ ذلك مبتداء مبدل منہ اور جزاء هم اس کا بدل یا عطف بیان بدل مبدل منہ یا مبین بیان سے مل کر مبتداء اور جہنم اس کی خبر ۴ ذلك مبتداء جزاء هم مبدل منہ اور جہنم اس کا بدل یا بیان، جملہ ہو کر مبتداء کی خبر **قوله** نُزُلاً کانت کی خبر ہے اور اگر لَهُمْ خبر مقدم ہو تو نزلاً حال ہوگا خالدین حال مقدرہ ہے لایبغون دوسرا حال ہے حِوَلاً حول سے اسم مصدر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا **قوله** لکلمات ربّی اس میں مضاف محذوف ہے ای لکتابة کلمات ربی **قوله** اَن تنفذ بتاویل مصدر ہو کر قبل کا مضاف الیہ ہے مَدَدًا تمیز ہے بمعنی زیادتی، اضافہ، اِنّما میں ما کافہ ہے جس نے اِنَّ کے عمل کو لفظوں میں روک دیا ہے، دونوں مل کر کلمہ حصر ہو گیا ہے، دونوں کا معنوی عمل باقی ہے اِنَّ کا عمل جملہ کی تاکید ہے اور اَنَّ جملہ کی تاکید کے ساتھ مابعد کو مفرد کی تاویل میں بھی کرتا ہے، ابن ہشام نحوی (متوفی ۷۶۱ھ) مغنی اللبیب ص ۵۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ اَنَّ اِنَّ کی فرع ہے اور اسی وجہ سے زمخشری کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اَنّما اِنّما کی طرح مفید حصر ہے اور مذکورہ دونوں کلمات حصر مذکورہ آیت میں جمع ہو گئے ہیں پہلا کلمہ صفت کو موصوف پر حصر کرنے کے لئے ہے اور دوسرا برعکس ہے اِنّما اَنا بَشَرٌ مثلکُمْ میں مخاطبین جیسی بشریت (صفت) مقصور ہے اور اَنا موصوف مقصور علیہ ہے اور اَنّما اِلٰهکم اِلٰهٌ وَاحِدٌ میں معبود برحق (موصوف) مقصور ہے اور وحدانیت (صفت) مقصور علیہ ہے، بس اب جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میں تو بس تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں اللہ کی ساری باتیں نہیں جانتا جیسا کہ تم نہیں جانتے ہو، صرف وہی باتیں جانتا ہوں جو میری طرف بذریعہ وحی بھیجی جاتی ہیں، اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ معبود برحق میں صرف وحدانیت کی صفت ہے تعدد کی صفت نہیں جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے مثلکم، بشر کی صفت ہے اور اَنّما اِلٰهکم بتاویل مفرد ہو کر یوحٰی کا نائب فاعل ہے لِیَعْمَلْ امر غائب کا صیغہ ہے **قوله** ولقاءِہٖ ای بالبعثِ والحسابِ والثوابِ مفسر علام نے لقاءِہٖ کی تفسیر مذکورہ کلمات سے کرکے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ لقاء کے معنی وصول اور اتصال کے ہیں اور یہ معنی خدا کے لئے محال ہیں اس لئے کہ وصول واتصال جسمانیات کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے لہٰذا مفسر علام نے لقاء کی تفسیر بعث والحساب وغیرہ کلمات سے کر دی **قوله** لانجعل لهُمْ قدرًا سے فلا نقیم لهم وزنًا کی تفسیر کرکے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ دوسری آیت میں سب کے اعمال کے وزن کرنے کا ذکر ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں وزن نہ کرنے سے مراد ان کے اعمال کی قدر و قیمت نہ کرنا ہے، اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے بعض حضرات نے وزنًا کے بعد نافعاً صفت محذوف مانی ہے یعنی وزن تو ہوگا مگر نافع نہ ہوگا **قوله** وابتداً کا اضافہ کرکے مفسر علام نے

اشارہ کیا ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی جزاء ھم مبتداء اور جہنم اس کی خبر اس کا عکس بھی درست ہے، **قولہ** مَھزُوًا . هُزُوًا کی تفسیر مُھزُوًا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے **قولہ فی علم اللّٰہ** کے اضافہ سے اُس سوال کا جواب مقصود ہے کہ جنت میں دخول زمانۂ مستقبل میں ہوگا، یہاں کانت ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت ہو چکا ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی اور واقعی دخول تو زمانۂ مستقبل ہی میں ہوگا مگر علم ازلی کے اعتبار سے ان کا دخول ہو چکا **قولہ** ماءہ سے اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے **قولہ** لَنَفِدَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ لَوْ شرطیہ ہے اور اس کا جواب لَنَفِدَ ہے **قولہ** لَمْ تفرغ کے اضافہ سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے سوال یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلماتِ رب بھی ختم ہو جائیں گے اگر چہ وہ سمندروں کے ختم ہونے کے بعد ہی ختم ہوں، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قبل بمعنی غیر ہے۔

تفسیر وتشریح

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوْجُ فِي بَعْضٍ الخ یومئذ سے اگر چہ دیگر مفسرین نے یوم السد مراد لیا ہے، مگر چونکہ مفسرؒ نے قرب قیامت سے یوم خروج مراد لیا ہے، لہٰذا اسی کے مطابق تشریح کی جاتی ہے۔

بعضہم کی ضمیر میں بظاہر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کی طرف راجع ہے اور اس آیت میں جوان کا حال بیان ہوا ہے وہ اس دن کی حالت کا بیان ہے جس روز ان کا راستہ کھلے گا ان کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ وہ جلد بازی میں پہاڑیوں کی بلندیوں سے اتریں گے اور کثرت تعداد اور جلد بازی کی وجہ سے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے معلوم ہوں گے جس طرح مضطرب اور متلاطم موجیں ایک دوسرے پر چڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور جمعنھم میں ھم ضمیر عام مخلوق جن وانس کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں تمام مکلف مخلوق خواہ جن ہوں یا انس سب کو جمع کیا جائے گا، اور صور سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے، اور اس دن جہنم کو ان کافروں کے روبرو پیش کیا جائیگا جن کی آنکھوں اور کانوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا کہ وہ دنیا میں اللہ کی یاد سے غافل رہے تھے اور ان کے کان اللہ کی باتوں سے بہرے تھے۔

مذکورہ آیات کے متعلق امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق

علامہ کی رائے میں وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يموجُ فِي بعضٍ میں اللہ تعالیٰ نے جو حالت یاجوج ماجوج کی بیان فرمائی ہے وہ قرب قیامت ان کے خروج کی نہیں ہے بلکہ یہ اس حالت کا بیان ہے جو ان کا راستہ بند کرنے کے بعد ہوئی یعنی جب ان کا راستہ مسدود ہو گیا تو وہ قومیں آپس ہی میں جنگ و پیکار میں مشغول ہو گئیں اور ان کی کثرت کا یہ حال

تھا کہ جب ان کی باہم جنگ ہوتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہو، مذکورہ آیت کا سد سکندری کی شکست وریخت نیز قرب قیامت میں ان کے خروج سے کوئی تعلق نہیں ہے علامہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام ص ۲۰۱ پر جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ هٰذا رَحمةٌ مِن رَّبِی فَإذَا جاءَ وعدُ رَبِّ جَعَلَهٗ دَكَّاءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّ حَقًّا ذوالقرنین کا اپنا قول ہے اور کوئی قرینہ سیاق وسباق میں ایسا موجود نہیں ہے جس سے دیوار کے ٹوٹنے کو علامات قیامت شمار کیا جائے اور شاید ذوالقرنین کو یہ معلوم بھی نہ ہو کہ اشراط قیامت میں خروج یاجوج وماجوج بھی ہے انہوں نے وَعْدُ رَبِّی سے صرف اس کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا مراد لیا ہے پس اس صورت میں أرادَ باری تعالیٰ وتركنا بَعْضَهم يومئذ يموج فی بعض استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے یعنی برابر ایسا ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کا وقت آجائے گا، ہاں البتہ وہ ارشاد جو سورۂ انبیاء میں وارد ہوا ہے حَتّٰی اذا فُتِحَتْ یاجُوجُ وماجوج وهُمْ مِن كُلِّ حَدَبٍ ينسلون تو یہ بات بلاشبہ علامات قیامت میں سے ہے مگر اس میں دیوار کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے پس اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے، یعنی سورۃ الانبیاء میں فتح سے عروج وخروج مراد ہے دیوار کا ٹوٹنا یاجوج وماجوج کا نکلنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت میں دیوار کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ (ہدایت القرآن)

ابن خلدون کی رائے

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح بیان فرمائی ہے:

''ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قبچاق اور چرکس کہلاتے ہیں اور مشرق کی جانب یاجوج وماجوج کی آبادیاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتی کہ ساتویں اقیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری ہے اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط میں سد سکندری جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں واقع ہے اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے اور عبداللہ بن خرداذبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں

اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے، چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلاّم ترجمان کو روانہ کیا اس نے واپس آ کر اسی سد کے حالات اور اوصاف بیان کئے"۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۹۷، بحوالہ معارف القرآن)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ تحقیق و درایت کے اعلیٰ معیار پر ہے آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت و تاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں بہت سی جگہوں پر دیواریں بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں، ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے، جس کا طول ابوحیان اندلسی نے جو کہ دربار ایران کا شاہی مؤرخ ہے نے بارہ سو میل بتایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کی بنانے کی تاریخ ہبوطِ آدم علیہ السلام کے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی جاتی ہے اور فرمایا کہ اسی طرح کی متعدد دیواریں مختلف مقامات پر بنائی گئی ہیں۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سہواری نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت علامہ کشمیریؒ کے بیان کی توضیح بڑی تفصیل سے کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

"یاجوج وماجوج کی تاخت و تاراج اور شر و فساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کاکیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم و ستم کا شکار رہتے تو دوسری جانب تبت چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے، انہی یاجوج وماجوج شر و فساد سے بچنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سد کی تعمیر کی گئی، ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے جائے وقوع کا نام دربند ہے، یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے خاص ہمنشین سیلابرجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلافچو نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گذرا ہے، لکھتا ہے باب الحدید کی سد موصل کے اس راستہ پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان ہے"۔ (از تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ص ۱۹۸/ ج ۹، بحوالہ معارف القرآن)

تیسری سد روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے، یعقوب حموی نے معجم البلدان میں اور ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

"داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے اس کا عرض البلد ۴۳.۳ شمالاً اور طول البلد ۴۸.۱۵ شرقاً ہے اور اس کو دربند نوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الابواب کے نام سے بھی بہت

مشہور ہے''۔

چوتھی سد اسی باب الابواب سے **مغرب کی جانب** کا کیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درہ درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اس جگہ پر چوتھی سد جو قفقاز یا جبل قوقا یا کوہ کاف کی سد کہلاتی ہے، بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے اور اسی کے قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہوسکا بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کردی ہے اور بعض نے کسریٰ اور نوشیرواں کی طرف اور یاقوت کہتا ہے کہ تانبا پگھلا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے۔ (دائرۃ المعارف ۵۶۱ معجم البلدان جلد ۹/۸)

چونکہ دیواریں شمال ہی میں ہیں اور ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ان میں سد ذوالقرنین کونسی ہے اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں اور بڑا اختلاط ان آخری سدوں کے بارے میں پیش آیا ہے کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی دربند ہے اور دونوں جگہ سد بھی موجود ہے مذکورۃ الصدر چار سدوں میں سے دیوار چین جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ مشہور ہے اور قدیم ہے اس کے متعلق تو سد سکندر ہونے کا کوئی قائل نہیں اور بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال میں ہیں ان میں سے عام طور پر مؤرخین مسعودی، اصطخری، حموی وغیرہ اس دیوار کو سد سکندری بتاتے ہیں جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ باب الابواب کے دربند میں بحر خزر پر واقع ہے، بخارا اور ترمذ کے دربند اور اس کی دیوار کو جن مؤرخین نے سد سکندری کہا ہے وہ غالباً لفظ دربند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے اب تقریباً اس کا محل وقوع متعین ہوگیا ہے کہ علاقہ داغستان کاکیشیا کے دربند باب الابواب میں یا اس سے اوپر جبل القفقاز یا کوہ کاف کی بلندی پر ہے اور ان دونوں جگہوں پر سد کا ہونا مؤرخین کے نزدیک ثابت ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت العلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۷ میں کوہ قاف کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ سد ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔

سد ذوالقرنین اس وقت تک باقی ہے، اور قیامت تک رہے گی، یا وہ ٹوٹ چکی؟

آج کل تاریخ وجغرافیہ کے ماہرین اہل یورپ، اس وقت ان شمالی دیواروں میں سے کسی کا موجود ہونا تسلیم نہیں کرتے اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہے اس بنا پر بعض اہل اسلام مؤرخین نے بھی لکھنا شروع کردیا ہے کہ یاجوج ماجوج جن کے خروج کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے وہ ہوچکا ہے، بعض نے چھٹی صدی ہجری میں طوفان بن کر اٹھنے والی قوم تاتاری کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، بعض نے اس زمانہ میں دنیا پر غالب آجانے

والی قوموں روس اور چین اور یورپ کو یاجوج ماجوج کہہ کر اس معاملہ کو ختم کر دیا ہے، مگر یہ سراسر غلط ہے اور احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یاجوج ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا ہے اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد پیش آئے گا اور اور خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات قرآن کی نص صریح کے خلاف نہیں ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو اور یاجوج و ماجوج کی بعض قومیں اس طرف آ چکی ہوں بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا ہلہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہوگا وہ ابھی تک نہیں ہوا بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہوگا جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے یعنی خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام۔

علامہ کشمیریؒ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں کہیں اس دیوار کا پتہ نہیں لگا کیونکہ اول تو خود انہی لوگوں کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ سیاحت اور تحقیق انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا، دوسرے یہ احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کر چکی ہو لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی منافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے یا کسی دور دراز کے طویل راستہ سے یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آ سکیں۔

اس سد ذوالقرنین کے تا قیامت باقی رہنے پر بڑا استدلال تو قرآن کریم کے اس لفظ سے کیا جاتا ہے کہ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهٗ دَكَّآءَ یعنی ذوالقرنین کا یہ قول کہ جب میرے رب کا وعدہ آ پہنچے گا (یعنی خروج یاجوج ماجوج کا وقت آئے گا) تو اللہ تعالیٰ اس آہنی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیں گے اس آیت میں وَعْدُ رَبِّي کا مفہوم ان حضرات نے قیامت کو قرار دیا ہے حالانکہ قرآن کے الفاظ اس بارے میں قطعی نہیں ہیں کیونکہ وعد ربی کا صریح مفہوم تو یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام ذوالقرنین نے کیا تھا یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح موجود رہے جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ ان کا راستہ کھل جائے تو یہ دیوار منہدم اور مسمار ہو جائے گی اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بالکل قیامت کے متصل ہو چنانچہ تمام حضرات مفسرین وَعْدُ رَبِّي کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کرتے ہیں، تفسیر بحر محیط میں ہے "وَالْوَعْدُ يَحْتَمِلُ اَنْ يُّرَادَ بِهٖ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَاَنْ يُّرَادَ بِهٖ وَقْتُ خُرُوْجِ يَاجوجَ وماجوجَ"

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ شَآءَ (الی) وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا۔

آپ فرما دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس جو شخص اپنے پروردگار کی ملاقات کا آرزومند ہے اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے یعنی میں صاف اعلان کرتا ہوں کہ میں تمام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں کوئی فرشتہ یا غیبی مخلوق نہیں ہوں اور نہ خدائی صفت کا حامل ہوں اگر تمہارے سوالوں کا جواب میں نے حسب وعدہ دوسرے دن نہ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں وحی سے بتاتا ہوں اور وحی میرے اختیار کی چیز نہیں ہے اور میرے پاس سب سے اہم وحی یہ آئی ہے کہ تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا اور بے ہمتا ہے تعدد اور شرکت کا اس کی بارگاہ میں کوئی گذر نہیں ہے آخرت کی کامیابی خالص توحید اور عمل صالح پر موقوف ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح اختیار کرے اور عبادتوں کو شائبۂ شرک سے بھی بچائے۔

فائدہ: اس آیت میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر ہیں یعنی اپنی نوع کے اعتبار سے انسان ہیں، اور وہ بھی تم ہی جیسے یعنی ماہیت اور لوازم ماہیت میں آپ بھی جملہ انسانوں کی طرح ہیں البتہ اوصاف وکمالات میں آپ کا کوئی ثانی اور مثیل نہیں ہے، اس لئے آپ کا بشر ہونا آپ کے لئے طرۂ افتخار ہے جیسا کہ عبدیت آپ کا سب سے اشرف وصف ہے بلکہ آپ کے بشر ہونے پر خود بشریت رشک ملائکہ ہے لہٰذا جو شخص رسول اللہ کو بشر اور انسان نہیں مانتا اور بلا تاویل صاف انکار کرتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کی صریح نص کا منکر ہے۔

فائدہ: سیرت کی بعض کتابوں میں جو لکھا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا ہے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا اور آپ پر دھوپ بھی پڑتی تھی، مسند احمد کی ایک روایت سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ ہونا ثابت ہے یہ روایت مسند احمد بن حنبل میں تین جگہ آئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت صفیہؓ کی سواری ہلاک ہوگئی آپ نے حضرت زینبؓ سے فرمایا تمہارے پاس ایک سواری زائد ہے صفیہ کو دیدو، انہوں نے انکار کر دیا اور ان کے منہ سے حضرت صفیہ کے لئے ایک سخت بات نکل گئی آپ حضرت زینب سے ناراض ہوگئے اور تقریباً تین ماہ ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے تا آنکہ وہ مایوس ہوگئیں، جب ماہ ربیع الاول شروع ہوگیا تو آپ حضرت زینب کے پاس تشریف لائے تو حضرت زینب نے آپ کا سایہ دیکھا اور دل میں سوچنے لگیں کہ یہ کسی آدمی کا سایہ معلوم ہوتا ہے اور نبی کریم تو میرے پاس تشریف لاتے نہیں پھر یہ سایہ کس کا ہوسکتا ہے؟ وہ یہ سوچ ہی رہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں داخل ہوئے الخ۔

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ آپ کا سایہ تھا اور وہ زمین پر پڑتا بھی تھا۔

فائدہ: آخری آیت میں جس شرک کی ممانعت فرمائی گئی ہے وہ عام ہے خواہ شرک جلی ہو یا خفی، شرک جلی وہ ہے جو مشرکین کیا کرتے تھے اور شرک خفی ریا ونمود کا نام ہے اور جس طرح شرک جلی سے عمل باطل ہو جاتا ہے ریا کاری بھی

عمل کو خراب کر دیتی ہے کوئی عمل جو دنیوی غرض کے لئے کیا گیا ہو اور شہرت وجاہ اس سے مطلوب ہو اور لوگوں کو سنانے اور دکھانے کے لئے کیا گیا ہو وہ مقبول نہیں ہے ایسا عمل آخرت میں وبال جان بن جائے گا، یہ مضمون بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے۔

فائدہ: اخلاص اور ریا کے اعتبار سے عمل کے چار درجہ ہیں:

۱۔ از ابتداء تا انتہا عمل خالص اللہ کے لئے ہو اور عمل پورا ہونے کے بعد بھی اس کا کسی کو پتہ نہ چلے، یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا عمل ہے قیامت کے روز جبکہ عرش کے سایہ کے علاوہ کہیں سایہ نہ ہوگا ایسے مخلص کو اللہ تعالیٰ سایہ عطا فرمائیں گے۔

۲۔ از ابتداء تا انتہا محض ریا اور نمود کے لئے ہو ایسا عمل بے فائدہ اور ضائع بلکہ وبال جان ہوگا، حدیث شریف میں ایسے تین آدمیوں کا حال بیان کیا گیا ہے جن کو قیامت کے دن سب سے پہلے فیصلہ سنایا جائے گا ایک شہید دوسرا قاری تیسرا بڑا دولت مند تفصیل مسلم شریف اور ترمذی میں دیکھئے۔

۳۔ عمل شروع تو اخلاص سے ہوا ہو مگر پورا ہونے سے پہلے اس میں ریا ونمود شامل ہو گیا ہو یہ ریا بھی عمل کو ضائع کر دیتی ہے۔

۴۔ پورا عمل از اول تا آخر اخلاص پر مبنی ہو اور عمل پورا ہونے کے بعد نہ اس نے ظاہر کیا ہو اور نہ اس کی خواہش کی ہو مگر کسی وجہ سے خود بخود اس کے عمل کی شہرت ہو گئی اور لوگ تعریف کرنے لگے اور اس کو وہ تعریف اچھی معلوم ہونے لگی یہ بات عمل کے لئے مضر نہیں۔

تمت سورة الكهف بعونه تعالىٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ مریم

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا سِجْدَتَهَا فَمَدَنِيَّةٌ اَوْ اِلَّا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِم خَلْفٌ الْآيَتَيْنِ فَمَدَنِيَّتَانِ وهى ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وتِسْعُوْنَ آيَةً.

سورۂ مریم مکی ہے مگر آیت سجدہ مدنی ہے، یا فَخَلَفَ من بعدهم خلف دو آیتیں مدنی ہیں اور یہ کل ۹۸ یا ۹۹ آیتیں ہیں۔

توضیح: سورۂ مریم کے مکی یا مدنی ہونے میں تین قول ہیں ۱ پوری سورت مکی ہے ۲ وہ آیت جس میں سجدہ ہے مدنی ہے ۳ فخلفَ من بعدهم دو آیتیں مدنی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كٓهٰيٰعٓصٓ: اللّٰه اعلم بمراده بذلك هٰذا ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ مفعول رحمة زَكَرِيَّا ۚ بيان له اِذْ مُتعلِّق برحمة نادى رَبَّهٗ نِدَآءً مُشْتَمِلًا عَلٰى دُعاء خَفِيًّا ۞ سِرًّا جوفَ الليل لانه اَسْرَعُ للاجابة قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ ضَعُفَ الْعَظْمُ جميعُه مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ منى شَيْبًا تمييزٌ مُحَوَّلٌ عن الفاعل اى اِنْتَشَرَ الشيب فى شعره كما يَنْتَشِرُ شُعَاعُ النارِ فى الحَطَب وانى اُرِيْدُ ان اَدْعُوَكَ وَلَمْ اَكُنْ ۢ بِدُعَآئِكَ اى بدُعائى اِيَّاكَ رَبِّ شَقِيًّا ۞ اى خائبًا فيما مَضٰى فلا تُخَيِّبْنِى فيما ياتى وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ اى الذين يَلُوْنَنِى فى النَّسَبِ كَبَنِى العَمِّ مِنْ وَّرَآءِيْ بَعْدَ موتى على الدِّين اَنْ يُضيعوه كما شاهَدْتُه فى بنى اسرائيل من تبديل الدين وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا لاتلِدُ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ من عِنْدِكَ وَلِيًّا ۙ اِبنًا يَّرِثُنِيْ بالجزم جواب الامر وبالرَّفع صِفَةٌ وليا وَيَرِثُ بالوَجْهَيْنِ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ جَدِّىْ العلم والنبوة وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۞ اى مَرْضِيًّا عندك قال تعالٰى فى اجابة طلَبه الابنَ الحاصلَ بها رحمةً.

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے کهیعص اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی خوب جانتا ہے یہ (متلو) اپنے بندے زکریا پر تیرے رب کی رحمت کا تذکرہ ہے عبدہٗ رحمت کا مفعول ہے زکریا، عبدہ کا بیان ہے جبکہ اس نے اپنے رب کو مخفی طور پر پکارا اِذْ رحمةً سے متعلق ہے، یعنی ایسا پکارنا کہ جو راز داری پر مشتمل تھا

رات کے درمیانی حصہ میں اس لئے کہ یہ (طریقہ) سریع القبول ہے عرض کیا اے میرے پروردگار میری تمام ہڈیاں کمزور ہوگئیں ہیں اور میرے سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی ہے شیبًا فاعل سے منقول ہو کر تمیز ہے یعنی جس طرح لکڑیوں میں آگ پھیل جاتی ہے اسی طرح سفیدی میرے سر کے بالوں میں پھیل گئی (اس کے باوجود) میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں (اور اس سے قبل بھی) میں آپ سے اے میرے رب درخواست کر کے کبھی محروم نہیں رہا ہوں یعنی میں آپ سے اپنی دعاء میں زمانہ گذشتہ میں بھی (ناکام نہیں رہا ہوں) لہٰذا آئندہ بھی مجھے محروم نہ فرمائیں اور مجھے میرے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے یعنی ان لوگوں کی طرف سے کہ جو میرے نسبی رشتہ دار ہیں جیسا کہ چچا زاد بھائی وغیرہ دین کے معاملہ میں اندیشہ ہے کہ میرے بعد یعنی میرے مرنے کے بعد دین کو ضائع کر دیں گے جیسے کہ میں بنی اسرائیل میں مشاہدہ کر چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے جس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی سو (اس صورت میں) آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے یعنی اپنی خصوصی رحمت سے (اسباب عادیہ کے مفقود ہونے کے باوجود) ایک وارث یعنی ایسا بیٹا دیدیجئے جو میرا اور میرے دادا یعقوب کے خاندان کے علم و نبوت کا وارث بنے یرثُنی میں جواب امر ہونے کی وجہ سے جزم اور (جملہ ہو کر) ولیًا کی صفت ہونے کی وجہ سے رفع ہے اور یرثُ میں بھی مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور اے میرے پروردگار اس کو پسندیدہ یعنی اپنے نزدیک مقبول بنا دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے اجابت دعاء کی وجہ سے بطور رحمت حاصل ہونے والے بیٹے کی درخواست کے جواب میں فرمایا یا زکریا الخ

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ کھیٰعص یہ متشابہات میں سے ہے جس کا واقعی علم اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے بندوں کے لئے اس کی تفتیش و جستجو بھی اچھی نہیں بعض اسلاف نے اس کی مراد بیان کی ہے، مگر وہ تخمینی ہے نہ کہ تحقیقی ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے اور قتادہؒ نے فرمایا یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے وغیرہ وغیرہ ذِکرُ رحمتِ ربِّكَ عبدَهٗ، عبدَهٗ رحمت کا مفعول بہ ہے اور بعض حضرات نے ذکرُ کا مفعول بہ کہا ہے زکریا عبدَهٗ سے بدل یا عطف بیان ہے ذِکرُ رحمةِ میں ذکر مصدر اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے اور مصدر کا فاعل محذوف ہے ای ذکر اللّٰه رحمتهٗ اور رحمة مصدر کی اضافت رب کی جانب مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور جملہ ہو کر ھذا مبتدا محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے ھذا محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے ای ھذا المتلو ذکر رحمة ربك اور ایک ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ذکرُ رَحمَةِ ربِّكَ الخ مبتداء ہے اور اس کی خبر مقدم محذوف ہے ای فیما یُتلیٰ علَیكَ ذکرُ رحمةِ ربِّكَ اور ذکر رحمت کا مطلب رحمت کا معاملہ کرنا ہے نہ وہ ذکر جو نسیان کے مقابلہ میں ہے اِذْ نادیٰ، رحمة کا ظرف ہے اور بعض حضرات نے ذکرٌ کا ظرف قرار دیا ہے

مفسر علام نے اِذْ کے بعد متعلّقٌ بِرَحْمَةِ کے اضافہ سے یہ بتادیا کہ اِذْ نادیٰ اگرچہ ذکر کا بھی ظرف ہوسکتا ہے مگر مفسر کے نزدیک رحمة کا ظرف بنانا بہتر ہے ای رحمة اللّٰهِ اِیَّاهُ وقتَ اَنْ ناداهُ **قوله** وَهَنَ (س ض) وَهْنًا کمزور ہونا، ضعیف ہونا، حضرت زکریا علیہ السلام نے وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ فرمایا حالانکہ وَهَنَ عظمی زیادہ مختصر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب: وَهَنَ العظم منی میں تفصیل بعد الاجمال ہے اس لئے کہ العظم منی جنسیۃ مقصودہ پر واضح الدلالۃ ہے، اس لئے کہ وَهَنَ العظم مطلق ہے جس میں حضرت زکریا اور ان کے غیر کی ہڈیاں شامل ہیں منی کہہ کر خود کو دوبارہ شامل کرلیا اس طرح مِنّی، العظم کی تاکید ہوئی (روح) **قوله** قال رَبِّی یہ جملہ نادی رَبَّهٗ کی تفسیر ہے، العظم میں الف لام استغراق جنسی کے لئے ہے مراد تمام ہڈیاں ہیں، العظم کو مفرد لایا گیا ہے نہ کہ جمع اس لئے کہ جمع کا اطلاق اس صورت میں بھی درست ہے جبکہ بعض ہڈیاں کمزور ہوگئیں ہوں **قوله** اشتعال اصل میں اِنتشارُ شُعاع النارِ فی الحطب کو کہتے ہیں، شیبًا بوجہ تمیز منصوب ہے اور فاعل سے منقول ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنتشر الشیبُ فی شعرہٖ (ض) شیبًا بوڑھا ہونا، بالوں کا سفید ہونا بعض حضرات نے شیبًا کو مصدریت کی وجہ سے منصوب کہا ہے، بایں طور کہ اِشتَعَلَ الرأسُ شَابَ کے معنی میں ہے لہٰذا اب عبارت ہوگی شابَ شیبًا اور بعض حضرات نے حال ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے اور شیبًا بمعنی شائبًا کہا ہے (روح) مگر یہ دونوں قول مرجوح ہیں راس کے بعد مِنّی کو ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے ترک کردیا **قوله** الموالی جمع مولی، قریبی رشتہ دار، بنی عم وغیرہ عاقرًا بانجھ عاقر کے آخر سے ۃ حذف کردی گئی ہے جیسا کہ حائض سے، حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا نام اشاع بنت فاقور ہے اور اِشاع کی بہن کا نام حنہ ہے اِشاع کے یحیٰی پیدا ہوئے اور حنہ کے مریم اور مریم کے عیسیٰ علیہ السلام، اس طرح عیسیٰ علیہ السلام یحیٰی کے خالہ زاد بھانجے ہوئے **قوله** رَضِیًّا مصدر بمعنی مفعول پسندیدہ **قوله** بدعائك کی تفسیر بدعائی سے کرکے اشارہ کردیا کہ دعاء مصدر ہے اور اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے اور اس کا فاعل ی ضمیر متکلم محذوف ہے **قوله** العلم والنبوة سے اشارہ کردیا کہ انبیاء کی میراث علم ہے نہ کہ مال و دولت۔

تفسیر وتشریح

نداءً خفیًّا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء آہستہ اور خفیہ طور پر کرنا افضل ہے حضرت سعد بن وقاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ خیرَ الذکر الخفی وخیرُ الرزق ما یکفی یعنی بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہوجائے (ضرورت سے نہ گھٹے اور نہ بڑھے) ذکر خفی کے افضل ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ذکر خفی میں تضرع وانابت اور خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے، ریا ونمود سے دور ہوتا ہے حضرت زکریا علیہ السلام کے خفیہ طور پر بیٹے کی دعاء میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ لوگ ان کو بے وقوف قرار نہ دیں کہ بڈھا اب بڑھاپے میں اولاد

مانگ رہا ہے جبکہ اولاد کے ظاہری تمام امکانات ختم ہو چکے ہیں۔

اِنِّی وَهَنَ العَظْمُ مِنِّی الخ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ہڈیوں کی کمزوری کا ذکر فرمایا ہے اس لئے کہ ہڈیاں ہی عمود بدن ہوتی ہیں جب ہڈیاں ہی کمزور ہو گئیں تو بقیہ چیزوں کے کمزور نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دعاء میں اپنی حاجت مندی کا اظہار مستحب ہے

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعاء سے پہلے اپنی کمزوری اور ضعف کا ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرتے وقت اپنی بدحالی نیز ضعف اور کمزوری نیز حاجت مندی کا ذکر کرنا قبولیت کے لئے اقرب ہے اسی لئے علماء نے فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی حاجت مندی کا ذکر ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے اپنے ضعف اور کمزوری کا ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اولاد پیدا ہونے کے تمام ظاہری اسباب مفقود ہیں اب تو ہم دونوں بوڑھے ہو چکے ہیں جب دونوں جوان تھے اور اولاد کے ظاہری اسباب بھی موجود تھے اس وقت کچھ نہ ہوا تو اب تو ظاہری اسباب بھی مفقود ہو چکے ہیں، اس بات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ میں آپ سے اولاد کی دعا نہ کروں مگر چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے قریبی عزیز وقریب دین پر قائم نہ رہ سکیں خود ہی گمراہ ہو جائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں، اس ضرورت اور مصلحت کی وجہ سے ظاہری اسباب نہ ہونے کے باوجود میں آپ سے ایک بیٹے کی درخواست کرتا ہوں کہ جو میرے اور خاندان یعقوبؑ کے علمی اور نبوی ورثہ کا وارث ہو سکے۔

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا اور میرا پورا سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے اس سے بھی ضعف و کبر سنی کا اظہار مقصود ہے، بالوں کی سفیدی کو آگ کی روشنی سے تشبیہ دے کر اس کا پورے سر پر پھیل جانا مقصود ہے۔

البلاغة

۱ اَلْكِنَايَة (وَهَنَ العظم منى) كناية عن ذهاب القوة وضعف الجسم ۲ الإستعارة (اشتعل الرأس شيبًا) شَبَّهَ اِنتشارَ الشيب وكثرته باشتعال النار فى الحطب واستعير الاشتعال للانتشار واشتق منه اِشْتَعَلَ بمعنى اِنْتَشَرَ ففيه استعارة تَبَعِيَّةٌ.

يرثنى وَيَرِث مِنْ ءَالِ يعقوب الخ باتفاق جمہور علماء اس آیت میں وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں ہے قال البيضاوى المراد وِرَاثة الشرع والعلم فإن الانبياء لايورثون المال ۲/۱۴، اول حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس کوئی بڑی دولت ہونا ثابت نہیں کہ جس کی فکر ہو کہ اس کا وارث کون ہوگا؟ اور ایک پیغمبر کی شان سے بھی

ایسی فکر کرنا بعید ہے اس کے علاوہ وہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے:

العلماءُ ورثةُ الانبیاءِ وانَّ الانْبیاءَ لم یُوَرِّثُوْا دِینارًا ولاَ دِرْهَمًا اِنّما ورّثوا العِلمَ فمن اَخذَه اَخذَ بحظٍّ وافرٍ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ والترمذی)

''بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے جس نے علم حاصل کرلیا اس نے بڑی دولت حاصل کرلی''

یہ حدیث کلینی کی اصول کافی وغیرہ میں بھی موجود ہے اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا نُوَرِّثُ وَمَا نُوَرِّثُ صَدَقَةٌ

ہم انبیاء کی مالی وراثت کسی کو نہیں ملتی ہم جو مال چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور خود اس آیت میں یَرِثُنِیْ کے بعد وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ کا اضافہ اس کی دلیل ہے کہ وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں ہے کیوں کہ جس لڑکے کی پیدائش کی دعا کی جارہی ہے اس کا آل یعقوب کے لئے مالی وارث بننا بظاہر ممکن نہیں اس لئے کہ آل یعقوب کے ورثاء ان کے عصبات قریبہ ہوں گے اور وہ وہی موالی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے وہ بلاشبہ قرابت اور عصوبت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اقرب ہیں اقرب کے ہوتے ہوئے عصبہ بعید کو وراثت ملنا اصول وراثت کے خلاف ہے۔

روح المعانی میں کتب شیعہ سے یہ نقل کیا گیا ہے:

رَوَى الكلینی فی الكافی عن ابی البختری عن ابی عبدالله قال اِنّ سلیمان وَرِثَ داؤد وان محمدًا صلی الله علیه وسلم ورِث سلیمانَ.

سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی مالی وراثت ملنے کا کوئی احتمال وامکان ہی نہیں اس سے مراد علوم نبوت کی وراثت ہے اس سے معلوم ہوا کہ وَرِثَ سلیمان داؤد میں بھی وراثت مالی مراد نہیں وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا اے پروردگار تو اس کو اپنے نزدیک مقبول اور پسندیدہ بنا اس سے معلوم ہوا کہ والدین کو اپنے بچوں کے لئے نیک صالح خوش اخلاق وخوش اطوار بننے کی دعاء کرنا طریقہ انبیاء ہے۔

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا یَرِثُنِیْ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہونے والا لڑکا حضرت زکریاؑ کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے اور اس لئے کہ وارث بننے کا عام طور پر یہی مطلب ہوتا ہے حالانکہ تاریخی روایات سے

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی زندگی ہی میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

فوائد: لے بقاء عام ہے بقاءِ ذات اور بقاءِ آثار کو لہٰذا اگر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ذات باقی نہیں رہی تو ان کے آثار باقی رہے ۲ یا فاستجبنا دعاء کے بعض اجزاء کے اعتبار سے ہے ۳ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قصہ قتل کی تقدیم ثابت نہ ہو۔ (بیان القرآن)

یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ یرث کما سألت اِسْمُهٗ یَحْیٰی لم نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا اى مسمّٰى بيحيٰى قَالَ رَبِّ اَنّٰى كيف يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا من عَتَا يَبِسَ اى نهايةَ السّن مائةً وعشرين سنة وبلغتْ امراتى ثمانى وتسعين سنة واصل عِتِیٌّ عُتُوٌّ وكُسِرَتْ التاء تخفيفًا وقُلِبَتْ الواو الاولى ياءً لِمُناسبة الكسرة والثانية ياءً لتُدْغَمَ فيها الياء قَالَ الامر كَذٰلِكَ من خلقِ غُلام مِنكُما قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ اى بانْ اَرُدَّ عليكَ قوة الجماعِ وأُفْتِقَ رَحِمَ امرأتك للعُلوق وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا قبلَ خَلْقِكَ ولِإِظهارِ اللّٰهِ تعالىٰ هذه القدرةَ العظيمةَ اَلهَمَهُ السؤالَ لِيُجاب بما يَدُلُّ عليها ولمّا تاقَتْ نَفْسُه الى سُرعَةِ المُبَشَّرِ به قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰيَةً اى عَلامةً على حَمْلِ امرأتى قَالَ اٰيَتُكَ عليه اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ اى تَمتنعَ مِن كلامِهم بخلافِ ذِكرِ اللّٰهِ تعالىٰ ثَلٰثَ لَيَالٍ اى بأيّامِها كما فِى آلِ عمرانَ ثلاثةَ اَيَّامٍ سَوِيًّا حالٌ من فاعل تكلّمَ اى بلا علّة فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ اى المسجدِ وكانوا يَنتظِرُوْن فَتْحَهُ لِيُصَلُّوا فيه بامرِه على العادة فَاَوْحٰٓى اَشارَ اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا صَلُّوا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا اَوائِلَ النَّهار وَاَواخِرَهُ على العادةِ فعُلِمَ بِمَنْعِهٖ مِنَ كلامِهم حَمْلُها بيحيٰى وبعدَ وِلادَتِه بسَنَتَيْنِ قال تعالىٰ له يٰيَحْيٰی خُذِ الْكِتٰبَ اى التوراةَ بِقُوَّةٍ بجدٍّ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ النبوةَ صَبِيًّا ابنَ ثلاثِ سنين وَّحَنَانًا رحمةً للناس مِّنْ لَّدُنَّا من عندنا وَزَكٰوةً صَدقةً عليهم وَكَانَ تَقِيًّا رُوِیَ انه لم يَعْمَلْ خطيئةً قطُّ ولم يَهُمَّ بها وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ اى مُحسِنًا اليهما وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا متكبّرًا عَصِيًّا عاصيًا لربه وَسَلٰمٌ مِّنَّا عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا اى فى هذه الايام المُخوّفَةِ التى يرىٰ فيها مالم يره قبلها فهو آمِنٌ فيها

ترجمہ

اے زکریا ہم تجھے ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جو تیری درخواست کے مطابق وارث ہوگا اس کا نام یحییٰ ہوگا اس کا ہمنام پہلے ہم نے کسی کو نہیں کیا یعنی یحییٰ کا ہم نام تو زکریا علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار میرے لڑکا

کس طرح ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہائی درجہ کو پہنچ گیا ہوں عِتِیًّا عَتَا سے ماخوذ ہے بمعنی یَبِس یعنی عمر کے آخری مرحلہ میں پہنچ چکا ہوں جو ایک سو بیس سال ہے اور میری بیوی ۹۸ سال کی ہو چکی ہے عِتِیٌّ اصل عُتُوْوٌ بروزن فُعُوْلٌ تخفیف کے لئے تا کو کسرہ دیدیا اور اول واؤ کو کسرہ کی مناسبت سے ی سے بدل دیا اور پھر دوسرے واؤ کو بھی ی سے بدل کر یا کو یا میں ادغام کر دیا پھر عین کلمہ کے ضمہ کو بھی تا کی موافقت کے لئے کسرہ سے بدل دیا عِتِیًّا ہوگیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں سے لڑکے کی پیدائش کا معاملہ اسی (موجودہ) حالت میں ہوگا تیرے رب کا فرمان ہے کہ یہ (امر) میرے لئے آسان ہے یعنی یہ کہ میں تجھ میں قوت جماع لوٹا دوں اور استقرار حمل کے لئے تیری بیوی کے رحم کو کھول دوں اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تمہارا اپنی پیدائش سے پہلے وجود بھی نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی قدرت عظیمہ کے اظہار کے لئے (بچے) کے سوال کا خیال حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں ڈالا تا کہ اس کے جواب میں ایسا معاملہ کرے جو اس کی قدرت پر دلالت کرے، اور جب زکریا علیہ السلام کا دل بعجلت مبشر بہ (فرزند) کے لئے مشتاق ہوا تو زکریا علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے یعنی میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی نشانی (بتا دیجئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا حاملہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تم لوگوں سے کلام نہ کر سکو گے یعنی تم تین دن اور تین راتوں تک لوگوں سے کلام کرنے پر سوائے ذکر اللہ کے صحیح سالم ہونے کے باوجود کلام کرنے پر قادر نہ ہوگے، جیسا کہ آل عمران میں ثلٰثۃ ایام کی (صراحت) موجود ہے سَوِیًّا تُکَلِّمُ کے فاعل سے حال ہے یعنی بلا کسی مرض کے (کلام نہ کر سکو گے) پس حجرے سے اپنی قوم کے روبرو برآمد ہوئے یعنی مسجد سے اور لوگ مسجد کے کھلنے کے منتظر تھے تا کہ حسب معمول ان کے حکم کے مطابق اس میں عبادت کی جا سکے، اور لوگوں سے اشارہ سے کہا کہ تم لوگ صبح و شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو نماز پڑھا کرو، یعنی حسب معمول دن کے اول اور آخری حصہ میں اس کی بندگی کیا کرو چنانچہ لوگوں سے کلام نہ کر سکنے کی وجہ سے حضرت زکریا کو اپنی بیوی کے یحییٰ کے ساتھ حاملہ ہونے کا علم ہوگیا یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے دو سال بعد اللہ تعالیٰ نے یحییٰ سے فرمایا اے یحییٰ کتاب یعنی تورات کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں حکمت نبوت عطا کی یعنی تین سال کی عمر میں اور خاص اپنے پاس سے لوگوں کے لئے رحم دلی عطا کی اور ان کو لوگوں کے لئے وقف کر دیا اور وہ (فطری طور پر) پرہیزگار تھے، اور روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کبھی جرم کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ کبھی جرم کا قصد کیا اور اپنے والدین کے خدمت گذار تھے یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے سرکش متکبر اور نافرمان نہیں تھے یعنی اپنے رب کی خلاف ورزی کرنے والے نہیں تھے اور اس پر ہماری طرف سے سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن ان کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، یعنی ان تینوں ہولناک دنوں میں کہ جن میں (انسان) وہ چیزیں دیکھتا ہے جو اس سے پہلے نہیں دیکھی ہوتیں (یعنی ان تینوں دنوں میں ایسی چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ اس سے پہلے نہیں پڑا ہوتا)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

یَحْیٰی (س) حَیَاۃ مضارع مثبت واحد مذکر غائب بمعنی جیتا رہے یحییٰ حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے چونکہ حضرت یحییٰ کی ولادت سے ان کی والدہ کا رحم زندہ ہوگیا (یعنی بانجھ پن ختم ہوگیا) اسی لئے ان کا نام یحییٰ رکھا، یحییٰ علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے **قولہ** اسمہ یحییٰ غلام کی صفت ہے لم نَجْعَلْہُ لہ الخ یا تو غلام کی صفت ثانی ہے یا پھر غلام سے حال ہے **قولہ** عِتِیًّا یہ عَتَا یَعْتُو کا مصدر ہے، اس کے معنی اکڑ جانا، نہایت بوڑھا ہونا جوڑوں اور ہڈیوں میں خشکی کا پیدا ہوجانا ۱ عِتِیًّا بلغتُ کا مفعول بہ ہے ۲ بلغتُ کے معنی کے لئے مصدر مؤکد ہو اس لئے کہ بُلُوْغُ الکِبَرِ عِتِیًّا کے معنی میں ہے ۳ عِتِیًّا مصدر موقع میں بلغت کے فاعل سے حال واقع ہے، ای بلغتُ عَاتِیًا ۴ تمیز ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے **قولہ** ھَیِّنٌ ھَوْنٌ سے صفت مشبہ بمعنی آسان اَنّٰی بمعنی کَیْفَ یہ حصول ولد کی کیفیت سے سوال ہے نہ کہ بعید اور محال سمجھنے کی وجہ سے، اور استفہام تعجبی بھی ہوسکتا ہے **قولہ** عِتِیًّا کی تفسیر نہایۃ السن سے تفسیر بالازم ہے **قولہ** ثلٰث لیالٍ کے بعد بایَّامِھا کے اضافہ کا مقصد اس آیت اور آل عمران کی آیت میں تطبیق دینا ہے اس لئے کہ وہاں ایام کا ذکر ہے اور یہاں لیال کا ذکر ہے **قولہ** تاقت (ن) توقًا تُوْقًا وتَوَقَانًا مشتاق ہونا **قولہ** وقد خَلَقْتُکَ عَلیّ کی ضمیر سے حال ہے ولم تکُ خلقتکَ کے کاف سے حال ہے سَوِیًّا لا تکلّمُ کی ضمیر سے حال ہے **قولہ** المحراب مسجد، شیطان سے لڑنے کی جگہ **قولہ** حَنَانًا اس کا عطف الحکم پر ہے حنان بمعنی رحمت، رقتِ قلب **قولہ** بعد ولادتِہ الخ کے مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یا یحییٰ محذوف پر مرتب ہے اس لئے کہ یحییٰ کے حق کی خوشخبری دینے کے بعد فوراً ہی یحییٰ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تو معلوم ہوا کہ کلام میں حذف ہے جس کو مفسر علام نے بعد ولادتہٖ سے ظاہر کردیا۔

یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ الآیۃ یہ خوشخبری ملائکہ کے ذریعہ دی تھی جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا فَنَادَتْہُ المَلَائِکَۃُ وَھُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فِی المِحْرَابِ اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ ولادت فرزند کی خوشخبری سنائی بلکہ اس کا نام بھی خود ہی تجویز کردیا اور نام بھی ایسا نرالہ کہ ماضی میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یکتا اور نرالا نام رکھنا محمود ہے بشرطیکہ اس کے معنی نامناسب نہ ہوں اس لئے کہ یہاں نام کی یکتائی کو مقام مدح میں بیان کیا گیا ہے سَمِیًّا کے دوسرے معنی مثل اور مشابہ کے بھی آتے ہیں اگر دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ بعض صفات اور حالات ان کے ایسے ہیں جو انبیاء سابقین میں سے کسی کے نہیں تھے ان صفات خاصہ میں وہ بے مثیل تھے مثلاً ان کا **حصور** ہونا اس لئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت یحییٰ تمام

انبیاء سابقین سے افضل ہوں کیونکہ ان میں حضرت خلیل اللہ اور حضرت کلیم اللہ کا ان سے افضل ہونا مسلم اور معروف ہے (مظہری) اس لئے کہ جزئی فضیلت سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ یہ استفہام تعجب وسرور ہے، یا حصول ولد کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ہے یعنی میرے فرزند ہونے کی صورت کیا ہوگی آیا ہم دونوں کی جوانی لوٹا دی جائے گی یا مجھے نکاح ثانی کرنا ہوگا یا بحالت موجودہ ہی اولاد ہوگی حالانکہ ظاہری تمام اسباب مفقود ہیں اس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی بیوی کے بانجھ ہونے اور اپنے ضعف اور پیری کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا قَالَ کَذٰلِکَ یعنی موجودہ حالت ہی میں اولاد ہوگی میری قدرت کے لئے اسباب عادیہ کی ضرورت نہیں ہے میری قدرت اسباب عادیہ سے وراء الوراء ہے، میرے لئے بغیر اسباب عادیہ کے فرزند عطا کر دینا بالکل آسان ہے، اور اسباب عادیہ کے ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ لوٹا دینا بھی میرے لئے آسان ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام اشاع ہے جو کہ حضرت عمران کی صاحبزادی ہیں حضرت عمران کی دوسری صاحبزادی کا نام مریم ہے جو کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں اس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں اور حضرت زکریا حضرت عیسیٰ کے خالو ہوتے ہیں، یہ قول زیادہ راجح ہے گو اس کے علاوہ بھی ایک قول خالہ زاد بھانجہ ہونے کا ماسبق میں گذر چکا ہے مگر وہ مرجوح ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَۃً اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ کے ذریعہ فرزند کی خوشخبری سن کر حضرت زکریا علیہ السلام مارے خوشی اور مسرت کے بیتاب ہو گئے تو سوال کر بیٹھے کہ اس کی علامت اور نشانی بتا دیجئے تاکہ اس علامت کو دیکھ کر میں سمجھ سکوں کہ اب فرزند کی ولادت کا وقت قریب آگیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود لوگوں سے تین دن اور تین رات گفتگو نہ کر سکو گے اور یہ کیفیت کسی مرض کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ یہ حالت معجزہ اور نشانی کے طور پر ہوگی یہی وجہ ہے کہ تم ذکر و تسبیح بلا کسی رکاوٹ کے کر سکو گے۔

چنانچہ جب مذکورہ علامت ظاہر ہوئی تو سمجھ گئے کہ اب فرزند کی ولادت کا زمانہ قریب ہے تو اپنے حجرے سے نکلے اور لوگ نماز پڑھنے کے لئے حجرے کا دروازہ کھلنے کے منتظر تھے، حضرت زکریا علیہ السلام نے اشارہ سے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ حسب معمول صبح و شام یعنی فجر اور عصر کی نماز پڑھتے رہو (ان پر یہی دو نمازیں فرض تھیں)

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ یہ محذوف پر مرتب ہے جیسا کہ مفسر علام نے تقدیر عبارت کی جانب اشارہ کر دیا ہے یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی وہ بڑے ہوئے اور ان کے اندر مخاطب بننے کی صلاحیت نمودار ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ** کتاب سے مراد تورات ہے اور قوت سے پکڑنے کا مطلب اس پر عمل کے لئے پوری کوشش کرنا ہے۔

وَ آتیناہُ الحُکم صبیًّا اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں نبوت عطا فرمادی مفسر علام نے اعطاء نبوت کے وقت تین سال کی عمر بیان فرمائی ہے، حکم سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حکم سے مراد نبوت ہے، اور بعض حضرات نے فہم کتاب مراد لیا ہے اور بعض نے حکمت اب رہا یہ سوال کہ صرف تین سال کی عمر میں فہم کتاب اور فہم حکمت کی باتیں کس طرح ممکن ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصلاً نبوت کا معاملہ ہی خرق عادت کے طور پر ہے بنا بریں صغر سنی، نبوت اور فہم کتاب کے لئے مانع نہ ہوگی، اور ہم نے ان کو اپنے والدین کے لئے اور دیگر لوگوں کے لئے مشفق اور رقیق القلب بنایا اور یہ سب کچھ ہمارے خصوصی فضل سے ہوا اور ہم نے اس کو نفس کی آلائشوں اور گناہوں کی نجاستوں سے پاکیزگی اور طہارت عطا فرمائی، اور وہ اپنے والدین کا فرمانبردار اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا اور نہ تو وہ لوگوں کے لئے جبار اور متکبر تھا اور نہ اپنے پروردگار کا نافرمان وہ متقی اور صالح شخص تھا، حتی کہ اس کے پاکیزہ قلب میں معصیت اور نافرمانی کے وہم کا بھی گذر نہیں ہوا، تین مواقع انسان کے لئے سخت وحشتناک ہوتے ہیں ۱ جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے ۲ جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے ۳ جب اپنی قبر سے زندہ کرکے اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تینوں موقعوں میں ہماری طرف سے اس کے لئے سلامتی اور امان ہے بعض اہل بدعت اس آیت سے عید میلاد کا جواز ثابت کرتے ہیں اگر بالفرض اس آیت سے عید میلاد ثابت ہوتی ہے تو پھر عید وفات بھی ثابت ہوتی ہے یہ کیسی بات ہے کہ آیت کے ایک جز پر تو عمل کریں اور دوسرے جز کو نظر انداز کردیں اَفَتُؤمِنُوْنَ بِبَعْضِ الکتابِ وتکفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کی بشارت کا ظہور بشارت کے تیرہ سال بعد ہوا تھا، اس لئے کہ حضرت مریم کے پاس جو کہ ابھی بچی تھیں اور حضرت زکریا کی پرورش میں تھیں، بے موسمی پھل دیکھے تو ان کو ہمت ہوئی کہ اگرچہ ہمارے اولاد ہونے کا موسم اور زمانہ ختم ہوگیا ہے مگر خدا کی قدرت سے بعید نہیں کہ مجھے بھی بے موسم لڑکا عطا فرمادے۔ چنانچہ بارگاہ خداوندی میں دعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے یحیٰی علیہ السلام کی بشارت دی، حضرت یحیٰی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ چھوٹے ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ القرآن **مَرْيَمَ** ای خبرها **اِذْ** حین **انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا** ای اعتزلت فی مکان نحو الشرق من الدار **فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا** اَرْسَلَتْ سترا تستتر به لتفلی رَاْسهَا او ثِیَابھَا او تغسلَ من حَیْضِها **فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا** جبرئیل **فَتَمَثَّلَ لَهَا** بعد لُبسها ثیابها **بَشَرًا سَوِيًّا**○ تامَّ الخلق **قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا** فتنتھی عنی بتعوُّذی **قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا**○ بالنبوۃ **قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ** بتزوج **وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا**○ زَانیةً **قَالَ** الامر **كَذٰلِكِ ۚ** من خلق غلام منك من غیر اب **قَالَ رَبُّكِ**

هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ج اى بان يَنْفُخَ بِامْرى جِبْرَئِيْلُ فيكِ فَتَحْمِلِىْ به ولكون ما ذُكِر فى معنى العِلةِ عُطِفَ عليه ولِنَجْعَلَهُ اٰيَةً لِّلنَّاسِ على قُدْرَتِنا وَرَحْمَةً مِّنَّا ج لمن آمَنَ به وَكَانَ خَلقُهُ اَمْرًا مَّقْضِيًّا○ به فى عِلمِي فنفخَ جبرئيل فى جَيْبِ دِرْعِها فَاَحَسَّتْ بالحَمْلِ فى بَطنِها مُصَوَّرًا فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ تَنَحَّتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا○ بَعيدًا مِن اَهْلِها فَاَجَآءَهَا جاء بها المَخَاضُ وجعُ الوِلاَدَةِ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ج لِتَعْتَمِدَ عليه فَوَلَدَت وَالحَمْلُ والتصوير والوِلادةُ فى ساعة قَالَتْ يَا لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الامر وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا○ شَيْئًا مَتْرُوْكًا لايُعْرف ولايُذكر فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا اى جِبْرِيْلُ وكَانَ اَسفلَ منها اَنْ لَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا○ نَهرَ مَاءٍ كان اِنْقَطَعَ وَهُزِّىٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ كانت يَابِسَةً والباءُ زائدةٌ تُسَاقِطْ اصله بتائَين قُلِبَتْ الثانيةُ سينًا واُدْغِمَتْ فى السِّين وفى قراءةٍ بِتَركها عَلَيْكِ رُطَبًا تميزٌ جَنِيًّا○ صِفتُه

ترجمہ

اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب یعنی قرآن میں مریم کا یعنی ان کے واقعہ کا ذکر کیجئے جب کہ وہ اپنے اہل خانہ سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو شرقی جانب تھا چلی گئیں یعنی دار (بیت المقدس) کے مشرقی جانب کسی جگہ تنہائی میں چلی گئیں اور اہل خانہ کی جانب سے پردہ ڈال لیا، یعنی پردہ لٹکا لیا تاکہ آڑ ہو سکے (اور) اپنے سر یا کپڑوں میں جوں دیکھ سکے یا حیض سے طہارت کے لئے غسل کر سکے تو ہم نے اس کے پاس اپنی روح جبرئیلؑ کو بھیج دیا تو وہ ان کے سامنے کپڑے پہننے کے بعد مکمل مرد بن کر نمودار ہوا حضرت مریم کہنے لگیں کہ میں تجھ سے اپنے خدا کی پناہ طلب کرتی ہوں اگر تجھے کچھ بھی خوف خدا ہے تو تو یہاں سے میرے پناہ طلب کرنے کی وجہ سے ہٹ جائے گا حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا میں تیرے رب کا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں اور اس کی پاکیزگی نبوت کی وجہ سے ہے تو حضرت مریم کہنے لگیں بھلا میرے بچہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا نکاح کر کے اور نہ میں بدکار زانیہ ہوں فرشتہ نے کہا امر تو ایسا ہی ہے کہ تجھ سے باپ کے بغیر لڑکا پیدا ہو تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ یہ میرے لئے بہت آسان ہے اس طریقہ پر کہ جبرائیل تجھ میں میرے حکم سے پھونک ماردیں گے پھر تو اس کی وجہ سے حاملہ ہو جائے گی، مذکور (یعنی هو علیّ هین) چونکہ علت کے معنی میں ہے لہٰذا اس پر لِنَجْعَلَهٗ کا عطف کیا گیا ہے اور تاکہ اس کو میں اپنی قدرت پر لوگوں کے لئے نشانی بناؤں اس شخص کے لئے جو ہماری کمال قدرت پر یقین رکھتا ہو اور اس (ولد) کی تخلیق طے شدہ بات ہے میرے علم میں، چنانچہ حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردی چنانچہ حضرت مریم نے اپنے پیٹ میں (حمل) متشکل محسوس کیا چنانچہ حضرت مریم فرزند سے حاملہ ہو گئیں اور اسی وجہ سے یکسو ہو کر اپنے اہل خانہ سے دور ایک مقام پر چلی گئیں پھر دردزہ اس کو ایک کھجور کے تنے کے پاس لے آیا

تاکہ اس سے ٹیک لگائے پھر اس نے (بچہ) جنا اور یہ حمل اور تشکل اور ولادت (سب کچھ) ایک ساعت میں ہو گیا کہنے لگیں کاش میں اس واقعہ سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور میں ایسی بھولی بسری متروک شیٔ ہو گئی ہوتی کہ نہ کوئی مجھے پہچانتا اور نہ میرا تذکرہ کرتا اتنے میں اسے نیچے کی جانب سے جبرائیل نے جو کہ مریم سے بائیں جانب تھے آواز دی کہ تو آزردہ خاطر نہ ہو تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے یعنی ایسی نہر کو (جاری کر دیا) جس کا پانی خشک ہو گیا تھا اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا حالانکہ وہ درخت خشک تھا بجذع میں باء زائدہ ہے تر سے سامنے تر و تازہ پکی کھجوریں گرا دے گا رُطَبًا تمیز ہے اور جَنِيًّا اس کی صفت ہے تَسَّاقَطْ اس کی اصل دو تاؤں کے ساتھ ہے دوسری تا سین سے بدل دی گئی اور سین کو سین میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قرأۃ میں ترک تا کے ساتھ بھی ہے۔ (ای تسَاقطْ)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله وَاذکر فی الکتاب مریم اس کا عطف کلام سابق کے مضمون پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے اعلم ذکرُ رحمة ربِّکَ عبدہٗ زکریا واذکر فی الکتاب مریم قصتها اذکر فی الکتاب مریم ای قصته مریم مضاف محذوف ہے مریَمْ بمعنی عابدہ، زاہدہ، اور خادمة الرب کے ہیں الکتاب میں الف لام عہد کا ہے مراد قرآن کریم ہے **قوله** اِذِ انتبذت مضاف محذوف کا ظرف ہے جس کو مفسر علام نے حبرھا کہہ کر ظاہر کر دیا مریم سے بدل الکل یا بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے (مظہری) **قوله** مکانًا شرقیًا موصوف صفت سے مل کر یا تو انتبذت کا ظرف ہے یا اس کا مفعول بہ ہے اس لئے کہ انتبذت اَتَتْ کے معنی کو مشتمل ہے ای اَتَتْ مکانًا اِنْتَبَذَتْ ای ابتعدت و تنحت ایک طرف ہونا بعید ہونا **قوله** بعد لبسها ثیابًا یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر میں عورت کھلے سر ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے تو مریم اس جگہ برہنہ تھیں، کیسے داخل ہو گئے جواب دَخَلَ بعد لبسها **قوله** لتفلیْ مضارع واحد مؤنث غائب، تا کہ وہ جوں دیکھے **قوله** روحَنا ای جبرائیل **قوله** لَمْ اَکُ بَغِیًا بغیة نہیں فرمایا حالانکہ موقع بغیة کا تھا اس لئے کہ یہ صفت عام طور پر عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے تو یہ حائض اور عاقر کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے تا کی ضرورت نہیں ہے **قوله** قال ربك هو عَلَيَّ هَيِّنٌ قال کذلك کی علت کے قائم مقام ہے، یعنی اسی طرح ہوگا، اس لئے کہ یہ ہمارے لئے آسان ہے، دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ یہاں جملہ تعلیلیہ کا عطف غیر تعلیلیہ پر ہو رہا ہے جو جائز نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ معطوف علیہ بھی جملہ تعلیلیہ ہے لہٰذا لنجعله آیة للناس کا اس پر عطف درست ہوگا، **قوله** رحمة کا عطف آیة پر ہے **قوله** المخاض دردزہ (س) **قوله** فتنتهی محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اِنْ کنتَ تقیًا کا جواب شرط فتنتهی محذوف ہے **قوله** بتزوج مفسر علام نے بتزوج کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال

جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ لَمْ یَمْسَسْنِیْ یہ عدم جماع سے کنایہ ہے لہٰذا یہ جماع حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے اس صورت میں لَمْ اَکُ بغیًا کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عرف میں مس وطی حلال ہی کو شامل ہے وطی حرام عرفاً اس سے خارج ہے وطی حرام اور حلال دونوں کی نفی کرنے کے لئے لَمْ اَکُ بَغِیًا کا اضافہ فرمایا **قولہ** اَجَاءَھَا کی تفسیر جاءَبِھَا سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ جاء اور اَجاء دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی دونوں متعدی بیک مفعول ہیں بظاہر یہ شبہ تھا کہ جب جاء کے شروع میں ہمزہ کا اضافہ کردیا تو شاید متعدی بدو مفعول ہوگیا ہو اس شبہ کو مفسر علام نے اَجَاءَھَا کی تفسیر جاءَبِھا سے کرکے دفع کردیا، دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَجاءَ اَلْجَاَ کے معنی میں ہے اور جب استعمال بدل گیا تو متعدی بیک مفعول ہوگیا۔ (جمل)

تفسیر و تشریح

وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مریم اس سورۃ میں مذکور قصوں میں سے یہ دوسرا قصہ ہے، اے محمدؐ آپ قرآن کے اس حصہ میں حضرت مریم کا قصہ بھی ذکر کیجئے یہ قصہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب ہے اس لئے کہ بغیر مرد کے بچہ پیدا ہونا، بانجھ عورت اور بوڑھے شوہر سے بچہ پیدا ہونے کی بہ نسبت کہیں زیادہ عجیب ہے، یعنی انتہائی بڑھاپے میں بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا لوگوں کے لئے عجیب ضرور ہے مگر بغیر شوہر کے بچہ کی پیدائش ہماری کمال قدرت پر اس سے بھی زیادہ دلالت کرنے والا ہے، اور یہ قصہ اس وقت واقع ہوا جب کہ وہ گھر سے الگ ہوکر ایک ایسے مکان میں جو کہ مشرق کی جانب تھا چلی گئیں یہ تنہائی یا تو غسل حیض کے لئے تھی یا عبادت میں یکسوئی کے لئے تاکہ گوشۂ تنہائی میں یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ خدا کی بندگی کرسکیں، لوگوں کی نظر پڑنے سے بچنے کے لئے ایک پردہ بھی ڈال لیا تاکہ اس کی آڑ میں غسل کرسکیں اور اپنے سر وغیرہ میں جوئیں دیکھ سکیں تو اس حالت میں ہم نے ان کے پاس حضرت جبرائیل کو بھیجا اور حضرت جبرائیل ان کے سامنے نہایت حسین و جمیل امرد جوان کی شکل میں ظاہر ہوئے اور ابو مسلم نے کہا ہے کہ روحنا سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں، لقولہ تعالیٰ وَرُوْحٌ مِّنْہُ (روح المعانی)

کیا عورت نبی ہوسکتی ہے؟

علماء اور مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں یا نہیں، یا عورت نبی ہوسکتی ہے یا نہیں، بعض حضرات اسی آیت سے عورت کے نبی ہونے پر استدلال کرتے ہیں، علماء جمہور فرماتے ہیں کہ مطلق وحی تو عورت کی جانب بھی آسکتی ہے البتہ وحی رسالت مردوں کے ساتھ خاص ہے حضرت مریم کی طرف جو حضرت جبرائیل کے ذریعہ

وحی بھیجی تھی وہ وحی بشارت تھی نہ کہ وحی رسالت۔

جب حضرت جبرئیلؑ ایک خوبصورت اور رعنا امرد نوجوان کی شکل میں حضرت مریم کے سامنے ظاہر ہوئے تو وہ گھبرا گئیں، گھبرا کر کہنے لگیں کہ میں تجھ سے اپنے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے ذرا بھی خوف خدا ہے تو تو یہاں سے ہٹ جا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں کہ اگر تو متقی نہیں ہے تو میں تجھ سے پناہ نہیں مانگتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ متقی ہونے کی صورت میں پناہ طلب کی تو غیر متقی ہونے کی صورت میں تو بطریق اولیٰ پناہ طلب کرتی ہوں، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جبرائیل امین نے جب یہ کلمہ سنا تو اللہ کے نام کی تعظیم کے لئے کچھ پیچھے ہٹ گئے، اور کہا میں بشر نہیں ہوں کہ تم مجھ سے ڈرتی ہو، بلکہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں میں اس لئے آیا ہوں کہ تم کو باذن خدا ایک پاکیزہ بچہ دوں لِاَهَبَ میں ہبہ کی نسبت حضرت جبرئیلؑ نے اپنی طرف کی ہے یہ نسبت مجازی ہے اور اضافت الشئ الی السبب کے قبیل سے ہے چونکہ اعطاء ولد کا ظاہری سبب حضرت جبرئیلؑ تھے اس لئے اپنی جانب نسبت کر دی ورنہ در حقیقت اعطاء ولد اللہ کا فعل ہے، یا حکایت حال کے طور پر جبرائیلؑ نے اپنی طرف نسبت کر دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ مریم سے کہہ دو کہ میں تم کو ایک پاکیزہ فرزند دینے والا ہوں، بعض قراءتوں میں لِاَهَبَ کے بجائے لِيَهَبَ ہے اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس قرأت کے مطابق اعطاء ولد کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے بعض حضرات لِاَهَبَ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول بخش اور پیر بخش وغیرہ نام رکھنا درست ہے یہ نہایت نادانی اور ناسمجھی کی بات ہے۔

جب جبرئیلؑ نے یہ کہا کہ میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور تجھ کو ایک پاکیزہ بچہ دینے کے لئے آیا ہوں تو حضرت مریم کہنے لگیں کہ میرے بچہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے؟

قال كذلك الخ فرشتہ نے جواب دیا یہ بات صحیح ہے کہ تجھے مرد سے مقاربت کا کوئی موقع نہیں ملا ہے نہ جائز طریقہ سے اور نہ ناجائز طریقہ سے، جب کہ حمل کے لئے عادتاً یہ ضروری ہے، مگر تیرے رب کا فرمان ہے کہ میں اسباب عادیہ کا محتاج نہیں ہوں میرے لئے یہ بالکل آسان ہے اور میں اسے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) اپنی قدرت تخلیق کے لئے ایک نشانی اور لوگوں کے لئے رحمت بنانا چاہتا ہوں اس سے قبل ہم نے تمہارے دادا آدمؑ کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمہاری دادی حوا کو صرف مرد سے عورت کے بغیر پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو چوتھی شکل یعنی بغیر باپ کے محض بطن مادر سے پیدا کر کے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم تخلیق کی چاروں قسموں پر قادر ہیں اسی طرح ہم حضرت عیسیٰؑ کو نبوت عطا کر کے لوگوں کے لئے اپنی رحمت کی نشانی بھی بنانا چاہتے ہیں کیونکہ نبی اپنی امت کے لئے رحمت ہوتا ہے۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ کلام سابق کا تتمہ ہے یعنی یہ اعجازی تخلیق تو اللہ کے علم اور اس کی قدرت میں مقدر ہو چکی

ہے اس میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، اس گفتگو کے بعد حضرت جبرئیل نے مریم کے گریبان یا منہ میں پھونک ماردی جس کے نتیجے میں حضرت مریم کو حمل رہ گیا پھر حضرت مریم اس حمل کو لئے ہوئے شرم کے مارے اپنے گھر والوں سے کہیں دور مقام پر چلی گئیں، اور اس خیال سے کہ بچہ کے معاملہ میں لوگوں کو کس طرح مطمئن کرسکوں گی جب کہ میری بات کی تصدیق کرنے کیلئے کوئی تیار ہی نہیں ہوگا اور ساتھ ہی یہ تصور بھی روح فرسا تھا کہ کہاں میری شہرت ایک عابدہ اور زاہدہ کے طور پر اور اس کے بعد لوگوں کی نظر میں بدکار ٹھہروں گی، اس خیال سے مغلوب الحال ہوکر موت کی آرزو کرڈالی۔

تمنائے موت کا حکم

اگر یہ تمنائے موت غم دنیا سے تھی تب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر کہا جائے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا، اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھ سے اس پر صبر نہ ہوسکے تو بے صبری کی معصیت میں ابتلاء ہوگا موت کے ذریعہ معصیت سے حفاظت رہے گی تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے۔

جب حضرت مریم علیہا السلام غلبہ حال کی وجہ سے موت کی تمنا کررہی تھیں تو زیریں جانب سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل نے پکار کر کہا کہ اے مریم تم بے سروسامانی یا خوفِ بدنامی کی وجہ سے مغموم مت ہو کیونکہ بے سروسامانی کا تو یہ انتظام ہوگیا ہے کہ تمہارے رب نے تمہارے پائیں (زیریں جانب) ایک نہر پیدا فرمادی ہے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیلؑ نے اپنا پیر زمین پر مارا جس کی وجہ سے شیریں پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا، اور حضرت جبرائیلؑ نے یہ بھی فرمایا کہ تم اس کھجور کے تنے کو ہلاؤ یہ تیرے سامنے پکی تروتازہ کھجوریں گرائے گا یعنی خرق عادت اور کرامت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پائیں جانب پینے کے لئے پانی اور کھانے کے لئے ایک سوکھے ہوئے کھجور کے درخت سے پکی اور تازہ کھجوروں کا انتظام فرمادیا۔

البلاغة: ولم يمسسني بشرٌ كناية عن المعاشرة الزوجيه بالجماع.

فَكُلِي من الرُّطَبِ وَاشْرَبِي من السَّرِيّ وَقَرِّي عَيْنًا ع بالوَلَدِ تمييزٌ مُحَوَّلٌ من الفاعل اى لِتَقِرَّ عينُكِ به اى تَسْكُن فلا تطمحُ الى غيره فَإِمَّا فيه ادْغَامُ نُونِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ في مَا المزيْدَةِ تَرَيِنَّ حُذِفت منه لامُ الفعلِ وعينُهُ وأُلْقِيتْ حركتُها على الرَّاءِ وكُسِرتْ ياءُ الضمير لِالْتقاءِ السَاكنين من البَشَرِ احَدًا فيَسْأَلُكِ عن وَلَدِكِ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا اى إمساكًا عن الكلام في شانه وغيره مع الأناسِيّ بدليل فَلَنْ أُكَلِّمَ اليَوْمَ إِنْسِيًّا اى بعدَ ذلك فَأَتَتْ به قَوْمَها تَحْمِلُهُ ط حال فرأَوْهُ قَالُوا يَامَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا عظيمًا حيثُ اَتيتِ بولدٍ من غيرِ ابٍ يَا أُخْتَ هٰرُوْنَ هو رجلٌ صَالِحٌ اى يا شَبِيْهَتَهُ في العِفَّةِ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَءَ سَوْءٍ اى زانيا وَّمَاكَانَتْ أُمُّكِ

بَغِيًّا○ زانية فمِنْ أين لكِ هذا الولدُ فَاَشَارَتْ لهم اِلَيْهِ ط ان كَلِّمُوْهُ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ اى وُجِدَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا○ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ اى الانجيل وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۙ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ اى نفّاعًا للناس اِخبارٌ بما كُتِبَ له وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ امرني بهما مَا دُمْتُ حَيًّا ۙ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ز منصوبٌ بجعلني مُقدّرًا وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا مُتعاظمًا شَقِيًّا عاصيًا لِرَبِّه وَالسَّلٰمُ مِنَ اللّٰهِ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا يُقالُ فيه ما تقدَّمَ في السّيّد يحيٰى قال تعالٰى ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ج قَوْلَ الْحَقِّ بالرفع خبرُ مبتدأٍ مُقدّرٍ اى قولُ ابنِ مريَمَ وبالنصب بتقديرِ قلتُ والمعنى القول الحق الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ من المِرْيَةِ اى يشكّون وهم النّصارٰى قالوا ان عيسٰى ابنُ اللّٰهِ كذَبُوا مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ ط تنزيهًا له عن ذٰلك اِذَا قَضٰى اَمْرًا اى اَرَادَ اَنْ يُحدِثَهٗ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ط بالرفع بتقديرِ هو وبالنصب بتقديرِ اَنْ ومن ذٰلك خلقُ عيسٰى من غير اب وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط بفتح اَنَّ بتقديرِ اُذْكُرْ وبكسرها بتقدير قُلْ بدليل ما قُلْتُ لهم اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ به اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ هٰذَا المذكورُ صِرَاطٌ طريقٌ مُّسْتَقِيْمٌ○ مُؤدٍ الى الجنة فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ ۢ بَيْنِهِمْ ج اى النّصارٰى في عيسٰى اَهو ابنُ اللّٰهِ او اِلٰهٌ معه او ثالثُ ثلثة فَوَيْلٌ شدّةُ عذابٍ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بما ذُكِرَ وغيرِه مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ○ اى حُضُوْرِ يوم القيٰمة واَهْوَالِه اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ بهم صيغتا تعجُّبٍ بمعنى ما اَسْمَعَهُمْ وما اَبْصَرَهم يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا في الآخرة لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ من اِقامة الظّاهر مَقَامَ المُضمَرِ الْيَوْمَ اى في الدُّنيا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ اى بَيِّنٍ به صَمُّوْا عن سَماعِ الحق وعَمُوْا عن اَبصارِه اى اِعجَبْ منهم يا مُخاطَبًا في سَمْعِهم واَبصارِهم في الآخرة بعد اَنْ كانُوا في الدُّنيا صُمًّا عُمْيًا وَاَنْذِرْهُمْ خوّفْ يا محمّدُ كُفّارَ مَكّةَ يَوْمَ الْحَسْرَةِ هو يومُ القيٰمةِ يتحسّرُ فيه المُسِيئُ على ترك الاِحسان في الدُّنيا اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ط لهم فيه بالعذاب وَهُمْ في الدُّنيا فِيْ غَفْلَةٍ عنه وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○ به اِنَّا نَحْنُ تاكيدٌ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا من العُقلاء وغيرهم باِهلاكهم وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ع○ فيه للجزاءِ

ع

ترجمہ

پھر پکی اور تازہ کھجوریں کھاؤ اور چشمہ کا پانی پیو اور بیٹے سے آنکھیں ٹھنڈی کرو عینًا تمیز ہے فاعل سے منقول ہے یعنی تو اس بچہ کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر کے سکون حاصل کر دوسرے بچوں کی طرف التفات نہ کر فاِمّا میں

اِن شرطیہ کے نون کو مَا زائدہ میں مدغم کردیا گیا ہے تَرَیِنَّ اس کا لام کلمہ اور عین کلمہ حذف کردیا گیا ہے عین کلمہ کی حرکت نقل کرکے را کو دیدی گئی اور یائے ضمیر کو التقاء ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیدیا گیا اگر تو کسی بشر کو دیکھے اور وہ تیرے بچہ کے متعلق سوال کرے تو کہہ دینا کہ میں نے اس بچہ وغیرہ کے بارے میں لوگوں سے کلام کرنے سے رحمن کے لئے سکوت کا روزہ رکھ لیا ہے اور سکوت کا روزہ رکھنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول فَلَنْ اُکَلِّمَ الیَوْمَ اِنْسِیًّا ہے یعنی میں یہ خبر دینے کے بعد کسی انسان سے کلام نہ کروں گی تو اس بچہ کو لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آ ئیں تَحْمِلُہٗ، اَتَتْ کی ضمیر سے حال ہے جب قوم نے بچہ کو دیکھا تو کہا اے مریم تو نے تو بڑا غضب کردیا کہ بغیر باپ کے بچہ کو جنم دیا اے ہارون کی بہن وہ تو ایک صالح شخص تھا اور تو عفت میں اس جیسی ہے تیرا باپ (تو) بدکار زانی شخص نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدکارہ زانیہ تھی تو پھر تیرے یہ بچہ کیسے پیدا ہوا، تو حضرت مریم نے ان کے لئے بچہ کی طرف اشارہ کردیا کہ اس سے معلوم کرو، تو کہنے لگے ہم گود کے بچہ سے کیونکر بات کریں تو وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب انجیل دی اور مجھے نبی بنایا اور اس نے مجھے بابرکت یعنی لوگوں کے لئے نفع رساں بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی رہوں حضرت عیسیٰ کے حق میں جو مقدر ہو چکا ہے یہ اس کی خبر ہے اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم فرمایا ہے اوصانی بمعنی امرنی ہے جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کا خدمت گذار بنایا ہے بَرًّا جعلنی مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور مجھے سرکش متکبر اور بدبخت اپنے رب کا نافرمان نہیں بنایا اور اللہ کا میرے اوپر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا ان تینوں مقامات کی تفسیر میں وہی بات کہی جائے گی جو حضرت سیدنا یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں کہی گئی تھی یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم قول ابن مریم قول حق ہے جس کے بارے میں لوگ شک کررہے ہیں قول اگر رفع کے ساتھ ہوگا تو مبتدا محذوف کی خبر ہوگا ای قولُ ابن مریم قولُ الحقِ اور اگر قولَ پر نصب ہو تو اس صورت میں قلتُ فعل مقدر ہوگا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اور (قول الحق کے معنی) القول الحق ہوں گے (یعنی اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے) یمترون مِرْیَۃ سے مشتق ہے اور یمترون کے معنی یشُکُّونَ کے ہیں (اور یہ شک کرنے والے) نصاریٰ ہیں جنہوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں جو بالکل جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (کسی کو) اولاد بنائے وہ اولاد رکھنے سے بالکل پاک ذات ہے اس کی پاکی بیان کرتا ہوں وہ تو جب کسی کے کرنے (پیدا کرنے کا) ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے یَکُوْنُ کا اگر رفع پڑھیں تو رفع ھُوَ کی تقدیر کی وجہ سے ہوگا اور اگر نصب پڑھیں تو اَنْ کی تقدیر کی وجہ سے ہوگا اور اسی (کُنْ فَیَکُوْنُ) کے قبیل سے بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی ہے، بلاشبہ میرا اور تمہارا پروردگار صرف اللہ ہے سو اسی کی عبادت کرو اگر انَّ فتح کے ساتھ ہو تو انَّ سے پہلے اُذکر مقدر ہوگا اور اگر اِنَّ کسرہ کے ساتھ ہو تو اِنَّ سے پہلے قُلْ مقدر ماننا ہوگا اور قُلْ مقدر ماننے کی دلیل خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے مَا قُلْتُ

لَهُمْ اِلاَّ مَا اَمَرْتَنِيْ بِهٖ یہ مذکور صراط مستقیم ہے جو جنت تک پہنچانے والی ہے پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے یعنی نصاریٰ کے (ایک فریق) نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ ابن اللہ ہے اور (دوسرے فریق) نے کہا کہ وہ خدا کے ساتھ دوسرا خدا ہے (اور تیسرے) نے کہا کہ وہ تین میں کا تیسرا ہے پس کافروں کے لئے مذکورہ وغیرہ (عقائد) کی وجہ سے بڑے دن کی حاضری کا سخت عذاب ہے یعنی قیامت کے دن حاضری اور اس دن کی ہولنا کی کا، اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ بِهِمْ دونوں تعجب کے صیغے ہیں معنی یہ ہیں کیا خوب سننے والے اور کیا خوب دیکھنے والے ہوں گے جس دن آخرت میں ہمارے سامنے حاضر ہوں گے لیکن آج دنیا میں یہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے، مُبِیْن بمعنی بَیِّن ہے اسی گمراہی کی وجہ سے (دنیا میں) حق بات سننے سے بہرے اور حق دیکھنے سے اندھے رہے، یعنی اے مخاطب تو آخرت میں ان کی شنوائی اور بینائی کی تیزی سے تعجب کرے گا حالانکہ یہ لوگ دنیا میں بہرے اندھے تھے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ مکہ کے کافروں کو حسرت کے دن سے ڈرائیے اور وہ قیامت کا دن ہوگا جس دن بدکار دنیا میں نیکی نہ کرنے پر حسرت کرے گا جبکہ آخری فیصلہ کر دیا جائے گا یعنی ان لوگوں کے لئے اس دن عذاب کا فیصلہ کر دیا جائے گا حالانکہ یہ لوگ اس دن سے غافل ہیں اور یہ اس دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ہم ہی زمین کے اور جو کچھ اس پر ذوالعقول اور غیر ذوالعقول ہیں وارث ہوں گے ان کو ہلاک کر کے اور اس دن میں جزاء کے لئے ہمارے پاس لوٹائے جائیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قَرِّیْ بروزن فِرِّیْ واحد مؤنث حاضر تو ٹھنڈی کر یہ قُرٌّ سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں خنکی عَیْنًا تمیز ہے فاعل سے محول ہے اَیْ لتقرَّ عَیْنُكِ بہ تَرَیِنَّ اِرَاءَۃٌ سے واحد مؤنث حاضر بانون تاکید ثقیلہ تو دیکھے فَرِیًّا یہ فریٌ فعیل بمعنی مفعول ہے گھڑنا، تراشنا، جلد کاٹنا وقیل معناہ عظیمٌ عجیبٌ مَنْ کَانَ میں کَانَ تامہ ہے صَبِیًّا کان کی ضمیر سے حال ہے اور اگر کان ناقصہ ہو تو صَبِیًّا اس کی خبر ہوگی ذٰلك عیسی ابنُ مریم قولُ الحقِ ذٰلِكَ کا مشار الیہ مذکورہ اقرار عبدیت وغیرہ اوصاف کی حامل شخصیت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ذٰلك مبتداء عیسی موصوف ابن مریم بترکیب اضافی صفت موصوف صفت سے ملکر ذٰلكَ مبتداء کی خبر قولُ الحق بترکیب اضافی مبتداء محذوف کی خبر ای قولُهٗ قولُ الحقِ، قولُ الحق میں اضافت موصوف الی الصفت ہے یعنی قولُ الحقِّ معنی میں القولُ الحقُّ کے ہے، اور اگر قَوْلَ الحق منصوب پڑھا جائے تو اَقُوْلُ فعل محذوف کا مفعول ہوگا دونوں قرأتوں کی صورت میں قَوْلُ الحقِّ اضافت موصوف الی الصفت ہوگی قولہ فی المهد مہد سے مراد گہوارہ بھی ہو سکتا ہے اور اس سے ماں کی گود بھی مراد ہو سکتی ہے یَمْتَرُوْنَ اِمتراء سے مجرد مریۃ (افتعال) جمع مذکر غائب وہ شک کرتے ہیں الذی فیه یمترون

مبتدا محذوف کی خبر ہے، ای عیسٰی ابن مریم الذی فیه یمترون ای یَتَرَدَّدُوْنَ ویَتَحَیَّرُوْنَ اَن یَّتَّخِذ بتاویل مصدر ہوکر کان کا اسم ای مَاکانَ اِتِّخَاذُ الوَلَدِ مِنْ صفتِهٖ بَلْ هُوَ مَحَالٌ عن ذٰلِكَ ای عن اِتِّخاذ الولد ، مِنْ ولدٍ میں من زائدہ تاکید کے لئے ہے **قوله** مِنْ ذٰلك خَلْقُ عِیسٰی اور کُنْ فَیَکُوْن کے قبیل سے بغیر باپ کے عیسٰی علیہ السلام کی تخلیق بھی ہے سُبْحَانَهٗ مصدر ہے فعل کو حذف کرکے اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے اَیْ اُسَبِّحُهٗ سُبْحَانًا یہ جملہ معترضہ ہے قُلْ مقدر ماننے کی صورت میں اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکم حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مقولہ ہوگا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ الخ تقدیر عبارت یہ ہے هذا مِن کلَامِ عِیسٰیؑ بدلیلِ مَا قُلْتُ لَهُمْ الخ بہرحال اَنَّ دونوں قرأتوں کی صورت میں اَنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قول ہے **قوله** تَرَیِنَّ اصل میں تَرْاَیِیْنَ تھا اس میں را فاکلمہ ہے اور ہمزہ عین کلمہ ہے اور یائے مکسورہ لام کلمہ ہے اور دوسری یائے ساکنہ یائے ضمیر ہے اور آخر میں نون اعرابی ہے یائے اولی متحرک ما قبل ہمزہ مفتوحہ ہونے کی وجہ سے الف ہوگئی، اب الف اور یاء ضمیر ساکنہ کے درمیان التقاء ساکنین ہوا تو ہمزہ ساقط ہوگیا نون اعرابی کے جازم کی وجہ سے ساقط ہونے اور نون تاکید ثقیلہ کے داخل ہونے کے بعد التقاء ساکنین ہوا یاء ضمیر اور نون تاکید ثقیلہ کے نون اولی کے ساتھ لہٰذا یاء ضمیر کو کسرہ دیدیا۔

خلاصه: خلاصہ یہ کہ تَرْاَیِیْنَ کی تعلیل میں چھ عمل ہوئے ۱ ی کو الف سے بدلا ۲ الف کو حذف کیا ۳ ہمزہ کی حرکت را کو دی ۴ ہمزہ کو حذف کیا ۵ ان شرطیہ کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہوا ۶ یائے ضمیر کو کسرہ دیا **قوله** اَنَاسِیَّ یا تو اِنْسِیّ کی جمع ہے یا انسان کی، اَنَاسی اصل میں اناسین تھا نون کو یاء کیا اور یاء کو یاء میں ادغام کردیا اناسی ہوگیا **قوله** تحملهٗ اتت کی ضمیر سے حال ہے، بہ کی ضمیر سے بھی حال ہوسکتا ہے **قوله** من مَشهد یوم عظیم فویل سے متعلق ہے ای من شهودِ یومِ عظیمٍ اس صورت میں مشهد مصدر کے معنی میں ہوگا یا وقت شہود اور مکان شہود کے معنی میں ہوگا اس صورت میں مشهد ظرف زمان ومکان کے معنی میں ہوگا **قوله** لٰکِنِ الظّٰلِمون مشرکین کی قباحت وشناعت کو بیان کرنے کے لئے اسم ضمیر لٰکنّهُمْ کے بجائے اسم ظاہر ظالمون فرمایا تاکہ ان کے اعمال قبیحہ شنیعہ پر دلالت ہوجائے۔

تفسیری فوائد: **قوله** ای بعد ذٰلك اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ اوپر کہا گیا ہے انی نذرتُ للرحمٰن صومًا اس جملہ سے کلام نہ کرنے کی نذر ہوگئی اس کے بعد حضرت مریم نے کہا فلم اکلم الیوم انسیًا یہ کلام ہے، جواب یہ ہے کہ میں اس کے بعد کسی سے کلام نہ کروں گی، کان کی تفسیر وَجَدَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ کان تامہ ہے اور کان زائدہ بھی ہوسکتا ہے، اور صَبِیًّا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای کیف نکلم مَن فی المهد حال صباه **قوله** اخبارًا بما کتب له سے

جعلنی کی تفسیر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جعلنی گو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد استقبال ہے۔

تفسیر وتشریح

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ الخ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت مریم کی تسلی کے اسباب ذکر کرنے کے وقت تو پہلے پانی کا ذکر فرمایا پھر کھانے کی چیز کھجور کا، اور جب استعمال کا ذکر آیا تو ترتیب بدل کر پہلے کھانے کا حکم فرمایا پھر پانی پینے کا یعنی کلی واشربی فرمایا، وجہ غالباً یہ ہے کہ انسان کی فطری عادت ہے کہ پانی کا اہتمام کھانے سے پہلے کرتا ہے مگر استعمال کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ پہلے غذا کھاتا ہے پھر پانی پیتا ہے۔ (روح المعانی)

اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت اور خرق عادت حضرت مریم کے پاؤں تلے پینے کے لئے پانی کا اور کھانے کے لئے ایک سوکھے ہوئے درخت سے پکی تازہ کھجوروں کا انتظام فرما دیا، نداء دینے والے حضرت جبرائیل تھے جنہوں نے وادی کے نیچے سے آواز دی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سَرِی کے معنی سردار کے ہیں اور سردار سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں، اور انہی نے نیچے سے حضرت مریم کو آواز دی تھی، یعنی کھجور کھا اور چشمہ کا پانی پی (چشمہ کا پانی اور تازہ کھجوریں زچہ کے لئے طبی اعتبار سے نہایت مفید غذا ہے) اور بچہ کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر قَرِّی قَرٌّ سے مشتق ہے بمعنی ٹھنڈک کرنا اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا یہ کنایہ ہے خوش ہونے سے اس لئے کہ رنج وغم اور دکھ تکلیف کی وجہ سے جو آنسو نکلتے ہیں وہ گرم ہوتے ہیں اور خوشی ومسرت کے وقت جو آنسو نکلتے ہیں وہ ٹھنڈے ہوتے ہیں، لہٰذا آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا یہ کنایہ ہے خوش ہونے سے جیسا کہ باکرہ سے اگر باپ نکاح کی اجازت طلب کرے اور لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آجائیں تو فقہاء فرماتے ہیں کہ رونا خوشی اور رنج دونوں وجہ سے ہوسکتا ہے لہٰذا دیکھا جائے کہ اگر آنسو ٹھنڈے ہیں تو وہ خوشی کے ہیں، اور اجازت پر دلالت کرتے ہیں اور اگر گرم ہیں تو یہ رنج وغم کی وجہ سے ہیں جو عدم اجازت پر دلالت کرتے ہیں۔

یا اخت هارون سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون مراد نہیں ہوسکتے اس لئے کہ ان کا زمانہ حضرت مریم سے سینکڑوں سال پہلے ہے یہ بات اس حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو نجران کے نصاریٰ کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے سوال کیا تھا کہ تمہارے قرآن میں حضرت مریم کو اخت ہارون کہا گیا ہے حالانکہ ہارون علیہ السلام ان سے صدیوں پہلے گذر رہے ہیں چونکہ حضرت مغیرہؓ کو اس کا جواب معلوم نہیں تھا اس لئے خاموش رہے، واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اہل ایمان کی عادت یہ ہے کہ تبرکاً انبیاء کے ناموں پر نام رکھتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ (رواہ احمد ومسلم والترمذی والنسائی)

اس حدیث کے مطلب میں دو احتمال ہیں ۱ کہ حضرت مریم کی نسبت حضرت ہارونؑ کی جانب اس لئے کر دی گئی

ہے کہ وہ ان کی نسل سے تھیں اگرچہ زمانہ کتنا ہی بعید کیوں نہ گذر گیا ہو جیسا کہ عرب کی عادت ہے کہ تمیم کے قبیلہ کے آدمی کو اخا تمیم کہتے ہیں، اور عرب کے آدمی کو اخا عرب کہتے ہیں ۲ یہ کہ یہاں ہارون علیہ السلام سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی مراد نہیں ہیں بلکہ حضرت مریم علیہا السلام کے اپنے بھائی کا نام ہارون تھا اسی وجہ سے حضرت مریم کو اخت ہارون کہا اس وقت معنی حقیقی مراد ہوں گے اور ایک تیسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہارون نام کا کوئی نہایت ہی نیک اور صالح شخص ہو اور حضرت مریم تو عابدہ زاہدہ نیکی میں مشہور و معروف تھیں ہی ایسی صورت میں اخت ہارون کہنا تشبیہ کے طور پر ہوگا کہ تو تو زہد و عبادت میں ہارون کے مثل ہے تو نے یہ کیا حرکت کر ڈالی، مفسر علام نے یہی تیسرے معنی مراد لئے ہیں۔

مَا كَانَ اَبُوكِ امْرَاَ سَوْءٍ نہ تو تیرا باپ عمران برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں حنہ بدکار تھی تو کہاں سے ایسی پیدا ہوگئی، قرآن کے ان لفظ سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ اور صالحین کی اولاد سے ہو پھر وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو عام لوگوں کی بہ نسبت اس کو زیادہ برا سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس سے اس کے بزرگوں کی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے، اس لئے صالحین کی اولاد کو اعمال صالحہ اور تقویٰ کی زیادہ فکر رکھنی چاہئے۔

حضرت مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ معلوم کرنا ہے اس سے معلوم کرو جھنجلا کر کہنے لگے بھلا ہم گود کے بچہ سے کیسے باتیں کریں، چنانچہ شیر خوار ایک دن کا یا چالیس دن کا بچہ بول اٹھا اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ الخ ایک روایت میں ہے کہ جس وقت خاندان کے لوگوں نے حضرت مریم کو ملامت کرنی شروع کی تو اس وقت حضرت عیسیٰ اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے جب انہوں نے اہل خاندان کی ملامت کو سنا تو دودھ چھوڑ دیا اور اپنی کروٹ پر سہارا لیکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ الخ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہی کلمہ میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ اگرچہ میری پیدائش معجزانہ انداز سے ہوتی ہے مگر میں خدا نہیں خدا کا بندہ ہوں تاکہ لوگ میری بندگی میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ نصاریٰ کی ایک جماعت مبتلا ہوگئی، یَوْمَ یُبْعَثُ تک حضرت عیسیٰ کا قول ہے۔

آتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی شیر خوارگی کے زمانہ میں اللہ کی طرف سے نبوت اور کتاب ملنے کی خبر دی، حالانکہ کسی نبی کو چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوت نہیں ملی، اس لئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرما دیا ہے کہ مجھے اپنے وقت پر نبوت اور کتاب عطا فرمائیں گے اور بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے نبوت اس وقت دی گئی تھی جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعطاء نبوت کا وعدہ قطعی اور حتمی تھا اسی حتمی وعدہ کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا۔

او صانی بالصلوۃ و الزکوۃ جب کسی حکم کوزیادہ تاکید کے ساتھ کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کو لفظ وصیت سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے اس موقعہ پر فرمایا نماز اور زکوۃ ایسی عبادتیں ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی امت پر فرض رہی ہیں البتہ ہر نبی اور رسول کی شریعت میں ان کی تفصیلات اور جزئیات مختلف رہی ہیں رہا عیسیٰ علیہ السلام پر زکوۃ کی فرضیت کا مسئلہ تو یہ حکم بھی نماز کی طرح عام ہے مگر جب کہ مال ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی مال کے مالک نہیں ہوئے حتی کہ آپ نے نہ مکان بنایا اور نہ شادی کی۔

مَادُمْتُ حَیًّا حیات سے مراد زمینی حیات ہے کیونکہ یہ اعمال اسی زمین پر ہو سکتے ہیں، آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد سے نزول کے زمانہ تک رخصت کا زمانہ ہے (روح) بَرًّا بِوَالِدَتِی اس جگہ صرف والدہ کا ذکر کیا والدین نہیں کہا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میرا وجود معجزانہ طور پر والد کے بغیر ہوا ہے اور بچپن کا یہ معجزانہ کلام اس کے لئے کافی شہادت ہے، ورنہ تو حضرت یحییٰ کی طرح برا بوالدیہ کہتے۔

ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یہاں سے اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہے، سابق حضرت عیسیٰ کا کلام تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کے بیہودہ خیالات میں افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا دیا، اور یہود نے ان کی یہاں تک تذلیل و توہین کی کہ ان کو ولد الزنا یوسف نجار کا بیٹا کہہ دیا حق تعالیٰ نے دونوں فریقوں کی غلطی واضح کر کے صحیح حقیقت ان آیات میں بتا دی۔

البلاغة: صيغة التعجب أَسْمِعْ، و أَبْصِرْ

وَاذْكُرْ لهم فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيْمَ اى خبرَهُ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا مُبَالِغًا فى الصِّدقِ نَبِيًّا ويُبْدَلُ من خبرهِ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ آزر يٰٓاَبَتِ التَّاءُ عِوَضٌ عن ياءِ الإضافةِ ولايُجمَعُ بينهما وكان يَعْبُدُ الأصنامَ لِمَ تَعْبُدُ مالايَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ لايكفيكَ شَيْئًا من نفعٍ او ضرٍّ يٰٓاَبَتِ اِنِّى قَدْ جَآءَنِى مِنَ العِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِى اَهْدِكَ صِرَاطًا طريقًا سَوِيًّا مُستقيمًا يٰٓاَبَتِ لاتَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ط بطاعتِكَ إيَّاهُ في عبادةِ الأصنامِ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا كثيرَ العِصيانِ يٰٓاَبَتِ اِنِّى اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ ان لم تتبْ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ناصرًا وقرينًا في النَّارِ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِى يٰٓاِبْرَاهِيْمُ ج فتعيبُها لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ عن التعرُّضِ لها لَاَرْجُمَنَّكَ بالحجارةِ او بالكلامِ القبيحِ فاحْذَرْنى وَاهْجُرْنِى مَلِيًّا دهرًا طويلًا قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ج منّى اى لا اُصيبُكَ بمكروهٍ وسَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ ط اِنَّهُ كَانَ بِىْ حَفِيًّا . من حفِىَ اى بارًّا فيُجيبُ دُعائى وقد وَفَى بوعدِهِ بقولهِ المذكورِ فى الشعراءِ وَاغْفِرْ لِاَبِىْ وهذا قبلَ اَنْ يَتَبَيَّنَ له

اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ کما ذُکِرَ فِی بَرَاءۃِ وَاَعْتَزِلُکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَاَدْعُوْا اَعْبُدُ رَبِّیْ عَسٰٓی اَنْ لَّآ اَکُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ بعبادتِہٖ شَقِیًّا کما شَقِیْتُمْ بعبادۃِ الاَصْنام فَلَمَّا اعْتَزَلَھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ بان ذَھَبَ الی الاَرْضِ المُقَدَّسۃِ وَھَبْنَا لَہٗ اِبْنَیْنِ یَاْنَسُ بھما اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ وَکُلًّا منھما جَعَلْنَا نَبِیًّا وَوَھَبْنَا لَھُمْ الثلاثۃ مِّنْ رَّحْمَتِنَا المالَ والوَلَدَ وَجَعَلْنَا لَھُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ۧ رفیعًا وھو الثناءُ الحَسَنُ فی جمیع اَھْلِ الاَدْیان

ع ۳

ترجمہ

آپ کفار مکہ کو کتاب میں مذکور ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنائیے یعنی اس کی خبر بیان کیجئے بے شک وہ بڑی راستی والے نبی تھے یعنی نہایت سچے نبی تھے اور اذ قال لابیہ حرمہ سے بدل ہے (یعنی اس وقت کا قصہ بیان کیجئے) جب انہوں نے اپنے والد آزر سے عرض کیا تھا یا ابت اے ابا جان تاء یائے اضافت کے عوض میں ہے (عوض اور معوض) دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے اور آزر بت پرستی کرتا تھا آپ ان (بتوں) کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہیں؟ جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں یعنی نہ کفایت کرسکیں، نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان کو دفع کرسکیں اے میرے مہربان باپ میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا لہٰذا آپ میری بات مانیں میں آپ کو صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ دکھاؤں گا اے ابا جان آپ شیطان کی پرستش نہ کریں بت پرستی میں اس کی اطاعت کرکے بے شک شیطان تو (حضرت) رحمان کا بڑا ہی نافرمان ہے یعنی بکثرت نافرمانی کرنے والا ہے اے ابا جان مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر عذاب الٰہی نہ آپڑے کہ کہیں آپ شیطان کے ساتھی نہ بن جائیں، یعنی معاون اور جہنم میں ساتھی نہ بن جائیں (یہ سن کر) باپ نے جواب دیا اے ابراہیم کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کررہا ہے؟ جس کی وجہ سے تو ان پر نکتہ چینی کرتا ہے (کان کھول کرسن لے) اگر تو ان کی چھیڑ چھاڑ سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو پتھروں سے کچل دوں گا یا تیرے ساتھ گالی گلوچ سے پیش آؤں گا جا ایک طویل زمانہ تک مجھ سے دور رہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو میرا اسلام لو یعنی میں آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا میں اپنے رب سے آپ کی مغفرت کے لئے درخواست کروں گا، بلاشبہ وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے حفیًا، حَفِی سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں احسان کرنے والا، لہٰذا وہ میری درخواست کو شرف قبولیت بخشے گا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس وعدہ کو اپنے اس قول سے پورا فرمایا جو سورۂ شعراء میں مذکور ہے واغفر لابی اور یہ دعاء کرنا اس وقت کی بات ہے جب تک یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ وہ دشمن خدا ہے، جیسا کہ سورۂ براءۃ میں مذکور ہے میں تو تم سے بھی اور ان (بتوں) سے بھی کنارہ کشی اختیار کررہا ہوں جن کی تم خدا کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو میں تو اپنے رب کی بندگی کرتا رہوں گا مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی کرکے محروم نہ رہوں گا جیسا کہ تم

بتوں کی بندگی کرکے محروم رہے ہو چنانچہ جب ابراہیم ان کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے تو ہم نے ان کو دو بیٹے جن سے وہ انس حاصل کرے اسحق اور یعقوب عطا کیے اور ان کو نبی بنایا اور ہم نے ان تینوں کو اپنی رحمت سے مال و اولاد عطا کی اور ہم نے ان کو اعلیٰ درجہ کا ذکر جمیل عطا کیا اور وہ تمام اہل ادیان میں انکی اچھی تعریف ہے

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

واذکر فی الکتاب ابراهیم کا عطف **واذکر فی الکتاب مریم** پر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا عطف **وانذرهم یوم الحسرة** پر ہو، **قوله** خبرہٗ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ابراہیم کے پہلے مضاف محذوف ہے اس لئے کہ خبر احوال کی ہوتی ہے نہ کہ ذات کی **قوله** صِدِّیْقًا مبالغہ کا صیغہ ہے بہت راست گو، نبی اور صدیق کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر نبی صدیق ہوتا ہے مگر ہر صدیق کا نبی ہونا ضروری نہیں اسی طرح ولی اور صدیق میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر صدیق ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی کا صدیق ہونا ضروری نہیں مقام صدیقیت مقام کے اعتبار سے مقام نبوت سے نیچا ہے **قوله** اِذ قال لِاَبیه خبرہ سے بدل الاشتمال ہے **قوله** اِنَّهٗ کان صدّیقا نبیا ماقبل کی علت ہے اور بدل اور مبدل منہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے صدیقًا کان کی خبر اول ہے اور نبیًا خبر ثانی ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والد ہیں قرآن کے طرز بیان سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آزر آپ کے چچا ہیں عرف کے اعتبار سے مجازاً اَب کہہ دیا گیا ہے، ان کے والد کا نام تارخ ہے **قوله** اَراغب مبتدا ہے اور اَنتَ قائم مقام فاعل خبر ہے، استفہام تعجبی ہے، چونکہ اَراغب استفہام پر اعتماد کیے ہوئے، لہٰذا نکرہ کا مبتداء بنانا صحیح ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَراغبُ خبر مقدم اور انت مبتدا مؤخر ہو **قوله** لئن اس میں لام قسم ہے ای واللّٰه لئِن لم تنتهِ **قوله العصی والعاصی** دونوں کے ایک ہی معنی ہیں عَصِیٌّ اصل میں عَصُوِیٌ تھا، واؤ کو یا کیا اور یا کو یا میں ادغام کر دیا پھر یا کی مناسبت سے صاد کو کسرہ دیدیا، عِصِیٌّ ہو گیا **قوله** واهْجُرنی ملیا کا عطف واحذرنی محذوف پر ہے جس پر **لارجمنك** دلالت کر رہا ہے تاکہ دونوں جملے انشائیہ ہو جائیں، معطوف اور معطوف علیہ میں موافقت سیبویہ کے یہاں ضروری ہے **ملیًا** طویل زمانہ، ایک معنی اس کے صحیح سالم کے بھی ہیں، مطلب یہ کہ زمانہ دراز کے لئے تو میری نظروں کے سامنے سے ٹل جا، دوسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا کہ تو مجھے میری حالت پر چھوڑ دے مجھ سے چھیڑ چھاڑ نہ کر، ورنہ کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیر نہ تڑوا لینا، **ملیًا** ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسا کہ مفسر علام نے **دهرًا طویلاً** مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے، **واهجرنی** کی ضمیر فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے **قوله ناصرًا وقرینًا** مناسب تھا کہ مفسر علام **قرینًا** پر اکتفاء کرتے اس لئے کہ دخول نار کے بعد کوئی کسی کا معاون نہیں ہوگا **قوله فتکون للشیطان ولیًا** آیت کا ظاہر مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ

شیطان کے ساتھ ولایت مس عذاب پر مرتب ہے، یعنی مس عذاب کی وجہ سے شیطان کے ساتھ ولایت ہوگی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان سے ولایت کی وجہ سے مس عذاب ہوگا، اس شبہ کا جواب مفسر علام نے **قرینا فی النار** کا اضافہ کر کے دیدیا **قوله حَفِيّ** صفت مشبہ ہے بڑا مہربان، اکرام میں مبالغہ کرنے والا **قوله كُلًّا جعلنا** کا مفعول اول ہے تخصیص کے لئے فعل پر مقدم کر دیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

واذكُرْ في الكتابِ ابراهيم اس سورۃ میں مذکور قصوں میں سے یہ تیسرا قصہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا خلاصہ

توراۃ اور تاریخی روایات کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ کا نسب نوپشتوں کے واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام سے ملتا ہے۔

حضرت ابراہیم کے والد کا نام

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا کیا نام ہے؟ توریت اور تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد صاحب کا نام تارخ ہے مگر قرآن عزیز نے آپ کے والد کا نام آزر بتایا ہے **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً** بعض مفسرین نے اس اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں تارخ علم اسمی ہے اور آزر علم وصفی ہے ان میں سے بعض حضرات تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ آزر عبری زبان میں محب صنم کو کہتے ہیں اور چونکہ تارخ میں بت پرستی اور بت تراشی دونوں وصف موجود تھے اس لئے آزر کے لقب سے مشہور ہوا، اور بعض کا خیال ہے کہ آزر کے معنی اَعْوَج (کم فہم) یا خفیف العقل کے ہیں اور چونکہ تارخ میں یہ بات موجود تھی اس لئے اس کو اس وصف سے موصوف کیا گیا، قرآن عزیز نے اسی وصفی نام کو بیان کیا ہے۔

اور دوسرے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آزر اس بت کا نام ہے، تارخ جس کا پجاری اور مہنت تھا مجاہدؒ سے روایت ہے کہ قرآن عزیز کی مسطورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ **أَتَتَّخِذُ آزَرَ إِلٰهًا** ای **اتتخذ اَصنامًا آلِهَةً** کیا تو آزر کو خدا مانتا ہے یعنی بتوں کو خدا مانتا ہے غرضیکہ ان کے نزدیک **آزر ابیه** کا بدل نہیں ہے بلکہ ایک بت کا نام ہے اس طرح قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام مذکور نہیں ہے، ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ

تھا اور چچا کا نام آزر اور چونکہ آزر ہی نے ان کی تربیت کی تھی اور بمنزلہ اولاد کے پالا تھا اس لئے قرآن عزیز میں آزر کو باپ کہہ کر پکارا گیا ہے جیسا کہ نبیؐ کا ارشاد ہے العم صنو ابیہ چچا باپ ہی کی طرح ہوتا ہے، عبدالوہاب نجار کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں سے مجاہدؒ کا قول قرین قیاس ہے اس لئے کہ مصریوں کے قدیم دیوتاؤں میں ایک کا نام اُزُو رِیس بھی آتا ہے جس کے معنی خدائے قوی اور معین کے ہیں اور اصنام پرست اقوام کا شروع سے یہ دستور رہا ہے کہ قدیم دیوتاؤں کے نام پر ہی جدید دیوتاؤں کے نام رکھ لیا کرتے تھے اس لئے اس دیوتا کا نام بھی قدیم مصری دیوتا کے نام پر آزر رکھا گیا ورنہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا۔

ہمارے نزدیک یہ تمام تکلفات باردہ ہیں اس لئے کہ قرآن عزیز نے جب صراحت کے ساتھ آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہا ہے تو پھر علماء کو انساب اور بائبل کے تخمینی قیاسات سے متاثر ہو کر قرآن عزیز کی یقینی تعبیر کو مجاز کہنے یا اس سے بھی آگے بڑھ کر خواہ مخواہ قرآن عزیز میں نحوی مقدرات ماننے پر کونسی شرعی اور حقیقی ضرورت مجبور کرتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدار کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں یہی آزر کہلایا، تارخ چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا اس لئے آزر ہی کے نام سے مشہور ہو گیا حالانکہ یہ نام نہ تھا بلکہ لقب تھا اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔ (ماخوذ از قصص القرآن ج ۱ ص ۱۵۱)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اہل مکہ کو ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیے جن کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ ہم ان کی نسبی اولاد ہیں شاید ان کو اپنے جد امجد کے بت شکنی اور بت بیزاری کے حالات سن کر توحید و رسالت کا مسئلہ سمجھ میں آجائے وہ اپنے ہر قول و فعل میں بڑے راستی والے پیغمبر تھے اور ان کا جو قصہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت پیش آیا تھا جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے جو کہ مشرک تھا کہا تھا اے میرے ابا جان آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہو کہ جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ وہ تمہارے کچھ کام آسکیں، اے میرے ابا جان میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں پہنچا تم میرے کہنے پر چلو میں تم کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا اور اے ابا جان آپ شیطان کی پرستش نہ کریں یعنی اس کو اور اس کی بندگی کو خود تم بھی ناپسند کرتے ہو اور بت پرستی میں شیطان پرستی یقیناً لازم ہے اس لئے کہ وہی یہ حرکت کراتا ہے اسی کا نام شیطان پرستی ہے، بے شک شیطان رحمان کا بڑا نافرمان ہے وہ اطاعت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے، اے ابا جان مجھے قوی اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر رحمان کی طرف سے عذاب نہ آپڑے پھر تم عذاب میں شیطان کے ساتھ مبتلا ہو جاؤ، اپنے صاحبزادے کی مذکورہ تمام باتیں سن کر کہنے لگا کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اگر تم ان بتوں کی مذمت اور مجھے ان کی عبادت سے منع کرنے سے باز نہ آئے تو میں تم کو ضرور بالضرور پتھروں سے مار مار کر سنگسار کر دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب و احترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت ہی

شفقت اور پیار کے لہجے میں ابا جان کو توحید کا وعظ سنایا لیکن توحید کا سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں بیان کیا جائے مشرک کے لئے ناقابل برداشت ہی ہوتا ہے چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت ہی درشتی اور تلخی کے ساتھ موحد بیٹے سے کہا اگر تو میرے معبودوں سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا میں تجھے سنگسار کردوں گا ورنہ تو میری نظروں کے سامنے سے ٹل جا (دوسرا ترجمہ) ملیًا کے ایک معنی صحیح سالم کے بھی ہیں اس وقت ترجمہ یہ ہوگا یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے اور مجھے توحید کا سبق سکھانے سے باز آجا اگر تو باز نہ آیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تو مجھ سے اپنے ہاتھ پیر تڑوا بیٹھے، حضرت ابراہیم نے کہا (بہتر) میرا اسلام لو اب تم سے کہنا سننا بے سود ہے اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا کہ وہ تم کو ہدایت کرے بے شک وہ مجھ پر صد درجہ مہربان ہے، جب تم میری حق بات کو نہیں مانتے تو تم میں میرا رہنا بھی فضول ہے اس لئے میں تم سے اور جن کی تم پوجا کرتے ہو کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں کہیں جا کر اطمینان سے اپنے رب کی بندگی کروں گا غرضیکہ اس گفتگو کے بعد ان سے اس طرح علیحدہ ہوئے کہ ملک شام کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے اور ہم نے ان کو اسحٰق بیٹا اور یعقوب پوتا عطا کیا، اسماعیل علیہ السلام چونکہ پہلے پیدا ہو چکے تھے اس لئے ان کا اس جگہ ذکر نہیں اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا ذکر مستقلاً عنقریب ان کے اوصاف کے ساتھ آرہا ہے اس وجہ سے یہاں ترک کر دیا گیا۔

صدیق کی تعریف

صدیق کے اصطلاحی معنی میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے، اور بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و فعل ہر چیز میں صادق ہو اور جو دل میں ہو وہی زبان پر ہو ایسا شخص صدیق ہے، روح المعانی اور مظہری میں اسی آخری قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

صدیقیت کے درجات

صدیقیت کے درجات مختلف و متفاوت ہیں اصل صدیق تو رسول اور نبی ہی ہوسکتا ہے اور ہر نبی اور رسول کے لئے صدیقیت وصف لازم ہے مگر اس کا عکس لازم نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی صدیق ہوسکتا ہے، حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے **اُمُّهٗ صِدِّيقَةٌ** کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں ہیں اور کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی۔

بڑوں کو نصیحت کرنے کے آداب اور طریقے

یَا اَبَتِ عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ

نے جو مقام جامعیت اوصاف وکمالات کا عطا فرمایا تھا ان کی یہ تقریر اپنے والد کے سامنے ہورہی ہے، اعتدال مزاج اور رعایت اضداد کی ایک بے نظیر تقریر ہے ایک طرف باپ کو شرک وکفر اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اس کا داعی دیکھ رہے ہیں جس کے مٹانے ہی کے لئے خلیل اللہ پیدا کیے گئے ہیں، دوسری طرف باپ کا ادب اور عظمت اور محبت ہے اور ان دونوں ضدوں کو خلیل اللہ نے کس طرح جمع فرمایا، اول تو یا اَبَتِ کا لفظ جو باپ کی مہربانی اور محبت کا داعی ہے ہر جملہ کے شروع میں اس لفظ سے خطاب کیا، پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں کیا جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہوجائے، دوسرے جملہ میں اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم نبوت کی عطا فرمائی تھی تیسرے اور چوتھے جملہ میں انجام بد سے ڈرایا جو اس کفر وشرک کے نتیجے میں آنے والا تھا، اس پر بھی باپ نے بجائے کسی غور وفکر کے ان کی فرزندانہ گذارش پر کچھ نرمی کا پہلو اختیار کرتے...... پورے تشدد کے ساتھ خطاب کیا انہوں نے تو خطاب یا ابت کے پیارے لفظ سے کیا جس کا جواب عرف میں یَا بُنَیَّ کے لفظ سے ہونا چاہیے تھا مگر آزر نے ان کا نام لیکر یا ابراہیم سے خطاب کیا اور ان کو سنگسار کرکے قتل کرنے کی دھمکی اور گھر سے نکل جانے کا حکم دیا اس کا جواب خلیل اللہ کی طرف سے کیا ملتا ہے وہ سنئے، فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَیْكَ یہاں لفظ سلام دو معنی کے لئے ہوسکتا ہے اول یہ کہ سلام مقاطعہ ہو، یعنی کسی سے شریفانہ اور مہذب طریقہ سے قطع تعلق کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بات کا جواب دینے کے بجائے لفظ سلام کہہ کر علیحدہ ہوجائے جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے مقبول اور صالح بندوں کی صفت میں بیان فرمایا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا یعنی جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کرتے ہیں تو یہ ان کے دوبدو ہونے کے بجائے لفظ سلام کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود مخالفت کے میں تمہیں کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچاؤں گا، اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہاں سلام عرفی سلام ہی کے معنی میں لیا جائے، اس میں فقہی اشکال ہوتا ہے جس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔

سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ یہاں بھی ایک اعتراض ہوتا ہے اعتراض یہ ہے کہ کسی کافر کے لئے استغفار کرنا شرعاً ممنوع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا تھا کہ وَاللّٰهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَالَمْ انه عنه بخدا میں آپ کے لئے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے منع نہ کردیا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَاكَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ یعنی نبی اور ایمان والوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اس آیت کے نازل ہونے پر آپ نے چچا کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

اشکال کا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ سے وعدہ کرنا کہ میں آپ کے لئے استغفار کروں گا یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے اس کے بعد ممانعت کردی گئی، سورۂ ممتحنہ میں حق تعالیٰ نے خود اس واقعہ کا بطور استثناء ذکر

فرما کر اس کی اطلاع دیدی ہے اِلَّا قَوْلَ ابراهیمَ لِاَبِیْه لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ اور اس سے زیادہ واضح سورۂ توبہ میں آیت مذکورہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا کے بعد دوسری آیت میں فرمایا ہے ما كان استغفار ابراهيم لِاَبِيْه اِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِلّٰه تَبَرَّأَ مِنْهُ جس سے معلوم ہوا کہ یہ استغفار ورس کا وعدہ باپ کے کفر پر جمے رہنے اور خدا کا دشمن ثابت ہونے سے پہلے کا تھا جب باپ کے مرد اللہ ہونے کی حقیقت معلوم ہوگئی تو حضرت ابراہیمؑ نے بھی برأت کا اعلان فرمادیا۔

البلاغة: الكنايَة اللَّطيفة : "لِسانَ صدق" كناية عن الذكر الحسن والثناء الجميل باللسان لِأن الثناء يكون باللسان كما يكنى عن العطاء باليد.

واذْكُر فِي الكتابِ موسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا بكَسْرِ اللامِ وفتحِها مَنْ اَخْلَصَ فِي عبادته واَخْلَصَهُ اللّٰه من الدَّنَسِ وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا. وناديْناهُ بقول يَامُوْسٰى اِنِّيْ انا اللّٰهُ مِنْ جانبِ الطُّورِ اِسْمُ جَبَلِ الْاَيْمَنِ اى الَّذِيْ يَلِي يَمِيْنَ مُوْسٰى حِيْنَ اَقْبَلَ مِنْ مَدْيَنَ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا مُناجيًا بانْ اَسْمَعَهُ تعالٰى كَلَامَهٗ وَوَهَبْنَالَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا نِعْمَتِنا اَخَاهُ هَارُوْنَ بَدْلٌ او عَطْفُ بَيَان نَبِيًّا. حالٌ هِي المقْصُوْدَةُ بِالهِبَةِ اِجَابَةً لِسُوَالِه ان يُّرْسِلَ اَخَاه معه وكان اَسَنَّ منه وَاذْكُرْ فِي الكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ لم يَعِدْ شيئًا الاوفى به وَانْتَظَرَ مَنْ وَعَدَهُ ثلثةَ اَيَّامٍ او حَوْلًا حتى رجعَ اليه في مَكَانِه وَّكَانَ رَسُوْلًا الى جُرْهم نَّبِيًّا. وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ اى قومَه بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّه مَرْضِيًّا۝ اَصْلُه مَرْضُوْوٌ قُلِبَتِ الوَاوَان يَائَيْنِ والضَّمَّةُ كَسْرَةً واذْكُرْ فِي الكِتٰبِ اِدْرِيْسَ هو جَدُّ اَبِي نوحٍ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا. هو حيٌّ في السَّمَاءِ الرَّابعةِ او السَّادِسةِ اَو السَّابعةِ او في الجَنَّةِ اُدْخِلَها بَعْدَ اَنْ اُذِيْقَ الموتَ واُحْيِي ولم يُخْرَجْ منها اُولٰئِكَ مُبْتَدَأٌ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ صِفَةٌ له مِنَ النَّبِيِّيْنَ بَيَانٌ لهم وهو في مَعْنَى الصِّفَة ومابعده الى جملةِ الشَّرْطِ صِفَةٌ للنَّبِيِّيْنَ فقوله مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ اى اِدْرِيْسَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ في السَّفِينة اى اِبْرَاهِيْمَ ابْنَ اِبْنِه سامٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اى اِسْمَاعِيْلَ واِسْحاق ويَعْقُوْبَ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِسْرَآئِيْلَ وهو يعقوبُ اى مُوْسٰى وهَارُوْنَ وزَكَرِيَّا ويَحْيٰى وعِيْسٰى وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اى مِنْ جُمْلَتِهم وخَبَرُ اُولٰئِكَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا جَمْعُ ساجِدٍ وَبَاكٍ اى فكُوْنُوْا مِثْلَهم وَاَصلُ بُكِيٍّ بَكُوْيٌ قُلِبَتِ الواو ياءً والضَّمَّةُ كَسْرَةً فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ بتَرْكِهَا كاليَهُوْدِ والنَّصَارٰى وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ مِنَ المَعَاصِي فَسَوْفَ

يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ هو وادٍ فی جَهَنَّم ای یَقَعُوْنَ فیه .

ترجمہ

کتاب میں مذکور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے وہ بلاشبہ بڑے مخلص منتخب بندے تھے کسرۂ لام اور فتحۂ لام کے ساتھ مخلِص مَنْ اَخلَصَ فِی عِبَادَتِهٖ کو کہتے ہیں اور مخلَص مَن اَخلَصَهُ اللّٰه مِنَ الدنَس کو کہتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کر دیا) اور وہ نبی مرسل تھے اور ہم نے موسیٰ کو کوہ طور کی داہنی جانب سے یا موسیٰ اِنِّی اَنَا اللّٰه کہہ کر پکارا طور ایک پہاڑ کا نام ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی اس جانب سے (پکارا) جو مدین سے آتے ہوئے داہنی جانب پڑتی ہے اور ہم نے اس کو رازدارانہ گفتگو کے لئے اپنا مقرب بنایا، اس طریقہ پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا کلام سنایا اور ہم نے اس کو اپنی رحمت نعمت کے سبب سے اس کا بھائی ہارون نبی بنا کر عطا کیا ہارون (اخاہ) سے بدل یا عطف بیان ہے نبیًّا (ہارون) سے حال ہے اور وَهَبْنَا سے عطاء نبوت ہی مراد ہے موسیٰ کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے کہ اس کے ساتھ اس کے بھائی (ہارون) کو نبی بنا دیجئے اور ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ اور کتاب میں مذکور اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدے کے بڑے سچے تھے انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا کہ اس کو پورا نہ کیا ہو اور جس شخص سے (انتظار) کا وعدہ کیا تھا اس کا تین دن یا ایک سال تک (اسی جگہ) انتظار کیا تا آں کہ وہ شخص کہ جس سے انتظار کا وعدہ کیا تھا آپ کے انتظار کی جگہ واپس آیا اور وہ جرہم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور وہ اپنے اہل یعنی اپنی قوم کو (برابر) نماز کا اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے مَرضِیٌّ کی اصل مَرضُوْوٌ تھی، دونوں واؤ ی سے بدل گئے اور ضمہ کسرہ سے بدل گیا، اور اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجئے وہ نوح علیہ السلام کے والد کے دادا تھے بے شک وہ بڑی راستی والے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند مقام تک پہنچا دیا، وہ چوتھے یا چھٹے یا ساتویں آسمان یا جنت میں زندہ ہیں اور ان کو موت کا مزا چکھانے کے بعد جنت میں داخل کر دیا گیا اور زندہ کر دیا گیا اور وہ جنت سے نہیں نکلے اُولٰئِكَ مبتداء ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا الذین انعم اللّٰه عَلَیْهِمْ، اُولٰئِكَ (موصوف) کی صفت ہے اور مِنَ النبیین الذین کا بیان ہے اور یہ بیان صفت کے معنی میں ہے اور من النبیین سے لیکر جملہ شرطیہ تک نبیین کی صفت ہے (اور یہ مُنْعَم علیهم) آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں یعنی ادریس علیہ السلام اور ان میں سے بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا یعنی ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح کے بیٹے سام کی نسل سے ہیں اور بعض ان میں سے ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں یعنی اسماعیل اور اسحق اور یعقوب علیہم السلام بعض اسرائیل کی نسل سے ہیں اور وہ یعقوب ہیں موسیٰ اور ہارون اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ ہیں اور یہ سب (حضرات) ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور مقبول بنایا یعنی منجملہ ہدایت یافتہ مقبول لوگوں میں سے ہیں اور اُولٰئِكَ کی خبر اذا تُتْلٰی

عليهم الخ سے سُجّدًا ساجد کی اور بُكِيًّا باكٍ کی جمع ہے (ان حضرات کی یہ کیفیت تھی کہ) جب ان کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے روتے ہوئے (زمین) پر گر جاتے تھے لہٰذا اے (اہل مکہ) تم بھی ان کے جیسے ہو جاؤ اور بُكِيٌّ کی اصل بُكُوْيٌ تھی واؤ کی سے اور ضمہ کسرہ سے بدل گیا پھر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز کو ترک کر کے ضائع کر دیا جیسا کہ یہود اور نصاریٰ اور معصیت میں خواہشات کی اتباع کی تو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے (غَيًّا) جہنم میں ایک وادی ہے یعنی اس میں پڑیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله واذكر في الكتاب موسىٰ کا عطف واذكر في الكتاب مريم پر عطف قصہ علی القصہ ہے، سورۂ مریم میں دس انبیاء علیہم السلام کے اسماء مذکور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے کچھ اوصاف ومناقب بیان فرمائے ہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی توقیر وتعظیم لازم ہے، اسماء مذکورہ یہ ہیں ۱ زکریا علیہ السلام ۲ یحیی علیہ السلام ۳ ابراہیم علیہ السلام ۴ عیسیٰ علیہ السلام ۵ اسحٰق علیہ السلام ۶ یعقوب علیہ السلام ۷ اسماعیل علیہ السلام ۸ موسیٰ علیہ السلام ۹ ہارون علیہ السلام ۱۰ ادریس علیہ السلام مخلِصًا ای موحّدًا اَخلص عبادتهٗ عن الشرك (افعل) سے اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ ہے ای اَخلَصَهُ الله تعالىٰ واختارهٗ وجعلهٗ مختارًا **قوله** الدُّسُ میں (ج) ادناس وكان رسولاً نبيًّا رسولاً كانَ کی خبر اول ہے اور نبيًّا خبر ثانی، رسول کے لغوی معنی مراد ہیں اور نبی کے اصطلاحی، رسولا نبيًّا میں مناسب یہ تھا کہ عام کو مقدم اور خاص کو مؤخر ذکر کرتے مگر فواصل کی رعایت کی وجہ سے عکس کر دیا، جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں رب هارون وموسىٰ ہیں، اور بعض حضرات نے رسول کے اصطلاحی معنی اور نبی کے لغوی معنی مراد لئے ہیں یعنی عالی مرتبہ رسول، اس وقت نبی نبوة سے مشتق ہوگا جس کے معنی رفعت اور بلندی کے ہیں **قوله** الطور یہ مدین اور مصر کے درمیان مشہور پہاڑ ہے جس کا نام جبل زبیر بھی ہے **قوله** ایمن اگر یمین سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہیں دائیں **قوله** نجيًّا قرّبنا کے مفعول یا فاعل کی ضمیر سے حال ہے اور الایمن جانب کی صفت ہے اسی وجہ سے اعراب میں اس کے تابع ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ الايمن يُمنٌ سے مشتق ہے تو اس صورت میں طور کی صفت واقع ہوسکتا ہے یعنی مبارک پہاڑ کی جانب سے موسیٰ کو ندا دی وَهَبْنَا (ف) عطا کیا، **قوله** من رحمتنا مِن تبعیضیہ ہے ای من احل رحمتنا اَخاه اس صورت میں وهبناه کا مفعول بہ ہوگا، اور هارون اخاه سے بدل ہوگا یا عطف بیان یا اعنی محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا نبيًّا هارون سے حال ہے جرہم یمن کا ایک قبیلہ تھا جو پانی کی سہولت دیکھ کر وادی مکہ میں حضرت ہاجرہ کے پاس مقیم ہوگیا تھا، اور حضرت اسماعیل نے جوان ہوکر اسی قبیلہ میں شادی کر لی تھی، ادریس کا نام اخنوخ ہے اور یہ نوح علیہ السلام کے جد امجد ہیں **قوله** رَفَعْنَا بعض مفسرین نے کہا ہے کہ رفع

سے مراد شرف نبوت کی وجہ سے رفع مرتبہ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ رفع آسمانی مراد ہے جیسا کہ مفسر علام کی یہی رائے ہے **قولہ** خلف سکون لام کے ساتھ ناخلف (نالائق) کے لئے اور فتحہ لام کے ساتھ لائق اخلاف کے لئے استعمال ہوتا ہے **قولہ** یَلْقَوْنَ مضارع جمع مذکر غائب (س) پڑیں گے، ملاقات کریں گے **قولہ** غَیًّا اسم فعل. گمراہی، عذاب۔

تفسیر وتشریح

وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مُوْسٰی اس سورت میں مذکور قصوں میں سے یہ چوتھا قصہ ہے، اور ذکر کرنے سے مراد سنانا ہے، اس لئے کہ ذکر کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں مُخْلَصًا بفتح اللام وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لیا ہو یعنی جس کو غیر اللہ کی طرف التفات نہ ہو یہ شان خصوصی طور پر انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِکْرَی الدَّارِ یعنی ہم نے ان کو مخصوص کر دیا ہے ایک خاص کام یعنی دار آخرت کی یاد کے لئے، امت میں جو حضرات کاملین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر ہوں ان کو بھی اس مقام کا ایک درجہ ملتا ہے اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ قدرتی طور پر گناہوں سے بچا دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ یہ مشہور پہاڑ ملک شام میں مصر اور مدین کے درمیان واقع ہے آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

الْاَیْمَن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب مراد ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے چل کر جب طور کے بالمقابل پہنچے تو طور ان کی دائیں جانب تھا نَجِیًّا سے سرگوشی مراد ہے موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلامی کو راز اس لئے کہا گیا ہے کہ کلام کے وقت وہاں کوئی انسان موجود نہیں تھا گو بعد میں وہ گفتگو اور کلام سب کو معلوم ہو گیا

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاهُ هٰرُوْنَ یہاں ہبہ سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاون و مددگار بنانا ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میرے بھائی کو میرا معاون و مددگار بنا دیجئے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی اور نبوت عطا کر دی اسی کو ہبہ سے تعبیر کیا گیا ورنہ تو حضرت ہارون موسیٰ سے عمر میں بڑے ہیں بڑا چھوٹے کو ہدیہ نہیں کیا جا سکتا۔

واذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِسْمَاعِیْلَ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ان کے والد ابراہیم اور بھائی اسحق کے ساتھ نہیں کیا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درمیان میں ذکر آنے کے بعد ان کا ذکر فرمایا شاید اس سے مقصود ان کے ذکر کا خاص اہتمام ہو کہ ضمناً ذکر کرنے کے بعد مستقلاً ذکر فرما دیا، یہاں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے ان کے درمیان

زمانۂ بعثت کی ترتیب نہیں رکھی گئی کیونکہ ادریس علیہ السلام جن کا ذکر سب کے بعد آرہا ہے وہ زمانہ کے لحاظ سے سب سے متقدم ہیں۔

کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ایفاء وعدہ ایک ایسا خلق حسن ہے کہ ہر شریف انسان اس کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو ایک رذیل حرکت قرار دیتا ہے حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے اس لئے ہر نبی صادق الوعد ہوتا ہے، مگر اس سلسلۂ کلام میں خاص خاص انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کوئی خاص وصف بھی ذکر کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ وصف دوسروں میں نہیں بلکہ اشارہ اس طرف ہے کہ ان میں یہ وصف خاص امتیازی شان رکھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخلص ہونا ذکر فرمایا گیا حالانکہ یہ صفت بھی تمام انبیاء علیہم السلام میں عام ہے مگر چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو اس میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا اس لئے ان کے ذکر میں خصوصیت سے اس وصف کا ذکر کردیا گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صادق الوعد امتیازی وصف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے جس چیز کا وعدہ اللہ سے یا کسی بندے سے کیا اس کو بڑی مضبوطی اور اہتمام سے پورا کیا انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں خود کو ذبح ہونے کے لئے پیش کردوں گا اور اس پر صبر کروں گا، اس وعدہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پورے اترے، ایک مرتبہ ایک شخص سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا تھا وہ وقت پر نہ آیا تو اس کے انتظار میں تین دن اور بعض روایات میں ایک سال تک اس کا انتظار کرتے رہے۔ (مظہری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ترمذی میں بروایت عبداللہ ابن ابی الخنساء سے ایسا ہی واقعہ وعدہ کر کے تین دن تک اسی جگہ انتظار کرنے کا منقول ہے۔ (قرطبی)

كَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلوٰةِ وَالزَّكوٰةِ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خصوصی اوصاف میں ایک وصف یہ بھی مذکور ہے کہ وہ اپنے اہل کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے یہ وصف اگرچہ ہر نبی میں مشترک ہے مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اس کے اہتمام میں امتیازی کوشش کرتے تھے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال قبل حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔ (روح المعانی)

اور حضرت ادریس علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے، اور ادریس علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اور علم حساب بطور معجزہ دیا گیا تھا (بحر محیط) اور سب سے پہلے انسان ہیں کہ جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا ایجاد کیا، اور انہیں نے ناپ تول کے طریقے بھی ایجاد کئے، اور آپ ہی نے اسلحہ ایجاد کر کے بنو قابیل سے جہاد کیا۔ (بحر محیط قرطبی، مظہری، روح)

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا مکان رفیع سے مراد مرتبہ کی بلندی ہے یعنی نبوت و رسالت اور قرب خداوندی کا خاص مقام عطا فرمایا گیا بعض روایات میں جو آسمانوں پر رفع جسمانی منقول ہے اس کے متعلق ابن کثیر نے لکھا ہے:

هذا مِنْ اَخْبَارِ كَعْبِ الْاَحْبَارِ من الاسرائيليات وفي بَعْضِهِ نكَارَة . یہ کعب احبار کی اسرائیلی روایات میں سے ہے اور ان میں سے بعض میں نکارت ہے۔

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ اس سے مراد صرف حضرت ادریس ہیں اور ومن ذرية مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ اس سے مراد صرف ابراہیم ہیں وَمِنْ ذُرِّيَّةِ ابراهيم اس سے مراد اسماعیل واسحق ویعقوب علیہم السلام ہیں وَاسرائِيل اس سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون اور حضرت زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا سابقہ آیات میں چند اکابر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے جن میں ان کی عظمت شان کو بیان کیا گیا ہے چونکہ انبیاء علیہم السلام کی عظمت میں عوام سے غلو کرنے کا خطرہ تھا جیسے یہود نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ہی بنادیا اس لئے اس مجموعہ کے بعد ان سب کا اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونا اور خوف و خشیت سے بھرپور ہنا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے تاکہ افراط و تفریط کے درمیان رہیں۔ (معارف القرآن)

اِلَّا لكن مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ يُنْقَصُوْنَ شَيْـًٔا من ثَوَابِهِم جَنّٰتِ عَدْنِ اِقَامَةٍ بَدَلٌ مِنَ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ حالٌ اى غائبين عنها اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهُ اى مَوْعُوْدُهُ مَاْتِيًّا بمعنى آتيًا واصله ما توىٌ او مَوْعُوْدُه هُنَا الجنةُ يَاتِيْهِ اَهلُه لا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا مِنَ الكلامِ اِلَّا لكن يَسْمَعُوْنَ سَلٰمًا مِنَ المَلٰئِكَةِ عليهم او مِن بَعْضِهِم على بعضٍ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا اى على قَدْرِهما فى الدُّنيا وليس فى الجَنَّةِ نَهارٌ ولا لَيْلٌ بل ضَوْءٌ ونُوْرٌ اَبَدًا تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ نُعْطِيْ ونُنْزِلُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا بطَاعَتِه ونَزَلَ لَمَّا تَاَخَّرَ الوَحْيُ اَيَّامًا وقال النبى صلى الله عليه وسلم لجبريل ما يمنعُكَ ان تَزُوْرَنَا اَكْثر مِمَّا تَزُوْرُنَا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا اى امامنا من اُمُوْرِ الآخرة وماخلفنا من اُمُور الدُّنيا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ اى مايكونُ من هذا الوقتِ الى قِيَامِ السَّاعةِ اى له عِلْمُ ذلك جميعه وَمَاكَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا بمعنى ناسيًا اى تَارِكًا لكَ بتأخيرِ الوَحْيِ عنكَ هو رَبُّ مالكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَابَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ اى اصْبِرْ عليها هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا اى مُسَمًّى بذلك .

ترجمہ

عنقریب خرابی دیکھیں گے ہاں مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کرنے لگا سو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا یعنی ان کے اجر وثواب میں (ذرہ برابر) کمی نہ کی جائے گی جَنّٰتُ عدْنٍ ہمیشہ قیام کی جنت جنّٰتُ عَدْنٍ ، الجنة سے بدل ہے وہ جنت کہ جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے بِالغیب حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ ان بندوں نے اس جنت کو دیکھا نہیں ہے اور اس کے موعود (وعدہ کی ہوئی چیز) کو یہ لوگ ضرور جنت میں پہنچیں گے مَاْتِیًّا بمعنی آتِیًا ہے اس کی اصل مَاْتویٌ تھی یا اس کا موعود بہا، جنت ہے یعنی جنت کے مستحق اس میں داخل ہوں گے اور وہ لوگ جنت میں کوئی فضول بات نہ سنیں گے البتہ اپنے اوپر فرشتوں کا یا آپس میں ایک دوسرے کا سلام سنیں گے ان کو جنت میں صبح وشام کھانا ملا کرے گا یعنی دنیا میں عادت کے مطابق اور جنت میں لیل ونہار نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ روشنی اور نور ہوگا یہ ایسی جنت ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا ایسے شخص کو مالک بنائیں گے یعنی عطا کریں گے اور (اس میں) نازل کریں گے کہ جو متقی ہوگا اس کی طاعت کے ذریعہ اور جب وحی چند دن متاخر ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل سے فرمایا کہ کیا چیز مانع ہے اس بات سے کہ اس سے زیادہ ہماری ملاقات کرو جتنی تم کرتے ہو (فرمایا) ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے ہمارے آگے امور آخرت اور پیچھے امور دنیا اور اس کے درمیان یعنی وہ امور جو اس وقت سے قیامت تک ہوں گے اسی کی ملک ہیں یعنی ان تمام امور کا اسی کو علم ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے نَسِیًّا بمعنی ناسیًا یعنی تاخیر وحی کی وجہ سے آپ کو چھوڑنے والا نہیں ہے وہ رب مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان میں ہے لہٰذا آپ اسی کی بندگی کریں اور اسی کی عبادت پر جمے رہیں کیا آپ کے علم میں اس کا کوئی ہم نام ہے۔ (ہمسر)

البلاغة :

۱. الطباق (لَهُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وبَيْنَ بُكْرَةً .... وعَشِيًّا)

۲. السجع الحسن الرصيص (عَلِيًّا حَفِيًّا ونبيًّا)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله لٰكِنْ اِلَّا کی تفسیر لٰكِنْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے اس لئے کہ مستثنیٰ منہ کافرین ہیں اور مستثنیٰ مومنین ہیں كَانَ وَعْدُهُ ای مَوْعُوْدُهٗ اور وہ موعود جنت ہے ای یَاْتِیْهِ ویَدْخُلُهُ مَنْ وُعِدَ لَهُ بِهَا لامَحَالَةَ اس صورت میں مَاْتِیًّا اتیان سے اسم مفعول ہوگا یا مَاْتِیًّا بمعنی اسم

فعل ہے ای آتیًا البتہ وعْدٌ اسم مصدر بھی ہے بمعنی وعدہ اور مصدر بھی ہے یعنی وعدہ کرنا مفسر علام نے اَوْ موْعُوْدُہٗ کا اضافہ کر کے دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے موعودہٗ سے مَا وُعِدَ بہٖ یعنی جنت مراد ہوگی اس صورت میں ماتیًا اپنی حالت پر رہے گا اور وَعْدٌ اپنے مصدری معنی میں ہو تو ماتیًا بمعنی آتیا ہوگا، پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا جنت کے مستحقین جن سے رحمن نے وعدہ کیا ہے وہ جنت میں البتہ داخل ہوں گے اور دوسری صورت میں یہ ترجمہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور آ کر رہے گا۔

تفسیر وتشریح

سابق میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کا خاتمہ کفر پر ہوا، اب اِلَّا مَنْ تَابَ سے ان خوش نصیب حضرات کا ذکر ہے کہ جنہوں نے کفر وشرک سے توبہ کی اور اعمال صالحہ کئے، ایسے لوگ وعدۂ خداوندی کی وجہ سے جنت عدن میں داخل ہوں گے جو کہ اعلیٰ قسم کی جنت ہے، اس میں بیہودہ اور باطل کلام نہ سنیں گے اور نہ ان کے کانوں میں کوئی ایسا کلمہ پڑے گا جو ان کی اذیت کا باعث ہو، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل جنت سے بیہودہ کلام کا صدور نہ ہوگا بلکہ وہاں ایسا کلام سنیں گے کہ جو بھلائی اور خوشی میں اضافہ کرے گا، اصطلاحی سلام بھی اس میں داخل ہے کہ آپس میں اہل جنت اور اللہ کے فرشتے ان کو سلام کریں گے۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا جنت میں یہ نظام شمسی اور طلوع وغروب یا لیل ونہار تو نہ ہوگا البتہ ایک قسم کی روشنی ہمہ وقت رہے گی مگر رات و دن اور صبح وشام کا پتہ کسی خاص انداز سے ہوگا مثلاً پردوں کے بند ہونے سے رات کا اندازہ ہوگا اور پردوں کے کھلنے سے دن کا اندازہ ہوگا اب رہا رزق کا صبح وشام ملنا تو یہ دنیوی زندگی کے عرف، و عادت کے طور پر ہوگا، ورنہ تو یہ بات ظاہر ہے کہ اہل جنت کو جس وقت جس چیز کی خواہش ہوگی وہ چیز اسی وقت بلا تاخیر مہیا ہو جائے گی، باری تعالیٰ کا فرمان ہے (وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُوْنَ) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبح وشام سے مراد عموم ہے جیسے رات دن بول کر ہمہ وقت مراد ہوتا ہے اور مشرق ومغرب بول کر پوری دنیا مراد ہوتی ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ

شان نزول

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیلؑ سے یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ آپ ذرا زیادہ آیا کریں اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی ملک ہیں اور تیرا رب تجھ کو وحی میں تاخیر کر کے چھوڑنے والا نہیں ہے، سب کا رب وہی ہے تو

اسی کی بندگی کر اور اس پر جما رہ اور عبادت کے سلسلہ میں اگر کوئی تکلیف پڑے تو اس کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر، کیا تیرے علم میں اس کا ہم صفت اور ہم پلہ کوئی ہے؟ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ الْمُنْكِرُ لِلْبَعْثِ اُبَىُّ بْنُ خَلَفٍ او الوليدُ بنُ الْمُغِيْرَةِ النَّازِلُ فيه الآيَةُ ءَاِذَا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ الِفٍ بَيْنَهُمَا بوَجْهَيْهَا وبَيْنَ الْاُخْرى مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ من القَبرِ كَمَا يقول مُحَمَّدٌ فَالِاسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ اى لا اُحْيى بَعْدَ الموْتِ ومَا زَائِدَةٌ لِلتَّاكِيْدِ وكَذا اللَّامُ وَرُدَّ عليه بقوله تعالى اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَصْلُهُ يتذكَّرُ اُبْدِلَتِ التَّاءُ ذَالاً وَاُدْغِمَتْ فى الذَّالِ وفى قِراءةٍ بتركِهَا وسُكُوْنِ الذَّالِ وضمِّ الكاف اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَيُسْتَدَلُّ بالِابْتِدَاءِ على الاعادة فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ اى المُنْكِرِيْنَ للبعْثِ وَالشَّيَاطِيْنَ اى نَجْمَعُ كُلًّا مِنهم وشَيْطَانَهُ فى سِلْسِلَةٍ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ من خارجِهَا جِثِيًّا ۝ على الرُّكَبِ جَمْعُ جَاثٍ وَاَصْلُهُ جُثُوْوٌ او جُثُوْىٌ من جثى يَجْثُوْا ويَجْثى لُغَتَان ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ فِرْقَةٍ منهم اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ جُرْءَةً ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا اَحَقُّ بِجَهَنَّمَ الْاَشَدُّ وغيرُه منهم صِلِيًّا ۝ دُخُوْلاً واحتِرَاقًا فَنَبْدَءُ بهم وَاَصْلُه صُلُوْىٌ من صَلِىَ بكسر اللام وفتحِها وَاِنْ اى مَا مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ اى دَاخِلُ جَهَنَّمَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ حَتَمَهُ وقَضٰى به لايَتْرُكُهُ ثُمَّ نُنَجِّى مُشَدَّدًا ومُخَفَّفًا الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ والكُفْرَ منها وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ بالشِّرْكِ وَالكُفْرِ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ على الرُّكَبِ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اى المُؤمِنِيْنَ والكٰفِرِيْنَ آيٰتُنَا من القرآنِ بَيِّنٰتٍ واضِحَاتٍ حالٌ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَيُّ الفَرِيْقَيْنِ نَحْنُ اَوْاَنْتُمْ خَيْرٌ مَّقَامًا مَنْزِلاً وَمَسْكَنًا بالفتحِ مِنْ قَامَ وبالضمِّ من اَقَامَ وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ بمعنى النَّادِى وهو مُجْتَمَعُ القَوْمِ يَتَحَدَّثُوْنَ فيه يَعْنُوْنَ نحن فَنَكُوْنُ خيرًا منكم قال تعالى وَكَمْ اى كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ اى اُمَّةٍ مِن الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا مَالاً وَمَتَاعًا وَّرِئْيًا ۝ مَنْظَرًا مِنَ الرُّؤْيَةِ فَلَمَّا اَهْلَكْنَاهم لِكُفْرِهِمْ نُهْلِكُ هٰؤُلَاءِ قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ شرطٌ جوابُهُ فَلْيَمْدُدْ بمعنى الخَبَرِ اى يَمُدُّ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۝ فى الدُّنيا يَسْتَدْرِجُهُ حَتّٰى اِذَا رَاَوْا مَايُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ كالقَتْلِ والْاَسْرِ وَاِمَّا السَّاعَةَ ط المُشْتَمِلَةَ على جَهَنَّمَ فَيَدْخُلُوْنَهَا فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝ اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ المُؤْمِنُوْنَ وجُنْدُهم الشَّيَاطِيْنُ وجُنْدُ المُؤْمِنِيْنَ عليهمُ المَلَائِكَةُ.

ترجمہ

اور انسان کہتا ہے جو بعث بعد الموت کا منکر ہے یعنی ابی بن خلف یا ولید بن مغیرہ جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ کیا جب ثانی ہمزہ کی تحقیق اور اس کی تسہیل کے ساتھ اور ثانی (ہمزہ) اور پہلے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے دونوں صورتوں میں (یعنی تسہیل اور تحقیق کی صورت میں) میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا جیسا کہ محمد کہتے ہیں استفہام نفی کے معنی میں ہے (یعنی اَئِذَا میں استفہام انکاری ہے) یعنی میں مرنے کے بعد زندہ نہ کیا جاؤں گا مَا اور لام تاکید کے لئے زائدہ ہیں (اس انسان کافر کے قول کا جواب) اللہ تعالیٰ کے قول اَوَلَا یَذْکُرُ (الآیۃ) سے دیا گیا ہے کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا یَذَّکَّرُ اصل میں یَتَذَکَّرُ تھا ت کو ذال سے بدل دیا گیا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قرأۃ ترک تا اور سکون ذال اور کاف کے ضمہ کے ساتھ بھی ہے کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا کہ ابتداء سے اعادہ پر استدلال کرے تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم ان کو یعنی منکرین بعث کو اور شیاطین کو البتہ ضرور جمع کریں گے یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے شیطان کو ایک زنجیر میں جمع کریں گے پھر ہم ان کو جہنم کے گرد باہر سے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے پھر کافروں کے ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کریں گے جو رحمٰن کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سخت ہیں سرکشی یعنی جرأۃ کے اعتبار سے پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہیں دخول کے اعتبار سے اور جلنے کے اعتبار سے یعنی جہنم کے زیادہ حقدار ہیں، سرکشی میں اشد اور غیر اشد سب کو خوب جانتے ہیں، لہٰذا ہم انہی (اشد) لوگوں سے ابتداء کریں گے اور صِلِيًّا اصل میں صُلُوْیٌ تھا یہ صَلِيَ بکسر اللام یا صَلِي بفتح اللام سے ماخوذ ہے اور تم میں کا کوئی ایسا نہیں کہ جس کا اس پر ورود نہ ہو یعنی داخل جہنم نہ ہو یہ تیرے پروردگار کے ذمہ قطعی فیصل شدہ امر ہے جس کو اس نے لازم کر لیا ہے اور اس کا فیصلہ کر لیا ہے اس کو ترک نہ کرے گا نُنَجِّي جیم کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے پھر ہم شرک و کفر سے بچنے والوں کو بچالیں گے اور نافرمانوں کو یعنی شرک و کفر کرنے والوں کو جہنم میں گھٹنوں کے بل پڑا چھوڑ دیں گے اور جب ان کو یعنی مومنین و کافرین کو ہماری قرآنی روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق مرتبہ یعنی منزل و مسکن کے اعتبار سے بہتر ہے ہمارا یا تمہارا اگر مَقَامًا فتح میم کے ساتھ ہو قَامَ سے مشتق ہوگا اور اگر ضمہ میم کے ساتھ ہو تو اَقَامَ سے مشتق ہوگا اور کس کی مجلس شاندار ہے نَدِيٌّ نادی کے معنی میں ہے نادی چوپال (دار المشورہ) کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہو کر باتیں کرتے ہیں (احسن نَدِيًّا) سے خود کو مراد لیتے ہیں لہٰذا ہم تم سے بہتر ہیں (اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) اور ہم تو ان سے پہلے گذشتہ قوموں میں سے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ساز و سامان اور نام و نمود (شان و شوکت) کے اعتبار سے (ان سے) بہتر تھیں، جب ہم نے ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے ہیں

(مَنْ کانَ) شرط ہے اور اس کا جواب فَلْیَمْدُدْ ہے (صیغہ امر ہے) معنی میں خبر کے ہے یعنی یَمُدُّ لَهُ کے معنی میں ہے یعنی رحمٰن اس کی رسی کو ڈھیلی کردیتا ہے یعنی دنیا میں اس کو خوب ڈھیل دیتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یا تو عذاب، جیسا کہ قتل وقید، یا قیامت جو جہنم پر مشتمل ہوگی تو اس میں داخل ہوں گے، تو ان کو عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ کس کا ٹھکانہ بُرا ہے، اور کس کے مددگار کمزور ہیں، وہ یہ مومنین، اور ان کا لشکر شیطان ہے، اور ان کے مقابلہ میں مومنین کا لشکر، فرشتے ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

ویقول الانسان کی تفسیر المنکر للبعث سے کرکے اشارہ کردیا کہ انسان سے مخصوص شخص مراد ہے اور وہ اُبی ابن خلف یا ولید بن مغیرہ ہے **قوله** أئذا ما متُّ ما زائدہ ہے متُّ واحد متکلم ماضی معروف ہے مصدر موت ہے حرف شرط کی وجہ سے مستقبل کے معنی میں ہے **قوله** لَسَوْفَ میں لام زائدہ ہے الانسان میں الف لام عہد کا ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے **قوله** أئِذَا اخرج کا ظرف مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

سوال لام تاکید کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا تو یہاں اُخرِجُ کس طرح عمل کرے گا۔ **جواب** یہ قاعدہ لام ابتداء کے لئے ہے اور لام زائدہ ہے۔ **سوال** جو لام مضارع پر داخل ہوتا ہے وہ مضارع کو حال کے معنی میں کردیتا ہے اور سوف مضارع کو استقبال کے معنی کے ساتھ خاص کردیتا ہے، دونوں کے مقتضیٰ میں تعارض ہے۔ **جواب** یہ لام محض تاکید کے لئے ہے تخصیص مضارع للحال کے معنی سے مجرد ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔ (روح البیان)

بعض مفسرین حضرات نے کہا ہے کہ أئذا میں أُبْعَثُ فعل محذوف عامل ہے جس پر اخرج دلالت کررہا ہے اس لئے اخرجُ کا ظرف بنانا درست نہیں **قوله** لَمْ یكُ اصل میں لَمْ یکن تھا نون کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے **قوله** شیعة فرقہ، جماعت، حمایتی، طرفدار (ج) شِیَعٌ اس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہے **قوله** جثیًّا یہ جاثٍ کی جمع ہے خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گرنے والا اور ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ جثیا جثوة کی جمع ہے، مفسر علام نے واردُها کی تفسیر داخل جہنم سے کرکے اشارہ کردیا کہ وارد مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے بعض اس کے معنی حضور اور بعض نے عبور اور بعض نے دخول اور بعض نے مرود مراد لئے ہیں مفسر علام نے دخول کے معنی کو ترجیح دی ہے، لہٰذا یہ تفسیر تعیین معنی کیلئے ہے **قوله** أَيُّهُمْ اسم موصول، اس کا صدر صلہ محذوف ہے ای هو اَشَدُّ اَيُّهُمْ اسم موصول بمعنی الذی یہ اضافت کی وجہ سے مبنی برضم ہے اس کا صدر صلہ محذوف ہے ای هُوَ اَشَدُّ هو مبتداء اشد اس کی خبر مبتدا خبر سے ملکر صلہ موصول کا، موصول صلہ سے ملکر مفعول لَنَنْزِعَنَّ کا عِتِيًّا تمیز منقول ہے مبتداء محذوف سے ای عُتُوُّهُ اَشَدُّ **قوله** عِتِيًّا اکڑنا، سرکشی کرنا عتا یَعْتُوْا کا مصدر ہے یہ دراصل عُتُوٌّ تھا ضمہ کو کسرہ سے بدلا تو واؤ یا ہوگیا عُتِيًّا ہوا پھر عین کے ضمہ کو بھی کسرہ سے بدلا تاکہ تبدیلی کی مزید تاکید ہوجائے اس طرح عِتِيًّا ہوگیا (لغات القرآن)

اور بعض حضرات نے عِتِيًّا کو عادت کی جمع بنایا ہے یعنی سرکشی کرنے والے **قوله** صِلِيًّا یہ صلی یَصلی کا مصدر سماعی ہے، داخل ہونا **قوله** وَارِدُ پہنچنے والا ہمراد پلصراط سے گذرنا ہے شارح مسلم علامہ نووی نے اسی کو ترجیح دی ہے نَذَرُ ای نترك .

تفسیر وتشریح

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یہ منکر آخرت انسان استبعاد وانکار کے طور پر یوں کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا اور مٹی ہوجاؤں گا تو مجھے دوبارہ کس طرح زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا؟ اگرچہ انسان سے مراد جنس انسان ہے ہر منکر بعث کا یہی قول ہے مگر اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک روز ابی ابن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لیکر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس ہڈی کو رگڑ کر ہوا میں اڑاتے ہوئے کہا کہ اے محمد یہ کیسے ممکن ہے کہ اس بوسیدہ ہڈی کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے۔ (روح البیان) لہٰذا میں اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے زندہ کر کے دوبارہ قبر سے نکالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نمونہ کے جب کہ کہیں اس کا نام ونشان نہیں تھا تو ہم نے انسان کو پیدا کر دیا تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لئے کیونکر مشکل ہوگا؟ بھلا اس سے پوچھو تو کہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے یا دوسری مرتبہ، انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی خود فراموشی نے اس کو خدا فراموش بنا دیا ہے۔

فَوَرَبِّكَ قسم ہے اے محمد تیرے پروردگار کی کہ ہم دوبارہ صرف انہی کو نہیں بلکہ ان شیاطین کو بھی زندہ کریں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے پھر ہم ان کو اس حال میں جہنم کے گرد جمع کر دیں گے یہ لوگ محشر کی ہولناکی اور حساب کے خوف سے گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔

ابتداءً حشر کے وقت مومنین اور کفار، سعداء اور اشقیاء سب جہنم کے گرد جمع کیے جائیں گے اور سب پر ہیبت طاری ہوگی سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے پھر مومنین اور سعداء کو جہنم سے عبور کرا کر جنت میں داخل کیا جائے گا تاکہ جہنم کے اس منظر کو دیکھنے کے بعد ان کو مکمل اور دائمی خوشی حاصل ہو، پھر ہم ہر گمراہ فرقہ کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو الگ کرلیں گے اور ان کو جمع کر کے جہنم میں پھینک دیں گے کیونکہ یہ قائدین دوسرے جہنمیوں کے مقابلہ میں سزا کے زیادہ سزاوار ہیں۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی کوئی انسان مومن ہو یا کافر ایسا نہ رہے گا کہ جس کا گذر جہنم پر نہ ہو، ورود سے مراد مرور اور عبور ہے جیسا کہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں لفظ مرور آیا ہے اور اگر دخول مراد لیا جائے تو مومنین متقین کا دخول

اس طرح ہوگا کہ جہنم ان کے لئے بردوسلام بن جائے گی جیسا کہ (ابوسُمیہ) کی روایت میں بھی مضمون وارد ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے ورود سے مرور مراد لینے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے اوپر ایک پل بنایا جائے گا جس پر سے ہر مومن و کافر کو گذرنا ہوگا مومن تو اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گذر جائیں گے کچھ تو پلک جھپکنے میں اور کچھ بجلی اور ہوا کی طرح کچھ پرندوں کی طرح، اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گذر جائیں گے کچھ بالکل صحیح سالم اور کچھ زخمی تاہم کسی نہ کسی طرح پل و عبور کر لیں گے کچھ جہنم میں گر پڑیں گے بعد میں شفاعت کے ذریعہ نکال لیا جائے گا، لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے اور سب جہنم رسید ہو جائیں گے، اس حدیث کے مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں فرمایا ہے کہ جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم حلال کرنے کے لئے۔ (بخاری کتاب الجنائز و مسلم کتاب البر) یہ قسم وہی ہے کہ جس کو اس آیت میں حتماً مقضیا (قطعی فیصل شدہ امر کہا گیا ہے) **یعنی ان** کا ورود صرف گذرنے کی حد تک ہوگا۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا جب ان منکروں اور کافروں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن میں **مومنین کا** حق پر ہونا مدلل اور معقول طریقہ سے ثابت کر دیا جاتا ہے اور کافر کھسیانے اور لاجواب ہو جاتے ہیں تو (**کھسیانی بلی کھمبا نوچے**) کے مطابق اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لئے بے جوڑ اور بے تکی باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں **یعنی قرآنی دعوت کا** مقابلہ یہ کفار مکہ فقراء مسلمین اور اغنیاء قریش اور ان کی مجلسوں اور مکانوں کے باہمی موازنے سے کرتے ہیں کہ **مسلمانوں** میں عمار، بلال، صہیب ﷺ جیسے لوگ ہیں ان کا دار المشورہ دار ارقم ہے جب کہ کافروں میں ابوجہل، نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ جیسے رئیس اور ان کی عالی شان کوٹھیاں اور مکانات ہیں اور ان کا دار المشورہ (دار الندوہ) بہت عمدہ ہے، **یعنی مال** و دولت اور شان و شوکت میں ہم تم سے بڑھے ہوئے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ہم محبوب اور مقبول ہیں اور تم **مغضوب** و مخذول ہو، آگے، اللہ تعالیٰ ان کی اس دلیل کے دو جواب دیتے ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی، الزامی جواب کو اللہ تعالیٰ نے **وَكَمْ اَهْلَكْنَا هُمْ** سے بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں کہ ان پر فخر و ناز کیا جائے یا ان کو دیکھ کر حق و باطل کا فیصلہ کیا جائے یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس بھی تھیں، لیکن تکذیب حق کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا دنیا کا یہ مال و اسباب انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکا۔

دوسرے تحقیقی جواب کو اللہ تعالیٰ اپنے قول **قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ** سے ارشاد فرماتے ہیں، اس **جواب کا** خلاصہ یہ ہے کہ یہ چیزیں گمراہوں کو مہلت اور ڈھیل کے طور پر ملتی ہیں اس لئے یہ کوئی حق و باطل کا معیار نہیں، **اصل اچھے** برے کا پتہ تو اس وقت چلے گا کہ جب مہلتِ عمل ختم ہو جائے گی، اور اللہ کا عذاب انہیں آگھیرے گا اور یا قیامت برپا ہو جائے گی، لیکن اس وقت کا علم کچھ فائدہ نہ دے گا، اس لئے کہ وہاں ازالے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں رہے گی،

وہاں جہنم میں اپنا ٹھکانہ دیکھ کر یہ کافر خود ہی فیصلہ کرلیں گے کہ برا مکان کس کا ہے؟ اور جتھا کس کا کمزور ہے؟

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا بالایمان هُدًى ط بما يَنْزِلُ عليهم من الآياتِ وَالْبَاقِيَاتُ الصّٰلِحٰتُ هي الطَّاعَاتُ تَبْقِيْ لصَاحِبِهَا خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا○ اى مايَرُدُّ اليه ويَرْجِعُ بِخلافِ اَعْمَالِ الكُفّارِ والخَيْرِيَّةُ هُنَا في مُقَابِلَةِ قولِهِم اَىُّ الفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا العاصَ بن وَائِلٍ وقَالَ لِخَبَّابِ ابنِ الاَرَتِّ القَائِلِ له تُبْعَثُ بَعْدَ الموْتِ والمُطَالِبِ لهُ بِمَالٍ لَاُوْتَيَنَّ على تَقْدِيْرِ البَعْثِ مَالًا وَّوَلَدًا○ فَاَقْضِيْكَ ، قال تعالى اَطَّلَعَ الغَيْبَ اى اَعَلِمَهُ وانْ يُّؤْتى ماقاله واسْتُغْنِىَ بِهَمْزَةِ الاستِفْهَامِ عن هَمْزَةِ الوَصْلِ فحُذِفَتْ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۙ بانْ يُّؤْتى ماقاله كَلَّا ط اى لايُؤْتىٰ ذلك سَنَكْتُبُ نامر بكَتْبِ مَايَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ العَذَابِ مَدًّا ۙ نَزِيْدُهُ بذلك عَذَابًا فَوْقَ عَذَابِ كُفْرِهٖ وَّنَرِثُهٗ مَايَقُوْلُ مِنَ المالِ والولدِ وَيَاْتِيْنَا يَوْمَ القِيٰمَةِ فَرْدًا لامالَ له ولا وَلَدَ وَاتَّخَذُوْا اى كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الاَوْثَانَ اٰلِهَةً يَعْبُدُوْنَهم لِيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۙ شُفَعَاءَ عند اللّٰهِ بانْ لايُعَذَّبُوْا كَلَّا ط اى لامانِعَ مِن عَذَابِهم سَيَكْفُرُوْنَ اى الآلِهَةُ بِعِبَادَتِهِمْ اى يَنْفُوْنَها كما في آيةٍ اُخْرىٰ مَا كَانُوْا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا○ اَعْوَانًا واَعْدَاءً . ع

ترجمہ

اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ اضافہ فرماتا ہے ان آیات کے ذریعہ جن کو ان پر نازل کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تو وہ طاعات ہیں جو طاعت گذار کے لئے باقی رہتی ہیں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں **یعنی وہ ثواب اور اجر** جو اس کو حاصل ہوگا وہ بہتر ہوگا بخلاف اعمال کفار کے اور یہاں (اسم تفضیل) خیرٌ کا استعمال ان کے قول **اَىُّ الفريقين** خيرٌ مقامًا کے مقابلہ میں ہوا ہے کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا؟ جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور وہ عاص ابن وائل ہے جس سے (حضرت) خباب ابن ارت نے کہا تھا کہ تو مرنے کے بعد (زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا اور **خباب ابن ارت کا عاص بن وائل کے ذمہ (کچھ)** مالی مطالبہ تھا تو عاص ابن وائل نے (تقاضہ) کے جواب میں **کہا کہ بعث بعد الموت کی صورت میں مجھے تو مال اور اولاد** ضرور دی جائے گی تو اس وقت میں تیرا مطالبہ ادا کردوں گا، **اللہ تعالیٰ نے (جوابًا) فرمایا کیا یہ (شخص)** غیب پر مطلع ہوگیا ہے؟ یا اس کو یہ بتا دیا ہے کہ جو اس نے کہا ہے اس کو دیا جائے گا اور **ہمزہ استفہام** کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا حذف کردیا گیا، یا اس نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے یہ کہ جو اس نے کہا ہے وہ اس کو دیا جائے گا ایسا ہرگز نہیں

ہے یعنی یہ اس کو نہیں دیا جائے گا یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اس کو ضرور لکھ لیں گے یعنی (ملائکہ) کو اس کے لکھنے کا حکم کریں گے اور اس کے لئے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے یعنی ہم اس کے کفر کے عذاب پر اس کی (ان) باتوں کے عذاب کا اضافہ کردیں گے اور جن چیزوں یعنی مال اور اولاد کے بارے میں جو کہہ رہا ہے، نہیں ہم اس کے (مرنے کے) بعد لے لیں گے اور قیامت کے دن ہمارے پاس تن تنہا آئے گا نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد اور ان کفار مکہ نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا ہے جن کی یہ بندگی کرتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت ہوں یعنی وہ (بت) اللہ کے پاس سفارش کریں کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے لیکن ہرگز ایسا نہ ہوگا یعنی ان کو عذاب دینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی وہ معبودان (باطلہ) تو ان کی پوجا کے بھی منکر ہوجائیں گے یعنی ان کی پوجا کا انکار کردیں گے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا مَا كَانُوْا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ "یہ لوگ ہماری پوجا کرتے ہی نہیں تھے" اور (الٹے) ان کے مخالف اور دشمن ہوجائیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ وَيَزِيْدُ کا عطف فَلْيَمْدُدْ پر ہے معنی کے اعتبار سے ای يَمُدُّ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ الخ جملہ متانفہ بھی ہوسکتا ہے اَفَرَاَيْتَ میں استفہام تعجبی ہے **قولہ** العاص بن وائل عاص ابن وائل فاتح مصر حضرت عمر کے والد ہیں اور عمر عبداللہ کے والد ہیں جو کہ مشہور عبادلہ اربعہ میں سے ایک ہیں ترتیب اس طرح ہے، عبداللہ بن عمر بن عاص بن وائل خباب بن ارت بدری ہیں اور فقراء صحابہ میں سے ہیں اُوْتَيَنَّ اِيتاءٌ سے مضارع واحد متکلم مجہول بانون تاکید ثقیلہ ہے، مجھے ضرور ملے گا لام قسمیہ ہے ای وَاللّٰهِ لَأُوْتَيَنَّ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اصل میں اَاِطَّلَعَ تھا ان میں اول ہمزہ استفہام اور دوسرا ہمزہ وصل ہے، ہمزہ وصل کو تخفیفاً حذف کردیا گیا **قولہ** كَلَّا نحویین کے اس میں چھ اقوال ہیں مگر راجح تر یہ ہے کہ یہ صرف زجر وردع ہے قرآن میں اس کلمہ کا استعمال تینتیس مقام پر ہوا ہے اور یہ سب کے سب نصف ثانی میں ہیں سَنَكْتُبُ میں سین تاکید کے لئے ہے **قولہ** وَنَرِثُهٗ مَايَقُوْلُ ای نَسْلُبُهٗ ونأخذہ منہ یعنی جس مال واولاد پر فخر کر رہا ہے اس کو ہم سلب کرلیں گے اور دنیا سے وہ خالی ہاتھ جائے گا وَاتَّخَذُوْا الْاَوْثَانَ اتخذوا کا مفعول اول ہے اور آلِهَةً مفعول ثانی ہے ضِدًّا بمعنی اضداداً ہے یا مصدر بمعنی جمع ہے۔

تفسیر وتشریح

ویزید الظالمین اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح جن کے دلوں میں کفر وشرک اور ضلالت کا روگ ہے قرآن کے ذریعہ ان کی شقاوت اور ضلالت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان اور

ہدایت میں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔

والبقیٰتُ الصّٰلِحٰتُ اس میں فقراء مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار اور مشرکین جن مال واسباب پر فخر کرتے ہیں وہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر وثواب تمہیں اپنے رب کے یہاں ملے گا اور ان کا بہترین صلہ اور نفع تمہاری طرف لوٹے گا۔

والبقیٰتُ الصّٰلِحٰتُ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل سورہ کہف میں گذر چکی ہے مگر مختار مذہب یہی ہے کہ ان سے مراد تمام طاعات اور نیک کام ہیں۔

شانِ نزول

اَفَرَاَیتَ الذی کفر بآیٰتِنَا ان آیات کے شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ بن عاص کا والد عاص بن وائل جو اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا اس کے ذمہ حضرت خباب ابن الارت کا قرضہ تھا جو آہنگری کا کام کرتے تھے حضرت خبابؓ نے ایک روز عاص ابن وائل سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہ کرے گا میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا، حضرت خباب ابن الارت نے جواب دیا کہ یہ کام تو اگر تو مر کر دوبارہ زندہ بھی ہو جائے تب بھی نہ کروں گا، اس نے جواب دیا اچھا پھر ایسے ہی سہی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال اور اولاد سے نوازا جائے گا تو وہاں میں یہ رقم ادا کردوں گا۔ (صحیح بخاری کتاب البیوع باب ذکر القین والحداد)

اَطَّلَعَ الغیبَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہوگی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عہد ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے یہ صرف تَعَلِّی اور آیات الٰہی کا استہزاء اور تمسخر ہے یہ جس مال اور اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں یعنی مرنے کے ساتھ ہی انسے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا نہ مال ساتھ ہوگا اور نہ اولاد نہ کوئی جتھہ، البتہ عذاب ہوگا جو اس کے لئے اور ان جیسوں کے لئے ہم بڑھاتے رہتے ہیں۔

عِزًّا کا مطلب یہ ہے کہ یہ معبود ان کے لئے عزت کا باعث اور مددگار ہوں گے اور ضِدًّا کے معنی ہیں دشمن، جھٹلانے والے اور ان کے خلاف دوسروں کی مدد کرنے والے، یعنی یہ معبود ان کے گمان کے برعکس ان کے حمایتی ہونے کی بجائے ان کے دشمن ان کو جھٹلانے والے اور ان کے خلاف دوسروں کے مددگار یعنی ان کے گمان کے برعکس ان کے مددگار ہونے کے بجائے الٹے ان کے دشمن اور ان کے مخالف ہوں گے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ سَلَّطْنٰاهم عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهم تَهِیْجُهم الی المَعَاصِی اَزًّا فَلا تَعْجَل

عَلَيْهِمْ ؕ بطلب العذاب اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمُ الايّام واللّيالى او الانفاس عَدًّا الى وقت عذابهم اذكر يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ بايمانهم اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۙ جمعُ وَافِدٍ بمعنى راكب وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ بكُفرِهم اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۘ جَمْعُ وَارِدٍ بمعنى مَاشٍ عطشانَ لَا يَمْلِكُوْنَ اى النّاسُ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۘ اى شهادة ان لا اله الا الله ولا حول ولا قوة الا بالله وَقَالُوْا اى اليَهُوْدُ والنَّصارىٰ ومن زَعَمَ اَنَّ الملائكة بناتُ الله اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا قال تعالى لهم لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۙ اى مُنْكرًا عظِيمًا يَكَادُ بالتاءِ والياءِ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ بالنُّون وفى قِراءَةٍ بالتَّاءِ وتَشْدِيد الطَّاءِ بالانْشِقَاقِ مِنْهُ من عَظَمِ هٰذا القول وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اى تَنْطَبِقُ عليهم من اَجلِ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا قال تعالى وَمَا يَنْبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اى ما يَلِيْقُ به ذٰلك اِنْ اى ما كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ذَلِيلًا خاضِعًا يوم القيمة منهم عُزَيْرٌ وعيسى لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۙ فلا يَخفى عليه مَبْلَغُ جَمِيْعِهِم ولا واحِدٌ منهم وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۙ بلا مالٍ ولا نَصِيرٍ يَمْنَعُه اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۙ فيما بَيْنَهُم يَتَوادُّوْن ويَتحابُّوْنَ ويُحِبُّهم الله تعالى فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ اى القُرْآنَ بِلِسَانِكَ العَرَبِيِّ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ النار بالايمان وَتُنْذِرَ تُخوِّفَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۙ جَمْعُ اَلَدَّ اى ذُوْ جَدلٍ بالبَاطِلِ وهم كُفّارُ مكة وَكَمْ اى كَثِيرًا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ اى اُمَّةٍ من الاُمَمِ المَاضِيَةِ بتكذيبهم الرُّسُلَ هَلْ تُحِسُّ تَجِدُ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۧ صَوْتًا خَفِيًّا فكما اَهْلَكْنَا اُولٰئِكَ نُهْلِكُ هٰؤلآءِ .

ع

ترجمہ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر مسلط کر رکھا ہے جو انہیں معصیت پر خوب اکساتے ابھارتے رہتے ہیں تو آپ ان پر عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کیجئے ہم تو خود ہی ان کے لیل ونہار یا سانس عذاب کے وقت تک (موت تک) شمار کر رہے ہیں، اس دن کا بھی تذکرہ کیجئے جس دن ہم متقیوں کو ان کے ایمان کی بدولت (بطور) مہمان سوار کرکے جمع کریں گے **وفدٌ وافدٌ** کی جمع ہے معنی میں راکبٌ کے ہے اور مجرمین کو ان کے کفر کے سبب سے سخت پیاس کی حالت میں دوزخ کی طرف ہانکیں گے **وِرْدٌ واردٌ** کی جمع ہے پیاسے پیدل کسی شخص کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا بجز اس شخص کے جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی ہو (اور اجازت سے مراد) شهادة ان لا اله الا

اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ کا اقرار ہے اور یہود و نصاریٰ نے اور ان لوگوں نے کہ جن کا عقیدہ ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں کہا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے یقیناً بڑی بھاری یعنی بڑی ناپسندیدہ بات کہی ہے تکادُ تا اور یا کے ساتھ ہے، قریب ہے کہ اس بات کی (نحوست) کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین ٹکڑے ہو جائے پھٹ کر اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں یعنی ان کے اوپر گر جائیں اس وجہ سے کہ انہوں نے رحمن کے لئے اولاد قرار دی ہے یَنْفَطِرْنَ نون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں یَتَفَطَّرْنَ تا اور یا اور طا مشددہ کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا شان رحمن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے یعنی یہ اس کی شایان شان نہیں زمین و آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب اللہ کے سامنے بندے بن کر حاضر ہونے والے ہیں یعنی ذلیل خوار ہو کر قیامت کے دن اور انہیں میں سے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان سب کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح شمار کر رکھا ہے ہذا نہ تو اس سے ان کی مجموعی تعداد مخفی ہے اور نہ ان کا کوئی فرد اور یہ سب کے سب اس کے پاس قیامت کے دن تن تنہا حاضر ہوں گے مال اور مددگار کے بغیر جو اس کی حفاظت کر سکے بے شک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان (باہمی) محبت پیدا کر دے گا وہ آپس میں مودت اور محبت رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھیں گے ہم نے اس قرآن کو آپ کی عربی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ ایمان کی بدولت جہنم سے ڈرنے والوں کو خوشخبری سنائیں ایک نسخہ لِتُبشربہ المتقین الجنة الفائزین بالایمان" تاکہ آپ اس قرآن کی بدولت ایمان کے ذریعہ کامیاب ہونے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور جھگڑنے والی قوم کو اس کے ذریعہ ڈرائیں لُدًّا الدُّ کی جمع ہے یعنی باطل کے ذریعہ بہت زیادہ خصومت کرنے والے کو، اور وہ کفار مکہ ہیں اور ہم نے اس سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے یعنی گزشتہ امتوں میں سے (بہت سی امتوں کو) رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے کیا ان میں سے آپ ایک کی بھی آہٹ پاتے ہیں یا ان کی آواز کی بھنک بھی آپ کے کان میں پڑتی ہے یعنی خفی آواز نہیں، تو ہم نے جس طرح ان کو ہلاک کر دیا ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

تَؤُزُّ مضارع واحد مونث غائب (ن) اَزًّا ابھارنا اَزًّا تَؤُزُّ کا مفعول مطلق ہے اَلازُّ فی الاصل الحرکة مع صوت متصل ماخوذ من آزیز القدر ای غلیانہ والمراد تعجیب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من اقاویل الکفرة (روح البیان) قولہ او الانفاس یہ نَعُدُّلَهُمْ کی دوسری تفسیر ہے انما نعُدُّ لهُمْ فلا تعجل کی علت ہے عَدًّا نَعُدُّ کا مفعول مطلق ہے یوم نَحْشُرُ اذکر فعل محذوف کا ظرف ہے یوم نحشرُ کا عامل لایَمْلِکُوْنَ ہے اور نَعُدُّ بھی ہوسکتا ہے وِرْدًا وارِد کی اسم جمع ہے، پیاسا، گھاٹ پر آنے والا لایملِکُوْنَ

المجرمِینَ سے جملہ ہوکر حال ہے اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ لایَمْلِکُوْنَ کی ضمیر سے مستثنیٰ متصل ہے یَتَفطَّرْنَ تَفطَّرَ سے مضارع جمع مونث غائب، وہ پھٹ پڑیں ھَدًّا تخِرُّ کا مفعول مطلق بغیر لفظہٖ ہے تخِرُّ بمعنی تھدّ ہے ای تھُدُّ ھدًّا اور ھدًّا الجبالُ سے حال بھی ہوسکتا ہے مفسر علام نے من اَجل مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ اَنْ دَعَوْ لِلرحمٰنِ وَلَدًا تَنشَقُّ اور تخِرُّ کا مفعول لہٗ ہے اور محل میں نصب کے ہے اَن سے پہلے لام محذوف مان کر جملہ محلاً مجرور بھی ہوسکتا ہے محلاً مرفوع بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں اَنْ مصدریہ ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی المُوجِبُ لِذٰلك دعاء ھم للرحمٰن ولدًا اِن کل مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ میں مَنْ نکرہ موصوفہ ہے فی السمٰوٰت اس کی صفت ہے، موصوف باصفت کلِ سے مل کر مبتداء اِلَّا آتِي اس کی خبر، آتِي کلُّ کے لفظ کی رعایت سے واحد لایا گیا ہے وُدًّا محبت، دوستی (س) لُدًّا اَلَدُّ کی جمع ہے جھگڑا کرنے والے مراد کفار و مشرکین ہیں **قولہ العربی** کے اضافہ سے مقصد یہ بتانا ہے کہ یہاں لسان سے مراد لغت عربی ہے نہ کہ زبان (یعنی آلہ) رِکْزًا اسم ہے بھنک، آہٹ

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الخ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم کافروں کے پاس گمراہ کرنے اور بہکانے نیز معصیت میں مبتلا کرنے کے لئے شیاطین کو بھیجتے ہیں یہاں تک کہ وہ کافروں کو کفر و ضلال پر خوب ابھارتے ہیں، لہٰذا آپ ان کافروں کے لئے عذاب میں جلدی مبتلا ہونے کی درخواست نہ کریں ہم خود ہی ان کے شب و روز، اقوال و افعال حتی کہ ان کے انفاس بھی شمار کررہے ہیں جب ان کی تعداد پوری ہوجائے گی اور پانی سر سے گذر جائے گا اور پاپ کا گھڑا بھر جائے گا تو عذاب الٰہی اور قہر خداوندی میں مبتلا ہوجائیں گے۔

اُذْکُرْ یَوْمَ نَحْشُرُ المتقین اس دن کو یاد کرو کہ جس دن متقیوں کو اونٹوں گھوڑوں یا ان کی من پسند سواریوں پر سوار کراکے مہمانوں کے مانند نہایت عزت و احترام سے جنت کی طرف لیجائیں گے اور اس کے برعکس مجرموں کو بھوکا پیاسا جہنم میں نہایت ذلت کے ساتھ ہانک دیں گے، اور وہاں ان کا کوئی حمایتی اور سفارشی بھی نہ ہوگا اس لئے کہ وہاں کسی کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار نہ ہوگا بجز اس کے کہ جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لے لی ہو اور اجازت بھی انبیاء اور صلحا کو ملے گی اور یہ حضرات سفارش بھی صرف مومنین کی کریں گے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدًا یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے یقیناً یہ عقیدہ ایسا خطرناک اور بھیانک ہے کہ بعید نہیں کہ اس قبیح اور مذموم عقیدہ کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں وَمَا ینبغی للرحمٰن الخ جب اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اس کو اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے اور یہ اس کی شایان شان بھی نہیں ہے، اس نے سب کو احاطۂ قدرت میں لے رکھا ہے سب کے سب اس کے قابو اور

گرفت میں ہیں اور سب کو اس نے شمار کر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے کوئی شئ مخفی نہیں ہے و کلھم اٰتیہ یوم القِیَامَۃ فردًا ہر شخص قیامت کے دن تن تنہا حاضر ہوگا نہ مال ساتھ آئے گا اور نہ حمایتی، جن کے بارے میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے حمایتی اور مددگار ہوں گے وہاں سب غائب ہو جائیں گے یَوْمَ لَایَنْفَعُ مَالٌ وَّلَابنون.

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ ماقبل کی آیات میں مومنین کی نعمتوں اور کافرین کی نقمتوں کا ذکر تھا، اب آخر میں مومنین صالحین کی ایک بڑی نعمت کا ذکر فرماتے ہیں، اس لئے کہ نعمت کا اصل مقصد راحت قلبی ہے اور محبت سے بھی دل کو سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے جو کہ حاصل ہے تمام نعمتوں کا، اللہ تعالیٰ صالحین کی الفت اور محبت اہل دنیا کے دل میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے ڈالدیتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پس جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبرائیل آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں تو تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کے لئے قبولیت رکھ دی جاتی ہے، "صحیح بخاری کتاب الادب باب المقت من اللّٰہ تعالیٰ" فَاِنَّمَا یَسَّرْنَاہُ الخ قرآن کو آسان کرنے کا مطلب قرآن کو اس زبان میں نازل کرنا ہے جس کو پیغمبر جانتا ہو، نیز اس کے مضامین کا واضح اور کھلا ہوا ہونا، یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن اولاً مشکل تھا پھر اس کو آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں اور متقیوں کو خوشخبری سنائیں اور جھگڑالو یعنی کفار اور مشرکین کو عذاب آخرت سے ڈرائیں اوتَسْمَعُ لَهٗ رِکْزًا مطلب یہ ہے کہ سب حکومت و سلطنت نیز شان و شوکت اور قوت و طاقت والے جب اللہ کے عذاب میں پکڑے گئے تو ایسے ہو گئے کہ ان کی کوئی مخفی آواز اور حس و حرکت بھی سنائی نہیں دیتی۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَۃُ طٰـہٰ

سُوْرَۃُ طٰـہٰ مَکِّیَّۃٌ ، مِائَۃٌ وخمْسٌ وثلٰثونَ آیۃً اَوْ اَربعُوْنَ وَثِنْتَانِ

سورۂ طٰہٰ مکی ہے، ایک سو پینتیس یا ایک سو بیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ طٰـہٰ اللّٰہُ اعلم بمرادہ بذٰلک مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ یا مُحَمَّدُ لِتَشْقٰىٓ ۙ لتتعَبَ بما فعَلْتَ بعد نُزُوْلِه من طُولِ قِیَامِكَ بصَلٰوۃِ اللَّیْلِ ای خَفِّفْ عن نَفْسِكَ اِلَّا لکن اَنْزَلْنَاہ تَذْكِرَةً به لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ یخَافُ اللّٰہَ تَنْزِيْلًا بَدَلٌ مِنَ اللفظ بفعلہ النّاصبِ له مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى○ جَمْعُ عُلْیَا ککُبْریٰ وکُبَرٌ هو الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ وهو فی اللُّغةِ سَرِیْرُ المَلِكِ اسْتَوٰى○ استِوَاءً یَلِیقُ به لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا من المَخلُوْقَاتِ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى○ هو التُّرابُ النَّدِیُّ والمُرادُ الاَرَضُوْنَ السبعُ لانها تَحْتَهٗ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فی ذِکْرٍ او دُعَاءٍ فاللّٰہ غَنِیٌّ عن الجَهْرِ به فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى○ منه ای ما حَدَّثَتْ به النَّفْسُ وما خَطَرَ ولم تُحدِّثْ به فلا تجهَدْ نفسَكَ بالجَهرِاَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى○ التِّسعَةُ والتِّسعُوْنَ الوَارِدُ بها الحَدِیْثُ والحُسْنٰی مُؤَنَّثُ الاَحْسَنِ وَهَلْ قد اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ لِامْرَأَتِه امْكُثُوْٓا هُنَا وذٰلِكَ فی مَسِیرِہٖ من مَّدْیَنَ طَالِبًا مِصْرَ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ اَبصَرْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ شُعْلَةٍ فی رَاسِ فَتِیْلَةٍ اوعُودٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى○ ای هَادِیًا یَدُلُّنِی علی الطَّرِیْقِ وکانَ اَخْطَأَهَا لِظُلْمَةِ اللَّیْلِ وقال لَعَلَّ لِعَدَمِ الجَزْمِ بوَفَاءِ الوَعْدِ فَلَمَّآ اَتٰىهَا وهی شجرۃ عَوْسَجٍ نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۙ اِنِّىْٓ بکَسرِ الهمزۃِ بتاویلِ نُوْدِیَ بِقِیلَ وبفتحِها بتَقْدِیرِ البَاءِ اَنَا تَوْکِیْدٌ لیاءِ المُتَکلّمِ رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ المُطَهَّرِ او المُبَارَكِ طُوًى○ بَدَلٌ او عَطْفُ بَیَانٍ بالتَّنوِینِ وتَرْکِہٖ مَصْرُوْفٌ باعْتِبَارِ المَکَانِ وغَیْرُ مَصْروفٍ للتَّانِیْثِ بِاعْتِبَارِ البُقْعَةِ مَعَ العَلَمِیَّةِ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ من قومك فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى○ اِلیك مِنِّی اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ○ فیها.

ترجمہ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے طٰـہٰ اللہ کی اس سے کیا مراد ہے وہی بہتر

جانتا ہے اے محمد ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں یعنی تعب میں پڑ جائیں اس طرز عمل سے جو آپ نے نزول قرآن کے بعد اختیار کیا رات کی نماز (تہجد) میں طول قیام کے ذریعہ، مطلب یہ کہ (تخفیف کر کے) اپنے اوپر بار کم ڈالئے بلکہ ہم نے قرآن کو اس شخص کی نصیحت کے لئے نازل کیا ہے جو خوف خدا رکھتا ہو یہ اس ذات کی جانب سے نازل کردہ ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا تنزیلاً اپنے فعل ناصب (انزلناہ) کے عوض میں ہے عُلیٰ عُلیا کی جمع ہے جیسے کُبَرٌ کُبریٰ کی جمع ہے وہ رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے ایسا قیام جو اس کی شایان شان ہے اور عرش لغت میں شاہی تخت کو کہتے ہیں اسی کی ملک ہے جو کچھ مخلوق آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہے اور جو چیزیں تحت الثریٰ ہیں ثریٰ نمناک مٹی ہے اور مراد ساتوں زمینیں ہیں اس لئے کہ نمناک مٹی کے نیچے ہیں اور اگر آپ ذکر و دعا جہراً کریں تو اللہ جہر سے مستغنی ہے اس لئے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو (بخوبی) جانتا ہے یعنی آہستہ سے کہی بات کو اور ان خیالات کو (جو صرف) دل میں آئے ہیں اور (ابھی) زبان پر نہیں آئے جانتا ہے لہٰذا جہر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالئے وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ننانویں اس کے بہترین نام ہیں جن کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور حسنیٰ احسن کا مونث ہے اور کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر جبکہ اس نے آگ دیکھ کر اپنی اہلیہ بیوی سے کہا تم یہاں ٹھہرو اور یہ مدین سے مصر جانے کے وقت کا قصہ ہے مجھے آگ دکھائی دی ہے بہت ممکن ہے کہ میں آگ کا تمہارے پاس کسی لکڑی یا رسی کے سرے میں شعلہ (لگا کر) لاؤں یا آگ کے پاس کوئی راستہ بتانے والا پاؤں یعنی کوئی ایسا رہنما جو رہنمائی کر سکے اور (موسیٰ علیہ السلام) رات کی تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول گئے تھے اور موسیٰ نے ممکن یا شاید کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ ان کو ایفاء عہد کا پورا یقین نہیں تھا چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے اور وہ جھڑبیری کا درخت تھا تو آواز دی گئی اے موسیٰ اِنِّی کے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ نُودِیَ کو قِیلَ کی تاویل میں لیکر اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں اَنّی سے پہلے با مقدر ہوگی (یعنی بِاَنِّی انا یاء متکلم کی تاکید ہے بالیقین میں تیرا رب ہوں تو اپنے جوتے اتار دے کیونکہ تو مقدس پاک یا مبارک وادی طویٰ میں ہے طوًی بدل ہے یا عطف بیان ہے تنوین اور بغیر تنوین دونوں (جائز ہے) طوًی اگر مکان کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور غیر منصرف ہوگا جب کہ طوًی کو بُقعۃٌ کے معنی میں لیکر مونث ماننے مع علمیت کے اور میں نے تجھ کو تیری قوم میں سے منتخب کر لیا ہے لہٰذا میری جانب سے تم کو جو وحی کی جارہی ہے اس کو غور سے سن بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تو میری ہی عبادت کر اور نماز قائم کر نماز میں میرے ذکر کے لئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ لتشقی ای لتتعبَ معنی یہ ہیں کہ ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ خود کو مشقت میں ڈالیں

زیادتی غم کی وجہ سے قَبَسٌ آگ کا شعلہ، چنگاری طُوًی ایک وادی کا نام ہے شام میں، طٰہٰ مفسر علام نے اللہ اعلم بمراده بذلك کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور اس کا حقیقی علم اللہ کے ساتھ خاص ہے، مفسر علام نے اِلّاَ کی تفسیر لکنّ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے ای لکن انزلناہ تذکرۃ اس لئے کہ تذکرۃً تشقٰی مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے تنزِیلاً نزّلنا فعل مقدر کا مصدر ہے جو کہ اس کا ناصب ہے فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے بدلے میں اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے اور یہ حذف واجب ہے اس لئے کہ مصدر معنی اور عمل میں فعل کی نیابت کرتا ہے یہاں بدل سے بدل اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ بدل لغوی مراد ہے یعنی عوض بدَل منَ اللفظ کا مطلب یہ ہے کہ تنزِیلاً تلفظ اور نطق میں اپنے فعل ناصب نزّلنا محذوف کے قائم مقام ہے ممن خَلَقَ تنزِیلاً کے متعلق ہے خلق الارض والسمٰوٰت العُلٰی میں عطف جنس علی الجنس ہے نہ کہ جمع کا عطف مفرد پر اب خلاف اولیٰ کا اعتراض نہیں ہوسکتا ھُو کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ الرحمٰن ھُوَ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے بھی مرفوع ہے قولہ وَھلْ اَتاکَ جملہ مستانفہ ہے خطاب آپ کو ہے اور استفہام تشویق اور تقریر فی ذہن السامع کے لئے ہے اور ھل بمعنی قد ہے اِذْ رأیٰ حدیث موسیٰ کا ظرف ہے امْکُثُوا جمع اور مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے حالانکہ مخاطب صرف آپ کی بیوی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اَھل کی رعایت سے جمع مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے یا پھر تعظیماً جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے یا پھر خادم اور اولاد جو کہ ہمراہ تھے کی رعایت سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے آنَسْتُ کی تفسیر اَبْصَرْتُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اِیْنَاس کے معنی کسی طریقہ سے بھی محسوس کرنا ہے مگر یہاں بصر سے محسوس کرنے کے معنی مراد ہیں قَبَسٌ چنگاری، آگ کا شعلہ فَتِیْلَۃ بتی، رسی وغیرہ ھُدًی ای ھادٍ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے عَوْسج کانٹے دار درخت، جنگلی بیری، بعض حضرات نے عناب اور بعض نے امر بیل مراد لی ہے، جس کو ہندی میں آکاش بیل بھی کہتے ہیں، فارسی میں عشق پیچاں کہتے ہیں، طب میں اس کا اصطلاحی نام افتیمون ہے، اس کی زمین میں جڑ نہیں ہوتی ہے یہ اپنی خوراک درخت سے حاصل کرتی ہے اور جس درخت پر چھا جاتی ہے اس کو خشک کر دیتی ہے طُوًی وادٍ سے بدل یا عطف بیان ہے اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا درست ہے اگر مکان کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور اگر بُقعۃ کے معنی میں ہو تو علمیۃ اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا اِنَّنِیْ انا اللہ مِمَّا یُوْحٰی سے بدل ہے فیھَا ای فی الصلوٰۃ، اَللّٰہُ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای المنعوت بما ذُکر من النعوت الجلیلۃ اللہ (یعنی وہ ذات جو مذکورہ صفات کمالیہ سے متصف ہے وہ اللہ ہے لفظ جلالہ (اللہ) مبتداء اور لا الٰہ الّا ھو اس کی خبر بھی ہوسکتی ہے۔

تفسیر و تشریح

طٰہٰ کی مراد کے سلسلہ میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ قرآن یا سورت کا

نام ہے یا اسماء حسنیٰ میں سے ایک ہے، بعض حضرات کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ایک ہے، حسنؒ نے کہا ہے طٰہٰ بروزن ھَبْ یہ امر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنی آپ اپنے دونوں قدم زمین پر رکھئے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ عبادت میں بیحد مشقت اٹھاتے تھے پوری پوری رات نماز پڑھتے اور جب تھک جاتے تو ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ کر نماز ادا فرماتے حتی کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر جاتے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا طٰہٰ آپ دونوں قدم زمین پر رکھئے طٰہٰ اصل میں طَاْ تھا وَطِیَ یَطَأُ سے آخری ہمزہ ھا سے بدل دیا طٰہٰ ہو گیا۔

مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ ہم نے قرآن کو آپ ﷺ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ ﷺ مشقت اٹھائیں، اور قیام لیل میں اس قدر تلاوت فرمائیں کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر جائیں، دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ ان کافروں کے کفر پر اس قدر رنج و غم کریں کہ خود کو ہلاکت کے قریب کرلیں، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے **فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی آثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا** پس اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے، بلکہ ہم نے اس قرآن کو نصیحت اور یاد دہانی کے لئے اتارا ہے تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں توحید کا جو جذبہ پوشیدہ ہے واضح اور نمایاں ہو جائے۔ (یہاں پر شقاءؔ، عناءؔ و تعبؔ کے معنی میں ہے)

عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی استواء علی العرش کے متعلق صحیح اور بے غبار بات وہی ہے جو جمہور سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس کی حقیقت و کیفیت کسی کو معلوم نہیں متشابہات میں سے ہے اتنا عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ استواء علی العرش حق ہے اس کی کیفیت اللہ جل شانہ کی شان کے مطابق و مناسب ہوگی جس کا ادراک دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا۔

وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ثریٰ نمناک مٹی کو کہتے ہیں، مخلوقات کا علم تو صرف ثریٰ پر ختم ہو جاتا ہے اس ثریٰ کے نیچے کیا ہے اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، نئی تحقیق و ریسرچ اور نئے نئے آلات اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب سے چند سال پہلے زمین کو برما کر اس پار سے اس پار نکل جانے کی کوشش مدتوں تک جاری رہی ان سب تحقیقات اور انتھک کوششوں کا نتیجہ اخبارات میں سب کے سامنے آچکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ آلات کام کر سکے، آگے ایک ایسا حجری غلاف ثابت ہوا جہاں کھدائی کے تمام آلات اور سائنس جدید کے سب افکار عاجز ہو گئے، انسان صرف چھ میل تک کا علم حاصل کر سکا جب کہ زمین کا قطر استوائی ۷۹۲۶ میل اور بعض کے نزدیک ۷۹۲۷ میل ہے، اور قطبی قطر ۷۹۰۰ میل ہے (فلکیات جدیدہ، ص ۲۷۳) اسلئے اس اقرار کے سوا چارہ نہیں کہ علم ماتحت الثریٰ حق تعالیٰ ہی کی مخصوص صفت ہے۔ (معارف القرآن)

یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی اس سے پہلی آیت میں عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا اس آیت میں علم الٰہی کی وسعت کا

تذکرہ ہے یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اس علام الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ پوشیدہ سے بھی پوشیدہ باتوں کی خبر ہے، جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے اور جو دل میں گذرے مگر ابھی زبان پر نہ آئی ہو اور ابھی دل میں بھی نہیں گذری آئندہ گذرنے والی ہو حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے اسی لئے بلاضرورت بہت زور سے چلا کر بہت زور سے ذکر کرنے کو بھی علماء شریعت نے منع فرمایا ہے۔

آیات بالا میں حق تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں یعنی اس کا خالق الکل، مالک علی الاطلاق اور صاحب علم محیط ہونا اس کا مقتضی یہ ہے کہ صفت الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو اسی مضمون کو آئندہ آنے والی آیت اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ میں بیان فرمایا ہے۔

وَھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت بسط وتفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی کریم محمد کی طرف وحی بھیجنا کوئی انوکھی یا انہونی بات نہیں ہے جس طرح پیشتر موسیٰ علیہ السلام کو وحی مل چکی ہے آپ کو بھی ملی ہے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی وحی توحید وغیرہ کی تعلیم پر مشتمل تھی آپ کی وحی میں بھی انہی اصولوں پر زور دیا گیا ہے، حضرت موسیٰ نے تبلیغ حق میں صعوبتیں اور تکالیف برداشت کیں آپ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح آخر کار ان کو کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مقہور و مخذول ہوئے، آپ بھی یقیناً غالب و منصور ہوں گے اور آپ کے دشمن تباہ وذلیل کیے جائیں گے، چونکہ سورت کا آغاز انزال قرآن کے ذکر سے کیا گیا تھا اس کے مناسب نبوت موسوی کے آغاز کا قصہ بیان فرماتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے مختلف اجزاء ہیں مگر یہاں قصہ کا صرف وہ جز بیان کیا گیا ہے جو مدین سے مصر واپسی کے وقت پیش آیا تھا۔

مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جس کا نام صفورایا **صفوریا** ہے اور بعض حضرات نے صفور یہ بھی بتایا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہو گیا تھا، کئی سال وہاں مقیم رہنے کے اور خدمت کی مدت پوری کرنے کے بعد جو کہ آٹھ سال یا دس سال تھی (غالب یہی ہے کہ ابعد الاجلین پوری کی ہوگی) اپنی والدہ اور دیگر اہل خانہ کی زیارت اور ملاقات کے لئے مصر جانے کی حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت چاہی حضرت شعیب علیہ السلام نے بخوشی اجازت دیدی اور سامان نیز کچھ بکریاں بھی ہمراہ کر دیں، حاملہ بیوی ساتھ ہے رات اندھیری ہے سردی کا شباب ہے، بکریوں کا بھی ساتھ ہے، اس حالت میں راستہ بھول جاتے ہیں بکریاں منتشر ہو جاتی ہیں، بیوی کو دردزہ شروع ہو جاتا ہے، سردی کی وجہ سے پریشان ہیں، سردی سے بچاؤ کے لئے آگ نہیں کہ تاپ سکیں چقماق رگڑنے پر بھی آگ نہ نکلی، ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعتاً ایک آگ نظر آئی وہ درحقیقت دنیوی آگ نہ تھی بلکہ اللہ کا نور جلال تھا، مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے ظاہری آگ سمجھ کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں ہے میں رسی وغیرہ میں لگا کر آگ کا شعلہ لاتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے، جب حضرت موسیٰ علیہ

السلام اس پاک اور مقدس وادی طویٰ میں پہنچے تو عجیب وغریب نظارہ دیکھا ایک درخت میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زیادہ بھڑکتی ہے، درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی بڑھتی ہے، آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے، حضرت موسیٰ نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھالائیں لیکن موسیٰ جس قدر آگ کے قریب جاتے ہیں آگ دور بھاگتی چلی جاتی ہے اور جب گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہیں تو وہ تعاقب کرتی ہے اسی حیرت اور دہشت کی حالت میں آواز آئی اِنِّی اَنَا اللّٰہُ الخ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے جب یا موسیٰ سنا تو کئی بار لبیک کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں ورآہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے؟ آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے قریب ہوں، کہتے کہ موسیٰ ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔ (فوائد عثمانی)

فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ادب اور احترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جوتے اتار دو بلاشبہ تم ایک مقدس اور پاکیزہ مقام پر ہو، اور جوتے اتار کر برہنہ پا ہونے میں عاجزی اور انکساری کا ظہور بھی ہے، یا اس لئے کہ مردار کی کھال کے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے اور حضرت علی اور حسن بصری اور ابن جریج سے اول ہی منقول ہے اور جوتا اتارنے کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ آپ کے قدم اس مبارک وادی کی مٹی سے مس کر کے برکت حاصل کریں، اور وادی کی پاکیزگی کے اثرات کو پیر زیادہ جذب کر سکیں۔

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی حق تعالیٰ نے زمین کے خاص خاص حصوں کو اپنی حکمت سے خاص امتیازات اور شرف بخشا ہے، جیسے بیت اللہ، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی اور وادی طویٰ یہ وادی کوہ طور کے دامن میں واقع ہے، طُوٰی ایک وادی کا نام ہے اسے بعض حضرات نے منصرف اور بعض نے غیر منصرف پڑھا ہے۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ جب موسیٰ علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو نبوت اور رسالت کے لئے منتخب فرمالیا اور حکم دیا کہ جو وحی تمہاری جانب کی جارہی ہے اس کو غور سے سنو، سب سے پہلا حکم تو یہ ہے کہ میری ہی بندگی کرو، میرے سوائے کوئی بندگی کے لائق نہیں، نماز اگرچہ بندگی میں داخل ہے مگر نماز کی اہمیت کے پیش نظر مستقل طور پر بھی نماز کا حکم دیا، اور یہ بھی بتادیا کہ نماز کا مقصد میری یادگاری ہے نماز سے غافل ہونا گویا کہ خدا کی یاد سے غافل ہونا ہے لِذِکْرِی کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب بھی میں تجھے یاد آجاؤں نماز پڑھ لیا کر یعنی اگر کسی وقت غفلت ذہول، یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ لیا کر، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی یاد آئے تو پڑھ لے۔ (بخاری شریف کتاب المواقیت)

اِنَّ السَّاعَةَ آتِیَةٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا عَنِ النَّاسِ وَیُظْھَرُ لھم قُرْبُھَا بِعَلَامَاتِھَا لِتُجْزٰی فیھا کُلُّ نَفْسٍ بما

تَسْعٰی ﴿﴾ به من خيرٍ وشرٍ فَلَا يَصُدَّنَّكَ يصرفنَّك عَنْهَا اى عن الايمان بها مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فى انكارها فَتَرْدٰى فتهلك ان انصددتَّ عنها وَمَا تِلْكَ كائنةً بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى الاستفهامُ للتقرير ليُرتَّبَ عليه المُعجزةُ فيها قَالَ هِيَ عَصَايَ ﴿﴾ اَتَوَكَّؤُا اَعتمدُ عَلَيْهَا عند الوثوب والمشى وَاَهُشُّ اَخبطُ ورقَ الشجر بِهَا ليسقُطَ عَلٰى غَنَمِيْ فتاكلُهُ وَلِيَ فِيْهَا مَآرِبُ جمعُ مارُبَةٍ مُثلَّثِ الرَّاءِ اى حوائِجُ اُخْرٰى كحمل الزاد والسِّقاء وطردِ الهوامّ زاد فى الجواب بيان حاجاته بها قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ ثُعبانٌ عظيمٌ تَسْعٰى تمشى على بطنها سريعًا كسُرعةِ الثُّعبان الصَّغيرِ المُسمّٰى بالجانِّ المُعبَّر به عنها فى آيةٍ اُخرٰى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ﴿﴾ منها سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا منصوبٌ بنزعِ الخافضِ اى الى حالتها الْاُوْلٰى ، فَاَدخلَ يدَه فى فمها فعادتْ عصًا وتبيَّنَ انَّ موضعَ الادخال موضعُ مسكها بين شُعبتيها وأُرِىَ ذٰلك السَّيِّدُ موسٰى لِئَلَّا يجزعَ اذا انقلبتْ حيَّةً لدٰى فرعونَ وَاضْمُمْ يَدَكَ اليُمنٰى بمعنى الكفِّ اِلٰى جَنَاحِكَ اى جنبِكَ الايسرِ تحتَ العضُدِ الى الابْطِ واخرجْها تَخْرُجْ خلافَ ماكانتْ عليه من الأُدمةِ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اى بَرَصٍ تُضِيءُ كشعاعِ الشمسِ تغشى البصرَ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿﴾ وهى بيضاءُ حالانِ من ضميرِ تخرجْ لِنُرِيَكَ بها اذا فعلتَ ذٰلك لاظهارها مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى اى العُظمٰى على رسالتك واذا اراد عَوْدَها الى حالتها الأُولٰى ضمَّها الى جناحه كما تقدَّمَ واخرجها اِذْهَبْ رسولًا اِلٰى فِرْعَوْنَ ومَنْ معه اِنَّهٗ طَغٰى ﴿﴾ جاوزَ الحدَّ فى كفره الى ادِّعاءِ الالٰهيَّةِ ع

ترجمہ

قیامت یقیناً آنے والی ہے میں اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں اور اس کا قرب اس کی علامات سے ظاہر ہو جائے گا تاکہ ہر شخص کو اس (دن) میں اس کے اعمال نیک و بد کا بدلہ دیا جا سکے، تو تجھ کو اس پر یقین رکھنے سے کوئی ایسا شخص باز نہ رکھ سکے، نہ روک سکے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اس کے انکار میں اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے ورنہ تو تو ہلاک ہو جائے گا یعنی اگر تو اس پر یقین رکھنے سے باز رہا تو ہلاک ہو جائے گا اور اے موسیٰ تیرے داہنے ہاتھ میں یہ کیا ہے استفہام تقریر کے لئے ہے تاکہ اس پر معجزہ کا ترتب ہو سکے، کہا یہ میری لاٹھی ہے (جست) لگاتے وقت اور چلنے کے وقت اس پر سہارا دیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں یعنی اس کے ذریعہ درخت کے پتے گراتا ہوں تاکہ وہ اس کو کھائیں اور اس سے میں دیگر کام بھی لیتا ہوں مآرِبُ مارِبَةٌ کی جمع ہے را پر تینوں اعراب جائز ہیں مآرب بمعنی حوائج ہے مثلاً کھانا پانی لٹکا لینے اور موذی جانوروں کو دفع کرنا (وغیرہ) (مقدار) جواب میں بیان حاجت کا

اضافہ فرمایا ارشاد ہوا اے موسیٰ اس (عصاء) کو (زمین) پر ڈالدے چنانچہ اس کو ڈالدیا تو یکایک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا بڑا اژدہا وہ اپنے پیٹ کے بل چھوٹے سانپ (سپولیے) کے مانند دوڑتا تھا جس کو دوسری آیت میں جان کہا گیا ہے ارشاد ہوا اس کو پکڑلو اور ڈرو نہیں ہم اس کو (پکڑتے ہی) اس کی پہلی صورت پر لوٹا دیں گے سِیْرَتَهَا حرف جار کو حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہے ای الیٰ حالتِها الاُولیٰ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس کے منہ میں داخل کردیا تو وہ عصاء بن گیا اور یہ بات ظاہر ہوگئی کہ (ہاتھ) داخل کرنے کی جگہ دونوں شاخوں کے درمیان پکڑنے کی جگہ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ سب کچھ اس لئے دکھایا گیا تاکہ جب فرعون کے سامنے (یہ عصاء) سانپ (کی شکل) میں تبدیل ہوجائے تو (موسیٰ) خوف زدہ نہ ہوں اور تم اپنا داہنا ہاتھ یعنی ہتھیلی اپنے بازوؤں سے ملالو، یعنی بائیں بغل میں بازو کے نیچے داخل کرلو اور (پھر) نکالو، اپنی پہلی گندمی حالت کے برخلاف بغیر کسی مرض مثلاً برص کے سورج کے مانند چمکدار ہوکر نکلے گا، جو آنکھوں کو چکاچوند (خیرہ) کردے گا یہ دوسری نشانی ہوئی آیۃ اخریٰ اور بیضاء یہ دونوں تخْرُجُ کی ضمیر سے حال ہیں، تاکہ ہم تم کو جب تم نشانی (معجزہ) کے اظہار کے لئے یہ سب کچھ کرچکو تو اپنی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دکھادیں یعنی تیری رسالت کی بڑی نشانی اور جب تم اس (ہاتھ) کو سابقہ حالت پر لوٹانا چاہو تو سابق کی طرح اس کو اپنے پہلو سے ملالینا اور نکال لینا (اب) تم رسول بن کر فرعون اور ان لوگوں کے پاس جاؤ جو اس کے ساتھ ہیں بے شک وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے اپنے کفر میں دعوائے الوہیت کرکے حد سے تجاوز کرگیا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَکَادُ اُخْفِیْهَا ای اُرِیْدُ اِخْفاءَ وَقْتِها یہ عرب کے اس محاورہ کے مطابق ہے کہ عرب جب کسی بات کے اخفاء میں مبالغہ کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں (کتمهٗ حتی من نفسی) ای لم اطلع احَدًا لِتُجْزیٰ یا تو اُخْفِیْهَا سے متعلق ہے یا آتِیَةٌ سے متعلق ہے دوسری صورت میں متعلَّق اور متعلِّق کے درمیان اَکَادُ اُخْفِیْهَا جملہ معترضہ ہوگا بِه کو مقدر ماننے کی وجہ یہ ہے کہ صلہ جب جملہ ہوتا ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اسی لئے مفسر نے بِه کو محذوف مانا ہے مِنْ خَیْرٍ وشرٍّ میں مِنْ، ما کا بیان ہے یَصُدَّنَّكَ واحد مذکر غائب نہی با نون ثقیلہ، مادہ صَدٌّ، كَ ضمیر مفعول ہے تجھ کو باز نہ رکھنے پائے فَتَرْدیٰ اصل میں فان تردیٰ تھا فَتَرْدیٰ جواب نہی ہے وَمَا تِلْكَ ما اسم استفہام مبتداء تلك اسم اشارہ خبر اور بیمینكَ كائنةً مقدر کے متعلق ہوکر حال ہے اسم اشارہ بمعنی اشیرُ سے ما تلك میں ما استفہامیہ طلب فہم کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ یہ ذات باری کے لئے محال ہے بلکہ تقریر شیٔ کے لئے ہے یعنی اچھی طرح دیکھ لو یہ کیا ہے تاکہ مغالطہ نہ ہو اس لئے کہ عنقریب اسی عصاء کا سانپ کی شکل میں معجزہ ظاہر ہونے والا ہے حَیَّةٌ چھوٹے بڑے ہر قسم کے سانپ کو کہتے ہیں، اور جَانٌّ خاص طور پر چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور ثعبان بڑے سانپ کو جس کو اژدہا کہا

جاتا ہے، کہیں جَانٌ کہا گیا ہے اور کہیں ثُعْبَانٌ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ جسم وجثہ کے اعتبار سے تو ثعبان تھا اور حرکت وسرعت کے اعتبار سے جان یا ابتداءً جانٌ رہتا تھا اور بعد میں ثعبان ہو جاتا تھا فَاِذَا هِيَ تَسعیٰ اِذا مفاجاتیہ ہے هِيَ مبتداء ہے حیۃ خبر اول ہے اور تسعی خبر ثانی ہے، تسعی جملہ ہو کر حیۃ سے حال بھی ہو سکتا ہے، اور صفت بھی سِیْرَتَھا اصل میں اِلَی سِیْرَتِھَا الْاُولٰی تھا حذف الی کی وجہ سے منصوب ہو گیا سِیْرَتَھا الْاُولٰی یہ سَنُعِیْدُھا کی ضمیر مفعول سے بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے ای ھیئتھا الْاُولٰی بیضاء تخرجُ کی ضمیر سے حال ہے من غیر سُوْءٍ تخرج کے متعلق ہے بمعنی الکف کا اضافہ اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے کیا ہے کہ یَدٌ عربی میں انگلیوں سے لیکر کندھے تک کو کہتے ہیں، اس کا بغل میں داخل کرنا ممکن نہیں ہے، جواب دیا کل بول کر جز مراد ہے یعنی صرف ہتھیلی الآیۃ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ الکبریٰ، موصوف محذوف کی صفت ہے۔

تفسیر وتشریح

اَکَادُ اُخْفِیْھَا یعنی قیامت کے معاملہ کو میں تمام مخلوق سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں حتی کہ انبیاء اور فرشتوں سے بھی اَکَادُ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر لوگوں کو قیامت اور آخرت کی فکر دلا کر ایمان وعمل صالح پر ابھارنا مقصود نہ ہوتا تو اتنی بات بھی ظاہر نہ کی جاتی کہ قیامت آنے والی ہے، البتہ قیامت کی علامات قریبہ اور بعیدہ بتا دوں گا تا کہ بندوں کو وقوع قیامت کا علم ہو جائے، علامات بعیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے، اور علامات قریبہ میں نزول عیسیٰ ظہور مہدی اور خروج دجال اور سورج کا مغرب سے نکلنا وغیرہ ہیں۔

لِتُجْزیٰ الخ تا کہ ہر نفس کو اس کے عمل کی جزا دی جائے اگر اس جملہ کا تعلق آتِیَۃٌ سے ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ قیامت کے آنے کی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ دنیا دار الجزاء نہیں بلکہ دار العمل ہے بعض اوقات دنیا میں بھی قدرے جزاء مل جاتی ہے مگر وہ جزاء کامل نہیں ہوتی بلکہ جزاء کا ایک نمونہ ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے کہ جہاں ہر نیک وبد عمل کی کامل جزاء دی جائے ورنہ تو یہ انصاف کے تقاضہ کے خلاف ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا قیام عقلاً بھی ضروری ہے قیامت اور موت کے وقت کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیام قیامت اور احتضار کے وقت توبہ کے قبول سے منع فرمایا ہے اگر لوگوں کو موت یا قیامت کا متعین وقت معلوم ہو جائے تو معصیت میں مُبتلا رہیں گے پھر وقت سے کچھ پہلے توبہ واستغفار کر لیں گے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قیامت اور موت کے وقت کو مخفی رکھا ہے تا کہ بندہ ہمہ وقت ڈرتا رہے فَلَا یَصُدَّنَّکَ اس میں خطاب گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہے مگر سنانا مقصود امت کو ہے اس لئے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اس سے گناہ کبیرہ کا صدور نہیں ہو سکتا یا مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ جس طرح تم اب تک ایمان بالقیامۃ پر قائم رہے ہو آئندہ بھی اسی طرح قائم رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا شخص جو قیامت پر ایمان نہ

رکھتا ہو اور اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے دوڑ رہا ہو آپ کو قیامت کے معاملہ میں غفلت میں ڈالدے اگر بالفرض ایسا ہوا تو تم بھی ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔

وَمَا تِلْكَ رب العالمین کی طرف سے یہ ایک دوستانہ انداز خطاب ہے تاکہ حیرت انگیز مناظر دیکھنے اور کلام ربانی سننے کے بعد جو ہیبت اور وحشت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوگئی تھی وہ اس بے تکلفانہ کلام سے دور ہو جائے، اس کے علاوہ اس سوال میں یہ حکمت بھی ہے آئندہ چل کر اس عصا کو جوان کے ہاتھ میں تھا ایک سانپ بنانا تھا اس لئے پہلے ان کو متنبہ کر دیا اور فرمایا اے موسیٰ کیا تیرے ہاتھ میں عصا نہیں ہے خوب اچھی طرح دیکھ لے جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ لکڑی کا عصا ہے تب اس کو سانپ بنانے کا معجزہ ظاہر کیا گیا ورنہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ مغالطہ اور احتمال ہو سکتا تھا کہ کہیں رات کی تاریکی میں عصا کی بجائے سردی سے ٹھٹھرا ہوا سانپ نہ اٹھالیا ہو اور اب گرمی پا کر حرکت کرنے لگا ہو۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صرف اتنا سوال ہوا تھا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا اتنا جواب کافی تھا کہ لاٹھی ہے، مگر یہاں موسیٰ نے اصل جواب پر تین باتیں مزید فرمائیں جن کا جواب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اول تو یہ کہ یہ میری لاٹھی ہے دوسرے یہ کہ اس سے بہت سے کام لیتا ہوں مثلاً یہ کہ میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں، نیز اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں اس کے علاوہ بھی اس سے اور بہت سے کام لیتا ہوں مثلاً یہ کہ اگر کودنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو اس کے سہارے سے کود جاتا ہوں ضرورت کے وقت اس پر اپنا سامان بھی کندھے پر رکھ کر ٹانگ لیتا ہوں، موذی جانوروں کو دفع کرنے کا کام بھی اسی سے لیتا ہوں اور یہ عصا بکریاں ہانکنے کے کام بھی آتا ہے، اس طویل اور تفصیلی جواب میں عشق و محبت اور اس کے ساتھ رعایت ادب کی جامعیت کا کمال ظاہر ہوتا ہے، عشق و محبت کا تقاضہ ہے کہ جب محبوب مہربان ہو کر متوجہ ہو تو موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بات دراز کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہو سکے اور بے جا طوالت بھی نہ ہو جیسا کہ آخر میں موسیٰ نے فرمادیا **وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ اُخْرٰى** (معارف القرآن ملخصاً) فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے عصاء کے سانپ بننے کا عملی تجربہ بھی کرا دیا تاکہ اچانک عصاء کے سانپ بننے کی وجہ سے بشری خوف غالب نہ آجائے، چنانچہ عملی تجربہ کے وقت، یہی ہوا کہ حضرت موسیٰ اس خوفناک منظر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا، **لاتخف سنعيدها سيرتها الاولى**

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول کو دو عظیم معجزوں سے مسلح کرنے کے بعد حکم دیا کہ اب فرعون سرکش کو دعوت ایمان دینے کے لئے چلے جائیں۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ وَسِّعْهُ لِتَحمِلَ الرِّسَالَةَ وَيَسِّرْ سَهِّلْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۙ لِأُبَلِّغَهَا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ حَدَثَتْ مِنِ اِحْتِرَاقِهٖ بِجَمْرَةٍ وَضَعَهَا وَهُوَ صَغِيْرٌ بِفِيْهِ يَفْقَهُوْا يَفْهَمُوْا قَوْلِيْ

عِندَ تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مُعِيْنًا عليها مِّنْ اَهْلِيْ ۙ هَارُوْنَ مفعولٌ ثانٍ اَخِي ۙ عطفُ بَيَانٍ اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِيْ ظَهْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۙ اى الرِّسَالَة والفعلان بِصيغتى الامر او المُضَارِعِ المَجْزُوْمِ وهو جَوَابٌ للطَّلَبِ كَيْ نُسَبِّحَكَ تَسْبِيحًا كَثِيْرًا ۙ وَّنَذْكُرَكَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۭ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا عَالِمًا فَاَنْعَمْتَ بالرِّسَالَةِ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى مَنًّا عليك وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۙ اِذْ لِلتَّعْلِيْلِ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَنَامًا او اِلْهَامًا لمَّا ولدتك وخافت ان يَّقتُلَكَ فِرْعَوْنُ فى جُمْلَةِ مَنْ يُوْلَدُ مَا يُوْحٰٓى فى اَمْرِكَ ويُبْدَلُ منه اَنِ اقْذِفِيْهِ اَلْقِيهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ بالتَّابُوْتِ فِى الْيَمِّ بَحْرِ النِّيْلِ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ اى شَاطِئِهِ والامرُ بمعنى الخبر يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وهو فِرْعَوْنُ وَاَلْقَيْتُ بَعْدَ اَنْ اَخَذَكَ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ڬ لِتُحَبَّ من النَّاسِ فاحَبَّكَ فِرْعَوْنُ وكُلُّ مَنْ رَّآكَ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ۘ تُرَبّٰى على رِعَايَتِيْ وحِفْظِيْ لك اِذْ للتَّعْلِيْلِ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ مَرْيَمُ لتَعرِفَ خَبَرَكَ وقد اَحْضَرُوا مَرَاضِعَ واَنْتَ لاتَقْبَلُ ثَدْيَ واحدةٍ منها فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فاُجِيْبَتْ فجاءَتْ بِاُمِّهٖ فقَبِلَ ثَدْيَهَا فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا بِلِقَائِكَ وَلَا تَحْزَنَ ۭ حِيْنَئِذٍ وَقَتَلْتَ نَفْسًا هو القِبْطِيُّ بِمِصْرَ فاغْتَمَمْتَ لقتله من جِهَةِ فِرْعَوْنَ فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڣ اِخْتَبَرْنَاكَ بالاِيْقَاعِ فِى غَيْرِ ذٰلك وَخَلَّصْنَاكَ منه فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ عشْرًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڣ بعد مَجِيْئِكَ اليها من مِصْرَ عند شعيب النبى وتزوُّجِكَ بِابْنَتِه ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ فى عِلْمِيْ بِالرِّسَالَةِ وهو اَرْبَعُوْنَ سَنَةً من عُمْرِكَ يٰمُوْسٰى ڪ واصْطَنَعْتُكَ اخْتَرْتُكَ لِنَفْسِيْ ڄ بِالرِّسَالَةِ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ الى النَّاسِ بِاٰيٰتِيْ التِّسْعِ ولَاتَنِيَا تَفْتُرَا فِيْ ذِكْرِيْ ڄ بِتَسْبِيْحٍ وَغَيْرِهٖ.

ترجمہ

موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میرا سینہ کھولدے (حوصلہ زیادہ کردے یعنی میرے سینہ کو وسیع کردے تاکہ (بار) رسالت کا متحمل ہوسکے، اور میرے لئے میرا یہ (تبلیغ) کا کام آسان فرمادے اور میری زبان کی گرہ کو کھولدے جو کہ اس چنگاری سے جلنے کی وجہ سے پڑگئی تھی کہ جس کو بچپن میں منہ میں رکھ لیا تھا تاکہ لوگ پیغام رسانی کے وقت میری بات سمجھ سکیں، اور میرا کوئی وزیر کار رسالت میں معاون میرے خاندان میں سے مقرر کردیجئے ہارون مفعول

ثانی ہے اور اَخِیْ ہارون سے عطف بیان ہے یعنی ہارون کو جو کہ میرے بھائی ہیں اس کے ذریعہ میری پیٹھ مضبوط کر دیجئے اور اس کو میرے معاملہ یعنی کار رسالت میں میرا شریک کر دے اور دونوں فعل (یعنی اُشْدُدْ اور اشْرِکْہُ) امر کے صیغہ بھی ہو سکتے ہیں، اور مضارع مجزوم کے بھی، اور مضارع جواب امر (ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے) تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں اور تیرا کثرت سے ذکر کریں بے شک آپ ہمارے حالات سے بخوبی واقف ہیں یہی وجہ ہے کہ تو نے رسول بنا کر انعام فرمایا ارشاد فرمایا اے موسیٰ تجھ پر احسان کرتے ہوئے ہم نے تیری درخواست کو قبول فرما لیا اور اے موسیٰ اس کے علاوہ بھی ہم تجھ پر احسان کر چکے ہیں اِذْ تعلیلیہ ہے جبکہ ہم نے تیری ماں کو خواب میں یا الہام کے ذریعہ تیرے بارے میں وہ بات بتا دی جو بذریعہ الہام بتانے کے لائق تھی جب کہ تیری ماں نے تجھ کو جنا تھا اور اس کو یہ خوف ہوا تھا کہ فرعون منجملہ (دیگر نومولود) بچوں کے تجھ کو قتل کر دے گا اور اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوتِ، مَا یُوْحٰی سے بدل ہے وہ یہ کہ ان کو تابوت میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈالدے، پھر دریا ان کو ساحل پر ڈالدے گا یعنی اپنے کنارے پر اور (فَلْیُلْقِهِ) امر بمعنی خبر ہے، آخر کار اس کو ایسا شخص پکڑ لے گا جو کہ میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی اور وہ فرعون ہے، اور بعد اس کے کہ ان لوگوں نے تجھ کو پکڑ لیا میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالدی تاکہ تو لوگوں کے نزدیک محبوب ہو جائے اور پھر فرعون اور ہر وہ شخص جو تجھ کو دیکھے گا تجھ سے محبت کرنے لگے اور تاکہ تم میری نگرانی رعایت وحفاظت میں پرورش پاؤ اِذْ تعلیلیہ ہے (یہ اس وقت کی بات ہے) جب تیری بہن مریم تیری خبر گیری کے لئے چل رہی تھی اور ان لوگوں نے بہت سی دودھ پلانے والیوں کو بلایا تھا اور تو ان میں سے کسی کی پستانوں کو قبول نہیں کرتا تھا تو (مریم) کہنے لگی کیا میں تم لوگوں کو ایسا شخص بتا دوں جو اس کی کفالت کرے؟ چنانچہ اس کی بات منظور کر لی گئی بعد ازاں وہ اس کی ماں کو بلا لائی اور اس نے اس کی پستانوں کو قبول کر لیا، پھر ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں تیری ملاقات سے ٹھنڈی ہوں اور ان کو اس وقت کوئی غم نہ رہے (ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے) یعنی تو نے اپنی ماں کا دودھ قبول کر لیا تو اب تجھ کو کوئی غم نہ ہونا چاہئے، اور تو نے ایک قبطی شخص کو مصر میں قتل کر دیا تھا اور اس کے قتل کی وجہ سے تو فرعون کی طرف سے مغموم تھا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی پھر ہم نے تم کو مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈالا (یعنی) اس کے علاوہ بھی ہم نے تم کو آزمائشوں میں مبتلا کیا اور پھر ان سے تجھ کو خلاصی دی پھر اہل مدین میں تم کئی (دس) سال رہے مصر سے مدین آنے کے بعد شعیب علیہ السلام کے پاس اور تم نے اس کی بیٹی سے نکاح کیا پھر تم ایک خاص عمر کو پہنچے جو کہ میرے علم میں رسالت کے لئے مقدر تھی اور وہ تیری عمر کے چالیس سال تھے اے موسیٰ میں نے تم کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کر لیا لہٰذا (اب) تم اور تمہارے بھائی میری نو نشانیاں لیکر لوگوں کے پاس جاؤ اور میری یادگاری میں کوتاہی سستی سے کام نہ لینا (یعنی) تسبیح وغیرہ میں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

يَفْقَهُوْا جواب دعاء ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، وَزِيْرًا وِزْرٌ سے صیغہ صفت ہے، مددگار، ناصر، معین، بقول مفسر علام وَزِيْرًا اجعل کا مفعول اول ہے اور ہارون مفعول ثانی ہے، اس کا عکس اولیٰ ہے اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو مفعول جمع ہوں ان میں ایک معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ، تو معرفہ کو مفعول اول بناتے ہیں اس لئے کہ مفعول اول مبتداء ہوتا ہے، جس کو معرفہ ہونا چاہیے اور مفعول ثانی خبر ہوتی ہے جس کے لئے نکرہ ہونا مناسب ہے اور یہاں ہارون معرفہ اور وزیرًا نکرہ ہے مقصود بالعنایت اور اہم ہونے کی وجہ سے مفعول ثانی کو مقدم کردیا گیا ہے۔

دوسری ترکیب: وزیرًا مفعول اول ہو اور لِيْ مفعول ثانی اور ہارون بدل یا عطف بیان ہو اُشْدُدْ، اُشْرِكْ یہ دونوں صیغے جب مضارع واحد متکلم ہوں گے تو اُشْدُدْ میں ہمزہ کا فتحہ ہوگا اور اُشْرِكْهُ میں ہمزہ کا ضمہ ہوگا اور جواب دعاء ہونے کی وجہ سے دال ثانی اور کاف ساکن ہوں گے اس صورت میں دونوں فعلوں کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہوگی مطلب یہ ہوگا تاکہ میں اس کے ذریعہ اپنی پیٹھ مضبوط کروں اور اس کو اپنا شریک کار بناؤں اور اگر دونوں امر کے صیغہ ہوں تو اُشْدُدْ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہوگا (ن،ض) اور اَشْرِكْ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہوگا اس صورت میں دونوں فعلوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی یعنی اے اللہ تو میرے بھائی کے ذریعہ میری پیٹھ مضبوط کردے اور اس کو میرا شریک کار بنادے اُشْدُدْ کا جب اَخِي کے ساتھ وصل کریں گے تو ہمزہ ساقط ہوجائے گا اَزْرِيْ الأزر قوت، پشت سُؤْلَكَ سُوْلٌ بروزن فُعْلٌ جیسا کہ خُبْزٌ بمعنی مَخْبُوزٌ فُعْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے کاف کی طرف مضاف ہے بمعنی درخواست، تمنا، خواہش اِذْ اَوْحَيْنَا مَنَنَّا کا ظرف ہے اور اِذْ اَوْحينا مَرَّةً سے بدل بھی ہوسکتا ہے اور اذ تعلیلیہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفسرؒ نے صراحت کی ہے مفسرؒ کا منامًا اور الهامًا کا اضافہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وحی رسالت نہیں تھی بلکہ وحی لغوی تھی اِقْذِفِيْ قَذْفٌ (ض) واحد مونث حاضر اس کے آخر میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ہے (تو اس کو ڈالدے، رکھدے) يُلْقِهِ الْقاءٌ سے امر کا واحد مذکر غائب بمعنی خبر ہے ضمیر مفعولی ہے، اس کو ڈالدے، پھینک دے اَلْيَمُّ البحر مراد دریائے نیل ہے يَاْخُذْهُ جواب امر ہے مِنِّي اَلْقَيْتُ کے متعلق ہے اور کائنةً محذوف کے متعلق ہوکر مُحَبةً کی صفت بھی ہوسکتی ہے **قوله** لِتُحَبَّ یہ اَلْقَيْتُ کی علت ہے اس کو محذوف اس لئے مانا کہ لِتُصْنَعَ کا عطف درست ہوجائے ای لِتُحَبَّ وتُصْنَعَ اِذْ تمشيٰ کا تعلق مذکور دونوں فعلوں میں سے کسی ایک سے ہوسکتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اِذ اولیٰ سے بدل ہو، اس لئے کہ بہن کا ساتھ ساتھ چلنا بھی احسان ہی تھا اور اذکر محذوف مان کر تقدیر عبارت یہ بھی ہوسکتی ہے اُذكر اِذ تمشي **قوله** مَرَاضِعٌ مُرْضِعَةٌ کی جمع ہے دودھ پلانے والی کو کہتے ہیں فُتُوْنًا مفعول مطلق ہے ای اِبْتَلَيْنَاكَ اِبْتِلاءً اور فِتْنَةٌ کی جمع بھی ہوسکتی ہے جیسے

بَذْرَة کی جمع بُدُورٌ ای فتناكَ بِفُتُوْنٍ كثيرَة مفسر علام نے فاجیبت کو محذوف مانا ہے تاکہ فرجعناك کا عطف درست ہوجائے اِصْطَنَعْتُكَ (افتعال) اِصْطِناعٌ درستگی میں مبالغہ کرنا، منتخب کرنا تَنِيَا وَنى يَنِيْ وَنْيًا سستی کرنا (ض) تثنیہ مذکر حاضر لَا تَنِيَا سستی نہ کرو الی الناس یہاں فرعون کو آئندہ پر قیاس کرتے ہوئے حذف کر دیا گیا ہے جس طرح کہ وہاں آیاتی کو اس پر قیاس کرکے حذف کر دیا گیا ہے اس کو صنعت احتباک کہتے ہیں یعنی نظیر کو نظیر پر قیاس کرتے ہوئے حذف کر دینا **قوله** اَلتِّسعُ مفسر علام التسع کے بجائے العصا والید فرماتے تو مناسب ہوتا، اس لئے کہ ابتداءً صرف یہی دو معجزے عطا کیے گئے تھے باقی مدت کے دوران عطا کیے گئے اب رہا یہ سوال کہ دو معجزوں پر جمع کا اطلاق کیونکر درست ہے؟ **جواب**: یہ دونوں معجزے چونکہ متعدد معجزات پر مشتمل تھے اس لئے جمع سے تعبیر کرنا درست ہے۔

تفسیر وتشریح

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ حضرت موسیٰ کو جب کلام الٰہی کا شرف خاص حاصل ہوا اور منصب نبوت ورسالت عطا ہوا تو اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کے بجائے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگئے اس وقت پانچ دعائیں مانگیں رب اشرح لی صدری اے میرے رب میرا سینہ کشادہ فرما دے یعنی اس میں ایسی وسعت عطا فرما دے کہ جو علوم نبوت کا متحمل ہوسکے اور دعوت وتبلیغ کے کام میں جو شدائد ومصائب پیش آتے ہیں ان کو برداشت کرسکے۔

دوسری دعاء: وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ یعنی میرا یہ کام آسان کر دے اس لئے کہ کسی کام کا آسان یا دشوار ہونا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اگر وہ چاہے تو آسان کو مشکل اور مشکل کو آسان کر دے۔

تیسری دعاء: وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ الخ یعنی میری زبان کی بندش کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھنے لگیں، اس بندش کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز ایسا ہوا فرعون حضرت موسیٰ کو اپنی گود میں لئے ہوئے تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک ہاتھ سے فرعون کی ڈاڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر طمانچہ رسید کر دیا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کھیل رہے تھے ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے وہ کھیل رہے تھے اچانک فرعون کے سر پر ماردی فرعون کو غصہ آیا اور اس کے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا، غالباً فرعون کو یہ شک ہوگیا کہ ہوسکتا ہے یہ وہی اسرائیلی بچہ ہو جس کے ذریعہ میری سلطنت کا خاتمہ نجومیوں نے بتایا ہے، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے کہا شاہا آپ بچہ کی بات کا خیال کرتے ہیں جس کو کسی چیز کی عقل وتمیز نہیں، اور اگر آپ چاہیں تو تجربہ کرلیں چنانچہ ایک طشت میں انگارے، اور دوسرے میں جواہر پارے لاکر موسیٰ کے سامنے رکھ دئے خیال یہ تھا کہ انگارے چونکہ جواہرات کے مقابلہ میں زیادہ روشن اور چمکدار ہوتے ہیں لہٰذا بچوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰ بھی انگاروں کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے جس

سے فرعون کو یقین آجائے گا کہ موسیٰ نے جو کچھ کیا وہ بچپن کی نادانی کی وجہ سے کیا ہے مگر اتفاق کی بات کہ حضرت موسیٰ نے ہاتھ جواہرات کی طرف بڑھایا مگر جبرائیل امین نے ان کا ہاتھ آگ کے انگاروں کی طرف کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچوں کی عادت کے مطابق ایک چنگاری ہاتھ میں اٹھا کر منہ میں رکھ لی جس کی وجہ سے زبان جل گئی، فرعون کو اس بات کا یقین آگیا کہ موسیٰ کا یہ عمل کسی شرارت کا نتیجہ نہیں بلکہ بچپن کی نادانی کا نتیجہ ہے، آگ کی وجہ سے زبان کے جل جانے کو قرآن میں عقدۃ کہا گیا ہے اور اس کو کھولنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی تھی، جو کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے قبول فرمائی مگر قلیل مقدار میں بستگی کا اثر باقی رہ گیا تھا یہ قبولیت دعا کے منافی نہیں ہے۔

چوتھی دعاء: وَاجْعَلْ وَزِيْرًا مِنْ اَهْلِيْ میرا ایک معاون میرے خاندان سے عطا فرما جو میرا شریک ہو کر میرا ہاتھ بٹا سکے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور ہارون علیہ السلام کو ان کا شریک کار بنا دیا حضرت علیہ السلام اس وقت مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعہ ان کی نبوت کی اطلاع دیدی۔

پانچویں دعاء: وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنا وزیر اور معاون بنانا چاہا یہ اختیار تو ان کو خود حاصل تھا صرف تبرکًا اس کام کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ نبوت اور رسالت میں شریک کر دیں یہ اختیار کسی رسول یا نبی کو خود نہیں ہوتا، اس لئے اس کی جداگانہ مستقل دعاء کی، حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے اور تین ہی سال قبل وفات پائی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ان نعمتوں کو یاد دلا رہے ہیں جو شروع پیدائش سے اب تک زندگی کے ہر دور میں آپ پر مبذول ہوتی رہیں، اور مسلسل آزمائشوں کے درمیان قدرت حق نے کن حیرت انگیز طریقوں سے ان کی حفاظت فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان نعمتوں کو یاد دلانے کے لئے مَرَّةً اُخْرٰى کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ نعمتیں بعد کی ہیں اور اس سے پہلے جو نعمتیں شمار کرائی ہیں وہ پہلی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اخریٰ کا لفظ کبھی مطلقاً دوسری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ یعنی جب وحی بھیجی ہم نے آپ کی والدہ کے پاس ایک ایسے معاملہ میں کہ جو صرف وحی ہی سے معلوم ہو سکتا تھا وہ یہ کہ فرعونی سپاہی جو کہ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے پر مامور تھے ان سے بچانے کے لئے آپ کی والدہ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ ان کو ایک تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈالدیں اور ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ کریں، ہم ان کی حفاظت کریں گے اور پھر آپ کے پاس ہی واپس پہنچا دیں گے ظاہر ہے کہ یہ باتیں عقل وقیاس کی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور ان کی حفاظت کا ناقابل قیاس انتظام صرف اسی کی طرف سے بتلانے پر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ (معارف القرآن)

کیا وحی غیر نبی ورسول کی طرف بھی آسکتی ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ وحی کے لغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں کہ جو صرف مخاطب کو معلوم ہو دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی کسی کے لئے مخصوص نہیں، نبی اور رسول بلکہ جانور تک اس میں شامل ہو سکتے ہیں **اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ** میں شہد کی مکھی کو بذریعہ وحی تلقین وتعلیم کرنے کا ذکر اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور **اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّكَ** بھی اس معنی لغوی کے اعتبار سے ہے اس سے ان کا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا جیسے حضرت مریم کو ارشادات ربانی پہنچے باوجودیکہ باتفاق جمہور امت وہ نبی یا رسول نہیں تھیں، اس طرح کی لغوی وحی عموماً بذریعہ الہام ہوتی ہے حق تعالیٰ کسی کے قلب میں کوئی مضمون ڈالدیں اور اس پر مطمئن کردیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے جیسے عموماً اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہامات ہوتے رہتے ہیں، بلکہ ابوحیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتہ کے واسطہ سے بھی ہوسکتی ہے جیسے حضرت مریم کے واقعہ میں اس کی تصریح ہے کہ جبرائیل امین نے بشکل انسانی متشکل ہو کر ان کو تلقین فرمائی مگر اس کا تعلق صرف اس کی ذات سے ہوتا ہے جس کو یہ وحی الہام کی جاتی ہے اصلاح خلق اور تبلیغ دعوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، بخلاف وحی نبوت کے کہ اس کا منشا ہی مخلوق کی اصلاح ہے اس کو وحی رسالت اور وحی نبوت کہتے ہیں، اس پر صاحب وحی کو خود بھی ایمان لانا ضروری ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی وحی پر ایمان لانے کا حکم کرے۔

وحی الہامی یعنی وحی لغوی کا سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا اور وحی نبوت حضرت خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوچکی ہے بعض بزرگوں کے کلام میں اس کو وحی تشریعی اور غیر تشریعی سے تعبیر کیا گیا ہے جس کو مدعی نبوت قادیانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کی بعض عبارتوں کے حوالہ سے اپنے دعوائے نبوت کے جواز کی دلیل بنایا ہے جو خود ابن عربی کی تصریحات سے باطل ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام

روح المعانی میں ہے کہ ان کا مشہور نام یُوحانِذ ہے اور اتقان میں ان کا نام لَحْیَانَہ بنت یصمد بن لاوی لکھا ہے اور بعض لوگوں نے ان کا نام بارخا اور بعض نے بازخت بتلایا ہے، تعویذ گنڈے والے ان کے نام کی عجیب وغریب خصوصیات بیان کرتے ہیں، صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ ہمیں اس کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہوئی اور غالب یہ ہے کہ خرافات میں سے ہے۔

فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ، یمّ بمعنی دریا ہے اور دریا سے بحر نیل مراد ہے آیت میں ایک حکم تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو دیا گیا ہے کہ اس بچہ کو صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈالدے اور دوسرا حکم بصیغہ امر دریا کے نام ہے کہ وہ

اس تابوت کو دریا کے کنارے پر ڈالدے دریا چونکہ بظاہر بے حس اور بے شعور ہے اس کو حکم دینے کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اسی لئے بعض حضرات نے یہ قرار دیا کہ اگرچہ یہاں صیغہ امر بمعنی الحکم استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے حکم نہیں ہے بلکہ خبر دینا ہے کہ دریا اس کو کنارے پر ڈالدے گا مگر محققین علماء کے نزدیک یہ امر اپنے ظاہر پر امر اور حکم ہی ہے اور دریا ہی اس کا مخاطب ہے کیونکہ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی شئ حتی کہ درخت اور پتھر بے شعور نہیں بلکہ سب میں عقل وادراک موجود ہے، اور یہی عقل وادراک ہے جس کے سبب یہ سب چیزیں حسب تصریح قرآن تسبیح میں مشغول ہیں، البتہ جنوں اور انسانوں کے علاوہ کسی میں عقل وشعور اتنا مکمل نہیں جن کو حلال وحرام کا مکلف بنایا جاسکے۔

یاخذہ عَدُوٌّ لِّی وعَدُوٌّ لَّهٗ یعنی اس بچہ کو ایسا شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور موسیٰ کا بھی، مراد فرعون ہے، فرعون کا دشمن خدا ہونا تو اس کے کفر کی وجہ سے ظاہر ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کا دشمن کہنا اس لئے محل غور ہے کہ اس وقت تو فرعون حضرت موسیٰ کا دشمن نہیں تھا بلکہ ان کی پرورش پر زر کثیر خرچ کر رہا تھا پھر اس کو حضرت موسیٰ کا دشمن فرمانا یا تو انجام کے اعتبار سے ہے کہ بالآخر فرعون اس کا دشمن ہوجائے گا کیونکہ فرعون کا موسیٰ کا دشمن ہوجانا اللہ کے علم میں تھا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک فرعون کی ذات کا تعلق ہے وہ فی نفسہٖ اس وقت بھی دشمن ہی تھا اس نے حضرت موسیٰ کی تربیت صرف بیوی کی خاطر گوارہ کی تھی، اور جب اس میں بھی اس کو شبہ ہوا تو اسی وقت قتل کا حکم دے دیا تھا جو حضرت آسیہ کی تدبیر اور دانشمندی کے ذریعہ ختم ہوا۔ (روح ومظہری)

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ اس جگہ لفظ محبت مصدر بمعنی محبوبیت ہے اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی عنایت اور رحمت سے آپ کے وجود میں ایک محبوبیت کی شان رکھ دی تھی کہ جو آپ کو دیکھے گا آپ سے محبت کرنے لگے گا حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ لفظ صنعت سے یہاں عمدہ تربیت مراد ہے جیسا کہ عرب میں صَنَعْتُ فَرَسِی کا محاورہ اسی معنی میں معروف ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کی اچھی تربیت کی اور علٰی عَیْنِیْ سے مراد علٰی حفظی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ موسیٰ کی بہترین تربیت براہ راست حق تعالیٰ کی نگرانی میں ہو اس لئے مصر کی سب سے بڑی ہستی یعنی فرعون کے ہاتھوں ہی اس کے گھر میں یہ کام اس طرح لیا گیا کہ وہ اس سے بے خبر تھا کہ میں اپنے ہاتھوں اپنے دشمن کو پال رہا ہوں۔ (مظہری)

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا اس تابوت کے تعاقب میں جانا اور اس کے بعد کا قصہ جس کا اجمال اس آیت میں آیا ہے جس کے آخر میں وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا یعنی ہم نے آپ کی آزمائش کی بار بار (قالہ ابن عباسؓ) یا آپ کو مبتلاء آزمائش کیا بار بار (قالہ ضحاکؒ) اس کی پوری تفصیل سنن نسائی کی ایک طویل حدیث میں بروایت ابن عباسؓ آئی

ہے۔ (قصہ کی تفصیل کے لئے معارف القرآن جلد ششم کی طرف رجوع کریں)

اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی○ بادِّعَاءِ الرُّبُوْبِيَّةِ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا فی رُجُوْعِهٖ عن ذلك لَعَلَّهٗ يتذكَّرُ يَتَّعِظُ اَوْ يَخْشٰی○ اللّٰهَ فيَرْجِعُ والتَّرَجِّی بالنِّسْبَةِ اليهما لعِلْمِهٖ تعالٰی بانّه لايَرْجِعُ قَالَا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا ای يَعْجَلَ بالعُقُوْبَةِ اَوْ اَنْ يَّطْغٰی علينا ای يَتَكَبَّرَ قَالَ لَاتَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَكُمَا بعَوْنِیْ اَسْمَعُ ما يقُوْلُ وَاَرٰی○ ما يفعَلُ فَاْتِيَاهُ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ الی الشَّام وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ ای خَلِّ عنهم مِن اسْتِعْمَالِكَ اِيَّاهم فی اَشْغَالِكَ الشَّاقَّةِ كالحَفْرِ والبناء وحَمْلِ الثَّقِيْلِ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ بحُجَّةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ علی صِدْقِنَا بالرِّسَالَةِ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ۔ ای السَّلَامَةُ له مِنَ العَذَاب اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ بما جِئْنا به وَتَوَلّٰی اَعْرَضَ عنه فَاَتيَاه وقَالَا له جَمِيعَ ما ذُكِرَ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰی اِقْتَصرَ عليه لانه الاَصْلُ ولِاِدْلَالِهٖ عليه بالتَّرْبِيَّةِ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ من الخَلْقِ خَلْقَهٗ الذی هو عليه مُتَمَيِّزٌ به عن غيره ثُمَّ هَدٰی○ الحَيْوان منه الی مَطْعَمِهٖ ومَشْرَبِهٖ ومَنْكَحِهٖ وغير ذلك قَالَ فِرْعَوْنُ فَمَا بَالُ حَالُ الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ الْاُوْلٰی كقَوْمِ نُوْحٍ وهُوْدٍ ولُوْطٍ وصَالِحٍ فی عِبَادَتِهِمُ الاَوْثانَ قَالَ موسٰی عِلْمُهَا ای عِلْمُ حَالِهم مَحْفُوْظٌ عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ هو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ يُجَازِيْهِمْ عليها يَوْمَ القِيٰمَةِ لَايَضِلُّ يَغِيْبُ رَبِّیْ عن شیءٍ وَلَا يَنْسٰی ۫ ربی شيئًا هو الَّذِیْ جعل لَكُمْ فی جُمْلَةِ الخَلْقِ الْاَرْضَ مَهْدًا فِرَاشًا وَّسَلَكَ سَهَّلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا طُرُقًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ مَطَرًا قَالَ تعالٰی تَتْمِيْمًا لما وَصَفه به موسٰی وخِطَابًا لِاَهْلِ مَكَّةَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ؕ صِفَةُ اَزْوَاجًا ای مُخْتَلِفَةَ الاَلْوَانِ والطُّعُوْمِ وغيرهما وشَتّٰی جَمْعُ شَتِيْتٍ كمَرِيْضٍ ومَرْضٰی مِن شَتَّ الاَمْرُ تَفَرَّقَ كُلُوْا منها وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ فيها جَمْعُ نَعَمٍ هی الابِلُ والبَقَرُ والغَنَمُ يقال رَعَتِ الاَنْعَامُ ورَعَيْتُها والاَمْرُ للاِبَاحَةِ وتَذْكِيْرِ النِّعْمَةِ والجُمْلَةُ حَالٌ من ضَمِيْرِ اَخْرَجْنَا ای مُبِيْحِيْنَ لكم الاَكْلَ ورَعْیَ الاَنْعَامِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ المَذْكُوْرِ منا لَاٰيٰتٍ لعِبَرًا لِّاُولِی النُّهٰی ؏ لِاَصْحَابِ العُقُوْلِ جَمْعُ نُهْيَةٍ كغُرْفَةٍ وغُرَفٍ سُمِّیَ به العَقْلُ لِاَنَّهٗ يَنْهٰی صاحبَهٗ عن

اِرْتِکابِ القبائح .

ترجمہ

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے دعوائے ربوبیت کر کے بڑی سرکشی کی ہے دعوئے ربوبیت سے رجوع کرنے کے بارے میں اسے نرمی سے سمجھاؤ شاید کہ وہ سمجھ جائے یا اللہ سے ڈر جائے اور باز آجائے اور ترجی کا صیغہ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کے اعتبار سے ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ وہ باز نہیں آئے گا (پھر ترجی کے صیغہ کے استعمال کا کوئی مطلب نہیں رہتا) تو دونوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے اوپر زیادتی کر بیٹھے یعنی سزا میں جلد بازی کر بیٹھے یا ہمارے اوپر شرارت کرنے لگے یعنی تکبر سے پیش آئے، تو ارشاد ہوا اندیشہ نہ کرو کیونکہ میں مدد سے تم دونوں کے ساتھ ہوں جو کچھ وہ کہے گا اس کو میں سنوں گا اور جو کچھ وہ کرے گا میں اس کو دیکھوں گا اب اس کے پاس جاؤ اور کہو ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں لہٰذا بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ شام کی طرف جانے دے اور ان کو تکلیف مت پہنچا یعنی مشقت کے کاموں میں ان کا استعمال بند کر دے، جیسا کہ کھدائی کا کام اور معماری کا کام اور بار برداری کا کام ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی یعنی دعوئے رسالت کی صداقت پر دلیل لیکر آئے ہیں اور ایسے شخص کے لئے سلامتی ہے جس نے ہدایت کا اتباع کیا یعنی ایسے شخص کے لئے عذاب سے سلامتی ہے ہمارے پاس وحی بھیجی گئی ہے کہ عذاب اس شخص پر ہوگا جس نے ہماری لائی ہوئی شئ کی تکذیب کی اور اس سے اعراض کیا چنانچہ دونوں بھائی اس کے پاس گئے اور جو کچھ مذکور ہوا سب کہہ دیا تو وہ کہنے لگا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ (خطاب میں) موسیٰ پر اقتصار کیا اس لئے کہ موسیٰ ہی (رسالت) میں اصل تھے اور فرعون موسیٰ پر تربیت کا احسان جتانا چاہتا تھا موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئ کو مخلوق میں سے اس کے مناسب صورت عطا فرمائی جس کی وجہ سے وہ غیر سے ممتاز ہے پھر ہر شئ میں سے حیوان کو اس کے کھانے پینے اور جفتی کرنے وغیرہ کی سمجھ عطا فرمائی فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلی امتوں کا کیا حال ہوا، جیسا کہ قوم نوح اور ہود اور صالح ان کے بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے، موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ان کا یعنی ان کے حال کا علم میرے رب کے پاس کتاب لوح محفوظ میں محفوظ ہے قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا، نہ تو میرا رب کسی شئ کے بارے میں غلطی کرتا ہے اور نہ کسی شئ کو بھولتا ہے وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے منجملہ مخلوق کے زمین کو فرش بنایا اور زمین میں تمہارے لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی بارش برسائی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو پورا کرنے کے لئے اہل مکہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف نباتات کی مختلف قسمیں پیدا کیں (من نباتٍ شتّی) ازواجاً کی صفت ہے یعنی مختلف رنگوں اور ذائقے وغیرہ کی، اور شتّی شتیت کی جمع ہے جیسا کہ مرضیٰ مریض کی جمع ہے اور یہ شتّی الامر بمعنی تفرق سے (ماخوذ ہے) اس میں سے خود بھی کھاؤ اور

اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ (انعام) نَعَمٌ کی جمع ہے اور وہ اونٹ اور گائیں اور بکریاں ہیں بولا جاتا ہے جانور چر گئے اور میں نے ان کو چرایا، صیغہ امر اباحت اور تذکیر نعمت کے لئے ہے اور جملہ اخرجنا کی ضمیر سے حال ہے یعنی حال یہ کہ ہم تمہارے لئے کھانا، اور جانوروں کو چرانا مباح کرنے والے ہیں، یہاں مذکور تمام چیزوں میں عبرت آمیز نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے یعنی نُهی نُهْيَةٌ کی جمع ہے جیسا کہ غُرَف غرفةٌ کی جمع ہے بعض حضرات نے نُهی کو مفرد بھی کہا ہے عقل کا نام نُهی اس لئے رکھا گیا ہے کہ عقل، عقلمند کو قبائح کے ارتکاب سے روکتی ہے، نُهی اصل میں نُهَیٌ تھا۔

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

سوال: اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ دونوں کو ایک صیغہ میں جمع کرنے میں کیا مصلحت ہے؟ جبکہ خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے بلکہ حضرت ہارونؑ تو اس وقت وہاں موجود بھی نہیں تھے بلکہ مصر میں تھے۔

جواب: ۱ حاضر کو غائب پر ترجیح دینے کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔

۲ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجاب منکشف فرما دیا تھا جس کی وجہ سے ہارون علیہ السلام نے وہی کلام ربانی سنا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا، لیکن موسیٰ نے کلام ربانی بلا واسطہ سنا تھا اور ہارونؑ نے حضرت جبرائیل کے واسطہ سے سنا تھا **قوله** فی رجوعه عن ذٰلك ای رجوع الفرعون عن اِدّعاءِ الربوبیة **قوله** فیرجعَ جواب ترجی کی وجہ سے منصوب ہے وَالترجی بالنسبة الیهما یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے کلمہ ترجی (شک کا کلمہ) کیوں استعمال فرمایا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں فرعون کا ایمان نہ لانا متعین تھا۔

جواب: کلمہ ترجی کا استعمال موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے اعتبار سے ہے نہ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے۔

یَفْرُطَ (ن) فَرْطًا فُرُطًا جلدی کرنا، پیش دستی کرنا، پوری بات سنے بغیر سزا میں جلدی کرنا (روح) فاتیاہ اس کا عطف لاتخافا پر ہے اَسْمَعُ وارٰی اِنَّنی معکما کی تاکید ہے، **قوله** بِعَوْنِی کا اضافہ کر کے معیت جسمانی کو باطل کر دیا ہے، یہاں معیت سے مراد اعانت اور نصرت ہے فَاْتِیَاهُ تم بذات خود اس کے پاس جاؤ، نہ یہ کہ کسی کے ذریعہ پیغام پہنچا دو **قوله** فأتیاهُ وقالَ لَهٗ جمیعَ مَاذُکِرَ کو مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ فرعون کا قول قَالَ مَنْ رَّبُّكُمَا یَا مُوْسٰی محذوف پر مرتب ہے **قوله** اِقْتَصَرَ عَلَیْهِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے فَمَنْ رَّبُّكُمَا میں ہارون اور موسیٰ دونوں سے خطاب ہے اور یا موسٰی میں ندا صرف موسیٰ علیہ السلام کو ہے، مفسر علام نے اس کے دو جواب دئے ہیں، اول جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات میں اصل حضرت موسیٰ ہی ہیں حضرت ہارون تو معاون اور تابع ہیں لہٰذا اصل کو ندا کے لئے منتخب کیا، دوسرا جواب لِاِدْلالِهٖ سے دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے موسیٰ بچپن میں تیری پرورش تو میں نے کی ہے لہٰذا تیرا رب تو میں ہوں تو میرا رب کس کو قرار دیتا ہے گویا کہ احسان

جتانے اور عار دلانے کے لئے خاص طور پر موسیٰ کو ندا دی کہ تیرے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ تو میرا رب کسی اور کو قرار دے جبکہ خود تیرا رب میں ہوں بخلاف ہارونؑ کے ان پر فرعون کا کوئی احسان نہیں تھا **قولہ** اِذلالٌ احسان جتانا، ناز نخرے کرنا رَبُّنَا الذی اعطیٰ الخ ربنا مبتداء اور الذی الخ اس کی خبر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ھُوَ مبتداء محذوف ہو اور ربنا اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر موصوف اور الذی الخ اس کی صفت موصوف صفت سے مل کر مقولہ اَعْطیٰ کُلَّ شیئٍ خَلْقَہٗ کُلَّ شیئٍ اعطیٰ کا مفعول اول ہے اور خَلْقَہٗ مفعول ثانی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خَلْقَہٗ مفعول اول ہو اور کُلَّ شیئٍ مفعول ثانی، اہتمام کے لئے مفعول ثانی کو مقدم کر دیا گیا ہے ای اَعْطیٰ خَلْقَہٗ کُلَّ شیئٍ قال فرعَوْن فمَا بالُ الخ جب فرعون پر موسیٰ کا حق پر اور خود کا باطل پر ہونا ظاہر ہوگیا تو ایسی باتیں کر کے کہ جن کا رسالت سے کوئی تعلق نہیں تھا بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی تاکہ اس کی ریاست خطرہ میں نہ پڑ جائے، موسیٰ علیہ السلام اس کی چالبازی کو سمجھ گئے اور بہت مختصر سا جواب دے کر اصل موضوع پر جمے رہے اور فرعون کو بھی موضوع سے نہ ہٹنے دیا اس لئے کہ ایک مناظر کی خوبی یہ ہے کہ مخالف کو موضوع سے ہٹنے نہ دے اس لئے کہ مخالف کے پاس جب کوئی دلیل نہیں رہتی تو وہ موضوع سے ہٹنے کی کوشش کرتا اور غیر متعلق باتیں کرنی شروع کر دیتا ہے **قولہ** اَلَّذِیْ جَعَلَ لکُمُ الارضَ یہ فرعون کے سوالِ اول کے جواب ہی سے متعلق ہے **قولہ** لایَضِلُّ ای لایُخْطِیٔ ابتداءً یعنی کوئی شئ اس سے چھوٹتی نہیں ہے **قولہ** ولایَنسیٰ یعنی علم کے بعد ذہول ونسیان نہیں ہوتا اَلَّذِیْ جَعَلَ لکم الارضَ مھدًا اور ثم ھَدیٰ کے درمیان مابال قرون الاولیٰ الخ جملہ معترضہ ہے عِلْمُھا عِند ربی فی الکتاب **قولہ** ای علم حالھم محفوظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ھا ضمیر مضاف الیہ سے پہلے حال مضاف محذوف ہے اس لئے کہ کسی کے علم سے مراد اس شئ کے حالات کا علم ہوتا ہے نہ کہ ذات شئ کا، اور محفوظ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ علمھا مبتداء خبر محذوف ہے عِلمھا بترکیب اضافی مبتداء ہے اور عند ربی خبر اول اور فی الکتاب خبر ثانی اور یہ بھی جائز ہے کہ ھذا حُلْوٌ حامِضٌ کے مانند دونوں ایک ہی خبر ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عند ربی خبر ہو اور فی الکتاب ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہو۔

قال تعالیٰ تتمیمًا لِمَا وَصَفَہٗ الخ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فاخرَجْنا بِہٖ الخ یہ بطور حکایت ہے، موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس سے موسیٰ علیہ السلام کے کلام و انزلنا من السماء ماءً کو مکمل کر کے اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ سے خطاب کیا ہے اور اور ان پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے انعامات کو شمار کرایا ہے اور یہ کلام تارۃً اخریٰ پر ختم ہوا ہے **قولہ** شَتّٰی یہ فعل ہے اس کا الف علامت تانیث ہے شَتّٰی شَتِیْتٌ کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرضیٰ اور ازواجًا کی صفت ہے نبات کی صفت بھی ہوسکتی ہے کُلُوا وَارْعَوْا انعامَکُمْ یہ تقدیر مُبیحین کے ساتھ اَخْرَجْنَا کی ضمیر سے حال ہے ای اَخْرَجْنَا اَصناف النبات مبیحین لکم الاکلَ ورَعْیَ

الانعام مبیحین کے بجائے قائلین بھی مقدر مان سکتے ہیں **قوله** رَعَتِ الْاَنْعَامُ وَرَعَیْتُھَا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ رَعٰی لازم اور متعدی دونوں مستعمل ہے۔

تفسیر وتشریح

اِذْھَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ دعوئے ربوبیت کر کے حد سے تجاوز کر گیا ہے اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا تا کہ وہ نصیحت قبول کر لے اور اس حرکت سے بخوشی باز آجائے یا عذاب الٰہی سے ڈر کر ہی دعوئے ربوبیت سے باز آجائے، اس آیت میں داعیان دین کے لئے ایک اہم اور ضروری اصول بیان کیا گیا ہے فرعون جو کہ خدائی کا دعویدار ظالم و جابر اور اپنی حفاظت کے لئے ہزار ہا بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا مجرم تھا، اس کے پاس جب اپنے خاص پیغمبروں کو بھیجا تو یہ ہدایت دیکر بھیجا کہ اس سے نرم گفتگو کریں تا کہ اس کو غور وفکر کا موقعہ ملے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنی سرکشی اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے، مگر اپنے پیغمبروں کو اس اصول کا پابند کرنا تھا جس کے ذریعہ خلق خدا سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو کر خدا کی طرف راجع ہو جائے فرعون کو ہدایت ہو یا نہ ہو مگر اصول وہ ہونا چاہئے جو ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بن سکے، آج کل جو بہت سے اہل علم اپنے اختلافات میں ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کو اسلام کی خدمت سمجھ بیٹھے ہیں، انہیں اس پر بہت غور کرنا چاہئے۔

قَالَا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ الخ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابتداء کلام میں جب موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تھا تو اطمینان دلایا گیا تھا کہ ہم تم کو تقویت عطا کریں گے اور تم کو غلبہ عطا کریں گے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے بعد پھر یہ خوف ہراس کیسا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پہلا وعدہ کہ ہم تم کو غلبہ عطا کریں گے اور وہ لوگ آپ تک رسائی حاصل نہ کر سکیں گے یہ ایک مبہم اور مجمل وعدہ تھا اس لئے کہ غلبہ سے مراد حجت ودلیل کا غلبہ بھی ہو سکتا ہے اور مادی غلبہ بھی، نیز یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر غلبہ تو جب حاصل ہوگا تب وہ دلائل سنیں گے اور معجزات دیکھیں گے مگر خطرہ یہ ہے کہ وہ بات سننے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر بیٹھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خوف کی چیزوں سے طبعی خوف تو تمام انسانوں کی فطرت ہے انبیاء بھی اس میں شامل ہیں نیز طبعی خوف نبوت کے منافی بھی نہیں ہے، یہ ہر نبی کو پیش آتا ہے، خود موسیٰ علیہ السلام اپنی ہی لاٹھی کے سانپ بن جانے کے بعد اس کے پکڑنے سے ڈرنے لگے تو حق تعالیٰ نے فرمایا لَاتَخَفْ ڈرو نہیں، غزوۂ احزاب میں بھی طبعی خوف سے بچنے کے لئے خندق کھودی گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ نصرت وغلبہ بار بار آچکا تھا اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں ہوتا۔

اِنَّنِیْ مَعَکُمَا الخ مدد اور نصرت سے میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم فرعون سے جا کر جو کہو گے اور اس کے جواب

میں وہ جو کچھ کہے گا میں اس کو سنتا اور تمہارے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا رہوں گا اس کے مطابق میں تمہاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا اس لئے تم بے خوف وخطر اس کے پاس جاؤ تردد کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس سے کہنا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، ان حضرات کو فرعون کے پاس جانے کے وقت اس سے چھ باتیں کہنے کا حکم فرمایا ۱ اَنا رسولُ ربِّکَ ۲ فَاَرْسِلْ معَنا بنی اسرائیل ۳ ولاتعذِّبهُمْ ۴ قد جئناکَ بآیةٍ من رَّبِّکَ ۵ سلام علی مَنِ اتبعَ الهدیٰ ۶ انا قد اوحِیَ اِلینا اَنَّ العذابَ علٰی مَنْ کَذَّبَ وتَوَلّٰی ان مذکورہ چھ باتوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح خلق خدا کو ہدایت ایمان دینے کا منصب رکھتے ہیں اسی طرح اپنی امت کو دنیوی اور معاشی مصائب سے آزاد کرانا بھی ان کے فرض منصبی میں شامل ہوتا ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت فرعون میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اعطٰی کُلَّ شیٍٔ خَلْقَهٗ ثُمَّ هدیٰ ایک ہدایت خاصہ ہوتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ اور فرض منصبی ہے اس کے مخاطب انسان اور جنات ہوتے ہیں ایک دوسری ہدایت تکوینی ہوتی ہے یہ ہدایت ہر مخلوق کے لئے عام ہوتی ہے، اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر شئ کو کم وبیش ادراک وشعور عطا فرمایا ہے، جنات اور انسانوں کو کامل شعور عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے یہ احکام کے مکلف قرار دئے گئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر شئ کو اس کے ادراک وشعور کے مطابق ہدایت کردی کہ تو کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے اسی تکوینی ہدایت کے تابع زمین وآسمان اور ان کی تمام مخلوقات اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، غرضیکہ چاند سورج اور دیگر سیارے وثوابت اپنے کام میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ سرمو بھی اس سے انحراف نہیں کرتے اور نہ ایک سکنڈ اپنے وقت سے مقدم ومؤخر ہوتے ہیں، ہر شئ اپنی منشائے پیدائش میں لگے ہوئی ہے، عام مخلوق کی ہدایت اجباری اور غیر اختیاری ہے اس پر ان کو کوئی اجر وثواب نہیں، اور اہل عقول کو جو ہدایت ہوتی ہے وہ اختیاری ہوتی ہے، اسی اختیار کے نتیجہ میں اس پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے اَعطی کل شئ خَلْقَهٗ ثُمَّ هدیٰ میں پہلی قسم کی ہدایت مذکور ہے، حضرت موسیٰ نے فرعون کو سب سے پہلے رب العالمین کا وہ کام بتلایا جو ساری مخلوق پر حاوی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ہم نے یا کسی دوسرے انسان نے کیا ہے، فرعون اس کا تو کوئی جواب نہ دے سکا، تو ادھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں کرنے لگا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو اصل موضوع سے ہٹایا جاسکے، اسی مقصد کے پیش نظر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سوال کرڈالا جس کا مقصد لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا تھا، فرعون نے کہا اے موسیٰ یہ بتاؤ کہ پچھلے دور کی تمام امتیں اور اقوام عالم جو بتوں کی پرستش کرتے رہے آپ کے نزدیک ان کا کیا حکم ہے؟ ان کا کیا انجام ہوا؟ مقصد یہ تھا کہ اس سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ یہ سب گمراہ اور جہنمی ہیں تو مجھے یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ یہ تو ساری دنیا ہی کو گمراہ اور جہنمی سمجھتے ہیں اور لوگ یہ سن کر بدظن ہوں گے تو

ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا مگر پیغمبر خدا موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ایسا حکیمانہ جواب دیا کہ جس سے اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا وہ حکیمانہ جواب ایسا تھا کہ بات بھی پوری ہوئی اور فرعون کو بہکانے کا موقع بھی نہ ملا، آپ نے فرمایا اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے کہ ان کا کیا انجام ہوگا؟ میرا رب نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے بہکنے اور غلطی کرنے کا مطلب یہ کہ کرنا کچھ چاہئے اور کچھ ہو جائے اور بھولنے کا مقصد واضح ہے، یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر پوری ہوئی، آگے اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے اس کلام میں تھا رَبُّنَا الذی اَعْطیٰ الخ آگے اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی تکمیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں فاخرجنا به اَزْوَاجًا مِن نباتٍ شَتّٰی الخ پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ اقسام مختلفہ کی نباتات پیدا کیں اور تم کو اجازت دی کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی کھلاؤ، ان تمام مذکورہ چیزوں میں عقلمندوں کے لئے قدرت الٰہیہ کی نشانیاں ہیں، جس طرح اس نے خشک زمین سے پانی کے ذریعہ مختلف اقسام کی نباتات پیدا فرمائیں، اسی طرح وہ تمام مخلوق کو قیامت کے دن زمین سے نکالے گا۔

مِنْهَا ای الارضِ خَلَقْنٰکُمْ بخلقِ ابیکم آدمَ منها وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ مقبورینَ بعدَ الموتِ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ عِنْدَ البَعْثِ تَارَةً مَرَّةً اُخْرٰی کما اَخْرَجْنَاکم عِنْدَ اِبْتِدَاءِ خَلْقِکُمْ وَلَقَدْ اَرَیْنَاهُ ای اَبْصَرْنَا فِرْعَوْنَ آیٰتِنَا کُلَّهَا التِّسْعَ فَکَذَّبَ بها وزَعَمَ اَنَّهَا سِحْرٌ وَاَبٰی ان یُّوَحِّدَ اللّٰهَ تعالٰی قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا مِصْرَ ویکونَ لکَ المُلْکُ فیها بِسِحْرِکَ یٰمُوْسٰی فَلَنَاْتِیَنَّکَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ یُعَارِضُهُ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ مَوْعِدًا لذٰلکَ لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَکَانًا منصوبٌ بنزعِ الخافضِ فی سُوًی بکسرِ اَوَّلِهٖ وضمِّهٖ ای وَسَطًا یَسْتَوِی الیه مسافَةُ الجائی مِنَ الطَّرَفَیْنِ قَالَ مُوْسٰی مَوْعِدُکُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ یومُ عیدٍ لهم یتزیَّنُوْنَ فیه ویجتمعُوْنَ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ یُجْمَعُ اهلُ مِصْرَ ضُحًی وَقْتَهٗ للنظرِ فیما یَقَعُ فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ اَدْبَرَ فَجَمَعَ کَیْدَهٗ ای ذَوِی کیدِهٖ من السَّحَرَةِ ثُمَّ اَتٰی بهم المَوْعِدَ قَالَ لَهُمْ مُوْسٰی وهم اِثْنَانِ وسبعُوْنَ اَلْفًا مَعَ کُلِّ واحدٍ حَبْلٌ وعصا وَیْلَکُمْ ای اَلْزَمَکُمُ اللّٰهُ تعالٰی الوَیْلَ لَاتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا باشراکِ اَحَدٍ مَعَهٗ فَیُسْحِتَکُمْ بضمِّ الیاءِ وکسرِ الحاءِ وبفتحهما ای یُهْلِکَکُمْ بِعَذَابٍ من عندِهٖ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنِ افْتَرٰی کَذَبَ علی اللّٰهِ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ فی موسٰی واخیه وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی ای الکلامَ بینهم فیهما قَالُوْا لانفسِهم اِنَّ هٰذَیْنِ لابی عمرٍو ولغیرِهٖ هٰذَان وهو موافقٌ لِلُغَةِ مَنْ یَّاْتِی فی المُثَنّٰی بالالفِ فی اَحْوَالِهِ الثَّلاثِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ

المُثلٰی ۞ مُؤَنَّثُ اَمْثَل بمعنی اَشْرَف ای بِاَشْرَافِکُمْ بِمَیْلِھِم الیھما لِغَلْبَتِھِما فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ مِنَ السِّحْرِ بِھَمْزَۃِ وَصْلٍ وفَتْحِ المِیْمِ مِنْ جَمَعَ ای لَمَّ وبِھَمْزَۃِ قَطْعٍ وکَسْرِ المِیْمِ مِن اَجْمَعَ اَحْکَمَ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ حَالٌ ای مُصْطَفِّیْنَ وَقَدْ اَفْلَحَ فَازَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی غَلَبَ قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِخْتَرْ اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ عَصَاکَ ای اَوَّلًا وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی عَصَاہُ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاَلْقَوْا فَاِذَا حِبَالُھُمْ وَعِصِیُّھُمْ اَصْلُہ عُصُوْوٌ قُلِبَتِ الوَاوَانِ یَائَیْنِ وکُسِرَتِ العَیْنُ وَالصَّادُ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا حَیَّاتٌ تَسْعٰی ۞ عَلٰی بُطُوْنِھَا فَاَوْجَسَ اَحَسَّ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی ای خَافَ مِنْ جِھَۃِ اَنَّ سِحْرَھِم مِن جِنْسِ مُعْجِزَتِہٖ اَن یُّلْتَبِسَ اَمْرُہ عَلَی النَّاسِ فلایُؤْمِنُوْا بہ قُلْنَا لَہٗ لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الاَعْلٰی ۞ عَلَیْھِم بالغَلْبَۃِ وَاَلْقِ مَافِیْ یَمِیْنِکَ وھی عَصَاہ تَلْقَفْ تَبْتَلِعْ مَاصَنَعُوْا ۭ اِنَّ مَا صَنَعُوْا کَیْدُ سَاحِرٍ ۭ ای جِنْسِہٖ وَلَایُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی بِسِحْرِہٖ فَاَلْقٰی موسٰی عَصَاہ فَتَلَقَّفَتْ کُلَّ مَاصَنَعُوْہ فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا خَرُّوْا سَاجِدِیْنَ لِلّٰہِ تعالٰی قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی

ترجمہ

اور ہم نے اس سے (یعنی) زمین سے تم کو پیدا کیا تمہارے باپ آدم کو اس سے پیدا کر کے اور اسی میں تم کو مرنے کے بعد لوٹا دیں گے حال یہ کہ تم دفن کئے جاؤ گے اور اسی (زمین) سے تم کو بعث کے وقت دوسری مرتبہ نکالیں گے جیسا کہ ہم نے تم کو تمہاری ابتداء تخلیق کے وقت نکالا تھا اور ہم نے اس کو یعنی فرعون کو اپنی پوری نونشانیاں دکھلائیں سو وہ ان کو جھٹلاتا ہی رہا اور اس بات پر مُصر رہا کہ یہ جادو ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید سے انکار کرتا رہا اور کہنے لگا اے موسیٰ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمارے ملک مصر سے جادو کے زور سے ہم کو نکال دو اور اس میں تمہاری ملکیت (حکومت) ہو جائے؟ اچھا تو اب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے جو اس کا مقابلہ کرے گا، سو ہمارے اور اپنے درمیان اس کے لیے وقت مقرر کر لے جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں اور نہ تم کرو ایک ہموار میدان میں مکانًا منصوب ہے حرف جار فی کے حذف کرنے کی وجہ سے سُوًی سین کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی درمیان میں کہ طرفین سے آنے والے کی مسافت برابر ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وعدہ تمہارے جشن کا دن ہے جو کہ ان کی عید کا دن ہے اس دن میں وہ زینت کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں اور یہ کہ لوگ یعنی شہر والے دن چڑھے جمع ہو جائیں (یعنی) ضحٰی کے وقت، جو کچھ اس وقت ہوا اس کو دیکھنے کے لئے چنانچہ فرعون (اپنی جگہ) واپس چلا گیا اور اس نے اپنے ہتھکنڈوں (مکر) کو یعنی مکار جادوگروں کو جمع کر لیا پھر ان کو لیکر وقت مقرر پر آ گیا تو (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام نے ان (جادوگروں) سے کہا اور وہ بہتر ہزار تھے اور ہر ایک کے پاس رسیاں اور لکڑیاں تھیں ارے کمبختی کے

ہلاکت یعنی ہلاکت نے تم کو لازم پکڑ لیا ہے بات یہ ہے کہ اللہ پر بہتان نہ لگاؤ، کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کر کہ وہ تم کو اپنے مخصوص عذاب سے نیست و نابود کر دے **فَیُسْحِتَکُمْ** یا کے ضمہ اور حا کے کسرہ اور دونوں کے فتح کے ساتھ ہے یعنی تم کو ہلاک کر دے اور یقیناً وہ شخص ناکام ہوا خسارہ میں رہا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا چنانچہ وہ لوگ موسیٰ اور ان کے بھائی کے بارے میں اپنے مشورہ میں مختلف الرائے ہوگئے اور ان دونوں کے بارے میں خفیہ گفتگو کرنے لگے آپس میں کہنے لگے یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں **ھٰذَیْنِ** ابوعمرو کے نزدیک ہے اور دوسروں کے نزدیک **ھٰذَانِ** ہے اور یہ ان کی لغت کے مطابق ہے جو تثنیہ میں تینوں حالتوں میں الف لاتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ تم کو اپنے جادو کے زور سے تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کر دیں (دوسرا ترجمہ) تمہارے اشراف کو اپنی طرف مائل کر لیں) **مُثْلٰی** **اَمْثَل** کا مؤنث ہے اس کے معنی اشرف کے ہیں، یعنی تمہارے شرفاء کو اپنے قبضہ میں کر لیں، اُن کے ان دونوں کی طرف مائل ہو جانے کی وجہ سے ان دونوں کے غلبہ کی بدولت لہٰذا تم بھی اپنی تدبیروں یعنی جادو کو مجتمع کر لو **فَاجْمَعُوْا** ہمزہ وصل اور فتحہ میم کے ساتھ **جَمَعَ** سے ماخوذ ہے بمعنی **لَمَّ** (**ای جمع**) اور ہمزہ قطعی اور میم کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے (اس صورت میں) **اَجْمَعَ** سے ماخوذ ہوگا اور معنی میں **اَحْکَمَ** کے ہوگا (یعنی اپنی تدبیروں کو مضبوط کر لو) اور پھر تم صف بستہ ہو کر (مقابلہ میں) آجاؤ **صَفًّا** حال ہے **مُصْطَفِّیْنَ** کے معنی میں ہے آج وہی بازی لے گیا جو غالب آگیا **اِسْتَعْلٰی** بمعنی **عَلَبَ** ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ تم کو اختیار ہے چاہو تو تم اپنے عصا کو پہلے ڈالو یا ہم اپنے عصا کو پہلے ڈالنے والے بن جائیں (حضرت موسیٰ نے) فرمایا نہیں بلکہ تم ہی پہلے ڈالو چنانچہ انہوں نے ڈالا، پھر یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے ان کے خیال میں ایسی محسوس ہونے لگیں کہ وہ لاٹھیاں اپنے پیٹ کے بل دوڑتے ہوئے سانپ ہیں **عِصِیٌّ** اصل میں **عُصُوْوٌ** تھا، دونوں واؤ، دو یاؤں سے بدل گئے اور عین اور صاد کو کسرہ دیدیا گیا (**عِصِیٌّ** ہو گیا) سو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں قدرے خوف محسوس کیا یعنی اس وجہ سے خوف محسوس کیا کہ ان کا سحر ان کے معجزے کی جنس کا ہے (ایسا نہ ہو) کہ اس کا معاملہ لوگوں پر مشتبہ ہو جائے اور پھر وہ اس (موسیٰ) پر ایمان نہ لائیں ہم نے اس سے کہا ڈرو نہیں تم ہی ان پر غلبہ کے ذریعہ یقیناً سربلند رہو گے اور جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کی لاٹھی تھی ڈال دو، جو کچھ ان (جادوگروں) نے کاری گری کی ہے اس کو یہ نگل جائے گا چٹ کر جائے گا اور جو کچھ ان جادوگروں نے بنایا ہے بلاشبہ یہ جادوگر کا کرتب (یعنی ہاتھ کی صفائی) ہے جو کر دکھایا جادوگروں کی جنس کا ہے جادوگر کہیں سے بھی آئے (اور جو بھی کرے) کامیاب نہیں ہوتا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالدیا تو وہ ان کے سب دھندے کو نگل گیا اب سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ اَرَیْنَاهُ الخ سے اس شبہ کا ازالہ ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ابتداء صرف دو معجزے عصا اور ید بیضا عطا ہوئے تھے تو جاتے ہی نو معجزے کیسے دکھا دیئے، مذکورہ جملہ سے اس کا جواب ہوگیا کہ پوری مدت دعوت میں نو معجزے دکھائے اس لئے کہ لَقَدْ اَرَیْنَاهُ آیَاتِنَا کُلَّهَا یہ جملہ خبریہ ہے مقصد اس کا یہ ہے کہ مدت دعوت میں ہم نے فرعون کو تمام معجزے دکھادیئے، لہٰذا شبہ ختم ہوگیا اَرَیْنَا کی تفسیر اَبْصَرْنَا سے کرکے اشارہ کردیا کہ رویت سے رویت بصری مراد ہے فَلَنَاْتِیَنَّكَ میں لام جواب قسم پر داخل ہے اور قسم محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وعزتی وکبریائی فلناتینك بسحرٍ مثله، بسحرٍ فلناتینك کے متعلق ہے نہ کہ ترتیب مابعد علیٰ ماقبل کے لئے ہے قوله موعدا ظرف زمان ہے اِجعل کا مفعول اول مؤخر ہے اور بیننا وبینکم مفعول ثانی مقدم ہے سُوًی دونوں قرأتیں ہیں موعدکم مبتداء اور یومُ الزینة اس کی خبر ہے قوله ای ذوی کیده سے اشارہ کردیا کہ کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے اور ساحر مراد ہیں قوله وان یُحْشَرَ النَّاسُ یہ جملہ محل کے اعتبار سے مجرور اور مرفوع دونوں ہوسکتا ہے اگر الزینة پر عطف ہوتو مجرور ہوگا اور اگر یَوْمُ الزِّیْنَةِ پر عطف ہوتو مرفوع ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی موعدکم یوم الزینة وَمَوْعِدُکم اَنْ یُحْشَرَ النَّاسُ ای حشرهم قوله وَیْلَکُمْ کی تفسیر اَلْزَمَکُمُ اللّٰهُ الویل سے کرکے اشارہ کردیا کہ وَیْلَکُمْ عامل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے قوله بِاَشْرَافِکُمْ، طریقتکم کی تفسیر ہے، طریقة کے متعدد معانی آتے ہیں ایک معنی اشرافِ قوم کے بھی ہیں قوله اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرَانِ جادوگروں کا یہ قول اَسَرُّوا النجوی کا نتیجہ ہے یعنی کافی بحث ومباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ بالیقین یہ دونوں جادوگر ہیں هٰذٰنِ اِنَّ کا اسم ہے لَسٰحِرَانِ اس کی خبر ہے اور ایک قرأت میں هٰذَانِ ہے بنو حارث بن کعب کی زبان میں هٰذَانِ اِنَّ کا اسم ہے یہ لوگ تثنیہ کو تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اعراب کو تقدیری مانتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِنَّ کا ضمیر شان محذوف ہے اَیْ اِنَّهُ اور هٰذَانِ لَسٰحِرَانِ اِنَّ کی خبر ہیں، فَاَجْمِعُوْا ہمزہ وصل اور میم کے فتح کے ساتھ ہوتو مطلب ہوگا تم اپنی تدبیروں کو جمع کرلو، اور اگر فَاَجْمِعُوْا ہمزہ قطعی اور میم کے کسرہ کے ساتھ ہوتو مطلب ہوگا تم اپنی تدبیروں کو مضبوط اور مستحکم کرلو قوله صَفًّا یہ اِئْتُوْا کی ضمیر سے حال ہے صَفًّا چونکہ مصدر ہے لہٰذا ضمیر جمع سے حال واقع ہونا صحیح ہے اور معنی میں مُصْطَفِّیْنَ کے ہے قوله اِخْتَرْ محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ اَنْ مع اپنے مابعد کے بتاویل مفرد ہوکر اِخْتَرْ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یہاں کلام میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاَلْقَوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ فاَلْقَوا فصیحہ اور اِذا مفاجاتیہ ہے یُخَیَّلُ ایک قرأت میں تُخَیَّلُ بھی ہے اس لئے کہ عصا اور حبال مؤنث ہیں یخیل مبنی للفاعل بھی پڑھا گیا ہے مخیل کید کو قرار دیا ہے، عِصِیٌّ اصل

میں عُصُووٌ بروزن فلوسٌ اوّلاً واوِ ثانیہ کو ی سے بدلا واو اور ی جمع ہوئے اول واوَ کو بھی ی سے بدل دیا پھر یا کو یا میں ادغام کردیا اس کے بعد صاد اور عین کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا حبالھم وعصیھم مبتداء ہے اور یُخَیّلُ اِلیہ اس کی خبر ہے فاِذا مفاجاتیہ خبر مقدم اور حِبَالُھم وعِصِیُّھم مبتدا موخر، اس صورت میں یحیل حال ہوگا یخیل ی کے ساتھ اس کی اسناد تَسْعٰی کی طرف ہوگی، اور یہ بھی جائز ہے کہ حِبَال کی ضمیر کی جانب مسند ہو حبال چونکہ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے فعل کا مذکر لانا صحیح ہے یا یُخَیّل، المُلقٰی کی تاویل میں ہوکر اسناد ہوگی اَنھا تسعٰی یہ یُخیل سے بدل الاشتمال ہے **قولہ** اَیْ خافَ مِنْ جِھۃِ الخ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ مناجات کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزات باہرہ دکھائے تھے اور ہر طرح سے حفاظت اور مدد کا وعدہ فرمایا تھا تو پھر موسیٰ علیہ السلام مقابلہ کے وقت کیوں خوف زدہ ہوئے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خوف اور اندیشہ سانپوں سے نہیں تھا بلکہ اندیشہ اس بات کا تھا کہ جادوگروں کا جادو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی جنس کا تھا جادوگروں نے بھی اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو بظاہر سانپ بنادیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا بھی سانپ کی شکل اختیار کرلیتا تھا ایسی صورت میں اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں حاضرین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو بھی جادو نہ سمجھ بیٹھیں اور ایمان نہ لائیں اِنَّ ماصَنَعُوْا کَیْدُ ساحرٍ عام قرأت کیدُ کے رفع کے ساتھ ہے اس بناء پر کہ اِنَّ کی خبر ہے اور مَا موصولہ ہے اور صَنَعُوْا اس کا صلہ ہے اور عائد محذوف ہے تقدیر یہ ہے اِنَّ الذی صنعوہُ کیدُ ساحرٍ اور اگر اَن مصدریہ مانیں تو عائد کی ضرورت نہ ہوگی اور اعراب علیٰ حالہٖ باقی رہے گا ولایفلح الساحر (سوال) اللہ تعالیٰ نے لایُفْلِحُ السَّحَرۃُ جمع کے صیغہ کے ساتھ کیوں نہیں فرمایا جبکہ مقابلہ میں آنے الے بہت سے ساحر تھے نہ کہ ایک، مفسر علام نے ساحرٌ کی تفسیر جنسہ سے کرکے اسی اعتراض کے دفعیہ کی طرف اشارہ کردیا، مراد یہ ہے کہ ساحر سے ایک ساحر مراد نہیں ہے بلکہ جنس ساحر مراد ہے اگر جمع کا صیغہ لاتے تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ عدد مراد ہے جنس ساحر نہیں فَاُلْقِیَ اِلقاءً سے ماضی مجہول کا واحد مذکر غائب ہے وہ ڈالا گیا فا فصیحہ یعنی طرفین سے لاٹھیاں ورسیاں وغیرہ ڈالنے کا عمل ہوا اور جو کچھ ہوا حاضرین نے دیکھا اس کے بعد جادوگر سجدہ میں گرگئے سُجَّدًا بمعنی ساجدین، آمَنَّا بربِّ ھارُونَ ومُوسی ہارون کی تقدیم فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر وتشریح

وَمِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ الخ یہ سابقہ مضمون ہی کا تتمہ ہے یعنی جس طرح ہم نباتات وغیرہ کو زمین سے نکالتے ہیں اسی طرح ہم نے تم کو بھی اسی زمین سے پیدا کیا ہے چنانچہ دادا آدمؑ اسی زمین کی مٹی سے بنائے گئے، لہٰذا ان کے واسطہ سے تمام انسانوں کا مادہ بعیدہ خاک ہی ہے، اور اسی زمین میں تم کو لوٹادیں گے چنانچہ کوئی مردہ کسی حالت میں ہو انجام کار اس

کو مٹی ہوتا ہے، اور اگر دیکھا جائے کہ انسان تو نطفہ سے پیدا ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان نطفہ سے اور نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ انسان مٹی سے پیدا ہوتا ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے انسان پر رحم مادر میں اس جگہ کی مٹی کا کچھ جز شامل کیا جاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے، یہ حدیث ابونعیم نے ابن سیرین کے تذکرہ میں روایت کر کے فرمایا هٰذا حدیث غریبٌ اسی مضمون کی ایک روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے تفسیر مظہری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدا ہونے والے ہر بچہ کی ناف میں ایک جز مٹی کا ڈالا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اسی زمین میں دفن ہوتا ہے، جہاں کی مٹی اس کے خمیر میں ڈالی گئی ہے اور فرمایا کہ میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے، یہ روایت خطیب نے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ حدیث غریب ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے مگر شیخ محدث مرزا محمد وارثی بدخشی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوسعیدؓ، ابوہریرہؓ سے منقول ہیں جن سے ان کی روایت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اس لئے یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ سے کم نہیں۔ (مظہری بحوالہ معارف)

مَکَانًا سُوًی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ کے لئے یہ خود تجویز کیا کہ ایسے مقام پر ہونا چاہئے کہ جو فریقین کے لئے مسافت کے اعتبار سے برابر ہو تا کہ کسی فریق کو وہاں آنے میں زیادہ زحمت نہ ہو، اور صاف ہو نیز نشیب و فراز سے خالی ہو تا کہ لوگ بخوبی مقابلہ کا منظر دیکھ سکیں اور اس بات کا فیصلہ کہ کون ہارا اور کون جیتا علی وجہ البصیرت کر سکیں موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قبول کر کے دن اور وقت کی تعیین اس طرح کر دی مَوْعِدُکُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی یعنی یہ مقابلہ تمہارے (قومی) جشن کے دن ہو اور دن چڑھے ہو، تا کہ حاضرین ہار جیت کو روز روشن میں کھلی آنکھوں سے دیکھ سکیں یہ جشن اور عید کا دن کونسا تھا؟ اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ وہ نیروز کا دن تھا، کسی نے کہا یومُ السَّبْتِ تھا، بعض حضرات نے یوم عاشوراء بھی کہا ہے۔

جادو کی حقیقت اور اس کی اقسام اور شرعی احکام

یہ مضمون سورۂ بقرہ ہاروت ماروت کے قصہ میں معارف القرآن کی جلد اول میں ۲۱۷ سے ۲۲۳ تک بیان ہوا ہے، تفصیل کے لئے رجوع کریں، اور علامہ طنطاوی کی تفسیر جواہر الفقہ میں بھی اس مضمون کو بہت خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ دن اور وقت طے کرنے کے بعد مجلس برخاست ہوگئی اور فرعون بھی دربار سے اٹھ کر چلا گیا اور مقابلہ کی تیاری میں لگ گیا، چنانچہ اس نے جادوگروں کو ملک کے کونے کونے سے بلایا اور جادو میں کام آنے والے اسباب بھی جمع کر لئے اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جادوگروں کے ہمراہ وقت موعود پر میدان میں پہنچا حضرت ابن

عباسؓ کی روایت میں جادوگروں کی تعداد بہتر مذکور ہے بعض روایتوں میں جادوگروں کی تعداد بہت زیادہ مذکور ہے، جو دل کو نہیں لگتی ایک روایت میں نو لاکھ تک کی تعداد بتائی گئی ہے۔

ادھر فرعون جادوگروں کو مقابلہ کی ترغیب دے رہا تھا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا وعدہ کر رہا تھا اُدھر موسیٰ بھی جادوگروں کو وعظ فرما رہے تھے اور ان کے موجودہ رویے پر ان کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہے تھے، الفاظ یہ تھے وَيْلَكُم لَاتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرىٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وعظ و نصیحت کا جادوگروں پر یہ اثر ہوا کہ ان میں باہم کچھ اختلاف ہو گیا اور بعض دبی زبان سے کہنے لگے کہ کہیں یہ اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں جیسی نہیں ہے بلکہ پیغمبرانہ معلوم ہوتی ہے، بعض نے اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُم بَيْنَهُمْ کا یہی مطلب ہے، پھر اس باہمی اختلاف کو دور کرنے اور کسی متفقہ رائے پر پہنچنے کے لئے خفیہ مشورے ہونے لگے، اسی کو وَاَسَرُّوا النَّجْوىٰ سے بیان فرمایا ہے آخرکار اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ ان کا مقابلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ بلاشبہ یہ جادوگر ہی ہیں اور اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کر کے اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں اور یہ کہ تمہارا طریقہ جو سب سے بہتر ہے اس کو مٹا دینا چاہتے ہیں مُثْلیٰ اَمْثَلُ کا مؤنث ہے جس کے معنی افضل اور اعلیٰ کے ہیں۔

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلىٰ کی ایک تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم کے سرداروں اور باعزت لوگوں کو ختم کر دیں اس لئے تم ان کا پوری طاقت سے مقابلہ کرو، تیسری تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ اگر دونوں بھائی اپنے جادو کے زور سے غالب آ گئے تو سادات اور اشراف ان کی طرف مائل ہو جائیں گے، جس سے ہمارا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ لہٰذا اپنی تدبیروں کو یکجا اور منظم کر لو یا یہ کہ مضبوط اور مستحکم کر لو اور صف بنا کر مقابلہ کے لئے نکلو تاکہ مخالف پر تمہارا رعب پڑے اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اس لئے کہ آج جو غالب آ گیا وہی بازی لے گیا۔

قَالُوْا يٰمُوْسىٰ اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ الخ جادوگروں نے اپنی بے فکر اور بے پرواہی کا مظاہرہ کرنے کے لئے پہلے حضرت موسیٰ ہی سے کہا پہل آپ کرتے ہیں یا ہم کریں حضرت موسیٰ نے جواب دیا بَلْ اَلْقُوْا تم ہی پہل کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پہلے اپنا کرتب دکھانے کے لئے اس لئے کہا کہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد سے اور ان کے ساحرانہ کمال اور کرتبوں سے خوف زدہ نہیں ہیں، دوسرے ان کی ساحرانہ شعبدے بازیاں جب معجزے الٰہی سے چشم زدن میں هَبَاءً مَنْثُوْرًا ہو جائیں گی تو اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادوگر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ جادو نہیں، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے کہ آن واحد میں ان کی ایک لاٹھی ہمارے سارے کرتبوں کو نگل گئی۔

جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق اپنا کام شروع کردیا اور لاٹھیاں اور رسیاں جو بڑی تعداد میں تھیں بیک وقت زمین پر ڈالدیں یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی اب تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال گذرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں، جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے دل میں خوف محسوس کیا، یعنی یہ صورت حال دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہوا جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں چھپائے رکھا یہ خوف اگر موسیٰ کو اپنی جان کی وجہ سے ہوا تو مقتضائے بشریت سے ایسا ہونا نبوت کے منافی نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ خوف اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ خوف اس بات کا تھا کہ اگر اس مجمع کے سامنے ساحروں کا غلبہ محسوس کیا گیا تو دعوت کا جو مقصد ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا، اسی لئے اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے جو ارشاد ہوا اس میں یہ اطمینان دلایا گیا کہ جادوگر غالب نہ آسکیں گے آپ ہی کو فتح اور غلبہ حاصل ہوگا، یُخَیَّلُ کے قرآنی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیاں اور لاٹھیاں حقیقۃً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ جادو کے زور سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مسمریزم کے ذریعہ نظر بندی کردی جاتی ہے، بڑے سے بڑا جادو بھی شئ کی حقیقت کو تبدیل نہیں کرسکتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہوسکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہوسکتے ہیں، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ اس سے کار نبوت متاثر نہیں ہوتا فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ پھر گر پڑے جادوگر یعنی جادوگروں نے جب یہ فعل فوق السحر دیکھا تو سمجھ گئے کہ بے شک یہ معجزہ ہے اور فوراً ہی اللہ کے لئے سجدہ میں گر گئے، اور پکار اٹھے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے، اس آیت میں ہارون کی تقدیم باوجودیکہ وہ تابع ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی تاخیر باوجودیکہ وہ اصل ہیں فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ ءَامَنْتُمْ بتحقیقِ الھمزتَینِ وابدالِ الثانیۃِ الِفًا لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ مُعَلِّمُکم الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ حالٌ بمعنی مُخْتَلِفَۃً ای الاَیْدِی الیُمْنٰی والاَرْجُلُ الیُسْرٰی وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ ای علیھا وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَا یعنی نَفْسَہُ وربَّ موسٰی اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ادوَمُ علی مُخالَفَتِہٖ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ نختارَکَ عَلٰى مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ الدَّالَّۃِ علی صِدْقِ موسٰی وَالَّذِيْ فَطَرَنَا خلَقَنا قَسَمٌ او عَطْفٌ علی ما فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ ای اصْنَعْ ما قُلْتَہٗ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۭ النَّصْبُ علی الاِتِّساعِ ای فیھا ویُجزٰی علیہ فی الآخرۃ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا مِنَ الاِشْراکِ وَغَیرِہٖ وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ تَعَلُّمًا وَعَمَلاً لِمُعَارَضَۃِ موسٰی وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِنْکَ ثَوابًا اِذَا اُطِیعَ وَّاَبْقٰى منک عَذابًا اِذا

عُصِی قال تعالٰی اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِما کافرا کَفِرْعَوْن فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ط لَایَمُوْتُ فِیْها فیستریح وَلَا یَحْیٰی حَیاۃً تنفعُهٗ وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ الفرائض والنّوافل فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ، جَمْعُ عُلْیا مُؤنّثُ اعلٰی جَنّٰتُ عَدْنٍ ای اِقَامَةٍ بَیَانٌ له تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ط وَذٰلِكَ جَزَآؤُ مَنْ تَزَكّٰی ع تطهّر من الذُّنُوب .

ترجمہ

فرعون نے کہا تم میری اجازت کے بغیر ہی اس پر ایمان لے آئے ءَ اٰمَنْتُمْ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کو الف سے بدل کر بلاشبہ وہ تمہارا بڑا گرو ہے جس نے تم کو سحر سکھایا ہے میں تم سب کے ہاتھ پیر جانب مخالف سے کٹواتا ہوں خلاف حال ہے معنی میں مختلفۃ کے ہے یعنی داہنے ہاتھوں کو اور بائیں پیروں کو اور تم سب کو کھجوروں کے تنوں پر لٹکوادوں گا فی جُذُوع النخل ای علیھا اور تم کو پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں یعنی مجھ میں اور موسیٰ کے رب میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے، یعنی کس کی مخالفت شدید ہے اور دیرپا ہے ان لوگوں نے صاف جواب دیدیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے اختیار نہ کریں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو موسیٰ کی صداقت پر دلالت کرنے والے ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا واؤ قسمیہ ہے یا ما جاءنا پر عطف ہے سو تیرا جو جی چاہے کر یعنی جو تو نے کہا ہے کر ڈال اور تو بجز اس کے کہ کچھ کر سکتا ہے وہ اسی دنیا میں کر سکتا ہے اور (الحیوۃ کا) نصب توسع کے طور پر ہے ای فیھا اور (اللہ) اس پر آخرت میں جزاء دے گا ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ ہماری شرک وغیرہ کی خطاؤں کو معاف کر دے اور اس سحر کو بھی معاف کر دے کہ جس کے سیکھنے اور عملی طور پر موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے تو نے ہم کو مجبور کیا ہے اور اللہ بہتر ہے تجھ سے اجر کے اعتبار سے جب اس کی اطاعت کی جائے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے تجھ سے عذاب کے اعتبار سے جب اس کی نافرمانی کی جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم یعنی کافر ہو کر آئے گا جیسا کہ فرعون تو بے شک اس کے لئے جہنم ہے نہ اس میں مرے گا کہ راحت پائے گا اور نہ زندہ رہے گا ایسی زندگی کہ جس سے اس کو نفع ہو اور جو شخص اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا اور اس نے نیک اعمال یعنی فرائض و نوافل کئے ہوں گے تو یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے اونچے درجات ہیں عُلٰی علیا کی جمع ہے اور اعلٰی کا مؤنث ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے یعنی اقامت کے قابل باغات ہیں جنّٰتُ عدن دَرجٰت العُلٰی کا بیان ہے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے یہ انعام ہے اس شخص کا جو گناہوں سے پاک ہوا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

أ آمَنْتُمْ لَهٗ ہمزہ استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے، اور حفص کے نزدیک آمَنْتُمْ جملہ خبریہ کے طور پر استعمال ہوا ہے ء آمَنْتُمْ کا صلہ لام لایا گیا ہے اس لئے کہ آمَنْتُمْ اِتَّبَعْتُمْ کی معنی کو متضمن ہے، دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ پہلا استفہامیہ ہے اور ثانی فا کلمہ ہے اصل میں جمع مذکر حاضر ہے ءَ أَمنْتُمْ بروزن اَکْرمْتُمْ دوسرے ہمزہ کو قاعدہ کے مطابق الف سے بدلا پھر اس پر ہمزہ استفہام داخل کیا گیا، اب کلمہ میں دو ہمزے غیر منقلبہ ہوگئے، اب خواہ تحقیق ہمزتین کے ساتھ پڑھیں یا ہمزہ استفہام کے حذف کے ساتھ پڑھیں مفسر علام کا وابدال الثانیة الفًا کہنا غیر ظاہر ہے اس لئے کہ ثانیہ تو قرأت میں بغیر ابدال کے باقی ہے، البتہ ابدال الثالثة درست ہے **قوله** مِنْ خِلَافٍ مِنْ ابتدائیہ ہے اور خلاف مختلفہ کے معنی میں ہو کر حال ہے ای اَقْطَعُهَا مختلفاتٍ **قوله** فی جذوع النخل ای علیها اس میں اشارہ ہے کہ فِی بمعنی علی ہے وَلَتَعْلَمُنَّ میں لام قسمیہ ہے اَیُّنَا مبتداء اَشَدُّ وَاَبْقٰی معطوف ومعطوف علیہ سے مل کر خبر اور مبتدا خبر سے مل کر لتعلمُنَّ کا مفعول قائم مقام دو مفعولوں کے علی مخالفته کا تعلق اشدُّ وابقی دونوں سے ہے وَالَّذِی فطرَنا واو اگر قسمیہ ہو تو موصول صلہ سے مل کر قسم اور لانؤثرک علی الحق جواب قسم محذوف ای وحق الذی فطرنا لانؤثرك علی الحق اور اگر واو عاطفہ ہو تو معطوف علیہ مَا جاءنا ہوگا ای لَنْ نُؤثرك علی الذی جاءنا ولا الذی فَطرنا فَاقْضِ ما انت قاضٍ یہ جواب تہدید ہے هذه الحیوٰة الدنیا هذه مبدل منه الحیوٰةَ بدل یہ حذف حرف جر کی وجہ سے اتساعاً منصوب ہے تقدیر عبارت یہ اِنّما تقضی فِی هذهِ الحیوٰة الدنیا فِی کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے منصوب ہو گیا **قوله** اِنَّمَا مَا میں دو وجہ جائز ہیں اول وجہ یہ کہ مَا فعل پر انّ کے دخول کو جائز کرنے کے لئے ہے اور الحیوٰة الدنیا تقضی کا ظرف ہے اور تقضی کا مفعول محذوف ہے ای تقضی غرضك دوسری وجہ یہ کہ ما مصدریہ اسم اِنَّ ہو اور ظرف خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنّ قضَاءك فی هذه الحیوٰة الدنیا تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مَا بمعنی الذِی موصول اسم انَّ تقضیه اس کا صلہ عَد محذوف ای انّ الّذی تقضیه کائنٌ فِی الحیوٰة الدنیا (جمل) وما اَکْرهْتَنَا کا عطف خطایانا پر ہے، تاکہ ہماری خطاؤں اور اس عمل سحر کو معاف کر دے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا مِنَ السِّحر علیه کی ضمیر سے یا مَا موصولہ سے حال ہو سکتا ہے، مِن بیان جنس کے لئے بھی ہو سکتا ہے **قوله** قال تعالٰی سے اشارہ کر دیا کہ اِنّهٗ مَنْ یّأتِ ربّهٗ جملہ مستانفہ ہے اس کے ماقبل ساحروں کا کلام تھا اور یہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے خَالدِیْنَ مَنْ کے معنی کی رعایت سے جمع لایا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

قَالَ آمَنْتُمْ لَهٗ جب جادوگروں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا حقیقت میں اژدہا بن کر ان کے خیالی

سانپوں کو نگل گیا، تو چونکہ یہ جادو کے ماہر اور جادو کی حقیقت سے واقف تھے تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ کام جادو کے ذریعہ نہیں ہوسکتا بلاشبہ خدائی معجزہ ہے اس لئے جادوگر سجدہ میں گر گئے اور برسرعام اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جادوگروں نے اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھایا جب تک اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کا مقام نہ دکھا دیا، اس واقعہ سے فرعون کی برسرعام بہت رسوائی ہوئی تو اس نے اپنی خفت کو کم کرنے کے لئے تہدید آمیز لہجے میں کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ اور اس کے رب پر ایمان لے آئے اس جملہ سے لوگوں کو یہ تاثر بھی دینا مقصود تھا کہ میری اجازت کے بغیر کسی کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے اور اصل حقیقت سے توجہ ہٹانے کے لئے ان جادوگروں پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ اب معلوم ہوا کہ تم موسیٰ کے شاگرد ہو اور وہ تم سب کا بڑا استاذ ہے اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے اور استاد شاگردوں نے مل کر سازش کی ہے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق شاگردوں نے اپنی ہار مان لی ہے کبیر بمعنی معلم بھی لغت عرب میں مستعمل ہے، کسائی نے کہا ہے کہ جب بچہ اپنے معلم (استاذ) کے پاس سے آتا ہے تو کہتا ہے جئتُ من عند کبیری فرعون نے یہ جملہ اِنه لکبیر کم الذی علّمکُم السحرَ باوجود یکہ فرعون کو بھی معلوم تھا کہ ان کے درمیان استادی وشاگردی کا کوئی تعلق نہیں ہے مگر پھر بھی لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے اور لوگوں کو موسیٰ پر ایمان لانے کے سے روکنے کے لئے یہ بات قصداً کہی۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ یہ قسم محذوف کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے وعزتی و کبریائی لَافعلنّ بکم ذلك فرعون نے قسم کھا کر حاکمانہ انداز میں سخت سزا کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ میں تم سب کے جانب مخالف سے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا تاکہ تم دوسروں کے لئے عبرت کا نمونہ بن جاؤ، اور کوئی دوسرا موسیٰ پر ایمان لانے کی جسارت نہ کر سکے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم کو اسی حالت میں کھجور کے تنوں پر لٹکا دوں گا تاکہ بھوکے پیاسے تمہاری جان نکل جائے فی جذوع النخل میں فی بمعنی علی ہے اور علی کے بجائے فی کے استعمال میں یہ مصلحت ہے کہ استقراء اور دوام کو ظاہر کرتا ہے یعنی تم اسی حالت میں ایک مدت تک لٹکے رہو گے، جیسا کہ مظروف کا استقرار ظرف میں ہوتا ہے۔

قَالُوا لَنْ نُؤثِرَكَ عَلٰی مَاجَاءَنَا الخ جادوگروں نے فرعون کی دھمکی سن کر اپنے ایمان پر بڑی پختگی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا کہ ہم تجھے یا تیرے کسی قول کو ان بینات و معجزات پر ترجیح نہیں دے سکتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ہمارے سامنے آچکے ہیں نیز خالق کائنات کو چھوڑ کر تجھے اپنا رب نہیں مان سکتے حضرت عکرمہ کی روایت کے مطابق بینات سے مراد جنت کے وہ مقامات عالیہ اور نعم غالیہ بھی ہوسکتی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کو سجدہ کی حالت میں مشاہدہ کرایا تھا، اور ساتھ ہی جادوگروں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تو نے ہمیں سزا دی بھی تو وہ سزا اسی چند روزہ زندگی تک محدود رہے گی مرنے کے بعد تو تیرا ہمارے اوپر کوئی قبضہ نہیں رہے گا بخلاف حق تعالیٰ کے کہ اس کا قبضہ مرنے سے پہلے بھی ہے اور مرنے کے بعد بھی لہٰذا اسی کی سزا کی فکر مقدم ہے۔

اِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کی غرض بیان کرتے ہوئے جادوگروں نے کہا ہم اس لئے ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سابقہ گناہوں کو معاف فرمادے اور جادو کے ذریعہ موسیٰ کے مقابلہ کے عمل کو بھی معاف فرمادے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا ہے، یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جادوگر تو موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے خوشی خوشی آئے تھے حتی کہ فرعون سے انعام واکرام کے بارے میں سودے بازی بھی کی تھی کہ اگر ہم موسیٰ کے مقابلہ میں کامیاب ہوگئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا فرعون نے انعام واکرام سے نوازنے نیز مزید برآں اپنے مصاحبین میں شامل کرنے کا وعدہ بھی کرلیا تھا پھر جادوگروں کا یہ کہنا کہ تو نے ہمیں موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے مجبور کیا تھا کہاں تک درست ہوسکتا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ یہ جادوگر ابتداء تو برضا ورغبت اپنی خوشی سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے مگر مقابلہ سے پہلے جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خود اعتمادی کے ساتھ خوف خدا کی نصیحت کی تو جادوگر پیغمبرانہ خود اعتمادی اور پر تاثیر نصیحت سن کر تذبذب میں پڑ گئے اور موسیٰ کا مقابلہ کرنے سے کترانے لگے چنانچہ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشورہ کیا تو یہ لوگ مختلف الرائے ہوگئے، بعض ان کو جادوگر کہتے تھے اور بعض انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی باتیں پیغمبرانہ معلوم ہوتی ہیں لہٰذا ان کا مقابلہ کرنا درست نہیں ہے فرعون کو جب ان کے تذبذب کا علم ہوا تو ان کو مجبور کیا اور مزید لالچ بھی دیا جس کی وجہ سے وہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگئے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ فرعون کو کاہنوں کے ذریعہ جب یہ معلوم ہوا کہ ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ پر تیری حکومت ختم ہوجائے گی اور اس نوعیت کے اس کے پاس علوم اور معجزات ہوں گے تو فرعون نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ملک میں جادو کی تعلیم کو جبری اور لازمی قرار دیدیا تھا جس کی وجہ سے جادوگروں کا یہ کہنا کہ تو نے ہمیں جادو پر مجبور کیا ہے صحیح اور درست ہے۔ (روح)

آسیہ فرعون کی بیوی کا ایمان

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حق وباطل کے اس معرکہ کے وقت فرعون کی بیوی آسیہ برابر خبر رکھتی رہیں کہ انجام کیا ہوا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ موسیٰ اور ہارون غالب آگئے تو فوراً ہی اس نے بھی اعلان کردیا کہ میں بھی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتی ہوں، فرعون کو جب اپنی بیوی آسیہ کے ایمان کا علم ہوا تو حکم دیا کہ ایک بھاری پتھر اس کے اوپر گرادیا جائے، آسیہ نے جب یہ دیکھا تو آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اللہ سے فریاد کی حق تعالیٰ نے پتھر اس کے اوپر گرنے سے پہلے ہی اس کی روح قبض کرلی اور پھر مردہ جسم پر گرا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ بهمزةِ قَطْعٍ مِن اَسْرى او هَمْزَةِ وَصْلٍ و كَسْرِ النُّونِ مِن

سرٰی لُغتان ای سِرْ بهم لَيْلاً مِن اَرْضِ مِصر فاضرِبْ اجْعَلْ لَهُمْ بِالضَّرْبِ بعصاك طَرِيْقًا فى البَحْرِ يَبَسًا ای یَابِسًا فَامْتَثَلَ ما اُمِرَ به وَاَيْبَسَ اللّٰهُ الاَرْضَ فَمَرُّوْا فيها لاتَخَافُ دَرَكًا ای ان يُدْرِكُكَ فِرْعَوْنُ وَّلاتَخْشٰى○ غَرَقًا فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ وهو مَعَهم فَغَشِيَهُمْ مِّنَ اليَمِّ ای البَحْرِ مَاغَشِيَهُمْ ما غَرَّقَهم وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ بدعَائِهم الى عِبَادَتِهٖ وَمَا هَدٰى. بل اَوْقَعَهم فى الهَلاكِ خلافَ قَوْلِهٖ وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ يَا بَنِىٓ اِسْرَآئِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ فِرْعَوْنَ بِاِغْرَاقِهٖ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الاَيْمَنَ فَنُؤْتِى موسٰى التورٰةَ للعَمَلِ به وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ المَنَّ وَالسَّلْوٰى○ هما التَرَنْجَبِيْنُ والطَّيْرُ السُّمَانِىُّ بِتَخْفِيْفِ الميمِ وَالقَصْرِ والمُنَادى مَنْ وُجِدَ مِنَ اليَهُوْدِ زَمَنَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صلعم وخُوْطِبُوْا بما اُنْعِمَ به على اَجْدَادِهم زَمَنَ النَّبِيِّ مُوْسٰى تَوْطِيَةً لِقَوْلِهٖ تعالٰى لهم كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ اى المُنْعَمِ به عليكم وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ بِاَنْ تَكْفُرُوْا المُنْعِمَ به فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ۚ بكَسْرِ الحَاءِ اى يَجِبُ وبضَمِّهَا يَنْزِلُ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ بكَسْرِ اللامِ وضَمِّها فَقَدْ هَوٰى. سَقَطَ فى النَّارِ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ وَاٰمَنَ وَحَّدَ اللّٰهَ وَعَمِلَ صَالِحًا يَصْدُقُ بالفَرْضِ والنفلِ ثُمَّ اهْتَدٰى. باسْتِمْرَارِهٖ على مَا ذُكِرَ الى مَوْتِهٖ وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ لِمَجِيْءِ مِيْعَادِ اَخْذِ التَّوْرٰةِ يٰمُوْسٰى. قَالَ هُمْ اُولَآءِ اى بالقُرْبِ مِنِّىْ يَاْتُوْنَ عَلٰى اَثَرِىْ ۚ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى. عَنِّىْ اى زِيَادَةً على رِضَاكَ وقَبْلَ الجَوَابِ اَتٰى بالاِعْتِذَارِ بِحَسْبِ ظَنِّهٖ وتَخَلَّفَ المَظْنُوْنُ كما قَالَ تعالٰى فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ اى بَعْدَ فِرَاقِكَ لهم وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ فَعَبَدُوْا العِجْلَ فَرَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ مِنْ جِهَتِهِم اَسِفًا شَدِيْدَ الحُزْنِ.

ترجمہ

اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ اَسْرِ ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے اَسْرٰی سے ماخوذ ہے، یا ہمزہ وصل اور نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اور سَرٰی سے ماخوذ ہے یہ دولغت ہیں، مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت مصر سے لیکر نکل جا، پھر ان کے لئے عصا مار کر دریا میں خشک راستہ بنا دینا یَبَسًا بمعنی یابسا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے امتثال امر کیا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو خشک کر دیا لہٰذا سب لوگ وہاں سے نکل گئے، نہ تو تم کو تعاقب کا اندیشہ ہوگا کہ فرعون تم کو پکڑ لے اور نہ تم کو غرق ہونے کا خوف ہوگا چنانچہ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا حال یہ کہ وہ خود بھی ان کے ساتھ تھا، چنانچہ دریا ان پر چھا گیا جیسا کہ چھانے کو تھا پھر ان کو غرق کر دیا،

اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا ان کو اپنی عبادت کی دعوت دیکر اور ان کو سیدھی راہ نہ دکھائی بلکہ ان کو ہلاکت میں ڈالدیا اپنے قول وَمَا اَهْدِيكُمْ اِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ کے برخلاف اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن فرعون سے اس کو غرق کر کے نجات دی اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب آنے کا وعدہ کیا کہ ہم موسیٰ کو تورات دیں گے اس پر عمل کرنے کے لئے اور ہم نے تمہارے لئے من اور سلویٰ نازل کیا اور وہ ترنجبین اور بٹیر ہیں سمانی میم کی تخفیف اور قصر کے ساتھ ہے اور (یا بنی اسرائیل) میں منادیٰ وہ یہود ہیں جو آنحضرت کے زمانہ میں موجود تھے اور وہی ان نعمتوں کے مخاطب ہیں جو ان یہود پر کی گئیں تھیں جو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اللہ تعالیٰ کے قول كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ الخ کی تمہید کے لئے ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تم کو دی ہیں ان سے کھاؤ یعنی ان چیزوں کو جو بطور انعام تم کو دی گئی ہیں اور اس میں حد (شرعی) سے تجاوز نہ کرو اس طریقہ سے کہ نعم کی ناشکری کرنے لگو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا غضب تمہارے اوپر واقع ہو جائے حاکے کسرہ کے ساتھ یعنی لازم ہو جائے اور حا کے ضمہ کے ساتھ یعنی نازل ہو جائے اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے يَحْلِلْ لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے تو بلاشبہ وہ آگ میں گر گیا اور بے شک میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں جنہوں نے شرک سے توبہ کر لی اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے عمل صالح فرض اور نفل دونوں پر صادق آتا ہے (یا) (فرض اور نفل کے ذریعہ (ایمان کی) تصدیق کرتا ہے اس وقت يُصَدِّق پڑھا جائے گا) اور پھر مذکورہ چیزوں پر موت تک قائم بھی رہے (اللہ نے کہا) اے موسیٰ اپنی قوم کو چھوڑ کر جلدی آنے کا کیا سبب ہوا؟ تورات لینے کے وقت کے آجانے کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے جواب دیا وہ یہ رہے میرے پیچھے یعنی میرے قریب ہی آرہے ہیں اور اے میرے پروردگار میں آپ کے پاس جلدی چلا آیا کہ آپ مجھ سے زیادہ خوش ہوں گے یعنی تیری زیادہ رضامندی حاصل کرنے کے لئے اور جواب سے پہلے اپنے گمان کے اعتبار سے عذر بیان کر دیا اور گمان خلاف واقعہ ثابت ہوا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے ان کو چھوڑ کر چلے آنے کے بعد ایک فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو تو سامری نے گمراہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ گائے پرستی میں مبتلا ہو گئے غرض موسیٰ علیہ السلام ان کی وجہ سے غصہ اور سخت رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا الخ یہ عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً موسیٰ کو فرعون کے پاس رسول بنا کر بھیجنے کا قصہ مع معجزات کے بیان فرمایا اور ثانیاً فرعون اور اس کے لشکر کے عبرتناک انجام کا قصہ بیان فرمایا اس طرح یہ عطف قصہ علی القصہ ہے **قولہ** طَرِيْقًا اضرب کا مفعول بہ ہے اس لئے کہ اضرب اجعل کے معنی کو

متضمن ہے جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِضرِب کا مفعول بہ محذوف ہو تقدیر یہ ہوگی اِضرِبْ موضعَ طریق اس صورت میں اِضرب کی نسبت طریق کی جانب مجازاً ہوگی موضع کو حذف کرکے طریق کو اس کے قائم مقام کردیا اِضرِبْ لھُم طریقًا ہوگیا طریق سے مراد جنس طریق ہے اس لئے کہ بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد کے اعتبار سے بارہ راستے بنائے تھے یَبَسًا مصدر ہے مصدر کا حمل طریق پر مبالغۃً ہے یا مصدر سے پہلے لفظ ذات محذوف ہے ای ذاتَ یَبَسٍ اور اگر با کے سکون کے ساتھ یَبْسًا ہو تو صیغہ صفت کا ہوگا ای یابسًا لاتخافُ رفع کے ساتھ حمزہؒ کے علاوہ تمام قراء کی یہی قرأت ہے اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا اس وقت اس کا کوئی محل اعراب نہ ہوگا، یا اِضرِبْ کی ضمیر فاعل سے حال ہے، ای اِضرب لھُمْ طریقًا حَالَ کَوْنِكَ غَیرَ خائفٍ اور حمزہؒ نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے اس وجہ سے کہ لَا ناھیہ ہے تَخَفْ اس کی وجہ سے مجزوم ہے **وقولہ** ولا تخشی یہ باتفاق قراء الف کے ساتھ ہے رفع کی صورت میں لَا تَخَافُ پر عطف ظاہر ہے اور جزم کی صورت میں لاتخشی کا عطف لَاتَخَفْ پر ہوگا اور علامت جزم لاتخشی میں حذف الف ہوگی اور موجودہ الف اشباع کا ہوگا فواصل کی رعایت کے لئے لایا گیا ہے **قولہ** بِجُنُودِہٖ یہ موضع حال میں ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے ای فَاَتْبَعَھُمْ فرعونُ عِقابَہٗ ومعہ جنودہٗ اور یہ بھی کہا گیا کہ اَتْبَعَ بمعنی اِتَّبَعَ ہے اس صورت میں بِجُنُودِہٖ کی با تعدیہ کے لئے ہوگی **قولہ** وَھُوَ مَعَھُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جار اَتْبَعَھُمْ کا صلہ نہیں ہے بلکہ موضع حال میں ہے اور اَتْبَعَھُمْ کا مفعول ثانی محذوف ہے اور معنی یہ ہیں اَتْبَعَھُمْ فرعون نفسہٗ مع جنودہٖ اور بیضاوی میں ہے والمعنی فَاَتْبَعَھُمْ فرعون نفسہ ومعہ جنُوْدُہٗ فَحُذِفَ مفعول ثانی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بجنودہ میں با زائدہ ہے ای اَتْبَعَھُمْ جنودہٗ وھو معھم فَغَشِیَھُمْ مِنَ الْیَمِّ ما غَشِیَھُمْ ای غرقھم من الیَمّ ماغرقھم سمندر کی موجوں کی ہولناکی کو ظاہر کرنے کے لئے ابہام رکھا گیا ہے یعنی وہ موجیں ہولناکی میں ایسی تھی کہ ان کی ہولناکی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا **قولہ** فنؤتی موسیٰ التوراۃ للعمل بھا کے اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام سے تھا نہ کہ قوم سے تو پھر وواعدناکم میں وعدہ کی نسبت قوم کی طرف کیوں کی گئی ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ کو تورات دینے کا وعدہ قوم ہی کے عمل کے لئے اور ان ہی کی بہبودی کے لئے تھا اس لئے قوم کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے نسبت درست ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ موسیٰ کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی قوم کے ستر سرداروں کو بھی کوہ طور پر ساتھ لے آئیں اس طریقہ سے بھی قوم کی طرف وعدہ کی نسبت صحیح ہے **قولہ** اَلْمَنُّ اسم ہے شبنمی گوند ہے جو حلوے کی شکل کا تھا جو وادی تیہ میں بھٹکنے والے اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے روزانہ درختوں کے پتوں پر اللہ تعالیٰ جما دیتا تھا سلویٰ ایک قسم کا پرندہ ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں قاموس میں اس کا واحد سَلْوَۃ مرقوم ہے اخفش سے منقول ہے کہ اس کا

واحد نہیں سنا گیا هَوَىٰ ماضی واحد مذکر حاضر (ض) مصدر هَوِيٌ گر پڑنا **قوله** وَمَن يَحْلِلْ یہاں بھی کسرہ حا اور ضمہ حا دونوں صورتیں ہیں ثم اهتدیٰ کی تفسیر باستمرارہ علی ماذکر الی موتہ سے کر کے اس سوال کا جواب دینا مقصود ہے کہ اهتدیٰ کے ذکر سے کیا فائدہ ہے جب کہ آمَنَ کے عموم میں اهتدیٰ بھی داخل ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں ایمان پر استمرار اور دوام مراد ہے اس لئے کہ نجات تامہ اسی ایمان اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے جو مرتے دم تک باقی رہے **قوله** وَمَا أَعْجَلَكَ عن قَوْمِكَ ما استفہامیہ مبتداء ہے اور أَعْجَلَكَ اس کی خبر ہے یہاں استفہام استفادۂ علم کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ بات بتانے کے لئے ہے کہ تم جلد بازی کر کے اپنی قوم کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہم نے تمہاری قوم کو ایک فتنہ میں مبتلا کر دیا **قوله** هُمْ اولاء هُمْ مبتدا ہے أُولاءِ بمعنی الذی ہے اور علی أثری اس کا صلہ ہے **قوله** زیادةً علی رضاكَ کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سبقت کرنے کی وجہ زیادتی رضا تھی نہ کہ نفس رضا اس لئے نفس رضا تو نبی کو حاصل ہوتی ہے البتہ زیادتی مطلوب ہوتی ہے **قوله** وقبل الجواب اَتٰی بالاعتذار الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ما اَعْجَلَكَ کا جواب عَجِلْتُ الیكَ ربِّ لِتَرضٰی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اصل جواب دینے سے پہلے هُمْ اُولاءِ علی اَثَرِی کہہ کر یہ عذر بیان کر دیا کہ میں نے ان کو چھوڑا نہیں ہے بلکہ وہ قریب ہی میرے ساتھ ہیں اور یہ عذر اس خیال سے بیان کر دیا کہ موسیٰ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ واقعۃً وہ میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں حالانکہ وہ وہیں رک گئے تھے جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ کا گمان خلاف واقعہ تھا اور گمان کا خلاف واقعہ ہونا اس وقت معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ نے فَإنَّا قَدْ فَتَنَّا قومَكَ مِنْ بَعْدِكَ فرمایا لِمَا میں لام تعلیلیہ ہے گویا کہ یہ خلاف مظنون ہونے کی علت ہے **قوله** السامری بنی اسرائیل کے قبیلہ سامرہ کی طرف منسوب ہے بعض نے کہا ہے کہ سامرہ یہود میں ایک فرقہ ہے جو بعض باتوں میں بقیہ یہود سے مختلف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کرمان کا ایک دہقانی کافر تھا اس کا نام موسیٰ بن ظفر ہے، یہ منافق تھا اس کی قوم گائے کی پوجا کرتی تھی موسیٰ سامری کی پرورش جبرائیلؑ نے کی تھی اس لئے کہ اس کو بھی اس کی والدہ نے ذبح کے خوف سے ایک غار میں چھپا دیا تھا، حضرت جبرائیلؑ اس کو اپنی انگلیاں چساتے تھے ایک سے دودھ اور دوسری سے شہد اور تیسری سے گھی نکلتا تھا، شعر: موسی الذی رباهٗ فرعون مرسَلُ ☆ موسیٰ الذی رباهٗ جبرائیل کافر قرطبی کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ سامرؔ ہندوستان کا رہنے والا تھا جو کہ گائے کی پوجا کرتا تھا (مزید تفصیل کے لئے لغات القرآن جلد سوم تالیف مولانا عبدالرشید نعمانی کی طرف رجوع کریں) **موسیٰ** علم معرفہ ہے بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر ہیں ان کی والدہ کا نام یوحائث تھا، اور والد کا نام عمران تھا، کہا جاتا ہے کہ عبرانی زبان میں مُوْ پانی کو کہتے ہیں اور شی درخت کو کہتے ہیں عربی میں شین کو سین سے بدل دیا ہے، حضرت موسیٰ کو پیدائش کے بعد چونکہ لکڑی کے ایک تابوت میں بند کر کے سمندر میں ڈالدیا گیا تھا اس

ے موسیٰ نام ہو گیا۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ جب فرعون اور فرعونیوں کو حق و باطل کے معرکہ میں شکست فاش ہوگئی اور بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں جمع ہو گئے تو اب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہاں سے ہجرت کا حکم دیا چونکہ فرعون کو غرق کرنا تھا اس لئے حضرت موسیٰ کو دریا کی جانب کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا تاکہ فرعون حضرت موسیٰ کا تعاقب کرے اور غرق دریا ہو، حالانکہ شام ہو کر فلسطین کا خشکی کا بھی راستہ تھا، موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر شام کی جانب سے بھی جاسکتے تھے مگر مصلحت دریا کی طرف سے تھی اسی لئے یہ راستہ اختیار کیا، چونکہ فرعون کے تعاقب اور دریا میں غرق ہونے کا خطرہ تھا، اس لئے دونوں خطروں سے حضرت موسیٰ کو مطمئن کر دیا گیا۔

اس آیت کے تحت میں مفسرین حضرات نے ابن عباسؓ کے حوالے سے یہ بات بھی لکھی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب تم مصر سے جانے لگو تو میرا تابوت بھی ساتھ لیجانا، جب بنو اسرائیل ہجرت کرنے لگے تو خیال آیا کہ حضرت موسیٰ کے تابوت کو ساتھ لے لیں مگر کسی کو حضرت یوسف علیہ السلام کا مدفن معلوم نہیں تھا، البتہ ایک بڑھیا کو معلوم تھا، اس سے معلوم کر کے تابوت ہمراہ لے لیا، حضرت موسیٰ نے اس بڑھیا سے کہا کہ جو تجھے مانگنا ہے، مانگ لے، بڑھیا نے کہا میں چاہتی ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں، جب دیکھا کہ فرعون نہ تو ایمان لاتا ہے اور نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرنے پر آمادہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خاموشی سے لیکر نکل جانے کا حکم فرمایا۔

تفسیر روح المعانی میں یہ تفصیل بھی ہے، کہ اسرائیلیوں نے ہجرت سے پہلے یہ شہرت کر دی تھی کہ کل ہماری عید ہے ہم عید منانے کے لئے باہر جائیں گے اور اس بہانے سے قبطیوں سے کچھ زیورات عاریتاً لے لئے تھے کہ آکر واپس کر دیں گے بنی اسرائیل کی اس وقت کتنی تعداد تھی روایات مختلف ہیں چھ اور سات لاکھ تک بیان کی گئی ہے، چونکہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں ہوسکتا ہے کہ ان میں کچھ مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہو، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اسرائیلیوں کی تعداد لاکھوں سے کم نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے بارہ قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں بڑی تعداد میں افراد تھے، موسیٰ علیہ السلام رات کے ابتدائی حصہ میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر دریائے قلزم کی طرف نکل گئے۔

فرعون کو جب اسرائیلیوں کے اس طرح سے نکل جانے کی اطلاع ملی تو اس نے فوجوں کو جمع کیا جن میں ستر ہزار سیاہ گھوڑے تھے اور صرف مقدمۃ الجیش میں سات لاکھ سوار تھے، جب بنی اسرائیل نے آگے دریا اور پیچھے فوجی سیلاب دیکھا تو گھبرا اٹھے، اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے انا لمدرکون ہم تو پکڑے گئے موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو تسلی

دیتے ہوئے فرمایا اِنَّ معی ربی سَیَھْدِین کہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے ضرور راستہ دے گا پھر بحکم ربانی دریا پر اپنا عصا مارا جس کی وجہ سے دریا میں خشک بارہ راستے بن گئے بنی اسرائیل کے چونکہ بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ ایک راستہ سے بخیر وخوبی واطمینان کے ساتھ نکل گیا، جب فرعون اور اس کا لشکر دریا کے کنارے پہنچا تو یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر سہم گیا کہ اسرائیلیوں کے لئے کس طرح دریا میں راستے بن گئے مگر فرعون نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کہا کہ یہ سب کچھ میری ہیبت کا کرشمہ ہے مگر دل ہی دل میں گھبرا رہا تھا اور دریائی راستوں میں داخل ہونے کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا اس وقت فرعون ایک گھوڑے پر سوار تھا، حضرت جبرائیل ایک گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے گھوڑے کے سامنے آئے گھوڑا بے قابو ہو گیا اور فرعون کو لیکر دریا میں داخل ہو گیا اس کے پیچھے فرعونی لشکر بھی دریا میں داخل ہو گیا جب اسرائیلی دریا پار ہو گئے اور فرعونی پورا لشکر دریا میں داخل ہو گیا تو حق تعالیٰ نے دریا کو روانی کا حکم دیدیا جس کی وجہ سے سب غرق دریا ہو گئے، یہی مطلب ہے فغشیَھُمْ مِنَ الیَمِّ مَا غَشِیَھُمْ کا۔

وَوَاعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُور الایمنِ فرعون سے نجات اور دریا میں پار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اور ان کے واسطہ سے تمام بنی اسرائیل سے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ کوہ طور پر داہنی جانب چلے آئیں تاکہ موسیٰ کو تورات عطا کی جائے اور بنی اسرائیل خود بھی اس شرف ہمکلامی کا مشاہدہ کرلیں۔

ونزلنا علیکم المنَّ والسلوٰی یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل عبور دریا کر کے آگے بڑھے اور ایک مقدس شہر میں داخل ہونے کا حکم ملا، انہوں نے خلاف ورزی کی اس کی یہ سزا دی گئی کہ اسی وادی میں جس کو وادی تیہ کہتے ہیں قید کر دئے گئے اور چالیس سال تک اسی وادی میں بھٹکتے رہے اس سزا کے باوجود حضرت موسیٰ کی برکت سے ان پر قید کے زمانہ میں بھی طرح طرح کے انعامات ہوتے رہے انہی میں سے من وسلویٰ کا انعام تھا۔

قولہ والمنادی مَن وُجِدَ الخ یا بنی اسرائیل میں منادیٰ ہر وہ یہودی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اور ذکر ان نعمتوں کا کیا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود یہودیوں کے آباء واجداد پر جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے گویا کہ یہ تمہید ہے اللہ تعالیٰ کے قول کُلُوا من طیبٰت ما رزقنٰکُمْ الخ کی اس لئے کہ اگر حقیقت میں منادیٰ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے یہود ہوں اور حقیقت میں بھی روئے سخن ان کی طرف ہو تو کلوا من طینت ما رزقنکم الخ کہنا صحیح نہیں رہے گا، اس لئے کہ جو لوگ صدیوں سال پہلے مر چکے ہیں ان کو کھانے پینے کا حکم کرنا اور ان کو سرکشی سے ممانعت کرنا غیر معقول بات ہے۔

وَمَا اَعْجَلَکَ عَنْ قومِکَ جب بنی اسرائیل دریا میں اور فرعون سے نجات پانے کے بعد آگے بڑھے تو ان کا بت پرستوں کی ایک بستی پر گذر ہوا تو ان کی عبادت کا طریقہ ان کو بہت پسند آیا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی کوئی محسوس خدا بنا دیجئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے احمقانہ سوال کے جواب میں فرمایا کہ تم

بڑے جاہل ہو یہ بت پرست تو سب ہلاک ہونے والے ہیں ان کا طریقہ باطل ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ فرمایا کہ اپنی قوم کے ساتھ کوہ طور پر آجائیے تو ہم آپ کو اپنی کتاب تورات عطا کریں گے جو آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے دستور العمل ہوگی، مگر عطائے تورات سے پہلے آپ مسلسل تیس دن کے روزے رکھیں، اور پھر اس مقدار میں دس دن کا اضافہ کر کے چالیس کر دیئے گئے، اس کے بعد موسیٰ کوہ طور کی طرف روانہ ہو گئے اور شوق کی زیادتی کی وجہ سے، اپنی قوم کو یہ تاکیدی وصیت کر کے کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میں آگے جا کر عبادت اور روزوں میں مشغول ہوتا ہوں، جس کی مقدار مجھے تیس روزے بتلائی گئی ہے، میری غیبت میں ہارون میرے نائب اور خلیفہ ہوں گے، حضرت ہارون اور بنی اسرائیل اپنی رفتار سے چلتے رہے اور حضرت موسیٰ جلدی کر کے آگے چلے گئے اور خیال یہ تھا کہ قوم کے لوگ بھی کوہ طور کے قریب ہی پہنچ گئے ہوں گے مگر وہاں سامری کا فتنہ گوسالہ پرستی پیش آگیا جس کی وجہ سے پیچھے پیچھے آنے کا معاملہ رک گیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وَمَا اَعْجَلَكَ عن قومك، مقصد استفہام نہیں ہے گو صیغہ استفہام کا ہے بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ قوم کے ساتھ رہتے اور ان پر نظر رکھتے، آپ کی عجلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس سوال کا جواب سابق میں گذر چکا ہے۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْکُمْ رَبُّکُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۵ ای صِدْقًا انّہٗ یُعْطِیْکُمُ التَّوْرٰۃَ اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ الْعَھْدُ مُدّۃُ مُفَارَقَتِیْ اِیَّاکُم اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ یجب عَلَیْکُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ بِعِبَادَتِکم العِجلَ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ ۝ وَتَرَکْتُم المُجِیْئَ بعدی قَالُوْا مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَکَ بِمَلْکِنَا مُثَلَّثُ المِیْمِ ای بِقُدْرَتِنَا او بِاَمْرِنَا وَلٰکِنَّا حُمِّلْنَا بِفَتْحِ الحَاءِ مُخَفَّفًا وبِضَمِّھَا وکَسْرِ المِیْمِ مُشَدَّدًا اوزارًا اَثْقَالاً مِّنْ زِیْنَۃِ القَوْمِ ای حُلِیِّ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِسْتَعَارَھَا مِنھم بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ بِعِلَّۃِ عُرْسٍ فَبَقِیَتْ عِنْدَھم فَقَذَفْنٰھَا طَرَحْنَاھا فی النَّارِ بامر السَّامِرِیِّ فَکَذٰلِکَ کَمَا اَلْقَیْنَا اَلْقَی السَّامِرِیُّ ۝ ما مَعَہٗ مِنْ حُلِیِّھِم ومن التُّرَابِ الذی اَخَذَہٗ مِنْ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ جِبْرَئِیْلَ عَلَی الوَجْہِ الآتِیْ فَاَخْرَجَ لَھُمْ عِجْلاً صَاغَہٗ لھم مِنَ الحُلِیِّ جَسَدًا لَحْمًا وَدَمًا لَّہٗ خُوَارٌ ای صَوْتٌ یُسْمَعُ ای اِنْقَلَبَ کذٰلِکَ بِسَبَبِ التُّرَابِ الذی اَثَرُہُ الحَیَاۃُ فِیْمَا یُوْضَعُ فیہ وَوَضَعَہٗ بعدَ صَوْغِہٖ فی فَمِہٖ فَقَالُوْا ای السامری واَتْبَاعُہٗ ھٰذَا اِلٰھُکُمْ وَاِلٰہُ مُوْسٰی فَنَسِیَ ۝ موسی رَبَّہٗ ھُنَا وذَھَبَ یَطْلُبُہٗ قال تعالٰی اَفَلَا یَرَوْنَ اَنْ مُخَفَّفَۃٌ من الثَّقِیْلَۃِ واِسْمُھَا مَحْذُوْفٌ ای اَنَّہٗ لَّا یَرْجِعُ العِجلُ اِلَیْھِمْ قَوْلاً ای لا یَرُدُّ لھم جَوَابًا وَّلَا یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا

ای دَفْعَهٗ وَّلَا نَفْعًا ۝ ای فکیف یتخذ الٰھا. ع

تــرجـمـــه

موسیٰ نے کہا اے میری قوم کیا تم سے میرے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ یعنی سچا وعدہ، یہ کہ وہ تم کو تورات عطا کرے گا، کیا تم پر میری جدائی کا زمانہ زیادہ طویل ہوگیا تھا؟ یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واجب ہوجائے تمہارے بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے کہ تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی کہ تم نے میرے پیچھے پیچھے آنے کو ترک کردیا تو انہوں نے کہا ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی مَلْکنَا کے میم میں تینوں حرکتیں درست ہیں، یعنی اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے (خلاف ورزی نہیں کی) لیکن قوم کے زیورات کا بوجھ جو ہم پر لاددیا گیا تھا ہم نے اس کو آگ میں ڈالدیا حَمَلْنَا فتحۂ حا اور فتحۂ میم مخفف کے ساتھ اور حا کے ضمہ اور کسرۂ میم مشدد کے ساتھ یعنی حُمِّلْنَا یعنی فرعون کی قوم (قبط) کے زیورات کا بوجھ جس کو بنی اسرائیل نے قبطیوں سے عید کے موقع پر عاریتاً لے لیا تھا پھر وہ انہی کے پاس رہ گیا، اور ہم نے ان زیورات کو سامری کے کہنے سے آگ میں ڈالدیا پس اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے ڈالا تھا سامری نے بھی جو اس کے پاس ان کے زیورات تھے اور وہ مٹی جو اس نے حضرت جبرائیلؑ کے گھوڑے کے سم کے نیچے سے لے لی تھی (آئندہ) مذکور طریقہ کے مطابق ڈالدی پھر اس نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا بنایا یعنی زیورات کا قالب (ڈھانچہ) بنایا کہ اس کے لئے گوشت اور خون بھی تھا اور اس کی بیل کے مانند آواز بھی یعنی سنی جانے والی آواز اور یہ انقلاب اس مٹی کی وجہ سے ہوا جس کی تاثیر حیات تھی جس میں اس کو ڈالدیا جائے اور اس مٹی کو سامری نے قالب کو ڈھالنے کے بعد اس کے منہ میں ڈالدیا چنانچہ سامری اور اس کے متبعین نے کہا یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا خدا موسیٰ تو اپنے خدا کو یہاں بھول گئے اور اس کو تلاش کرنے چلے گئے کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کو نہیں لوٹا سکتا یعنی ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا اَلَّا (یہ اَنْ اور لا سے مرکب ہے اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی اَنَّهٗ اور نہ ان کے کسی ضرر کا مالک ہے کہ اس کو دفع کرسکے اور نہ نفع کا کہ اس کو حاصل کرسکے پھر کس طرح اس کو معبود بنایا جاسکتا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَنَّهٗ یُعْطِیْکُم التَّوْرَاةَ یہ جملہ یعدُکم کا مفعول ثانی ہے اور کُم مفعول اول ہے اور وعدًا حسنًا مفعول مطلق ہے اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ الْعَھْدُ گؤ پرستی اور میری مخالفت پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا؟ یا تو طویل زمانہ تک میری مفارقت نے حالانکہ ایسا نہیں ہوا یا اس بات نے کہ تمہارا مقصد ہی غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے؟ یہ بھی نامناسب ہے اس لئے کسی

عاقل کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ غضب الٰہی کو دعوت دے، فَاَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِی حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ وعدہ لیا تھا کہ تم میرے پیچھے پیچھے کوہ طور پر آجاؤ گے مگر قوم نے وعدہ خلافی کی اور گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئی **قوله** عَلٰی وجْهِ الآتی اس جملہ کا تعلق ومِنَ التُّرَابِ سے ہے ای القی التراب علٰی وَجْهِ الآتی اور وجہ آتی یہ ہے وَاَلْقِی فیها ای آخذ قُبْضَةً مِن تُرابٍ فَاَخْرَجَ اس کا عطف وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِی پر ہے یہ خدا کا کلام ہے **قوله** جَسَدًا یہ العجل سے حال ہے ای اَخْرَجَ لهم صورةَ عجلٍ حَالَ کَوْنِهَا جَسَدٌ **قوله** لَحْمًا وَدَمًا کا اضافہ اس بات کو بتانے کے لئے کیا ہے کہ جَسَد کہتے ہیں اس کو جو گوشت پوست سے بنا ہو خُوَارٌ بیل کی آواز کو کہتے ہیں یعنی یہ انقلاب ماہیت اس مٹی کے ڈالنے کی وجہ سے ہوئی، بسبب التراب ای بسبب وضع التراب مضاف محذوف ہے مفسر علام کا وضعہٗ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ سبب سے پہلے وضع مضاف محذوف ہے **قوله** فَنَسِیَ اس کا فاعل موسیٰ بھی ہوسکتے ہیں جیسا کہ مفسرؒ نے صراحت کردی ہے لہٰذا یہ سامری کا کلام ہوگا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ موسیٰ اپنے رب کو یہاں بھول گئے ہیں اور اس کو کوہ طور پر تلاش کرنے گئے ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے نَسِیَ کا فاعل سامری ہو اس صورت میں یہ خدا کا کلام ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ سامری اپنے رب کو بھول گیا جس کی وجہ سے اس نے یہ حرکت کر ڈالی، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سامری اس بات پر استدلال کرنا بھول گیا کہ بچھڑا معبود نہیں ہوسکتا اور اس کی دلیل آئندہ آنے والا قول اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ہے اَلَّا اصل میں اَنَّهٗ لَایَرْجِعُ تھا، اَنَّ کو مخفف کرکے اَنْ کیا اور ضمیر اسم کو حذف کردیا اور نون کو لام میں ادغام کردیا اَلَّا ہوگیا بعض حضرات نے یرجعَ نصب کے ساتھ پڑھا ہے مگر اس میں ضعف ہے اس لئے کہ اَن ناصبہ افعال یقین کے بعد واقع نہیں ہوتا اور رویتہٗ پہلی صورت میں علمیہ ہے اور دوسری صورت میں بصریہ دَفْعَةً محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ مضاف محذوف ہے **قوله** جَلْبَهٗ اس سے بھی مضاف محذوف کی طرف اشارہ کرنا ہے **قوله** لایملك لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اس کا عطف لَایَرْجِعُ پر ہے۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا حضرت موسیٰ نے رنج وغم کے عالم میں واپس آکر قوم سے خطاب کیا اول ان کو خدا کا وعدہ یاد دلایا جس کے لئے وہ قوم لیکر طور کی جانب ایمن کی طرف چلے تھے، کہ یہاں پہنچ کر اللہ اپنی کتاب ہدایت عطا فرمائیں گے جس کے ذریعہ دین ودنیا کے تمام مقاصد پورے ہوں گے۔

اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ یعنی اللہ کے اس وعدہ پر کوئی بڑی مدت بھی نہیں گذری کہ جس میں تمہارے بھول جانے کا احتمال ہو یا زمانہ دراز تک وعدہ کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہوگئے ہوں اس لئے مجبوراً دوسرا طریقہ اختیار کرلیا ہو۔

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ الخ یعنی بھول جانے یا انتظار سے تھک جانے کا کوئی احتمال نہیں تو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ تم نے خود ہی اپنے قصد واختیار سے اپنے رب کے غضب کو دعوت دی، اور مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کر بیٹھے قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا وہ یا تو یہ تھا کہ ہم آپ کی واپسی تک اللہ کی عبادت اور اس کی طاعت پر قائم رہیں گے یا یہ وعدہ تھا کہ ہم آپ کے پیچھے پیچھے کوہ طور پر آرہے ہیں لیکن راستہ میں رک کر گوسالہ پرستی شروع کردی۔

قَالُوْا مَا اَخْلَفْنَا الخ لفظ مُلْك دونوں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے گوسالہ پرستی اپنے قصد واختیار سے نہیں کی بلکہ سامری کے عمل کو دیکھ کر ہم مجبور ہوگئے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد تھا وہ خود اپنے ارادہ اور اختیار ہی سے گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوئے تھے، سامری نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ موسیٰ تم سے تیس دن کا وعدہ کرکے گئے تھے اب ان کو زیادہ دن ہوگئے معلوم ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام تم سے ناراض ہوگئے ہیں اور ناراضی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تم جو قبطیوں کا زیور عاریتاً لیکر آئے ہو اور واپس نہیں کیا یہ ان کو پسند نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے لئے یہ مال بالکل حرام ہے لہٰذا تم ایسا کرو کہ یہ مال تم مجھے دیدو میں اس کو جلادوں گا چنانچہ سب نے تمام زیورات سامری کو دیدئے اس نے وہ تمام زیورات ایک گڑھے میں ڈال کر پگھلادئے اپنے پاس جو زیورات تھے وہ بھی اسی میں ڈالدئے اور ساتھ ہی وہ مٹی بھی ڈالدی جو حضرت جبرائیل کے گھوڑے کے پیر کے نیچے سے اٹھائی تھی جس کی وجہ سے وہ بچھڑا بولنے لگا اور اسرائیلیوں نے اس کی پرستش شروع کردی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی میں تاخیر کی اصل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً تیس روزے کوہ طور پر آکر رکھنے کے لئے کہا تھا پھر ان میں دس دن کا اور اضافہ کردیا جس کی وجہ سے واپسی میں تاخیر ہوگئی۔

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَا اَوْزَارًا اَوْزَار وِزْرٌ کی جمع ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں انسان کے گناہ بھی قیامت کے روز اس پر بوجھ بنا کر لادے جائیں گے اس لئے گناہ کو وزر کہا گیا ہے اور زینۃ سے مراد زیور اور قوم سے مراد قبطی، ان زیورات کو اوزار (گناہ) اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ زیورات عاریتاً لئے گئے تھے ان کے مالکوں کو واپس کرنے چاہئے تھے چونکہ واپس نہیں کئے اس لئے ان کو وزر (گناہ) کہا گیا ہے، حدیث فتون میں ہے کہ ہارونؑ نے بھی لوگوں کو زیورات کے گناہ ہونے پر متنبہ کیا تھا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سامری نے اپنا مقصد نکالنے کے لئے وہ ایک گڑھے میں ڈلوا دیا تھا تاکہ اس کو پگھلا کر بچھڑا بنا سکے۔

مسئلہ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کافر نہ مسلمانوں کا ذمی ہے اور نہ ان سے کوئی معاہدہ ہے جن کو فقہاء کی اصطلاح میں کافر حربی کہتے ہیں ان کے اموال تو مسلمانوں کے لئے مباح الاصل اشیاء کی طرح حلال ہیں پھر ہارونؑ نے ان کو وزر کیسے قرار دیا؟ اور ان کو گڑھے میں ڈالنے کا حکم کیسے دیا؟ اس کا ایک جواب تو مشہور ہے جو عامۃ المفسرین

نے لکھا ہے کہ کفار حربی کا مال لینا اگر چہ مسلمان کے لئے جائز ہے مگر وہ مال مال غنیمت کے حکم میں ہے اور مال غنیمت کا حکم شریعت اسلام سے پہلے یہ تھا کہ کافروں کے قبضہ سے نکال لینا تو جائز تھا مگر مسلمان کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں تھا مگر اس مال کو جمع کر کے ٹیلہ وغیرہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی آگ اس کو آکر جلا جاتی تھی یہ ان کے جہاد کے مقبول ہونے کی علامت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔

فائدۂ عظیمہ

فقہی نکتہ نظر سے اس مسئلہ کی تحقیق امام محمدؒ کی کتاب سیر اور اس کی شرح سرخسی میں بیان کی گئی ہے وہ بہت اہم اور اقرب الی الصواب ہے وہ یہ کہ کافر حربی کا مال بھی ہر حال میں مال غنیمت نہیں ہوتا بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ باقاعدہ جہاد وقتال کے ذریعہ بزور شمشیر ان سے حاصل کیا جائے اسی لئے شرح سیر میں مغالبہ بالمحار بہ شرط قرار دیا ہے اور اگر جہاد وقتال کے ذریعہ حاصل نہ ہو اس کو مال غنیمت نہیں کہیں گے بلکہ اس کو مال فئ کہتے ہیں مگر اس کے حلال ہونے میں ان کافروں کی رضا اور اجازت شرط ہے جیسے کوئی اسلامی حکومت ان پر کوئی ٹیکس عائد کر دے اور وہ راضی ہو کر یہ ٹیکس دیدیں تو یہ حلال ہوگا۔

مذکورہ صورت میں قبطیوں سے لئے ہوئے مال مذکورہ دونوں قسموں میں سے ایک قسم میں بھی داخل نہیں ہیں، کیونکہ یہ عاریتاً لئے گئے تھے اس لئے اسلامی شریعت کی رو سے بھی یہ مال ان کے لئے حلال نہ تھا۔

ہجرت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل مکہ کی بہت سی امانتیں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امانتوں کو واپس کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو مکہ میں چھوڑا تھا اور حکم دیا تھا کہ جس کی امانت ہے اس کو واپس کر دی جائے، اس مال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے تحت حلال قرار نہیں دیا۔

فقذفنٰها یعنی ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا، حدیث فتون کی رو سے یہ عمل حضرت ہارونؑ کے حکم سے کیا گیا اور بعض روایات میں ہے کہ سامری نے ان کو بہکا کر زیورات گڑھے میں ڈلوا دیئے، دونوں باتیں جمع ہو جائیں یہ بھی کوئی مستبعد نہیں۔

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ حدیث فتون میں مذکور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ نے جب بنی اسرائیل کے سب زیورات گڑھے میں ڈلوا دیئے اور اس میں آگ جلوا دی تو سامری بھی مٹھی بند کئے ہوئے پہنچا اور حضرت ہارونؑ سے کہا میں بھی ڈال دوں، حضرت ہارونؑ نے یہ سمجھا کہ اس کے ہاتھ میں بھی کوئی زیور ہوگا فرمایا ڈال دو، اس وقت سامری نے حضرت ہارونؑ سے کہا میں جب ڈالوں گا کہ جب آپ یہ دعا کر دیں کہ جو کچھ میں

چاہتا ہوں وہ پورا ہو جائے ہارونؑ کو اس کا کفر و نفاق معلوم نہیں تھا دعا کر دی، اب جو اس نے اپنے ہاتھ سے ڈالا تو وہ زیور کے بجائے مٹی تھی جس کو اس نے جبرائیل امین کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر اٹھالیا تھا کہ جس جگہ اس کا قدم پڑتا ہے وہیں مٹی میں نشو و نما اور آثار حیات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے اس نے یہ سمجھا کہ اس مٹی میں آثار حیات رکھے ہوئے ہیں شیطان نے اس کو اس پر آمادہ کر دیا کہ اس کے ذریعہ ایک بچھڑا زندہ کر کے دکھلا دے، بہر حال مٹی کی یا حضرت ہارونؑ کی دعا کی تاثیر سے یہ بچھڑا بن کر بولنے لگا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ سامری نے پگھلے ہوئے زیورات کا بچھڑے کا ایک ڈھانچہ بنا دیا تھا اس کے بعد جبرائیلؑ کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی ڈالنے کی وجہ سے اس میں جان پیدا ہو گئی اور وہ بیلوں کی طرح بولنے لگا، یہ روایات قرطبی میں مذکور ہیں اور ظاہر ہے کہ اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر ان کو غلط کہنے کی بھی دلیل موجود نہیں۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُوْنُ مِنْ قَبْلُ اى قَبْلِ اَنْ يَّرْجِعَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِىْ فِى عِبَادَتِهٖ وَاَطِيْعُوْا اَمْرِىْ۝ فيها قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ نَزَالَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ على عِبَادَتِهٖ مُقِيْمِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى۝ قَالَ مُوْسٰى بَعْدَ رُجُوْعِهٖ يٰا هٰرُوْنُ مَامَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا بعِبَادَتِهِ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط لا زَائِدَةٌ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ۝ باِقَامَتِكَ بَيْنَ مَنْ يَّعْبُدُ غَيْرَ اللّٰهِ قَالَ هٰرُوْنُ يَابْنَ اُمَّ بِكَسْرِ الْمِيْمِ وفَتْحِها اَرَادَ اُمِّىْ وذِكْرُهَا اَعْطَفُ لِقَلْبِه لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِىْ وكَانَ اَخَذَهَا بِشِمَالِهٖ وَلَا بِرَاْسِىْ ۚ وكَانَ اَخَذَ شَعْرَهُ بِيَمِيْنِه غَضَبًا اِنِّىْ خَشِيْتُ لو اتَّبَعْتُكَ ولَابُدَّ اَنْ يَّتْبَعَنِىْ جَمْعٌ مِمَّنْ لم يَعْبُدِ العِجْلَ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ وتَغْضِبَ عَلَىَّ وَلَمْ تَرْقُبْ تَنْتَظِرْ قَوْلِىْ فيما رَاَيْتَه فى ذٰلك قَالَ فَمَا خَطْبُكَ شَاْنُكَ الدَّاعِىْ اِلٰى مَا صَنَعْتَ يٰسَامِرِىُّ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِه بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اى عَلِمْتُ مَالَمْ يَعْلَمُوْهُ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ تُرَابِ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ جِبْرَئِيْلَ فَنَبَذْتُهَا اَلْقَيْتُهَا فى صُوْرَةِ العِجْلِ المُصَاغِ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ زَيَّنَتْ لِىْ نَفْسِىْ۝ واُلْقِىَ فِيْها اَنْ اَخُذَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ مَا ذُكِرَ واُلْقِيَهاعلى مالا رُوْحَ لَهٗ يَصِيْرُ له رُوْحٌ ورَاَيْتُ قومَكَ طَلَبُوْا مِنْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ اِلٰهًا فَحَدَّثَتْنِىْ نَفْسِىْ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلكَ العِجْلُ اِلٰهَهُمْ قَالَ له مُوْسٰى فَاذْهَبْ مِن بَيْنِنا فَاِنَّ لَكَ فِى الْحَيٰوةِ اى مُدَّةِ حَيَاتِكَ اَنْ تَقُوْلَ لِمَنْ رَاَيْتَهُ لَا مِسَاسَ ص اى لَا تَقْرَبْنِىْ فكَانَ يَهِيْمُ فى البَرِيَّةِ واِذَا مَسَّ اَحَدًا او مَسَّهُ اَحَدٌ حُمَّا جَمِيْعًا وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لعَذَابِكَ لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ بكَسْرِ اللَّامِ اى لَنْ تَغِيْبَ عَنْه وبفَتْحِها اى بل تُبْعَثُ اليه وَانْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ اَصْلُهُ ظَلِلْتَ بِلَامَيْنِ

اُولٰهما مَكْسُوْرَةٌ وحُذِفَتْ تَخْفِيْفًا اى دُمْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ط اى مُقِيْمًا تَعْبُدُه لَنُحَرِّقَنَّهٗ بالنار ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا○ لَنُذْرِيَنَّهٗ فى هَوَاءِ البَحْرِ وفَعَلَ مُوْسٰى بَعْدَ ذَبْحِهٖ مَا ذَكَرَه اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا○ تَمييْزٌ مُحَوَّلٌ مِنَ الفَاعِلِ اى وَسِعَ عِلْمُهٗ كُلَّ شيْءٍ كَذٰلِكَ اى كما قَصَصْنا عَلَيْكَ هٰذِهِ القِصَّةَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ اَخْبَارِ مَا قَدْ سَبَقَ ج مِنَ الاُمَمِ وَقَدْ آتَيْنَاكَ اَعْطَيْنَاكَ مِنْ لَّدُنَّا مِنْ عِنْدِنَا ذِكْرًا○ قُرْآنًا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمْ يُؤْمِنْ به فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ القِيٰمَةِ وِزْرًا لا حِمْلًا ثَقِيْلًا مِنَ الاِثْمِ خَالِدِيْنَ فِيْهِ ط اى فى عَذَابِ الوِزْرِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ القِيٰمَةِ حِمْلًا لا○ تَمييْزٌ مُفَسِّرٌ لِلضَّمِيْرِ فى سَاءَ وَالمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تقدِيْرُهٗ وِزْرُهُمْ واللام لِلْبَيَانِ ويُبْدَلُ مِنْ يَوْمَ القِيٰمَةِ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ القَرْنِ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ وَنَحْشُرُ المُجْرِمِيْنَ الكٰفِرِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا لا○ عُيُوْنُهُمْ مَعَ سَوَادِ وُجُوْهِهِمْ يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ يَتَسَارُّوْنَ اِنْ ما لَبِثْتُمْ فى الدُّنْيَا اِلَّا عَشْرًا○ مِنَ اللَّيَالِى بِاَيَّامِهَا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فيه ذٰلك اى لَيْسَ كما قَالُوْا اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ اَعْدَلُ لَهُمْ طَرِيْقَةً فيه اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ع○ يَسْتَقِلُّوْنَ لُبْثَهُمْ فى الدُّنْيَا جِدًّا لِمَا يُعَايِنُوْنَهٗ فِى الآخِرَةِ من اَهْوَالِهَا . ع

ترجمہ

اور ہارون علیہ السلام نے ان سے پہلے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے سے پہلے کہہ دیا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کر دئیے گئے ہو اور بلاشبہ تمہارا رب تو رحمن ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرنے میں میری اتباع کرو اور عبادت کے معاملہ میں میری بات مانو ان لوگوں نے جواب دیا ہم تو اسی پر جمے رہیں گے یعنی اسی کی عبادت پر قائم رہیں گے موسیٰ کے ہمارے پاس واپس آنے تک موسیٰ علیہ السلام نے واپسی کے بعد فرمایا اے ہارون جب تم نے ان کو دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے تو میرے پاس چلے آنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اَلَّا تَتَّبِعَنِ میں لا زائدہ ہے سو کیا تو نے میرے کہنے کے خلاف کیا؟ غیر اللہ کی بندگی کرنے والوں میں مقیم رہ کر ہارون علیہ السلام نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی میری ڈاڑھی نہ پکڑ یا ابن اُمِّ میم پر کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے اور اُم سے مقصد اُمّی ہے (ی حذف کر دی گئی ہے یعنی منادی مرخم ہے) اور یا اُمّ کا ذکر کرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کو زیادہ مہربان کرنے والا ہے، نہ یہ کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے ماں شریک (اخیافی) بھائی تھے اور (موسیٰ) نے اپنے بائیں ہاتھ سے ڈاڑھی پکڑ لی تھی اور نہ سر کے (بال) پکڑ اور موسیٰ نے غصہ میں اپنے داہنے ہاتھ سے ان کے سر کے

بال پکڑ لئے تھے مجھے تو یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ اگر میں آپ کے پیچھے چلا آتا تو ضروری بات تھی کہ ایک جماعت جس نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی میرے ساتھ آتی تو آپ کہتے ہیں کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈالدیا اور آپ مجھ پر غصہ ہوتے اور تو نے میری بات کا لحاظ نہ رکھا اس معاملہ میں جو تو نے دیکھا (یعنی میں اصلاح کے لئے کہہ کر گیا تھا اور تو نے قوم میں تفریق ڈالدی) (پھر موسیٰ علیہ السلام اصل مجرم) کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے تو سامری نے جواب دیا مجھے وہ چیز نظر آئی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی تَبْصُرُوْا یا اور تا کے ساتھ ہے یعنی جو بات میرے علم میں آئی دوسروں کے علم میں نہیں آئی پھر میں نے اس فرستادے (یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے) نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک) بھر لی پھر میں نے وہ مٹھی خاک اس ڈھلے ہوئے بچھڑے کے قالب میں ڈالدی اور میرے دل کو یہی بات پسند آئی اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں مذکورہ خاک میں سے ایک مٹھی خاک لوں اور اس ایک مٹھی خاک کو اگر بے جان چیز میں ڈالدوں تو اس میں جان پڑ جائے گی اور میں نے تیری قوم کو دیکھا تھا کہ اس نے تجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ تو ان کے لئے کوئی معبود بنادے تو میرے دل نے مجھے سمجھایا کہ یہ بچھڑا ان کا معبود ہوسکتا ہے موسیٰ نے فرمایا تو ہمارے درمیان سے چلا جا دنیوی زندگی میں تیری یہ سزا ہے کہ تو زندگی بھر ہر اس شخص سے جس کو تو دیکھے گا کہے گا کہ مجھے نہ چھونا یعنی میرے قریب نہ آنا چنانچہ وہ جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا تھا اور جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا یا اسے کوئی چھو لیتا تھا تو دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے اور ایک وعدہ تیرے لئے عذاب کا اور ہے تو ہرگز نہ بچے گا تخلفہٗ لام کے کسرہ کے ساتھ یعنی تو اس سے نہ بچ سکے گا، اور فتحہ لام کے ساتھ یعنی تجھ کو اس عذاب تک ضرور پہنچایا جائے گا اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ کہ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا ظَلْتَ اس کی اصل ظَلِلْتَ دو لاموں کے ساتھ تھی اول ان میں کا مکسور جس کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور معنی اس کے دُمْتَ کے ہیں یعنی تو اس کی بندگی میں ہمیشہ لگا رہا ہم اس کو آگ میں جلا دیں گے اور پھر ہم اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں اڑا دیں گے یعنی اس کو ہم دریا کی فضا میں اڑا دیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ذبح کرنے کے بعد ایسا ہی کیا پس تمہارا معبود (حقیقی) تو اللہ ہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا علم ہر شئ کو حاوی ہے عِلْمًا تمیز ہے فاعل سے منقول ہوئی ہے (اور تقدیر عبارت یہ ہے) ای وَسِعَ علمُهٗ كلَّ شيٍ یعنی جس طرح ہم نے آپ کو یہ قصہ سنایا ہم اسی طرح آپ کو سابقہ امتوں کی خبریں بھی سناتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ یعنی قرآن دیا ہے اور جو شخص اس سے اعراض کرے گا اس پر ایمان نہ لائے گا تو وہ قیامت کے دن گناہوں کا بڑا بھاری بوجھ اٹھائے گا اور وہ گناہوں کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ ان کے لئے قیامت کے روز برا ہوگا حِمْلاً تمیز ہے جو کہ ساءَ کی ضمیر کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اس کی تقدیر وِزْرُهم ہے اور (لَهُم) میں لام بیانیہ ہے اور یومَ یُنفخ فی الصُّورِ یوم القیامة سے بدل ہے (اور صور سے مراد) سینگ ہے اور نفخ سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے اور ہم اس روز مجرموں کافروں کو جمع کریں گے اس حال

میں کہ وہ گربہ چشم ہوں گے یعنی ان کے چہروں کے سیاہ ہونے کے ساتھ ان کی آنکھیں بھی کنجی (نیلی) ہوں گی آپس میں خفیہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ دنیا میں صرف دس دن رات رہے ہو گے ہم خوب جانتے ہیں قیام کی اس (مدت) کو جس قیام کی مدت کے بارے میں یہ دس دن کی بات کہیں گے یعنی بات ایسی نہیں ہے جو یہ کہیں گے جبکہ ان میں کا اس معاملہ میں سب سے زیادہ صائب الرائے یوں کہے گا کہ تم تو صرف ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو یہ لوگ دنیا میں اپنے قیام کی مدت کو نہایت قلیل سمجھیں گے جب آخرت میں اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کریں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُون ولقد میں لام قسمیہ ہے ای وَاللّٰہِ لَقَد نَصَحَ هارون ونبّه علی حقیقة الأمر من قبلَ رجوع موسٰی اِلَیهِمْ **قولہ** اِنَّما فُتِنْتُمْ به یعنی تم بچھڑے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا کردیئے گئے ہو اِنَّما کلمہ حصر سے جو حصر مستفاد ہو رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بچھڑا تمہارے فتنہ کا سبب بنا ہے، نہ کہ ہدایت کا، یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بچھڑے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہو نہ کسی اور وجہ سے رَبَّکم الرحمٰن یہاں خاص طور پر رحمٰن کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ اگر صدق دل سے توبہ کر لی جائے تو وہ توبہ قبول کر لیتا ہے اس لئے کہ وہ رحمٰن ہے **قولہ** اَنْ لَّا تَتَّبِعَنِیْ لا زائدہ ہے جیسا کہ اَن لا تَسْجُدَ میں لا زائدہ ہے تاکید کے لئے ہے اَنْ لَّا تَتَّبِعَنِیْ، مَنَعَ کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور مَنَعَكَ میں کاف مفعول اول ہے اِذْ رَاَیْتَهُمْ منع کا ظرف ہے ای اَیُّ شئٍ مَنَعَكَ حِیْنَ رُؤیَتِكَ لِضَلَالِهِمْ مِنْ اِتباعِی **قولہ** اَفَعَصَیْتَ میں ہمزہ استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے اور فاء عاطفہ مقدر پر عطف کے لئے ہے **قولہ** وکان اَخَذَ شعرَهٗ ای شعرَ راسِهٖ ولم ترقبْ کا عطف ان نقولَ پر ہے یعنی اس ڈر سے کہ تو کہے گا کہ میں نے قوم میں تفریق کر دی اور اس ڈر سے کہ تو کہے گا کہ تو نے میری بات کا پاس لحاظ نہیں کیا **قولہ** بالیاء ای لم یَبْصُرُوْا ای بنو اسرائیل وبالتاء ای اَنْتَ وقومكَ **قولہ** المصاغ الاصح المصوغ کما فی بعض النسخ **قولہ** فَقَبَضْتُ قبضًا معنی مٹھی بھرنا، اور بعض نسخوں میں فَقَبَصْتُ قبصًا صاد مہملہ کے ساتھ ہے چٹکی بھرنا **قولہ** من اثر الرسول ای من محل اثر حافر فرس الرسول یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے نقش قدم کی جگہ سے **قولہ** وَاُلْقِیَ فیها اس کا سَوَّلَتْ لِیْ نفسِی پر عطف تفسیری ہے یعنی میرے نفس نے مجھے یہ بات سجھائی اور میرے قلب میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں اس مٹی میں سے ایک چٹکی اس میں ڈال دوں تو اس بے جان میں جان پڑ جائے گی **قولہ** لا مِسَاس یہ باب مفاعلہ کا مصدر منصوب ہے یعنی نہ کوئی تجھے چھوئے اور نہ تو کسی کو چھوئے **قولہ** وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا

مَوْعِدًا مصدر ہے اور معنی میں وَعْدًا کے ہے **قولہ** نَنْسِفَنَّہٗ جمع متکلم مضارع بانون تاکید ثقیلہ ہم اس کو ہوا میں ضرور اڑا دیں گے (ض) **قولہ** اِنَّمَا اِلٰھُکم اللّٰہ الخ یہ جملہ مستانفہ ہے اور یہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا اختتام ہے **قولہ** کذٰلِکَ نقص عَلَیکَ الخ یہ بھی جملہ مستانفہ ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تکثیر معجزات کے لئے ہے کَذٰلِکَ نَقُصُّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای نقص قصصًا کذٰلک **قولہ** مَنْ اَعْرَضَ عنہٗ کی تفسیر فلم یومن بہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں اعراض سے مراد انکار ہے **قولہ** فیہِ ای فِی عذاب الوزر اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے **قولہ** خالدین یحملُ کی ضمیر سے حال ہے جو کہ مَن کی طرف لوٹ رہی ہے یحمل میں لفظ اور خالدین میں مَن کے معنی کی رعایت سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے **قولہ** زُرْقًا یہ المجرمین سے حال ہے ازرق کی جمع ہے صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں گربہ چشم جسے کنجا کہتے نیلی آنکھوں والا، یتخافتون زُرقًا کی ضمیر سے حال ہے **قولہ** اَعْدَلُھُمْ اَعْدَل سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والا، یہ صحیح رائے اقرب الی الصواب کے اعتبار سے نہیں کہا ہے، بلکہ اقرب الی الہول کے اعتبار سے اَعْدَل کہا ہے یعنی اس کے قول میں اس دن کی ہولناکی کا زیادہ اظہار ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ قَالَ لَھُمْ ھارونُ جب بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کی خلافت و نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے قوم کو بڑے حکیمانہ انداز سے سمجھایا، حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر تشریف لیجانے کے بعد قوم تین فرقوں میں تقسیم ہو گئی ایک فرقہ حضرت ہارونؑ کے ساتھ رہا، گوسالہ پرستی کو گمراہی سمجھا ان کی تعداد بارہ ہزار بتلائی گئی ہے (کذا فی القرطبی) باقی دو فرقے گوسالہ پرستی میں تو مبتلا ہو گئے مگر فرق اتنا رہا کہ ایک فرقہ نے کہا کہ اگر موسیٰ آ کر منع کریں گے تو ہم باز آ جائیں گے مگر تیسرا فرقہ گوسالہ پرستی پر اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی منع کریں گے تو ہم نہیں چھوڑیں گے بلکہ موسیٰ بھی اسی گوسالہ کو اپنا معبود بنالیں گے ہارونؑ نے جب ان دونوں فرقوں کا یہ جواب سنا تو اپنے ہم عقیدہ بارہ ہزار لوگوں کو لیکر ان سے الگ تو ہو گئے مگر رہنے اور قیام کی جگہ وہی رہی گویا کہ تینوں فرقوں میں اشتراک مکانی باقی رہا حضرت موسیٰ نے آ کر اولاً تو بنی اسرائیل کو خطاب کیا جس کی تفصیل سابقہ آیات میں گذر چکی ہے پھر حضرت ہارونؑ کی طرف متوجہ ہو کر ان پر سخت ناراضی کا اظہار کیا حتی کہ ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے اور فرمایا جب ان بنی اسرائیل کو تم نے دیکھ لیا کہ گمراہی اور شرک میں مبتلا ہو گئے تو تم نے میرا اتباع کیوں نہیں کیا؟ اور میرے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی؟

مَا مَنَعَکَ اِذْ رَاَیْتَھُمْ الخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اتباع سے مراد یہ

کہ جب تم نے قوم کی حالت دیکھی تو تم کو کوہ طور پر میرے پاس آنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اور بعض مفسرین نے اتباع سے یہ مراد لی ہے کہ جب بنی اسرائیل گمراہ ہو گئے تھے تو تم نے ان کا مقابلہ کیوں نہیں کیا اس لئے کہ اگر میں موجود ہوتا تو یقیناً ان سے جہاد کرتا جب تم میرے نائب اور خلیفہ تھے تو تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ حضرت ہارونؑ نے ادب کی پوری رعایت رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرم کرنے کے لئے یا ابن اُمّ سے خطاب فرمایا اور کہا میں آپ کا بھائی ہی تو ہوں کوئی غیر یا دشمن تو نہیں ہوں اس لئے آپ پہلے میرا عذر سنیں اس کے بعد حضرت ہارونؑ نے عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنِّی خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ الخ مجھے خطرہ یہ ہو گیا کہ اگر آپ کی آمد سے پہلے ان لوگوں کے ساتھ مقابلہ ومقاتلہ کرنے پر اقدام کرتا یا ان کو چھوڑ کر بارہ ہزار ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیکر آپ کے پاس آ گیا ہوتا تو بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا ہو کر خانہ جنگی کی شکل پیدا ہو جاتی، اور آپ نے چلتے وقت مجھے یہ ہدایت فرمائی تھی اَخلفنی فی قومی و اصلح، میں اس اصلاح کا مقتضا یہ سمجھا تھا کہ ان میں تفرقہ پیدا نہ ہونے دوں ممکن ہے کہ آپ کے واپس آنے کے بعد یہ سب سمجھ جائیں اور ایمان اور توحید پر واپس آ جائیں، قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۂ اعراف میں حضرت ہارونؑ کے عذر میں یہ قول بھی آیا ہے اِنَّ القومَ استضعفونی و کادوا یقتلوننی یعنی بنی اسرائیل نے مجھے کمزور سمجھا اس لئے کہ میرے ساتھی دوسروں کے مقابلہ میں بہت کم تھے قریب تھے کہ مجھے قتل کر دیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ نے اپنی ذمہ داری پوری طرح نبھائی اور قوم کو سمجھانے میں کسی مداہنت یا سستی سے کام نہیں لیا لیکن معاملہ کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے، کیونکہ ہارونؑ کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل دو گروہوں میں بٹ جاتے حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ خود موقعہ پر موجود نہیں تھے اس لئے صورت حال کی نزاکت ان کے سامنے نہیں تھی اس پر حضرت موسیٰ نے حضرت ہارونؑ کو سخت سست کہا لیکن پھر اصل دشمن کی طرف متوجہ ہوئے، مذکورہ دونوں عذر ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ عذر سنا تو ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور اصل مجرم اور فساد کے بانی سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ اور فرمایا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو سامری نے جواب دیا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی اس سے مراد جبرائیلؑ ہیں، سامری حضرت جبرائیلؑ کو پہچانتا تھا اس لئے کہ سامری بھی اسی سال پیدا ہوا تھا جس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور وہ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے کا سال تھا، سامری کی والدہ نے جلادوں کے قتل کے ڈر سے پہاڑ کی ایک غار میں چھپا دیا تھا وہاں حضرت جبرائیلؑ نے اس کی پرورش فرمائی تھی جس کی وجہ سے سامری حضرت جبرائیلؑ سے مانوس تھا (کمافی روایت ابن عباسؓ ملخصاً) چنانچہ جب جبرائیلؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو سامری نے پہچان لیا اور ان کے گھوڑے

کے نقشِ قدم سے اس کی عجیب وغریب تاثیر دیکھ کر ایک مٹھی خاک اٹھالی اور اس کی عجیب وغریب تاثیر سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ اگر اس کو بے جان شیٔ میں ڈالدیا جائے تو اس میں جان پڑ جائے گی چنانچہ بنی اسرائیل سے حاصل کردہ زیورات سے جو بچھڑے کا ایک ڈھانچہ (قالب) تیار کیا تھا اس کے منہ میں اس خاک میں سے ایک چٹکی خاک ڈالدی جس کی وجہ سے وہ بچھڑے کی طرح بولنے لگا، یہ پوری تفصیل روح المعانی سے ملخصاً ماخوذ ہے، اور اس تفسیر پر ظاہر پرستوں نے جو اعتراضات کئے ہیں ان سب کا جواب بھی مذکور ہے۔

فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے لئے دنیوی زندگی میں یہ سزا تجویز کی کہ سب لوگ اس سے بائی کاٹ (مقاطعہ) کریں کوئی شخص بھی اس سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھے، مذکورہ سزا ہوسکتا ہے کہ موسیٰ نے قانونی طور پر نافذ کی ہو جس کی پابندی ہر شخص پر ضروری ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعاء سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی ہو کہ نہ وہ کسی کو چھو سکے اور نہ دوسرا اس کو چھو سکے، چنانچہ حضرت موسیٰ کی بددعاء سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ اگر یہ کسی کو ہاتھ لگادے یا کوئی دوسرا اس کو ہاتھ لگادے تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا اس ڈر اور خوف کی وجہ سے وہ انسانوں سے دور جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی شخص کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتا تو دور ہی سے چلانے لگتا تھا لَا مِسَاسَ یعنی کوئی مجھے نہ چھوئے۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ یعنی ہم اس کو آگ میں جلادیں گے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بچھڑا سونے چاندی کے زیورات کا ڈھلا ہوا تھا تو اس کو آگ میں جلانے کی کیا صورت ہوگی، جواب یہ ہے کہ اولاً تو خود اس بات میں اختلاف ہے کہ بچھڑے میں آثار حیات پیدا ہونے کے بعد بھی وہ چاندی سونے ہی کا رہا یا اس کی حقیقت تبدیل ہوکر گوشت پوست اور خون کا بن گیا (جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے) تب تو اس کے جلانے کا مطلب ظاہر ہے اور اگر وہ چاندی سونے ہی کا رہا تو اس کے جلانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کو سوہان سے گھس کر ذرہ ذرہ کردیا جائے گا، یا کسی اکسیری (کیمیاوی) دوا کے ذریعہ اس کو خاکستر کردیا جائے گا جیسا کہ زمانہ قدیم سے سونے اور چاندی بلکہ ہر دھات کو کشتہ کرکے خاک کردی جاتی ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ اس صورت میں اصل بیان توحید، رسالت اور آخرت کے مسائل کا ہے، انبیاء علیہم السلام کے واقعات اسی سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں حضرت موسیٰ کا قصہ بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے اس کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات بھی ہے اسی اثبات کا یہ حصہ بھی ہے، جو آئندہ آیات میں بیان ہوا ہے کہ ان واقعات اور قصص کا اظہار ایک نبی امی کی زبان سے خود دلیل نبوت ورسالت ہے جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کے گذرے ہوئے لوگوں کے قصے اور وارداتیں بیان فرما رہے ہیں تاکہ آپ لوگوں کو سنائیں اور وہ آپ کے لئے دلیل نبوت ثابت ہوں اس لئے کہ ہزارہا سال پہلے کے واقعات کا علم صرف وحی الٰہی ہی کے

ذریعہ ہوسکتا ہے خاص طور پر ایک امی شخص کو۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ كَيْفَ تَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقُلْ لَهُمْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا بان يُفتّتها كالرَّملِ السَّائِلِ ثم يَطِيْرُها بالرِّيَاحِ فَيَذَرُهَا قَاعًا مُنْبَسِطًا صَفْصَفًا مُسْتَوِيًا لَّاتَرٰى فِيْهَا عِوَجًا اِنْخِفَاضًا وَّ لَآ اَمْتًا○ اِرْتِفاعًا يَوْمَئِذٍ اى يَوْمَ اِذَا نُسِفَتِ الْجِبَالُ يَتَّبِعُوْنَ اى النَّاسُ بَعْدَ القِيَامِ مِنَ الْقُبُوْرِ الدَّاعِيَ الى الْمَحْشَرِ بِصَوْتِهِ وهو اِسْرَافِيْلُ يَقُوْلُ هَلُمُّوْا الى عَرْضِ الرَّحْمٰنِ لَا عِوَجَ لَهٗ اى لِاتِّبَاعِهِمْ اى لا يَقْدِرُوْنَ ان لا يَتَّبِعُوْا وَخَشَعَتِ سَكَنَتْ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا○ صَوْتَ وَطْيِ الْاَقْدَامِ فِى نَقْلِهَا الى الْمَحْشَرِ كَصَوْتِ اَخْفَافِ الْإِبِلِ فِى مَشْيِهَا يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اَحَدًا اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ اَنْ يَّشْفَعَ لَهٗ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا○ بِاَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ من امور الآخِرةِ وَمَا خَلْفَهُمْ من اُمُوْرِ الدُّنْيَا وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا○ لَايَعْلَمُوْنَ ذٰلك وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ خَضَعَتْ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ اى اللّٰهِ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا○ شِرْكًا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ الطَّاعَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا بِزِيَادَةٍ فِى سَيِّاٰتِهٖ وَّلَا هَضْمًا○ بِنَقْصٍ مِّنْ حَسَنَاتِهٖ وَكَذٰلِكَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى كَذٰلِكَ نَقُصُّ اى مِثْلَ اِنْزَالِ مَاذُكِرَ اَنْزَلْنٰهُ اى الْقُرْاٰنَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا كَرَّرْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ الشِّرْكَ اَوْ يُحْدِثُ الْقُرْآنُ لَهُمْ ذِكْرًا○ بِهَلَاكِ مَنْ تَقَدَّمَهُمْ مِنَ الْاُمَمِ فَيَعْتَبِرُوْنَ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ عَمَّا يَقُوْلُ الْمُشْرِكُوْنَ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ اى بِقِرَاءَتِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ اى يَفْرُغَ جِبْرِيْلُ مِنْ اِبْلَاغِهٖ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا○ اى بِالْقُرْآنِ فَكُلَّمَا اُنْزِلَ عَلَيْه شَيْءٌ مِنْه زَادَ بِه عِلْمُه وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ وَصَّيْنَاه اَنْ لَّا يَاْكُلَ مِنَ الشَّجَرَةِ مِنْ قَبْلُ اى قَبْلَ اَكْلِه مِنها فَنَسِيَ تَرَكَ عَهْدَنَا وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا جَزْمًا وَصَبْرًا ع عَمَّا نَهَيْنَاهُ عَنْهُ

ترجمہ

اور (بعض) لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ فرما دیجئے میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں منتشر کر دے گا اس طریقہ سے کہ (اولاً) ان کو ریگ رواں کے مانند ریزہ ریزہ کرے گا پھر ان کو ہوا کے ذریعہ اڑا دے گا، پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر کے رکھ دے گا کہ اے (مخاطب) تو اس میں نشیب و فراز نہ دیکھے گا اس دن یعنی جس دن پہاڑ ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے تو لوگ قبروں سے

نکلنے کے بعد محشر کی جانب بلانے والے کی آواز کے پیچھے ہولیں گے اور وہ (داعی) اسرافیل ہیں، کہیں گے رحمٰن کے سامنے پیش ہونے کے لئے آؤ اس میں کوئی کجی نہ ہوگی یعنی ان کی اتباع میں، مطلب یہ کہ کسی کو اتباع نہ کرنے پر قدرت نہ ہوگی اور تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہوجائیں گی تو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا (یعنی) محشر کی جانب چلنے کی رگڑ کی آواز کے علاوہ جیسا کہ چلتے وقت اونٹوں کے قدموں کی آواز ہوتی ہے اس دن کسی کو سفارش فائدہ نہ دے گی، بجز اس شخص کے کہ جس کے لئے (سفارش) کی رحمٰن نے اجازت دیدی ہو اور اس کی بات کو پسند کیا ہو اس طرح کہ وہ لاالٰہ الا اللہ کہے وہ جانتا ہے آنے والے آخرت کے تمام امور کو اور دنیا کے گذرے ہوئے تمام امور کو اور اس کی معلومات کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا یعنی ذات خداوندی کا کوئی علمی احاطہ نہیں کر سکتا اور (اس دن) الحی القیوم یعنی اللہ کے سامنے تمام چہرے جھکے ہوئے ہوں گے، اور ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم شرک لیکر آئے گا اور جس نے نیک اعمال کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو ظلم کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا بایں طور کہ اس کے گناہوں میں اضافہ کردیا جائے اور نہ نقصان کا بایں طور کہ اس کی نیکیوں میں کمی کردی جائے اور اسی طرح اس کا عطف کذٰلك نقصُّ پر ہے، یعنی ما سبق میں مذکور نازل کرنے کے مانند اس قرآن کو عربی کا قرآن نازل کیا اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعیدیں بیان کیں تاکہ وہ شرک سے ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے گذشتہ قوموں کی ہلاکت سے نصیحت (کا سامان) پیدا کرے جس سے یہ لوگ عبرت حاصل کریں سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے ان باتوں سے برتر ہے جو یہ مشرک کہتے ہیں اور آپ قرآن پڑھنے میں اس کے آپ پر مکمل ہونے سے پہلے جلدی نہ کیجئے یعنی جبرائیلؑ کے نازل کرنے سے فراغت سے پہلے اور یہ دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے یعنی قرآن کے ذریعہ چنانچہ جب بھی آپ پر قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوتا ہے تو اس سے آپ کے علم میں اضافہ ہوتا اور ہم نے پہلے ہی یعنی کھانے سے پہلے آدم کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھائیں تو آدم بھول گئے اور ہمارے عہد سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان کو پختہ ارادہ والا نہ پایا یعنی جس چیز سے ہم نے ان کو روکا تھا (اس میں) پختہ اور صابر نہ پایا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ نَسْفًا مصدر (ض) بکھیر کر اڑا دینا صَفْصَفًا چٹیل میدان، ہموار زمین (اسم) اَمْتًا ٹیلہ، نشیب وفراز **قولہ** ویسئلونَك عنِ الجِبَالِ ای حال الجبال مضاف محذوف ہے، مفسر علام نے کیف تکون سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ سوال شئ سے نہیں بلکہ اس کے احوال سے ہوا کرتا ہے، بعض حضرات نے بطور استہزاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روز قیامت پہاڑوں کی حالت کے بارے میں سوال کیا تھا جیسا کہ ابن منذر اور ابن جریج نے

کہا کہ بعض قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا تھا کہ قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ تو اس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی فقل میں فاء شرط مقدر کے جواب میں ہے ای اِن سالوك فقل اس صورت میں کسی سائل کے سوال کا جواب نہ ہوگا فَیَذَرُھا کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ۱ یہ کہ جبال کی طرف راجع ہو اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا ای وبذرُ مراکز الجبال ۲ یہ کہ ھا ضمیر ارض کی طرف راجع ہو جو کہ صراحتاً ماقبل میں مذکور نہیں ہے مگر دلالت حال کی وجہ سے مقدر مان لیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ کے قول مَاتَرَكَ علی ظھرِھا من دابّةٍ قاعًا، یذرُھا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور یَذَرُ تَصِیْرُ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہوگا ھا ضمیر مفعول اول ہے، قاعًا حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے اس صورت میں صفصفًا قاعًا کی صفت اول ہوگی اور لا تریٰ فیھا عِوَجًا قاعًا کی صفت ثانی ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے **قوله** الداعی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی سے مراد حضرت اسرافیل ہیں جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی حضرت جبرائیل ہوں گے یہی قول راجح ہے البتہ نافخ حضرت اسرافیل ہوں گے لَا عِوَجَ لَهٗ لَهٗ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں ۱ مرجع اتباع مصدر محذوف ہے جو کہ یتبعون سے مفہوم ہے ۲ ضمیر داعی کی طرف راجع ہے یعنی داعی کی دعوت میں کوئی کجی نہیں ہوگی بلکہ تمام مخلوق بآسانی سنے گی ۳ کلام میں قلب ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے لاعِوَج لھم عنہُ **قوله** ھمسًا ھمس پست آواز **قوله** اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرحمن اس میں تین صورتیں ہیں ۱ مَنْ منصوب ہے تَنْفَعُ کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ۲ محل میں رفع کے ہے اور شفاعۃ سے بدل ہے اس صورت میں حذف مضاف ضروری ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی لاتنفع الشفاعة اِلا شفاعةُ مَنْ اَذِنَ لهٗ ۳ شفاعۃ سے استثناء ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اس صورت میں مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں ہوسکتا ہے **قوله** لا یعلمون مفسر علام نے اس کلمہ سے اشارہ کر دیا کہ علمًا مفعول مطلق ہے اور یُحِیْطُون یعلمون کے معنی میں ہے ای لایعلمون علمًا اور اگر یحیطون اپنے معنی میں ہو تو علمًا نسبت سے تمیز بھی ہوسکتا ہے **قوله** وَعَنَتْ (ن) عَنْوًا ذلیل ہونا پست ہونا **قوله** وَقد خابَ حال بھی ہوسکتا ہے اور جملہ مستانفہ بھی **قوله** ھَضْمًا (ض) ھَضْمًا توڑنا، کم کرنا **قوله** کذلك اَنْزَلْناهُ کاف مصدر محذوف کی صفت ہے اَیْ انزلناهُ انزالًا مثلَ ذٰلِكَ **قوله** عَزْمًا ای جزمًا پختہ ارادہ عزمًا ، نَجِدْ بمعنی نَعْلَمُ کا مفعول ہے **قوله** لَهٗ یا تو عَزْمًا سے حال ہے یا نَجِدْ سے متعلق ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آیت کے معنی لم نجد لهٗ قصدًا کے ہیں، یعنی قصداً نہیں کھایا بلکہ نسیاناً کھایا۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات: سورہ طہٰ میں اصل بیان توحید ورسالت کا ہے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اس سلسلہ میں بیان

ہوئے ہیں حضرت موسیٰ کا قصہ تو بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے اور اس کے ضمن میں رسالت محمد یہ ﷺ کا اثبات بھی ہے، اسی اثبات رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حصہ ہے جو ان آیات میں بیان ہوا ہے اس لئے کہ ان واقعات اور قصص کا اظہار جو ہزارہا سال پہلے ہو چکے ہیں ایک امی کی زبان سے دلیل نبوت نہیں تو اور کیا ہے؟

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الجِبَالِ اے نبی بعض لوگ قیامت کا حال سن کر آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ فرما دیجئے میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیگا یعنی جن پہاڑوں کو تم بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم سمجھ رہے ہو میرے رب کی قدرت کے سامنے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور زمین کو ایسا ہموار اور صاف کر دے گا کہ اس میں کہیں نشیب و فراز نہ رہے گا، اور خوف اور دہشت کے مارے لوگوں کی آوازیں دب جائیں گی اور قدموں کی آہٹ کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے گی، ایسے ہولناک وقت میں کسی کی شفاعت بھی کام نہ آئے گی ہاں البتہ اللہ تعالیٰ جس کو شفاعت کی اجازت دیدیں اور جس کے لئے دیدیں تو شفاعت سے فائدہ ہو سکتا ہے۔

وَلاَ تَعْجَلْ بالقرآن صحیح حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابتداء وحی میں جب جبرائیل امین کوئی آیت لیکر آتے تھے اور آپ ﷺ کو سناتے تو آپ ان کے ساتھ آیت کو پڑھنے کی کوشش کرتے کہیں ایسا نہ ہو کہ یاد سے نکل جائے اس میں آپ کو مشقت زیادہ ہوتی تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی سہولت کے لئے فرمایا آپ کو پڑھنے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ زبان کو حرکت دینے کی ضرورت ہے یاد کرا دینا ہماری ذمہ داری ہے آپ تو صرف اطمینان سے سنا کیجئے اور یہ دعا کیا کیجئے کہ اے میرے پروردگار آپ میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے، آپؐ کی مخصوص دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ بِمَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِی عِلْمًا والحمدُ لِلّٰہِ علی کلِّ حالٍ (ابن ماجہ)

وَلَقَدْ عَھِدْنَا اِلیٰ آدَمَ یہاں عَھِدْنا اَمَرْنَا یا وَصَّیْنَا کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے آدمؑ کو تاکیدی طور پر بتا دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے اور فرمایا دیکھو اس درخت کے قریب بھی مت جانا کھانا تو درکنار، باقی پوری جنت کے باغات اور نعمتیں تمہارے لئے کھلی پڑی ہیں ان کو جس طرح چاہو استعمال کرتے رہو، مگر آدم علیہ السلام بھول گئے، ان میں ارادہ کی پختگی نہ پائی گئی، یہاں نسیان سے مراد ترک ہے جو کہ نسیان کے لازم معنی ہیں اس لئے نسیان جس کو بھول کہتے ہیں اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہے رُفِعَ عَنْ اُمتی الخطاءُ والنِّسیان اور قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے لا یکلّفُ اللّٰہُ نفسًا اِلاَّ وُسْعَھَا مگر یہاں نسیان سے یہ معروف نسیان مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد بیدار مغزی سے کام نہ لینا اور ان اسباب کا اختیار نہ کرنا ہے جن کو اختیار کر کے انسان بھول اور خطاء سے بچ سکتا ہے، انبیاء علیہم السلام چونکہ حق تعالیٰ کے خاص مقربین ہوتے ہیں ان سے اتنی بات پر مواخذہ ہو سکتا ہے کہ ان اسباب اختیاریہ سے کیوں کام نہیں لیا جن کے ذریعہ اس بھول سے بچ سکتے تھے یہ

بات اگرچہ کوئی جرم عظیم نہیں ہے مگر بقول حضرت جنید بغدادیؒ حسنات الابرار سیئات المقربین صالحین اور نیک لوگوں کے بہت سے نیک اعمال مقربان بارگاہ الٰہی کے حق میں سیئات اور لغزش قرار دی جاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا یہ واقعہ اول تو قبل نبوت کا ہے جس میں کسی گناہ کا صدور انبیاء سے بعض علماء اہل سنت کے نزدیک عصمت انبیاء کے خلاف نہیں دوسرے یہ درحقیقت بھول ہے جو گناہ نہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام کے مقام بلند کے لحاظ سے اس کو بھی ان کے حق میں لغزش قرار دیا گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب بھی ہوا اور ان کو متنبہ کرنے کے لئے اس لغزش کو عصیان سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

دوسرا لفظ عزم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَمْ نجد لهٗ عزمًا عزم کے معنی پختہ ارادہ کے ہیں آدم علیہ السلام حکم ربانی پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے مگر شیطانی وسوسہ کی وجہ سے اس قصد کی مضبوطی میں فرق آگیا ان میں بغاوت اور سرکشی کا جذبہ نہیں تھا، یہ بھول اور ضعف ارادہ سے ہونے والی غلطی تھی جو کہ عصمت اور کمال نبوت کے منافی نہیں ہے اس لئے ایسی غلطی کے بعد انسان فوراً نادم اور شرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب متنبہ ہوئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے اور اس قدر ندامت کے آنسو بہائے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ معاف فرمادیا بلکہ نبوت ورسالت جیسے بلند مقام پر بھی فائز فرمادیا۔

فائدہ: حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ دس چیزیں نسیان پیدا کرتی ہیں ۱ غم کی کثرت ۲ گدی پر پچھنے لگوانا ۳ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا ۴ کھٹے سیب کھانا ۵ دھنیا کا (بکثرت) استعمال ۶ چوہے کا جھوٹا استعمال کرنا ۷ قبر کے کتبات پڑھنا ۸ مصلوب کو دیکھنا ۹ تارکول لگے ہوئے دو اونٹوں کے درمیان چلنا ۱۰ جوں کو زندہ چھوڑنا (تم کلام علیؓ) واعلم من اشد اسباب النسیان العصیان فنسأل اللّٰہ العصمة و الحفظ (روح البیان)

وَ اذْكُرْ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ وهُوَ ابو الجنّ كان يَصْحَبُ الْمَلٰئِكَةَ ويَعْبُدُ اللّٰهَ معهم اَبٰى عَنِ السُّجُوْدِ لِاٰدَمَ قال انا خَيرٌ منه فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ حَوَّاءَ بِالمَدِّ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۙ تَتْعَب بِالحَرْثِ والزَّرْعِ والحَصْدِ والطَّحْن والخُبْزِ وغَيْرِ ذٰلك وَاقْتَصَرَ عَلٰى شَقَاه لِاَنَّ الرَّجُلَ يَسْعٰى عَلٰى زَوْجَتِهٖ اِنَّ لَكَ اَنْ لَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ بِفَتْحِ الهَمْزَةِ و كَسْرِهَا عَطْفًا عَلٰى اِسْمِ اِنَّ وجُمْلَتِها لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا تعْطَشُ وَلَا تَضْحٰى ۝ لا يَحْصُلُ لَكَ حَرُّ شَمْسِ الضُّحٰى لِاِنْتِفَاءِ الشَّمْسِ فِي الجَنَّةِ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ اى الَّتِيْ يَخْلُدُ مَنْ يَاْكُلُ منها وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ لايَفْنٰى وهُوَ لَازِمُ الخُلُوْدِ فَاَكَلَا آدَمُ وحَوَّاءُ مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا اى ظَهَرَ لِكُلٍّ مِنهما قُبُلُهٗ وقُبُلُ الآخَرِ ودُبُرُهٗ وسمى كُلٌّ منهما سَوْءَةً لِاَنَّ انْكِشَافَهٗ يَسُوْءُ صَاحِبَهٗ وَطَفِقَا

يَخصِفَانِ اَخذا يُلزِقَان عَلَيهِمَا مِن وَّرَقِ الجَنَّةِ لِيَستَتِرَا به وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى○ بالاَكلِ مِنَ الشَّجَرَةِ ثُمَّ اجتَبٰهُ رَبُّهٗ قَرَّبَه فَتَابَ عَلَيهِ قَبِلَ تَوبَتَهٗ وَهَدٰى○ اى هَدَاهُ اِلَى المُدَاوَمَةِ عَلَى التَّوبَةِ قَالَ اهبِطَا اى اٰدَمُ وحَوَّاءُ بما اشتَمَلتُمَا عليه من ذُرِّيَّتِكُمَا مِنهَا مِنَ الجَنَّةِ جَمِيعًا بَعضُكُم بَعضُ الذُّرِّيَّةِ لِبَعضٍ عَدُوٌّ مِن ظُلمِ بَعضِهِم بَعضًا فَاِمَّا فيه اِدغَامُ نُونِ اِنِ الشَّرطِيَّةِ فى ما الزَّائِدَةِ يَاتِيَنَّكُم مِّنِّى هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ اى القُراٰنَ فَلَا يَضِلُّ فى الدُّنيا وَلَا يَشقٰى○ فى الاٰخِرَةِ وَمَن اَعرَضَ عَن ذِكرِى اى القُراٰنِ فلَم يُؤمِن به فَاِنَّ لَهٗ مَعِيشَةً ضَنكًا بالتَّنوِينِ مَصدَرٌ بِمَعنٰى ضَيِّقَةٍ وفُسِّرَت فِي حَدِيثٍ بِعَذَابِ الكَافِرِ فِي قَبرِهٖ وَّنَحشُرُهٗ اى المُعرِضَ عَنِ القُراٰنِ يَومَ القِيٰمَةِ اَعمٰى○ اى اَعمَى البَصَرِ اَوِ القَلبِ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرتَنِىٓ اَعمٰى وَقَد كُنتُ بَصِيرًا○ فى الدُّنيا وعِندَ البَعثِ قَالَ الاَمرُ كَذٰلِكَ اَتَتكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيتَهَا تَرَكتَها ولم تُؤمِن بها وَكَذٰلِكَ مِثلَ نِسيَانِكَ اٰيٰتِنا اليَومَ تُنسٰى○ تُترَكُ في النارِ وكَذٰلِكَ ومِثلَ جَزَائِنَا مَن اَعرَضَ عَنِ القُراٰنِ نَجزِى مَن اَسرَفَ اَشرَكَ وَلَم يُؤمِن بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الاٰخِرَةِ اَشَدُّ مِن عَذَابِ الدُّنيا وَعَذَابِ القَبرِ وَاَبقٰى○ اَدوَمُ اَفَلَم يَهدِ يَتَبَيَّن لَهُم لِكُفَّارِ مَكَّةَ كَم خَبَرِيَّةٌ مَفعُولُ اَهلَكنَا اى كَثِيرًا اِهلاكُنَا قَبلَهُم مِنَ القُرُونِ اَىِ الاُمَمِ المَاضِيَةِ بِتَكذِيبِ الرُّسُلِ يَمشُونَ حَالٌ مِن ضَمِيرِ لَهم فِي مَسٰكِنِهِم فى سَفَرِهِم اِلَى الشَّامِ وغَيرِها فَيَعتَبِرُوا وَمَا ذُكِرَ مِن اَخذِ اِهلَاكٍ مِن فِعلِه الخَالِى عَن حَرفٍ مَصدَرِىٍّ لِرِعَايَةِ المَعنٰى لَامَانِعَ مِنهُ اِنَّ فِى ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لَعِبَرًا لِّاُولِى النُّهٰى○ لِذَوِى العُقُولِ.

ترجمہ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے وہ جنوں کا باپ تھا فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا تھا آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میں اس سے افضل ہوں پھر ہم نے آدم سے کہا بلاشبہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے حواء مد کے ساتھ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو جنت سے نکلوا دے پھر تم مصیبت میں یعنی جوتنے، بونے، کاٹنے اور پینے اور پکانے وغیرہ کی مشقت میں پڑ جاؤ (یہاں) آدم کی مصیبت کے بیان پر اکتفا کیا ہے (بیوی کو شریک نہیں کیا) اس لئے کہ زوجہ کے لئے کسب معاش کی ذمہ داری اس کے شوہر کی ہوتی ہے اور یہاں تمہارے لئے یہ آرام ہے کہ یہاں تم نہ بھوکے ہو گے اور نہ ننگے اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اَنَّكَ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے کسرہ کے ساتھ اِنَّ کے اسم اور اس کے جملہ پر عطف کرتے ہوئے اور نہ دھوپ میں تپو گے یعنی نہ دوپہر کو گرمی لاحق ہوگی اس لئے کہ جنت میں سورج نہیں ہوگا پھر شیطان نے آدم کو بہکایا اور کہا اے

آدم! میں تم کو ہمیشگی کا درخت نہ بتادوں یعنی ایسا درخت کہ جو اس کو کھائے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا اور ایسی بادشاہی کہ کبھی اس میں ضعف نہ آئے گا یعنی فنا نہ ہوگی اور یہ خلود کے لازم (معنی) ہیں چنانچہ آدم وحواء نے اس درخت سے کچھ کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کی قُبُل اور دُبُر ایک دوسرے سامنے ظاہر ہوگئی، شرم گاہ کو سَوْءٌ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ شرم گاہ کا کھل جانا صاحب شرم گاہ کے لئے (تکلیف دہ اور) بری بات ہوتی ہے اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں) کے پتے چپکانے لگے تاکہ دونوں اس کے ذریعہ ستر پوشی کریں اور آدم سے اپنے رب کی خطا ہوگئی درخت سے کچھ کھانے کی وجہ سے بہک گئے پھر اس کے رب نے اس کو منتخب کر لیا یعنی مقرب بنالیا سو اس کی طرف متوجہ ہوئے یعنی ان کی توبہ قبول فرمالی اور ہدایت فرمائی یعنی توبہ پر ہمیشہ قائم رکھا (اللہ تعالیٰ) نے ارشاد فرمایا تم دونوں یعنی آدم وحواء معہ تمہاری اس ذریت کے جن پر تم مشتمل ہو جنت سے نکل جاؤ تمہاری اولاد بعض بعض کی دشمن ہوگی بعض کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے فَاِمَّا اس میں اِنْ شرطیہ کے نون کو مازائدہ میں ادغام کر دیا گیا ہے پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو (جو شخص) میری اس ہدایت یعنی قرآن کی اتباع کرے گا تو وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں شقی ہوگا اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا یعنی قرآن سے کہ اس پر ایمان نہ لائے گا تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی ضَنْكًا تنوین کے ساتھ ضَيِّقَة کے معنی میں مصدر ہے اس کی تفسیر حدیث شریف میں عذاب قبر سے کی گئی ہے اور قیامت کے دن ہم اس قرآن سے اعراض کرنے والے کو اندھا اٹھائیں گے یعنی آنکھوں یا دل کا اندھا تو وہ کہے گا اے میرے رب آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو آنکھوں والا تھا دنیا میں بھی اور بعث کے وقت بھی ارشاد ہوگا معاملہ ایسا ہی ہونا تھا ہماری آیات تیرے پاس پہنچی تھیں مگر تو نے ان کو بھلا دیا ترک کر دیا اور ان پر ایمان نہیں لایا اور اسی طرح یعنی جس طرح تو نے ہماری آیتوں کو بھلا دیا آج تجھ کو بھلا دیا جائے گا یعنی جہنم میں چھوڑ دیا جائے گا اور اسی طرح یعنی اس شخص کی سزا کے مانند جس نے قرآن سے اعراض کیا (ہر) اس شخص کو سزا دیں گے جس نے (حد) سے تجاوز کیا شرک کر کے اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب دنیا اور عذاب قبر سے بڑا سخت اور بڑا دیرپا ہے دائمی ہے کیا ان مکہ کے کافروں کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوتی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی گذشتہ امتوں کو رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا کم خبریہ ہے، اَهْلَكْنَا کا مفعول ہے یعنی ہمارا ہلاک کرنا بکثرت واقع ہوا حال یہ ہے کہ ان کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی شام وغیرہ کے سفر کے دوران چلتے پھرتے ہیں کہ اس سے عبرت حاصل کریں اَهْلَكْنَا مذکور سے بغیر کسی حرف مصدری کے اہلاک مصدر مراد لینا معنی کی رعایت کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے اس (امر مذکور) میں عقلمندوں کے لئے عبرت کے واسطہ کافی دلائل ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَاِذْ قلنا لِلملٰئكةِ اسجدوا یہ قصہ قرآن کریم کی سات سورتوں میں مذکور ہے، اس قصہ کا عطف ماقبل پر عطف سبب علی المسبب کے قبیل سے ہے اس لئے کہ یہ قصہ ہی عداوت ابلیس کا سبب ہوا تھا **قوله** الاَّ ابلیس مفسر علام کی یہ عادت ہے کہ جہاں مستثنیٰ منقطع ہوتا ہے وہاں اِلاَّ کی تفسیر لکن سے کرتے ہیں مگر یہاں چونکہ دونوں کا احتمال تھا اس لئے اِلاَّ کی تفسیر لکن سے نہیں کی اور کان یصحب الملائکۃ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ متصل بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ اب مطلب یہ ہوگا کہ حاضرین نے سجدہ کیا مگر حاضرین میں سے ابلیس نے نہیں کیا اور وھو ابو الجن کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ جن ملائکہ میں داخل نہیں ہے **قوله** اَبٰی عن السجود یہ ماسبق کی تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ ابلیس کا انکار استثنیٰ ہی سے سمجھ میں آرہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ استثنیٰ کی علت ہو یعنی سجدہ نہ کرنے کی وجہ ابلیس کا استکبار واستنکاف تھا اس صورت میں ابیٰ کا مفعول محذوف ماننا جائز نہ ہوگا ورنہ تو تعلیل الشئ بنفسہ لازم آئے گی بلکہ اس صورت میں ابیٰ فعل لازم ہوگا اور معنی اَظْهَرَ الإباءَ عن المطاوعةِ ہوں گے **قوله** فقلنا اس جملہ کا عطف جملہ مقدرہ پر ہے ای ادخلنا آدمَ الجنة فقلنا له یا آدم **قوله** حَوّاء یہ اَحْویٰ صیغہ صفت کی مؤنث ہے سبزی یا سرخی مائل **قوله** فتشقیٰ یہ جواب نہی ہے (س) شقاوۃ مصدر ہے جس کے معنی بدبختی کے ہیں یہ مضارع واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے شقاوت سعادت کی ضد ہے جس طرح سعادت کی دو قسمیں ہیں دنیوی واخروی اسی طرح شقاوت کی بھی دو قسمیں ہیں شقاوت دنیوی واخری، پھر دنیوی کی چند قسمیں ہیں ان میں سے یہاں مشقت اور تعب میں پڑنے کے معنی مراد ہیں جیسے بولا جاتا ہے شَقِيْتُ فی كذا مجھے اس میں بڑی مشقت اٹھانی پڑی **قوله** اقتصر علیٰ شقاہ یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ درخت کے قریب جانے سے دونوں کو منع فرمایا فلا تقربا هٰذهِ الشَّجرةَ تو شقاوت اور محنت کا تعلق بھی دونوں سے ہونا چاہئے حالانکہ فَیَشْقٰی میں شقاوت کی نسبت آدمؑ کی طرف کی ہے ایک جواب تو یہ ہے چونکہ نان نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہوتی ہے نہ کہ بیوی کی، محنت مشقت کر کے کما کر لانا شوہر کی ذمہ داری ہے نہ کہ بیوی کی اس لئے شقاوت کی نسبت آدم کی طرف کی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے ایسا کیا ہے مراد دونوں ہیں مگر تغلیباً عورت کو مرد کے تابع کر دیا ہے۔ (روح البیان)

ضَنْكًا تنگ (ک) ضَنْكًا تنگ ہونا ضَنْكًا مَعِیْشَةً کی صفت ہے مبالغۃً مصدر کو صفت لایا گیا ہے۔

سوال: موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: ضَنْكًا چونکہ مصدر ہے اور مصدر میں تذکیر وتانیث برابر ہوتی ہے لہٰذا ضَنْكَةً کہنے کی ضرورت نہیں

ہے۔

قولہ عن القرآن مفسر علام عن القرآن کے بجائے عن الھدایة فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا **قولہ** وَنَحْشُرُہٗ جملہ مستانفہ ہے اور اگر را کے سکون کے ساتھ ہو تو قائم مقام جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگی تَوَالِیٔ حرکات کی وجہ سے بھی را مجزوم ہوسکتی ہے اَعْمٰی حال ہے نحشرہ کی ضمیر سے **قولہ** اَفَلَمْ یَھْدِلَھُمْ ہمزہ محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے جس کے ذریعہ محذوف پر عطف کیا گیا ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَعَمُوْا فَلَمْ یَھْدِلَھُمْ علامہ محلی نے یَھْدِ کی تفسیر یَتَبَیَّنَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یَھْدِ فعل لازم ہے اور معنی یہ ہیں اَعَمُوْا فَلَمْ یَظْھَرَ لَھُمْ اِھْلاکُنَا کثیرًا مِنْ قَبْلِھِمْ مِنَ القرون اور اَھْلَکْنَا کا مفعول بہ کَمْ مقدم ہے اور اس کم کی تمیز محذوف ہے اور من القرون تمیز کی صفت ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے ای کم اھلکنا کائنًا من القرون **قولہ** یمشونَ علامہ محلی نے یمشون کو قبلھم کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے اور بعض مفسرین نے اَھْلَکنا کی ھُمْ ضمیر سے حال قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو ہلاک کردیا، حال یہ ہے کہ وہ اپنے مکانوں میں چلتے پھرتے تھے **قولہ** وماذِکْرَ مبتداء ہے اور مِنَ الْاَخذِ اس کا بیان ہے اور لرعایة المعنی اخذ مذکور کی علت ہے اور لا مَانِعَ مِنہٗ مبتداء کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ فعل مذکور (اَھلکنا) سے بغیر حرف مصدری کے معنی کی رعایت کی وجہ سے مصدر اخذ کرنے سے کوئی شئ مانع نہیں ہے۔

اسی بات کو سوال و جواب کی صورت میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں (سوال) اَھْلَکنا سے اِھلاك مصدر مراد لینا کس طرح درست ہے، جبکہ فعل پر کوئی ایسا حرف بھی داخل نہیں ہے کہ جو اس کو مصدر کے معنی میں کرسکے؟ (جواب) معنی کی رعایت کے لئے بغیر حرف مصدری کے بھی مصدر مراد لیا جاسکتا ہے **قولہ** فی ذٰلك ای فی الإھلاكِ **قولہ** نُھٰی جمع نُھیة بمعنی عقل۔

تفسیر وتشریح

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِکَةِ تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد تمام فرشتوں کو اور ان کے ضمن میں ابلیس کو بھی، کیونکہ اس وقت ابلیس فرشتوں کے ساتھ جنت میں رہتا تھا یہ حکم دیا گیا کہ سب آدم کو سجدۂ تحیہ کریں، تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ابلیس نے انکار کردیا، جس کی وجہ دوسری آیت میں تکبر بیان کی گئی ہے خَلَقْتَنِی مِنْ نَارٍ وخلقتہٗ مِنْ طِینٍ اس تکبر کی وجہ سے ابلیس کو ملعون کرکے جنت سے نکال دیا گیا، حضرت آدم اور حواء کے لئے جنت کے سب باغات کے دروازے کھولدیئے گئے اور ہر چیز کے استعمال کی اجازت دیدی گئی، صرف ایک معین درخت کے لئے یہ ہدایت دیدی گئی کہ اس درخت کی کوئی چیز بھی نہ کھانا بلکہ اس کے قریب بھی نہ جانا، واقعہ کی پوری تفصیل سورہ بقرہ اور اعراف کی آیتوں میں آچکی ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ ارشاد ذکر فرمایا ہے جو اس عہد کو محفوظ رکھنے اور اس پر قائم رہنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ دیکھو

شیطان ابلیس تم دونوں کا دشمن ہے جیسا کہ واقعۂ سجدہ کے وقت ظاہر ہو چکا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مکر وحیلہ سے تم سے اس عہد کی خلاف ورزی کرادے، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم جنت سے نکالے جاؤ **فَلا یخرجَنّکما من الجنۃ فتشقٰی** یعنی یہ شیطان کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوادے جس کی وجہ سے تم مصیبت میں اور مشقت میں پڑ جاؤ لفظ **تشقٰی شقاوت** سے مشتق ہے، یہ دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک شقاوتِ آخرت اور دوسرے شقاوتِ دنیا یعنی جسمانی مشقت ومصیبت اس جگہ یہی معنی مراد ہیں، اس لئے کہ پہلے معنی میں کسی پیغمبر کے لئے تو کیا کسی نیک مسلمان کے لئے بھی نہیں بولا جاسکتا، اسی لئے فراء نے اس شقاوت کی تفسیر یہ کی ہے کہ **ھو یاکُلُ مِنْ کَدِّ یدیہ** یعنی اپنے ہاتھوں کی محنت سے خوراک حاصل کرنا (قرطبی) مفسرین نے لکھا ہے کہ امام قرطبی نے اس جگہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو جبرائیل نے جنت سے کچھ دانے گندم، چاول وغیرہ کے لاکر دیئے کہ ان کو زمین میں کاشت کرو اور اس کے بعد جب کھیتی تیار ہو جائے تو اس کو کاٹو غلہ نکالو پھر اس کو پیسو غرضیکہ روٹی وغیرہ بنانے کی ترکیب بھی بتادی اس کے بعد حضرت آدمؑ نے روٹی تیار کی پہاڑ پر کھانے کے لئے روٹی لیکر بیٹھے تھے کہ روٹی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور پہاڑ سے لڑھک کر زمین پر گرگئی، آدم اس کے پیچھے چلے اور بڑی محنت سے اس کو واپس لائے تو اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اے آدم! آپ کا اور آپ کی اولاد کا رزق زمین پر اسی طرح محنت ومشقت سے حاصل ہوگا۔ (قرطبی)

بیوی کا نان نفقۂ ضروریہ شوہر کے ذمہ ہے

آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ شیطان تم دونوں کو جنت سے نکلوادے، مگر آخر آیت میں لفظ **فتشقٰی** کو مفرد استعمال فرمایا، بیوی کو اس میں شریک نہیں کیا ورنہ بمقتضائے مقام **فتشقیا** کہا جاتا، امام قرطبی نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بیوی کی ضروریات زندگی شوہر کے ذمہ ہیں ان کے حصول میں جو محنت ومشقت ہو اس کا تنہا شوہر ذمہ دار ہے اسی لئے **فتشقٰی** مفرد کا صیغہ لاکر اشارہ کر دیا کہ زمین پر اترنے کے بعد حواء کی ضروریاتِ زندگی کی تحصیل حضرت آدمؑ کی ذمہ داری ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا جو نفقہ مرد پر واجب ہے وہ صرف چار چیزیں ہیں کھانا پینا اور لباس ومسکن اس کے علاوہ جو کچھ شوہر خرچ کرتا ہے وہ تبرع ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے علاوہ جس کا بھی نفقہ کسی پر واجب ہوگا اس میں صرف یہی چار چیزیں ہیں۔

اِھْبِطَا منھا جمیعًا یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس دونوں کو بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں **بعضکم لبعض عدوٌ** کا مضمون واضح ہے اس لئے کہ دنیا میں جا کر بھی شیطان کی انسان دشمنی جاری رہے گی، اور اگر یہ کہا جائے کہ شیطان کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی جنت سے نکالدیا گیا تھا اب اس کو اس خطاب میں شریک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ مذکورہ خطاب حضرت آدم اور حواء ہی کو ہو، اس صورت میں باہمی عداوت سے مراد ابن آدم کے

اندر باہمی اختلاف وعداوت مراد ہوگی، اولاد کے باہمی اختلاف وعداوت سے ماں باپ کی زندگی بھی تلخ ہو جاتی ہے۔
فَإِنَّ لَهُ معيشةً ضنكًا الخ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس کی زندگی تنگ ہوگی اور قیامت میں ان کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا پہلا عذاب تو اس کو دنیا ہی میں مل جائے گا اور اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہوگا۔

دنیا میں زندگی تلخ ہونے کا مطلب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار وفجار کے لئے مخصوص نہیں ہے مومنین اور صالحین کو بھی پیش آتی ہے بلکہ انبیاء کو سب سے زیادہ شدائد ومصائب اس دنیا میں اٹھانے پڑتے ہیں، صحیح بخاری اور تمام کتب حدیث میں بروایت سعدؓ وغیرہ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور ولی ہے اسی کی مناسبت سے اس کو تکلیفیں پہنچتی ہیں اس کے بالمقابل عموماً کفار کو خوشحالی اور عیش وعشرت میں دیکھا جاتا ہے پھر قرآن کا یہ ارشاد کہ ان کی معیشت تنگ ہوگی آخرت کے لئے ہوسکتا ہے دنیا میں خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے، اس کا صاف اور بے غبار جواب تو یہ ہے کہ یہاں دنیا کے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے، قبر (برزخ) میں ان کی زندگی تنگ کردی جائے گی خود قبر بھی ان کے لئے اس قدر تنگ کردی جائے گی کہ ان کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی، حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث منقول ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معيشةً ضنكًا کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد قبر کا عالم ہے۔ (یعنی عالم برزخ)
حضرت سعید بن جبیر نے تنگی کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان سے قناعت کا وصف سلب کرلیا جائے گا اور دنیا کی حرص بڑھادی جائے گی (مظہری) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے پاس کتنا ہی مال ودولت جمع ہوجائے اس کو کبھی قلبی سکون نصیب نہیں ہوگا، ہمیشہ مال بڑھانے کی فکر اور اس میں نقصان کا خطرہ اس کو بے چین رکھے گا، اور یہ بات عام مالداروں میں مشاہدہ اور معروف ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس سامان راحت تو بہت ہے مگر جس کا نام راحت ہے سکون قلبی ہے وہ نہیں ہے۔
اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ استفہام تفریع وتوبیخ کے لئے ہے، جملہ ماقبل کی تاکید کے لئے مستانفہ ہے اور يَهْدِ کا فاعل بعد میں آنے والا جملہ ہے یعنی کم اَهْلَكْنَا الخ اور اَهْلَكْنَا کا مفعول محذوف ہے ای اَهْلَكْنَاهم صاحب جلالین نے اسی کو اختیار کیا ہے، مگر بصریین نے اس ترکیب کا انکار کیا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک جملہ فاعل نہیں ہوتا مگر ان کے علاوہ نے جائز قرار دیا ہے۔
بعض حضرات نے يَهْدِ کی ضمیر فاعل کو هُدیٰ کی طرف راجع کیا ہے جو کہ يَهْدِ کے ضمن میں مذکور ہے اور هدی سے مراد قرآن یا رسول ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کیا قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو یہ ہدایت

نہیں دی اور اس سے باخبر نہیں کیا کہ تم سے پہلے کتنی امتیں اور جماعتیں اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو چکی ہیں جن کے گھروں اور زمینوں میں اب تم چلتے پھرتے ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر فاعل قرآن یا رسول کے بجائے اللہ کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت نہیں دی، بعض حضرات نے یمشون کو لھم کی ضمیر سے حال قرار دینے کے بجائے القرون سے حال قرار دیا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ کیا کفار مکہ نے ہمارے امم سابقہ کو ہلاک کرنے سے بھی ہدایت نہیں کی حال یہ کہ وہ قومیں اپنے مکانوں میں چلتی پھرتی تھیں اور عیش و عشرت کے مزے لیتی تھیں۔

وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاْخِيْرِ العَذَابِ عَنْهُمْ اِلَى الآخِرَةِ لَكَانَ الاِهْلَاكُ لِزَامًا لَازِمًا لَهُمْ فِى الدُّنْيَا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ط مَضْرُوْبٌ له مَعْطُوْفٌ عَلَى الضَّمِيْرِ المُسْتَتِرِ فِى كَانَ وَقَامَ الفَصْلُ بِخَبَرِهَا مَقَامَ التَّاْكِيْدِ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ القِتَالِ وَسَبِّحْ صَلِّ بِحَمْدِ رَبِّكَ حَالٌ اى مُتَلَبِّسًا به قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ صَلٰوةَ الصُّبْحِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ج صَلٰوةَ العَصْرِ وَمِنْ اٰنَآئِ اللَّيْلِ سَاعَاتِهِ فَسَبِّحْ صَلِّ المَغْرِبَ وَالعِشَاءَ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ مِنْ آنَاءِ المَنْصُوْبِ اى صَلِّ الظُّهْرَ لِاَنَّ وَقْتَهَا يَدْخُلُ بِزَوَالِ الشَّمْسِ فَهُوَ طَرَفُ النِّصْفِ الاَوَّلِ وَطَرَفُ النِّصْفِ الثَّانِى لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ بما تُعْطٰى مِنَ الثَّوَابِ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۵ زِيْنَتَهَا وبَهْجَتَهَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط بِاَنْ يَطْغَوْا وَرِزْقُ رَبِّكَ فِى الجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا اُوْتُوْهُ فِى الدُّنْيَا وَّاَبْقٰى ○ اَدْوَمُ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ اصْبِرْ عَلَيْهَا ط لَانَسْاَلُكَ نُكَلِّفُكَ رِزْقًا ط لِنَفْسِكَ وَلَا لِغَيْرِكَ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالعَاقِبَةُ الجَنَّةُ لِلتَّقْوٰى ۔ لِاَهْلِهَا وَقَالُوْا اى المُشْرِكُوْنَ لَوْلَا هَلَّا يَاْتِيْنَا مُحَمَّدٌ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط مِمَّا يَقْتَرِحُوْنَهُ اَوَلَمْ يَاْتِهِمْ بِالتَّاءِ والياءِ بَيِّنَةُ بَيَانُ مَا فِى الصُّحُفِ الاُوْلٰى ○ المُشْتَمِلِ عليه القُرْاٰنُ مِنْ اَنْبَاءِ الاُمَمِ المَاضِيَةِ واِهْلَاكِهِم بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ قَبْلِ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ لَقَالُوْا يَوْمَ القِيٰمَةِ رَبَّنَا لَوْلَآ هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ المُرْسَلِ بها مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ فِى القِيٰمَةِ وَنَخْزٰى ○ فى جهنّم قُلْ لهم كُلٌّ مِّنَّا وَمِنْكُمْ مُّتَرَبِّصٌ مُنْتَظِرٌ مَا يَؤُلُ اليه الاَمْرُ فَتَرَبَّصُوْا ج فَسَتَعْلَمُوْنَ فى القِيٰمَةِ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ الطَّرِيْقِ السَّوِيِّ المُسْتَقِيْمِ وَمَنِ اهْتَدٰى ع مِنَ الضَّلَالَةِ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ ۔ ع ۸

تــرجــمــہ

اگر تیرے رب کی بات (حکم ازلی) یعنی ان سے عذاب کو قیامت تک مؤخر کرنے کی بات پہلے سے طے شدہ اور وقت معین نہ ہوتا تو ہلاکت دنیا ہی میں (فوری طور پر) آ چمٹتی مُسَمًّی مضروب لہ کے معنی میں ہے (یعنی مقرر کردہ) اور اَجَلٌ مُسَمًّی کا عطف کَانَ کے اندر ضمیر مستتر پر ہے اور کان کی خبر کا فصل تاکید کے قائم مقام ہے، سو آپ ان باتوں پر صبر کیجئے یہ حکم آیت قتال سے منسوخ ہے، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہئے اور نماز پڑھتے رہئے یعنی ایسی تسبیح کرتے رہئے کہ جو حمد پر مشتمل ہو طلوع شمس سے پہلے فجر کی نماز اور غروب شمس سے پہلے عصر کی نماز اور رات کے اوقات میں تسبیح بیان کیجئے یعنی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھئے اور دن کے اطراف میں اور اطراف النہار کا عطف من آناء اللیل کے محل پر ہے جو منصوب ہے یعنی ظہر کی نماز پڑھئے اس کا وقت زوال شمس سے داخل ہوتا ہے اور وہ (نہار) کے نصف اول کا (آخری) اور نصف ثانی کا (ابتدائی) کنارہ ہے تاکہ آپ عطا کردہ ثواب سے خوش ہوں اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے بایں طور کہ وہ سرکشی کریں یہ (محض) دنیوی زندگی کی زینت اور رونق ہے، اور جنت میں تیرے رب کا عطیہ اس سے جو ان کو دنیا میں دیا گیا ہے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے اور ہم آپ سے معاش کا سوال نہیں کرتے یعنی ہم آپ کو اپنے لئے اور دوسروں کے لئے معاش کا مکلف نہیں بناتے رزق تو آپ کو ہم دیں گے اور انجام یعنی جنت تو اہل تقویٰ کے لئے ہے اور مشرک کہتے ہیں کہ محمد ہمارے پاس اپنے رب کے پاس سے وہ نشانی کیوں نہیں لاتے جس کا وہ مطالبہ کرتے ہیں اَوَلَمْ یأتیهم تا اور یا کے ساتھ ہے کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کا بیان نہیں پہنچا وہ (بیان) کہ قرآن اس پر مشتمل ہے اور وہ بیان امم ماضیہ کی خبریں اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کو ہلاک کرنے کی خبریں ہیں اور اگر ہم ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے کسی عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ قیامت کے دن یوں کہتے اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا؟ کہ ہم اس کے لائے ہوئے آپ کے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم قیامت میں جہنم میں ذلیل اور رسوا ہوتے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم سب کے سب منتظر ہیں کہ انجام کیا ہوتا ہے؟ اور انتظار کر لو عنقریب قیامت کے دن تم کو معلوم ہو جائے گا کہ راہ راستی والے کون ہیں؟ اور ضلالت سے بچ کر کون ہدایت پر پہنچا؟ ہم یا تم (یعنی ہر ایک انجام کا منتظر ہے پس تم بھی انتظار میں رہو)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله لَوْلَا كلمةٌ سَبَقَتْ الخ اگر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام میں آپ کی امت

سے عام عذاب کی تاخیر مقدر نہ ہو چکی ہوتی تو امم ماضیہ کے مانند اس امت پر بھی عام عذاب نازل ہو گیا ہوتا، لہٰذا یہ تاخیر امہال ہے نہ اہمال، تاکہ کفار بقیہ عمر میں گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی کر سکیں۔

قولہ معطوف علی الضمیر المستتر فی کان مطلب یہ ہے کہ **واجلٌ مسمًّی** کا عطف کان کی ضمیر مستتر پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **کان الإهلاك والاجل المعین لهٗ لزامًا** اور **لزامًا** مصدر بمعنی **لازماً** ہے۔

سوال: اِهْلاك اور اَجَلٌ مُسَمًّی دونوں كَانَ کے اسم ہیں تو اس کی خبر بھی تثنیہ ہونی چاہئے لہٰذا لِزامًا کے بجائے لازمین ہونی چاہئے۔

جواب: لزاماً اگرچہ یہاں لازمًا کے معنی میں ہے مگر اصل میں مصدر ہے لہٰذا اس کا تثنیہ کے معنی میں استعمال درست ہے **قولہ قام الفصل** یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف ہوتا ہے تو ضمیر مرفوع کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ ضروری ہوتی ہے، یہاں کان کی ضمیر مستتر اھلاك پر اجلٌ مسمًّی کا عطف ہو رہا ہے حالانکہ یہاں ضمیر مستتر کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عطف کے جواز کی ایک صورت اور ہے اور وہ یہ ہے کہ ضمیر منفصل کے علاوہ اگر اور کسی چیز کا فصل واقع ہو جائے تب بھی عطف درست ہو جاتا ہے، یہاں کان کی خبر لزامًا کا فصل آنے کی وجہ سے عطف درست ہو گیا ہے۔

قولہ واَجَلٌ مسمًّی اجلٌ کے مرفوع ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں ایک تو یہی کہ اَجَلٌ کا عطف کان کی ضمیر مستتر پر ہو، مفسر علام نے اسی کو اختیار کیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اجلٌ کا عطف کلمۃ پر ہو اور لولا کے تحت میں داخل ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی **لولا کلمۃ واَجَلٌ مسمًّی لکان العذاب لازمًا لھم** **قولہ فاصبر علی مایقولون** فاصبر میں فا جزائیہ ہے شرط محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے **ای اذا کان الامر علی ماذکر من اَنّ تاخیر عذابھم لیس باھمال بل ھو امھال وھو لازم لھم البتۃ فاصبر علی ما یقولون من کلمات الکفر من آناء اللیل** آناء جمع اِنًا بمعنی وقت اور مِن بمعنی فی ای فی آناء اللیل **قولہ واَطراف النھار ای صلِّ اطراف النھار** من آناء اللیل کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مِن آناء اللیل یسبّح کی وجہ سے منصوب ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ کا عطف فاصبر پر ہے **قولہ ازواجًا متَّعنَا** کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور بہٖ کی ضمیر مجرور جو کہ مَا کی طرف راجع ہے سے حال واقع ہونے کی وجہ سے بھی ازواجًا منصوب ہو سکتا ہے **قولہ زھرۃَ الحیٰوۃِ الدنیا** زھرۃَ کے منصوب ہونے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں ۱ مَتَّعْنَا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے مفعول اول اَزْوَاجًا ہے اور مَتَّعْنَا چونکہ اعطینا کے معنی کو متضمن ہے اس لئے متعدی بدو مفعول ہوگا ۲ ازواجًا سے بدل ہونے کی وجہ سے یا تو حذف مضاف کے ساتھ ای ذوی زھرۃٍ یا مبالغۃً ۳ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو جس پر مَتَّعْنَا دلالت کر رہا ہے ای جعلنا زَھرَۃً ۴ منصوب علی الذم ای اَذُمُّ زھرۃَ الحیٰوۃِ

الدنیا ان کے عدد وہ پانچ وجوہ نصب اور ہو سکتی ہیں اختصاراً ترک کر دیا گیا **قوله** بِاَنْ یَطْغَوْا باسببیہ ہے ای بفتنھم نسبب طُغیانِھِمْ بھجۃ رونق خوبصورتی (س، ف، ک) یَفْتَرِحُوْنَهٗ اِقْتِرَاحٌ خواہش کرنا، تجویز پیش کرنا، مطالبہ کرنا **قوله** اَوَ لَمْ یَاْتِیْھِمْ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ ہے ای اَعَمُوْا وَلَمْ تَاْتِیْھِمْ **قوله** وَلَوْ اَنَّا اَھْلَکْنٰھُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے ماقبل کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے **قوله** فَنَتَّبِعَ لولا استفہامیہ کا جواب ہے اَن مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای فَاَنْ نَتَّبِعَ **قوله** مَنْ اَصْحٰبُ الصراط مبتدا خبر ہیں، علامہ محلی نے مَنْ اھْتَدٰی کی تفسیر مِنَ الضلالۃِ سے کر کے اصحٰب الصراط السوِیّ اور مَنِ اھْتَدٰی میں فرق کی جانب اشارہ کر دیا، اصحاب الصراط وہ لوگ ہیں جو شروع ہی سے ہدایت پر ہوں جیسے آپؐ اور وہ لوگ جو اسلام کی حالت میں بالغ ہوئے جیسے حضرت علیؓ وغیرہ وَمَنِ اھْتَدٰی وہ لوگ جن پر کفر کا زمانہ گذرا اور بعد میں اسلام لائے وَمَنِ اھتدٰی میں مَنْ استفہامیہ ہے اور محل خبر میں بھی ہو سکتا ہے الصراط پر عطف کرتے ہوئے ای اصحاب من اھتدٰی۔

تفسیر وتشریح

لَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ یہ مشرکین ومکذبین مکہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گذر چکی ہیں جن کے یہ جانشین ہیں اور ان کی رہائش گاہوں سے گذر کر آتے جاتے ہیں، انہیں ہم اس تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں، جن کے عبرتناک انجام میں اہل عقل ودانش کے لئے بڑی نشانیاں ہیں، لیکن یہ اہل مکہ ان سے آنکھیں بند کئے ہوئے انہی کی روش اپنائے ہوئے ہیں، اگر اللہ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ وہ اتمام حجت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ مہلت کے لئے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے کسی کو ہلاک نہیں کرتا تو فوراً انہیں عذاب الٰہی آچمٹتا، اور یہ ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے، مطلب یہ ہے کہ تکذیب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ بھی نہیں آئے گا، بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے، مدت مہلت ختم ہو جانے کے بعد ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

فاصبر علی مایقولون اہل مکہ جو ایمان سے بھاگنے کے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برے القاب سے یاد کرتے تھے کوئی ساحر کہتا تھا تو کوئی کاذب کہہ کر پکارتا تھا تو کوئی کاہن نام رکھتا تھا تو کوئی شاعر کے لقب سے نوازتا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فطری طور پر بڑی تکلیف ہوتی تھی، قرآن کریم نے ان اذیتوں کا علاج دو طریقہ سے تجویز فرمایا ہے اول یہ کہ ان کے کہنے کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ صبر کریں، دوسری چیز اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں، فسبح بحمد ربك میں اسی دوسرے علاج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَسَبِّحْ بحمد رَبِّكَ تسبیح کے معنی اللہ کی پاکی بیان کرنے کے ہیں اور یہ عام ہے اس سے زبانی تسبیح وتحمید بھی

مراد ہو سکتی ہے اور نماز بھی مراد ہو سکتی ہے اس لئے کہ نماز قولی اور فعلی دونوں قسم کی تسبیح پر مشتمل ہوتی ہے بعض مفسرین نے آئندہ آیت سے نماز کے پانچ اوقات مراد لئے ہیں، اور دیگر حضرات نے مطلقاً وقت مراد لیا ہے، یعنی ہر وقت ذکر لسانی میں مشغول رہنا مراد ہے۔

لاتمُدَّنَ عَيْنَيْكَ اس آیت میں اگرچہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد امت ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مالداروں اور سرمایہ داروں کو قسم قسم کی دنیوی رونق اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہیں، آپ ان کی طرف مطلقاً توجہ نہ کیجئے، یہ سب نعمتیں فانی اور چند روزہ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ذریعہ مومنین کو عطا فرمائیں ہیں وہ کافروں کی ان چند روزہ رونق حیات سے بدرجہا بہتر ہیں۔

حدیث ایلاء میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سروسامانی کا یہ عالم ہے کہ گھر میں چمڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے، حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا عمر کیا بات ہے؟ روتے کیوں ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ کس طرح آرام وراحت کی زندگی گذار رہے ہیں اور آپ کا باوجود اس بات کے کہ آپ افضل الخلق ہیں یہ حال؟ فرمایا عمر کیا تم اب تک شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے آرام کی چیزیں دنیا ہی میں دیدی گئی ہیں یعنی آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں۔ (بخاری شریف سورہ تحریم، مسلم باب الایلاء)

ابن ابی حاتم نے بروایت ابوسعید خدریؓ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنَّ اخوَفَ ما اَخافُ عليكم مَا يَفْتَحُ اللّٰهُ لكم من زهرة الدنيا .	مجھے تم لوگوں کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف اور خطرہ ہے وہ دنیا کی دولت اور زینت ہے جو تم پر کھولدی جائے گی۔ (ابن کثیر)

کاشفی نے مذکورہ آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں ابورافع سے ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا ماحصل حسب ذیل ہے، ابورافع فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک مہمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اتفاق سے گھر میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی کہ جس سے مہمان کی خاطر تواضع کی جاسکتی، حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے پاس بھیجا، اور فرمایا کہ یہودی سے کہنا محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے گھر مہمان آیا ہے اور گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ مہمان کی تواضع کی جاسکے، لہٰذا اتنی مقدار (دو صاع) آٹا ادھار فروخت کردو، ماہ رجب کے شروع میں قیمت ادا کردی جائے گی، ابورافع فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام یہودی کو پہنچادیا، یہودی نے جواب دیا ہم ادھار معاملہ نہیں کرتے ہاں البتہ کوئی چیز رہن رکھ دو تو دے سکتے ہیں، ابورافع فرماتے ہیں کہ میں نے پوری صورت حال آپ ﷺ سے عرض کردی، آپ نے فرمایا وَاللّٰهِ انی لَاَمِينٌ فی السماءِ وَاَمِينٌ فِی الارضِ اگر وہ میرے

ساتھ معاملہ کرتا تو میں اس کا حق ادا کردیتا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ عنایت فرمائی اور میں نے وہ زرہ یہودی کے یہاں رہن رکھ کر دو صاع آٹا لے لیا، اس پر یہ آیت آپ ﷺ کی تسلی کے لئے نازل ہوئی۔ (روح البیان)

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ الخ اس آیت میں اہل سے مراد پوری امت ہے، جس میں خاص اپنے اہل وعیال اور متعلقین بھی داخل ہیں، بظاہر اس آیت میں دو حکم ہیں ایک اپنے اہل وعیال کو نماز کی تاکید اور دوسرے خود پابندی، دراصل بات یہ ہے کہ انسان کی خود اپنی نماز کی پابندی کے لئے ضروری ہے کہ گھر کا ماحول دیندار ہو اور اہل خانہ اور متعلقین نماز کے پابند ہوں اس لئے کہ اگر ماحول اس کے خلاف ہو تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے، جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح کو نماز کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہ کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے ''اَلصَّلٰوةُ الصَّلٰوةُ'' (قرطبی)

قولہ لانسئلك رِزْقًا یعنی ہم تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ تم اپنا اور اپنے اہل وعیال کا رزق اپنے زور علم وعمل سے پیدا کرو بلکہ یہ معاملہ ہم نے اپنے دست قدرت میں رکھا ہے، انسان زیادہ سے زیادہ کسب معاش کے اسباب کو اختیار کرسکتا ہے اس کے آگے کچھ نہیں کرسکتا، ایک کاشتکار زمین کو قابل کاشت بنا کر اس میں بیج ڈالدیتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، آگے پورا کام قدرت کا ہے چاہے اس کو اگائے اور بارآور کرے یا زمین ہی میں سڑا کر مٹی کردے، غرضیکہ روزی کا مسئلہ قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا ہے البتہ جو شخص عبادت خداوندی میں مشغول ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ بار محنت بھی آسان فرما دیتے ہیں۔ (ترمذی)

قولہ فستعلمون الخ یعنی آج تو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو زبان دی ہوئی ہے ہر ایک اپنے طریقہ اور اپنے عمل کو بہتر اور صحیح ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے لیکن یہ دعویٰ کچھ کام آنے والا نہیں۔

بہتر اور صحیح طریقہ وہی ہوسکتا ہے جو اللہ کے نزدیک مقبول اور صحیح ہو اور اس کا پتہ قیامت کے روز سب کو لگ جائیگا کہ کون غلطی اور گمراہی پر تھا اور کون صحیح اور سیدھے راستہ پر؟

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة الأنبيآء

سُوْرَةُ الأنبيآءِ مَكِّيَةٌ وهِيَ مائَةٌ وَّاِحْدَىٰ او اثْنَتَا عَشَرَةَ آيَةً .

سورۂ انبیاء مکی ہے ایک سو گیارہ یا ایک سو بارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ اِقْتَرَبَ قَرُبَ لِلنَّاسِ اَهْلِ مَكَّةَ مُنْكِرِى الْبَعْثِ حِسَابُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ عنه مُّعْرِضُوْنَ○ عنِ التَّاهُّبِ له بالاِيْمَان مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ شَيْئًا فَشَيْئًا اى لَفْظِ قُرْآنٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ○لا يَسْتَهْزِءُوْنَ لَاهِيَةً غَافِلَةً قُلُوْبُهُمْ ط عن مَعْنَاه وَاَسَرُّوا النَّجْوَىٰ قف اى الكَلَامَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بَدَلٌ من وَاوِ وَاَسَرُّوا النَّجْوىٰ هَلْ هٰذَا اى مُحَمَّدٌ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ج فَمَا يَاتِى به سِحْرٌ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ تَتَبِعُوْنَه وَاَنْتُم تُبْصِرُوْنَ○ تَعْلَمُوْنَ انه سِحْرٌ قٰلَ لهم رَبِّىْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ كَائِنًا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِمَا اَسَرُّوْه الْعَلِيْمُ○ به بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ مِن غَرْضٍ اِلٰى آخرَ فى الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ قَالُوْا فيما اُتِىَ به مِنَ القُرْآنِ هو اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ اَخْلَاطٌ رَآهَا فى النَّوْمِ بَلِ افْتَرَاهُ اِخْتَلَقَهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ج فما اَتَى به شِعْرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ○ كَالنَّاقَةِ والعَصا واليَد قال تعالىٰ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اى اَهْلِها اَهْلَكْنٰهَا ج بِتَكْذِيْبِها ما اَتَاها مِنَ الاٰياتِ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ○ لا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا يُّوْحِيْ وفى قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وكَسْرِ الحَاءِ اِلَيْهِم لا مَلَائِكَةً فَسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ العُلَمَاءَ بالتَّوْرٰةِ والاِنْجِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○ ذٰلك فَاِنَّهم يَعْلمونَه وانتم الى تَصْدِيْقِهِم اَقْرَبُ مِن تَصْدِيْقِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمُحَمَّدٍ صلى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ اَى الرُّسُلَ جَسَدًا بمعنى اَجْسَادٍ لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ بَلْ يَاْكُلُوْنَهُ وَمَاكَانُوْا خَالِدِيْنَ○ فى الدنيا ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ بِاِنْجائِهِم فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ اى الْمُصَدِّقِيْنَ لهم وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ○ الْمُكَذِّبِيْنَ لهم لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ يا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ كِتٰبًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ط لانه بُلغَتِكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ ع فَتُؤْمِنُوْنَ به .

ع۱

ترجمہ

لوگوں (یعنی) منکرین بعث اہل مکہ کے لئے ان کا حساب (یعنی) قیامت کا دن قریب آ گیا پھر بھی وہ اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس پر ایمان کے ذریعہ تیاری سے اعراض کئے ہوئے ہیں ان کے رب کے پاس سے ان

کے پاس کوئی نئی نصیحت بتدریج نہیں آتی (یعنی الفاظ قرآنی) مگر یہ کہ یہ لوگ اس کو کھیل کود میں استہزاء کے طور پر سنتے ہیں حال یہ ہے کہ ان کے قلوب اس کے معانی سے غافل ہوتے ہیں اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں الذین ظلموا اَسَرُّوا کے واؤ سے بدل ہے کہ یہ یعنی محمد تمہارے جیسا ہی انسان ہے لہٰذا جو کچھ یہ پیش کرتا ہے وہ سحر ہے پھر بھی تم جادو کی بات سننے کے لئے اس کے پاس جاؤ گے؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ سحر ہے پیغمبر نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو (خواہ) وہ آسمان میں ہو یا زمین میں جانتا ہے اور جس بات کو یہ چھپا رہے ہیں اس کو خوب سننے والا اور جاننے والا ہے بَلْ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے تینوں مقامات میں (یعنی جادو کہنے پر اکتفا نہیں کیا) بلکہ آپ جو قرآن لیکر آئے اس کے بارے میں کہا یہ پریشان خیالات ہیں یعنی خواب میں دیکھے ہوئے پراگندہ خیالات کا مجموعہ ہے بلکہ اس کو افتراء کیا ہے (یعنی) گھڑ لیا ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے لہٰذا جو چیز یہ پیش کرتا ہے وہ شعر ہے لہٰذا (ان کو چاہئے) کہ ہمارے پاس کوئی بڑی نشانی لائیں جیسا کہ پہلے پیغمبر (نشانیاں دیکر) بھیجے گئے تھے مثلاً ناقہ اور عصاء اور ید بیضاء، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے پہلے جو بستی یعنی بستی والے ایمان نہیں لائے ہم نے ان کو ان آیات کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کے پاس وحی بھیجی جاتی تھی اور ایک قرأت میں نون اور حا کے کسرہ کے ساتھ ہے (یعنی ہم وحی بھیجا کرتے تھے) نہ کہ فرشتوں کو اگر تم کو یہ بات معلوم نہ ہو تو اہل ذکر یعنی انجیل اور تورات کے علماء سے معلوم کر لو، اس لئے کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں اور تم ان کی تصدیق کے زیادہ قریب ہو بہ نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ کھاتے ہیں جسد بمعنی اجساد ہے اور یہ حضرات دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اس کو سچا کر دیا یعنی پورا کر دیا یعنی ہم نے ان کو اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے جس کو چاہا نجات دی اور حد سے گذرنے والوں یعنی ان کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اے قریش کے لوگو! ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں ہے پھر بھی تم نہیں سمجھتے کہ اس پر ایمان لے آؤ۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِقْتَرَبَ قَرُبَ (س، ک) نزدیک آجانا اِقْتَرَبَ کی تفسیر قرب سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ اقترب اور قَرُب دونوں کے ایک ہی معنی ہیں **قولہ** للناس کی تفسیر اہل مکہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ اطلاق الجنس علی البعض کے قبیل سے ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ آئندہ جو صفات بیان کی جا رہی ہیں وہ مکہ کے مشرکوں پر صادق آ رہی ہیں، ورنہ تو حساب ہر شخص کا قریب آ گیا ہے **قولہ** حِسَابُهُمْ ای وقت حسابهم مضاف محذوف ہے **قولہ** وهم فی

غفلۃٍ معرضونَ یہ جملہ حالیہ ہے ای قَرُبَ وقتُ حسابھم والحال انّھم غافلون معرضون ھُمْ مبتداء معرضون اس کی خبر **قولہ** فی غفلۃ معرضون کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے ای اعرضوا غافلین اور مبتداء کی خبر ثانی بھی ہوسکتی ہے **قولہ** تاھب اَھَّبَ وتَاَھَّبَ بمعنی تیار ہونا، آمادہ ہونا **قولہ** مَا یاتیھم من ذِکر یہ ماقبل کی علت ہے مِنْ ذِکرٍ میں مِن فاعل پر زائدہ ہے **قولہ** لفظ القرآن مفسر علام نے لفظ القرآن کا اضافہ کر کے اس شبہ کو زائل کردیا کہ یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے اور قرآن اللہ کا کلام اور اس کی خاص صفت ہے اور اللہ کی ذات کے مانند اس کی صفات بھی قدیم ہیں تو پھر اس کو محدثٌ کیوں کہا گیا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن الفاظ منزلہ کے اعتبار سے حادث ہے اور اپنے مدلول و معنی کے اعتبار سے قدیم ہے **قولہ** وَاَسَرُّوْا النَّجویٰ الذین ظلموا اَسَرُّوْا کے واؤ سے بدل ہے اور محل میں رفع کے ہے اور الذین ظلموا، ھم مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتی ہے ای ھم الذین ظلموا اور اگر اعنی مقدر مان لیا جائے تو الذین ظلموا محلا منصوب ہوگا، ای اَعْنِیْ الذین ظلموا **قولہ** ھل ھٰذا الخ یہ النجویٰ سے بدل ہے یعنی ان ظالموں کی خفیہ گفتگو یہ تھی کہ یہ ہمارے جیسا بشر ہی ہے ھَل ھٰذا اِلَّا بشرٌ مثلکُمْ وَاَنتُمْ تبصِرون تاتون کی ضمیر سے حال ہے علامہ محلی نے کَالُنَاً کا اضافہ کر کے اشارہ کردیا کہ فی السماء والارض اَلْقَوْل سے حال ہے **قولہ** اَضغاثُ احلامٍ یہ ھٰذا یا ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ علامہ محلی نے ھُوَ مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے اور جملہ ہوکر قالوا کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے اَضْغَاثُ بمعنی اخلاط جمع ضغث وہ پراگندہ خیالات جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے **قولہ** فَلْیَاْتِنا بآیۃٍ یہ شرط محذوف کی جزاء ہے جو کہ سیاق و سباق سے مفہوم ہے ای کَانَّہٗ قیل وَاِنْ لم یکن کما قلنا بل کان رسولاً من عند اللّٰہِ فَلْیَاْتِنَا بِآیَۃٍ **وقولہ** کما اُرْسِلَ الاولون یہ آیۃٍ کی صفت ہے ای اِئتنا بآیۃٍ کائنۃٍ مثل الآیۃ التی ارسل بھا الاَوَّلون **قولہ** اَھْلَکنٰھا قَرْیَۃٍ کی صفت ہے اَفَھُمْ یومِنُونَ کے بعد لا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَفَھُمْ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے **قولہ** یُوْحٰی بالیاء مبنی للمفعول اِلَیْھِمْ نائب فاعل وفی قراءۃٍ نُوْحِیْ بالنون وکسر الحاء اس صورت میں مفعول محذوف ہوگا ای نُوحِی اِلَیْھِم الاَمرَ والنَّھْیَ اِنْ کُنْتُمْ لاتعلمون یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزاء فاسئلوھم محذوف ہے سابقہ جملہ حذف جزاء پر دلالت کررہا ہے یعنی تم اہل کتاب کی بات کی تصدیق کو اولیت دو گے بخلاف ان لوگوں کی بات کی تصدیق کے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ اہل کتاب اسلام دشمنی میں تمہارے ہمنوا اور شریک ہیں **قولہ** اَقْرَبُ مِن تصدیق المومنین اصل میں مِن تصدیقکم المومنینَ بمحمدٍ صلی اللّٰہُ علیہِ وسلَّمَ ہے جَسَدًا بمعنی اَجْسَادًا یہ اشارہ ہے کہ جَسَدًا مفرد بمعنی اجسادًا ہے یا اس سے پہلے مضاف محذوف ہے ای ذَوِیْ جَسَدٍ جسدًا یا تو اس وجہ سے منصوب ہے کہ جَعَلْنا کا مفعول ثانی ہے اگر جعل بمعنی صیر اور اگر جَعَلَ بمعنی خلق ہو تو جعلناھم کی ضمیر ھم

سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا **قوله** لایاکلون الطعام ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ جسدًا کی صفت ہے دراصل یہ جملہ مشرکین کے اس قول کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے مالِ هٰذا الرسول یاکل الطعام **قوله** لَقَدْ اَنْزَلْنا لقد میں لام قسمیہ ہے ای واللّٰہِ لقَدْ۔

تفسیر و تشریح

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ سورۂ انبیاء بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ یا بارہ آیتیں ہیں چونکہ اس سورت میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے واقعات مذکور ہوئے ہیں، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے، سورہ کہف سورہ مریم سورہ طٰہٰ اور سورہ انبیاء نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتوں میں سے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ میری قدیم دولت اور کمائی ہیں جن کی میں ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔

حساب کے وقت کے قریب ہونے سے قیامت کا دن مراد ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہا ہے، اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہی ہوتی ہے "کل ما هو آتٍ فهو قريب" اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لئے قیامت ہے اس لئے کہ ہر انسان کا حساب قبر ہی سے شروع ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں گذرے ہوئے زمانہ کے اعتبار سے بھی قیامت قریب ہے، اس لئے کہ گذشتہ زمانہ کے اعتبار سے آئندہ زمانہ کم ہی ہے حدیث شریف میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ گذشتہ زمانہ کی مقدار باقی زمانہ کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسا کہ صبح سے لیکر عصر کے وقت تک اور بقیہ زمانہ کی مقدار ایسی ہے جیسا کہ عصر سے غروب تک کا وقت، مقصد اس آیت سے غفلت شعار لوگوں کو متنبہ کرنا ہے جس میں مومن اور کافر سب داخل ہیں کہ دنیا کی خواہشات میں مشغول ہو کر اس حساب کے دن کو نہ بھلائیں کیوں کہ اس کو بھلا دینا ہی تمام خرابیوں اور برائیوں کی جڑ ہے۔

مَا يَاتِيهِمْ مِن ذِكْرٍ الخ یہ آخرت اور عذاب قبر سے غفلت کرنے والوں کا مزید بیان ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کی کوئی نئی آیت نازل ہوتی ہے اور ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے تو وہ اس کا استہزاء کرتے ہیں اور ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں، آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کی آیات سننے کے وقت یہ اپنے کھیل اور شغل میں اسی طرح لگے رہتے ہیں کہ قرآن کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ اس میں تدبر و غور و فکر کرتے ہیں۔

اَفَتَاتُونَ السِّحْرَ وانتم تُبْصِرُونَ یعنی یہ لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص جو خود کو نبی اور رسول کہتا ہے یہ تو ہم جیسا انسان ہے کوئی فرشتہ تو ہے نہیں کہ ہم اس کی بات مان لیں، مطلب یہ کہ ان کو نبی کا بشر ہونا قابل قبول نہیں تھا جیسا کہ خود کو مسلمان کہلانے والے بعض فرقے بھی محمد ﷺ کی بشریت سے انکار کرتے ہیں۔

قرآن چونکہ اپنی حلاوت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر ہے، جس کی تاثیر کا کوئی کافر بھی انکار نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ

مشرکین مکہ کے سرداروں نے یہ صورت نکالی کہ اس کلام کو سحر اور جادو قرار دیں اور پھر لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے یہ کہیں کہ جب تم سمجھ گئے کہ یہ جادو ہے اور اس کلام کا سنانے والا جادوگر ہے تو پھر اس کے پاس جانا اور اس کا کلام سننا دانشمندی کے خلاف ہے، شاید مشرکین مکہ نے رازدارانہ طور پر یہ گفتگو اس لئے کی ہو کہ اگر مسلمان سن لیں گے تو ان کی احمقانہ تلبیس کا پول کھول دیں گے۔

اضغاث، صِغثٌ کی جمع ہے مختلف قسم کی گھاس کا مٹھا اسی مناسبت سے **اضغاث** ان خوابوں کو کہتے ہیں جن میں کچھ نفسانی اور شیطانی خیالات شامل ہو جاتے ہیں یعنی ان منکرین نے اول تو قرآن کو جادو کہا پھر پریشان خیالات کہنے لگے پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ یہ تو خدا پر افتراء اور بہتان ہے، پھر کہنے لگے یہ کوئی شاعر شخص ہے اس کے کلام میں شاعرانہ خیالات ہیں، خدا کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا میرا پروردگار ہر اس بات کو جو زمین اور آسمان میں ہے بخوبی جانتا ہے اور تمام بندوں کی گفتگو سنتا ہے اور ہر ایک کے عمل کو دیکھتا ہے، لہٰذا تم جو جھوٹ بک رہے ہو اسے وہ سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

فَلْیاتنا بآیۃٍ تو مشرکین کہنے لگے اگر یہ واقعی نبی ہے تو ہمارے طلب کئے ہوئے معجزے دکھلائیں اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں میں اس کا بھی تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے کہ جس طرح کا معجزہ انہوں نے طلب کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھوں پر وہی معجزہ سامنے آ گیا مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور منہ مانگے معجزے کو دیکھنے کے بعد بھی جو قوم ایمان سے گریز کرے اس کے لئے اللہ کا قانون یہ ہے کہ دنیا ہی میں عذاب نازل کر کے ختم کر دی جاتی ہے اور چونکہ امت مرحومہ کو حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں دنیا کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا ہے اس لئے ان کے مطلوبہ معجزات دکھلانا مصلحت نہیں **اَفَھُمْ یومنون** کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ منہ مانگے معجزات دیکھ کر بھی یہ ایمان لے آئیں گے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی اس لئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا۔

وَمَا اَرْسَلْنا قبلکَ یعنی جتنے بھی ہم نے نبی اور رسول بھیجے وہ سب مرد اور انسان تھے نہ کوئی غیر انسان کبھی نبی آیا اور نہ غیر مرد، گویا کہ نبوت انسانوں کے ساتھ اور انسانوں میں سے مردوں کے ساتھ خاص رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی اس لئے کہ نبوت بھی ان فرائض میں سے ہے کہ جو عورت کے طبعی اور فطری دائرۂ عمل سے خارج ہے۔

فاسئلوا اَھْلَ الذِّکر میں اہل ذکر سے اس جگہ علماء توراۃ اور علماء انجیل مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو پچھلے انبیاء کا بشر اور مرد ہونا معلوم نہیں ہے تو علماء توریت و انجیل سے معلوم کر لو۔

کتابًا فیہ ذکرکم کتاب سے مراد قرآن ہے اور ذکر سے مراد شرف، فضیلت و شہرت ہے یہ قرآن چونکہ عربی زبان میں ہے لہٰذا تمہارے لئے بڑی عزت اور دائمی شہرت کی چیز ہے اس کی تمہیں قدر کرنا چاہئے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا اَهلكنا مِنْ قَرْيَةٍ اى اَهْلِها كَانَتْ ظَالِمَةً كافِرةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَها قَوْمًا آخَرِيْنَ فلمّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اى شَعَرَ اهلُ القَرْيَةِ بالاِهْلاكِ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ يَهْرِبُوْنَ مُسْرِعِيْنَ فقالتْ لَهمُ المَلاَئِكَةُ اِسْتِهْزَاءً لاَتَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْآ مَآ اُتْرِفْتُمْ نَعِمْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْاَلُوْنَ شَيْئًا مِنْ دُنْياكم عَلى العَادَةِ قَالُوْا يَا لِلتَّنْبِيْهِ وَيْلَنَا هَلاَكَنا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ بالكُفر فَمَا زَالَتْ تِلْكَ الكَلِمَاتُ دَعْوٰهُمْ يَدْعُوْنَ بها ويُرَدِّدُوْنَها حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا اى كالزَّرْعِ المَحْصُوْدِ بالمَناجِل باَنْ قُتِلُوْا بالسَّيْفِ خَامِدِيْنَ مَيِّتِيْنَ كَخُمُوْدِ النَّارِ اِذا طُفِيَتْ وَمَا خَلَقْنا السَّمَآءَ وَالاَرْض وما بَيْنَهُمَا لاَعِبِيْنَ عَابِثِيْنَ بَلْ دَالِّيْنَ عَلى قُدْرَتِنا ونَافِعِيْنَ عِبَادَنا لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا ما يُلْهى به مِنْ زَوْجَةٍ او وَلَدٍ لاَّتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّآ مِنْ عِنْدِنَا مِن الحُوْرِ العِيْنِ والمَلٰئِكَةِ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ذلك لٰكِنَّا لم نَفعلْه فلم نُرِدْهُ بَلْ نَقْذِفُ نَرْمِىْ بالحَقِّ الاِيْمَانِ عَلَى البَاطِلِ الكُفْرِ فَيَدْمَغُهٗ يَذْهَبُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ذَاهِبٌ ودَمَغَهٗ فى الاصل اَصَابَ دِمَاغَهٗ بالضَّرْبِ وهو مَقْتَلٌ وَلَكُمْ يا كُفَّارَ مَكَّةَ الوَيْلُ العَذَابُ الشَّدِيْدُ مِمَّا تَصِفُوْنَ اللّٰهَ به من الزَّوْجَةِ اَوِ الوَلَدِ وَلَهٗ تعالٰى مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ مِلْكًا وَمَنْ عِنْدَهٗ اى المَلاَئِكَةُ مُبْتَدأٌ خبرُهٗ لاَيَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلاَ يَسْتَحْسِرُوْنَ لاَ يَعْيُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لاَيَفْتُرُوْنَ عنه فهو مِنهم كالنَّفَسِ مِنَّا لاَيُشْغِلُنَا عنه شَاغِلٌ اَمِ بمعنى بل لِلاِنْتِقَالِ وهَمْزَةُ الاِنْكَارِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً كَائِنَةً مِّنَ الاَرْضِ كحَجَرٍ وذَهَبٍ وفِضَّةٍ هُمْ اَىِ الآلِهَةُ يُنْشِرُوْنَ اى يُحْيُوْنَ المَوْتٰى لاَ وَلاَيكونُ اِلٰهًا الامن يُحْيِ المَوْتٰى لَوْكَانَ فِيْهِمَا اى السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ اٰلِهَةٌ اِلاَّ اللّٰهُ اى غَيْرُهٗ لَفَسَدَتَا خَرَجَتَا عَنْ نِظَامِهِمَا المُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التمانُعِ بَيْنَهُم عَلى وَفْقِ العَادَةِ عِنْدَ تَعَدُّدِ الحَاكِمِ مِنَ التَّمَانُعِ فى الشَّيْئِ وعَدَمِ الاتِّفَاقِ عليه فَسُبْحَانَ تَنْزِيْهَ اللّٰهِ رَبِّ خَالِقِ العَرْشِ الكُرْسِيِّ عَمَّا يَصِفُوْنَ اى الكُفَّارُ اللّٰهَ به مِنَ الشَّرِيْكِ له وغيرِه لاَ يُسْاَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ عن اَفْعَالِهم.

ترجمہ

اور کتنی ہی بستیوں کو یعنی بستی والوں کو جو ظالم یعنی کافر تھے تباہ یعنی ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی تو ان ظالموں نے جب ہمارا عذاب آتا دیکھا یعنی بستی والوں نے جب ہلاکت کو محسوس کیا تو اس بستی سے تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا تو فرشتوں نے ان سے بطور استہزاء کے کہا بھاگو مت اور اپنے سامان کی طرف جس میں تم کو آسودگی دی گئی تھی اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو تاکہ دنیا کے دستور کے مطابق تم سے کچھ پوچھ تاچھ کی جائے تو وہ

لوگ کہنے لگے ہائے ہماری بدبختی (یا تنبیہ کے لئے ہے) یعنی ہماری ہلاکت بے شک ہم کفر کے ذریعہ ظلم کرنے والے تھے پھر تو انہی کلمات کی رٹ لگاتے رہے اور انہی کلمات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو حصید کردیا درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی کے مانند کردیا اس لئے کہ وہ سب تہہ تیغ کردیئے گئے اور بجھی ہوئی آگ کے مانند مردہ کردیا جیسا کہ آگ بجھ جاتی ہے جب اس کو گل کردیا جائے اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے کھیلتے ہوئے نہیں بنایا یعنی بے فائدہ کام کرنے والے کے مانند نہیں بنایا بلکہ اس انداز پر بنایا کہ ہماری قدرت پر دلالت کریں اور ہمارے بندوں کے لئے نافع ہوں اور اگر ہم کو کھیل تماشہ کے طور پر بنانا مقصود ہوتا یعنی (کھلونا) جس سے تفریح طبع مقصود ہو مثلاً بیوی اور بچہ تو اسے اپنے پاس سے ہی بنالیتے یعنی (اس مقصد کے لئے) اپنے پاس سے حور وملائکہ کا انتخاب کرلیتے، اگر ہم کو ایسا کرنا ہوتا لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا لہٰذا اس کا ارادہ بھی نہیں کیا بلکہ ہم حق ایمان کو باطل یعنی کفر پر پھینک مارتے ہیں تو وہ بھیجہ نکال دیتا ہے (یعنی) نیست ونابود کردیتا ہے تو وہ دفعۃً دم توڑ دیتا ہے زاھق بمعنی ذاھب ہے اور دَمَغَہٗ کے (معنی) اصل میں دماغ پر ضرب لگانے کے ہیں (یعنی سرکوبی کرنے کے) حال یہ ہے کہ وہ ضرب مہلک ہو اور تمہارے لئے اے کفار مکہ ہلاکت (یعنی) عذاب شدید ہے ان باتوں کی وجہ سے کہ جن کے ساتھ تم اللہ کو متصف کرتے ہو (یعنی) بیوی یا بچہ اور زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اسی کی ملک ہے اور جو فرشتے اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے مَن عندہٗ مبتداء ہے اور لایستکبرون اس کی خبر ہے اور نہ وہ تھکتے ہیں (بلکہ) شب وروز اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور تسبیح سے (ذرا بھی) سستی نہیں کرتے پس وہ تسبیح ان کے لئے، ہمارے لئے سانس کے مانند ہے کہ ہم کو اس سانس سے کوئی عمل نہیں روکتا کیا ان لوگوں نے زمین کی مخلوق مثلاً پتھر، سونا اور چاندی سے معبود بنا رکھے ہیں کیا وہ یعنی معبودان باطلہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ نہیں اور معبود وہی ہوسکتا ہے جو مردوں کو زندہ کرسکے اگر ان دونوں یعنی آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ دونوں فاسد ہوجاتے یعنی اپنے نظام مشاہد سے نکل پڑتے (یعنی درہم برہم ہوجاتے) ان کے درمیان ٹکراؤ کی وجہ سے عادت کے مطابق تعدد حکام کے وقت کسی شئ میں ٹکراؤ اور عدم اتفاق کی وجہ سے (یعنی دنیوی حکام میں بھی عادت اور دستور یہی ہے کہ جب مساوی حیثیت کے چند حکام جمع ہوجاتے ہیں تو ان کے درمیان کسی نہ کسی بات میں ضرور اختلاف ہوتا ہے جو ٹکراؤ کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور چونکہ کوئی کسی سے کم نہیں ہوتا اس لئے وہ شئ درہم برہم ہوجاتی ہے) پس اللہ عرش کرسی کا رب خالق ہے ہر اس چیز سے پاک جو یہ کافر بیان کرتے ہیں، یعنی کفار، شرک وغیرہ جن صفات سے اس کو متصف کرتے ہیں (پاک ہے) اور وہ اپنے کاموں کے لئے جوابدہ نہیں اور وہ اپنے افعال کے بارے میں جوابدہ ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

کم خبریہ ہے اور قَصَمْنَا کا مفعول مقدم ہے مِنْ قَرْیَۃٍ کَمْ خبریہ کی تمیز ہے قَصَمْنَا (ض) ماضی جمع متکلم معروف قصمًا توڑنا، ریزہ ریزہ کردینا، توڑ پھوڑ کر رکھ دینا، ہلاک کرنا قریہ سے یمن کا ایک قریہ مراد ہے جس کا نام

حضور ا تھا اللہ تعالیٰ نے اس قریہ والوں کی طرف حضرت موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوب کو نبی بنا کر مبعوث کیا تھا اور بعض حضرات نے امم سابقہ مثلاً قوم نوح ولوط وصالح وغیرہ بھی مراد لی ہیں مگر اول قول راجح ہے۔

کانت ظالمة یہ قریة کی صفت ہے **قوله** اَحَسُّوْا ای ادرکُوْا بالحواسِ **قوله** اِذَاهُمْ یَرْکُضُوْنَ اِذَا مفاجاتیہ ہے هُمْ مبتداء یرکضون اس کی خبر ہے الرکض ضرب الدابة بالرجل (ایڑھ لگانا) یہاں مراد ہے تیزی سے بھاگنا اِذَا یرکضون کا ظرف ہے **قوله** استهزاء اس لفظ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ ملائکہ کذب وغیرہ سے معصوم ہیں تو پھر انہوں نے خلاف واقعہ بات کیوں کہی؟ کہ تم اپنے سامان آسودگی اور مکانوں کی طرف لوٹ آؤ حالانکہ ملائکہ کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک بھی بچنے والا نہیں ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ انہوں نے استہزاءً کہا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ العزیز الکریم **قوله** مَسَاکِنِکم اس کا عطف ما پر ہے تلك الکلمات سے مراد ان کا قول یا وَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا ظالمینَ ہے **قوله** لَاعِبِیْنَ یہ خلقنا کی ضمیر فاعل سے حال ہے **قوله** دَعْواهم ای دُعائُهم وندائهم مناجل جمع مِنْجَل کھیت کاٹنے کا آلہ (درانتی) حصیدًا مصدر بمعنی محصُود کٹی ہوئی کھیتی، مصدر چونکہ واحد تثنیہ جمع سب پر بولا جاتا ہے اس لئے حصیدًا کو جمع نہیں لایا گیا **قوله** خامدین جعلناهم کی ضمیر هم سے حال ہے حصیدًا خامدین دونوں کا مجموعہ بمنزلہ مفعول واحد کے ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ جعل متعدی بسہ مفعول نہیں ہوتا اور یہاں متعدی بسہ مفعول ہے خامدین خَمَدَتِ النار سے مشتق ہے جبکہ آگ کی لپٹیں بجھ جائیں اسی سے خَمَدَتِ الحُمّٰی مشتق ہے جبکہ بخار کی تیزی کم ہوجائے اور هَمَدَتِ النّار اس وقت بولتے ہیں جبکہ آگ بالکل بجھ کر راکھ ہوجائے **قوله** لاعبینَ ما خلقنَا میں مقصود نفی لاعبین ہے اس لئے کہ نفی جب مقید پر داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی ہوتی ہے لہٰذا ماخلقنا میں تخلیق کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ لاعبین کی نفی مقصود ہے۔

قوله لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَتَّخِذَ لَهوًا ا تخذناهُ مِنْ لَدُنَّا کا جواب ہے، تالی کی نقیض کا استثناء مقدم کی نقیض کا نتیجہ دیتا ہے لہٰذا عبارت اس طرح ہوگی لو تَعَلَّقَتْ اِرَادَتُنَا باتخاذ اللهْوِ لاتخذناهُ مِنْ عِندنا لکنّالَمْ نتخذهُ فلمْ تتعلق به ارادتنا

قوله اِنْ کُنَّا فاعلین اِن شرطیہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ان کنّا فاعلین اَرَدْناه مفسر علام نے اپنے قول لکنا لم نفعله سے نقیض تالی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فَلَمْ نُرِدْهُ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اِن شرطیہ ہے، اِنْ کنّا فاعِلِیْنَ میں اِن نافیہ بھی ہوسکتا ہے، ای ما کنا فاعلین **قوله** مِمَّا تصِفُوْنَ مفسر علام نے به کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ مِمَّا میں مَا موصولہ ہے اور تصِفُون جملہ ہو کر اس کا صلہ ہے اور عائد به محذوف ہے، ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی ولکم الویل من اجل وصفکم ایاه بما

لایلیق مِمَّا تصفُوْنَ استقر کے متعلق ہے ای استقر لکم الویل من اجل ما تصفون اللّٰہ بہ مما لایلیق بعزتہ **قولہ** مَنْ عِندہٗ ای مکرمٌ عندہٗ **قولہ** لایَسْتحسِرُوْنَ (استفعال) جمع مذکر غائب منفی وہ نہیں تھکتے **قولہ** لایَفْتُرُوْنَ (ن) جمع مذکر غائب منفی، سستی نہیں کرتے اِتَّخَذُوْا آلِهَةً کائنۃً مِن الارض مفسر علام نے کائنۃ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ من الارض کائنۃ کے متعلق ہو کر آلِهَةً کی صفت ہے اور اتخذوا کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اور من الارض اتخذوا فعل کے متعلق بھی ہوسکتا ہے **قولہ** لَوْ کَانَ فِیْهِمَا آلِهَةٌ لَفَسَدَتَا لَوْ حرف شرط ہے اور کان تامہ ہے شرط ہے آلِهَة اس کا فاعل ہے اور فیهما کان کے متعلق ہے اور الّا بمعنی غیر، آلِهَة کی صفت ہے اس کا اعراب مابعد میں ظاہر ہوا ہے **قولہ** لَفَسَدَتَا جواب شرط ہے۔

فعل شرط کو مقدم اور جواب شرط کو تالی کہتے ہیں تالی کی نقیض کا استثنا مقدم کی نقیض کا نتیجہ دیتا ہے مطلب یہ ہوا لکنّهما لم تَفْسُدَا فَلَمْ یکُنْ فیهِمَا آلِهَةٌ غیر اللّٰہ۔

تفسیر وتشریح

وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ ان آیات میں جن بستیوں کی تباہی کا ذکر ہے، بعض مفسرین نے قوم ثمود وقوم عاد کی بستیاں مراد لی ہیں، اور بعض نے یمن کی حضوراء اور قلابہ بستیوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا تھا جس کے نام میں روایات مختلف ہیں بعض نے موسیٰ بن میشا اور بعض نے شعیب بیان کیا ہے مگر یہ شعیبؑ مدین والے شعیبؑ نہیں ہیں ان کے علاوہ کوئی اور ہیں ان بستی والوں نے اللہ کے رسول کو قتل کردیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک کافر بادشاہ بخت نصر کو مسلط کردیا جس نے پوری قوم کو تہ تیغ کردیا، قرائن سے دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ قوم نوح اور قوم ثمود وعاد وغیرہ کو صاعقہ اور صیحہ وغیرہ کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کیا گیا تھا اور ان بستی والوں کو عذاب کے سلسلہ میں قصمنا کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں کاٹ کر رکھ دینا اور یہ تلوار کے ذریعہ ہوگا، لہٰذا اس سے بخت نصر کا عذاب مراد ہے جس نے ان بستی والوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

جب بستی والوں نے عذاب کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور بخت نصر کی آمد کا علم ہوا تو بستی چھوڑ کر بھاگنے لگے تو فرشتوں نے بطور استہزاء کہا بھاگو نہیں اپنے مکانات اور جہاں تم کو آسودگی دی گئی تھی اور جہاں تم نے عیش کیا تھا، مزے اڑائے تھے یعنی جب عذاب الٰہی سامنے آگیا تو چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگیں اور بھاگ کر جان بچالیں، اس وقت تکوینی طور پر زبان حال سے یا فرشتوں نے کہا بھاگتے کہاں ہو ٹھہرو اور ادھر ہی واپس چلو جہاں عیش کیا کرتے تھے اور جہاں بہت سامان تنعم جمع کر رکھے تھے شاید وہاں کوئی تم سے پوچھے کہ جناب وہ مال ودولت اور زور وقوت کا نشہ کیا ہوا؟ اور وہ سامان عیش کہاں گیا؟ یا یہ کہ آپ بڑے آدمی تھے جن کی ہر موقعہ پر پوچھ ہوتی تھی اب بھی وہیں چلئے بھاگنے کی

ضرورت نہیں تا کہ لوگ اپنے مہمات میں آپ سے مشورہ کرسکیں اور آپ کی رائے دریافت کرسکیں۔ (یہ سب باتیں تہکما کہی گئیں ہیں)

جب عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تب اپنے جرموں کا اعتراف کیا اور برابر یہی چلاتے رہے کہ بے شک ہم ظالم اور مجرم ہیں وہ کلمہ جس کی وہ رٹ لگارہے تھے یا وَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا ظالمین تھا لیکن

اب پچتائے کاہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

یہ وقت قبولیت تو یہ کا نہ تھا، اعتراف اور ندامت سب بیکار ثابت ہوئیں، آخر اس طرح ختم کردیئے گئے جیسے کھیتی ایک دم کاٹ کر ڈھیر کردی جاتی ہے یا آگ میں جلتی ہوئی لکڑی بجھ کر راکھ رہ جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ) (فوائد عثمانی)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ الخ یعنی ہم نے زمین وآسمان اور عالم کون ومکان کو یوں ہی عبث وبے فائدہ صرف تفریح طبع کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کی تخلیق میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، اسی طرح جن بستیوں کو تباہ وبرباد کیا گیا ان کا تباہ کرنا بھی عین حکمت تھا۔

اگر ہم کو تفریح طبع ہی مقصود ہوتی تو اپنے پاس سے ہی کچھ چیزیں بنالیتے اور اپنا شوق پورا کرلیتے اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ الخ یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق وباطل کی جو معرکہ آرائی اور خیروشر کے درمیان جو تصادم ہے اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں، چنانچہ ہم حق کو باطل پردے مارتے ہیں جس سے باطل کا سر پاش پاش ہوکر بھیجہ نکل جاتا ہے اور چشم زدن میں باطل بے نام ونشان نیست ونابود ہوجاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ دنیا محض کھیل تماشہ نہیں بلکہ میدان کارزار ہے جہاں حق وباطل کی جنگ ہوتی ہے حق حملہ آور ہوکر باطل کے سر کو کچل ڈالتا ہے اور رب کی جانب جو بے سروپا باتیں منسوب کرتے ہو مثلاً یہ کہ یہ کائنات ایک کھیل ہے اور ایک کھلنڈرے کا فضول شوق ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں تمہاری ہلاکت کا باعث ہیں، اس لئے کہ اسے کھیل تماشہ اور عبث سمجھنے کی وجہ سے تم حق سے گریزاں، باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تامل اور خوف محسوس نہیں کرتے جس کا نتیجہ بالآخر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہے۔

فرشتے باوجود مقربین بارگاہ ہونے کے شیخی اور تکبر نہیں کرتے، اپنے پروردگار کی بندگی اور غلامی پر فخر کرتے ہیں، وظائف عبودیت ادا کرنے میں کبھی سستی یا کاہلی کو راہ نہیں دیتے، شب وروز اس کی تسبیح اور یاد میں لگے رہتے ہیں نہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں بلکہ تسبیح وذکر ہی ان کی غذا ہے جس طرح ہم ہر وقت سانس لیتے ہیں اور دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں، یہی کیفیت ان کے ذکر وتسبیح کی ہے۔

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ فرشتوں کو تسبیح کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں، اگر

ہے تو پھر دوسرے کاموں کے ساتھ ہر وقت تسبیح کیسے جاری رہتی ہے؟ کعب نے فرمایا اے میرے بھتیجے کیا تمہارا کوئی کام اور مشغلہ سانس لینے سے روکتا ہے اور کام کرنے میں مخل اور مانع ہوتا ہے؟ فرشتوں کے لئے تسبیح ایسی ہے جیسا کہ انسانوں کے لئے سانس۔

سوال: جو کام زبان کے علاوہ دیگر اعضاء سے ہوتے ہیں ان میں اور تسبیح لسانی میں کوئی تمانع اور تضاد نہیں ہے، مگر زبان سے بیک وقت دو قسم کے کام کیسے ہو سکتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاعلِ الملائکۃ رُسُلاً ظاہر ہے کہ کار رسالت کی انجام دہی میں زبان کو استعمال کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو اس وقت وہ تسبیح کا عمل کیسے جاری رکھ سکتے ہیں، دوسری جگہ فرمایا گیا ہے اُولٰئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ والملائِکَةِ ظاہر ہے کہ ملعونین پر اللہ اور فرشتوں کی لعنت کا تقاضہ یہ ہے کہ لعنت کرتے وقت تسبیح کا کام موقوف رہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کے اعضاء متعدد ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت جبرائیل امین کے چھ سو بازو بتائے گئے ہیں، اسی طرح فرشتوں کی زبانیں بھی ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں، لہٰذا اب کوئی تضاد باقی نہیں رہا۔

اَمِ اتخذوا آلِهَةً الخ یعنی یہ مشرکین کس قدر جاہل اور احمق ہیں کہ معبود بھی بنایا تو ایسی چیزوں کو کہ جن کے اندر نہ زندہ کرنے کی قدرت ہے اور نہ مارنے کی، حالانکہ معبود کے لئے اس قدرت کا ہونا ضروری ہے، معبود وہی ہو سکتا ہے کہ مخلوق کی موت و حیات اس کے قبضہ و قدرت میں ہو۔

لَوْ کانَ فیهِمَا آلِهَةٌ یہ توحید کی دلیل عادی ہے جو عام عادات کے اعتبار پر مبنی ہے اور تعدد الٰہ کے ابطال پر نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے، اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ عبادت کامل تذلل کا نام ہے، اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو۔

اس دلیل عادی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زمین اور آسمانوں میں دو خدا ہوں اور دونوں مالک و مختار ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ دونوں کے احکام پورے پورے زمین و آسمان میں نافذ ہونے چاہئے اور عادۃً یہ ممکن نہیں کہ جو حکم ایک دے دوسرا بھی وہی حکم دے یا جس چیز کو ایک پسند کرے دوسرا بھی وہی پسند کرے اس لئے کبھی نہ کبھی اختلاف رائے اور اختلاف احکام ہونا ناگزیر ہے، اور جب دو خداؤں کے احکام زمین و آسمان میں مختلف ہوئے تو نتیجہ ان دونوں کا فساد کے سوا کیا ہوگا؟ مثلاً ایک خدا چاہے کہ اس وقت دن ہو اور دوسرا چاہے کہ رات ہو ایک چاہے کہ بارش ہو اور دوسرا چاہے کہ نہ ہو تو دونوں کے متضاد احکام کس طرح جاری ہوں گے، اور اگر ایک مغلوب ہو گیا تو وہ مالک و مختار نہ رہا جو خدا نہیں ہو سکتا، اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ دونوں مشورہ کر کے احکام جاری کیا کریں تو اس میں کیا بعد ہے؟ اس کے جواب کے سلسلہ میں یہاں صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ اگر دونوں مشورہ کے پابند ہوئے کہ ایک دوسرے کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کر سکے تو اس

سے یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی مالک ومختار نہ ہو لہٰذا دونوں ناقص ہیں اور ناقص خدا نہیں ہوسکتا، غالبًا اگلی آیت لایُسْئَلُ عما یفعل وھم یُسْئَلُون میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، جو کسی قانون کا پابند ہو اور جس کے اعمال وافعال پر کسی کو مواخذہ کرنے کا اختیار ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا، اگر دو خدا ہوں اور دونوں مشورہ کے پابند ہوں تو ہر ایک کو دوسرے سے سوال کرنے اور ترک مشورہ پر مواخذہ کرنے کا حق ہے جو خود منصب خدائی کے منافی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ تعالٰی ای سِواہُ **آلِھَةً** فیہ اِستِفْھَامُ تَوْبِیْخٍ **قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ** علٰی ذٰلک ولاسبیلَ اِلَیْہِ **ھٰذَا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ** ای اُمَّتِی وھو القرآنُ **وَذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ** من الاُمَمِ وھو التوراۃُ والاِنجیلُ وغیرُھُمَا مِن کُتُبِ اللّٰہِ لَیْسَ فِی وَاحِدٍ منھا اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا مِمَّا قَالوا تعالٰی عَن ذٰلک **بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ** ای تَوْحِیْدَ اللّٰہِ **فَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ** عَنِ النَّظْرِ المُوْصِلِ اِلیہِ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا یُوْحِٓی** وفی قِراءَۃٍ بالنُّون وکَسْرِ الحَاءِ **اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ** ای وَحِّدُوْنِی **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا** مِنَ المَلَائِکَۃِ **سُبْحَانَہٗ بَلْ** ھم **عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ** عِنْدَہ والعُبُوْدِیَّۃُ تُنَافِی الوِلَادَۃَ **لَایَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ** لایَاتُوْنَ بِقَوْلِھِمْ اِلَّا بَعْدَ قَوْلِہٖ **وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ** ای بَعْدَہ **یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَاخَلْفَھُمْ** ای مَاعَمِلُوْا ومَاھم عَامِلُوْنَ **وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی** تعالٰی ان یُشْفَعَ لہ **وَھُمْ مِّنْ خَشْیَتِہٖ** تعالٰی **مُشْفِقُوْنَ** ای خَائِفُوْنَ **وَمَنْ یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْٓ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ** ای اللّٰہِ ای غَیْرِہٖ وھو اِبْلِیْسُ دَعَا الٰی عِبَادَۃِ نَفْسِہٖ وَاَمَرَ بِطَاعَتِھَا **فَذٰلِکَ نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ کَذٰلِکَ** کما نَجْزِیْہِ **نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ** ای المُشْرِکِیْنَ ع۲

ترجمہ

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالٰی کے علاوہ اور معبود بنا رکھے ہیں؟ اس میں استفہام توبیخی ہے ان سے کہدو کہ لاؤ اس بات (یعنی اتخاذ الٰہ پر) اپنی دلیل پیش کرو ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے (نہ عقلی نہ نقلی) یہ میرے ساتھیوں کی کتاب موجود ہے یعنی میری امت کی اور وہ قرآن ہے اور مجھ سے پہلی امتوں کی (کتابیں) موجود ہیں اور وہ تورات وانجیل وغیرہما ہیں اللہ کی کتابوں میں سے، ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی کے ساتھ دیگر معبود ہیں جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، اللہ تو اس سے وراء الوراء ہے بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے یعنی اللہ کی توحید کو اسی وجہ سے حق تک پہنچانے والی دلیل سے اعراض کر رہے ہیں آپ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف بھی یہی وحی بھیجی گئی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا میری بندگی کرو یعنی میری توحید کا اقرار کرو، ایک قرأت میں یوحی کے بجائے نُوْحِیْ ہے نون کے ساتھ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ یہ مشرک کہتے ہیں کہ رحمٰن نے فرشتوں میں سے اولاد بنا رکھی ہے اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے باعزت بندے ہیں اور عبودیت ولادت کے منافی ہے وہ اس سے

بڑھ کر بات نہیں کرتے یعنی وہ از خود کوئی بات نہیں کرتے مگر اجازت کے بعد اور وہ اس کے حکم کے بعد اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ ان کے اگلے پچھلے تمام امور سے واقف ہے یعنی جو کر چکے ہیں اور جو آئندہ کریں گے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے کہ جس کے لئے اللہ راضی ہو کہ اس کی سفارش کی جائے اور وہ خدا تعالیٰ کی ہیبت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں یعنی خائف رہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں وہ ابلیس ہے جس نے اپنی بندگی کی دعوت دی اور اپنی طاعت کا حکم دیا تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے ہم ایسی ہی جیسی کہ اس کو سزا دیں گے ظالموں یعنی مشرکوں کو بھی سزا دیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَمْ استفہام توبیخی بمعنی بل ہے اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کے لئے ہے، یعنی تعدد الٰہ کے بطلان کو ثابت کرنے کے بعد اتخاذ الٰہ متعددہ کے بطلان کو ظاہر فرما رہے ہیں **قوله هذا ذِكْرُ مَنْ مَعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي** هذا اسم اشارہ مبتداء ہے مشارہ الیہ کتب سماویہ ہیں، هذا مبتدا کی دو خبریں ہیں خبر اول سے قرآن مراد ہے اور خبر ثانی سے قرآن کے علاوہ کتب سماویہ مراد ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے **قوله وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ** یہ ماقبل کے مضمون کی تاکید ہے **قوله قالوا** کی ضمیر فاعلی عرب کے بعض فرقوں کی طرف راجع ہے جو کہ ملائکہ کے بارے میں خدا کی بیٹیاں ہونے کے قائل تھے، ان میں مشہور یہ ہیں ۱ خزاعہ ۲ جہینہ ۳ بنو سلمہ ۴ بنو ملیح **قوله يَعلم مابين ايديهم الخ** یہ جملہ مستانفہ ہے ماقبل کی علت اور مابعد کی تمہید ہے **قوله وَمَنْ يقل منهم بملائكه** کا یہ قول بالفرض والتقدیر ہے ورنہ فرشتوں میں معصیت کی صلاحیت نہیں ہے، اور اگر یقل کا فاعل ابلیس کو قرار دیا جائے تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ وہ درحقیقت ملائکہ میں سے نہیں ہے اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ ابلیس نے کبھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ تو اَعبد الملائكه تھا البتہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو گیا ہے وَاَمَرَ بطاعتها کا مطلب یہ ہے کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ وہ اس کی بات مانیں اور توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کریں، یہی اس کا اپنی بندگی اور اطاعت کی طرف بلانا ہے **قوله كذلك نجزيه ذلك** مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور نَجْزِيهِ اس کی خبر ہے اور پورا جملہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مجزوم ہے۔

تفسیر وتشریح

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دونِهٖ الخ ذِكْرُ مَنْ مَعِيَ سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتب سماویہ مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے قبل کی دیگر کتابوں میں صرف ایک ہی معبود کی الوہیت و ربوبیت کا ذکر ملتا ہے لیکن یہ

مشرکین حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور بدستور توحید سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے واحد اور معبود برحق ہونے کی میرے پاس عقلی اور نقلی اور واقعاتی دلیلیں موجود ہیں عقلی دلیل کی طرف **لو کان فیهما آلِهَةٌ لَفَسَدَتَا** سے اشارہ کردیا اور نقلی دلیل کی طرف **هٰذا ذکرُ مَنْ معیَ الخ** سے اشارہ کردیا، اور واقعاتی دلیل کی طرف **وَمَا اَرسَلْنا من قبلِكَ مِن رَّسولٍ اِلَّا نوحی الیه انّه لا الٰه اِلّا انا فاعْبُدُون** سے اشارہ کردیا یعنی واقعہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی ہم نے رسول بھیجے ہیں ان سب کا بھی یہی پیغام تھا کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں ہی بندگی کے لائق ہوں اور تمہارے پاس اگر کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو تو اس کو پیش کرو **قُلْ هَاتُوا بُرهانَكم**۔

لَا يَسْبِقُونَهُ بالقَولِ الخ اس آیت سے مشرکین کے **الملائکة بناتُ اللّٰهِ** کے دعوے کی تردید ہے، یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد تو کیا ہوتے وہ تو ایسے خائف اور مؤدب رہتے ہیں کہ نہ قول میں اللہ سے سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں کبھی اس کا خلاف کرتے ہیں، قول میں سبقت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ ہی کی طرف سے اشارہ نہ ہو خود کوئی کلام نہیں کرتے، اس آیت میں چھوٹوں کے لئے بڑوں کے ادب کی تعلیم کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَمَنْ يَقُلْ مِنهُمْ اگر مَنْ سے مراد ملائکہ کا فرد مراد ہے تو علی سبیل الفرض ہوگا اس کا وقوع ضروری نہیں، مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر فرشتہ ایسی بات کہتے تو ہم اس کو بھی جہنم کی سزا دیں گے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابلیس مراد ہو اس لئے کہ وہ بھی فرشتوں میں شامل تھا مگر اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ ابلیس نے کبھی بھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کبھی اپنی بندگی کی دعوت دی تو پھر مفسر علام کا یہ فرمانا کہ ابلیس نے اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو بلایا تو اس کا جواب یہ ہے اپنی بندگی کی دعوت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی اتباع اور بات ماننے کی دعوت دی تھی اسی کو شیطان کی عبادت سے تعبیر کردیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے والد صاحب سے کہا تھا **یا اَبَتِ لاتَعبد الشیطان** حالانکہ آزر شیطان کی بندگی نہیں کرتا تھا بلکہ شیطان کے کہنے اور بہکانے سے بتوں کی بندگی کرتا تھا، بے چوں و چرا شیطان کی بات ماننے کو ہی شیطان کی بندگی کہا گیا ہے۔

اَوَلَمْ بواو وترکِها **يَرَ يَعْلَمِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ والاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا** ای سَدًّا بمعنی مَسْدُودَةً **فَفَتَقْنٰهُمَا** ای جَعَلْنَا السَّماءَ سَبْعًا والاَرْضَ سَبْعًا او فَتَقُ السَّماءِ اَنْ كَانَتْ لَا تُمطِرُ فَاَمْطَرَتْ وفَتقُ الاَرْضِ اَنْ كَانَتْ لاتُنبِتُ فَانْبَتَتْ **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ** النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ والنَّابِعِ مِنَ الاَرْضِ **كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ** نَبَاتٍ وغَیْرِه ای فَالماءُ سَبَبٌ لِحَیٰوتِه **اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ** بتَوحِیْدِی **وَجَعَلْنَا فِی الاَرْضِ رَوَاسِیَ** جِبالًا ثوابِتَ لِ اَنْ لا **تَمِیْدَ** تَتَحَرَّكَ **بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِیْهَا** ای الرَّوَاسِی

فجاجًا مَسالك سُبُلاً بَدَلٌ اى طُرُقًا نافذةً وَاسعةً لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ الى مقاصِدِهم فى الاَسْفَارِ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا لِلاَرْض كَالسَّقْفِ لِلْبَيْت مَحْفُوْظًا عَنِ الوُقُوْعِ وهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا من الشَّمْس والقمر والنُّجُوْم مُعْرِضُوْنَ لايتفكرُوْن فيها فَيَعْلَمُوْنَ انَّ خالِقَهَا لاشَرِيْكَ له وَهُوَ الَّذِىْ خلَق الَّيْل والنَّهار وَالشَّمْس والقمر كُلٌّ تَنْوِيْنُهُ عِوَضٌ عَنِ المُضَافِ اليه مِن الشَّمْسِ والقَمَرِ وتابعه وهو النُّجُومُ فِىْ فلكٍ اى مُسْتَدِيْرٍ كالطَّاحُوْنَة فى السَّماءِ يَّسْبَحُوْنَ يَسِيْرُوْنَ بِسُرْعةٍ كالسَّابحِ فى الماء ولِلتَّشْبِيْه به اُتِىَ بِضمِيْرِ جمعِ مَنْ يَّعْقِلُ ونزل لَمَّا قال الكُفَّارُ اَنَّ مُحَمَّدًا سيمُوْتُ وما جَعَلْنَا لبشرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الخُلْدَ اى البَقَاءَ فِى الدُّنْيَا اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الخٰلِدُوْنَ فيها لا، فالجُمْلَةُ الاخيرَةُ محلُّ الِاسْتِفْهام الانكارىّ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ المَوْتِ فى الدُّنيا ونَبْلُوْكُمْ نختبرُكم بالشَّرِّ والخيرِ كفقرٍ وغنىً وسقمٍ وصحةٍ فِتْنَةً مفعُوْلٌ له اى لِنَنْظُرَ اتصْبِرُوْن وتشكُرُوْن اولا وَاِلَيْنا تُرْجَعُوْنَ فيُجازيكم وَاِذا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ ما يَتَّخِذُوْنَكَ اِلاَّ هُزُوًا اى مَهْزُوًّا به يَقُوْلُوْن اَهٰذَا الَّذِىْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ اى يعيبُها وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ لهم هُمْ تاكيدٌ كٰفِرُوْنَ به اذ قالُوْا ما نعرفُه ونزل فى اسْتِعْجَالِهِمْ العَذاب خُلِقَ الاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ اى انه لِكَثْرَةِ عجله فى اَحْوالِه كَاَنَّهُ خُلِق منه سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِىْ مواعيدِىْ بالعَذاب فلاَ تَسْتَعْجِلُوْنِ فيه فاراهم القَتْل ببدْرٍ وَيَقُوْلُوْن متى هذا الوَعْدُ بالقيامة اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فيه قال تعالىٰ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْن كفرُوْا حِيْنَ لا يَكُفُّوْنَ يدفعون عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلاعَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلاهُمْ يُنْصَرُوْنَ يُمْنَعُوْنَ منها فى القِيمَةِ وجَوابُ لو ماقالوا ذلك بَلْ تَاْتِيْهِمْ القِيٰمَةُ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ تُحَيِّرُهم فلا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا ولا هُمْ يُنْظَرُوْنَ يُمْهَلُوْنَ لتوبةٍ او مَعْذِرَةٍ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فيه تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِىِّ صلى اللّٰهُ عليهِ وسلَّم فَحَاقَ نزل بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا به يَسْتَهْزِءُوْنَ وهو العَذَابُ فكذا يَحِيْقُ بِمَنْ اِسْتَهْزَأَ بِكَ.

ترجمہ

کیا کافر یہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین (منہ) بند تھے؟ اَوَلَمْ میں واؤ اور ترک واؤ دونوں ہیں رَتْقًا بمعنی سَدًّا ہے اور سدًّا بمعنی مَسْدُوْدًا ہے پھر ہم نے ان کو کھولدیا یعنی سات آسمان اور سات زمین بنادیں یا فتق سماء کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بارش نہیں ہوتی تھی پھر بارش ہونے لگی، اور فتق ارض کا مطلب یہ ہے کہ زمین اگاتی نہیں تھی پھر اگانے لگی اور ہم نے آسمان سے برسنے والے اور زمینی چشموں سے نکلنے والے پانی سے ہر جاندار کو بنایا گھاس وغیرہ

کو لہٰذا پانی ہر جاندار کے لئے سبب حیات ہے پھر بھی میری توحید پر ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین پر ثابت رہنے والے پہاڑ بنائے تا کہ وہ مخلوق کو لیکر (اضطرابی) حرکت نہ کرے اور ہم نے ان میں یعنی پہاڑوں میں کشادہ راستے بنادیئے سُبُلاً، فجاجًا سے بدل ہے یعنی آر پار کشادہ راستے تا کہ لوگ سفر کے دوران اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکیں اور ہم نے آسمان کو زمین کے لئے گرنے سے محفوظ چھت بنادیا جیسا کہ گھر کی چھت ہوتی ہے اور یہ لوگ (آسمان میں موجود) شمس و قمر کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں یعنی آسمان کی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے تا کہ ان کو اس بات کا علم ہو جائے کہ اس کا خالق وہ ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ وہ ذات ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ یعنی شمس و قمر کے عوض میں ہے اور مضاف الیہ کے تابع کے عوض میں ہے اور وہ نجوم ہیں ان میں سے ہر ایک فلک میں یعنی چکی کے مانند اپنے آسمانی مدار میں تیر رہا ہے یعنی تیزی سے چل رہا ہے جیسا کہ تیرنے والا پانی میں تیزی سے چلتا ہے اور تیرنے والے کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے یَسْبَحُوْنَ واو نون کے ساتھ جمع لائے ہیں جو کہ ذوِ العقول کے لئے ہے اور جب کافروں نے یہ کہا کہ محمد عنقریب مرجائیں گے تو وَمَا جَعَلْنَا لبشرٍ مِن قبلِكَ الخُلد نازل ہوئی یعنی ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو دوام یعنی دنیا میں دائمی بقا عطا نہیں کی، پس اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ دنیا میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے؟ نہیں، جملہ اخیرہ (یعنی فَإن مِتَّ) ہمزہ استفہام انکاری کے محل میں ہے ہر جاندار کو دنیا میں موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم کو پرکھنے کے لئے بری اور اچھی حالت مثلاً فقر اور غنا اور مرض اور صحت سے آزمائیں گے فِتنةً مفعول لہ ہے یعنی تا کہ ہم دیکھیں کہ تم صبر و شکر کرتے ہو یا نہیں، اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے تو ہم تم کو بدلہ دیں گے اور یہ کافر جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں یعنی آپ کا مذاق بناتے ہیں، اور آپس میں کہتے ہیں کہ کیا یہی صاحب ہیں وہ جو تمہارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتے ہیں؟ اور یہ لوگ رحمان کے ذکر کے منکر ہیں جبکہ ان لوگوں نے کہا ہم رحمن کو نہیں جانتے اور ان کے عذاب کو جلدی طلب کرنے کے بارے میں آیت خُلِقَ الانسان مِنْ عجلٍ نازل ہوئی یعنی انسان اپنے احوال کے بارے میں عجلت پسندی کی وجہ سے گویا کہ انسان عجلت (کے مادہ) سے بنا ہوا ہے، ہم عنقریب آپ کو اپنی نشانیاں یعنی میرے عذاب کے وعدے دکھائے دیتے ہیں لہٰذا اس بارے میں مجھ سے جلدی مت کرو چنانچہ ان کو بدر میں قتل کا عذاب دکھادیا اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ وہ قیامت کا وعدہ کب آئے گا، اگر تم عذاب کے وعدے میں سچے ہو، کاش کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی کہ جب یہ کافر آگ کو نہ اپنے آگے سے روک سکیں دفع کر سکیں گے اور نہ پیچھے سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی یعنی وہ قیامت کے دن عذاب سے نہیں بچائے جائیں گے اور لَوْ کا جواب ماقالوا ذلك ہے بلکہ قیامت ان کو ایک دم آلے گی سو ان کو بدحواس متحیر کر دے گی پھر نہ ان کو اس کے ہٹانے کی قدرت ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی یعنی توبہ یا عذر خواہی کی مہلت نہ دی جائے گی آپ سے پہلے

جو پیغمبر گذر چکے ہیں ان کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے، سو ہنسی کرنے والوں کو ہی اس چیز نے گھیر لیا (نازل ہوگئی) جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے اور وہ عذاب ہے لہٰذا اسی طریقہ سے (عذاب) ان لوگوں کو بھی آگھیرے گا جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله اَوَلَمْ يَرَ ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ کے ذریعہ یَرَ کا محذوف پر عطف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا وَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا كانتا تثنیہ کا صیغہ ہے حالانکہ اس کی ضمیر سمٰوٰت والارض کی طرف راجع ہے جو کہ جمع ہیں لہٰذا مرجع اور ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: دونوع یا دوجنس مراد ہیں، اس لئے آسمان ایک نوع ہے اور زمین دوسری نوع ہے اور **رویته** سے رویت قلبی مراد ہے، واو کے ساتھ اور ترک واو کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں، **قوله** رَتْقًا كَانَتَا کی خبر ہے مصدر ہونے کی وجہ سے مفرد استعمال ہوئی ہے، مبالغۃً حمل بھی درست ہے اور مضاف محذوف مان کر بھی حمل درست ہے ای ذوی رَتْقٍ ای كانتا شيئًا واحدًا مفسر علام نے بمعنی مسدودۃ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے رَتْقًا (ن) مصدر ہے منہ بند، ملا ہوا، جڑا ہوا، یہاں مصدر اسم مفعول یا اسم فاعل کے معنی میں ہے فَتْقًا (ن،ض) پھاڑنا، کھولنا، الگ کرنا **قوله** وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اگر جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ ہو تو متعدی بدو مفعول ہوگا، اور جار مجرور اپنے متعلق محذوف نَاشِيًا یا مُتَسَبِّبًا سے متعلق ہو کر مفعول ثانی مقدم ہوگا اور كُلَّ شَيْءٍ مفعول اول مؤخر ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی وَجَعَلْنَا نَاشِيًا مِنَ الماءِ كُلَّ شيءٍ حَيٍّ اور اگر جعل بمعنی خَلَقَ ہو تو متعدی بیک مفعول ہوگا اور وہ كلَّ شيءٍ حَيٍّ ہے اور من الماء جار مجرور سے مل کر جعلنا کے متعلق ہے **قوله** رَوَاسِيَ رواسی جمع راسيَةٍ اوْراسی بمعنی راسخ وثابت اور مختار میں ہے کہ جبال ثابت کو بھی راسیۃ کہتے ہیں، رَسَا الشَّيْءُ سے ماخوذ ہے جبکہ شئ ثابت اور مستقر ہو جائے، مفسر علام نے لا مقدر مانا ہے تاکہ ان تميدَ بِهَا کا علت بننا صحیح ہو جائے، اس لئے کہ پہاڑوں کا قیام عدم تحرک کے لئے ہے نہ کہ تحرک کے لئے **فِجَاجًا** دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ فجاج کا واحد فَجٌّ ہے جیسے سِهام کا واحد سَهْمٌ ہے **قوله** وللتشبيه به اَتٰی بضمير جمع مَنْ يَعْقِل اس پوری عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے يَسْبَحُوْن کا فاعل شمس وقمر اور نجوم ہیں جو کہ غیر ذوالعقول ہیں ان کے لئے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہونا چاہئے نہ کہ جمع مذکر غائب کا اور واو نون کے ساتھ جمع تو ذوالعقول کی لائی جاتی ہے نہ کہ غیر ذوالعقول کی۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ شمس وقمر کی طرف يَسْبَحُوْنَ کی نسبت کی گئی ہے اور سَبْحٌ یعنی تیرنا

ذوالعقول کا فعل ہے تو اس مناسبت سے يَسْبَحُوْن کو واؤ نون کے ساتھ لایا گیا ہے، عدم الخلد کو بشر کے ساتھ خاص کیا حالانکہ دیگر ذی روح بلکہ کائنات کی کسی شئ کے لئے خلود فی الدنیا نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ ان کا سوال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موت کی توقع بشر ہونے کی حیثیت ہی سے تھی **قوله** فالجملة الاخیرة محل الاستفهام الانکاری اس عبارت کا مقصد بھی ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ یہ ہے کہ ہمزہ استفہام انکاری فإن مُتَّ پر داخل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی موت کا بھی انکار ہے اور ان کے خلود کا بھی، حالانکہ مقصد ان کے خلود کا انکار ہے، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہمزہ دراصل جملہ اخیرہ ہی پر داخل ہے مگر چونکہ ہمزہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے اس کو جملہ کے شروع میں لایا گیا ہے ورنہ اصل تقدیر عبارت یہ ہے اَفَهم الخٰلِدُوْنَ اِنْ مُتَّ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ نفس سے مراد نفس ناطقہ ہے اور موت سے مراد قوت حیوانیہ کا زوال اور روح کا جسد سے انفصال ہے اور ذائقہ سے مراد یہاں ادراك بالقوة الذائقة نہیں ہے اس لئے کہ موت مطعومات کے قبیل نہیں ہے بلکہ مطلقاً ادراک مراد ہے، اور ادراک سے بھی موت کے مبادیاتِ موت مثلاً آلام وغیرہ کا ادراک مراد ہے اس لئے کہ موت کا ادراك دخول فی الجسد سے پہلے ممکن نہیں ہے اور دخول کے بعد انسان مردہ ہو جاتا ہے اس وقت ادراک ممکن نہیں رہتا **قوله** فِتْنَةً اس کے منصوب ہونے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں ۱ نَبْلُوْکم کا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ۲ مصدر موضع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے ای نَبْلُوْکم فاتنین ۳ نبلوکم کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہونے کی وجہ، اس لئے کہ نَبْلُو اور فتنة دونوں متحد المعنی ہیں وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس جملہ کا عطف ماسبق میں وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی پر ہے، اور شرط ہے أَهٰذَا الَّذِیْ یذکر اٰلِهَتَکم اس کی جزاء ہے جزاء سے پہلے یقولون مقدر ہے اور إن یتخذونك اِلَّا هُزُوًا شرط وجزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور هُزُوًا مصدر مفعول کے معنی میں ہے وَهُمْ بِذِکْرِ الرحمٰنِ هُمْ کٰفِرُوْنَ اول ہم مبتداء ہے ثانی ھم اس کی تاکید ہے کافرون اس کی خبر ہے اور بذکر الرحمٰن، کافرون سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے ھم کافرون بذکر الرحمٰن اور وھم بذکر الرحمٰن الخ جملہ حالیہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، مفسر علیہ الرحمۃ نے لَهُمْ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ذکر مصدر کی اضافت رحمٰن کی جانب یہ اضافت مصدر الی الفاعل ہے، اور بعض حضرات نے اضافت مصدر الی المفعول بھی کہا ہے اس وقت تقدیر عبارت وذکرھم الرحمٰن بالتوحید ہوگی (جمل) **قوله** خُلِقَ مِنْ عجلٍ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جائے خُلِقَ مِنْ طِیْنٍ ہر انسان چونکہ فطرۃً ہر معاملہ میں جلد باز واقع ہوا ہے گویا کہ اس کی پیدائش عجلت کے خمیر سے ہے اسی لئے بطور مبالغہ خُلِقَ من عَجَل کہا گیا ہے **قوله** لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَایَکُفُّوْنَ الآیة لو شرطیہ ہے اور جواب محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے ای لَوْ یعلم ما قالوا ذٰلك (ای متی هٰذا الوعد) اور **قوله** حِیْنَ یعلم کا مفعول بہ ہے نہ ظرف، ترجمہ یہ ہوگا اگر یہ کافر اس وقت کو جان لیں کہ جب یہ عذاب دفع نہ کر سکیں گے

قوله ماکانوا به حَاق کا فاعل ہے اور ھو العذاب میں ھو کا مرجع ما ہے۔

تفسیر وتشریح

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس جگہ رویت سے مطلقاً علم مراد ہے خواہ وہ آنکھوں سے حاصل ہو یا استدلال اور عقل سے، اس لئے کہ آئندہ جو مضمون آرہا ہے اس میں سے کچھ کا تعلق مشاہدہ سے ہے اور کچھ کا علم استدلالی ہے، اس آیت میں رتق اور فتق کے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، رتق کے معنی بند ہونے اور فتق کے معنی کھولدینے کے ہیں ان کے مجموعہ کو رتق وفتق کہتے ہیں، اس کا ایک مفہوم کسی کام کے انتظام اور اس کے پورے اختیار کے ہیں، رتق وفتق یعنی حل وعقد کا مختار ہونا، آیت کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے آسمان اور زمین بند تھے ہم نے ان کو کھولدیا، کھولنے اور بند ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کی مراد میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں جمہور صحابہ اور جمہور مفسرین نے آسمان کے بند ہونے سے بارش کا نہ ہونا اور زمین کے بند ہونے سے پیداوار کا بند ہونا مراد لیا ہے اور کھولنے سے ان دونوں کا جاری ہونا مراد لیا ہے۔

بعض مفسرین نے رتق اور فتق کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ابتداء میں زمین وآسمان ایک تھے دونوں باہم ملے ہوئے تھے ہم نے دونوں کو الگ کردیا، علامہ شبیر احمد عثمانی نے مذکورہ دونوں تفسیروں کو بڑی خوبی سے جمع کردیا ہے، فرماتے ہیں کہ رتق کے اصل معنی ملنے اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں ابتداءً زمین وآسمان دونوں ظلمتِ عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے پھر وجود کے ابتدائی مراحل میں دونوں خلط ملط رہے، بعدۂ قدرت کے ہاتھ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اس تمیز کے بعد ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنے اس پر بھی منہ بند تھے، نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی آخر خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دونوں کے منہ کھول دیئے اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا، نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے اسی زمین سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے آسمان کو بے شمار ستاروں سے آراستہ کیا جن میں سے ہر ایک کا مدار اور چال جدا جدا ہیں، وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اس جملہ سے پہلی تفسیر کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے، بحر محیط میں اسی کو اختیار کیا ہے، ہر جاندار کی تخلیق میں پانی کا دخل ضرور ہے، اور جاندار اور ذی روح اہل تحقیق کے نزدیک صرف حیوانات ہی نہیں ہیں بلکہ نباتات بلکہ جمادات میں بھی روح محققین کے نزدیک ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق وارتقاء میں بڑا دخل ہے۔

زمین کو جب ابتداءً پیدا کیا گیا تو اس میں اضطرابی حرکت تھی قرآن میں اس کے لئے تمید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مَیْدٌ عربی میں اضطرابی حرکت کو کہتے ہیں، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ اس کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ڈالدیا ہے تاکہ اس کی لرزش اور اضطرابی حرکت موقوف ہو جائے اور حیوانوں کے لئے رہنے اور بسنے کے قابل ہو جائے۔ (مزید تفصیل کے لئے تفسیر کبیر کی طرف رجوع کریں)

كُلٌّ فِی فَلَكٍ یَسْبَحونَ فلک دراصل ہر دائرے اور گول چیز کو کہا جاتا ہے اسی وجہ سے چرخ میں جو گول چمڑا لگا رہتا ہے اس کو فلکة المِغزل کہتے ہیں (روح) اسی مناسبت سے آسمان کو فلک کہتے ہیں، یہاں شمس وقمر کے مدار مراد ہیں جن پر وہ حرکت کرتے ہیں، الفاظ قرآن میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضاء میں، حالیہ تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ یہ مدار خلا میں آسمان سے بہت نیچے ہیں، تمام سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ من قبلكَ الخلد سابقہ آیات میں کفار ومشرکین کے باطل دعووں اور مشرکانہ عقیدوں کی جن میں حضرت مسیح وعزیر وغیرہ کو خدا کا شریک یا فرشتوں اور مسیح کو خدا کی اولاد کہا گیا ان گمراہ کن عقائد کی تردید واضح دلائل کے ساتھ آئی ہے، جس کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہ تھا ایسے موقعہ پر جب مخالف حجت اور دلیل سے مغلوب ہو جاتا ہے تو جھنجلاہٹ میں بے تکی اور بے جوڑ باتیں کرنے لگتا ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ مشرکین مکہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد وفات ہو جائے جیسا کہ بعض روایات میں ہے، قرآن عزیز نے بھی ان کے اس مقولہ کو ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے آپ کی موت کی تمنا اور خواہش کا اظہار کیا ہے، مذکورہ آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی اس بیہودہ تمنا اور آرزو کے دو جواب دئے ہیں وہ یہ کہ اگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد ہی وفات ہو گئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ جب ان کی موت ہو جائے گی تو ہم لوگوں کو بتلائیں گے کہ یہ نبی اور رسول نہیں تھے ورنہ تو موت نہ آتی تو اس کا یہ جواب دیا کہ جن انبیاء کی نبوت کو تم بھی مانتے ہو کیا ان کو موت نہیں آئی؟ جب ان کی موت سے ان کی نبوت اور رسالت میں کوئی فرق نہیں آیا تو آپؐ کی موت سے آپ کی نبوت کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر تمہارا مقصد آپؐ کی وفات سے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا ہے تو یاد رکھو کہ موت کا یہ مرحلہ تمہیں بھی درپیش ہے آخر تمہیں بھی مرنا ہے پھر کسی کی موت سے خوش ہونے کے کیا معنی؟ ؎

گر بمرد عدو جائے شادمانی نیست
زندگانی ما نیز جاودانی نیست

(سعدی)

كُلُّ نفسٍ ذَائِقَةُ المَوتِ یعنی ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، یہاں ہر نفس سے نفوس ارضیہ مراد ہیں یعنی زمینی جانداروں کو موت آنا لازمی ہے، نفوس ملائکہ اس میں داخل نہیں ہیں، قیامت کے دن فرشتوں کو بھی موت آئے گی یا نہیں اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک لحظہ کے لئے تو سب پر موت طاری ہو جائے گی خواہ انسان اور نفوس ارضیہ ہوں یا فرشتے اور نفوس سماویہ، بعض مفسرین نے کہا ہے فرشتے اور جنت کے حور وغلمان مستثنیٰ ہیں۔ (روح المعانی)

ذائقة الموت سے اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاص تکلیف محسوس کرے گا کیونکہ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسے ہی موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔

وَنَبلوکم بالشروالخیر فتنةً یعنی خیروشر کے ذریعہ ہم انسان کی آزمائش کرتے ہیں، شر سے مراد ہر خلاف طبع چیز ہے، جیسے بیماری رنج وغم اور فقروفاقہ اور خیر سے اس کے بالمقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت وعافیت خوشی وراحت مذکورہ دونوں قسم کی چیزیں اس دنیا میں آزمائش کیلئے دی جاتی ہیں یعنی اس بات کی آزمائش کرنا ہوتا ہے کہ خلاف طبع امور پر صبر کرکے اس کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں اسی طرح مرغوب خاطر چیزوں پر شکر کرکے اس کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں

خلق الانسان من عجل الخ یہ کفار کے مطالبہ عذاب کے جواب میں ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں جس طرح کچھ کمزوریاں ہیں ان میں سے ایک کمزوری عجلت کی بھی ہے اور جو چیز طبیعت اور جبلت میں داخل ہوتی ہے عرب اس کو اسی عنوان سے تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ شخص اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جیسے اگر کسی کے مزاج میں غصہ غالب ہو تو کہا جائے گا کہ یہ غصہ کا بنا ہوا آدمی ہے، چنانچہ کفار کی جلد بازی کا نتیجہ غزوۂ بدر وغیرہ میں کفار کو کھلی آنکھوں دکھادیا۔

قُلْ لهم مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ يحفظكم بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ من عَذَابِه اِنْ نَزَل بكم اى لا اَحَدٌ يَفْعَلُ ذٰلك والمُخَاطَبُوْنَ لايَخَافُوْنَ عَذَابَ اللّٰهِ لِاِنْكارِهم له بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ اى القُرْآن مُّعْرِضُوْنَ ○ لايَتَفكَّرُوْنَ فيه اَمْ فيها مَعْنَى الهَمْزَةِ الاِنْكارِيِّ اى اَلَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مما يَسُوْءُهم مِّنْ دُوْنِنَا اى اَلَهُمْ مَنْ يَّمْنَعُهم منه غيرُنا لا لَايَسْتَطِيْعُوْنَ اى الاٰلِهَةُ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ فَلا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَا هُمْ اى الكُفَّارُ مِّنَّا من عَذَابِنَا يُصْحَبُوْنَ ○ يُجَارُوْنَ يُقال صَحِبَكَ اللّٰهُ اى حَفِظَك واَجارَك بَلْ مَتَّعْنَا هٰؤُلَاۤءِ واٰبَآءَهُمْ بما اَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ العُمُرُ ؕ فَاغْتَرُّوْا بذٰلِكَ اَفَلا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَقْصِدُ اَرْضَهُمْ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ بِالفَتْحِ عَلَى النَّبِيِّ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ لابل النَّبي وَاَصْحَابُهُ قُلْ لهم اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ لا مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا بِتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَها وبَيْنَ اليَاءِ مَا يُنْذَرُوْنَ ○ اى هم لتَرْكِهم العَمَل بما سَمِعُوْهُ مِنَ الاِنْذارِ كالصُّمِّ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ وَقْعَةٌ خَفِيْفَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يَا لِلتَّنْبِيْهِ وَيْلَنَآ هَلاكَنا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ بالاِشْرَاكِ وتَكْذِيْبِ مُحَمَّدٍ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ذَواتِ العَدْلِ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اى فيه فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ مِن نَقْصِ حَسَنَةٍ اوزِيَادَةِ سَيِّئَةٍ وَاِنْ كَانَ العَمَلُ مِثْقَالَ زِنَةَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ اى بِمَوْزُوْنِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ مُحْصِيْنَ فِى كُلِّ شَيْءٍ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

مُوْسٰی وَهَارُوْنَ الفُرْقَانَ اِی التَّوْرٰةَ الفَارِقَةَ بَیْنَ الحَقِ وَالبَاطِلِ وَالحَلَالِ وَالحَرَامِ وَضِیَآءً بِهَا وَّذِکْرًا ای عِظَةً بِهَا لِّلْمُتَّقِیْنَ۝ لا الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالغَیْبِ عَنِ النَّاسِ ای فِی الخَلَاءِ عَنْهُمْ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ ای اَهْوَالِهَا مُشْفِقُوْنَ۝ ای خَائِفُوْنَ وَهٰذَا ای القُرْاٰنُ ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰهُ ط اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْکِرُوْنَ۝ ع الاِسْتِفْهَامُ فِیْهِ لِلتَّوْبِیْخِ .

ترجمہ

اے محمد! ان تمسخر کرنے والوں سے کہئے رحمان کے عذاب سے رات اور دن کون ہے جو تمہاری نگرانی حفاظت کرتا ہے اگر تم پر عذاب نازل ہونے لگے (اللہ کے سوا) ایسا کوئی نہیں کرتا، اور یہ مخاطبین عذاب الٰہی سے نہیں ڈرتے اس عذاب کے منکر ہونے کی وجہ سے بلکہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر یعنی قرآن سے اعراض کرتے ہیں یعنی اس میں غور و فکر نہیں کرتے اَمْ اس میں ہمزہ معنیٰ انکاری کے لئے ہے کیا ان کے پاس ہمارے علاوہ ایسے معبود ہیں جو ان کو (ان کی تکلیف) عذاب سے بچاسکیں؟ یعنی کیا ان کے پاس ہمارے علاوہ کوئی ایسی ذات ہے جو ان کو عذاب سے بچاسکے؟ کوئی نہیں وہ معبودان (باطلہ) خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو وہ ان کی کیا حفاظت کرسکیں گے اور نہ وہ کفار ہمارے عذاب سے بچائے جائیں گے صَحِبَكَ اللّٰه بولا جاتا ہے یعنی اللہ تیری حفاظت کرے اور تجھ کو (آفات) سے بچائے ہم نے ان کو اور ان کے آباء واجداد کو ان پر اپنی نعمتوں کے ذریعہ خوب ساز وسامان عطا کئے یہاں تک کہ (اسی حالت) میں ان پر زمانہ دراز گذر گیا چنانچہ اسی وجہ سے وہ دھوکے میں پڑ گئے کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی زمین کا قصد کررہے ہیں یعنی (ان کی) زمین کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے جارہے ہیں آپ کو غلبہ عطا کرکے سو کیا یہ لوگ غالب آئیں گے نہیں بلکہ آپ اور ان کے اصحاب (ہی غالب رہیں گے) آپ ان سے کہہ دیجئے میں تو تم کو اللہ کی جانب سے نہ کہ اپنی جانب سے وحی کے ذریعہ آگاہ کرتا ہوں اور یہ بہرے بات نہیں سنتے جب ان کو آگاہ کیا جاتا ہے دونوں ہمزوں کو محقق کرکے اور ثانی ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ ہمزہ اور یٰ کے درمیان یعنی بہرے کے مانند کی ہوئی تنبیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے (گویا کہ حقیقت میں یہ بہرے ہیں) اگر ان کو تیرے رب کے عذاب کا ایک ہلکا سا جھونکا لگ جائے تو پکار اٹھیں ہائے ہماری کمبختی یعنی ہماری ہلاکت واقعی ہم شرک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وجہ سے خطاوار تھے اور ہم قیامت کے دن درست میزان عدل قائم کریں گے تو کسی پر اصلاً ظلم نہ کیا جائے گا نیکیوں کو کم کرکے یا گناہوں میں اضافہ کرکے اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو تو بھی ہم اس کو یعنی موزون کو حاضر کردیں گے اور ہم ہر چیز کا حساب لینے والے کافی ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو تورات فرقان یعنی تورات حق و باطل اور حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی اور ان پرہیزگاروں کے لئے نصیحت کی کتاب عطا فرمائی جو اپنے رب سے

بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ قیامت یعنی اس کی ہولناکیوں سے بھی ڈرتے ہیں اور یہ قرآن بھی کثیر الفائدہ نصیحت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟ اس میں استفہام توبیخ کے لئے ہے۔

تحقیق، ترکیب تفسیری فوائد

يَكْلَؤُكُمْ (ف، س) مضارع واحد مذکر غائب مصدر كَلْأٌ كِلَأٌ كِلَاءَةٌ حفاظت کرنا آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُوْنِنَا مِنْ دوننا، آلهة کی صفت ہے کلام میں تقدیم وتاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے آلِهَةٌ مِنْ دُوْنِنَا تَمْنَعُهُمْ **قوله مِمَّا يَسُوْهم** ان چیزوں سے جو ان کو تکلیف پہنچائیں لَا يُصْحَبُوْنَ (س) جمع مذکر غائب منفی مجہول، ان کا ساتھ نہیں دیا جائے گا، وہ بچائے نہیں جائیں گے **قوله الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ** موازین کو جمع، بیان عظمت کے لئے لائے ہیں ورنہ میزان ایک ہی ہوگی یا مايُوْزَنُ کے اعتبار سے جمع لائی گئی ہے یعنی چونکہ اعمال کثیرہ اور اعمال کے انواع کثیرہ تولے جائیں گے اس لئے جمع لایا گیا ہے قِسط کو مفرد لایا گیا ہے حالانکہ موازین کی صفت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ القسط مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد اور جمع سب پر یکساں ہوتا ہے، مفسر علام نے ليوم القيامة کی تفسیر فيه سے کرکے اشارہ کر دیا کہ لام بمعنی فی ہے **قوله** شيئًا یا مفعول ثانی ہے یا تظلم کے مفعول مطلق کی صفت ہے ای لاتظلم ظلمًا شيئًا **قوله** وإن كان کے بعد العملُ کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ کان ناقصہ ہے اس کے اندر ضمیر ہے جو کان کا اسم ہے اور وہ عمل ہے اور مثقالَ اس کی خبر ہے اور نافع نے مثقالُ رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں کانَ تامہ ہوگا **قوله** بالغيب يخشون کی ضمیر سے حال ہے ای يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ غائبين عن الناس یعنی جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مِنَ الساعة کے بعد اَهْوَالِهَا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مضاف محذوف ہے اور قیامت سے ڈرنے کا مطلب اس کی ہولناکی سے ڈرنا ہے۔

تفسیر وتشریح

قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ الخ یعنی تمہارے جو کرتوت ہیں وہ تو ایسے ہیں کہ دن رات کی کسی بھی گھڑی میں تم پر عذاب آسکتا ہے، اس عذاب سے رات دن تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے جو عذاب الٰہی سے تمہاری حفاظت کر سکے؟ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُوْنَ کے معنی ہیں ولاهم يُجَارُوْنَ مِنْ عَذَابِنَا نہ وہ خود ہی ہمارے عذاب سے محفوظ ہیں، یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور عذاب الٰہی سے بچنے پر قادر نہیں ہیں، پھر ان کی طرف سے ان کی مدد کیا ہوسکتی ہے اور وہ انہیں عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں۔

بَلْ مَتَّعْنَاهُمْ الخ یعنی ان کی کلاءت اور حفاظت اور بتوں کا عجز اور بیچارگی ایسی چیز نہیں کہ جس کو یہ لوگ سمجھ نہ

سکیں اصل بات یہ ہے کہ پشتہا پشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں کوئی جھٹکا عذاب الٰہی کا نہیں لگا جس کی وجہ سے مغرور اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر حق تعالیٰ کے پیغام اور پیغمبروں کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ دیا ہے اَفَلَا یَرَوْنَ یعنی عرب میں اسلام پھیلنے لگا ہے اور کفر گھٹنے لگا ہے آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے ان کی حکومتیں اور سرداریاں ٹوٹتی جارہی ہیں، کیا ایسے کھلے ہوئے آثار وقرائن دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا، کیا ان مشاہدات کے باوجود اس کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں پر غالب ہوں گے، اگر چشم عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں، کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گردو پیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب وعداوت کی سزا میں تباہ کی جاچکی ہیں وَلَقَدْ اَھْلَکْنَا مَاحَوْلَکُمْ مِنَ الْقُریٰ وَصَرَّفْنَا الْآیَاتِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُکُمْ الخ یعنی ہمارا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کردینا ہے، دل کے بہرے اگر اس پکار کو نہ سنیں تو ہمارا قصور نہیں وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے وَلَئِنْ مَّسَّتْھُمْ الخ یعنی یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھنکھنائے نہ جائیں اگر عذاب الٰہی کی ذرا سی بھنک ان کے کان میں پڑ گئی یا خدا کے قہر وانتقام کی ادنیٰ سی بھاپ ان کو چھوگئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے اس وقت بدحواس ہو کر چلائیں گے کہ بے شک ہم بھاری مجرم تھے جو ایسی کمبختی آئی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ الخ یعنی رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا عمل ہو عدل وانصاف کی ترازو میں تلے گا ادھر اُدھر ضائع نہ ہوگا، نہ کسی پر ظلم زیادتی کی جائے گی، رتی رتی کا حساب ہوگا (تنبیہ) موازین میزان کی جمع ہے ہوسکتا ہے کہ بہت سی ترازو ہوں جو مختلف قسم کے اعمال کو تولنے کے لئے الگ الگ قسم کی ہوں جیسا کہ دنیا میں ہر چیز کو تولنے اور ناپنے کی الگ قسم کی ترازو ہوتی ہے، سیال اشیاء کے لئے الگ اور جامد کے لئے الگ پھر سیال میں بھی مختلف چیزوں کے لئے الگ الگ ترازو ہوتی ہیں، یا ایک ہی ترازو ہو مگر مختلف قسم کے اعمال کو تولنے کا کام دے اس وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہو کَفٰی بِنَا حَاسِبِیْنَ کا مطلب ہے کہ ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب لینے والا نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ ای ھُدَاہُ قَبْلَ بُلُوْغِہٖ وَکُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ○ ای بِاَنَّہٗ اَھْلٌ لِذٰلِکَ اِذْ قَالَ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖ مَا ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الْاَصْنَامُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَھَا عٰکِفُوْنَ○ ای عَلٰی عِبَادَتِھَا مُقِیْمُوْنَ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَھَا عٰبِدِیْنَ○ فَاقْتَدَیْنَابِھِمْ قَالَ لھم لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ لِعِبَادَتِھَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○ بَیِّنٍ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ فی قَوْلِكَ ھٰذا اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ○ فیه قَالَ بَلْ رَّبُّکُمُ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ رَبُّ مَالِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَھُنَّ خَلَقَھُنَّ عَلٰی غَیْرِ مِثَالٍ سَبَقَ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ الذی قُلْتُہٗ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ○ بہ وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ○ فَجَعَلَھُمْ

بَعْدَ ذِهابِهِمْ الى مُجْتَمَعِهِمْ فی یَوْمِ عِیْدٍ لهم جُذٰذًا بِضَمِّ الجیمِ وکَسْرِها فتاتًا بِفاسٍ اِلَّا کَبِیْرًا لَّهُمْ عَلَّقَ الفاسَ فِی عُنُقِهٖ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ ای الکبیرِ یَرْجِعُوْنَ○ فیَرَوْنَ مافعَلَ بغیرِه قَالُوْا بعد رُجوعِهِم ورُؤْیَتِهِم مَا فَعَلَ مَنْ فَعَلَ هٰذا بِاٰلِهَتِنَا اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ○ فیه قَالُوْا ای بعضُهم لبعضٍ سَمِعْنَا فَتًی یَّذْکُرُهُمْ ای یُعِیْبُهم یُقَالُ لَهٗ اِبْرَاهِیْمُ○ؕ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰی اَعْیُنِ النَّاسِ ای ظاهِرًا لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ○ عَلَیْهِ اَنَّهُ الفاعلُ قَالُوْا له بعدَ اِتْیَانِه ءَاَنْتَ بتحقیقِ الهمزتَیْنِ وابدالِ الثانیَةِ اَلِفًا وتَسْهِیلِها وادْخالِ اَلِفٍ بَیْنَ المُسَهَّلَةِ والاُخرٰی وتَرْکِهٖ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرَاهِیْمُ○ قَالَ ساکتًا عن فِعْلِه بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَاسْاَلُوْهُمْ عَنْ فَاعِلِهٖ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ○ فیه تقدیمُ جوابِ الشَّرطِ وفیما قبلَه تعریضٌ لَهُمْ بِاَنَّ الصَّنَمَ المعلومَ عِجْزُهٗ عَنِ الفِعْلِ لایکونُ اِلٰهًا فَرَجَعُوْٓا اِلٰی اَنْفُسِهِمْ بالتفکُّرِ فَقَالُوْا لِاَنْفُسِهِمْ اِنَّکُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ۙ ای بِعِبَادَتِکُمْ مَنْ لَا یَنْطِقُ ثُمَّ نُکِسُوْا مِنَ اللّٰهِ عَلٰی رُءُوْسِهِمْ ۚ ای رُدُّوْا الٰی کُفْرِهم وقالوا وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ○ ای فَکَیْفَ تَاْمُرُنا بِسُؤَالِهِم قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای بَدَلَهٗ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا مِن رِزْقٍ وغیرِه وَّلَا یَضُرُّکُمْ○ؕ شیئًا اِنْ لَمْ تَعْبُدُوه اُفٍّ بکسرِ الفاءِ وفتحِها بمعنی مصدرٍ ای تَبًّا وقُبْحًا لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ای غیرِه اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ ای هٰذِهِ الاَصْنَامُ لاتَسْتَحِقُّ العبادةَ ولاتصلُحُ لها وانما یَسْتَحِقُّهَا اللّٰهُ تعالٰی.

ترجمہ

اور ہم نے پہلے ہی ابراہیم کو یعنی سن بلوغ کے پہنچنے سے پہلے ہوشمندی عطا فرمائی تھی اور ہم اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ وہ اس کا اہل ہے جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیاں (بت) جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ یعنی ان کی بندگی میں لگے ہوئے ہو تو سب نے جواب دیا ہم نے اپنے آباواجداد کو انہیں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے لہٰذا ہم نے انہیں کی اقتداء اختیار کی ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا پھر تو تم اور تمہارے آباان کی بندگی کرنے کی وجہ سے کھلی گمراہی میں ہو، تو کہنے لگے کیا تم اپنے اس قول میں ہم سے سچ بات کہتے ہو؟ یا اس بات میں (یوں ہی) مذاق کررہے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا نہیں، بلکہ تمہارا رب جو کہ مستحق عبادت ہے وہ رب مالک ہے زمین اور آسمانوں کا جس نے ان کو بغیر کسی سابق نمونے کے پیدا فرمایا اور میں تو اس بات پر جو میں نے کہی ہے گواہ ہوں (قائل ہوں) اور خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ تمہارے چلے جانے کے بعد

ضرور ایک چال چلوں گا تو ان کے اپنی عید کے دن اپنے میلے میں چلے جانے کے بعد ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جُذٰاذًا جیم کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، تبر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر ان میں کے بڑے کو (چھوڑ دیا) اور تبر اس کی گردن میں لٹکا دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ان کے (میلے) سے لوٹنے اور ان کے ساتھ جو حرکت کی گئی تھی اس کو دیکھنے کے بعد کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص اس معاملہ میں ظالموں میں سے ہے تو ان لوگوں نے آپس میں کہا ہم نے ایک نوجوان کو جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ان بتوں کی تنقیص (برائی) کرتے سنا ہے تو وہ لوگ کہنے لگے تو اچھا اس کو سب کے سامنے برسر عام حاضر کرو تاکہ لوگ اس کے خلاف اس بات کی گواہی دیں کہ یہی ہے (یہ حرکت) کرنے والا شخص تو اس کے آنے کے بعد لوگوں نے اس سے معلوم کیا کہ کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ اپنے فعل سے سکوت اختیار کرتے ہوئے کہا نہیں بلکہ ان کے اس بڑے (گرو) نے کی ہے، یہ حرکت کرنے والے کے بارے میں ان ہی سے معلوم کرو اگر یہ بول سکتے ہوں؟ اس میں جواب شرط مقدم ہے اور ماقبل میں مشرکین کیلئے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بت جن کا عاجز عن الفعل ہونا معلوم اور متعین ہے وہ معبود نہیں ہو سکتے، چنانچہ یہ لوگ (حضرت ابراہیم کی تقریر سن کر) سوچ میں پڑ گئے اور اپنے دلوں میں کہنے لگے تم ہی درحقیقت ظالم ہو ایسی چیز کی بندگی کر کے جو بول بھی نہ سکے پھر ان کی کھوپڑی اوندھی ہو گئی (یعنی جہل وعناد کی طرف پلٹ گئے) یعنی اپنے کفر کی طرف پلٹ گئے، اور کہنے لگے واللہ (اے ابراہیم) تم تو جانتے ہی ہو کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں یعنی پھر تم ہم کو ان سے سوال کرنے کیلئے کیوں کہتے ہو؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ تو کیا خدا کو چھوڑ کر یعنی اس کے عوض ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو کہ جو تم کو رزق وغیرہ کا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی اور اگر تم ان کی عبادت نہ کرو تو تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی تف ہے تم پر، فا کے فتحہ اور کسرہ کیساتھ مصدر کے معنی میں یعنی تبًّا وقُبْحًا (کے معنی میں) اور ان پر بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا تمہیں اتنی سی بھی عقل نہیں؟ یعنی یہ بت عبادت کے مستحق نہیں اور نہ معبود بننے کی ان میں صلاحیت ہے عبادت کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ آتَیْنَا اِبْرَاهِیْمَ واؤ قسمیہ ہے ای وَعِزَّتِنَا وَجَلَالِنَا اٰتَیْنَا اِبراهیمَ رشدهٗ رُشْدَ صلاحیت، ہوشیاری، ہدایت، حسن تدبیر مِنْ قَبْلُ مضاف الیہ محذوف ہے اَیْ قَبْلَ بُلُوْغِهٖ، قبلہٗ کی ضمیر حضرت موسیٰ وعیسیٰ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے، التماثیلُ جمع تِمثال پتھر یا دھات وغیرہ کی مورتی عاکفُوْن جمع عاکف ملازم، معتکف، مجاور **قولہ** لَهَا عَاکِفُوْنَ، عَاکِفٌ کا صلہ علیٰ آتا ہے لیکن یہاں لام استعمال ہوا ہے مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ لام بمعنی علیٰ ہے اور اگر عاکف متضمن بمعنی عابدٌ لیا جائے تو اس وقت لام صلہ لانا درست ہوگا اور اگر لام تعدیہ کے

بجائے اختصاص کے لئے لیاجائے تو عاکف کا صلہ لام لانا بھی صحیح ہوگا جیسا کہ قالوا وَجَدْنَا آبَائَنَا لَهَا عابدین میں عابدین کا صلہ لام استعمال ہوا ہے **قوله** فَجَعَلَهُمْ میں هم ضمیر مذکر ذوالعقول کے لئے مشرکین کے گمان کے اعتبار سے استعمال ہوئی ہے **قوله** جُذَاذًا مصدر ہونے کی وجہ سے جمع نہیں لایا گیا اور بعض حضرات نے جُذَاذ کو جُذَاذَة کی جمع کہا ہے جیسا کہ زُجَاجٌ زُجَاجَةٌ کی جمع ہے، اور بعض حضرات نے جُذَاذٌ مصدر بمعنی مجذوذ کے لیا ہے **قوله** مَنْ فَعَلَ هذا مَنْ مبتداء ہے اور فَعَلَ هذا اس کی خبر ہے اور اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ جملہ مستانفہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَنْ موصولہ اپنے صلہ سے ملکر مبتداء اور اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِین اس کی خبر **قوله** سَمِعْنَا فتی یذکرُ، سمعنا، چونکہ ایسی شئ پر داخل ہے کہ جو مسموع نہیں ہوسکتی اور وہ فتی ہے اس لئے کہ فتی دیکھنے کی چیز ہے نہ کہ سننے کی ایسی صورت میں سَمِعَ متعدی بدومفعول ہوتا ہے، لہٰذا یہاں سمعنَا متعدی بدومفعول ہے مفعول اول فتی ہے اور یذکرهم جملہ ہوکر مفعول ثانی ہے، اور اگر سَمِعَ شئ مسموع پر داخل ہوتو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ تو کہے سَمِعْتُ کلام زیدٍ **قوله** یقال له ابراهیمُ یہ فتی کی صفت ثانیہ ہے ابراہیم کے مرفوع ہونے کی چند وجوہ ہوسکتی ہیں اول، یقال کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے یقال له ابراهیم ای یُسَمّٰی لهٗ ابراهیمُ اس صورت میں ابراہیم سے مراد لفظ ابراہیم ہوگا نہ کہ مسمی ابراہیم، دوسری وجہ یہ ہے کہ ابراہیم مبتدا محذوف کی خبر ہو ای یقال له هذا ابراهیم، یا ابراهیم مبتداء ہو اور اس کی خبر محذوف ہو ای یقال له ابراهیمُ فاعلُ ذلك **قوله** کبیرهم هذا ، هذا کبیرهم سے بدل ہے یا صفت ہے **قوله** نُكِسُوْا عَلٰی رُؤُسِهِمْ جمہور کی قرأت میں نُکِسُوْا مبنی للمفعول ہے یعنی ان کی کھوپڑی الٹ دی گئی اور الٹنے والا اللہ تعالیٰ ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی تقریر سے بتوں کا عاجز اور بے بس ہونا سمجھ میں آگیا تھا اور قریب تھا کہ حق کی طرف رجوع کریں مگر ان کی کھوپڑی پھر گئی جس کی وجہ سے کفر کی طرف پلٹ گئے، مفسر علام نے مِنَ اللّٰهِ کا اضافہ فرما کر اسی قرأت کی طرف اشارہ کیا ہے اور شاذ قرأت میں نَكَّسُوْا نون کے فتحہ اور کاف کی تشدید کے ساتھ مبنی للفاعل بھی ہے اس صورت میں نکسوا کے فاعل خود مشرکین ہوں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کی مدلل تقریر سن کر شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے سر جھکالیا مگر کچھ دیر کے بعد کفر کی طرف پلٹ گئے **قوله** قالوا والله یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ لَقَدْ عَلِمْتَ قسم محذوف کا جواب ہے **قوله** اَفَلَا تعقلون فا عاطفہ ہے معطوف علیہ فعل محذوف ہے جس پر ہمزہ داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَجَهِلْتُمْ فَلَا تَعقِلُوْنَ .

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ آتَیْنَا اِبْرَاهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ، مِنْ قَبْلُ سے مراد یا تو یہ ہے کہ ابراہیمؑ کو رشد (ہدایت یا ہوشمندی) دینے

کا واقعہ آپؑ اور موسیٰ وہارون وعیسیٰ علیہم السلام سے پہلے کا ہے یا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو نبوت عطا کرنے سے پہلے ہی ہوشمندی عطا کردی گئی تھی، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بلوغ سے پہلے ہی آپ کو ہوشمندی اور صلاحیت عطا کردی گئی تھی اور ہم اپنے علم ازلی کے اعتبار سے اس بات کو جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے اور وہ اس کا صحیح استعمال کرے گا، جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ یعنی ذرا ان کی اصلیت اور حقیقت کو بیان کرو آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں قالوا وَجَدْنا آباءَنا الخ یعنی عقل اور فطرت اور نقل معتد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے نہ سہی لیکن سب سے بڑی اور بھاری دلیل بت پرستی کے حق وصواب ہونے کی یہ ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا انہیں کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔

قال لقد كنتم انتم الخ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ اس دلیل سے تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہیں ہوئی البتہ یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے جنکی کورانہ تقلید میں تم گمراہ ہو رہے ہو۔

پوری قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیمؑ کی ایسی سخت اور مدلل گفتگو سن کر ان میں ہلچل مچ گئی کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا عقیدہ یہی ہے یا ہنسی اور دل لگی کرتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا، میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ اس کی شہادت دیتا ہوں میرا تمہارا سب کا رب وہی ایک خدا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے۔

حضرت ابراہیم نے آہستہ سے کہا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد تمہارے بتوں کا علاج کردوں گا، یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یا تو اپنے دل میں کہی یا کمزور قسم کے لوگوں کے سامنے آہستہ سے کہی، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ زبانی نہی عن المنکر تو میں کر چکا اب نہی عن المنکر فعلی کروں گا، چنانچہ جب قوم جشن منانے کے لئے میلے میں باہر چلی گئی تو حضرت ابراہیمؑ نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھدیا اور صرف بڑے بت کو جو جسم و جثہ کے اعتبار سے سب سے بڑا تھا چھوڑ دیا اور کلہاڑی اس کے گلے میں لٹکادی، تاکہ وہ لوگ جب واپس آکر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو، یا الزاماً اس کی طرف رجوع کرایا جاسکے، چنانچہ جب وہ لوگ میلے سے واپس آئے تو بڑا حیرت انگیز منظر دیکھا کہ سب بت ٹوٹے پڑے ہیں اور کلہاڑی بڑے بت کے گلے میں لٹکی ہوئی ہے تو کہنے لگے یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کی ہے؟ یقیناً جس نے یہ حرکت کی ہے بڑا ظالم اور بے رحم ہے، چنانچہ بعض ان لوگوں نے جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کا مقولہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ سنا ہوگا کہنے لگے وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے نا، وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے معلوم ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔

پھر سب کہنے لگے اس کو مجمع عام کے سامنے لاؤ تاکہ سب لوگ دیکھیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو مجمع عام میں لایا گیا

اوران سے معلوم کیا گیا، حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہے اگر یہ (ٹوٹے ہوئے بت) بول سکتے ہیں تو انہی سے معلوم کرو یہ خود ہی اپنے توڑنے والے کو بتادیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات بطور تعریض وتبکیت کہی تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہو اور اپنی مصیبت کی فریاد بھی نہ کرسکتا ہو اور نہ خود اپنا دفاع کرسکتا ہو بلکہ پڑا پڑا مار کھاتا رہے وہ معبود نہیں ہوسکتا۔

ایک حدیث میں حضرت ابراہیمؑ کے اس قول **بل فعله کبیرهم** کو لفظ کذب سے تعبیر کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے دو اللہ کے لئے ایک **انی سقیم** اور دوسرا **بل فَعَلَه کبیرهم هٰذا** اور تیسرا حضرت سارہ کو اپنی بہن کہنا (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب **واتخذ اللّٰه ابراهیمَ خلیلًا**) زمانہ حال کے بعض مفسرین نے مرزا قادیانی اور کچھ دوسرے مستشرقین سے مغلوب مسلمانوں نے اس حدیث کو صحیح السند ہونے کے باوجود اس لئے غلط اور باطل کہہ دیا ہے کہ اس سے حضرت خلیل اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اور سند کے تمام راویوں کو جھوٹا کہہ دینا اس سے بہتر ہے کہ خلیل اللہ کو جھوٹا قرار دیا جائے، کیونکہ وہ قرآن کے خلاف ہے لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہے، یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انہیں جھوٹ نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ توریہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ذو معنیین لفظ بولا جائے کہ متکلم اس کا ایک معنی مراد لے اور مخاطب دوسرے معنی سمجھے، دینی ضرورت اور مصلحت کے لئے توریہ درست ہے، ظلم سے بچنے کے لئے باتفاق فقہاء بالکل جائز ہے۔

توریہ شیعوں کے تقیہ سے بالکل مختلف چیز ہے، تقیہ میں صریح جھوٹ بولا جاتا ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، توریہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ جس معنی سے متکلم بول رہا ہے وہ بالکل صحیح ہوتے ہیں، جیسے اسلامی رشتہ سے بیوی اور شوہر کا بھائی، بہن ہونا، سفر ہجرت کے دوران جب کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے سو اونٹ انعام رکھا ہوا تھا، ایک شخص کا راستہ میں ملنا اور حضرت ابوبکر صدیق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرنا کہ یہ کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق کا **رجل یهدینی السبیل** توریہ کے طور پر فرمانا، یہدینی السبیل کے دو معنی ہیں دینی رہنمائی کرنے والا اور سفر کے لئے رہبری کرنے والا، حضرت ابوبکر کا مقصد آخرت اور دینی رہبری تھی اور مخاطب سفر کی رہبری سمجھا اسی کو توریہ کہتے ہیں صحابہ اور اسلاف کی زندگی میں اس قسم کی صدہا مثالیں آپ کو مل سکتی ہیں۔

حدیث شریف میں بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں کذبات ثلٰثہ کا ذکر ہے، ان کا پہلا کذب **فعله کبیرهم هٰذا** ہے اس کی بہت سی توجیہات کی گئیں ہیں مگر ان میں سب سے صاف اور بے غبار توجیہ یہ ہے کہ یہ اسناد مجازی کے قبیل سے ہے، عربی میں اس کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں مثلاً **انبتَ الربیعُ البقلَ** چونکہ موسم ربیع بقل کو اگانے کا بظاہر سبب ہے اس لئے انبات کی نسبت بقل کی جانب کردی گئی ہے، ورنہ حقیقت میں انبات اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، دوسری مثال **بنی الامیر المدینةَ** ہے چونکہ امیر کے حکم سے مدینہ کی تعمیر ہوئی ہے اس لئے بناء کی نسبت امیر کی

جانب کردی گئی ہے ورنہ بنانے والے تو درحقیقت معمار اور بنائین ہیں، اسی طرح **فعلہٗ کبیرھم ھٰذا** میں بھی اسناد مجازی ہے، چونکہ مشرکوں نے بڑے بت کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا اور رات دن اس کی بندگی کرتے تھے تو گویا کہ بتوں کو توڑنے پر اس بڑے بت نے ہی آمادہ کیا گویا کہ بڑا بت ہی ان بتوں کو توڑنے کا سبب بنا اسی سببیت کی وجہ سے فعل کی نسبت بڑے بت کی طرف کردی گئی ہے، دوسرا **اِنی سقیم** ہے **سقیم** کے معنی جس طرح بیماری کے آتے ہیں اسی طرح دلی رنج وغم کے بھی آتے ہیں، اس میں شک کی کیا گنجائش ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اپنی قوم کی گمراہی کو دیکھ کر کس قدر رنجیدہ اور غم زدہ ہوں گے لہٰذا آپ کا **اِنی سقیم** کہنا اپنی جگہ درست اور بالکل صحیح تھا، تیسرا حضرت سارہ کو بہن بتانا تو یہ بھی کوئی خلاف واقعہ بات نہیں تھی اس لئے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ دونوں آپس میں دینی اور اسلامی بھائی بہن تھے اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کی وضاحت بھی کردی تھی کہ میں نے ظالم بادشاہ کے سامنے تم کو اپنی بہن بتایا ہے لہٰذا تم بھی اس کے خلاف نہ کہنا اور ہم دونوں دینی اور اسلامی بھائی ہیں، ظالم بادشاہ کی دست درازی اور اس کے شل ہونے نیز حضرت سارہ کو صحیح سلامت رخصت کرنے کے واقعہ کے لئے تفسیر کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

حدیث میں کذبات ثلثہ کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدان محشر میں اللہ کے روبرو جا کر سفارش کرنے سے اس لئے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے درانحالیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہے مگر اللہ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی گویا کہ حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت کے دن خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہوگی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے فوائد عثمانی میں **بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذا** کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے علیٰ سبیل الفرض **فَعَلَہٗ کبیرھم ھٰذا** فرمایا تھا جیسا کہ مناظروں میں ہوتا ہے یعنی مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ فرض کرلیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے یہ کام کیا ہوگا، لیجئے بحث وتحقیق کے وقت بطور الزام وتبکیت میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں ہے کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو بڑی مچھلی چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے، اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کرڈالتے ہیں، اس لئے فیصلہ کی بہتر صورت میرے اور تمہارے درمیان یہ ہے کہ تم خود اپنے معبودوں ہی سے دریافت کرلو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں، تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کردیں گے، مذکورہ تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ **بَلْ فَعَلَہٗ کبیرھم ھٰذا** کہنا خلاف واقعہ خبر دینے کے طور پر نہ تھا جسے حقیقۃً جھوٹ کہا جائے بلکہ ان کی تجہیل وتحمیق کے لئے ایک فرضی احتمال کو بصورت دعویٰ لیکر بطور تعریض والزام کلام کیا تھا جیسا کہ عموماً

بحث ومناظرہ میں ہوتا ہے توڑ پھوڑ کو بڑے بت کی جانب منسوب کرنے میں ایک مصلحت دینی یہ تھی کہ شاید لوگوں کو اس طرف توجہ ہو جائے کہ شاید اس بڑے بت کو اس پر غصہ آ گیا ہو کہ میرے ساتھ عبادت میں ان چھوٹے بتوں کو کیوں شریک کیا جاتا ہے اگر یہ خیال ان کے دلوں میں پیدا ہو تو توحید کا راستہ کھل جاتا ہے کہ جب ایک بڑا بت چھوٹے بتوں کی شرکت گوارا نہیں کرتا تو رب العالمین ان پتھروں کی شرکت اپنے ساتھ کیسے گوارہ کرے، اسی طرح بعض احادیث میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق صورتاً کیا گیا ہے، مفسرین نے اس کے علاوہ اس کی توجیہ میں اور بھی کئی محمل بیان کئے ہیں۔

فرجعوا الی انفسهم پھر وہ سوچ میں پڑ گئے، اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ واقعتاً تم ہی ظالم ہوان بے زبان پتھروں کو پوجنے سے کیا حاصل؟ جو مصیبت کے وقت خود اپنی مدد بھی نہ کر سکیں اور پڑے ہوئے اپنے ہاتھ پیر تڑواتے رہیں جو خود اپنی مدد نہ کر سکے، وہ دوسروں کی کیا مدد کر سکتا ہے گویا کہ حق کی ایک کرن ان کے دل میں روشن ہوئی مگر پھر تسویل شیطانی کی وجہ سے پٹ گئے اور کفر وضلالت کو حق وہدایت پر ترجیح دینے لگے، اور کہنے لگے کہ تو جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے کہیں پتھر بھی بولتے ہیں؟ جب مشرکوں نے اپنے بتوں کی بے بسی اور عاجزی کا اقرار کر لیا تو حضرت ابراہیم کو گرفت کرنے اور الزام دینے کا موقع مل گیا، اور فرمایا پھر تو تم کو ڈوب مرنا چاہئے کہ جو بت اس قدر مجبور و بے بس ہوں کہ ایک لفظ نہ بول سکتے ہوں اور کسی آڑے وقت میں کچھ کام نہ آ سکتے ہوں ایسے بے اختیار بتوں کو خدائی کا درجہ دینا کس قدر حماقت اور بے عقلی کی بات ہے، کیا تم اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ ای ابراهیمَ **وَانْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ** ای بتحریقِهِ **اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ** نُصْرتَها فجمعُوْا لَهُ الحطبَ الكثيرَ واَضرَمُوْا النَّارَ فِي جميعِهِ واَوْثقُوْا ابراهيمَ وجعَلُوْه في مِنْجنيقٍ ورمَوْهُ فِي النَّار قال تعالى **قُلْنَا يَانَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ** فلَم تحرق منه غير وَثاقِهِ وذَهَبَتْ حرارتُها وبقِيَتْ اِضاءَتُها وبقوله سلامًا سَلِمَ مِنَ المَوْتِ ببَرْدِهَا **وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا** وهُوَ التحريق **فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ** فِي مُرادِهم **وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا** ابنَ اَخِيْهِ هَارَانَ مِنَ العِرَاقِ **اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ** بكَثْرَةِ الاَنْهارِ والاَشْجارِ وهِيَ الشام نزل ابراهيمُ بِفلَسْطِيْنَ ولوطٌ بالموتفكةِ وبينهما يومٌ **وَوَهَبْنَا لَهٗ** لابراهيم وكان سَاَلَ ولدًا كما ذُكر في الصافات **اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً** اى زيادةً على المسئول او هو ولد الولد **وَكُلًّا** اى هُوَ وَولداهُ **جَعَلْنَا صَالِحِيْنَ** انبياء **وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً** بتحقيقِ الهمزتين وابدال الثانية ياءً يُقتدى بهم في الخير **يَهْدُوْنَ** النَّاسَ **بِاَمْرِنَا** الى دِيْنِنا **وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ** اى ان تُفعلَ وتُقَامَ وتُوتى منهم ومِنْ اتباعِهِم وحُذف هاءُ اقامةِ تخفيفا **وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ** **وَلُوْطًا**

اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا فصلًا فَصْلًا بَیْنَ الخُصُوْمِ وَعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ ای اھلُھا الاعمالَ الْخَبٰٓئِثَ ط مِنَ اللِّوَاطَةِ وَالرَّمْیِ بِالْبُنْدُقَةِ وَاللَّعِبِ بِالطُّیُوْرِ وغیر ذلك اِنَّھُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ مصدرٌ سَاءَهُ نَقِیضُ سَرَّهُ فٰسِقِیْنَ ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ط بِاَنْ اَنْجَیْنٰهُ من قومه اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۧ ع ۵

ترجمہ

کہنے لگے اسے یعنی ابراہیم کو جلا دو اور اس کو جلا کر اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کو ان کی مدد کرنی ہی ہے چنانچہ ان لوگوں نے ابراہیم کو جلانے کے لئے بہت ساری لکڑیاں جمع کیں اور ان تمام لکڑیوں میں آگ جلا دی اور ابراہیم کو رسیوں میں مضبوط باندھا اور ان کو ایک گوپھن میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا ہم نے آگ کو حکم دے کر کہا اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی کی چیز بن جا، چنانچہ آگ نے ابراہیم کے بندھنوں کے علاوہ کسی چیز کو نہیں جلایا اور آگ کی حدت ختم ہو کر صرف اس کی روشنی باقی رہ گئی، اور اللہ تعالیٰ کے سلاماً کہنے کی وجہ سے حضرت ابراہیم ٹھنڈ کی وجہ سے مرنے سے محفوظ رہے اور ان لوگوں نے تو ابراہیم کے ساتھ بدخواہی کا ارادہ کیا تھا اور وہ جلانا تھا چنانچہ ہم نے ان کو ان کے مقصد میں ناکام کر دیا اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو جو کہ ان کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے سرزمین عراق سے ایسی زمین (ملک) کی جانب نکال کر بچا لیا جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھیں ہیں انہار و اشجار کی کثرت کے ذریعہ اور وہ سرزمین شام ہے، حضرت ابراہیم فلسطین میں فروکش ہوئے، اور لوط موتفکہ میں اور ان دونوں مقاموں کے درمیان ایک دن کی مسافت تھی اور ہم نے ان کو یعنی ابراہیم کو، حال یہ ہے کہ اس نے ایک لڑکے کی دعا کی تھی، جیسا کہ سورۂ صافات میں ذکر کیا گیا ہے، اسحٰق دیا اور یعقوب مزید برآں یعنی مطلوب سے زائد یا نافلة سے مراد ولد الولد (پوتا) ہے اور ہم نے ان سب (کو یعنی) ابراہیم اور ان کے بیٹے اور پوتے کو صالحین یعنی انبیاء میں شامل کیا اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا اَئِمَّةً دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی ہمزہ کو یا سے بدل کر، کہ ان کی خیر میں اقتداء کی جائے، تاکہ ہمارے حکم سے لوگوں کی ہمارے دین کی جانب رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی یعنی یہ تینوں اعمال عمل خیر، عمل صلوٰۃ، عمل زکوٰۃ کو یہ حضرات بھی انجام دیں اور ان کے متبعین بھی انجام دیں، اور اِقَامَة کی ہاء، تخفیفاً حذف کر دی گئی ہے اور وہ سب ہماری ہی بندگی کرنے والے بندے تھے اور ہم نے لوط کو (بھی) مخاصمین کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے حکم دیا اور علم عطا کیا، اور ہم نے اس کو اس بستی یعنی اس بستی والوں سے جو گندے کام کرتے تھے یعنی لواطت اور (راہ گیروں) کو ڈھیلے مارنا اور

مرغ بازی کرنا وغیرہ وغیرہ اور تھے بھی وہ برے فاسق لوگ سَوْءٌ مصدر ہے سَاءَهٗ سَرَّهٗ کی نقیض ہے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا اس طریقہ سے کہ ہم نے اس کو اس کی قوم سے نجات دی بے شک وہ نیکوکار لوگوں میں سے تھا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنْ کُنْتُمْ فَاعِلِیْنَ نصرتها کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ فاعلین کا مفعول محذوف ہے، اِنْ کنتم یہ شرط ہے جو کہ جزاء سے مستغنی ہے ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے کونی بردًا ای ذاتَ بَرْدٍ سلامًا فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای سَلِّمْنا سَلامًا اور سَلامًا سے پہلے بھی مضاف محذوف ہوسکتا ہے ای ذاتَ سلام، بردًا وسلامًا میں مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو ان کے قائم مقام کردیا **قوله** من العراق اَخرجَ فعل محذوف کے متعلق ہے نافِلَةً بروزن عافیةً مصدر ہے یہ یعقوب سے حال ہے اور وَهَبْنَا فعل کا مفعول مطلق بغیر لفظہ بھی ہوسکتا ہے ائمة ثانی ہمزہ میں جمہور کے نزدیک تسہیل ہے گو ابدال بھی جائز ہے، مفسر علام نے فعل الخیرات کی تفسیر ان تفعل وغیرہ سے کرکے اشارہ کردیا کہ اصل ترکیب اَن تُفْعَلَ الخیراتِ واَن تُقامَ الصلوٰة واَن تؤتی الزکوٰة ہے اس لئے کہ موحٰی (مأمورٌ به) صیغہ امر کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ مصدر کے ذریعہ اِقَامَ الصَّلوٰةِ اِقامة الصلوٰة کے بجائے اقام الصلوٰة فرمایا تاء مدورہ کو تخفیفاً حذف کردیا ہے **قوله** لوطاً فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ ماأضمر عاملہ علی التفسیر کے قبیل سے ہے تقدیر عبارت یہ ہے آتینا لوطاً آتیناه من القریة اس قریہ کا نام سدوم تھا جو کہ موتفکہ میں بڑی آبادی تھی۔

تفسیر وتشریح

حضرت ابراہیم نے جب حجت تمام کردی اور ان کی ضلالت وگمراہی کو ایسے طریقہ سے ان پر واضح کردیا کہ وہ لاجواب ہوگئے تو چونکہ وہ توفیق وہدایت سے محروم تھے اور کفر وشرک نے ان کے دلوں کو بے نور کردیا تھا، اس لئے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے الٹا ابراہیم کے خلاف سخت اقدام پر آمادہ ہوگئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انہیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کردی، تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم اور نمرود نے متفق ہوکر یہ فیصلہ کرلیا کہ ان کو آگ میں جلادیا جائے چنانچہ شہر کے تمام لوگ لکڑی وغیرہ جمع کرنے کے کام میں ایک مہینہ تک لگے رہے اور پھر اس میں آگ سلگا کر ایک ہفتہ تک اس کو دھونکتے رہے یہاں تک کہ اس کے شعلہ فضاء آسمانی میں اتنے بلند ہوگئے کہ اگر کوئی پرندہ اس پر گذرے تو جل جائے، اس کے بعد حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کا پروگرام بنایا گیا مگر کس طرح ڈالا جائے؟ اتنے بڑے الاؤ میں ڈالنا تو دور کی بات تھی اس کے قریب جانا بھی آسان نہیں

تھا، چنانچہ شیطان نے ان کو منجنیق (گوپیا) میں رکھ کر پھینکنے کی تدبیر بتائی، جس وقت اللہ کے خلیل ابراہیم کو آگ کے سمندر میں پھینکنے جارہے تھے تو تمام فرشتے بلکہ زمین آسمان اور ان کی تمام مخلوق چیخ اٹھی کہ یارب آپ کے خلیل پر کیا گذر رہی ہے؟ حق تعالیٰ نے ان سب کو ابراہیم کی مدد کرنے کی اجازت دیدی فرشتوں نے مدد کرنے کے لئے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے وہ میرا حال دیکھ رہا ہے جبرائیل امین نے عرض کیا کہ آپ کو میری کسی مدد کی ضرورت ہے تو میں خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ حاجت تو ہے مگر آپ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ آگ کے حضرت ابراہیم پر برد وسلام ہونے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ آگ آگ ہی نہ رہی ہو بلکہ ہوا میں تبدیل ہوگئی ہو مگر ظاہر یہ ہے کہ آگ اپنی حقیقت میں آگ ہی رہی ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آس پاس کے علاوہ دوسری چیزوں کو جلاتی رہی بلکہ حضرت ابراہیم کو جن رسیوں میں باندھ کر آگ میں ڈالا گیا تھا ان رسیوں کو بھی آگ ہی نے جلا کر ختم کیا مگر حضرت ابراہیم کے بدن مبارک تک کوئی آنچ نہیں آئی۔

اخرج ابن جریر عن معتمر ابن سلیمان عن بعض اصحابہ قال جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے لئے باندھ کر تیار کردیا تو حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور فرمایا یا **ابراھیم ألکَ حاجۃ** اے ابراہیم کیا تم کو کچھ حاجت ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا **اَمّا الیک فلا** ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن منذر نے کعب سے نقل کیا ہے **مَا اَحْرَقَتِ النارُ من ابراھیم الاّ وثاقۃ** یعنی آگ نے ابراہیمؑ کے بندھنوں کے علاوہ کسی شئ کو نہیں جلایا۔

احمد و ابن ماجہ و ابن حبان وغیرہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو گرگٹ کے علاوہ کوئی جانور ایسا نہیں تھا کہ جس نے آگ بجھانے کی کوشش نہ کی ہو، گرگٹ ہی ایک ایسا جانور تھا کہ جو آگ کو بھڑکانے کے لئے پھونک مار رہا تھا، **فامر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقتلہٖ** تو آپؐ نے اس کے قتل کرنے کا حکم فرمایا، حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو سب سے پہلا کلمہ جو ابراہیمؑ کی زبان مبارک سے نکلا وہ **حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل** تھا، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے **لو لم یتبع بردھا سلامًا لمات ابراھیم من بردھا** یعنی اگر **بردًا** کے ساتھ **سلامًا** نہ کہا جاتا تو حضرت ابراہیمؑ سردی سے مرجاتے۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں سات روز رہے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عمر بھر ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں حاصل تھی۔ (مظہری)

وَنَجَّیْنٰہُ ولوطًا الی الارض التی الخ یعنی حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھ لوط علیہ السلام کو ہم نے اس زمین سے جس پر نمرود کا غلبہ تھا (یعنی عراق) نجات دیکر ایک ایسی سرزمین میں پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے

لئے برکت رکھی ہے مراد اس سے ملک شام کی سرزمین ہے کہ وہ اپنی ظاہری اور باطنی حیثیت سے تیری برکتوں کا مجموعہ ہے، باطنی برکت تو یہ ہے کہ یہ سرزمین مرکز انبیاء ہے، اور ظاہری برکت آب وہوا کا اعتدال۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ اسحٰق ویعقوب نافلةً یعنی ہم نے ابراہیم کو بیٹا اسحٰق ان کی دعاء کے مطابق دیا اور اس پر مزید پوتا دیا، **یعقوب یعنی** دعاء تو صرف بیٹے کی تھی مگر ہم نے مزید برآں پوتا بھی دیدیا اسی وجہ سے اس کو نافلہ فرمایا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو جس بستی سے نجات دینے کا ذکر آیات میں آیا ہے اس بستی کا نام سدوم تھا اس کے تابع سات بستیاں اور تھیں جن کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے الٹ کر تہ وبالا کر دیا تھا صرف ایک بستی جس میں حضرت لوط علیہ السلام رہتے تھے باقی چھوڑی تھی۔ (قالہ ابن عباسؓ)

تعمل الخبائث خبائث خبیثہ کی جمع ہے بہت سی گندی اور خبیث عادتوں کو خبائث کہا جاتا ہے، یہاں ان کی سب سے خبیث اور گندی عادت جس سے جنگلی جانور بھی پرہیز کرتے ہیں لواطت تھی اور یہاں اسی ایک عادت کو اس کے بڑا جرم ہونے کی وجہ خبائث کہا گیا ہو تو یہ بھی بعید نہیں اور اس کے علاوہ بھی دوسری خبیث عادتوں کا ان میں ہونا روایات میں مذکور ہے، اس لحاظ سے بھی خبائث کہنا ظاہر ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے برادر زادے (بھتیجے) اور حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے اللہ نے ان کو بھی علم وحکمت یعنی نبوت سے نوازا تھا یہ جس علاقہ میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور اس کو عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے، یہ فلسطین کے بحر مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا جس کا بڑا حصہ بحیرۂ مردار کا جز ہے ان کی قوم لواطت جیسے فعل شنیع، گذرگاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا اور انہیں تنگ کرنا کنکریاں پھینکنا وغیرہ میں ممتاز تھی جسے اللہ نے یہاں خبائث سے تعبیر کیا ہے، بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے یعنی انہیں اور ان کے متبعین کو بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

وَ اذکر **نُوْحًا** وما بعده بَدَلٌ منه **اِذْ نَادٰی** ای دَعَا علٰی قومِهٖ بقوله ربِّ لَا تَذَرْ الخ **مِنْ قَبْلُ** ای قَبْلَ ابراهیمَ ولوطٍ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ** الذین فی سَفِیْنَتِهٖ **مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ** ای الغَرَقِ وتکذیبِ قومِهٖ له **وَنَصَرْنٰهُ** مَنَعْنَاهُ **مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا** الدالّةِ علٰی رِسَالَتِهٖ اَنْ لایَصِلُوْا اِلَیْهِ بِسُوْءٍ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ** واذکر **دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ** ای قِصَّتَهُمَا ویُبْدَل منهما **اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ** هو زرعٌ او کَرْمٌ **اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ** ای رَعَتْهُ لَیْلًا بلا رَاعٍ بَاَنْ اِنْفَلَتَتْ **وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ** فیه استعمالُ ضمیرِ الجمعِ لِاثْنَیْنِ قال داوٗد علیه السلام لِصاحبِ الحرثِ رقابَ الغنمِ وقال سلیمانُ علیه السلام یَنْتفِعُ بدَرِّهَا ونَسْلِها وصُوْفِها الٰی اَنْ

يَعُوْدُ الحرثُ كما كان بِاِصْلَاحِ صاحبِها فيَرُدَّهَا اليه فَفَهَّمْنَاهَا اى الحكومةَ سُلَيْمَانَ وحُكْمُهما باجتهادٍ ورجعَ داؤدُ الى سليمانَ وقيل بوَحْيٍ والثانِيْ نَاسِخٌ لِلْاَوَّلِ وَكُلًّا مِنهُما اٰتَيْنَا حُكْمًا نُبُوَّةً وَعِلْمًا بِاُمُوْرِ الدين وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ كذلك سَخَّرْنا لِلتَّسْبِيحِ معه لِاَمْرِهٖ بِهٖ اذا وَجَدَ فَتْرَةً لِيَنْشَطَ لَهٗ وَكُنَّا فَاعِلِيْنَ۝ تَسْخِيْرَ تَسْبِيْحِهِمَا معه وإن كان عَجَبًا عندكم اى مُجَاوَبَتُه لِلسَّيِّدِ داؤدَ عليه السلام وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ وهي الدِّرْعُ لِاَنَّهَا تُلْبَسُ وهو اولُ مَنْ صَنَعَهَا وكانت قَبْلَهَا صَفَائِحَ لَكُمْ فِي جُمْلَةِ الناسِ لِتُحْصِنَكُمْ بالنون لِلّٰهِ وبالتحتانية لِداؤدَ وبالفَوْقَانِيَّةِ لِلَّبُوْسِ مِنْ بَاْسِكُمْ حَرْبِكم مع اَعْدَاءِكم فَهَلْ اَنْتُمْ يا اَهْلَ مَكَّةَ شٰكِرُوْنَ۝ نِعَمِيْ بتَصْدِيْقِ الرُّسُلِ اى اشْكُرُوْنِيْ بذٰلك وَسَخَّرْنَا لِسُلَيْمَانَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً وفي اٰية اُخرى رُخَاءً اى شَدِيْدَةَ الهُبُوْبِ وخَفِيْفَتَهُ بحَسْبِ اِرَادَتِهٖ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا وهي الشَّامُ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ۝ من ذٰلك علمُه تعالٰى باَنَّ مَا يُعْطِيْهِ سُلَيْمَانَ يَدْعُوْهُ الى الخُضُوْعِ لِرَبِّهٖ فَفَعَلَهٗ تعالٰى عَلٰى مُقْتَضٰى عِلْمِهٖ وَسَخَّرْنَا مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ يَدْخُلُوْنَ فى البَحْرِ فيُخْرِجُوْنَ مِنْهُ الجَوَاهِرَ لِسُلَيْمَانَ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ اى سِوَى الغَوْصِ من البناءِ وغَيْرِهٖ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ۝ مِنْ اَنْ يُّفْسِدُوْا مَا عَمِلُوْا لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اذا فَرَغُوْا مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ اللَّيْلِ اَفْسَدُوْهُ اِنْ لم يُشْتَغَلُوْا بِغَيْرِهٖ .

ترجمہ

اور یاد کیجئے نوح علیہ السلام کے اس وقت کو جب کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے ابراہیمؑ اور لوط علیہما السلام سے پہلے اپنے قول رَبِّ لاتذر الخ کے ذریعہ بددعاء فرمائی تو ہم نے ان کی دعا قبول کی تو ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو جو کہ اس کی کشتی میں (سوار) ہوئے کرب عظیم یعنی غرق ہونے سے اور اس کی قوم کے اس کی تکذیب کرنے سے نجات دی اور ہم نے اس کی مدد کی یعنی اس کی حفاظت کی اس قوم سے جس نے ہماری ان آیتوں کی تکذیب کی جو اس کی رسالت پر دلالت کرتی تھیں تا کہ برائی کے ساتھ اس تک رسائی نہ ہو سکے یقیناً وہ برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور داؤد اور سلیمان یعنی ان کے قصہ کا ذکر کیجئے اور واذکر داؤد اور سلیمان سے اِذ یحکمان فی الحرثِ بدل ہے، جبکہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے وہ کھیتی یا تو غلہ کی تھی یا انگور کی جبکہ ایک قوم کی بکریاں اس میں جا گھسیں تھیں یعنی چرواہے کے بغیر رات کو چر گئیں تھیں اس طریقہ سے کہ اس میں پھیل گئیں تھیں اور ہم ان کے

فیصلہ کو دیکھ رہے تھے اس میں دو کے لئے جمع کی ضمیر کا استعمال ہوا ہے، داؤد علیہ السلام نے کھیتی والے کے لئے (نقصان) کے عوض بکریوں کا فیصلہ کیا، اور حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ کھیتی والا بکریوں کے دودھ اور ان کی نسل اور ان کی اون سے فائدہ اٹھائے یہاں تک کہ کھیتی بکریوں والے کی اصلاح سے اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے تو کھیتی کا مالک بکریاں بکریوں کے مالک کو واپس کردے، تو ہم نے سلیمانؑ کو فیصلہ کی سمجھ عطا فرمائی اور دونوں کا فیصلہ اجتہاد سے تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی طرف رجوع فرمایا اور کہا گیا ہے کہ دونوں کے فیصلے وحی کے ذریعہ تھے لیکن ثانی فیصلہ اول کے لئے ناسخ ہے، اور ہم نے دونوں کو حکم یعنی نبوت اور امور دین کا علم عطا کیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کردیا تھا کہ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور اسی طرح پرندوں کو بھی تسبیح کے لئے داؤد علیہ السلام کے تابع کردیا تھا یعنی ان کے حکم کے تابع کردیا تھا کہ جب وہ سستی محسوس کرتے تھے تو ان کو تسبیح کا حکم دیتے تھے داؤدؑ کے ساتھ دونوں کی تسبیح خوانی کو مسخر کرنے والے ہم ہی تھے، اگرچہ داؤد علیہ السلام کے حکم پر (ان دونوں کا) لبیک کہنا تمہارے نزدیک عجیب تھا اور ہم نے تمہارے نفع کے لئے منجملہ دیگر لوگوں کے داؤد علیہ السلام کو مخصوص لباس سازی کا ہنر سکھایا اور وہ زرہ تھی (اس کو لبوس کہا جاتا ہے) اس لئے کہ وہ پہنی جاتی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ بنائی اور اس سے قبل لوہے کی پلیٹوں کا رواج تھا تاکہ ہم تم کو دشمن کے ساتھ جنگ میں ایک دوسرے کی زد سے بچائیں لِتُحْصِنَكُمْ اگر نون کے ساتھ ہو تو لنحصنکم کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی اور یائے تحتانیہ کے ساتھ ہو تو ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف راجع ہوگی اور اگر تائے فوقانیہ کے ساتھ ہو تو ضمیر لبوس کی طرف راجع ہوگی، تو اے اہل مکہ کیا تم میری نعمتوں کا رسولوں کی تصدیق کرکے شکر گذار بنو گے یعنی رسولوں کی تصدیق کرکے میرا شکر ادا کرو اور ہم نے تابع کردیا سلیمانؑ کے تیز ہوا کو اور دوسری آیت میں رُخاءً ہے یعنی نرم ہوا کو یعنی تیز رفتار اور سست رفتار (دونوں قسم کو تابع کردیا) ان کے ارادہ کے مطابق وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور وہ شام ہے اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں اور ان تمام چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ علم بھی ہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کو جو کچھ عطا کررہا ہے وہ سلیمانؑ کو اپنے رب کے حضور خشوع وخضوع کی دعوت دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقتضائے علم کے مطابق عمل کیا اور ہم نے بعض ایسے شیاطین کو تابع کردیا تھا کہ جو سلیمان کے لئے دریا میں غوطہ لگاتے تھے اور دریا سے سلیمان کے لئے جواہرات نکالتے تھے اور اس کے یعنی غوطہ خوری کے علاوہ تعمیر وغیرہ کا کام بھی کرتے تھے اور ان کی نگرانی کرنے والے ہم ہی تھے اس بات سے کہ جو کچھ وہ تیار کریں اس کو خراب نہ کردیں، اس لئے کہ ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ رات آنے سے پہلے کام سے فارغ ہوجاتے تھے تو اگر ان کو دوسرے کام میں مشغول نہ کیا جاتا تو جو کچھ کیا ہوا کام ہوتا تھا اس کو خراب کردیتے تھے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله نوحًا اس کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں ۱ اس کا عطف **لوطاً** پر ہو اس صورت میں اس کا عامل ناصب وہی ہوگا جو لوطاً کا ہے اور وہ آتینا محذوف ہے جس کی تفسیر آتَینٰہُ مذکور کررہا ہے اور اسی طرح داؤد وسلیمان میں بھی ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی ونوحاً آتیناہ حکما وداؤد وسلیمان آتیناھُمَا حکمًا اس صورت میں اِذ نادیٰ نوحًا سے بدل الاشتمال ہوگا ۲ اذکر فعل محذوف اس کا ناصب ہو، جیسا کہ صاحب جلالین نے اشارہ کیا ہے نوحًا سے پہلے مضاف محذوف ہے ای اذکر قصتہٗ اس صورت میں اذ نادیٰ مضاف محذوف کی وجہ سے منصوب ہوگا ای خَبَرَھم الواقع فی وقت کان کَیْتَ وکَیْتَ **وقوله** من قبلُ ای قبل ھٰؤلاءِ المذکورین، حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور ساڑھے نو سو سال تک قوم کو تبلیغ کی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال بقید حیات رہے، اس حساب سے آپ کی عمر مبارک ایک ہزار پچاس سال ہوئی اِذا نادی نوحًا سے بدل الاشتمال ہے نادیٰ کی تفسیر دَعَا علی قومہٖ سے کرکے اشارہ کردیا کہ نادیٰ بمعنی دعا علیہ ہے جو کہ بددعاء کے لئے مستعمل ہے **قوله** ونصرناہُ کی تفسیر منعناہُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ نَصَرَ مَنَعَ کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے اس کا صلہ مِنْ لانا درست ہے ورنہ تو نصر کا صلہ علیٰ آتا ہے **قوله** أن لایَصِلَ اِلَیہ ای لِئَلّا یَصِلَ الیہ بسوء یہ منعناہ کی علت ہے وَ اذکر داؤد وسلیمان حضرت داؤد علیہ السلام سو سال بقید حیات رہے، حضرت داؤد اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچسو انہتر سال کا وقفہ ہے، اور حضرت سلیمان پانچسو انسٹھ سال بقید حیات رہے اور حضرت سلیمان اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے (جمل) **قوله** زرع غلہ کی کھیتی کَرْمٌ انگور کی کھیتی **قوله** نَفَشَتْ النفش الرعی باللیل بلا راعٍ بغیر چرواہے کے بکریوں کا رات میں کھیتی کو چر کر خراب کردینا بابہٗ (ض، ن، س) اور ھَمَلٌ کہتے ہیں دن میں بغیر چرواہے کے کھیتی کو چر کر خراب کردینا، لِحُکْمِھِمْ میں تثنیہ کے بجائے جمع کی ضمیر یا تو مجازاً استعمال ہوتی ہے یا اقل جمع کے طور پر رقاب الغنم ای عوضاً عمافات من حرثہٖ **قوله** یُسَبِّحْنَ الجبالَ سے حال ہے ای مُسَبِّحَۃً اور بعض حضرات نے جملہ مستانفہ بھی کہا ہے گویا کہ کسی سائل نے سوال کیا کیف سخرھُنَّ؟ فقال یُسَبِّحْنَ **قوله** والطَّیْرَ الجبالَ پر عطف کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے اور مفعول معہ کی وجہ سے بھی، بعض قراأتوں میں والطیرُ مرفوع بھی ہے، اس صورت میں یا تو یہ مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی ای والطیر مسخرات ایضًا یا یُسَبِّحْنَ کی ضمیر پر عطف ہوگا لیکن اس صورت میں ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید یا فصل ضروری ہوگا مگر یہ بصریین کے نزدیک ہے کوفیین کے نزدیک ضروری نہیں ہے **قوله** لِاَمْرِہٖ بہٖ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے ای لامر داؤد لھُمَا بہ ای

بالتسبیح اذا وَجدَ داؤدُ فترةً یعنی داؤد علیہ السلام جب ذکر و تسبیح میں سستی محسوس کرتے تھے تو پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح کرنے کا حکم فرماتے تھے تاکہ ذکر و تسبیح کی فضا قائم ہو کر نشاط پیدا ہو جائے اور سستی ختم ہو جائے صَفَائِحُ جمع صَفِیْحَةٍ ہر چوڑی چیز، پتھر کی ہو یا لوہے کی لَکُمْ عَلَّمنا کے متعلق ہے اور کائن محذوف سے متعلق ہو کر لَبُوسٌ کی صفت بھی ہو سکتی ہے ای لبوسٌ کائنٌ لکم پہلی صورت میں لام تعلیل کے لئے ہوگا ای علمناہ لاجلکم اور لیحصنکم اعادہ جار کے ساتھ بدل ہوگا ای لکم لاحصانکم اور دوسری صورت میں علمنا سے متعلق ہوگا **قوله** فی جملة الناس ای مع حملة الناس من جملة الناس سے اس شبہ کا جواب ہے کہ لکم کے مخاطب اہل مکہ ہیں حالانکہ اہل مکہ حضرت داؤد کے زمانہ میں موجود بھی نہیں تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی نعمت ہے کہ جو بعد میں منجملہ دیگر لوگوں کے اہل مکہ کو بھی پہنچی **قوله** بحسب ارادته اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہاں ریح کی صفت عاصفة لائی گئی ہے جس کے معنی ہیں تیز ہوا اور دوسری آیت میں رُخَاءً کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں نرم ہوا، دونوں میں تنافی اور تضاد معلوم ہوتا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوا کی شدت اور رخاءت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارادہ کے مطابق ہوتی تھی جیسا حکم فرماتے ہوا ویسی ہی چلتی تھی **قوله** من ذٰلك علمهٗ تعالٰی یہ خبر مقدم ہے اور علمه بانّ مایعطیه الخ مبتداء مؤخر ہے **قوله** من یغوصون له مَنْ موصولہ اور موصوفہ دونوں ہو سکتا ہے اور الریح پر عطف ہونے کی وجہ سے جملہ ہو کر محلاً منصوب ہوگا ای سخرنا له الریح عاصفةً ومن یغوصون له اور یغوصون کو جمع لانا مَنْ کے معنی کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر و تشریح

وَنُوْحًا اِذْنَادٰی مِنْ قَبْلُ مِنْ قبلُ سے مراد ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام سے پہلے ہونا مراد ہے، اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی نداء (بددعاء) کا ذکر مجملاً و اشارۃً آیا ہے، اس کا بیان سورۂ نوح میں صراحتاً اور تفصیلاً آیا ہے، اور وہ یہ ہے رَبِّ لَاتَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا یعنی اے میرے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اس طرح قبول فرمائی، کہ پوری قوم کو غرق طوفان کر دیا، کرب عظیم سے مراد کیا ہے؟ کرب عظیم سے یا تو وہ عمومی طوفان مراد ہے جس میں پوری قوم غرق ہوئی اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات ملی یا کرب عظیم سے وہ ایذائیں مراد ہیں جو طوفان سے پہلے ان کی قوم ان کو اور ان کے مومن ساتھیوں کو پہنچاتے تھے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فاستجبنا لهٗ فنجّینٰهُ واهلهٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ سے بیان فرمایا ہے۔

وَاذکر داؤد وسلیمان حضرات مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے

شخص کے کھیت میں رات کے وقت جا گھسیں اور اس کی کھیتی کو چر کر صاف کر دیا حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اپنا مقدمہ لیکر آئے حضرت داؤد علیہ السلام جو کہ پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمراں بھی تھے، یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے کے حوالہ کر دی جائیں تا کہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے، غالباً بکریوں کی قیمت کھیت کے نقصان کے برابر تھی، یہ دونوں مدعی اور مدعیٰ علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، حضرت سلیمانؑ دریافت فرمایا کہ تمہارے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا؟ ان لوگوں نے فیصلہ سنایا حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اگر میں اس مقدمہ کا فیصلہ کرتا تو کچھ اور ہوتا جو فریقین کے لئے زیادہ نافع اور مفید ہوتا جب حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت سلیمانؑ سے معلوم کیا کہ وہ فیصلہ کیا ہے جو دونوں فریق کے لئے اس فیصلہ سے بہتر ہے؟ تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ آپ تمام بکریاں کھیت والے کو دیدیں کہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور کھیت بکریوں والے کے حوالہ فرما دیں کہ وہ کھیت میں کاشت کر کے کھیت کی اصلاح کرے اور جب کھیت اپنی سابقہ حالت پر آجائے تو کھیت کھیت والے کو اور بکریاں بکریوں والے کو دلوادیں، حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ فیصلہ پسند آیا اور فرمایا بس اب فیصلہ یہی رہنا چاہئے۔

امام تفسیر مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمانؑ دونوں کے فیصلے اپنی جگہ درست ہیں، حقیقت اس کی یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا وہ ضابطہ کا فیصلہ تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو فرمایا وہ درحقیقت مقدمہ کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ فریقین میں صلح کرانے کا ایک طریقہ تھا، اور قرآن میں **وَالصُّلْحُ خَيْرٌ** کا ارشاد وارد ہوا ہے، اس لئے یہ دوسری صورت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ٹھہری۔ (مظہری)

حضرت عمرؓ نے اپنے قاضیوں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ جب آپ کے پاس دونوں فریقوں کا مقدمہ آئے تو پہلے ان دونوں میں رضامندی کے ساتھ صلح کرانے کی کوشش کریں اگر یہ ناممکن ہو جائے تو اپنا شرعی فیصلہ جاری کریں، اور حکمت اس کی یہ ارشاد فرمائی کہ حاکمانہ عدالتی فیصلے سے وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہو دب تو جاتا ہے مگر ان دونوں کے درمیان بغض و عداوت کا بیج قائم ہو جاتا ہے جو دو مسلمانوں میں نہیں ہونا چاہئے، بخلاف مصالحت کی صورت کے کہ اس سے دلوں کی منافرت بھی دور ہو جاتی ہے۔ (از معین الاسلام بحوالہ معارف القرآن)

فیصلہ کرنے کے بعد قاضی کا فیصلہ بدلا جاسکتا ہے یا نہیں، یا کسی کے جانور دوسرے آدمی کی جان یا مال کو نقصان پہنچادیں تو فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟ ان سب مسائل فقہیہ کی تفصیل کیلئے قرطبی یا معارف القرآن کی طرف رجوع کریں۔

وسخرنا مع داؤد الجبال الآیۃ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کے تسبیح پڑھنے کا یہ مقصد نہیں کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو اس کی آواز بازگشت پہاڑوں سے سنائی دیتی تھی اس لئے کہ یہ بات تو ہر شخص کے ساتھ ہو سکتی ہے پھر داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت رہی؟ حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس صفت کو قرآن کریم

نے بطور خاص ذکر کیا ہے اور بطور معجزہ کے بتایا ہے اور معجزہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ پرندوں اور پہاڑوں میں حیات وشعور ہو بلکہ بطور معجزہ ہر غیر ذی شعور میں بھی شعور پیدا ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ تحقیق بھی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی ان کی حیثیت کے بقدر شعور موجود ہے۔

اِنَّا كُنَّا فاعِلِينَ یعنی یہ تفہیم، ایتائے حکم اور تسخیر ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے اس لئے ان میں کسی کو تعجب یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

وعلّمناهُ صَنعَةَ لبوس الآیۃ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس سے دو فرشتے انسانی شکل میں گذرے ایک نے دوسرے سے کہا، داؤد کیا ہی خوب شخص تھا اگر بیت المال سے اپنا خرچ نہ لیتا، تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ یا الٰہ العالمین تو مجھے کوئی ایسی صنعت سکھادے جس کے ذریعہ میں اپنی روزی کما سکوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی پسندیدہ لوہے کی صنعت سکھائی اور ان کے لئے لوہے کو موم کے مانند نرم کر دیا وہ بغیر گرم کئے جس طرح چاہتے لوہے کو موڑ لیتے تھے، حلقہ اور کڑیوں دار زرہ سب سے اول حضرت داؤد علیہ السلام ہی نے بنائی اگرچہ پلیٹ اور تختوں کی شکل میں زرہ کا استعمال پہلے سے بھی تھا۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عاصِفَةً جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی جہادی گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز قضا ہوگئی تو ان کو بہت غم وغصہ ہوا اور چونکہ بظاہر گھوڑے قضاء صلوٰۃ کا سبب ہوئے تھے، جس کی وجہ سے آپ کو اَلْغَضَبُ لِلّٰه کے قاعدہ سے گھوڑوں پر غصہ آیا جس کی وجہ سے آپ نے گھوڑوں کو ذبح کر دیا، اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے بجائے ان سے بھی تیز رفتار ہوا کو آپ کے حکم کے تابع کر دیا، یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیئے گئے تھے اسی طرح ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا گیا تھا حضرت سلیمانؑ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ کر جہاں چاہتے مہینوں کی مسافت ساعتوں اور لمحوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے، ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔

وَمِنَ الشيٰطِين الآیۃ یعنی جنات بھی حضرت سلیمان کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہرات نکال لاتے اسی طرح دیگر عمارتی کام بھی انجام دیتے جو آپ چاہتے تھے۔

وَكُنَّالَهُمْ حافِظِيْنَ مفسرین نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک تو وہی ہے جو ترجمہ کے ضمن میں بیان ہوا ہے اور جس کی مفسر علام نے بھی صراحت کی ہے وہ یہ کہ رات آنے سے پہلے اگر وہ کام سے فارغ ہو جاتے تو کیا ہوا کام خراب کر دیتے تھے، اس کے لئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ اگر رات آنے سے پہلے وہ مفوضہ کام سے فارغ ہو جائیں تو ان کو دوسرا کام سپرد کر دیا جائے، دوسرا مطلب مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ باوجودیکہ جنات میں سرکشی اور نافرمانی کا

عنصر زیادہ ہوتا ہے جس کا مقتضی تھا کہ وہ حضرت سلیمانؑ کی نافرمانی کریں یا خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کو گزند پہنچائیں مگر ہم ہی ان کو قابو میں کئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ حکم عدولی وگزند پہنچانے پر قادر نہیں ہوتے تھے۔

وَاذْكُرْ أَيُّوبَ ويُبْدَلُ منه إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ لَمَّا ابْتُلِيَ بِفَقْدِ جَمِيعِ مَالِهِ وَوَلَدِهِ وتَمْزِيْقِ جَسَدِه وهَجْرِ جَمِيعِ النَّاسِ له إِلَّا زَوْجَتَهُ سِنِيْنَ ثَلَاثًا او سَبْعًا او ثَمَانِي عَشْرَةَ وَضِيْقِ عَيْشِهٖ أَنِّي بِفَتْحِ الهَمْزَةِ بِتَقْدِيْرِ البَاءِ مَسَّنِيَ الضُّرُّ اى الشِّدَّةُ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ نِدَاءَهُ فَكَشَفْنَا مَابِهِ مِنْ ضُرٍّ وَّآتَيْنٰهُ أَهْلَهُ أَوْلَادَهُ الذُّكُوْرَ وَالإِنَاثَ بِانْ أُحْيُوْا له وكُلٌّ مِنَ الصِّنْفَيْنِ ثَلَاثٌ او سَبْعٌ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ مِنْ زَوْجَتِهٖ وَزِيْدَ فِي شَبَابِهَا وكَانَ له أَنْدَرٌ لِلْقَمْحِ وَأَنْدَرٌ لِلشَّعِيْرِ فَبَعَثَ اللّٰهُ سَحَابَتَيْنِ أَفْرَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلٰى أَنْدَرِ القَمْحِ الذَّهَبَ وَالأُخْرٰى عَلٰى أَنْدَرِ الشَّعِيْرِ الوَرِقَ حَتّٰى فَاضَ رَحْمَةً مَفْعُوْلٌ له مِّنْ عِنْدِنَا صِفَةٌ وَذِكْرٰى لِلْعَابِدِيْنَ۝ لِيَصْبِرُوا فَيُثَابُوْا وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيْلَ وَإِدْرِيْسَ وَذَا الكِفْلِ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِيْنَ۝ على طَاعَةِ اللّٰهِ وعَنْ مَعَاصِيْهِ وَأَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۖ من النُّبُوَّةِ إِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ لَهَا وسُمِّيَ ذَاالكِفْلِ لانه تَكَفَّلَ بِصِيَامِ جَمِيْعِ نَهَارِهٖ وبِقِيَامِ جَمِيْعِ لَيْلِهٖ وانْ يَقْضِيَ بَيْنَ النَّاسِ ولَا يَغْضَبَ فَوَفّٰى ذٰلك وقِيلَ لم يَكُنْ نَبِيًّا وَاذكر ذَا النُّوْنِ صَاحِبَ الحُوْتِ وهو يُوْنُسُ بنُ مَتّٰى ويُبْدَلُ منه إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا لقَوْمِهٖ اى غَضْبَانَ عَلَيْهِم مِمَّا قَاسٰى مِنْهم ولم يُؤْذَنْ له فى ذٰلك فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اى نَقْضِيَ عليه مَا قَضَيْنَا مِنْ حَبْسِهٖ فى بَطْنِ الحُوْتِ او نُضَيِّقَ عليه بذٰلك فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ وظُلْمَةِ البَحْرِ وظُلْمَةِ بَطْنِ الحُوْتِ أَنْ اى بان لَّآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ فى ذِهَابِي مِنْ بَيْنِ قَوْمِيْ بِلَا إِذْنٍ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الغَمِّ ۚ بتلك الكَلِمٰتِ وَكَذٰلِكَ كما أَنْجَيْنَاه نُنْجِي المُؤْمِنِيْنَ۝ مِنْ كُرَبِهِمْ اذا اسْتَغَاثُوْا بِنَاداعِيْنَ وَاذْكُرْ زَكَرِيَّا ويُبْدَلُ منه إِذْ نَادٰى رَبَّهُ بِقَوْلِهٖ رَبِّ لَاتَذَرْنِيْ فَرْدًا اى بِلَا وَلَدٍ يَرِثُنِيْ وَأَنْتَ خَيْرُ الوَارِثِيْنَ۝ البَاقِي بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِكَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۖ نِدَاءَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى وَلَدًا وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ فَاَتَتْ بِالوَلَدِ بَعْدَ عُقْمِهَا إِنَّهُمْ اى مَنْ ذُكِرَ مِنَ الانْبِيَاءِ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ يُبَادِرُوْنَ فِي الخَيْرٰتِ الطَّاعَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا فى رَحْمَتِنَا وَّرَهَبًا ۖ مِنْ عَذَابِنَا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ۝ مُتَوَاضِعِيْنَ فى عِبَادَتِهِم وَاذْكُرْ مَرْيَمَ الَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفِظَتْهُ مِنْ أَنْ يُّنَالَ فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا اى جِبْرِيْلَ حَيْثُ نَفَخَ فِي جَيْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ الإِنْسِ والجِنِّ والمَلَائِكَةِ حَيْثُ وَلَدَتْهُ مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ إِنَّ هٰذِهٖٓ اى مِلَّةَ الإِسْلَامِ أُمَّتُكُمْ

دِيْنُكُمْ أَيُّهَا الْمُخَاطَبُوْنَ اى يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوا عَلَيْهَا أُمَّةً وَّاحِدَةً حَالٌ لَازِمَةٌ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ○ وَحِّدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْآ اى بَعْضُ الْمُخَاطَبِيْنَ اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ط اى تفرقوا امر دينهم متخالفين فيه وهُمْ طَوَائِفُ الْيَهُوْدِ والنَّصَارىٰ قال تعالىٰ كُلٌّ اِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ ع اى فنجازيه بعمله .

ترجمہ

اور یاد کر ایوب علیہ السلام کی حالت کو اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ اَیُّوْبَ سے بدل ہے، جبکہ ان کو ان کے تمام مال و اولاد کو ہلاک کر کے اور ان کے جسم کو پارہ پارہ کر کے اور ان کی بیوی کے علاوہ تمام لوگوں کے ان کو تین سالوں یا سات سالوں یا اٹھارہ سالوں تک چھوڑ دینے اور ان کو تنگ زندگی کے ذریعہ آزمایا گیا اَنِّی ہمزہ کے فتحہ اور با کی تقدیر کے ساتھ ہے، یعنی اس وقت کو یاد کرو جب ایوب علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف لاحق ہوگئی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں تو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور ان کو جو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ہم نے ان کو ان کے اہل یعنی اولاد ذکور اور اناث عطا کئے اس طریقہ سے کہ وہ زندہ کر دیئے گئے دونوں جنسیں (مذکر ومؤنث) تین تین تھے یا سات سات اعداد ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی ان کی بیوی سے اور ان کی بیوی پر شباب لوٹا دیا گیا، اور ان کا ایک کھلیان گندم کا تھا اور ایک جو کا، تو اللہ تعالیٰ نے دو بدلیاں بھیجیں ایک بدلی نے گندم کے کھلیان پر سونا برسایا اور دوسری نے جو کے کھلیان پر چاندی برسائی یہاں تک کہ بہہ پڑے اپنی خصوصی رحمت کی وجہ سے رحمةً آتیناہ کا مفعول لہ ہے اور مِن عندنا (کائنةً) سے متعلق ہو کر رحمةً کی صفت ہے اور بندگی کرنے والوں کی نصیحت کے لئے تاکہ صبر کریں پس ان کو ثواب عطا کیا جائے، اور اسماعیل و ادریس و ذوالکفل علیہ السلام کا تذکرہ کیجئے یہ سب صابرین میں سے تھے اللہ کی اطاعت پر اور اس کی معصیت سے باز رہنے پر اور ہم نے ان سب حضرات کو اپنی رحمت یعنی نبوت میں داخل کرلیا تھا اور ان میں اس (نبوت) کی صلاحیت تھی اور ذوالکفل کا ذوالکفل اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ انہوں نے دن میں روزہ رکھنے کو اور پوری رات نماز پڑھنے کو اور اس بات کو کہ لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کریں گے اور غصہ نہ کریں گے لازم کرلیا تھا چنانچہ انہوں نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا، کہا گیا ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے اور ذوالنون یعنی مچھلی والے کا تذکرہ کیجئے اور وہ یونس بن متی ہیں اور اِذ ذهبَ مُغَاضِبًا ذاالنون سے بدل ہے یعنی اس وقت کو یاد کرو کہ جب مچھلی والا اپنی قوم سے ان کی طرف سے تکلیف اٹھانے کی وجہ سے ناراض ہو کر چل دیا حالانکہ اس کو جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی تو اس نے یہ سمجھا کہ ہم بغیر اجازت چلے جانے پر کچھ دار و گیر نہ کریں گے یعنی مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا جو فیصلہ ہم نے کرلیا ہے وہ نہ کریں گے، یا اس کی وجہ سے ہم اس پر تنگی نہ کریں گے آخر کار وہ اندھیروں میں پکار اٹھا یعنی رات کی ظلمت اور دریا کی ظلمت اور مچھلی کے پیٹ کی ظلمت سے کہ اے الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوگیا بغیر اجازت قوم کے درمیان سے چلے جانے کی وجہ سے تو ہم نے اس کی دعا سن لی اور مذکورہ

کلمات دعاء کی بدولت اس کو غم سے نجات دیدی اور جس طرح اس کو بچالیا اسی طرح ہم ایمان والوں کو ان کے کرب سے بچالیا کرتے ہیں جب وہ ہم سے دعا کرتے ہوئے فریاد کرتے ہیں اور زکریا کا تذکرہ کرو اذ نادیٰ ربّه زکریا سے بدل واقع ہے، جب اس نے اپنے رب کو ربّ لاتذرنی فردًا کے الفاظ سے پکارا یعنی اے میرے پروردگار تو مجھے تنہا یعنی بلاولد کے جو میرا وارث ہو نہ چھوڑیئے اور تو سب سے بہتر وارث ہے یعنی تیری تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد تو ہی باقی رہنے والا ہے تو ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا اور ہم نے اس کو یحییٰ لڑکا عطا کیا اور ہم نے اس کے لئے اس کی بیوی کو درست کر دیا اور بانجھ رہنے کے بعد اس نے بچہ جنا اور بے شک وہ لوگ یعنی وہ انبیاء جن کا ذکر ہوا نیک کاموں یعنی طاعتوں میں جلدی سبقت کرتے تھے اور وہ ہم کو امید و بیم یعنی ہماری رحمت کی امید اور ہمارے عذاب کے خوف کے ساتھ ہم کو پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے یعنی اپنی عبادت میں خشوع وخضوع کرنے والے تھے اور بی بی مریم کا بھی تذکرہ کیجئے جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی یعنی اس تک رسائی دینے سے اس کی حفاظت کی اور ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی یعنی جبرائیل نے اس طریقہ سے کہ اس کے گریبان میں پھونک ماردی چنانچہ بی بی مریم عیسیٰ سے حاملہ ہو گئیں اور ہم نے خود ان کو اور ان کے بیٹے کو عالم والوں یعنی انسانوں اور جناتوں اور فرشتوں کے لئے نشانی بنادیا اس لئے کہ انہوں نے مرد کے بغیر بچہ جنا بے شک یہ یعنی ملت اسلامیہ اے مخاطبو! تمہاری ایک ہی ملت ہے تمہارے لئے ضروری ہے کہ اسی پر قائم رہو امّةً واحدةً حال لازمہ ہے اور میں تم سب کا رب ہوں لہٰذا میری ہی بندگی کرو یعنی میری توحید کے قائل ہو جاؤ مگر بعض مخاطبین آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کر لیں یعنی اپنے دینی معاملہ میں اختلاف کرنے کی وجہ سے متفرق ہو گئے اور وہ یہود ونصاریٰ کے گروہ تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب کے سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں یعنی ہم ان میں سے ہر ایک کے عمل کا بدلہ دیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَاذکر ایُّوبَ ویُبْدَلُ منه اذ نادی ربّهٗ اذ نادی ربّهٗ ایوب یعنی اس کے مضاف محذوف سے بدل ہے ای خبرَ ایُّوب سے **قوله** لَمّا ابتلی نادی کے متعلق ہے **قوله** وضیق عیشه اور ضُیِّقَ مبنی للمفعول پڑھا جائے تو اُبْتُلِی پر عطف ہوگا، اور ضِیق مصدر پڑھا جائے تو فقد پر عطف ہوگا اور ب کے تحت ہوگا ای اُبتلی بضیق عیشه **قوله** سنین ثلاثاً یہ اُبْتُلی کا ظرف ہے **قوله** اندر بروزن سندرٌ کھلیان (ج) انادرٌ اہل شام کی زبان بَیْدَرٌ بروزن خَیبرٌ کہتے ہیں موضع الذی یُداسُ فیه الطعام **قوله** رحمةً یہ آتیناہ کا مفعول لہ ہے، اور فعل مقدر کا مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے ای رَحِمناہ رحمة (والاول اظہر) **قوله** من عندنا رحمةً کی صفت ہے ای رَحْمةً کائنةً من عندنا اور ذکریٰ للعابدین میں عابدین کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس قسم کے واقعات سے

عابدین ہی منتفع ہوتے ہیں **قوله** لِيَصْبِرُوْا ای کما صَبَرَ ایوب فاثیبَ **قوله** وَاَدْخَلْنٰهُمْ کا عطف فعل مقدر پر ہے ای فَاَعْطَیْنَاھم ثوابَ الصابرینَ واَدْخَلْنٰھُمْ فی رحمتنا **قوله** وذَا الکفل ان کا نام بشر ابن ایوبؑ ہے اور ذوالکفل ان کا لقب ہے ذوالنون یہ لقب ہے اصل نام یونس بن مَتّٰی بروزن شَتّٰی ہے چونکہ یونس علیہ السلام چند ایام مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے اسی وجہ سے ان کا لقب ذوالنون ہوگیا **قوله مُغَاضِبًا** یہ ذَهَبَ کی ضمیر سے حال اور باب مفاعلہ سے ہے جو اکثر مشارکت کے لئے آتا ہے مگر یہاں مشارکت کے لئے نہیں ہے بلکہ عاقبت اللص کے قبیل سے ہے یعنی وہ قوم سے ناراض ہوکر چلے گئے مفسر علام نے ای غصبان کا اضافہ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشارکت کے لئے ہو یعنی یہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے اور قوم ان سے ناراض تھی اس لئے کہ ابتداء امر میں قوم ایمان نہیں لائی تھی **قوله** نقضی علیه الخ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لن نقدِرَ علیه قَدْرٌ سے مشتق ہے نہ قدرة سے قدرٌ کے معنی فیصلہ کرنے یا تنگی کرنے کے ہیں، لہٰذا لن نقدِرَ علیه کے معنی یا تو لن نقضی علیه کے ہوں گے یعنی جو ہم فیصلہ کرچکے ہیں اس کا نفاذ نہ کریں گے، یا معنی یہ ہوں گے کہ ان پر تنگی نہ کریں گے، اور قدرة سے مشتق مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے یہ کفریہ عقیدہ ہے ایک عام مسلمان بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ نبی، **قوله** أن لا الٰه الاّ انت اس کی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں ① اَنْ مخففہ عن المثقلہ ہو اور اس کا اسم محذوف ہو ای انَّهُ اور اس کے بعد واقع ہونے والا جملہ منفیہ اس کی خبر ہو ② اَنْ تفسیریہ ہو اس لئے کہ اَنْ تفسیریہ قول یا قول کے ہم معنی کے بعد واقع ہوتا ہے اور اس سے پہلے نادیٰ واقع ہے جو کہ قول کے ہم معنی ہے لہٰذا اَنْ کا تفسیریہ ہونا درست ہے **قوله** یرثنی ای ارث نبوةٍ وعلم وحکمة **قوله** وَاَنتَ خَيْرُ الوارثين یہ مقدر پر معطوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے فارزقنی وارثا وانت خیر الوارثین **قوله عُقْمٌ** ای اِنسداد الرحم عن الولادة بالضمة والفتحة عقیم بانجھ جس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو **قوله** انهم کانوا یسارعون فی الخیرات یہ محذوف کی علت ہے ای نالوا ما نالوا لِاَنَّهُم کانوا یسارعون فی الخیرات یعنی ان حضرات کو جو فضائل و مراتب حاصل ہوئے اس کی علت تمام وجوہِ خیرات کی طرف سبقت کرنا تھا اصل خیرات میں ثبات و استقرار کے ساتھ ساتھ، یسارعون کا صلہ الیٰ کے بجائے فی لانے میں اسی کی طرف اشارہ ہے **قوله** رَغَبًا ورَهَبًا يَدْعُوْنَ کے مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوسکتے ہیں اور مصدر موقع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتے ہیں ای یدعون راغبین وراهبین **قوله** اَحْصَنَتْ فرجَها یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جو کہ فعل محذوف اذکر کا معمول ہے جیسا کہ مفسر علام نے وضاحت کردی ہے ای اذکر مریَمَ التی الخ **قوله** آیة بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آیتین کہنا چاہئے تھا مگر چونکہ والدہ اور ولد دونوں مل کر آیت تھے اس لئے آیة کو واحد لایا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک پر قیاس کرکے دوسرے کو حذف کردیا ہو اصل میں وجعلنها آیة وابنها آیة تھا، پہلی آیة

کو ثانی پر قیاس کرتے ہوئے حذف کردیا **قولہ** اُمّتکم اگر رفع کے ساتھ ہو تو اِنَّ کی خبر ہوگی اور اگر نصب کے ساتھ ہو تو بدل یا عطف بیان **قولہ اُمَّةً واحدةً** یہ امتکم سے حال لازمہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ امت کے اندر خود وحدت اور جمعیت کے معنی موجود ہیں اور امة واحدة سے بھی یہی سمجھ میں آرہا ہے گویا کہ اُمَّةً واحدةً امتکم کے لئے معنی کے اعتبار سے لازم ہے **قولہ وهم طوائف اليهود والنصارىٰ** اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں میں بھی تہتر فرقے ہوں گے **قولہ وَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ** تَقَطَّعُوْا قَطَعُوْا کے معنی میں ہے اور اَمْرَهُمْ اس کا مفعول بہ ہے اور اَمْرَهُمْ کے معنی فی امرِهِمْ کے ہیں۔

تفسیر وتشریح

حضرت ایوبؑ کا قصہ

حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں اسرائیلی روایات بڑی طویل ہیں، ان میں سے جن کو محدثین نے تاریخی درجہ میں قابل اعتماد سمجھا ہے وہ نقل کی جاتی ہیں، قرآن مجید سے تو صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کو کوئی شدید مرض لاحق ہوگیا تھا جس پر وہ صبر کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی تو اس مرض سے نجات ملی اور یہ کہ اس بیماری کے زمانہ میں ان کی اولاد واحباب سب غائب ہوگئے خواہ موت کی وجہ سے یا اور کسی دوسری وجہ سے **پھر حق تعالیٰ** نے ان کو صحت وعافیت عطا فرمائی اور جتنی اولاد تھی وہ سب ان کو دیدی بلکہ اتنی ہی اور بھی دیدی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ کے بعض اجزاء تو مستند احادیث میں موجود ہیں، زیادہ تر تاریخی روایات ہیں، خازن نے کہا ہے کہ ایوبؑ روم کے باشندہ تھے اور ان کا نسب عیص بن اسحٰق علیہ السلام سے ملتا ہے ان کی والدہ لوط بن ہاران کی اولاد میں سے تھیں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ تھے حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ابتداء میں ہر قسم کے مال ودولت زمین جائداد مکانات اور سواریوں نیز اولاد وحشم وخدم سے نوازا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا جس کی وجہ سے یہ سب چیزیں ختم ہوگئیں اور جسم میں بھی کوئی شدید قسم کی بیماری لگ گئی جس کی وجہ سے زبان اور قلب کے سوا کوئی حصہ صحیح سالم نہیں بچا اس حالت میں بھی زبان وقلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے تھے اور اس کا شکر ادا کرتے رہتے تھے، اس شدید بیماری کی وجہ سے عزیزوں اور دوستوں اور پڑوسیوں نے ان کو الگ کرکے آبادی سے باہر ڈالدیا ان کے پاس ان کی بیوی جن کا نام رحمت بنت افرائیم بن یوسف بن یعقوب تھا کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا، بعض حضرات نے حضرت ایوبؑ کی بیوی کا نام لیا بنت منشا بن یوسف بتایا ہے، وہی ان کی خبر گیری کرتی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام آبادی سے دور کوڑے کچرے کی جگہ سات سال اور چند ماہ پڑے رہے، بعض مفسرین

نے اٹھارہ سال بیان کئے ہیں کبھی جزع فزع یا حرف شکایت زبان پر نہیں آیا، نیک بیوی نے عرض بھی کیا کہ آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے، اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ تکلیف دور ہو جائے تو فرمایا کہ میں نے ستر سال صحیح تندرست اللہ کی بے شمار نعمت و دولت میں گذارے ہیں کیا اس کے مقابلہ میں سات سال بھی مصیبت کے گذارنے مشکل ہیں، پیغمبرانہ عزم وضبط اور صبر و ثبات کا یہ عالم تھا کہ دعا کرنے کی بھی ہمت نہیں کرتے تھے کہ کہیں صبر کے خلاف نہ ہو جائے، بالآخر کوئی سبب پیش آیا کہ جس نے ان کو دعا کرنے پر مجبور کر دیا اور یہ دعا صرف دعا ہی تھی کوئی بے صبری نہیں تھی حق تعالیٰ نے ان کے کمال صبر پر اپنے کلام میں مہر ثبت فرمادی ہے، فرمایا اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ایوب علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور ان کو حکم ہوا کہ زمین پر ایڑھ لگایئے یہاں سے صاف پانی کا چشمہ پھوٹے گا اس سے غسل کیجئے اور اس کا پانی پیجئے تو یہ تمام مرض ختم ہو جائے گا، حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کے مطابق کیا تو پورا بدن یکایک اپنی سابقہ اصلی حالت پر آگیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا لباس بھیج دیا وہ زیب تن فرمایا، اور اس کوڑے کچرے سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے زوجہ محترمہ حسب عادت ان کی خبر گیری کے لئے آئیں تو ان کو اپنی جگہ نہ پا کر رونے لگیں، ایوب علیہ السلام جو ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کو نہیں پہچانا اس لئے کہ حالت بدل چکی تھی، انہیں سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ بیمار جو یہاں پڑا رہتا تھا کہاں چلا گیا؟ کیا کتوں اور بھیڑیوں نے اسے کھالیا، یہ سب سنکر حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہی ایوب ہوں مگر زوجہ محترمہ نے اب بھی نہیں پہچانا اور کہا اللہ کے بندے کیا آپ مجھ سے تمسخر کرتے ہیں تو ایوب علیہ السلام نے پھر فرمایا غور سے دیکھو میں وہی ایوب ہوں اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور میرا بدن درست فرمادیا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا مال و دولت بھی ان کو واپس دیدیا اور اولاد بھی اور اولاد کی تعداد کے برابر مزید اولاد بھی دیدی۔ (ابن کثیر مع الحذف والاضافہ)

ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت ایوبؑ کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں اس ابتلا کے زمانہ میں یہ سب فوت ہو گئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمادی ان کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور ان کی اہلیہ سے اتنی ہی اور اولاد پیدا ہو گئی جس کو قرآن کریم نے و مثلهٗ معهٗ فرمایا ہے، ثعلبی نے کہا ہے یہ قول ظاہر آیت قرآن کے ساتھ اقرب ہے۔ (قرطبی)

وَاذکر اسمٰعیل وادریس حق سبحانہ وتعالیٰ نے صبر ایوب کا تذکرہ فرمایا اس کے ساتھ ان حضرات کے صبر کا بھی تذکرہ فرمادیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خود کو ذبح کے لئے بخوشی پیش کر دینا ایک عظیم ابتلاء و آزمائش تھی جس میں آپ کامیاب رہے حضرت اسماعیلؑ ایک سو تیس سال بقید حیات رہے جس وقت حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اس وقت اسماعیلؑ کی عمر ۸۳ سال تھی اور حضرت اسماعیلؑ کے برادر خورد اسحٰق آپ سے چودہ سال چھوٹے تھے اور ۱۸۰ سال کی عمر پائی۔ (جمل)

اور حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جد امجد ہیں حضرت آدمؑ کے انتقال سے سو سال قبل پیدا ہوئے تھے، یعنی حضرت آدمؑ کے انتقال کے وقت حضرت ادریس کی عمر سو سال تھی آدم کی وفات کے ۲۰۰ سال بعد مبعوث ہوئے اور بعثت کے بعد ایک سو پچاس سال زندہ رہے اس طرح آپ نے ۳۵۰ سال عمر پائی حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ ہے۔ (جمل)

ذا الکفل یہ لقب ہے اصل نام بشر ہے کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ایوب ﷺ کے صاحبزادے ہیں، چونکہ انہوں نے دن میں روزہ رکھنا اور رات کو قیام کرنا اور کسی پر غصہ نہ کرنے کو اپنے ذمہ لازم کرلیا تھا اسی مناسبت سے ان کا لقب ذوالکفل ہوگیا، کہا گیا ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے بلکہ عبد صالح تھے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ نبی تھے اور قرآن کے اسلوب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ قرآن کریم نے انبیاء کو شمار کراتے ہوئے درمیان میں ان کا ذکر بھی کیا ہے اس کے علاوہ اس سورت کا نام ہی سورۃ الانبیاء ہے، مگر بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی نہیں تھے بلکہ مرد صالح تھے (امام تفسیر) ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یسع کا نبی ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے حضرت یسع جب بوڑھے اور ضعیف ہوگئے تو چاہا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں جو دینی امور میں ان کی نیابت کا کام انجام دے۔

اس مقصد کے لئے حضرت یسع نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا کہ اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں مگر اس کے لئے تین شرطیں ہیں جو شخص ان شرائط کا جامع ہوگا اس کو خلیفہ بناؤں گا، وہ تین شرطیں یہ ہیں وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو رات کو عبادت کے لئے بیدار رہتا ہو اور کبھی غصہ نہ کرتا ہو، مجمع میں سے ایک ایسا غیر معروف شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ حقیر سمجھتے تھے اور کہا کہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں حضرت یسعؑ نے دریافت کیا کہ کیا تم یہ تینوں کام کرتے ہو جواب دیا میں ان تینوں کاموں کا عامل ہوں، غالباً حضرت یسعؑ کو اس کی بات کا یقین نہ آیا پھر دوسرے روز اسی طرح مجمع سے خطاب فرمایا مگر سب حاضرین خاموش رہے اور وہی شخص پھر کھڑا ہوگیا تو مجبوراً حضرت یسعؑ نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کردیا، جب شیطان نے دیکھا کہ ذوالکفل اس میں کامیاب ہوگئے تو اپنے اعوان شیٰطین سے کہا کہ جاؤ کسی طرح اس شخص پر اثر ڈالو کہ یہ کوئی ایسا کام کر بیٹھے کہ جس کی وجہ سے اس کا یہ منصب سلب ہوجائے، اعوان شیطان نے عذر کردیا کہ وہ ہمارے قابو میں آنے والا نہیں ہے، شیطان نے کہا اچھا تم اس کو میرے اوپر چھوڑ دو اس سے میں خود نمٹ لوں گا، ذوالکفل اپنی عادت کے مطابق دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر بندگی خدا میں جاگتے رہتے تھے صرف دوپہر کو تھوڑی دیر آرام کرتے تھے، ایک روز شیطان دوپہر کو ان کے قیلولہ کے وقت آیا اور دروازہ پر دستک دی یہ بیدار ہوگئے اور فرمایا کون ہے؟ شیطان نے کہا میں ایک بوڑھا مظلوم ہوں ذوالکفل نے دروازہ کھول دیا شیطان نے اندر پہنچ کر ایک طویل داستان بیان کرنی شروع کردی اور ایک شخص کے ساتھ اپنے نزاع کا تفصیل سے ذکر کیا، یہاں تک کہ آرام کا وقت ختم ہوگیا، حضرت ذوالکفل نے فرمایا جب میں کچہری میں بیٹھوں تو میرے پاس آنا میں تمہارا حق دلوادوں گا، جب ذوالکفل باہر تشریف لائے تو عدالت میں

اس کا انتظار کرتے رہے مگر اس کو نہیں پایا، جب دوپہر کو قیلولہ کے لئے گھر تشریف لے گئے اور آرام کے لئے ابھی لیٹے ہی تھے کہ یہ شخص آیا اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا، معلوم کیا کون ہے؟ جواب دیا ایک مظلوم بوڑھا شخص ہے انہوں نے پھر دروازہ کھولدیا اور فرمایا کہ کیا میں نے کل تم سے نہیں کہا تھا کہ کچہری میں آنا، بوڑھے نے جواب دیا حضرت میرے مخالف بڑے خبیث لوگ ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ آپ فیصلہ کے لئے اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں اور میں حاضر ہوں تو آپ ان کو میرا حق دینے پر مجبور کردیں گے، تو اس وقت ان لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہم تیرا حق دیتے ہیں پھر جب آپ مجلس سے اٹھ گئے تو انکار کردیا، حضرت ذوالکفل نے پھر اس سے یہی فرمایا کہ اب جاؤ اور جب میں مجلس عدالت میں بیٹھوں تو آنا آج بھی دوپہر کا سارا وقت ختم ہوگیا اور آرام کا موقعہ نہ ملا جب باہر مجلس عدالت میں تشریف لے گئے تو اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے مگر بوڑھا شخص نہ آیا، اس طرح دوپہر کو آرام کئے بغیر دو روز گذر گئے جب تیسرا روز ہوا تو نیند کا بہت زیادہ غلبہ تھا اپنے اہل خانہ سے کہہ دیا کہ آج کسی کو اندر نہ آنے دینا، یہ بوڑھا پھر تیسرے روز اسی طرح آیا اور دروازہ پر دستک دینا چاہا تو لوگوں نے منع کردیا تو ایک روشندان کے ذریعہ اندر داخل ہوگیا اور اندر پہنچ کر دروازہ بجانا شروع کردیا، تیسرے روز بھی ذوالکفل کی نیند خراب ہوگئی اور دیکھا کہ ایک شخص گھر کے اندر ہے اور دروازہ بدستور بند ہے، اس سے معلوم کیا تو کس طرح اندر آگیا اس وقت ذوالکفل نے پہنچان لیا کہ یہ شیطان ہے اور فرمایا کیا تو خدا کا دشمن ابلیس ہے؟ اس نے اقرار کرلیا اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے ہر تدبیر میں ناکام کردیا کبھی میرے جال میں نہیں آیا، اب میں نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح تجھے غصہ دلادوں تاکہ تو اپنے اقرار میں جھوٹا ہوجائے جو یسع نبی کے ساتھ کیا ہے اس لئے میں نے یہ سب حرکتیں کیں، اسی واقعہ کی وجہ سے ان کو ذوالکفل کا خطاب دیا گیا کیونکہ ذوالکفل کے معنی ہیں ایسا شخص جو اپنے عہد اور ذمہ داری کو پورا کرے۔ (ابن کثیر بحوالہ معارف القرآن)

وَاذکر ذالنون ذوالنون اور صاحب الحوت یہ دونوں حضرت یونسؑ کے لقب ہیں اس کے معنی ہیں مچھلی والا، حضرت یونس علیہ السلام کو چونکہ چند روز مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا تھا اس لئے ان کا لقب ذوالنون یا صاحب الحوت پڑ گیا، اصل نام یونس ہے اور والد صاحب کا نام متّٰی بن شتّی ہے بعض حضرات نے متّٰی ان کی والدہ کا نام بتایا ہے، جیسا کہ ابن کثیر نے فرمایا ہے اس صورت میں ان کی نسبت ماں کی طرف ہوگی جیسا کہ حضرت عیسٰیؑ کی نسبت ان کی والدہ مریم کی طرف ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کو موصل کی ایک بستی نینوا کی طرف لوگوں کو ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا، حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کو ایمان اور عمل صالح کی دعوت دی مگر قوم تمرد اور سرکشی پر اتر آئی اور ایمان لانے سے صاف انکار کردیا حضرت یونسؑ اپنی قوم سے ناراض ہوکر اور تین دن کے اندر اندر عذاب آنے کی دھمکی دیکر بستی سے نکل گئے اب قوم کو فکر ہوئی کہ اب عذاب آہی جائے گا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے بعض آثار نمایاں بھی ہوگئے تھے، تو قوم نے

اپنے شرک وکفر سے توبہ کی اور تمام مرد اور عورت جانور اور بچے توبہ واستغفار کے لئے جنگل میں نکل گئے اور حق تعالیٰ کے حضور خوب گریہ وزاری کی اور عذاب سے پناہ بھی طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کی الحاح وزاری کو دیکھ کر ان کی توبہ کو قبول کرلیا اور عذاب بھی ٹال دیا۔

جب حضرت یونس علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ قوم صحیح سلامت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ٹال دیا ہے تو ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ میں تین روز کے اندر اندر عذاب کی دھمکی دے کر آیا ہوں اور عذاب آیا نہیں ہے لہٰذا لوگ مجھے جھوٹا خیال کریں گے جس کی وجہ سے اب میری دعوت ان پر اثر نہ کرے گی بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں جھوٹے کی سزا قتل تھی لہٰذا حضرت یونس علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ قوم مجھے قتل کردے گی اسی اندیشہ کے پیش نظر حضرت یونسؑ نے اپنی قوم میں واپس جانے کے بجائے دوسری جگہ ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا دریا عبور کرنے کے لئے کشتی میں سوار ہوگئے اتفاق سے کشتی گرداب میں پھنس گئی، ملاحوں نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر کہا کہ کشتی میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے مولیٰ سے فرار ہو کر آیا ہے، ملاحوں نے مفرور شخص کو متعین کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی بار بار قرعہ اندازی کرنے کے باوجود قرعہ حضرت یونسؑ کے نام ہی نکلا ملاحوں نے مجبور ہو کر حضرت یونسؑ کو دریا میں ڈالدیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ یونس کو فوراً اپنے پیٹ میں رکھ لے اور فرمایا کہ وہ اس کی غذا نہیں ہے، بلکہ چند روز کے لئے قید خانہ ہے حضرت یونسؑ باختلاف روایات تین دن، سات دن، بیس دن، چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے، اسکے بعد مچھلی کو حکم ہوا کہ دریا کے کنارے پر ڈالدے، چنانچہ مچھلی نے کنارے پر ڈالدیا ادھر اللہ تعالیٰ نے ان کی غذا کا یہ انتظام کیا کہ ایک پہاڑی بکری کو حکم دیا کہ دونوں وقت ان کو دودھ پلایا کرے چنانچہ بکری حکم کے مطابق دونوں وقت دودھ پلاتی رہی یہاں تک کہ آپ تندرست ہوگئے۔ (ملخصاً من الجلال فی سورۃ الصافات بحوالہ جمل)

وکذٰلک ننجی المومنین یعنی جس طرح یونسؑ کو غم اور مصیبت سے نجات دی، اسی طرح ہم سب مومنین کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں جبکہ وہ صدق واخلاص کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوں، ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذوالنون کی وہ دعا جو انہوں نے بطن ماہی میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جو مسلمان اپنے کسی مقصد کے لئے ان کلمات کے ساتھ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں گے۔ (رواہ احمد والترمذی والحاکم، مظہری)

وَ اذکر زکریا حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لئے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری تفصیل سورۂ مریم میں گذر چکی ہے، یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھیں، ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ کرکے اسے ایک نیک بچہ عطا فرمایا، اور اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا

ہے مثلاً الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاومناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، امید وبیم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خشوع کا اظہار۔

یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔

اُمَّةً سے یہاں دین یا ملت مراد ہے یعنی تمہارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین دین توحید ہے جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی ہے اور ملت ملت اسلام ہے جو تمام انبیاء کی ملت رہی ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ اى جُحُوْدَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ ○ بِاَنْ نَّامُرَ الحَفَظَةَ بِكَتْبِهٖ فَنُجَازِيْهِ عليه وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اُرِيْدَ اَهْلُهَا اَنَّهُمْ لَا زَائِدَةٌ يَرْجِعُوْنَ ○ اى مُمْتَنِعٌ رُجُوْعُهم الى الدُّنيا حَتّٰى غَايَةٌ لِامْتِنَاعِ رُجُوْعِهم اِذَا فُتِحَتْ بالتَّخْفِيْفِ و التَّشْدِيْدِ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ بالهَمْزَةِ وتَرْكِهٖ اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ ويُقَدَّرُ قَبْلَهٗ مُضَافٌ اى سَدُّهما و ذٰلك قُرْبَ القِيٰمَةِ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ مُرْتَفِعٍ مِنَ الاَرْضِ يَّنْسِلُوْنَ ○ يُسْرِعُوْنَ وَاقْتَرَبَ الوَعْدُ الحَقُّ اى يَوْمُ القِيٰمَةِ فَاِذَا هِيَ اى القِصَّةُ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۖ فى ذٰلك اليَوْمِ لِشِدَّتِهٖ يَقُوْلُوْنَ يَا لِلتَّنْبِيْهِ وَيْلَنَا هَلَاكُنَا قَدْ كُنَّا فى الدُّنيا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا اليَوْمِ بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ اَنْفُسَنَا بتَكْذِيْبِنَا الرُّسُلَ اِنَّكُمْ يا اَهْلَ مَكَّةَ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرِه مِن الاوثان حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ وَقُوْدُهَا اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ○ دَاخِلُوْنَ فيها لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ الاَوْثَانُ اٰلِهَةً كما زَعَمْتُمْ مَّا وَرَدُوْهَا ۖ دَخَلُوْهَا وَكُلٌّ مِنَ العَابِدِيْنَ والمَعْبُوْدِيْنَ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ لَهُمْ لِلْعَابِدِيْنَ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ○ شَيْئًا لِشِدَّةِ غَلْيَانِهَا ونَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ الزِّبَعْرٰى عُبِدَ عُزَيْرٌ والمَسِيْحُ والمَلَائِكَةُ فهم فى النَّارِ عَلٰى مُقْتَضٰى مَا تَقَدَّمَ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا المَنْزِلَةُ الحُسْنٰى ۙ ومِنْهُمْ مَنْ ذُكِرَ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ○ ۙ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ صَوْتَهَا وَهُمْ فِيْمَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ من النَّعِيْمِ خٰلِدُوْنَ ○ لَا يَحْزُنُهُمُ الفَزَعُ الاَكْبَرُ وَهُوَ اَنْ يُّؤْمَرَ بالعَبْدِ اِلَى النَّارِ وَتَتَلَقّٰهُمْ تَسْتَقْبِلُهم المَلٰٓئِكَةُ ۖ عِنْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ القُبُوْرِ يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ فى الدُّنيا يَوْمَ مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ اِسْمُ مَلَكٍ لِلْكُتُبِ ۖ صَحِيْفَةِ ابْنِ اٰدَمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ او السِّجِلِّ الصَّحِيْفَةِ والكِتَابُ بمعنى المكتوبِ به واللَّامُ بمعنى على وفى قِرَاءَةٍ لِلْكُتُبِ جَمْعًا كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ عَنْ عَدَمٍ نُّعِيْدُهٗ ۖ بَعْدَ اِعْدَامِهٖ فَالكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِنُعِيْدُ وضَمِيْرُه عَائِدٌ الى اَوَّلَ وما مَصْدَرِيَّةٌ وَعْدًا عَلَيْنَا ۖ منصوبٌ بِوَعَدْنَا مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ وهو مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ مَا قَبْلَهٗ اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ ○ ما وَعَدْنَا وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ بمعنى الكِتَابِ اى كُتُبِ اللّٰهِ المُنْزَلَةِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ

بمعنى اُمّ الكِتٰبِ الذى عِندَ اللّٰهِ اَنّ الْاَرْضَ اَرْضَ الجَنَّةِ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ○ عامٌّ فی کُلِّ صَالِحٍ اِنَّ فِیْ هٰذَا القُرْاٰنِ لَبَلاغًا كِفايَةً فِی دُخُولِ الجَنَّةِ لِقَوْمٍ عَابِدِيْنَ ؕ عامِلِيْن به وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ يا مُحَمَّدُ اِلَّا رَحْمَةً ای لِلرَّحْمَةِ لِلعالَمِيْنَ○ الاِنسِ والجِنِّ بك قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ای مَا يُوْحٰى اِلَیَّ فِی اَمْرِ الاِلٰهِ الا وَحْدَانِيَّتُهُ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ مُنْقَادُوْن لما يوحٰى اِلَیَّ مِن وَحْدَانِيَّتِه الاِسْتفهام بمعنى الامرِ فَاِنْ تَوَلَّوْا عَنْ ذٰلك فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ اَعْلَمْتُكم بالحَرْبِ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ حالٌ مِنَ الفَاعِلِ والمَفْعُولِ ای مُسْتَوِيْنَ فِی عِلْمِه لَا اَسْتَبِدُّ به دُوْنَكُمْ لِتَتَاهَبُوْا وَاِنْ ما اَدْرِیْ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ○ مِنَ العَذَابِ اوِ القِيٰمةِ المُشْتَمِلةِ عليه وَاِنَّمَا يَعْلَمُهُ اللّٰهُ اِنَّهٗ تعالٰى يَعْلَمُ الجَهْرَ مِنَ القَوْلِ والفِعْلِ مِنكُمْ ومن غيرِكم وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ○ اَنْتُمْ وَغَيْرُكم من السِّرِّ وَاِنْ ما اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ ای ما اَعْلَمْتُكُمْ به ولم يُعْلَمْ وَقْتُهٗ فِتْنَةٌ اِخْتبارٌ لَّكُمْ لِيَرٰى كَيْفَ صُنْعُكُم وَمَتَاعٌ تَمْتِيْعٌ اِلٰی حِيْنٍ○ ای اِنْقِضَاءِ اٰجالِكم وهٰذا مُقَابِلٌ لِلاَوَّلِ المُتَرَجّٰى بلعلّ وليس الثّانی مَحَلًّا للتَرَجِّی قُلْ وفِی قِرَاءَةٍ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بَيْنِیْ وبَيْنَ مُكَذِّبِیّ بِالحَقِّ ؕ بالعَذَابِ لهم او النصرِ عليهم فعُذِّبُوْا بِبَدْرٍ وَاُحُدٍ والاَحْزَابِ وحُنَيْنٍ والخَنْدَقِ ونُصِرَ عليهم وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ المُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ○ؑ من كِذْبِكُمْ علٰی اللّٰهِ فِی قَوْلِكُمْ اتَّخَذَ وَلَدًا وَعَلَیَّ فِی قَوْلِكُمْ سَاحِرٌ وعلٰی القُرْاٰنِ فِی قَوْلِكُمْ شِعْرٌ.

ترجمہ

تو جو شخص نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی یعنی انکار نہیں کیا جائے گا اور ہم اس کی سعی کو لکھ لیتے ہیں یعنی ہم فرشتوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے ہیں سو ہم اس کو اس کی سعی کا بدلہ دیں گے اور حرام ہے اس بستی پر یعنی بستی والوں پر جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے یہ کہ وہ لوٹ کر آئیں یعنی ان کا دنیا کی طرف لوٹ کر آنا ممتنع ہے اور لا یرجعون میں لا زائدہ ہے، یہاں تک کہ یہ امتناع رجوع کی غایت ہے کھول دیئے جائیں یاجوج اور ماجوج فُتِحَتْ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، یأجوج مأجوج ہمزہ کے ساتھ اور ترک ہمزہ کے ساتھ دو قبیلوں کے دو عجمی نام ہیں اور ان سے قبل مضاف محذوف ہے ای سَدُّهُمَا اور یہ قرب قیامت میں ہوگا اور وہ ہر بلندی یعنی ٹیلے سے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئیں گے اور سچا وعدہ یعنی قیامت کا دن قریب آ لگا ہوگا شان یہ ہے کہ اس وقت کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور سخت دن میں کہیں گے ہائے افسوس (ہماری ہلاکت) ہم تو دنیا میں اس دن سے غفلت میں تھے بلکہ رسولوں کی تکذیب کر کے ہم ظالم تھے اے اہل مکہ تم اور خدا کے علاوہ بت وغیرہ جن کی تم بندگی کرتے ہو جہنم کا ایندھن بنو گے اور تم سب اس (جہنم) میں وارد داخل ہو گے اگر یہ بت (حقیقی) معبود ہوتے

جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو اس میں داخل نہ ہوتے اور عابدین و معبودین سب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان عابدین کے لئے جہنم میں چیخ پکار ہوگی اور وہ جہنم میں اس کے شدت جوش کی وجہ سے کچھ نہ سن سکیں گے، اور نازل ہوئی (آئندہ) آیت جب کہ زبعریٰ نے کہا تھا کہ عزیر اور مسیح اور ملائکہ علیہم السلام کی (بھی) بندگی کی گئی ہے بہذا ماسبق کے بیان کے مطابق وہ بھی جہنم میں ہوں گے البتہ وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے درجات عالیہ مقدر ہو چکے ہیں اور انہیں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن کا ذکر کیا گیا وہ لوگ جہنم سے دور رکھے جائیں گے وہ تو جہنم کی آہٹ (آواز) تک نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ اپنی من پسند نعمتوں میں ہوں گے اور ان کو بڑی گھبراہٹ بھی غم زدہ نہ کر سکے گی اور وہ اس وقت ہوگی جب بندہ کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا، اور فرشتے ان سے ملاقات کریں گے یعنی قبروں سے نکلتے وقت ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہیں گے یہی ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا یوم سے پہلے اذکر مقدر کی وجہ سے یومَ منصوب ہے، اور وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح سجل نامی فرشتہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال نامہ کو لپیٹ دیتا ہے للکتاب میں لام زائدہ ہے یا سجل سے مراد صحیفہ ہے اور کتاب مکتوب بہ کے معنی میں ہے اور لام بمعنی علیٰ ہے یعنی جس طرح کاغذ کو مکتوب جانب سے لپیٹ دیا جاتا ہے اور ایک قرأت الکُتُب ہے جمع کے ساتھ، جیسے ہم اول دفعہ عدم سے وجود میں لائے اس کو معدوم کرنے کے بعد اس کا اعادہ کریں گے کاف نعید سے متعلق ہے اور اس کی ضمیر اول کی طرف راجع ہے اور ما مصدریہ ہے (یہ) ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم اپنے وعدہ کو ضرور (پورا) کریں گے وَعْدًا اپنے ماقبل وعدنا محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ اپنے ماقبل کے مضمون کی تاکید کرنے والا ہے، اور ہم زبور یعنی (مطلق) آسمانی کتابوں میں ذکر یعنی لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد جو کہ اللہ کے پاس ہے لکھ چکے ہیں کہ اس سرزمین جنت کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے اور یہ خوشخبری ہر نیک بندے کے بارے میں ہے بلاشبہ اس قرآن میں جنت میں داخل ہونے کے لئے کافی نصیحت ہے عابدین یعنی اس پر عمل کرنے والوں کے لئے اور اے محمد! ہم نے آپ کو تمام جہان والوں یعنی جن اور انس کے لئے رحمت بنا کر یعنی رحمت کے لئے بھیجا ہے آپ کہہ دیجئے میرے پاس تو یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے یعنی الوہیۃ کے معاملہ میں میرے پاس تو وحدانیت الٰہ کی وحی بھیجی جاتی ہے سو کیا تم سر تسلیم خم کرنے والے یعنی اس کی وحدانیت کی وحی جو میری طرف کی جاتی ہے کیا تم اس کے تابع فرمان ہو؟ استفہام بمعنی امر ہے پھر بھی اگر یہ لوگ اس سے سرتابی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تم کو واضح طور پر عذاب سے خبردار کر چکا ہوں علٰی سواءٍ فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے یعنی اس کے علم کے بارے میں دونوں برابر ہیں نہ یہ کہ تنہا میں ہی واقف ہوں تم نہیں تاکہ تم تیاری کرو اور میں یہ نہیں جانتا کہ جس عذاب یا قیامت کا جو عذاب پر مشتمل ہوگی تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہی آ لگی ہے یا ابھی دور ہے اس بات کو تو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو تمہارے اور دوسروں کے ظاہر اور

قول وفعل سے واقف ہے اوران رازوں سے بھی واقف ہے جن کوتم اور دیگر لوگ چھپاتے ہو اور مجھے اس بات کا بھی علم نہیں یعنی جس بات کی میں نے تم کو خبر دی اور اس کا وقت نہیں بتایا گیا ممکن ہے کہ تمہارے لئے آزمائش ہو تا کہ وہ دیکھے کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں اور ایک محدود یعنی موت تک فائدہ پہنچانا ہو اور یہ (یعنی متاع الی حین) اول یعنی جس کی لعلّ سے ترجی کی گئی ہے (اور وہ لعله فتنة ہے) کے بالمقابل ہے اور ثانی ترجی کا محل نہیں ہے، قُلْ اور ایک قرأۃ میں قالَ ہے کہئے اے میرے پروردگار میرے اور میری تکذیب کرنے والوں کے درمیان حق یعنی ان کے عذاب کا یا ان پر غلبہ کا فیصلہ کردے چنانچہ بدر اور احد اور احزاب اور حنین وخندق میں عذاب میں مبتلا کئے گئے اور ان پر غلبہ عطا کیا گیا اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جن کو تم بنایا کرتے ہو اور وہ اللہ پر تمہارا بہتان ہے تمہارے قول اتخذ ولدًا میں، اور مجھ پر (بہتان) ہے تمہارے قول سَاحِرٌ میں، اور قرآن پر بہتان ہے تمہارے قول شِعْرٌ میں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله فمن یعمل من الصّٰلحٰت مِن زائدہ یا تبعیضیہ ہوسکتا ہے کُفْرَانَ مصدر ہے بمعنی کُفْرٌ **قوله** لَہٗ ای للسعی ہٗ کا مرجع سعی ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ لَہٗ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے **قوله** حرام خبر مقدم ہے اور انهم لایرجعون مبتداء مؤخر ہے، مطلب یہ ہے کہ جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے ان کے لئے دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آنا ممتنع ہے اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان کا ایمان کی طرف رجوع کرنا ممتنع ہے اس لئے کہ ان کے لئے شقاوت کا فیصلہ ہو چکا ہے لا زائدہ ہے اور اگر حرام بمعنی واجبٌ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کا دنیا میں نہ لوٹنا واجب ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں ہماری طرف جزاء کے لئے عدم رجوع ممتنع ہے **قوله** حَتّٰی یہ عدم رجوع یعنی لا یرجعون کی غایت یعنی قیامت تک ان کا رجوع ممتنع رہے گا اور حَتّٰی ابتدائیہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا فاذا هِیَ، اِذا فُتِحَتْ کی جزاء ہے، فتحت میں اسناد مجازی ہے اس لئے کہ حقیقتاً مفتوح سدِ یاجوج ماجوج ہے نہ کہ یاجوج ماجوج **قوله** یاجوج وماجوج یہ الگ الگ دو گروہ ہیں یہ دونوں عجمی لفظ ہیں بقول ضحاک ترکوں کی نسل سے ہیں تمام اہل تاریخ نے ان کو یافث بن نوح کی نسل سے مانا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تاتاری ترک ہیں تورات کتاب پیدائش باب ۱۰:۲ میں یافث کے ایک بیٹے کا نام ماغوغ آیا ہے عبری زبان میں غین کا تلفظ گاف سے کرتے ہیں اس لئے ماغوغ کا ماگوگ ہوگیا اور عربی میں گاف کو جیم سے بدل لیتے ہیں لہٰذا ماگوگ کا ماجوج ہوگیا۔ (لغات القرآن)

یاجوج وماجوج کے کھولنے سے مراد سد سکندری کا کھولنا ہے **قوله** حَدَبٌ بمعنی ٹیلہ جمع احداب **قوله**

واقترب الوعد اس کا عطف فتحت پر ہے یا وَیْلَنَا سے پہلے یقولون محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے حصب ما یُحْصَبُ به ای یرمٰی به ایندھن، **قوله** وانتم لها واردون جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور حصب جہنم سے بدل بھی، **قوله** فی الزبور فی الزبور میں الف لام جنس کا ہے ای کتب اللہ لکھ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زبور سے مراد مطلقاً آسمانی کتاب ہے نہ کہ وہ کتاب جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی زبور کی جمع زُبُر، للکتب یہ یا السجل سے حال ہے ای السجل کائناً للکتب یا صفت ہے ای السجل الکائن للکتب **قوله** کما بدانا تقدیر کلام یہ ہے کہ کما بدانا کل شیٔ فی اول خلقه کذلك نعید کل شیٔ، کلَّ شیٔ بدانا کا مفعول مقدر ہے اور اوّل خلقٍ ظرف ہے اور نعید کی ضمیر کل شیٔ کی طرف راجع ہے **قوله** للرحمة اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ رحمةً مفعول لہ ہے اور رحمةً مبالغةً حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے **قوله** والخندق خندق سہواً لکھا گیا ہے اس لئے کہ احزاب اور خندق ایک ہی ہے۔

تفسیر و تشریح

ان لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کرلیا مگر اس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی لہٰذا سزا بھگتنے کے لئے ہمارے پاس ضرور آئیں گے آنے کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا، لہٰذا جو شخص نیک عمل کرتا ہوگا اور ایمان والا بھی ہوگا تو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ بھی لیتے ہیں۔

اور ہم نے جو کُلٌّ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ کہا ہے اس میں منکرین کو اس لئے شبہ ہے کہ اب تک کسی کو زندہ کرکے حساب کتاب نہیں لیا گیا تو یہ شبہ بالکل واہی ہے کیونکہ رجوع موعود کے لئے ہم نے ایک خاص وقت معین کر رکھا ہے لہٰذا جب تک وہ وقت نہیں آتا اس وقت تک تو یہ بات ہے کہ جن بستیوں کو ہم فنا کرچکے ہیں ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ دنیا میں حساب کتاب کے لئے لوٹ کر آجائیں مگر یہ عدم رجوع ابدی نہیں ہے جیسا کہ منکرین سمجھتے ہیں بلکہ صرف اس وقت موعود کے نہ آنے تک ہے یہاں تک کہ جب وہ وقت موعود آپہنچے گا جس کی ابتدائی علامت یہ ہوگی یاجوج ماجوج جو اب سد سکندری میں بند ہیں کھول دیئے جائیں گے اور وہ غایت کثرت کی وجہ سے ہر بلندی سے اترتے ہوئے معلوم ہوں گے یعنی جدھر دیکھو وہی نظر آئیں گے اور وہ رجوع اور بعث کا سچا وعدہ قریب ہی آپہنچا ہوگا تو بس اس کے واقع ہوتے ہی یہ قصہ ہوگا کہ منکرین کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور وہ یوں کہتے نظر آئیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی ہم اس حالت سے غفلت میں تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رسول کی تکذیب کرکے ہم ہی قصوروار تھے۔

اِنکم وماتعبدون من دون اللہ الآیۃ یعنی تم اور تمہارے معبود بجز اللہ کے جن کی دنیا میں ناجائز عبادت ہوئی ہوگی سب کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے، اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ناجائز عبادت تو حضرت مسیح اور عزیر اور فرشتوں کی

بھی کی گئی ہے تو سب کے سب جہنم میں جانے کا کیا مطلب ہوگا؟

اس کا جواب حضرت ابن عباسؓ نے دیا ہے، ایک روز حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن کی ایک آیت ایسی ہے جس میں لوگ شبہات کرتے ہیں مگر عجیب اتفاق ہے کہ اس کے متعلق لوگ مجھ سے سوال نہیں کرتے معلوم نہیں کہ شبہات کا جواب ان لوگوں کو معلوم ہوگیا ہے اس لئے سوال نہیں کرتے یا انہیں شبہ اور جواب کی طرف التفات ہی نہیں ہوا لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ آیت انکم وماتعبدون الآیۃ ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش کو سخت ناگواری ہوئی تو کہنے لگے اس میں تو ہمارے معبودوں کی سخت توہین کی گئی ہے، یہ لوگ (اہل کتاب کے ایک عالم) ابن الزبعریٰ کے پاس گئے اور اس سے شکایت کی اس نے کہا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کو اس کا جواب دیتا ان لوگوں نے دریافت کیا آپ کیا جواب دیتے؟ اس نے کہا میں ان سے کہتا کہ نصاریٰ حضرت مسیح کی اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے کیا نعوذ باللہ وہ جہنم میں جائیں گے، کفار قریش یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ واقعی یہ بات تو ایسی ہے کہ محمدؐ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو آگے آتی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنا الحسنی اُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے اور اسی ابن زبعریٰ کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ہے وَلَمَّا ضُرِبَ ابن مریم مثلاً اِذَا قومكَ منهُ یصدُّوْنَ یعنی جب ابن زبعریٰ نے حضرت ابن مریم کی مثال پیش کی تو آپ کی قوم کے لوگ قریش خوشی سے شور مچانے لگے۔

ولایحزنھم الفزع الاکبر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فزع اکبر سے مراد صور کا نفخۂ ثانیہ ہے، جس سے سب مردے زندہ ہو کر حساب کے لئے کھڑے ہوں گے بعض حضرات نے نفخۂ اولیٰ کو فزع اکبر کہا ہے، ابن عربی کا قول یہ ہے کہ نفخات تین ہوں گے پہلا نفخہ فزع ہوگا جس سے ساری دنیا کے لوگ گھبرا اٹھیں گے اسی کو یہاں فزع اکبر کہا گیا ہے، دوسرا نفخہ صعق ہوگا جس سے سب مرجائیں گے اور فنا ہو جائیں گے، تیسرا نفخہ بعث ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے اس کی شہادت میں مسند ابو یعلیٰ اور بیہقی، عبد بن حمید، ابو الشیخ، ابن جریر طبری وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ (مظہری، معارف القرآن)

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اوراق یا رجسٹر لپیٹ کر رکھ دیتا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا (والسمٰوٰت مطویات بیمینہ) (الزمر) آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، سجل کے معنی صحیفہ یا رجسٹر کے ہیں، لِلکتب میں لام بمعنی علیٰ اور کتاب بمعنی مکتوب، مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لئے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ لینا جس طرح آسان ہے اسی طرح اللہ کے لئے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل نہیں۔

زبور سے مراد یا تو زبور ہی ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ذکر سے مراد پند و نصیحت، یہ پھر زبور سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں مراد ہیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی پہلے تو لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اس کے بعد آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے، زمین سے بعض مفسرین کے نزدیک ارض جنت مراد ہے، اور بعض کے نزدیک ارض کفار مراد ہے، یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے وہ دنیا میں با اقتدار اور سرخرو رہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے اس وعدہ الٰہی کے مطابق زمین کا اقتدار انہی کے پاس ہوگا اس لئے مسلمانوں کی محرومی اقتدار کی موجودہ صورت کسی اشکال کا باعث نہ ہونی چاہئے، یہ وعدہ صالحیت عباد کے ساتھ مشروط ہے۔ (اذا فات الشرط فات المشروط) کے مطابق مسلمان جب اس صفت سے محروم ہوں گے تو اقتدار سے بھی محروم ہوں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة الحج

سورةُ الحَجّ مكِّيَّةٌ اِلَّا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُد اللّٰهَ الآيتين او الا هٰذان خصمان السّتّ آيات فمدنيات وهى اربع اوخمس او ست او سبع او ثمان وسبعون آية

سورۂ حج مکی ہے مگر ومن الناس من یعبد اللّٰه دو آیتیں یا هٰذان خصمان چھ آیتیں یہ مدنی ہیں اور کل آیات ۷۴ یا ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ یا ۷۸ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اى اهلَ مكةَ وغيرَهم اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اى عِقابَه بِاَنْ تُطيعوه اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ اى الحَرَكَةَ الشديدةَ لِلْاَرْضِ التى يكونُ بعدَها طلوعُ الشمسِ مِنْ مَغربِها الذى هُو قربُ الساعةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ○ فى اِزعاجِ الناسِ هو نَوْعٌ من العقابِ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ بِسَبَبِهَا كُلُّ مُرْضِعَةٍ بالفعلِ عَمَّا اَرْضَعَتْ اى تَنْسَاهُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ اى حُبْلٰى حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى مِنْ شِدَّةِ الخوفِ وَمَاهُمْ بِسُكَارٰى من الشَّرابِ وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ○ فَهُمْ يخافونه ونزل فى النَضرِ بن الحارث وجماعةٍ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ قالوا الملائكةُ بناتُ اللّٰهِ وَالقرانُ اساطيرُ الاولين وانكرُوا البعثَ واِحْياءَ مَنْ صَارَ تُرَابًا وَّيَتَّبِعُ فى جِدالِه كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ○ اى مُتَمَرِّدٍ كُتِبَ عَلَيْهِ قُضِيَ على الشيطان اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ اى اِتَّبَعَهٗ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ يَدْعوه اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ○ اى النَّار يٰاَيُّهَا النَّاسُ اى اهلَ مكةَ اِنْ كُنْتُمْ فِى رَيْبٍ شَكٍّ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ اى اَصْلَكُمْ آدمَ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ خلقنا ذُرِّيَّتَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ وهى الدَّمُ الجامِدُ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ وهى لُحْمَةٌ قدرُما يُمضَغُ مُّخَلَّقَةٍ مُصَوَّرةٍ تامةِ الخلق وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اى غيرِ تامّةِ الخلق لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ كمالَ قُدرتِنا لِتَستدِلُّوا بها فى اِبتداء الخلق عَلٰى اِعادتِه وَنُقِرُّ مُستانِفٌ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وقتِ خُروجه ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ من بطون امهٰتِكم طِفْلًا بمعنى اطفالاً ثُمَّ نُعَمِّرُكُمْ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ اى الكمالَ والقُوَّةَ وهو مابينَ الثلاثين الى الاربعين سَنَةً وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى يموتُ قبلَ بلوغ الاَشُدِّ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ اَخسِّه من الهَرَمِ والخَرَفِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ قال عكرمةُ مَن قرأ القرآن

لَمْ يَصِرْ بهٰذه الحالةِ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً يَابِسَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ تَحرَّكَتْ وَرَبَتْ ارتفَعَتْ وَزَادَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ زائدة كُلِّ زَوْجٍ صِنْفٍ بَهِيْجٍ○ حَسَنٍ ذٰلِكَ المذكورُ من بَدْءِ خَلْقِ الانسان الٰى آخِرِ اِحياءِ الارضِ بِاَنَّ بِسَبَبِ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثابتُ الدائمُ وَاَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيءٍ قَدِيْرٌ○ وَّاَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّارَيْبَ شَكَّ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ○ ونزلَ فى ابى جهلٍ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَاهُدًى مَعَهُ وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ○ لهٗ نورٌ مَعَهُ ثَانِىَ عِطْفِهٖ حَال اى لَاوِىَ عُنُقِهٖ تكبُّرًا عن الإيْمَان والعِطْف الجانبُ عن يمين او شمال لِيُضِلَّ بفتح الياء وضمها عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِهٖ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ عذابٌ فقُتِلَ يومَ بدرٍ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ○ اى الإحراقِ بالنَّارِ ويقال له ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ اى قَدَّمْتَهٗ عُبِّرَ عنه بهما دون غيرِهما لان اكثر الافعال تُزاوَلُ بهما وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ اى بِذِىْ ظُلْمٍ لِّلْعَبِيْدِ○ع فيُعَذِّبُهُمْ بغير ذَنْبٍ.

ع

ترجمہ

سب سے زیادہ مہربان بہت رحم والے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے مکہ وغیرہ کے لوگو اپنے رب یعنی اس کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو، بے شک قیامت کا زلزلہ یعنی زمین کی شدید حرکت جو کہ مغرب کی جانب سے طلوع شمس کے بعد ہوگی، اور وہ قرب قیامت ہوگا، لوگوں کو بے قرار کرنے (خوف زدہ کرنے) میں بڑی بھاری چیز ہوگی، وہ عذاب کی ایک قسم ہوگی، جس روز تم اس کو دیکھو گے اس (زلزلہ) کی وجہ سے بالفعل ہر دودھ پلانے والی عورت دودھ پیتے بچہ کو فراموش کر دے گی، یعنی بھول جائے گی، اور ہر حمل والی یعنی حاملہ اپنے حمل کو ساقط کر دے گی اور (اے مخاطب) تو لوگوں کو شدت خوف کی وجہ سے نشہ کی سی حالت میں دیکھے گا حالانکہ وہ شراب کی وجہ سے نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا جس کی وجہ سے لوگ خوف زدہ ہوں گے، اور نضر بن حارث اور ایک جماعت کے بارے میں آئندہ آیت نازل ہوئی، اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں بے علمی کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں (اور) کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور قرآن پچھلے لوگوں کے گھڑے ہوئے قصے ہیں، اور وہ بعث کے منکر ہیں، اور مٹی ہونے کے بعد زندہ ہونے کے منکر ہیں، اور اس جھگڑے میں ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور شیطان کی بابت یہ بات لکھی جا چکی ہے یعنی اس کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا یعنی اس کی اتباع کرے گا تو وہ اس کو گمراہ کر دے گا، اور اس کو عذاب نار کی طرف لے جائے گا، اے مکہ کے لوگو اگر تم دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں شک میں ہو (تو ذرا غور کرو) ہم نے تم کو یعنی تمہاری اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر

آدم کی ذریت نطفہ منی اور پھر علقہ سے اور وہ خون بستہ ہے اور پھر لوتھڑے سے اور وہ چبائے جانے کی مقدار گوشت کا ٹکڑا ہے (بوٹی) کہ خلقت کے اعتبار سے پوری بھی ہوتی ہے اور ادھوری بھی ہوتی ہے تاکہ ہم تم پر اپنی کمال قدرت کو ظاہر کردیں تاکہ تم ابتداء تخلیق پر قدرت سے اعادہ تخلیق پر استدلال کرو ونقر جملہ مستانفہ ہے، اور ہم رحم مادر میں جس کو چاہتے ہیں ایک معین مدت یعنی پیدائش کے وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں اور طفلا اطفالاً کے معنی میں ہے پھر تم کو عمر دیتے ہیں تاکہ تم بھرپور جوانی کو یعنی کمال اور قوت کو پہنچ جاؤ اور وہ تیس سے چالیس سال کے درمیان ہے اور بعض تم میں کے وہ بھی ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے ہی فوت ہوجاتے ہیں اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو نکمی عمر کو پہنچادئے جاتے ہیں یعنی بڑھاپے کی وجہ سے عمر کے گھٹیا مرحلہ اور فساد عقل کی منزل کو پہنچ جاتے ہیں (جس کا اثر یہ ہوتا ہے) کہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد بے خبر ہوجاتے ہیں (حضرت) عکرمہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن خوانی کا شغف رکھتا ہے وہ اس حالت کو نہیں پہنچتا، اور اے مخاطب تو دیکھتا ہے زمین کو کہ خشک ہے اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ہلتی ہے یعنی حرکت کرتی ہے اور ابھرتی ہے مرتفع اور زیادہ ہوتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے یہ جو مذکور ہوا ابتداء آفرینش انسان سے احیاء ارض تک اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ثابت اور دائم ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر شئ پر قادر ہے اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کے بارے میں بدون واقفیت اور بدون دلیل کے کہ جو اس کے پاس ہو اور بغیر کسی روشن کتاب کے جو اس کے لئے ہو اور اس کتاب کے ساتھ نور (وحی) ہو پہلوتہی کرتے ہوئے (یہ یجادل کی ضمیر سے) حال ہے، یعنی ایمان سے متکبرانہ طور پر گردن موڑتے ہوئے اور عطف دائیں یا بائیں جانب کو کہتے ہیں، لِیُضِلَّ یا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ تاکہ اللہ کے راستہ یعنی اس کے دین سے بہکا دے ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی عذاب ہے چناں چہ یوم بدر میں قتل کیا گیا اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جلنے یعنی آگ میں جلانے کا عذاب چکھائیں گے، اور یہ تیرے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے یعنی ان اعمال کا جو تونے کئے شخص (ذات) کو یدٌ سے تعبیر کیا ہے نہ کہ دیگر اعضاء سے اس لئے کہ اکثر اعمال کا صدور ہاتھوں ہی سے ہوتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ ان کو بغیر کسی جرم کے سزا دے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قوله زلزلة الساعة قیامت کے دن کا زلزلہ اس میں اضافت الی الظرف کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ یاسَارِقَ اللیل میں، اور یہ اتساعاً ہے۔

قوله التی یکون بعدھا طلوع الشمس مفسر علام کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ زلزلہ دنیا ہی میں ہوگا اور مغرب کی جانب سے سورج کا طلوع ہونے سے بعد ہوگا، اور اسی قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول "تذھل کل مرضعة عما ارضعت" سے بھی ہوتی ہے، **قوله** بالفعل کا مطلب ہے دودھ پلانے کی حالت جب کہ ماں بچہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتی ہے ایسی حالت میں اس شدید زلزلہ کو دیکھ کر اپنے بچہ سے غافل ہوجائے گی، عَمَّا ارضعت میں ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے ای عن ارضاعھا اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے ای عن الذی اُرضَعَتْہٗ، **قوله** یومَ ترَونَھَا یومَ کے نصب میں چند وجوہ ہیں (۱) تذھل کی وجہ سے منصوب ہے (۲) اذکر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے (۳) الساعة سے بدل ہے (۴) عظیم کی وجہ سے منصوب ہے، **قوله** تذھَلُ ترونھا کی ضمیر سے حال ہے اور رویت بصری مراد ہے، **قوله** ولکنّ عذاب اللّٰہ شدید یہ محذوف سے استدراک ہے فھذہ الاحوال المذکورہ لیست بشدیدة ولکن عذاب اللّٰہ شدید، لکن کا مابعد ماقبل کے مخالف ہوا کرتا ہے، **قوله** وجماعة جماعت سے مراد ابوجہل اور اُبَیّ بن خلف وغیرہ ہیں، **قوله** کمالَ قدرتنا اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ لِنُبَیِّنَ لَکُمْ کا مفعول محذوف ہے، **قوله** طِفلاً یہ نخرجکم کی کم ضمیر سے حال ہے اور طفلا چوں کہ مصدر ہے جس کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے، **قوله** ارذل العمر گھٹیا اور ناکارہ عمر، خَرَف دونوں کے فتحہ کے ساتھ، کبر سنی کی وجہ سے فساد عقل، جس کو اردو میں سٹھیانا کہتے ہیں، **قوله** لکیْلا یَعْلَمَ اس کا تعلق یُرَدُّ سے ہے، **قوله** ھامدَةً یہ ھمدَتِ النار سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں بجھ جانا **قوله** ذلك بان اللّٰہ اس میں تین وجہ اعراب ہوسکتی ہیں (۱) ذلك مبتدا اور مابعد اس کی خبر اور مشارالیہ ماقبل میں تخلیق بنی آدم وغیرہ ہے، (۲) ذلك مبتدا محذوف کی خبر ہے، ای الامر ذلك (۳) ذلك فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، ای فعلنا ذلك بسبب ان اللّٰہ ھو الحق، **قوله** یجادل فی اللّٰہ الخ یعنی یہ شخص اللہ کی ذات وصفات میں مجادلہ کرتا ہے حالانکہ نہ اس کے پاس علم ہے اور نہ دلیل اور نہ اس کے پاس کوئی روشن کتاب ہے کہ جس کو وحی کی تائید حاصل ہو، یعنی دلیل عقلی اور نقلی کے بغیر ہی خدا کی ذات وصفات کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے، وأن الساعة آتیة، وانه یحیی الموتی کی تاکید ہے، ونزل فی ابی جھل اس کا نام عمر بن ہشام ہے اور ابوجہل کنیت ہے، اس کی ایک کنیت ابوالحکم بھی ہے، ومن یجادل فی اللّٰہ کا عطف پہلے مَنْ یُجادِلُ فی اللّٰہ بغیر علم پر ہے، **قوله** نورٌ معهٗ معه کا تعلق کتاب سے ہے ای ولا وحی کائن معه، **قوله** حال ثانی عطفه یجادل کی ضمیر سے حال ہے اور لیضل کا تعلق یجادل سے ہے، **قوله** عذاب الحریق یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے ای العذاب المحرق، **قوله** ای بذی ظلم یہ اشارہ ہے کہ ظلّام جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے ذی ظلم (اسم فاعل) کے معنی میں ہے۔

تفسیر وتشریح

سابقہ سورۃ سے ربط

سورہ انبیاء کے اختتام پر بعث بعد الموت کا ذکر تھا، اس سورۃ کو حق سبحانہ تعالیٰ نے قیامت اور اس کی ہولناکی کے بیان سے شروع فرمایا ہے، تاکہ انسان تقویٰ اختیار کرے جو کہ راہیٔ آخرت کے لئے بہترین زادراہ ہے، فرمایا **یا ایھا الناس اتقوا ربکم**.

سورہ حج کی خصوصیات

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ سے دونوں قسم کی روایتیں منقول ہیں، جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سورۃ آیات مکیہ اور مدنیہ سے مخلوط ہے، قرطبی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

اس سورۃ کے عجائب میں سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات کا نزول بعض کا رات میں بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں اور بعض کا حضر میں اور بعض کا مکہ میں اور بعض کا مدینہ میں اور بعض کا حالت جنگ و جہاد میں اور بعض کا صلح وامن کی حالت میں ہوا ہے اور اس میں بعض آیات ناسخ ہیں اور بعض منسوخ اور بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ۔

زلزلہ قیامت کب ہوگا؟

قیامت قائم ہونے اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد یا اس سے پہلے، بعض نے کہا ہے کہ یہ قیامت سے پہلے اسی دنیا میں ہوگا اور قیامت کی آخری علامت میں شمار ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ زلزلہ حشر ونشر برپا ہونے کے بعد ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس زلزلہ قیامت کی جو کیفیت آگے آیت میں ذکر کی گئی ہے کہ تمام حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور دودھ پلاتی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی، اگر یہ زلزلہ اسی دنیا میں وقوع قیامت سے پہلے ہے تو ایسا واقعہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں اور حشر ونشر کے بعد ہے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ جو عورتیں جس حالت میں مری ہوں گی، ان کا حشر اسی حالت میں ہوگا اور جن کا انتقال دودھ پلانے کی حالت میں ہوا ہوگا، وہ اسی طرح بچہ کے ساتھ اٹھائی جائیں گی، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت میں مجاز مراد ہے حقیقت سے اس کا تعلق نہیں ہے یعنی جس طرح "یَوْمًا یَجْعَلُ الولدانَ شیبًا" میں دن کی درازی مراد ہے اسی طرح یہاں روز قیامت کی ہولناکی مراد ہے، اگر حقیقی معنی مراد لئے جائیں تب بھی کوئی استحالہ

نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے۔

وَمِن الناس مَن یجادل فی اللّٰہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بڑا جھگڑالو تھا، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور قرآن کو گذشتہ لوگوں کے افسانے کہا کرتا تھا اور بعث بعد الموت کا منکر تھا۔

اِنا خلقنکم مِن تُراب ثم من نطفة اس آیت میں بطن مادر میں انسان کی تخلیق کے مختلف درجات کا ذکر ہے، اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا مادہ رحم مادر میں چالیس روز تک جمع رہتا ہے پھر چالیس روز کے بعد علقہ یعنی منجمد خون بن جاتا ہے پھر چالیس ہی دن میں وہ مضغہ یعنی گوشت بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اسی وقت فرشتہ کو لکھوا دی جاتی ہیں (۱) یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے (۲) یہ کہ رزق کتنا ہے (۳) عمل کیا کرے گا (۴) یہ کہ بدبخت ہوگا یا خوش بخت (قرطبی) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب نطفہ مختلف ادوار سے گذرنے کے بعد مضغہ بن جاتا ہے تو جو فرشتہ ہر انسان کی تخلیق پر مامور ہے اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے **یارب مخلقة او غیر مخلقة** یعنی اس نطفہ سے آپ کا انسان کو پیدا کرنا مقدر ہے یا نہیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ یہ غیر مخلقہ ہے تو رحم اس کو ساقط کر دیتا ہے اور اگر حکم ہوتا ہے کہ یہ مخلقہ ہے تو پھر فرشتہ سوال کرتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ اور شقی یا سعید؟ اور اس کی عمر کیا ہے؟ اور اس کا عمل کیسا ہے؟ اور کہاں مرے گا؟ یہ سب باتیں اسی وقت فرشتہ کو بتلا دی جاتی ہیں (ابن کثیر)

وَمِنکُمْ مَنْ یُرَدُّ الی ارذل العمر یعنی وہ عمر کہ جس میں انسان کے عقل وشعور اور حواس میں خلل آنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عمر سے پناہ مانگی ہے نسائی شریف میں بروایت سعدؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ذیل الفاظ پر مشتمل یہ دعا بکثرت مانگتے تھے اور راوی حدیث حضرت سعد یہ دعا اپنی سب اولاد کو یاد کرا دیتے تھے، وہ دعا یہ ہے: **اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ البُخلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الجُبنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ العُمُرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتنَةِ الدُّنیَا وَعَذَابِ القَبرِ** . (قرطبی)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ ای شَکٍّ فی عبادتِہ شُبِّہَ بالحالِ علٰی حرفِ جَبَلٍ فی عَدَمِ ثباتِہ فَاِنْ اَصَابَہٗ خَیْرُ ۨ صِحَّةٌ وَسَلَامَةٌ فی نفسِہ ومالِہ اِطْمَاَنَّ بِہٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْہُ فِتْنَةُ ۨ مِحنةٌ وسَقَمٌ فی نفسِہٖ ومالِہ اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْھِہٖ ای رَجَعَ الی الکفرِ خَسِرَ الدُّنْیَا بِفَوَاتِ مَا اَمَلَہٗ مِنھَا وَالْاٰخِرَةَ ط بِالکُفرِ ذٰلِکَ ھُوَ الخُسْرَانُ المُبِیْنُ ○ البَیِّنُ یَدْعُوْا یَعبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنَ الصَّنَمِ مَالَا یَضُرُّہٗ ان لم یعبُدْہ وَمَا لَا یَنفَعُہٗ ط ان عبدہٗ ذٰلِکَ الدُّعاءُ ھُوَ الضَّلالُ البَعِیْدُ ۚ عَنِ الحَقِّ یَدْعُوْا لَمَنْ اللامُ زائدةٌ ضَرُّہٗ لِعِبادَتِہٖ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِہٖ اِنْ نَفَعَ بتخیُّلِہٖ لَبِئسَ المَوْلٰی ھُوَ ای النَاصِرُ وَلَبِئسَ

العَشِيْرُ اى الصَّاحِبُ هو وعُقِبَ ذِكْرُ الشَّاكِ بِالخُسران بذكر المؤمنين بالثواب فى اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ من الفرض والنوافلِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الاَنْهٰرُ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ مِنْ اِكرامِ مَنْ يُطِيْعُه واِهانةِ من يَعْصِيْه مَنْ كانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَنْصُرَهُ اللّٰهُ اى محمَّدًا نَبِيَّهٗ فِي الدُّنْيَا والآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ بِحَبْلٍ اِلَى السَّمَآءِ اى سقفِ بَيتِه يشدُّ فيه وفى عُنُقِه ثُمَّ لْيَقْطَعْ اى لِيَخْتَنِقْ بِه بِاَنْ يَقْطَعَ نفسَه من الارضِ كما فى الصِّحاحِ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ فى عَدَمِ نُصرةِ النبى صلى اللّٰه عليه وسلم مَا يَغِيْظُ مِنْهَا المعنى فَلْيَخْتَنِقْ غَيْظًا منها فلا بُدَّ منها وكَذٰلِكَ اى مثلَ اِنزالنا الآيٰتِ السابقةِ اَنْزَلْنٰهُ اى القرآنَ الباقى آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ظاهراتٍ حالٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ هُداه معطوف على هاءِ اَنْزَلْنَاه اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وهُمُ اليهودُ وَالصّٰبِئِيْنَ طَائفةٌ منهم وَالنَّصٰرىٰ وَالمَجُوسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ق اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ القِيٰمَةِ ط بِاِدْخَالِ المؤمنين الجنةَ وغيرَهُم النارَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مِن عملهم شَهِيْدٌ عالمٌ به عِلْمَ مُشاهَدَةٍ اَلَمْ تَرَ تعلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ اى يَخْضَعُ له بما يُرادُ منه وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وهمُ المؤمنون بزيادةٍ على الخضوع فى سجودِ الصلاة وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ العَذَابُ ط و هُم الكافرون لِاَنَّهم اَبَوُا السجودَ المُتوَقِّفَ على الايمان وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ يُشْقِه فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط مُسْعِدٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ط من الاهانةِ والإكرامِ هٰذَانِ خَصْمَانِ اى المؤمنون خصمٌ والكفارُ الخمسةُ خصم وهو يُطلق على الواحدِ والجماعةِ اخْتَصَمُوْا فِى رَبِّهِمْ اى فى دينه فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط يَلْبَسُوْنَهَا يعنى اُحِيْطَتْ بهم النارُ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمُ الحَمِيْمُ الماءُ البالغُ نِهايةَ الحرارةِ يُصْهَرُ به يُذَابُ مَا فِى بُطُوْنِهِمْ مِنْ شُحُوْمٍ وغيرِها وَ تَشْوِى بِه الجُلُوْدُ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ لِضَرْبِ رُؤسِهم كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اى النارِ مِنْ غَمٍّ يَلْحَقُهم بها اُعِيْدُوْا فِيْهَا رُدُّوْا اِلَيها بالمَقامِعِ وقيل لهم ذُوْقُوْا عذابَ الحَرِيْقِ اى البالغِ نهايةَ الإحْراقِ. ع

ترجمہ

اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اللہ کی بندگی ایک کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں یعنی اس کی عبادت

تذبذب کے ساتھ کرتے ہیں شک کے ساتھ عبادت کرنے والے کی حالت کو عدم ثبات میں اس شخص کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پہاڑ کے کنارہ پر کھڑا ہو، لہٰذا اگر اس کو کوئی خیر پہنچ گئی یعنی اس کے جان و مال میں صحت و سلامتی تو اس دین پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی آفت یعنی اس کی جان و مال میں محنت اور مرض لاحق ہو گیا تو وہ منہ اٹھا کر چل دیتا ہے یعنی کفر کی جانب پلٹ جاتا ہے، جس دنیا کے ملنے کی امید تھی اس کے نہ ملنے کی وجہ سے دنیا کا نقصان ہوا اور کفر کی وجہ سے آخرت کا نقصان ہوا، یہی کھلا نقصان ہے اللہ کو چھوڑ کر بت کی بندگی کرتا ہے، اگر اس کی بندگی نہ کی جائے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اگر اس کی بندگی کرے تو اس کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا یہ بندگی انتہا درجہ کی حق سے گمراہی ہے ایسے کی بندگی کر رہا ہے کہ اس کی عبادت کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے بالفرض اگر اس کے خیال کے مطابق نفع ہو، لَمَنْ میں لام زائدہ ہے، یقیناً ایسا مولیٰ یعنی ناصر برا ہے اور وہ برا رفیق ہے، شک کرنے والے کے نقصان کے ذکر کے بعد مومنین کے ثواب کا ذکر فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اعمال صالحہ فرائض و نوافل کے (قبیل) سے کئے ہوں گے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے خواہ اس کی اطاعت کرنے والے کا اکرام ہو یا اس کے نافرمان کی اہانت ہو اور جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں مدد نہ کرے گا تو ایسے شخص کو چاہئے کہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ لے، یعنی اپنے گھر کی چھت میں رسے کا (ایک سرا) باندھ لے اور (دوسرا) سرا اپنی گردن میں باندھ لے، پھر اس سے اپنا گلا گھونٹ لے خودکشی کر لے بایں طور کہ اپنا سانس دنیا سے منقطع کر لے (صحاح میں ایسا ہی) پھر غور کرے آیا اس کی یہ تدبیر خودکشی آپ کی عدم نصرت کے بارے میں اس چیز کو ختم کر سکتی ہے جس نے اس کو غصہ میں ڈال رکھا ہے، آیت کے معنی یہ ہیں اس کی وجہ سے خودکشی کر لینی چاہئے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ضروری ہے اور اسی طرح یعنی جس طرح آیات سابقہ کو ہم نے نازل کیا ہے باقی قرآن کو بھی نازل کیا ہے حال یہ ہے کہ واضح آیتیں ہیں آیات، انزلناہ کی ضمیر سے حال ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں ان کو ہدایت نصیب فرماتے ہیں اور انّ اللّٰہ یھدی الخ کا عطف انزلناہ کی ہ پر ہے (تقدیر عبارت یہ ہے انزلنا القرآن و انزلنا انّ اللّٰہ یھدی من یرید) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مومنین اور وہ لوگ جنہوں نے یہودیت اختیار کی اور وہ یہود ہیں اور صابئین جو کہ یہود ہی کی ایک جماعت ہے اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان قیامت کے روز مومنین کو جنت اور غیر مومنین کو جہنم میں داخل کر کے فیصلہ کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال میں سے ہر چیز سے واقف ہے یعنی اس کو علم مشاہدہ حاصل ہے اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور شمس و قمر ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے بھی یعنی ہر ایک اس کے حکم کے تابع ہے اس بات میں جو اس سے مطلوب ہے اور بہت سے آدمی بھی (عاجزی کرتے ہیں)

اور وہ مومنین ہیں، سجدۂ صلوٰۃ میں (عام) خضوع پر زیادتی کے ساتھ اور بہت سے ایسے ہیں کہ جن پر عذاب کا استحقاق ثابت ہوگیا ہے اور وہ کافر ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس سجدہ کا انکار کردیا جو ایمان پر موقوف ہے، اور جس کو خدا ذلیل کرے شقی کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں یعنی سعید کرنے والا نہیں، اللہ اہانت اور اکرام سے جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ دو فریق ہیں مومنین ایک فریق ہیں اور کفار خمسہ دوسرا فریق اور خصم کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے، انہوں نے اپنے رب یعنی اس کے دین کے بارے میں جھگڑا کیا ہے سو کافروں کے لئے آگ کے کپڑے بیونت کر کاٹے جائیں گے اس کو پہنیں گے یعنی آگ ان کا احاطہ کرے گی اور ان کے سروں پر ماء حمیم یعنی نہایت شدید گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں پگھلادی (گلادی) جائیں گی چربی وغیرہ، اور کھالیں اس گرم پانی کی وجہ سے بھون دی جائیں گی، اور ان (کی سزا) کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں یعنی ان کے سروں پر مارنے کے لئے اور جب بھی اس آگ سے ان کو غم لاحق ہونے کی وجہ سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے ہتھوڑوں کے ذریعہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا جلنے کا عذاب چکھو یعنی جلانے کی انتہائی حد کو پہنچا ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تفسیری فوائد

قولہ علیٰ حرفٍ یہ یَعْبُدُ کی ضمیر فاعل سے حال ہے ای یَعْبُدُ مُتَزَلْزِلاً، **قولہ** شُبِّہَ بالحال علی حرف جبلٍ فی عدم ثباتہٖ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں استعارۂ تمثیلیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت میں اس کی حالت کو جو بغیر یقین واعتقاد کے ساتھ اسلام میں داخل ہوا ہو تزلزل اور عدم ثبات میں اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کسی شئ کے کنارے پر کھڑا ہو ہر وقت اس کو بے اطمینانی کی کیفیت رہتی ہے، **قولہ ما أملہ** یہ ماضی کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور اُمِلُ بمعنی امید بھی ہوسکتا ہے، **قولہ اللام زائدۃ لَمَنْ** پر لام زائدہ ہے اور مَنْ یدعوا کا مفعول ہے ضَرُّہٗ مبتداء ہے اور اَقْرَبُ اپنے متعلق سے مل کر اس کی خبر ہے اور پھر جملہ ہوکر مَنْ موصولہ کا صلہ ہے اور موصول صلہ سے ملکر یدعوا کا مفعول بہ ہے، **قولہ بعبادتہٖ ای بسبب عبادتہٖ**، **قولہ** لَبِئْسَ المولیٰ ھُوَ، ھُوَ مخصوص بالذم ہے، الناصر مولیٰ کی تفسیر ہے، اسی طرح الصاحب، العشیر کی تفسیر ہے اور ھو مخصوص بالذم ہے **قول المفسر بالخسران** متلبّسا محذوف سے متعلق ہوکر شاك سے حال ہے **وکذا یقال فیما بعدہ، قول المفسر بذکر المومنین** عَقَّبَ سے متعلق ہے **قولہ تعالیٰ** اِنَّ اللّٰہَ یدخل الَّذِیْنَ الخ ذکر ثانی کی صفت ہے ای الذکر الکائن فی ھذہِ الآیۃ، **قول المفسر من اکرام من یَّطِیْعَہٗ الخ** اس میں لف و نشر غیر مرتب ہے ینصرہٗ میں ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے، **السماء** سر کے اوپر جو شئ ہو اس کو سماء کہہ سکتے ہیں، مقولہ ہے کل ماھو علیٰ رأسہٖ فھو سماء، **قولہ فلیمدد** مَنْ کان میں مَنْ اگر شرطیہ ہو تو

فلیمدد اس کی جزا ہوگی اور اگر مَنْ موصولہ ہو تو فا **فلیمدد** میں مشابہ جزاء ہونے کی وجہ سے ہوگی، **قولہ** بان یَقْطَعَ نَفْسَہٗ نفسہ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ لیقطَعْ کا مفعول محذوف ہے **من الارض** ارض سے مراد حیات دنیوی ہے جب کہ نفسہٗ فا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اگر نفسہ فا کے سکون کے ساتھ ہو تو اس صورت میں نفس سے مراد خود اس کی ذات ہوگی، اور ارض سے مراد زمین ہوگی، مطلب یہ ہوگا کہ چھت وغیرہ میں رسی کا ایک سرا باندھ لے اور دوسرا سرا اپنی گردن میں باندھ لے اور کسی چیز پر کھڑے ہو کر زمین سے اپنا تعلق ختم کرلے تاکہ پھندے سے دم گھٹ کر اس کی موت واقع ہوجائے، مَا یَغِیْظُ مِنْھَا، منھا، ما کا بیان ہے اور مراد اس سے نصرت ہے، مَا یَغیظ میں ما موصولہ بمعنی الذی ہے، یغیظ اس کا صلہ ہے عائد اس میں محذوف ہے، اور موصول صلہ سے مل کر یُذْھِبَنَّ کا مفعول ہے تقدیر عبارت یہ ہے ھَلْ یُذْھِبَنَّ کَیْدُہٗ الشَّیَ الَّذِیْ یغیظہ وھو نصرۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، یغیظہ میں ضمیر فاعل الذی اسم موصول کی طرف راجع ہے، اور ضمیر مفعول من کان، یظن کی طرف راجع ہے، **قولہ غیظًا منھا ای من اجلھا، قولہ** فلابد منھا ای من النصرۃ تقدیر عبارت یہ ہے فلیحتنق لانہ لابدَّ مِنَ النُّصرۃِ ، **قولہ** حال یعنی لفظ آیات انزلناہُ کی ضمیر سے حال ہے اور بینات آیات کی صفت ہے، **قولہ** ھُدَاہٗ کا اضافہ اشارہ ہے یُرِیدُ کے مفعول محذوف کی طرف، **قولہ** وَاَنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ اس کا عطف انزلناہ کی ضمیر پر ہے، ای انزلناہ و انزلنا انّ اللّٰہَ یھدی من یرید، **قولہ** وکثیرٌ مِنَ النَّاس کا عطف یسجد کے فاعل یعنی مَنْ فی السَّمٰوٰت پر ہے، یعنی تکوینی اور اضطراری تخضوع کے علاوہ بعض انسان اختیاری یعنی سجدہ وغیرہ کے ذریعہ بھی خضوع کرتے ہیں، **قولہ** ھٰذان خصمان اوپر چھ فریقوں کا ذکر ہوا ہے ان میں ایک فریق مومن ہے اور بقیہ پانچ کافر ہیں، اس طریقہ سے کل دو نوع ہیں، ایک فریق مومن اور دوسرا کافر، اسی وجہ سے خصمان بصیغہ تثنیہ کہا گیا ہے، فریق مومن کے مقابل پانچ فریقوں کو خصم واحد کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ خصم مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد اور جماعت دونوں پر ہوتا ہے، **قولہ** اِخْتَصَمُوْا یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اس لئے کہ فریق چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے، لہٰذا فریق لفظ کے اعتبار سے واحد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے، جیسے قومٌ ورھطٌ **قولہ** فی دینہ یہ اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے، **قولہ** و تشویٰ بہ الجلودُ اس میں اشارہ ہے کہ جلود فعل محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے، اس لئے کہ مافی بطونھم پر عطف درست نہیں کیوں کہ جلد پگھلنے کی چیز نہیں ہے، **قولہ تعالیٰ** وَلَھُم مقامِعُ لَھم کی ضمیر میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ الذین کفروا کی طرف راجع ہو اس صورت میں لام استحقاق کے لئے ہوگا اور دوسرا احتمال یہ کہ ھم ضمیر زبانیہ (دوزخ کے داروغہ) کی طرف راجع ہوگی اور یہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے، **قولہ** المقامعُ جمع مُقْمَعَۃ ہتوڑا۔

تفسیر وتشریح

شان نزول: **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يعبد الله على حرفٍ** اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بخاری اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے تو بعض ایسے لوگ بھی آ کر مسلمان ہو جاتے تھے کہ جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں ہوتی تھی، اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولاد و مال میں ترقی ہو گئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ برا دین ہے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ایک کنارہ پر کھڑے ہوتے ہیں اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت وسامان مل گیا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔

حرف کے معنی کنارہ کے ہیں، جس طرح کنارہ پر کھڑے ہونے والے کو قرار وثبات نہیں ہوتا اسی طرح جو شخص دین کے بارے میں شک وریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے اس کا حال بھی یہی ہے، ایسے شخص کو دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات کی ہوتی ہے، حاصل ہوتے رہیں تو ٹھیک بصورت دیگر وہ پھر آبائی دین یعنی کفر وشرک کی طرف لوٹ جاتا ہے، اس کے برخلاف جو سچے مسلمان ہوتے ہیں اور ایمان ویقین سے سرشار ہوتے ہیں وہ عسر ویسر کی پرواہ کئے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے ہیں اور اگر تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ يظن اَنْ لَنْ يَّنْصُرَ اللّٰهَ الآیۃ اس آیت کے دو مطلب بیان کئے گئے، ایک یہ کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہ کرے کیونکہ اس کے غلبہ اور فتح سے اس کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی لٹکا کر اپنے گلے میں اس کا پھندا لیکر اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خودکشی اسے غیظ وغضب سے بچالے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے اس صورت میں سماء سے مراد گھر کی چھت ہوگی، دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص ایک رسہ لیکر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو مدد اور وحی آتی ہے اس کا سلسلہ ختم کر دے (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھے کہ کیا اس کے بعد اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا؟ امام ابن کثیرؒ نے پہلے مفہوم کو پسند کیا ہے اور شوکانیؒ نے دوسرے مفہوم کو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مذکورہ برحق اور باطل فرقوں کے درمیان قیامت کے دن عملی فیصلہ فرمادیں گے اور یہ فیصلہ حاکمانہ اختیارات کے زور پر نہیں ہوگا، بلکہ عدل وانصاف کے مطابق ہوگا، کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے اسے ہر چیز کا علم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ الآیۃ اس آیت میں تمام مخلوقات خواہ زندہ ذی روح ہوں یا جمادات ونباتات سب کا

حق سبحانہ تعالیٰ کے لئے مطیع اور فرمانبردار ہونا بعنوان سجدہ بیان فرما کر بنی نوع انسان کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک مطیع وفرمانبردار سجدہ میں سب کے ساتھ شریک اور دوسری قسم سرکش وباغی سجدہ کرنے سے منحرف، اور تابع فرمان ہونے کو سجدہ کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ عاجزی کرنے سے کیا ہے تاکہ مخلوق کی ہرنوع اور ہرقسم کو شامل ہو جائے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے، انسان کا سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے، دوسری مخلوقات کا سجدہ اپنی اپنی خدمت جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے، اس کو انجام دینے کا نام ہے۔

تمام مخلوق کے فرمانبردار ہونے کی حقیقت

تمام کائنات کا اپنے خالق کے زیر حکم اور تابع مشیت ہونا ایک تو تکوینی اور تقدیری طور پر غیر اختیاری ہے جس سے مخلوق کا کوئی فرد مومن ہو یا کافر نباتات میں سے ہو یا جمادات میں سے مستثنیٰ نہیں، اس حیثیت سے سب کے سب یکساں طور پر حق تعالیٰ کے زیر حکم ومشیت ہیں، جہاں کا کوئی ذرہ یا پہاڑ اس کے اذن ومشیت کے بغیر کوئی ادنیٰ حرکت نہیں کر سکتا۔

دوسری طاعت وفرمانبرداری اختیاری ہے کوئی مخلوق اپنے قصد واختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے اس سے مومن وکافر کا فرق ہوتا ہے کہ مومن اطاعت شعار وفرمانبردار ہوتا ہے، کافر اس سے منحرف اور منکر ہوتا ہے یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس میں سجدہ اور اطاعت سے مراد صرف تکوینی وتقدیری اطاعت نہیں بلکہ اختیاری اور ارادی اطاعت ہے، کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اختیاری اور ارادی اطاعت تو صرف ذوی العقول یعنی جن وانسان وغیرہ میں ہو سکتی ہے، حیوانات، نباتات، جمادات میں عقل وشعور ہی نہیں ہوتا تو پھر قصد وارادہ کہاں اور اطاعت اختیاری کیسی؟ کیونکہ قرآن کریم کی بے شمار نصوص اور تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ عقل وشعور اور قصد وارادہ سے کوئی مخلوق خالی نہیں، کمی بیشی کا فرق ہے، انسان اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور کا کامل درجہ عطا فرمایا ہے اور اسی لئے ان کو امر ونواہی کا مکلف بنایا گیا ہے، اس کے علاوہ باقی مخلوقات میں سے ہرنوع اور ہرصنف کو اس صنف کی ضرورت کے مطابق عقل شعور دیا گیا ہے، انسان کے بعد سب سے زیادہ عقل وشعور حیوانات میں ہے، اس کے بعد نباتات میں، تیسرے درجہ میں جمادات میں، حیوانات کا عقل وشعور تو عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے، نباتات کا عقل وشعور بھی ذرا سا غور کرنے سے پہچان لیا جاتا ہے لیکن جمادات کا عقل وشعور اتنا کم اور مخفی ہے کہ عام انسان اس کو نہیں پہچان سکتے، مگر ان کے خالق ومالک نے خبر دی ہے کہ وہ بھی عقل وشعور نیز قصد وارادہ کے مالک ہیں۔

قرآن کریم نے آسمان اور زمین کے بارے میں فرمایا ہے ''قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ'' یعنی جب اللہ نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ تم کو ہمارے تابع فرمان رہنا ہے اپنی خوشی سے فرمانبرداری اختیار کرو ورنہ جبراً وحکماً تابع رہنا ہی ہے تو

آسمان اور زمین نے عرض کیا کہ ہم اپنے ارادے اور خوشی سے اطاعت اور فرمانبرداری قبول کرتے ہیں، اور دوسری جگہ پہاڑوں کے پتھروں کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے "وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" یعنی بعض پتھر ایسے کہ جو اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف کے مارے اوپر سے نیچے لڑھک جاتے ہیں، اسی طرح احادیث کثیرہ میں پہاڑوں کی باہم گفتگو اور دوسری مخلوقات میں عقل و شعور کی شہادتیں بکثرت ملتی ہیں، اس لئے اس آیت میں فرمانبرداری کو سجدہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے اطاعت اختیاری وارادی مراد ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ نوع انسان کے علاوہ (جن کے ضمن میں جنات بھی داخل ہیں) باقی تمام مخلوقات اپنے قصد وارادہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز یعنی تابع فرمان ہیں، صرف انسان اور جن ایسی مخلوق ہے جن میں دو حصے ہوگئے، ایک مومن و مطیع سجدہ گذار، دوسرے کافر و نافرمان، سجدہ سے منحرف جن کو اللہ نے ذلیل کردیا ہے ان کو سجدہ کی توفیق نہیں بخشی۔ (واللہ اعلم)

هٰذان خصمان جن کا ذکر اوپر آیت "اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا" میں ہوا ہے، یہ دو فریق ہیں ایک مومن دوسرا کافر، پھر کافروں کی پانچ قسمیں ہیں یہود، نصاریٰ صابئین، مجوس، بت پرست۔

جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں باہم اختلاف کیا اس اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، یہ دو فریق جن کا ذکر اس آیت میں ہے عام مومنین اور ان کے مقابلہ میں تمام گروہ کفار ہیں خواہ قرن اول کے ہوں یا مابعد کے، البتہ اس آیت کا نزول دو فریقوں کے بارے میں ہوا ہے، جو میدان بدر کے مبارزہ میں ایک دوسرے کے مقابل نبرد آزما تھے، مسلمانوں میں سے حضرت علیؓ و حمزہؓ و ابوعبیدہؓ اور کفار میں سے عتبہ ابن ربیعہ اور شیبہ ابن ربیعہ اور ولید ابن عتبہ تھے، جن میں سے کفار تو تینوں مارے گئے تھے اور مسلمانوں میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ صحیح و سالم واپس آئے اور ابوعبیدہ شدید زخمی ہو کر آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر دم توڑ دیا، آیت کا نزول ان مبارزین کے بارے میں ہونا بخاری و مسلم کی احادیث سے ثابت ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص نہیں پوری امت کے لئے عام ہے، خواہ کسی بھی زمانہ میں ہوں۔ (معارف)

وقال فِي المؤمنين اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا بالجرّ اى منهما بِاَنْ يُرَصَّعَ اللُّؤْلُؤُ بالذهب وبالنصب عطف على محلّ من اَسَاوِرَ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ○ هو المحرَّم لُبسُه على الرجال في الدنيا وَهُدُوْا في الدنيا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ القَوْلِ وهو لا اله الا اللّٰه وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ○ اى طريقِ اللّٰهِ المحمود ودينه اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَاعَتِه وَ عن الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ مَنْسَكًا ومتعبَّدًا لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِالْعَاكِفُ المقيمُ فِيْهِ وَالْبَادِط الطارى وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ الباءُ زائدةٌ بِظُلْمٍ اى بِسَبَبِه بِاَنْ ارتكب مَنْهِيًّا ولو شَتَمَ الخادِمَ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ

اَلِيْمٍ۝ مُؤْلِمٍ ای بعضهُ ومن هٰذا يُؤخذُ خبرُ اِنَّ ای نُذِيقُهم مِن عذابٍ اليمٍ. ع۳

ترجمہ

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ایسے باغات میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور جنت میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا جس کا مردوں کے لئے دنیا میں پہننا حرام ہے، لؤلؤٍ جر کے ساتھ، یعنی کنگن سونے اور موتیوں سے بنے ہوں گے، اس طریقہ سے کہ موتی سونے میں جڑے ہوئے ہوں گے اور لؤلؤًا نصب کے ساتھ بھی ہے اَسَاوِرَ کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے اور ان کو دنیا میں کلمہ طیب کی ہدایت کردی گئی تھی، اور وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور ان کو اس راستہ کی ہدایت کردی گئی تھی جو لائق تعریف ہے یعنی اللہ کا پسندیدہ راستہ اور اس کا دین ہے بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کے راستہ سے یعنی اس کی اطاعت سے اور مسجد حرام سے جس کو ہم نے قربان گاہ اور عبادت گاہ کردیا، تمام لوگوں کے لئے اس میں مقیم اور مسافر سب برابر ہیں، جو بھی وہاں ظلم کے ساتھ بے راہ روی اختیار کرے گا تو ہم اس شخص کو دردناک عذاب یعنی اس کا بعض حصہ چکھائیں گے، بالحادٍ میں با زائدہ ہے، بظلمٍ ای بسبب الظلم بایں طور کہ کسی غیر مشروع چیز کا ارتکاب کرے گا اگرچہ خادم کو سب وشتم ہی کیوں نہ ہو، اور ای نُذِقْه کے لفظ سے اِنَّ کی خبر اخذ کی جائے گی ای نُذِقْهُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ.

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله مِنْ اَسَاوِرَ مِن تبعیضیہ ہے ای بعض الاساور، مِن بیانیہ بھی ہوسکتا ہے اور زائدہ بھی، اور مِن مِن ذهبٍ میں بیان کے لئے ہے، **قوله** الاَسَاوِرُ اَسْوِرَة کی جمع ہے، اور اَسْوِرَة سِوَار کی جمع ہے، بمعنی کنگن، سُوار ضمہ اور فتحہ دونوں لغت ہیں، لؤلؤٍ جر کے ساتھ اَسَاوِرَ پر عطف ہوگا اور لؤلؤًا نصب کے ساتھ اَسَاوِرَ کے محل پر عطف ہوگا ای یُحَلَّوْنَ لُؤْلُؤًا چونکہ لؤلؤًا الف کے ساتھ لکھا ہے، لہٰذا نصب رسم الخط کے مقتضیٰ کے مطابق ہوگا، **قوله** اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ، يَصُدُّوْنَ کے اعراب میں تین وجہ ہوسکتی ہیں (۱) یصدونَ کا عطف کفروا پر ہو، اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ مضارع کا عطف ماضی پر درست نہیں ہے، اس کے تین جواب ہیں اول جواب مضارع سے بعض اوقات حال یا استقبال کے معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس سے استمرار مراد ہوتا ہے، جس میں ماضی بھی شامل ہے، دوسرا جواب مضارع ماضی کی تاویل میں ہے، تیسرا جواب مضارع اپنے حال پر ہے، البتہ ماضی بمعنی مستقبل ہے، یصدون کے اعراب کی دوسری وجہ یَصُدُّوْنَ كفروا کی ضمیر فاعل سے حال ہے، مگر یہ ظاہر البطلان ہے، اس لئے کہ مضارع مثبت اگر حال واقع ہو تو اس پر واؤ داخل نہیں ہوتا حالانکہ یہاں واؤ موجود ہے، یصدون کے اعراب کی

تیسری وجہ، ویصدون میں اِنَّ کی خبر پر واؤ زائدہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یصدُّوْن اور واؤ کی زیادتی کوفیین کا مذہب ہے، **قولہ** منسکًا یہ جعلناہ کے مفعول زمانی کی طرف اشارہ ہے **قولہ** سواءً جعلنا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سواء بمعنی مستویًا ہوگا، اور العاکفُ اس کے ذریعہ مرفوع ہے، اور سواءً حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے، جمہور نے سواء کو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے، اس کی خبر عاکف ہے یا اس کا عکس ہے، **قولہ** وَمَنْ یُرِد فِیہِ بالحادٍ بظلمٍ نُذِقْهُ من عذابٍ اَلِیمٍ یُرِد کا مفعول تعمیم کی غرض سے محذوف ہے تقدیر یہ ہے، وَمَنْ یرد فیہ مرادًا ، الحاد لغت میں عدول اور میلان عن الحق کو کہتے ہیں، **قولہ** من ھٰذا ای نُذِقْهُ یعنی نُذِقْهُ کے لفظ سے اِنَّ کی خبر محذوف کو سمجھا جا سکتا ہے اور وہ نُذِقُهُمْ مِنْ عذابٍ اَلِیمٍ ہے۔

تفسیر و تشریح

سابقہ آیات میں جہنمیوں کا ذکر تھا، اِنَّ اللّٰہ یدخل الَّذِیْنَ آمنُوْا سے مقابلہ کے طور پر جنتیوں کا اور ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کے لئے مہیا کی جائیں گی، یُحَلَّوْنَ فِیھا مِن اَساوِرَ الخ جنتیوں کو کنگن پہنائے جائیں گے، یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ کنگن پہننا عورتوں کا کام اور ان کی زیبائش ہے، مردوں کے لئے نہ صرف یہ کہ زیبائش اور آرائش نہیں ہے بلکہ معیوب بھی سمجھا جاتا ہے، جواب یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کی یہ امتیازی شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن رکھتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور سفر ہجرت میں آپ کو گرفتار کرنے کے لئے نکلے تھے جب ان کا گھوڑا باذن خداوندی زمین میں دھنس گیا اور سراقہ نے توبہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے گھوڑا نکل گیا، اس سراقہ بن مالک سے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن مال غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے اور جب فاروق اعظم کے زمانہ میں ملک فارس فتح ہوا اور شاہ کسریٰ کے یہ کنگن دیگر اموال غنیمت کے ساتھ آئے تو سراقہ بن مالک نے مطالبہ کیا تو ان کو دیدیئے گئے، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح سر پر تاج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں، اس لئے اہل جنت کو کنگن پہنائے جائیں گے یہ کنگن سونے، چاندی اور موتی تینوں قسم کے بھی ہوسکتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سونے چاندی کے کنگنوں میں موتی جڑے ہوئے ہوں۔

مردوں کے لئے ریشم کے کپڑوں کا حکم آیت مذکورہ میں ہے کہ جنت میں جنتیوں کا لباس حریر (ریشم) کا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ ان کے تمام ملبوسات اور فرش اور پردے وغیرہ ریشم کے ہوں گے جو دنیا میں سب سے بہتر لباس سمجھا جاتا ہے اور جنت کا ریشم ظاہر ہے کہ دنیا کے ریشم سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہے ورنہ اس کی عمدگی اور بہتری کو دنیوی ریشم سے کوئی نسبت نہیں، ضرورت شرعی (مثلاً حالت جنگ میں یا بطور علاج کسی ماہر طبیب کے تجویز کرنے کی وجہ سے)

کے علاوہ اگر مرد ریشمی کپڑا پہنے گا تو اس کے لئے احادیث میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں، تفسیر کی کتابوں کی طرف رجوع کریں، مثلاً تفسیر مظہری، قرطبی وغیرہ۔

امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ریشمی لباس پہنے گا وہ آخرت میں محروم رہے گا، اور جو دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت کی شراب سے محروم رہے گا اور جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں کھائے پئے گا وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تینوں چیزیں اہل جنت کے لئے مخصوص ہیں۔ (قرطبی بحوالہ نسائی)

مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں یہ کام کئے اور توبہ نہیں کی وہ جنت کی ان تینوں چیزوں سے محروم رہیگا اگر چہ جنت میں داخل بھی ہو جائے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں شراب پی، پھر اس نے توبہ نہیں کی وہ آخرت میں جنت کی شراب سے محروم رہے گا۔ (قرطبی)

شبہ: یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص جنت میں داخل کر لیا گیا پھر اگر وہ کسی چیز سے محروم کیا گیا تو اس کو حسرت اور افسوس رہے گا اور جنت اس کی جگہ نہیں، وہاں کسی شخص کو کسی شئ کا غم اور افسوس نہ ہونا چاہئے، اور اگر یہ حسرت اور افسوس نہ ہو تو پھر اس محرومی کا کوئی فائدہ نہیں رہتا، اس کا جواب قرطبی نے اچھا دیا ہے کہ اہل جنت کے جس طرح مقامات اور درجات مختلف متفدوت اعلیٰ اور ادنیٰ ہوں گے ان کے تفاوت کا احساس بھی سب کو ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی حق سبحانہ تعالیٰ اہل جنت کے قلوب ایسے بنا دے گا کہ ان میں حسرت وافسوس کسی چیز کا نہ ہوگا۔

وَهُدُوْآ اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے، بعض نے فرمایا قرآن مراد ہے (قرطبی) صحیح یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ خود تو اسلام سے دور ہیں ہی دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں **والمسجد الحرام** یہ ان کا دوسرا گناہ ہے کہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، مسجد حرام دراصل اس مسجد کا نام ہے جو بیت اللہ کے گرد بنی ہوئی ہے اور یہ حرم مکہ کا ایک اہم جز ہے، لیکن بعض مرتبہ مسجد حرام بول کر پورا حرم بھی مراد لیا جاتا ہے، جیسا کہ خود اسی واقعہ یعنی مسلمانوں کو عمرہ کے لئے حرم میں داخل ہونے سے روکنے کی جو صورت پیش آئی وہ یہی تھی کہ کفار مکہ نے آپ کو صرف مسجد میں جانے سے نہیں بلکہ حدود حرم میں داخل ہونے سے روک دیا تھا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور قرآن کریم نے اس واقعہ میں مسجد حرام کا لفظ بمعنی مطلق حرم استعمال فرمایا ہے "وصدوکم عن المسجد الحرام"

حرم مکہ میں تمام مسلمانوں کے مساوی حق کا مطلب

اس بات پر پوری امت اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد حرام اور حرم شریف کے وہ تمام حصے جن سے افعال حج کا تعلق

ہے جیسے صفا مروہ اور ان کے درمیان کا میدان جس میں سعی ہوتی ہے اسی طرح منیٰ کا پورا میدان، عرفات کا پورا میدان اور میدان مزدلفہ یہ زمینیں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے وقف ہیں کسی شخص کی ذاتی ملکیت ان پر نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کے عام مکانات اور باقی حرم کی زمینیں ان کے متعلق بھی بعض ائمہ فقہاء کا یہی قول ہے، کہ وہ بھی وقف عام ہیں، ان کا فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا حرام ہے، ہر مسلمان ہر جگہ ٹھہر سکتا ہے، مگر دوسرے فقہاء کا مختار مسلک یہ ہے کہ مکہ کے مکانات ملک خاص ہوسکتے ہیں ان کی خرید وفروخت اور ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے، حضرت عمر فاروقؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے صفوان بن امیہ کا مکان مکہ مکرمہ میں خرید کر اس کو مجرموں کے لئے قید خانہ بنایا تھا، امام ابوحنیفہؒ سے اس میں دو روایتیں منقول ہیں ایک پہلے قول کے مطابق اور دوسری دوسرے قول کے مطابق اور فتویٰ دوسرے قول پر ہے (کذافی روح المعانی) مسجد حرام سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک خاص مسجد حرام مراد ہے، امام ابویوسفؒ کا بھی یہی قول ہے، امام مالک وابوحنیفہؒ وثوریؒ ومحمدؒ کے نزدیک پورا حرم مراد ہے، اس کا قرینہ **"العاکف فیه"** ہے اس لئے کہ قیام نفس مسجد میں نہیں ہوتا بلکہ منازل میں ہوتا ہے، حضرت ابن عباسؓ بھی پورے حرم کو مسجد ہی سمجھتے تھے، اسی وجہ سے مکہ کی زمین کو فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا مکروہ سمجھتے تھے، امام صاحب سے بھی ایک روایت ایسی ہی منقول ہے، ایک قول امام صاحب کا اس کے برعکس بھی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادٍ بِظُلْمٍ الحاد کے معنی لغت میں سیدھے راستہ سے ہٹ جانے کے ہیں اس جگہ **الحاد** سے مراد مجاہدؒ وقتادہؒ کے نزدیک کفر وشرک ہے، مگر دوسرے مفسرین نے اس کو اپنے عام معنی میں قرار دیا ہے جس میں ہر گناہ اور ہر نافرمانی داخل ہے، جو چیزیں شریعت میں ممنوع اور حرام ہیں وہ سبھی جگہ گناہ اور موجب عذاب ہیں، حرم کی تخصیص اس بنا پر کی گئی ہے کہ جس طرح حرم مکہ میں نیکی کا ثواب بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی بڑھ جاتا ہے، اور عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ حرم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محض گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کرے اور حرم میں صرف پختہ ارادہ کر لینے پر بھی گناہ لکھا جاتا ہے، قرطبی نے بھی تفسیر ابن عمرؓ سے یہی نقل کی ہے اور اس تفسیر کو صحیح کہا ہے۔

وَ اذكر اِذْ بَوَّاْنَا بَيِّنَّا لِاِبْرَاهِيمَ مَكَانَ البَيْتِ لِيَبْنِيَه وكان قد رُفِعَ زمنَ الطوفان وَاَمَرْنَاه اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ مِنَ الاَوْثَانِ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ المُقيمين به وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ. جمعُ راكعٍ وساجدٍ اى المصلّين وَاَذِّنْ نَادِ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ فنادى على جبلِ اَبِي قُبَيْسٍ يَـاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ بنى بَيْتًا وَاَوْجَبَ عَلَيْكُم الحَجَّ اِلَيهِ فَاَجِيْبُوْا رَبَّكُم وَالتَفَتَ بِوَجْهِهِ يَمِيْنًا وشِمالًا وشَرْقًا وغَرْبًا فَاَجَابَه كُلُّ مَنْ كُتِبَ له اَنْ يَّحُجَّ مِنْ اَصْلابِ الرِّجالِ وَاَرْحامِ الاُمَّهاتِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وجوابُ الاَمرِ يَاْتُوْكَ رِجَالًا مُشاةً جَمْعُ راجلٍ كقائمٍ وقيامٍ وَّ رُكْبَانًا عَلٰى كُلِّ

ضَامِرٍ ای بَعِیرٍ مهزولٍ وهو يُطلق على الذكر والانثى يَّأْتِيْنَ اى الضَّوامِرُ حَملاً على المعنى مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ○ طَرِيْقٍ بَعِيْدٍ لِّيَشْهَدُوْا اى يَحضُرُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ في الدُّنيا بالتِّجارةِ اوفي الاٰخرةِ اَوْ فيهما اقوال وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ اى عشر ذى الحجةِ او يوم عَرَفَةَ او يوم النَّحر الى اخرِ اَيَّامِ التشريقِ اَقْوالٌ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ج الإبلِ والبقرِ والغنمِ التي تُنحَرُ في يومِ العيدِ ومابعده من الهَدايا والضحايا فَكُلُوْا مِنْهَا اذا كانت مُستَحَبَّةً واَطْعِمُوْا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ○ اى الشديدَ الفقرِ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ اى يُزِيْلُوْا اَوْسَاخَهُمْ وَشَعْثَهُمْ كَطُوْلِ الظُّفُرِ وَلْيُوْفُوْا بالتخفيفِ والتشديدِ نُذُوْرَهُمْ من الهَدَايَا والضَّحَايَا وَلْيَطَّوَّفُوْا طوافَ الإفَاضَةِ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۔ اى القديمِ لِاَنَّهُ اَوَّلُ بيتٍ وُضِعَ ذٰلِكَ خبرُ مبتداءٍ مُقدَّرٍ اى الامرُ او الشانُ ذٰلِكَ المذكورُ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ هي مالا يحلُّ انتهاكُه فَهُوَ اى تعظيمُها خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهٖ في الاٰخرةِ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اَكْلاً بعد الذَّبحِ اِلَّا مَايُتْلٰى عَلَيْكُمْ تحريمُـه في حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الاٰيةِ فَالاِسْتِثْنَاءُ منقطعٌ ويجوز اَنْ يكون مُتَّصِلاً والتحريم لِمَا عرَضَ مِنَ الموتِ ونحوِهٖ فَاجْتَنِبُوْا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ مِنْ لِلْبَيَانِ اى الذى هُوَ الاوثانُ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ○ اى الشِّرْكَ في تَلْبِيَتِهم اَوْ شهادةَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ مُسْلِمِيْنَ عادِلِيْنَ عن كُلِّ سوىٰ دِيْنِه غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ تَاكِيْدٌ لِمَا قَبْلَه وهما حَالانِ مِنَ الوَاوِ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ سَقَطَ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اى تَاْخُذُهُ بِسُرْعَةٍ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ اى تُسْقِطُهُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ○ بَعِيْدٍ اى فَهُوَ لايُرجٰى خلاصُه ذٰلِكَ يُقَدَّرُ قَبْلَهُ الْاَمْرُ مُبْتَدأً وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا اى فَاِنَّ تَعْظِيْمَهَا وَهِيَ الْبُدْنُ الَّتِي تُهدىٰ لِلحرمِ بِاَنْ تُسْتَحْسَنَ وتُسْتَسْمَنَ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○ مِنهم وسُمِّيَتْ شعائرَ لِإشْعارِهَا بِمَا يُعرفُ به اَنَّهَا هَدْيٌ كَطَعْنِ حَدِيْدَةٍ بِسَنَامِهَا لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَرُكُوْبِهَا والحَملِ عليها مالا يَضُرُّهَا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وقتَ نحرِهَا ثُمَّ مَحِلُّهَا اى مَكَانُ حِلِّ نَحْرِهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ع اى عنده والمرادُ الحرمُ جميعُه ۔ ع

ترجمہ

اور اس واقعہ کا ذکر کیجئے جب ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ کی نشاندہی کردی تاکہ اس کی تعمیر کریں اور بیت اللہ کو طوفان (نوح) کے زمانہ میں اٹھالیا گیا تھا، اور ہم نے اس کو یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اور میرے گھر کو بتوں سے طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا، رُکّع جمع

راکع اور سُجُود جمع ساجد اور مراد نماز پڑھنے والے ہیں، اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، چنانچہ (حضرت ابراہیمؑ نے) جبل ابی قبیس پر چڑھ کر اعلان فرمایا ''اے لوگو! تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے اور تمہارے اوپر اس کا حج کرنا واجب کیا ہے لہٰذا تم اپنے رب کی ندا پر لبیک کہو اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چہرے کو دائیں بائیں اور شرقاً وغرباً گھمایا، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر مردوں کی پشت سے اور عورتوں کے ارحام سے ہر اس شخص نے لبیک کہی کہ جس کی قسمت میں حج لکھا ہوا تھا "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" اور جواب امر "ياتوك رجالا" ہے، رجالاً کے معنی پا پیادہ کے ہیں اور رجال رجل کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قیام ہے، چلے آئیں گے لوگ تیرے پاس پیدل اور سوار ہو کر دبلے اونٹوں پر، ضامر دبلے اونٹ کو کہتے ہیں اس کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے آئیں گی وہ اونٹنیاں دور و دراز راستہ سے یاتین بصیغہ جمع ضامر کے معنی کی رعایت کی وجہ سے لایا گیا ہے تاکہ تجارت کے ذریعہ اپنے دنیوی فوائد کے لئے یا اخروی فوائد یا دونوں فوائد کے لئے اپنے منافع کی جگہ حاضر ہوں یہ تین قول ہیں اور (اس لئے آویں) تاکہ ایام مقررہ یعنی عشرۂ ذی الحجہ یا یوم عرفہ یا یوم نحر میں ایام تشریق کے آخری دن تک، یہ تین قول ہیں، ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں وہ اونٹ اور گائے اور بکریاں ہیں جو کہ یوم نحر میں اور اس کے بعد ہدایا اور ضحایا میں سے ذبح کی جاتی ہیں پس تم خود بھی کھاؤ اگر وہ مستحب ہوں اور صاحب فقر کو یعنی شدید حاجت مند کو کھلاؤ پھر ان کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں، یعنی میل کچیل اور پراگندگی مثلاً بڑھے ہوئے ناخن (وغیرہ) دور کریں اور ہدی اور قربانی کے جانوروں کو (ذبح) کر کے نذر پوری کریں وَالْيُوْفُوْا فا کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، اور بیت عتیق کا طواف افاضہ (زیارت) کریں یعنی قدیم گھر کا، اس لئے کہ وہ پہلا گھر ہے جو بنایا گیا ذلك مبتداء محذوف کی خبر ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) الامر ذلك المذكور یا الشان ذلك المذكور یعنی مذکورہ بات تو پوری ہوئی اور جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا اور وہی وہ چیزیں ہیں کہ جن کی بے حرمتی جائز نہیں تو ان کی تعظیم اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک آخرت میں بہتر ہے اور تمہارے لئے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد حلال کر دیا گیا ہے باستثناء ان جانوروں کے کہ جن کی حرمت تم کو حرمت عليكم الميتة (الآیہ) میں بتادی گئی ہے سو یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور اس کا مستثنیٰ متصل ہونا بھی جائز ہے اور حرمت موت وغیرہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے ہے سو تم گندگی سے جو کہ وہ بت ہیں کنارہ کش رہو من بیانیہ ہے یعنی رجس جو کہ وہ بت ہیں اور جھوٹی بات سے بچتے رہو یعنی شرک فی التلبیہ سے اور جھوٹی گواہی سے بچتے رہو اس طور سے کہ اللہ کی طرف جھکے رہو تابع فرمان رہو، اس کے دین کے علاوہ ہر چیز سے اعراض کرتے رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ یہ ماقبل کی تاکید ہے اور یہ دونوں (حنفاء اور غیر مشركين) اجتنبوا کے واؤ سے حال ہیں اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا پھر یا تو پرندے اس کو اچک لیں گے یعنی جلدی سے اس کو پکڑ لیں گے یا ہوا اس کو دور دراز جگہ پر ڈال دے گی اور مکان بعید یہ ہے کہ اس کی خلاصی کی توقع نہیں کی

جاسکتی، یہ سن لیاذ لک سے پہلے امر مبتدا محذوف اور سنو جو شخص شعائر اللہ کی عزت وحرمت کرے گا بے شک ان کی تعظیم ان کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہے اور وہ، وہ بدنے ہیں جو حرم کی جانب سے بطور ہدی بھیجے جاتے ہیں، اور شعائر اللہ کی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور ان کو (کھلا پلا کر) فربہ کرے، اور ان (قربانی کے جانوروں) کو شعائر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے کوئی ایسی علامت لگادی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ پہچانے جاتے ہیں جیسا کہ ان کی کوہان میں نیزہ سے زخم لگادینا اور تمہارے لئے ان میں وقت مقرر یعنی ذبح ہونے تک کچھ منافع ہیں، مثلاً ان پر سوار ہونا اور ان پر کسی ایسی چیز کا لادنا کہ جو ان کے لئے مضرت رساں نہ ہو پھر ان کا مقام یعنی ان کے قربان کرنے کی جگہ بیت اللہ کے قریب ہے اور مراد پورا حرم ہے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قوله بَوَّأنَا بَوَّأَ تَبْوِیَةً سے ماضی جمع متکلم ہے، ہم نے جگہ دی ہے، زجاج نے کہا ہے بوّانا کے معنی بینا له مکان البیت لِیَبْنِیَهٗ ویکون مَبَاءَةً لهٗ مفسر علام نے بوّانا کی تفسیر بینا سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ لابراهیم میں لام زائدہ نہیں ہے بلکہ بطور صلہ تعدیہ کے لئے ہے اور اگر بوّانا، انزلنا کے معنی میں ہو تو لام کو زائدہ ماننا پڑے گا اس لئے کہ بوّأنا اس وقت متعدی بنفسہ ہے، **قوله** امرناه کی تقدیر سے اشارہ کیا ہے کہ اَنْ لاتشرك به محذوف کا معمول ہے اور اس محذوف کا عطف بوّانا پر ہے، وطهّر بیتی اس سے پہلے امرنا یا قلنا محذوف ہے

قوله یاتوك خطاب کا صیغہ یا تو اس وجہ سے استعمال فرمایا ہے کہ حجاج کی بیت اللہ میں حاضری حضرت ابراہیم ہی کے اعلان کے نتیجہ میں ہوتی ہے، یا پھر مضاف محذوف ہے ای یا تو بیتك اور بیت کی اضافت کاف خطاب کی جانب تعمیر کی وجہ سے ہے، **قوله** ضامر دبلا جس کی کمر پتلی ہو یہ ضمور سے مشتق ہے تضمیر کہتے ہیں گھوڑے کو فربہ کرنے کے بعد دوڑا کر دبلا کرنا تاکہ وہ تیز رفتار ہو جائے **قوله** یاتین یہ جمع کا صیغہ ہے ضامر کی صفت ہے حالانکہ ضامر مفرد ہے، کل ضامر جمع کے معنی میں ہے معنی ہی کی رعایت کی وجہ سے یاتین بصیغہ جمع لایا گیا ہے ورنہ تو یاتی واحد مذکر غائب کا صیغہ لانا چاہئے تھا **قوله** لِیَشْهَدُوْا اس کا تعلق اَذِّنْ اور یاتوك دونوں سے ہو سکتا ہے ثانی ظاہر ہے۔ اِذَا کَانَتْ مُسْتَحبَةً امام شافعیؒ کے یہاں چونکہ ضحایا واجبہ سے مالدار کے لئے کھانا درست نہیں ہے، اس لئے مفسر علام نے اذا کانت مستحبة کا اضافہ فرمایا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سوائے دم جنایت کے مالداروں کے لئے کھانا جائز ہے، جیسے دم تمتع اور دم قران۔ **قوله** طواف الافاضه یہ طواف رکن ہے، اسی کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں اس کو افاضہ اس لئے کہا کہ اس کا وقت عرفات سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ **قوله** البیت العتیق عتیق دو معنی میں مستعمل ہے اول بمعنی قدیم چونکہ عبادتخانہ کے طور پر بیت اللہ کو سب سے اول بنایا گیا تھا، اس لئے اس کو عتیق یعنی

قدیم کہنا درست ہے اور دوسرے معنی، آزاد کے ہیں یعنی عتیق بمعنی معتق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس کو جبابرہ کے تسلط سے آزاد کردیا ہے، اس لئے اس کو عتیق کہا گیا ہے، اب رہا حجاج بن یوسف کا تسلط تو وہ حضرت زبیرؓ کو بیت اللہ سے نکالنے کے لئے تھا نہ کہ بیت اللہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے مقصد پورا ہونے کے بعد حجاج نے دوبارہ بیت اللہ کی تعمیر کرادی تھی، اور بعض حضرات نے عتیق کے معنی کریم کے بھی بیان کئے ہیں، ای البیت الکریم (جمل) **قوله** تحریمه تحریمہ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یُتلیٰ کا نائب فاعل محذوف ہے، مفسر علام اگر تحریمہ محذوف ماننے کے بجائے آیت التحریم محذوف مانتے تو زیادہ بہتر ہوتا اس لئے کہ متلو آیۂ تحریم ہے نہ کہ تحریم۔ **قوله** فالاستثناء منقطع الَّا ما یُتلیٰ علیکم یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مستثنیٰ جو کہ المیتۃُ والدمُ ولحم الخنزیر الآیۃ ہے مستثنیٰ منہ الانعام کی جنس سے نہیں ہے لہٰذا یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور مستثنیٰ متصل بھی ہوسکتا ہے بایں طور کہ الَّا ما یُتلیٰ عَلَیْکُمْ میں ما سے مراد وہ مردار ہے جو عارض موت کی وجہ سے مرگیا ہو یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا، اس صورت میں چونکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے لہٰذا مستثنیٰ متصل ہوگا۔ **قوله** حُنَفَاءَ یہ اجتنبوا کی ضمیر واؤ سے حال ہے۔ **قوله** شعائر اللّٰہ شعائر اعمال حج کو کہتے ہیں اس کا واحد شعیرۃٌ یا شعارۃٌ ہے اور مشاعر مواضع المناسک کے معنی میں ہے **قوله** هی البُدْن سیاق پر حمل کرتے ہوئے شعائر کی تفسیر بُدْنٌ سے کی ہے، بہتر یہ تھا کہ اس کو عام رکھتے جو دیگر شعائر کو بھی شامل ہو جاتا۔ **قوله** مِنْ تقوی القُلُوب منهم منہم کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ مَنْ یُعَظِّمْ میں مَنْ موصولہ ہے اور من تقوی القلوب جملہ ہوکر صلہ ہے جس میں عائد کا ہونا ضروری ہے اور وہ منہم ہے، **قوله** طَعْنٌ نیزہ سے زخم لگانا سنام اونٹ کی کوہان کو کہتے ہیں، **قوله** کرکوبها یہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہے احناف کے نزدیک بغیر حالت اضطراری کے سوار ہونا درست نہیں ہے، **قوله** المراد الحرم قرب شئ کو عین شئ کا حکم دیدیا گیا ہے، اس لئے کہ ہدی بیت اللہ میں ذبح نہیں کی جاتی بلکہ حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے نہ کہ بیت اللہ یا مسجد حرام میں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہدی کا حدود حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے، **قوله** مَحِلُّهَا الی البیت العتیق یعنی ہدایا اور ضحایا کے ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے قریب ہے یعنی حدود حرم میں خواہ مکہ میں ہو یا منیٰ میں۔

تفسیر وتشریح

بناء بیت اللہ کی ابتداء

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِیْمَ اس سے پہلی آیت میں مسجد حرام اور حرم سے روکنے والوں کے لئے شدید عذاب اور وعید شدید آئی ہے، آگے کی آیت میں بیت اللہ کے فضائل اور عظمت کا بیان ہے بَوْءٌ لغت میں ٹھکانہ دینے کو کہتے ہیں، اس

میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم اوران کے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو ملک شام سے ہجرت کراکر مکہ میں قیام پذیر کردیا، اور مقام بیت اللہ کی نشاندہی بھی فرمادی تاکہ ازسرنو اس کی تعمیر کی جاسکے، بیت اللہ کا وجود اگر چہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کے ساتھ ساتھ ہوا تھا مگر طوفان نوح میں اس کو اٹھالیا گیا، اور مدتوں تک بے نشان رہا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کے قریب قیام پذیر ہوگئے اور بیت اللہ کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ الٰہ العالمین تو مجھے مقام بیت اللہ کی نشاندہی فرمادے، کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک زوردار ہوا بھیجی جس کی وجہ سے بیت اللہ کی بنیادیں ظاہر ہوگئیں، ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بیت اللہ کے بقدر ایک بدلی آئی اور مقام بیت اللہ پر سایہ فگن ہوگئی اس میں ایک سر نمودار ہوا جو یہ ندا کرتا تھا، اے ابراہیم تم میری حدود کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر شروع کرو، چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر فرمائی (جمل) آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' سب سے پہلی مسجد جوروئے زمین پر تعمیر ہوئی وہ مسجد حرام (بیت اللہ) ہے اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی''۔

(مسند احمد ۵/۱۵۰، ۱۶۶، ۱۶۷، وامسلم کتاب المساجد)

قولہ أن لا تشرك بي شيئًا یہ بناء بیت اللہ کی غرض کا بیان ہے، یعنی اس میں صرف میری عبادت کی جائے، مشرکین نے جو اس میں صدہا بت سجار کھے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں یہ ظلم عظیم ہے، **قولہ** وَطَهِّرْ بَيْتِيَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا جارہا ہے کہ میرے گھر کو آپ ظاہری اور باطنی ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھئے، بیت اللہ چونکہ محض چہار دیواری کا نام نہیں ہے بلکہ اس قطعہ ارضی کا نام ہے جہاں بیت اللہ بنا ہوا ہے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بیت اللہ کی جگہ کو بھی پاک رکھئے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خطاب اگر چہ حضرت خلیل علیہ السلام کو ہے مگر مراد آئندہ آنے والی امت ہو۔

وَأَذِّن في الناس بالحج ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرضیت حج کے اعلان کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا، یہاں جنگل ہے جہاں آبادی ہے، وہاں میری آواز کس طرح پہنچے گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی ذمہ داری صرف اعلان کرنے کی ہے پوری دنیا میں پہنچانے اور پھیلانے کی ذمہ داری ہماری ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر اور ایک روایت میں جبل ابی قبیس پر کھڑے ہو کر دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر یمیناً وشمالاً، شرقاً وغرباً ہر طرف یہ ندادی کہ اے لوگو! تمہارے رب نے اپنا گھر بنایا ہے اور تم پر اس کا حج فرض کیا تم سب اس کے حکم کی تعمیل کرو، اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پوری دنیا میں پہنچادی بلکہ ان تک بھی پہنچادی جو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، بلکہ اصلاب آباء یا ارحام امہات میں تھے اور جس روح نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہا اور جتنی مرتبہ کہا وہ ضرور بیت اللہ حاضر ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نداء کی تاثیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کو جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں تک جو پہنچایا تھا اس کی تاثیر قیامت تک کے لئے قائم ہوگئی اور وہ "یاتوک رِجَالاً وَعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یاتینَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" یعنی اطراف عالم سے لوگ بیت اللہ کی طرف چلے آویں گے کوئی پیادہ تو کوئی سوار اور سواری سے آنے والے بھی دور دراز ملکوں سے آئیں گے، جس کی وجہ سے ان کی سواریاں بھی لاغر ہو جائیں گی چنانچہ ہزار ہا سال گذر چکے ہیں مگر بیت اللہ کی طرف آنے والوں کی یہی کیفیت ہے۔

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ یعنی ان کی یہ حاضری خود انہی کے منافع کے لئے ہے لفظ منافع کو نکرہ لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں دینی منافع تو بے شمار ہیں ہی دنیوی منافع بھی بے شمار ہیں، دوسرا فائدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ وَیَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ (الآیۃ) تا کہ وہ اللہ کا نام لیں ایام معلومات میں ان چوپایوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں، اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کے گوشت اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر نظر نہ ہونی چاہئے بلکہ اصل چیز اللہ کا ذکر ہے جو ان دنوں میں جانور قربان کرنے کے وقت جانوروں پر لیا جاتا ہے اصل روح عبادت یہی ہے قربانی کا گوشت حلال کر دیا گیا یہ مزید انعام ہے، ایام معلومات سے وہی ایام مراد ہیں جن میں قربانی جائز ہے یعنی ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخیں اور چونکہ **مارزقهم من بهيمة الانعام** کے الفاظ عام ہیں اس میں ہر طرح کی قربانی داخل ہے، خواہ واجب ہو یا مستحب۔

فكلوا منها یہاں کلوا اگرچہ بصیغہ امر آیا ہے مگر مراد اس سے اباحت و جواز ہے جیسا کہ قرآن میں "اِذَا حَلَلْتُم فاصطادُوْا" میں شکار کا حکم بمعنی اجازت ہے۔

مسئلہ: زمانہ حج میں مختلف وجوہ کی بنا پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان میں ایک قسم وہ ہے جو کسی جرم کی سزا کے طور پر واجب ہوتی ہے، مثلاً حرم کے خلاف یا احرام کے خلاف کوئی عمل کر لیا، اس کی جزاء میں کسی جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، اس قربانی کو اصطلاح فقہ میں دم جنایت کہتے ہیں، اس میں کچھ تفصیل ہے بعض ممنوعات کے کر لینے سے گائے یا اونٹ ہی کی قربانی کرنا ضروری ہوتی ہے اور بعض کے لئے بکرا دنبہ کافی ہو جاتا ہے، بعض میں صدقہ سے ہی کام چل جاتا ہے، یہ سب مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، جو قربانی دم جنایت کے طور پر واجب ہوتی ہے، وہ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے، اس کا گوشت نہ خود کھانا درست ہے اور نہ مالداروں کے لئے، باقی قسمیں خواہ واجب ہوں یا نفل اس میں دم تمتع اور دم قران بھی داخل ہے، ان سب کا گوشت سب کے لئے کھانا درست ہے اس آیت میں اسی کا بیان ہے، اور کم از کم ایک تہائی حصہ فقراء و مساکین کو دیدیا جائے اسی امر مستحب کا بیان آیت کے اگلے جملہ میں اس طرح فرمایا ہے "**واطعموا البائس الفقير**" مطلب یہ کہ قربانی کے

گوشت میں سے فقیر اور تنگدست لوگوں کو بھی کھلانا اور دینا مستحب ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ احرام باندھنے کے بعد سے چونکہ حجامت نہیں بنواتے اور نہ ناخن وغیرہ لیتے ہیں اور زیادہ مل دَل کر غسل بھی نہیں کر سکتے، جس کی وجہ سے بدن پر میل کچیل جم جاتا ہے جو کہ عاشقانہ اور مستانہ ایک کیفیت ہے، اب دس تاریخ کو یہ تمام قصے تمام ہو جاتے ہیں، حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور طواف زیارت کو جاتے ہیں اور جس کو ذبح و قربانی کرنی ہوتی ہے وہ پہلے ہی کر لیتا ہے، اور منتیں پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے نام کی جو نذر مانی ہو اس کو پورا کرے اور اقرب الی الصواب نذر سے مراد مناسک حج ہیں۔

افعال حج میں ترتیب کا درجہ

افعال حج کی جو ترتیب قرآن اور حدیث میں آئی ہے اسی ترتیب سے حج کے ارکان ادا کرنا کم از کم سنت ضرور ہے، واجب ہونے میں اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے جس کے خلاف کرنے سے دم واجب ہوتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے، اس لئے ان کے نزدیک ترتیب ماثور کے خلاف کرنے سے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر دم واجب نہیں ہوتا، حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث میں ہے "مَنْ قَدَّم شَيْئًا من نسكه او اخر فليهرق دماً" رواہ ابن ابی شیبہ موقوفاً وہو فی حکم المرفوع (مظہری) یعنی جس شخص نے افعال حج میں سے کسی کو مقدم یا مؤخر کیا تو اس پر دم دینا لازم ہے، یہ روایت طحاوی نے بھی مختلف طرق سے نقل کی ہے۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ اس سے طواف زیارت مراد ہے جو دسویں تاریخ کو رمی جمرہ اور قربانی سے فارغ ہونے کے بعد کیا جاتا ہے، یہ حج کا دوسرا رکن ہے پہلا رکن وقوف عرفہ ہے۔

احلت لكم الانعام الاّ ما يُتلى عليكم انعام سے مراد اونٹ، گائے، بکرا، مینڈھا، دنبہ وغیرہ ہیں، یہ جانور حالت احرام میں بھی حلال ہیں اور اِلاّ مايُتلى سے جن جانوروں کو مستثنیٰ کرنے کا ذکر ہے ان کا بیان دوسری آیت میں آیا ہے، وہ مردار جانور اور موقوذہ اور جس پر اللہ کا نام قصداً ترک کر دیا گیا ہو یا جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یہ سب ہمیشہ کے لئے حرام ہیں حالت احرام ہو یا نہ ہو۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ ای جماعةٍ مؤمنةٍ سلفتْ قَبْلَكُمْ جَعَلْنَا مَنْسَكًا بفتح السين مصدر وبكسرها اسمُ مكان اى ذبحا قُرْبَانًا او مكانَهُ لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ عِنْدَ ذَبْحِهَا فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا ط اِنْقَادُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ○ الْمُطِيْعِيْنَ المتواضعين الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ خافَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ مِنَ البَلَايَا وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ فِي اَوْقَاتِهَا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○ يَتَصَدَّقُونَ وَالْبُدْنَ جمع بَدَنَةٍ وهى الاِبلُ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

اعلام دینِہٖ لَکُمْ فِیْھَا خَیْرٌ نَفعٌ فِی الدُّنیا کما تقدَمَ واجرٌ فی العُقبٰی فَاذْکُرُوْا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا عند نَحْرِھَا صَوَآفَّ قائمةً علٰی ثَلٰثٍ معقولةَ الیَدِ الیسریٰ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُھَا سقطتْ الی الارض بعد النحرِ وھو وقتُ الاکلِ منھا فَکُلُوْا مِنْھَا اِنْ شِئْتُمْ وَاَطْعِمُوْا القَانِعَ الذی یقنعُ بما یُعطٰی ولایَسْاَلُ ولایَتعرَّضُ وَالْمُعْتَرَّ السائلَ او المتعرضَ کَذٰلِکَ ای مثل ذٰلکَ التَّسْخِیْرِ سَخَّرْنٰھَا لَکُمْ بانْ تَنحرَ وترکبَ والّا لمْ تُطِقْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ اِنْعامِیْ علیکم لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَادِمَآؤُھَا ای لَایُرفعانِ الیه وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ای یُرفعُ الیه منکم العملُ الصالحُ الخالصُ له مع الایمانِ کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوْا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰکُمْ اَرْشَدَکُمْ لِمَعالِمِ دینِہٖ ومناسِکِ حَجِّہٖ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ای المُوَحِّدِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا غوائلَ المشرکین اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ فی امانتہٖ کَفُوْرٍ لِنِعمتِہٖ وھم المشرکون المعنی انّہٗ یُعاقِبُھم .

ترجمہ

اور ہم نے ہرامت کے لئے یعنی مومن جماعت کے لئے جوتم سے پہلے گذر چکی ہیں قربانی کرنا اس لئے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے مَنْسَکًا سین کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے اور کسرہ سین کے ساتھ اسم مکان ہے، یعنی بطور قربانی ذبح کرنا، یا مقام ذبح، سوتمہارا معبود ایک ہی خدا ہے سو اسی کے تابع فرمان رہو، اور آپ اطاعت کرنے والوں یعنی تواضع اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنادیجئے جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈرجاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں، اور جو نماز کی ان کے اوقات میں پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ خیرات کرتے ہیں اور بُدْنٌ بُدْنَۃٌ کی جمع ہے اور وہ اونٹ ہے اور بدنہ کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر یعنی اس کے دین کی علامت بنادیا اور ان جانوروں میں تمہارے لئے خیر یعنی دنیوی نفع ہے جیسا کہ سابق میں گذر چکا اور اجر آخرت بھی ہے سوتم ان پر نحر کے وقت اللہ کا نام لیا کرو، حال یہ کہ وہ تین پیروں پر کھڑے ہوں اور بائیں ہاتھ بندھا ہوا ہو پس جب وہ اپنی کسی کروٹ گر پڑیں یعنی جب وہ نحر کے بعد زمین پر گر پڑیں (اور ان کی روح پرواز کرجائے) تو وہ وقت ان میں سے کھانے کا ہے ان میں سے کھاؤ اگر تم چاہو اور ایسے قانع کو بھی کھلاؤ کہ اس کو جو کچھ دیدیا جائے اس پر قناعت کرتا ہے اور نہ وہ سوال کرتا ہے اور نہ تعرض کرتا ہے اور معتر کو بھی کھلاؤ یعنی جو سوال کرتا ہو یا تعرض کرتا ہو اور اسی طرح یعنی تسخیر مذکور کے مانند ہم نے تمہارے لئے ان جانوروں کو مسخر کردیا بایں طور کہ (اے مخاطب) تو ان کو ذبح کرے اور ن پر سواری کرے ورنہ تو (یہ) تیرے بس کی بات نہیں تھی تا کہ تم اپنے اوپر میرے انعام کا شکریہ ادا کرو، اللہ کے پاس

ان جانوروں کا گوشت اور ان کا خون نہیں پہنچتا یعنی یہ دونوں چیزیں اللہ تک نہیں پہنچائی جاتیں ہاں البتہ تمہارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے یعنی ایمان کے ساتھ تمہارا نیک اور اللہ کے لئے خالص عمل اس تک پہنچتا ہے اور اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس بات پر کہ تم کو توفیق عطا کی یعنی تم کو اپنے دین کے شعائر ادا کرنے اور اپنے حج کے مناسک ادا کرنے کی توفیق فرمائی اور اے محمد ﷺ محسنین یعنی موحدین کو اس بات کی خوشخبری دیدو کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دفاع کرے گا، مشرکین کی مصیبت سے اللہ تعالیٰ کسی امانت میں خیانت کرنے والے اس کی نعمت کی ناشکری کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور وہ مشرک ہیں معنی یہ ہیں کہ وہ ان کو سزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تفسیری فوائد

قوله منسکًا فتحہ سین کے ساتھ مصدر ہے، قربانی کرنا، اور سین کے کسرہ کے ساتھ اسم مکان ہے یعنی قربان گاہ، منسکًا منسک اور نسک عربی زبان میں کئی معنی میں بولا جاتا ہے (۱) جانور کی قربانی (۲) تمام افعال حج (۳) مطلقاً عبادت، یہاں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، مجاہد وغیرہ نے اس جگہ منسک کو قربانی کے معنی میں لیا ہے، اس پر معنی یہ ہوں گے قربانی کا حکم جو اس امت کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں ہے، پہلی امتوں کو بھی یہ حکم دیا گیا تھا، قتادہ نے دوسرے معنی لئے ہیں اس صورت میں آیت کی مراد یہ ہوگی کہ افعال حج جس طرح اس امت پر عائد کئے گئے ہیں پچھلی امت پر بھی حج فرض تھا، ابن عرفہ نے تیسرے معنی مراد لئے ہیں اس صورت میں آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ہم نے اللہ کی عبادت پچھلی تمام امتوں پر فرض کی تھی، **قوله ذبحاً قرباناً** یہ معنی مصدری کی وضاحت ہے اور قرباناً ذبحاً مصدر کا مفعول بہ ہے او مکانہٗ یہ دوسرے معنی یعنی اسم مکان کی وضاحت ہے، **قوله المطیعین المتواضعین** مطیعین مخبتین کے لازم معنی کا بیان ہے اور متواضعین اصل معنی کا بیان ہے، اس لئے کہ اخبات پست زمین میں اترنے کو کہتے ہیں، قوله وہی الابل یہ امام شافعیؒ کا قول ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ابل اور بقر دونوں پر بدنہ کا اطلاق درست ہے اور یہی قول لغت اور شرع کے موافق ہے، قاموس میں ہے البدنة من الابل و البقر سنن ابی داؤد اور نسائی میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے تو آپ نے ہم کو ابل اور بقر میں سے ہر ایک بدنہ میں سات کے شریک ہونے کا حکم فرمایا اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم بدنہ کو سات کی طرف سے ذبح کرتے تھے، سوال کیا گیا اور بقر (گائے) میں، تو فرمایا وہ بھی بدنہ ہی ہے۔ (حاشیہ جلالین اختصاراً) **قوله صواف** جمع صاف بمعنی قائمات **و جَبَتْ بمعنی سقطت**، وجب الحائط سے مشتق ہے دیوار گرگئی، مراد ٹھنڈا ہو جانا **قوله فکلوا منها ان شئتم** ان شئتم کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلوا امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت اور بیان جواز کے لئے ہے **قوله غوائل** غوائل کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یدافع کا مفعول محذوف

ہے **قوله** علی ما ھداکم میں ما مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے ای علی ھدایته إیاکم اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے، ای علی ماھداکم الیه علیٰ کا تعلق لتکبروا اللّٰه سے ہے اور تکبروا تشکروا کے معنی کو متضمن ہے تاکہ اس کا صلہ علیٰ کے ساتھ درست ہوجائے۔

تفسیر وتشریح

ولکُلِّ اُمَّةٍ یعنی نیاز وعبادت کے طور پر جانور کی قربانی ہر آسمانی دین میں عبادت قرار دی گئی ہے اگر یہ عبادت غیر اللہ کی نیاز کے طور پر کروگے تو مشرک ہوجاؤگے، جس سے بہت پرہیز کرنا چاہئے، موحد کا کام یہ ہے کہ قربانی صرف اسی کے نام پر کرے جس کے نام پر قربانی کرنے کا تمام شرائع میں حکم ہے اور ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال وجبروت سے ڈرتے رہتے ہیں، اور مصائب وشدائد کو صبر واستقلال سے برداشت کرتے ہیں اور کوئی بڑی سے بڑی مصیبت اور تکلیف ان کے قدموں کو راہ حق سے نہیں ڈگمگاتی۔

صوافَّ تین پیروں پر کھڑا کر کے چوتھے کو باندھ کر یہ صورت صرف اونٹوں کے لئے مستحب ہے اونٹوں کو لٹا کر ذبح کرنا بھی درست ہے اور دیگر جانوروں کی لٹا کر ہی ذبح کرنا بہتر ہے، زمین پر پہلو کے بل گرنے کا مطلب ہے ان کا ٹھنڈا ہو جانا اس لئے کہ روح نکلنے سے پہلے مذبوح کا کوئی حصہ کاٹ کر کھانا درست نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے مَا قطع من البھیمة ھی حیة فھو میتة (ابوداؤد کتاب الصید، ترمذی شریف ابواب الصید) اِنَّ اللّٰهَ یُدافع عن الذین آمنُوا اس آیت کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ ماقبل میں ان افعال کا ذکر تھا جو حج میں کئے جاتے ہیں اور مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے سال عمرہ سے روک دیا تھا اور جو مومنین مکہ میں تھے ان کو ایذا پہنچاتے تھے، یہ آیت مسلمانوں کی تسلی کے لئے نازل فرمائی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ ای للمؤمنین ان یُقَاتِلُوْا وھذہ اوّلُ آیة نزلتْ فی الجھاد بِاَنَّھُمْ ای بِسَبَبِ اَنَّھُمْ ظُلِمُوْا بظُلْمِ الکافرینَ اِیَّاھُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ o اِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ فی الاِخراج مَا اُخْرِجُوْا اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا ای بِقَوْلِھِم رَبُّنَا اللّٰهُ وحدَہ وھذا القول حقٌّ والاخراجُ بِهٖ اخراجٌ بغیرِ حقٍّ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بَدَلُ بَعضٍ من النَّاسِ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ بالتشدید للتَّکْثِیرِ وبالتخفیفِ صَوَامِعُ لِلرُّھْبَانِ وَبِیَعٌ کنائِسُ للنصاری وَصَلَوٰتٌ کنائسُ للیھودِ بالعِبْرَانِیَّةِ وَّمَسَاجِدُ للمسلمین یُذْکَرُ فِیْھَا ای المواضعِ المذکورةِ اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا ط وتَنْقَطِعُ العباداتُ بِخرابِھا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ط ای یَنْصُرُ دِینه اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ علٰی

خَلْقِهِ عَزِيْزٌ○ مَنِيْعٌ فِيْ سُلْطَانِهٖ وَقُدْرَتِهٖ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ بِنَصْرِهِمْ عَلٰى عَدُوِّهِمْ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط جوابُ الشرطِ وهُوَ وَجَوابُهُ صِلَةُ الموصولِ ويُقدَّرُ قبله هُمْ مُبتدأً وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ○ اى اليه مَرجِعُها فى الآخِرَةِ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ تَسلِيَةٌ للنبى صلى اللّٰهُ عليه وسلم فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ تانيثُ قوم بِاعْتبارِ المعنى وَّعَادٌ قوم هود وَّثَمُوْدُ○ قومُ صالحٍ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۙ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ قومُ شُعَيبٍ وَكُذِّبَ مُوْسٰى كَذَّبَهُ القِبطُ لَاقَومُه بَنُو اِسْرَائِيْلَ اى كَذَّبَ هٰؤُلَاءِ رُسُلَهم فلكَ اُسْوَةٌ بِهِمْ فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ اَمْهَلْتُهُمْ بتاخيرِ العقابِ لهم ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ بالعَذَابِ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ اى انكارِىْ عليهم بتكذيبِهِمْ باِهلاكِهم والاستفهامُ للتقرير اى هو واقع موقِعَه فَكَاَيِّنْ اى كم مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْتُهَا وفِى قراءةٍ اَهْلكناها وَهِيَ ظَالِمَةٌ اى اهلُها بكُفرِهِمْ فَهِيَ خَاوِيَةٌ سَاقِطَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا سُقُوفِها وكم مِنْ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ مَتْرُوْكَةٍ بِمَوْتِ اهلِها وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ رفيعٍ خالٍ بموتِ اهلِهِ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا اى كفارُ مكةَ فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا ما نَزَلَ بالمكذبِيْنَ قبلَهم اَوْ آذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا اخبارَهم بالاِهلاكِ وخرابَ الدِّيار فيعتبروا فَاِنَّهَا اى القصةُ لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ تاكيدٌ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ بِاِنْزالِ العذابِ فَاَنْجَزَهُ يومَ بدرٍ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ من اَيامِ الآخرةِ بالعَذابِ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ○ بالتاء والياء فى الدنيا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا المرادُ اهلُها وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ○ المَرْجِعُ. ع۶

ترجمہ

اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے یعنی مومنین کو، یہ کہ وہ قتال کریں اور یہ پہلی آیت ہے جو (اجازت قتال) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس سبب سے کہ وہ مظلوم ہوئے کافروں کے ان پر ظلم کرنے کی وجہ سے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں جو اپنے گھروں سے بلاوجہ نکالے گئے یعنی ان کے اخراج کی کوئی وجہ نہیں تھی محض اتنی بات پر نکالے گئے کہ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا رب اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یہ قول حق ہے اور اس کی وجہ سے نکالنا ناحق نکالنا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہتا، بعضھم الناس سے بدل البعض ہے تو راہبوں کے خلوت خانے لَهُدِّمَتْ تشدید کے ساتھ ہے کثرت کو بیان کرنے کے لئے اور تخفیف کے ساتھ بھی ہے اور نصاریٰ کے عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے عبرانی میں صلوٰۃ عبادت خانہ کو

کہتے ہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں مسمار کردی جاتیں جن میں یعنی مذکورہ مواضع میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور ان مقامات کے ویران ہوجانے کی وجہ سے عبادات منقطع ہوجاتیں، اور بے شک اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کی یعنی اس کے دین کی مدد کرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر قوی ہے اپنی سلطنت اور قدرت میں غالب ہے یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں ان کے دشمن پر ان کو غلبہ دے کر تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں، اور اقاموا الصلوٰۃ سے آخر تک جواب شرط ہے اور شرط اور جواب شرط مل کر موصول ہے الذین کا، اور الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر، ھم مبتدا محذوف کی خبر ہے اور تمام کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے یعنی آخرت میں وہ تمام امور کا مرجع ہے اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے تو ان لوگوں سے پہلے قوم نوح قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے اور عاد جو کہ قوم ہود تھی اور ثمود جو کہ صالح کی قوم تھی اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور اصحاب مدین نے جو کہ قوم شعیب تھی (اپنے اپنے نبیوں کی) تکذیب کر چکی ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی کاذب قرار دیا گیا موسیٰ کی تکذیب قبطیوں نے کی نہ کہ ان کی قوم بنی اسرائیل نے، یعنی ان لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، لہٰذا آپ کے لئے ان انبیاء کے طریقہ میں نمونہ ہے تو میں نے ان کافروں کو مہلت دی یعنی ان کے عذاب کو مؤخر کر کے ان کو مہلت دی پھر میں نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تو میرا عذاب ان پر کیسا ہوا ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے اور استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی میرا عذاب برمحل و برموقع واقع ہوا، غرضکہ کتنی ہی بستیاں ہیں کہ جن کو میں نے ہلاک کردیا اور ایک قرأت میں ہم نے ان کو ہلاک کردیا (یعنی ایک قرأۃ میں **اھلکتھا** ہے اور ایک قرأۃ میں **اھلکناھا** ہے، اور حال یہ ہے کہ وہ بستیاں ظالم تھیں یعنی ان بستیوں کے باشندے اپنے کفر کی وجہ سے ظالم تھے، اور اب وہ بستیاں اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بے کار کنویں یعنی بستی والوں کی ہلاکت کی وجہ سے متروک پڑے ہوئے ہیں اور کتنے ہی عالی شان محل خالی پڑے ہیں بستی والوں کے ہلاک ہوجانے کی وجہ سے، کیا یہ لوگ یعنی مکہ کے کافر ملک میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے قلوب ایسے ہوجائیں کہ ان کے ذریعہ اس (عذاب) کو جو ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر نازل ہوا سمجھیں یا ان کے کان ایسے ہوجائیں کہ ان کے ذریعہ ان کی ہلاکت اور ان کے گھروں کی بربادی کی خبروں کو سنیں بعد ازاں عبرت حاصل کریں بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ قلوب اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں فی الصدور قلوب کی تاکید ہے، یہ لوگ آپ سے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرنے کے اپنے وعدہ کا خلاف نہ کرے گا، چناں چہ یوم بدر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا فرمادیا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن آخرت کے دنوں میں سے عذاب کی وجہ سے ہزار سال کے برابر ہے تمہارے شمار کے اعتبار سے دنیا میں یعدّون یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور بہت سی بستیاں ہیں کہ جن کو میں نے مہلت دی تھی حال یہ ہے کہ وہ ظالم تھیں پھر میں نے ان بستیوں کو پکڑ لیا، اور

مراد بستی سے بستی والے ہیں اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ اُذِنَ کا ماذون فیہ محذوف تھا مفسر علام نے اَنْ یُقَاتِلُوْا کہہ کر اس کو ظاہر کر دیا اور حذف پر یقاتلونَ دلالت کر رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر سے کچھ زیادہ آیات میں جہاد سے منع کرنے کے بعد ہجرت کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے، یہ دن صحابہ کے لئے گویا کہ عید کا دن تھا، ایک قراۃ میں یُقَاتِلُون مبنی للفاعل بھی ہے مومنین کو قبل القتال مقاتل یا تو مایؤل کے اعتبار سے کہا گیا ہے یا اس لئے کہ مومنین کا قتال کا ارادہ تھا، **قوله** بانهم ظلموا میں با سببیہ ہے گویا کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مومنین کو قتال کی اجازت کی وجہ ان پر ظلم کا کیا جانا ہے، امام رازیؒ نے فرمایا ہے اَنْ یُقَاتِلُوْا کا مطلب اَنْ یُقَاتِلُوْا فی المستقبل ہے اس صورت میں یہ اعتراض ختم ہو جائے گا کہ یہ صورت مکی ہے اور جہاد کی اجازت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، وَاِنَّ اللّٰهَ علٰی نصرهم لقدیر یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس آیت میں اشارہ کے طور پر نصرت کا وعدہ ہے **قوله** هم الذِیْنَ اُخْرِجُوْا مفسر علام نے هم مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اسم موصول مبتدا محذوف کی صفت ہے، اس کے علاوہ بھی چند اور وجوہ اعراب ہو سکتے ہیں (۱) موصولِ اول کی صفت یا بیان یا بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہو سکتا ہے (۲) اعنی یا اَمْدَحُ وغیرہ محذوف کی وجہ سے جملہ ہو کر منصوب بھی ہو سکتا ہے، **قوله** اِلاَّ أن یقولوا الآیۃ مفسر علام نے مااخرجوا محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے، ای ما اُخرجوا بشی من الاشیاء الا بقولهم ربنا اللّٰه یعنی مکہ سے مومنین کے نکالے جانے کا کوئی سبب نہیں تھا جو ان کو نکالنے کا موجب ہو سوائے اس کے کہ انہوں نے ربنا اللہ کہا، اور یہ سبب موجب اخراج نہیں بلکہ یہ تو سبب استقرار و تمکین ہے یہ دراصل مدح بمایشبه الذم کے قبیل سے ہے یعنی جو شئ سبب مدح ہے وہ ان کے نزدیک سبب ذم ہے، جیسا کہ نابغہ کے قول میں ہے: ؎

لاعیب فیهم غیر اَنَّ سُیُوفهم   بهنَّ فلول من قراع الکتائب

مجھ میں ایک عیب ہے   بڑا کہ وفادار ہوں میں

اِلاَّ اَنْ یَقُوْلُوْا یہ مستثنیٰ منقطع بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ جو الا ان یقولوا ہے مستثنیٰ منہ جو کہ بغیر حق ہے کی جنس سے نہیں ہے، مگر مستثنیٰ منقطع ماننا درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر یوں کہیں اَلَّذِیْنَ اخرجوا من دیارهم الا ان یقولوا ربنا اللّٰه تو یہ درست نہیں ہے اسی وجہ سے مفسر علام نے عامل محذوف مان کر مستثنیٰ متصل بنا دیا ہے ای ما اخرجوا بشئ من الاشیاء الاّ بقولهم ربنا اللّٰه اور مضارع بمعنی ماضی ہے مفسر علام نے ان یقولوا کی تفسیر بقولهم سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان مصدریہ ہے اور ان یقولوا، قول کے معنی میں ہے اور

بقولهم میں با سببیہ ہے **قوله** ولو لا دفع اللّٰہ الناس الآیۃ لو لا امتناعیہ ہے اور لَهُدِّمَتْ جواب لولا ہے، دفعُ اللّٰہِ الناس بعضَهم لبعضٍ مبتداء ہے موجود محذوف اس کی خبر ہے اور دفعُ اللّٰہِ میں اضافت مصدر الی الفاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَوْلَا دفعُ اللّٰہِ الناس بعضهم ببعضٍ موجود لهُدِّمَتْ صَوَامِعُ (الآیۃ) صَوَامِعُ صومعة کی جمع ہے، خلوتخانہ جس میں راہب تنہائی میں ریاضت وعبادت کرتا ہے وَبِیَعٌ جمع بیعة نصرٰی کے جماعت خانے جس میں اجتماعی طور پر عبادت کرتے ہیں، صَلَوٰاتٌ جمع صلوٰۃ، عبرانی زبان میں یہود کے عبادتخانوں کو صَلُوتا کہتے ہیں **قوله** وتنقطع العبادات اس کا عطف لَهُدِّمَتْ پر ہے **قوله** الذینَ اِنْ مَكَّنّٰهُمْ فی الارض اس میں بھی وہ تمام صورتیں ممکن ہیں جو سابق موصول میں بیان ہو چکی ہیں مذکورہ صورتوں کے علاوہ اس میں یہ صورت بھی درست ہے کہ من ینصرُہ سے بدل ہو اِن مکنّاهم فی الارض شرط ہے اور اَقَامُوا الصلوٰۃ مع اپنے معطوفات جزاء ہے، شرط اپنی جزاء سے مل کر الذین کا صلہ ہے، موصول اپنے صلہ سے مل کر هم مبتداء محذوف کی خبر ہے اور هم سے مراد ماذون لهم فی القتال ہیں اور وہ مہاجرین ہیں اور یہ آیت اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ اس آیت میں مہاجرین کے ان اوصاف کی خبر دی گئی ہے کہ جن پر وہ زمین پر قدرت اور حکومت دینے کے بعد ہوں گے، وَكُذِّبَ مُوْسٰی یہاں ماسبق کے برخلاف طرز بیان کو بدل دیا بایں طور کہ معروف کے صیغہ کے بجائے مجہول کا صیغہ اختیار فرمایا اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ان کی قوم نے نہیں کی تھی بلکہ فرعون کی قوم قبط نے کی تھی بخلاف دیگر انبیاء مذکورین کی تکذیب کے کہ خود ان کی قوم نے کی تھی، **قوله** فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اختیار فرمایا ہے تاکہ ان کی صفت کفر پر صراحت ہو جائے ورنہ تو فَاَمْلَيْتُهُمْ بھی کہا جا سکتا تھا، نکیر بمعنی عذاب مصدر بمعنی انکار ہے جیسے نذیر بمعنی انذار ہوتا ہے **قوله** بتکذیبهم یہ انکاری کا مفعول ہے اور باهلاکهم انکاری سے متعلق ہے، اور استفہام تقریری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخاطبوں کو میرے عذاب کے برمحل ہونے کا اقرار کرنا چاہئے، **قوله** فَكَاَيِّنْ اَيِّنْ بمعنی کم خبریہ مبتدا ہے اور من قریةٍ تمیز ہے اور اَهْلَكْنٰهَا اس کی خبر ہے، كَاَيِّنْ دراصل كَاَيٍّ تھا قرآنی رسم الخط میں تنوین کو بصورت نون لکھا گیا، كَاَيِّنْ ہمیشہ خبری صورت میں استعمال ہوتا ہے یہ لفظ مبہم طور پر کثرت پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے ابہام کو دور کرنے کے لئے، اس کے بعد بطور تمیز کوئی لفظ ضرور مذکور ہوتا ہے عموماً اس کی تمیز مِن کے ساتھ آتی ہے، جیسے كَاَيِّنْ من قریةٍ کائن ہمیشہ آغاز کلام میں آتا ہے اس کی خبر ہمیشہ مرکب ہوتی ہے، بعض اوقات کائن استفہام کے لئے بھی آتا ہے، اور ایک قرأت میں اهلکنا ہے اور کائن محل نصب میں بھی ہو سکتا ہے اهلکنا کی دلالت کی وجہ سے، اور وهی ظالمة جملہ حالیہ ہے ای اهلها محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مضاف محذوف ہے، **قوله** وكم من بئرٍ مُعَطَّلَةٍ مفسر علام نے کم محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ بئر کا عطف قریة پر ہے اَفَلَمْ یسیروا ہمزہ، محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ

ہے اعملوا فلم یسیروا و کاین یہاں واؤ کے ساتھ لائے ہیں اور ماقبل میں فکاین فاء کے ساتھ لائے ہیں اس لئے کہ ماقبل میں فاء نامناسب ہے، اس لئے کہ اس کے ماقبل فکیف کان میں فاء ہے اور یہاں واؤ مناسب ہے اس لئے کہ ماقبل میں واو ہے ولن یخلف اللّٰہ وعدہ.

تفسیر وتشریح

کفار کے ساتھ جہاد کا پہلا حکم

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم کا یہ حال تھا کہ کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ کوئی مسلمان دست ستم سے زخمی اور چوٹ کھایا ہوا نہ آتا ہو، قیام مکہ کے دور میں مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی ہو چکی تھی وہ کفار کے ظلم وجور کی آپ سے شکایت کرتے اور ان سے قتال کی اجازت مانگتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرماتے صبر کرو مجھے ابھی قتال کی اجازت نہیں دی گئی، یہ سلسلہ دس سال تک اسی طرح جاری رہا۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

جہاد کی اجازت کے اس آیت میں دو مقصد بیان کئے گئے ہیں مظلومیت کا خاتمہ اور اعلاء کلمۃ اللہ، اس لئے کہ اگر مظلومین کی مدد اور دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زبردست کمزوروں کو دبا کر مالک بن بیٹھیں گے جس کی وجہ سے زمین میں فساد برپا ہو جائے، اسی طرح اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش کر کے باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبہ سے دنیا کا امن وسکون غارت ہو جائے اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے۔

صوامع صومعۃ کی جمع ہے نصاریٰ کے تارک الدنیا راہبوں کی مخصوص عبادتگاہ کو کہا جاتا ہے جس کو خلوت خانہ بھی کہہ سکتے ہیں اور بیع بیعۃ کی جمع ہے، بڑے کنیسہ کو کہتے ہیں جہاں نصاریٰ جمع ہوتے ہیں، اور صلوات صلوٰۃ کی جمع ہے، یہودیوں کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں، مساجد مسجد کی جمع ہے مسلمانوں کے عبادتخانہ کو کہتے ہیں۔

خلفاء راشدین کے حق میں قرآن کی پیشین گوئی اور اس کا ظہور

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اس آیت میں الذین ان لوگوں کی صفت ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق کے عنوان سے آیا ہے، یعنی وہ لوگ کہ جن کو ان کے گھروں سے بلاوجہ نکالا گیا، ان لوگوں کے بارے میں آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں اقتدار دیدیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان کاموں میں صرف کریں گے، کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کاموں کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور برے کاموں سے روکیں۔

یہ آیت ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اس وقت نازل ہوئی کہ جب مسلمانوں کو کسی بھی زمین میں حکومت اور اقتدار حاصل نہیں تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں پہلے ہی یہ خبر دیدی کہ جب ان کو کسی زمین میں حکومت واقتدار حاصل ہوگا تو یہ لوگ دین کی مذکورہ اہم خدمات انجام دیں گے، اسی لئے حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا ثناءٌ قبل البلاء یعنی عمل کے وجود میں آنے سے قبل ہی تعریف فرمائی ہے۔

قرآن کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق آئی، اور اس کا دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفاء راشدین جو الذین اخرجوا من دیارھم کے مصداق صحیح تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو سب سے پہلے زمین کی مکنت اور قدرت یعنی حکومت اور سلطنت عطا فرمائی، اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ان کے اعمال وکردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو انہی کاموں میں استعمال کیا جن کی ان سے توقع تھی چناں چہ نمازیں قائم کیں، زکوۃ کا نظام مضبوط کیا اچھے کاموں کو رواج دیا، برے کاموں کا راستہ بند کیا، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظام خلافت ان کے زمانہ میں قائم ہوا وہ حق اور صحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے۔ (روح المعانی بحوالہ معارف)

یہ تو اس آیت کے شان نزول کا واقعاتی پہلو ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن جب عام ہوں تو وہ کسی خاص واقعہ میں منحصر نہیں ہوتے ان کا حکم عام ہوتا ہے اسی لئے ائمہ تفسیر میں سے ضحاک نے فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ہدایت بھی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ حکومت واقتدار عطا فرمادیں کہ وہ اپنے دور اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفاء راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیئے تھے۔ (قرطبی)

قُلْ یا اَیُّھَا النَّاسُ ای اھل مکة اِنَّمَآ اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ بیِّنُ الانذارِ وانا بشیرٌ للمؤمنِیْنَ فَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وعَمِلُوْا الصالحٰتِ لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ من الذنوب وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ھو الجنة وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِی آیاتنا القرآن بِاِبْطَالِھَا مُعٰجِزِیْنَ مَنِ اتَّبَعَ النبیَّ ای یَنْسُبُوْنَھُمْ الی العجزِ وَیُثَبِّطُوْنَھُمْ عن الایمان او مُقَدِّرِیْنَ عجزَنَا عنھم وفی قراءة مُعَاجِزِیْنَ مُسَابِقِیْنَ لَنَا یَظُنُّوْنَ اَنْ یَّفُوْتُوْنَا بِاِنْکَارِھِمْ البعثَ والعقابَ اُولٰئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ النار وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ ھو نبیٌّ اُمِر بالتَّبلیغ وَّلَانَبِیٍّ ای لم یُؤمَرْ بالتبلیغ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰی قَرَأَ اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ قراء تِہٖ مالیس مِنَ القرآن مِمَّا یرضاہُ المرسَلُ اِلَیْھِمْ وقد قرأ النبیُّ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم فی سورة النَّجم بِمَجْلِسٍ من قریشٍ بعْدَ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الاُخْرٰی بِاِلْقَاءِ الشَّیطانِ علی لِسانِہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِنْ غَیْرِ عِلْمِہٖ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم بہٖ تِلْکَ الغَرَانِیْقُ العُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی، فَفَرِحُوْا بذٰلک ثم اَخْبَرَہٗ جِبْرَئِیْلُ بِمَا اَلْقَاہُ الشَّیْطَانُ علٰی لِسَانِہٖ مِنْ ذٰلک فَحَزِنَ فَسُلِّیَ بِھٰذہ

الآيةِ لِيَطْمَئِنَّ فَيَنسَخُ اللّٰهُ يُبْطِلُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيَاتِه يُثْبِتُها واللّٰهُ عليمٌ بإلقاء الشيطان مَاذُكِرَ حَكِيْمٌ في تَمْكِيْنِه مِنهُ يَفْعَلُ مَايَشاءُ لِيَجعلَ ما يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فتنةً محنةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ شَكٌّ ونِفَاقٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اى المشركين عن قَبُوْلِ الحقِّ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الكافرينَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ خلافٍ طويلٍ مع النبيِّ والمؤمنين حيثُ جرى على لسانه ذكرُ آلِهتهم بما يُرْضِيهم ثم اَبْطَلَ ذٰلك وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا العِلْمَ التوحيدَ والقرآنَ اَنَّهُ اى القرآنُ الحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِه فَتُخْبِتَ تَطْمَئِنَّ لَهُ قُلُوْبُهُمْ وانَّ اللّٰهَ لَهَادِى الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِلٰى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيْمٍ اى دِينِ الاسلامِ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ شكٍّ مِّنْهُ اى القرآنِ بما ألقاهُ الشيطانُ على لسانِ النبيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم ثم اَبْطَلَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اى ساعةُ مَوْتِهم اَوِ القيٰمةُ فجأةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ هو يومُ بدرٍ لاخيرَ فيه للكفارِ كالريحِ العقيمِ التي لاتاتي بخيرٍ او هو يومُ القيٰمةِ لا ليلَ له اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ اى يومَ القيٰمةِ لِلّٰهِ وحدَهُ وما تَضَمَّنَهُ مِنَ الاستقرارِ نَاصِبٌ للظَّرفِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ بينَ المؤمنينَ والكافرينَ بما بَيَّنَ بَعْدَه فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ فضلًا من اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا فَاُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ شديدٌ بسببِ كُفْرِهم.

ترجمہ

آپ اعلان کر دیجئے کہ اے لوگو یعنی مکہ والو میں تم کو واضح طور ڈرانے والا ہوں یعنی کھلے طور پر آگاہ کرنے والا ہوں اور میں مومنین کو خوشخبری دینے والا ہوں، پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے (سابقہ) گناہوں کی بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے وہ جنت ہے، اور وہ لوگ جو ہماری آیات میں یعنی قرآنی آیات کے ابطال کے درپے رہتے ہیں عاجز کرنے کے لئے ان لوگوں کو جنہوں نے اتباع کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یعنی ان کی طرف عاجز ہونے کی نسبت کرنے کے لئے، اور روکتے ہیں ان کو ایمان سے یا ہم کو عاجز گمان کرتے ہوئے ان کی گرفت سے، اور ایک قرأۃ میں معاجزین بمعنی مسابقین ہے یعنی ہمارے بارے میں یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ (ہماری گرفت سے) بعث، عقاب کا انکار کرکے نکل بھاگیں گے، یہی ہیں دوزخی اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول، رسول وہ نبی ہوتا ہے جس کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو اور کوئی نبی یعنی جس کو تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ایسا نہیں بھیجا کہ جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب بھی اس نے کچھ پڑھا ہو اور شیطان نے اس کے پڑھنے میں ایسی چیز (شبہ) نہ ڈالی ہو کہ جو قرآن نہیں ہے اور وہ ایسا شبہ ہو کہ جس سے مرسل الیہم خوش ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں قریش کی مجلس میں افرأیتم اللات

والعزیٰ ومنات الثالثة الاخریٰ کے بعد مجلس میں آپ کی زبان پر القاء شیطانی کی وجہ سے تلک الغرانیق العلی وانّ شفاعتهنّ لترتجی پڑھا (ترجمہ) یہ اونچے درجہ کی دیویاں ہیں ان کی شفاعت کی یقیناً امید کی جاتی (مشرکین مکہ) اس سے بہت خوش ہوئے، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی جو شیطان نے آپ کی زبان مبارک پر القاء کر دیا تھا، تو آپ رنجیدہ ہوئے تو آپ کو آئندہ آیت کے ذریعہ تسلی دی گئی تا کہ آپ مطمئن ہو جائیں اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اپنی آیت کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ القاء شیطانی سے بخوبی واقف ہے جس کا ماسبق میں ذکر ہو چکا ہے، اور اللہ حکیم ہے اپنی طرف سے شیطان کو قدرت دینے میں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے قلوب میں شک ونفاق کا مرض اور ان کے قلوب سخت ہیں یعنی مشرکین کے قلوب قبول حق کے بارے میں سخت ہیں اور واقعی یہ ظالم کافر لوگ بڑی گمراہی میں ہیں یعنی نبی اور مومنین کے ساتھ طویل گمراہی میں ہیں اس لئے کہ آپ کی زبان مبارک پر ان کے معبودوں کا ایسا ذکر جاری ہو گیا جس نے ان کو خوش کر دیا، پھر اس ذکر کو باطل قرار دیدیا اور تا کہ وہ لوگ کہ جن کو توحید اور قرآن کا علم دیا گیا ہے جان لیں کہ وہ یعنی قرآن تیرے رب کی جانب سے حق ہے تو اس پر ایمان لے آئیں پھر ان کے قلوب اس پر مطمئن ہو جائیں اور واقعی ایمان والوں کو اللہ راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے یعنی دین اسلام کی جانب اور کافر لوگ قرآن کے بارے میں ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے اس چیز کی وجہ سے جو شیطان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر القاء کیا پھر اس کو (اللہ نے) باطل کر دیا، یہاں تک کہ ان پر دفعتاً قیامت آ جائے یعنی موت کی گھڑی یا (واقعی) قیامت اچانک آ جائے، یا ان پر کسی منحوس دن کا عذاب آ جائے اور وہ بدر کا دن تھا کہ جس میں کافروں کے لئے کوئی خیر نہیں تھی، جیسا کہ ریح عقیم کوئی خیر نہیں لاتی یا یوم عقیم سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس کے لئے رات نہیں ہوگی اور بادشاہی اس دن یعنی قیامت کے دن صرف اللہ کے لئے ہوگی اور جو لفظ استقر کے معنی کو متضمن ہے وہی ظرف (یومئذ) کا ناصب ہوگا اور وہ ان کے یعنی مومنین اور کافرین کے درمیان اس کے ذریعہ فیصلہ کر دے گا جس کو بعد میں بیان کیا ہے، سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے تو وہ اللہ کے فضل سے نعمتوں کی جنت میں ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہوگی تو ان لوگوں کے لئے ان کے کفر کے سبب شدید ذلت کا عذاب ہوگا۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قل یا ایها الناس اے محمد آپ ان طالب عذاب کے بارے میں جلدی کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ میں تو صاف صاف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں تعجیل یا تاخیر عذاب میں میرا کوئی دخل نہیں ہے **قوله بابطالها**

کے اضافہ کا مقصد حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے ای سعوا فی ابطال آیاتنا ، بابطالها میں با بمعنی فی ہے معجزین یہ سعوا کی ضمیر سے حال ہے اور من اتبع النبیؐ ، معجزین کا مفعول ہے، یا معجزین کا مفعول اللّٰہ ہے ای معجزین اللّٰہ مطلب یہ ہے کہ ہماری آیت کے ابطال میں سعی کرتے ہیں ہم کو اپنی گرفت سے عاجز مان کر، اور ایک قراءۃ میں معاجزین ہے بمعنی سابقین (مغالبہ) یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ہماری پکڑ سے نکل بھاگیں گے، اور مسابقت کا مطلب یہ ہے کہ کافر اللہ کے عذاب سے فرار کی سعی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرنے، نہ بھاگنے دینے میں مسابقت کرتا ہے **قوله** وما ارسلنا من (الآیة) وان یُکذّبوك کے بعد یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری تسلی ہے مِن قبلك میں مِن ابتداء غایت کے لئے ہے اور من رسولٍ میں مِنْ زائدہ ہے، **قوله** اذا تمنّی القی الشیطانُ ، اذا تمنّی شرط ہے اور القی الشیطان فی امنیته اس کی جزاء ہے، اور جملہ شرطیہ ہو کر نبی سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَمَا اَرْسلنا نبیًّا الّا حالُهُ هذه اور مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے **قوله** الغرانیق اس کا واحد غِرنَوق بروزن فردوس ہے اور بعض نے غُرنوق بروزن عُصفور کہا ہے، مرغ آبی کو کہتے ہیں فینسخ اللّٰہ نسخ سے نسخ لغوی مراد ہے نہ کہ اصطلاحی، نسخ کے معنی زائل کرنے اور مٹانے کے ہیں **قوله** لیجعل کے لام میں ظاہر یہ ہے کہ یحکم سے متعلق ہے ای ثم یحکم اللہ آیاته لیجعل اور واللہ علیم حکیم جملہ معترضہ ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ لیجعل ینسخ کے متعلق ہو، **قوله** والقاسیة بمعنی القسوۃ سخت دل، القاسیة میں الف لام موصول کا ہے اور اس کا عطف الذین فی قلوبهم پر ہے **قوله** وَاِنّ الظّٰلمین اسم ظاہر کو یہاں زیادتی قباحت کو بیان کرنے کے لئے اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے اصل میں اِنّهُمْ یومئذٍ کا عامل نصب استقرّ یا اس کے ہم معنی فعل محذوف ہے **قوله** یحکم بینهم جملہ مستانفہ ہے یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے ماذا یَصْنَعُ بهم؟ فقیل یحکم بینهم اور جملہ حالیہ بھی ہوسکتا ہے **قوله** بما بیّن بعده ای فالذین آمنوا وعملوا الصّٰلحات مبتدا ہے فی جنّت نعیم اس کی خبر ہے ای مستقرون فیها اسی طرح والذین کفروا وکذبوا بآیتنا مبتدا ہے اور فاولئك لهم عذاب مهین جملہ ہو کر اس کی خبر ہے، اول خبر پر فا نہ داخل کرنا اور ثانی خبر پر فا کا داخل کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ جنت میں داخلہ اعمال کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہوگا، اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے فضلاً من اللّٰہ کا اضافہ کیا ہے، بخلاف عذاب جہنم کے اس کا ترتب اعمال ہی پر ہوگا اسی لئے فاولئك پر فا جزائیہ داخل کی گئی۔ (جمل)

تفسیر وتشریح

قل یا ایها الناسُ قرآن کریم میں عام طور پر یاایُّها الناس سے مشرکین مکہ کو خطاب ہوتا ہے، چنانچہ یہاں

بھی مشرکین مکہ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کے جلدی آنے کا مطالبہ کرتے تھے، چونکہ مشرکین مکہ نزول عذاب کے منکر تھے اس لئے نزول عذاب کی وعید کو محض ڈراوا سمجھتے تھے اسی لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کے جلدی لانے کا بار بار تقاضا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محمد! آپ کہہ دیجئے کہ میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میرا کام آگاہ اور ہوشیار کر دینا ہے، عذاب لے آنا میرے قبضہ میں نہیں ہے، یہ تو خدا ہی کے قبضہ کی بات ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو جزاء اور بدکاروں کو سزا دیں گے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا من قبلہٖ مِنْ رسولٍ ولانبیّ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے، دونوں میں فرق کیا ہے؟ اس میں اقوال مختلف ہیں مشہور اور واضح بات یہ ہے کہ نبی تو اس کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت قوم کی اصلاح کے لئے عطا کیا گیا ہو اور اس کو تبلیغ رسالت کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو خواہ اس کو کوئی مستقل کتاب یا شریعت دی گئی ہو یا کسی پہلے نبی ہی کی کتاب یا شریعت کی تبلیغ کے لئے مامور ہو، پہلے کی مثال حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے کی مثال حضرت ہارون علیہ السلام کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ و تعلیم پر مامور تھے، اور رسول وہ ہے کہ جسے مستقل شریعت اور کتاب ملی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں، اب رہا فرشتہ کو رسول کہنا تو یہ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ لغوی معنی میں ہے لہٰذا وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

اذا تَمَنّی اَلْقَی الشیطٰن فی اُمنیتہٖ ، تمنّی اس جگہ قرأ کے معنی میں ہے اور اُمنیّۃ کے معنی قرأت کے ہیں، ابو حیان نے بحر محیط میں اور بہت سے دوسرے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے، کتب حدیث میں اس جگہ ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جو واقعہ غرانیق کے نام سے معروف ہے یہ واقعہ جمہور محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے، بعض حضرات نے اس کو موضوع ملحدین و زنادقہ کی ایجاد قرار دیا ہے اور جن حضرات نے اس واقعہ کو کچھ معتبر مانا ہے تو اس کے ظاہری الفاظ سے جو شبہات قرآن و سنت کی قطعیت پر عائد ہوتے ہیں ان کے مختلف جوابات دیئے ہیں، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس آیت کی تفسیر اس واقعہ پر موقوف نہیں ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے مذکورہ آیت کے شان نزول میں واقعہ غرانیق بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے آپ پر سورہ نجم کا نزول ہوا، آپ نے سورہ نجم پڑھنی شروع کی، جب آپ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ والعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الاُخرٰی پر پہنچے تو القاء شیطانی سے آپ کی زبان مبارک پر تلک الغرانیق العلی وانّ شفاعتھنّ لتُرتَجٰی جاری ہو گیا جب قریش نے یہ کلمات سنے تو بہت خوش ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت جاری رکھی حتی کہ سورہ کے ختم تک تلاوت فرمائی اور جب آخر میں آپ نے سجدہ کیا تو مجلس کے حاضرین نے بھی سجدہ کیا، اس واقعہ کے بعد مشرکین خوشی خوشی منتشر ہو گئے اور کہنے لگے کہ آج محمد

نے ہمارے معبودوں کی ستائش فرمائی، چنانچہ جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے تو لوگوں کو وہ سنا دیا جو میں آپ کے پاس اللہ کی طرف سے لے کر نہیں آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے سخت رنج ہوا اور شدید خوف زدہ بھی ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے مذکورہ آیت نازل فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معاملہ تنہا آپ کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ ہر رسول اور نبی کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا رنجیدہ ہونے کی بات نہیں ہے، مگر یہ واقعہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا بطلان کتاب اللہ سے ثابت ہے قال اللہ تعالیٰ لَوْ تقوّل علينا بعض الاقاويل لَأخذنا منهُ باليمين ثُمّ لقطعنا منهُ الوتين وقال اللہ تعالیٰ وما ينطق عن الهوى امام بیہقی نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا هذه القصةُ غير ثابتةٍ من جهة النقل امام ابن خزیمہ نے فرمایا انّ هذه القصة من وضع الزنادقة بعض مفسرین نے قصہ غرانیق کے ساتھ حبشہ سے مہاجرین کے واپس ہونے کا قصہ بھی لگا دیا ہے، جس کی مزید تفصیل سورہ نجم میں ان شاء اللہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ تمنی کے معنی قرأت کے ہیں اور معنی القى الشيطان في أمنيته اى فى تلاوته وقراته کے ہیں ابن جریر نے کہا کہ یہ قول تاویل کلام کے زیادہ مشابہ ہے، آیت کے حاصل معنی یہ ہیں کہ شیطان نے مشرکین کے کانوں میں بغیر اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر مذکورہ کلمات جاری ہوں خود ہی مذکورہ کلمات ڈال دیئے۔ (فتح القدیر) اللہ تعالیٰ شیطان کے القاء کردہ کلمات کو مٹا دے گا، اور اپنی آیت کو محکم کر دے گا۔

والّذِيْنَ هاجرُوْا فى سبيل اللّه اى طاعته من مكة الى المدينة ثُمّ قُتلوْآ او ماتوْا ليرزُقنّهُمُ اللّهُ رزقًا حَسنا هو رزقُ الجنة وانّ اللّه لهُو خيرُ الرّازقين افضل المُعطين ليُدخلنّهم مُدخلا بضمّ الميم وفتحها اى ادخالا او موْضعًا يّرضوْنهٗ وهو الجنةُ وانّ اللّه لعليمٌ بنيّاتهمْ حليمٌ عن عقابهمْ، الامرُ ذلك الذى قصصْنا عليك ومنْ عاقبَ جازى من المؤمنين بمثْل ماعُوقِب به ظُلْمًا من المشركين اى قاتلهُمْ كما قاتلوْهُ فى الشهْر المُحرّمِ ثُمّ بُغى عليه منهم اى ظُلم باخراجه من منزله لينصُرنّهُ اللّهُ انّ اللّه لعفُوٌّ عن المؤمنين غفوْرٌ لهم عن قتالهم فى الشهر الحرام ذلك النصرُ بانّ اللّه يُوْلجُ اللّيْل فى النّهار ويُولجُ النّهار فى اللّيْل اى يُدخل كُلًّا منهما فى الآخر بانْ يزيد به وذلك منْ اثر قُدرته التى بها النصرُ وانّ اللّه سميعٌ دُعاء المؤمنين بصيْرٌ بهم حيث جعل فيهم الايمان فاجاب دُعاؤهم ذلك النصرُ ايضًا بانّ اللّه هُو الحقُّ الثابتُ وانّ ما تدْعُوْن بالياء والتاء يعْبُدُون منْ دُوْنه وهو الاصنامُ هُو الباطلُ الزائلُ وانّ اللّه هُو العليُّ اى العالىُ على كُلّ شئٍ بقُدرته الكبيْرُ الذى يُصغرُ كُلّ شئٍ سواهُ الم تر تعلم انّ اللّه انزل من السّمآءِ مآءً مطرًا فتُصْبحُ الارْضُ مُخْضرةً بالنّبات وهذا من اثر قُدرته انّ اللّه لطيفٌ

بعبادِه فِي اِخْراجِ النَّباتِ بالماء خَبِيْرٌ بما في قلوبهم عند تاخير المَطرِ لَهُ ما فى السَّمٰوٰت وَمَا فِي الاَرْضِ ط على جِهةِ المِلْكِ وانّ اللّٰه لَهُوَ الغَنِيُّ عن عبادِه الحَمِيْدُ لاوليائه

ترجمہ

اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا یعنی اس کی طاعت میں مکہ سے مدینہ کی طرف (ہجرت کی) پھر وہ شہید کر دیئے گئے یا اپنی موت مر گئے اللہ تعالیٰ ان کو بہترین رزق عطا فرمائے گا، وہ جنت کا رزق ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے، یعنی عطا کرنے والوں میں بہتر عطا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس کو پسند کریں گے اور وہ جنت ہے مُدخلا میم کے ضمہ کے ساتھ اور اس کے فتحہ کے ساتھ، داخل کرنا یا داخل کرنے کی جگہ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں سے واقف ہے ان کو سزا دینے کے معاملہ میں حلیم ہے، بات ایسی ہے جیسی کہ ہم نے تم کو سنائی، اور جس مومن نے بدلہ لیا (ظالم سے) اسی کے برابر جو (ظلم مشرکین کی جانب سے) اس کے ساتھ کیا گیا تھا، یعنی ان کے ساتھ اسی طرح قتال کیا جس طرح انہوں نے ماہ محرم میں مومنین کے ساتھ قتال کیا تھا، پھر اس کے ساتھ زیادتی کی جائے مشرکین کی جانب سے یعنی اس کو اس کے گھر سے نکال کر اس پر ظلم کیا گیا، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کو بہت معاف کرنے والا اور درگذر کرنے والا ہے، شہر حرام میں ان سے قتال کرنے کو اور یہ مدد اس وجہ سے ہوگی کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے یعنی ایک کو دوسرے میں داخل کر دیتا ہے بایں طور کہ ہر ایک میں اضافہ کر دیتا ہے اور یہ ایلاج اس کی قدرت کی دلیل ہے جس کے ذریعہ نصرت ہوتی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنین کی دعا کو سننے والا ہے اور ان کے احوال کو دیکھنے والا ہے اس طریقہ پر کہ ان کو مومن بنایا پھر ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور یہ نصرت بھی اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور بلاشبہ جس کو یہ لوگ یعنی تم لوگ اس کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور وہ بت ہیں وہ باطل ہے زائل ہونے والا ہے اور بلاشبہ اللہ ہی ہر شئی پر عالی ہے اپنی قدرت کے اعتبار سے اور بہ عظمت والا ہے کہ اس کے سوا اس کی عظمت کے سامنے ہر شئی ذلیل ہے کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی جس سے زمین نباتات کے ذریعہ سرسبز ہوگئی اور یہ اس کی قدرت کا اثر ہے، بے شک اللہ تعالیٰ پانی کے ذریعہ نباتات پیدا کرنے میں اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اور بارش کی تاخیر کی صورت میں جو خیالات بندوں کے دلوں میں آتے ہیں ان سے باخبر ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کی ملک ہے اور بے شک اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کا محتاج نہیں اور اپنے اولیاء کی تعریف کا سزاوار ہے۔

تحقیق و ترکیب و تفسیری فوائد

قوله والذین هاجروا مبتدا ہے لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ اس کی خبر ہے وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا اگرچہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا

میں داخل ہیں، مگر ان کی عظمت شان کی وجہ سے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے گویا کہ یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے، لَیَرْزُقَنَّھُمْ قسم محذوف کا جواب ہے ای واللّٰہ لیرزقنّھم قسم اور جواب قسم مل کر جملہ ہوکر والذین ھاجروا کی خبر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ قسمیہ مبتداء کی خبر واقع ہوسکتا ہے رِزْقًا حَسَنًا لَیَرْزُقَنَّھُمْ کا مفعول ثانی ہے اور لیرزقنّھم کا مفعول مطلق برائے تاکید بھی ہوسکتا ہے **قولہ** خیرُ الرازقین کے بعد افضل المعطین کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خیرٌ اسم تفضیل اسم تفضیل ہی کے معنی میں ہے قرآن پاک میں عام طور پر اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے مگر یہاں ایسا نہیں ہے، اول تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا رزق مخصوص ہے جس پر کوئی دوسرا قادر نہیں ہے، اور رزق میں یہی اصل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بظاہر غیر اللہ جو رزق دیتا ہے وہ اللہ ہی کے عطا کردہ رزق میں سے دیتا ہے، تیسری بات یہ کہ غیر اللہ جو رزق دیتا ہے اس کا مقصد طلب عوض ہوتا ہے کم از کم اجر آخرت ہی سہی، اور اللہ تعالیٰ کا جو رزق ہوتا ہے وہ محض بطور احسان ہوتا ہے، **قولہ** لَیُدْخِلَنَّھُمْ یہ لَیَرْزُقَنَّھُمْ سے بدل بھی ہوسکتا ہے اور جملہ مستانفہ بھی **قولہ** مُدْخَلًا یہ باب افعال کا مصدر ہے ای اِدْخالًا ومُدْخلًا اس صورت میں یہ لَیُدْخِلنّھم کا مفعول مطلق ہوگا اور اس کا مفعول بہ محذوف ہوگا ای لَیُدْخِلَنَّھُمْ الجنّۃ اِدخالًا یرضونہٗ اور فتحہ میم کے ساتھ ظرف مکان ہوگا ای موضع دخول اس صورت میں مُدْخَلًا ہی لیُدخلنّھم کا مفعول فیہ ہوگا ای لیُدخلنّھم مکانا یرضونہٗ ، **قولہ** ذٰلک یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای الامرُ ذٰلک یعنی مومنین وکافرین سے جو وعدے ہیں وہ اپنی جگہ پر صحیح اور برحق ہیں، جب ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف انتقال مطلوب ہوتا ہے تو اس وقت اَلْاَمْرُ ذٰلک بولتے ہیں **قولہ** وَمَنْ عَاقَبَ یہ تعاقب سے ماخوذ ہے جس کے معنی محیئ الشیئ بعد الشیئ ای جازَ **قولہ** ای قاتلھم کما قاتلوہ فی الشھر المحرم مفسر کے اس قول میں آیت کے شان نزول کی طرف اشارہ ہے، مقاتلؒ نے کہا ہے کہ مذکورہ آیت مشرکین مکہ میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس کی مڈبھیڑ مسلمانوں کی ایک جماعت سے ہوگئی تھی، حالانکہ ابھی ماہ محرم کے ختم ہونے میں دو روز باقی تھے مشرکین نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اصحاب محمد شہر حرام میں قتال کو ناپسند کرتے ہیں حملہ کردیا، مسلمانوں نے شہر حرام میں جنگ نہ کرنے کے لئے مشرکین کو قسم دی مگر انہوں نے ایک نہ سنی، مجبوراً مسلمان بھی ان کے مقابلہ میں ڈٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین پر غلبہ عطا فرمایا، شہر حرام میں قتال کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں ایک قسم کی خلش اور وسوسہ باقی تھا اگرچہ مسلمانوں نے بدرجہ مجبوری شہر حرام میں قتال کیا تھا، اسی وسوسہ کو زائل کرنے کے لئے مذکورہ آیت نازل ہوئی، ظلم کا بدلہ لینے کو عاقب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یہ مجازاً مشاکلت کے طور پر کیا گیا ہے، جیسے جزاء السیئۃ سیئۃ میں کہا گیا ہے، یا یہ تسمیہ السبب باسم المسبب کے قبیل سے ہے، یعنی مشرکین کا ظلم ان سے انتقام لینے کا سبب بنا **قولہ** وَمَنْ عَاقَبَ مبتدا ہے لَیَنْصُرَنَّہٗ اس کی خبر ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب مَنْ موصولہ ہو اور یہ بھی صحیح ہے کہ

من شرطیہ ہو اور لینصُرنّهُ اس کی جزاء ہو قوله ذٰلك النصر مبتدا ہے اور بأن اللّٰہ یولج اللیل (الآیۃ) اس کی خبر ہے قوله ذٰلك من اثر قُدرته یعنی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنا یہ اس کی قدرت کا اثر ہے، اسلئے کہ نصرت قدرت کے بغیر نہیں ہوسکتی قوله فتُصْبِحُ رفع کے ساتھ اس کا عطف انْزَلَ پر ہے، اس صورت میں به عائد محذوف ہوگا ای فتُصْبِحُ به اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فاسَبیہ ہو نہ کہ عاطفہ اس صورت میں تقدیر عائد کی ضرورت نہ ہوگی

سوال فتُصبِحُ جواب امر واقع ہے لہٰذا اس کو منصوب ہونا چاہئے حالانکہ فتُصْبِحُ مرفوع ہے۔

جواب یہ استفہام تقریری بمعنی خبر ہے یعنی اَلَمْ تَرَ قد رأیت کے معنی میں ہے اور استفہام بمعنی خبر امر کا جواب نہیں ہوتا

اب رہا یہ سوال کہ صیغہ ماضی کے بجائے مضارع کا صیغہ استعمال کرنے کی کیا وجہ ہے؟ یعنی فتُصبِحُ کے بجائے فاصْبحتْ کیوں نہیں کہا؟

جواب یہ ہے کہ مضارع کا صیغہ بقاءِ اثر مطر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مطلوب اور محمود ہے بخلاف ماضی کے صیغہ کے

تفسیر وتشریح

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا اس سے پہلے عام مؤمنین کے انجام کا ذکر تھا، اب یہاں ایک ممتاز جماعت کا خصوصی ذکر فرمایا یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت مریں دونوں صورتوں میں اللہ کے یہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی، کھانا پینا رہنا سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہوگا، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوں گے، اور کن لوگوں نے خالص اللہ کے لئے اپنا گھر بار ترک کیا ہے، ایسے مجاہدین ومہاجرین کی فروگذاشتوں پر حق تعالیٰ تحمل فرمائیں گے، اور شان عفو سے کام لیں گے، علیم وحلیم کی صفات اسی غرض کے لئے ذکر کی گئی ہیں۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَاعُوقِبَ یعنی مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے پھر از سرنو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم باقی رہے گا، حق تعالیٰ پھر اس کی مدد فرمائیں گے جیسا کہ اس کا دستور ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کرتا ہے واتقِ دعوة المظلوم فانّهٗ لیس بینهما وبین اللّٰہ حجاب۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعاء کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

ذٰلكَ بانَّ اللّٰہ یولج اللیل فی النهار ماقبل کی آیت میں مظلوموں کی نصرت کا ذکر تھا اور نصرت وہی کرسکتا ہے جو نصرت پر قادر ہو اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ذکر فرمارہے ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ اتنی بڑی قدرت والا ہے

کہ رات دن کو الٹ پٹ کرنا اوران کو گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں، پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک مظلوم قوم یا شخص کی مدد کر سکے، بلکہ ظالموں پر غالب اور مسلط کردے اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں تبدیل کر دیتا ہے، اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کردے گا وَأَنَّ اللّٰه سميع بصير یعنی مظلوم کی فریاد سنتا ہے اور ظالم کے کرتوت دیکھتا ہے دلك النصر بأن اللّٰه هو الحق یعنی ایسے عظیم الشان انقلابات معبود برحق کے سوا اور کس سے ہو سکتے ہیں واقع میں صحیح اور سچا خدا وہی ایک ہے باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط جھوٹ اور باطل ہیں، اسی کو خدا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ انزل جس طرح اللہ تعالیٰ خشک اور مردہ زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز و شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح کفر کی خشک اور ویران زمین کو اسلام کی بارش سے سبزہ زار بنادے گا اور یہ کام اس کی قدرت کے لئے کوئی بڑا کام نہیں ان اللّٰه لطيف خبير وہی جانتا ہے کہ بارش کے پانی سے کس طرح سبزہ اُگ آتا ہے قدرت خداوندی اندر ہی اندر ایسی تدبیر و تصرف کرتی ہے کہ خشک زمین پانی کے اجزاء کو جذب کر کے سرسبز اور شاداب ہو جائے، اسی طرح وہ اپنی مہربانی، لطیف تدبیر و تربیت اور کمال خبرداری و آگاہی سے قلوب بنی آدم کو فیوض اسلام کی بارش برسا کر سرسبز و شاداب بنادے گا لهُ ما في السموات وما في الارض یعنی زمین و آسمان کی تمام چیزیں جب اسی کی مملوک و مخلوق ہیں اور سب کو اسی کی احتیاج اور وہ کسی کا محتاج نہیں تو ان میں جس طرح چاہے تصرف اور رد و بدل کرے کوئی مانع اور مزاحم نہیں ہو سکتا، البتہ غنائے تام اور اقتداء کامل سے کرتا وہی ہے جو سراپا حکمت و مصلحت ہو اس کے تمام افعال محمود ہیں اور اس کی ذات تمام خوبیوں اور صفات حمیدہ کی جامع ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الارضِ من البهائم والفُلكَ السُّفُنَ تَجْرِىْ فِي البَحْرِ لِلرُّكُوبِ والحملِ بِاَمْرِهٖ بِإذْنِه وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ مِنْ اَنْ اولِئَلَّا تَقَعَ عَلَى الاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِه فَتهلِكُوْا اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ في التسخيرِ والإمساكِ وَهُوَ الَّذِىْٓ اَحْيَاكُمْ بالِانشاءِ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ عند انتهاءِ آجَالِكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ عِنْدَ البَعْثِ اِنَّ الْاِنْسَانَ اى المُشْرِك لَكَفُوْرٌ لِنِعَمِ اللّٰهِ بِتَرْكِه تَوْحِيْدَهٗ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا بِفتحِ السِّينِ وَكَسْرِهَا شَرِيْعَةً هُمْ نَاسِكُوْهُ عامِلُوْنَ به فَلَا يُنَازِعُنَّكَ يُرَادُ بِه لَاتُنَازِعْهُمْ فِي الامرِ اَمْرِ الذَّبِيْحَةِ اِذْ قَالُوْا مَا قَتَلَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَاْكُلُوهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ وادْعُ اِلَى رَبِّكَ اى اِلَى دِيْنِه اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى دِينٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَاِنْ جَادَلُوْكَ فى اَمْرِ الدينِ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وهذا قبلَ الاَمْرِ بِالقِتَالِ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بينكم ايها

المؤمنون والكافرون يوم القيمة فيما كنتم فيه تختلفون بان يقول كل من الفريقين خلاف قول الآخر الم تعلم الاستفهام فيه للتقرير ان الله يعلم ما في السماء والارض ان ذلك اى ما ذكر في كتاب هو اللوح المحفوظ ان ذلك اى علم ما ذكر على الله يسير سهل ويعبدون اى المشركون من دون الله مالم ينزل به هو الاصنام سلطنا حجة وماليس لهم به علم انها الهة وما للظالمين بالاشراك من نصير يمنع عنهم عذاب الله واذا تتلى عليهم آيتنا من القرآن بينت ظاهرات حال تعرف في وجوه الذين كفروا المنكر اى الانكار لها اى اثره من الكراهة والعبوس يكادون يسطون بالذين يتلون عليهم آيتنا اى يقعون فيهم بالبطش قل افانبئكم بشر من ذلكم اى باكره اليكم من القرآن المتلو عليكم هو النار وعدها الله الذين كفروا بان مصيرهم اليها وبئس المصير هي

ترجمہ

(اے مخاطب) کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاموں میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں و حیوانات میں سے اور کشتیوں کو کہ وہ دریا میں بار برداری اور سواری کے لئے اس کے حکم سے چلتی ہیں، اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے (یہ تھامے ہوئے ہے تاکہ نہ گرے کہ سب ہلاک ہو جائیں) ہاں مگر یہ کہ گرنے کا حکم ہو جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر تسخیر و امساک میں بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے وہ وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پیدا کر کے پھر تم کو موت دے گا تمہاری مدت عمر پوری ہونے کے بعد پھر تم کو زندہ کرے گا بعث کے وقت واقعی مشرک انسان خدا کی نعمتوں کا اس کی توحید کو ترک کر کے بڑا ناشکرا ہے اور ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ بندگی کا یعنی شریعت مقرر کر دی ہے وہ اسی (طریقہ) شریعت پر عامل تھے **مَنسَكًا** سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ ذبح کے معاملہ میں آپ سے نزاع نہ کریں اور **فلا ينازعنك** سے **لا تنازعهم** مراد ہے (یعنی مضارع منفی سے نہی) اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ جس کو اللہ نے قتل کیا ہو وہ **کھائے جانے** کے زیادہ لائق ہے اس سے کہ جس کو خود تم نے قتل کیا ہے اور آپ اپنے رب یعنی اس کے دین کی طرف دعوت دیتے رہئے، بلاشبہ آپ صحیح دین پر ہیں اور اگر یہ لوگ دین کے معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے وہ تم کو اس کی سزا ضرور دے گا، (عدم قتال کی) یہ ہدایت آپ کو جہاد کا حکم دینے سے پہلے کی ہے، اے مومنو اور کافرو! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو اس طریقہ پر کہ دونوں فریقوں میں سے ہر فریق دوسرے فریق کے برخلاف کہتا ہے (کیا اے مخاطب) تو نہیں جانتا یہ

استفہام تقریری ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے یقیناً یہ جو کچھ مذکور ہوا لوح محفوظ میں محفوظ ہے بے شک یہ یعنی مذکور کا علم اللہ کے لئے آسان ہے اور مشرک اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جن کے بارے میں اس نے کوئی حجت نازل نہیں کی وہ بت ہیں اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے کہ یہ معبود ہیں اور شرک کے ذریعہ ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا کہ ان سے عذاب کو دور کر سکے اور جب ان لوگوں کو ہماری واضح قرآنی آیتیں سنائی جاتی ہیں بینات بمعنی ظاہرات حال ہے تو آپ ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دیکھتے ہیں یعنی ان آیتوں کے انکار (کے اثر کو) جو کہ وہ کراہت اور ترشروئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کردیں گے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں یعنی قریب ہے کہ سختی سے پکڑ لیں، آپ کہہ دیجئے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ ناگوار چیز بتادوں؟ یعنی تم کو قرآن سنانے سے بھی زیادہ ناگوار چیز، وہ دوزخ ہے اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہوا ہے یہ کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ تَرَ اصل تَرِیْ تھا، یہ رویت سے مشتق ہے لم داخل ہونے کی وجہ سے آخر سے ی حرف علت ساقط ہوگئی تَرَ کی تفسیر تَعْلَمْ سے کر کے اشارہ کردیا کہ رویت سے رویت قلبی مراد ہے سَخَّرَ یہ تَسْخِیْر سے **ماضی کا صیغہ** ہے بمعنی ذَلَّلَ مسخر کرنا، کام میں لگانا، بس میں کرنا، زبردستی کسی خاص کام میں لگادینا **قولہ** **والفُلْکَ مافی الارض** پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے **قولہ** **تجری فُلْکَ** سے حال ہے اللّٰہُ پر بھی عطف ہوسکتا ہے اس صورت میں اَلَمْ تَرَ اَنَّ الفُلْکَ تَجْرِیْ کے تحت میں ہوگا اور **تجری فی البحر** اَنَّ کی خبر ہوگی، اور فُلْکَ کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے **اگر قُفْلٌ** کے وزن پر مانیں تو واحد ہوگا اور اگر بُدْنٌ یا اُسْدٌ کے وزن پر فرض کریں تو جمع ہوگا **قولہ** مِنْ (اَنْ) او لئلاّ (تقع) اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد اَنْ تقعَ کے اعراب کی طرف اشارہ کرنا ہے، اَنْ تَقَعَ یا محل جر میں ہے اور حرف جر محذوف ہے ای من ان تقع اور تقع اَنْ مصدریہ کی وجہ سے **وقوع** کے معنی میں ہے یا محل نصب میں ہے یا تو اس لئے کہ السماء سے بدل ہے بدل الاشتمال ای **یمنعُ وقوعَهَا** اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بصریین کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہے **یمسك السماء کراھةَ اَنْ تَقَعَ** اور کوفیین کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہے **یمسكُ السماءَ لئلاَّ تقعَ** مفسر علام نے احتمال اول اور ثالث کو ذکر کیا ہے **قولہ** اِلّاَ باذنہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے عموم احوال سے مگر یہاں یہ شبہ ہوگا کہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں واقع نہیں ہوتا اور یہاں مستثنیٰ منہ جو کہ یمسك السماء ہے کلام موجب ہے، اس شبہ کا جواب یہ ہوگا کہ **یُمْسِكُ السماء ان تقعَ علی الاَرْضِ** قوت میں نفی کے ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَاَ

یَترُکُھَا تَقع فی حالة مِنَ الاَحوالِ اِلاَّ فِی حالِهِ کونها مُتلَبِّسَةً بمشیة اللّٰه تعالی، بادنہ میں یا ملابست کے لئے ہے، **قولہ** هو الذی اَحیاکُمْ قال الحنید قدس سرُّہٗ اَحیاکم بمعرفة ثُمَّ یُمیتُکُمْ باوقات الغفلة والفَترَة ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ بالجَذْبِ بَعْدَ الفترة **قولہ** لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعلْنا مَنسکا یہاں امت سے وہ امت مراد ہے جس کے پاس ملت آسانی اور کسی نبی کی شریعت ہو نہ کہ مشرکین وکفار، اس پر لفظ جعلنا دلالت کر رہا ہے مفسر علام نے منسک کی تفسیر شریعہ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ النسیکۃ بمعنی عبادت سے ماخوذ ہے لہٰذا منسک کو موضع عبادت یاوقت عبادت پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اسی معنی پر ناسکوہ دلالت کررہا ہے اگر موضع یا وقت کے معنی مراد ہوتے تو ناسکون فیہ کہا جاتا، اس لئے کہ عامل ظرف کی ضمیر کی طرف متعدی ہوتا ہے **قولہ** لاینازِعُنَّکَ کی تفسیر لاتُنازِعُهم سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقصد آپ کو دیگر اہل مِل کے ساتھ منازعت سے منع کرنا ہے اور یہ بطور کنایہ ہے اس لئے کہ منازعت طرفین سے ہوتی ہے، آپ کو ترک نزاع کے حکم سے مقصد ان کی باتوں کی طرف التفات نہ کرنے کا حکم کرنا ہے اور جب آپ ان کی باتوں کی طرف التفات نہ کریں گے تو منازعت خود ہی ختم ہوجائے گی، ایک فریق کو منع کرنا یہ کنایۃً فریق ثانی کو منع کرنا ہے **قولہ** فِی الامر مفسر علام نے امر سے ذبیحہ مرادلیا ہے خطیب نے کہا ہے کہ یہ آیت بدیل بن ورقہ اور بشر بن سفیان اور یزید بن خنیس کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا مالکم تاکلون مما تقتلون ولا تاکلون مما قتله اللّٰه تعالی یعنی تم خود مار کر کھاتے ہو اور خدا کا مارا ہوا (مردار) نہیں کھاتے ہو مفسر علام کا فی الامر کی تشریح ذبح سے کرنا مقام کے موافق نہیں ہے بلکہ یہاں مطلقاً احکام شریعہ مراد ہیں ورنہ تو اس سے لازم آئے گا کہ سابقہ ملتوں میں مردار کھانا مشروع تھا **قولہ** مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ ماموصولہ ہے اور یعبدون کا مفعول بہ ہے **قولہ** یکادُ یسطُون یہ جملہ حالیہ ہے یا تو الذین سے مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ الذین مضاف الیہ ہے اور مقصود مضاف ہوتا ہے تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونا کس طرح درست ہوگا، جواب یہ ہے کہ مضاف چونکہ مضاف الیہ کا جز ہے لہٰذا مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست ہے یا پھر وجوہ سے حال ہے اور وجہٌ سے صاحب وجہ مراد ہوگا، مفسر علام نے یسطون کی تفسیر بطش سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یسطون یبطشون کے معنی کو متضمن ہے، یہی وجہ ہے کہ یسطون کا صلہ با درست ہے ورنہ تو یسطون کا صلہ علیٰ آتا ہے، **قولہ** هو النار، النار هو مبتدا محذوف کی خبر ہے، اس صورت میں وقف ذلکم پر ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ النار مبتدا اور وعدها اللّٰه اس کی خبر اس صورت میں وقف الذین کفروا پر ہوگا۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ (الآیہ) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری یا کسی کی کیا پرواہ تھی، مگر پھر بھی اس کی شفقت اور مہربانی دیکھو کہ

کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے تابع کر دیا پھر اس نے اپنے دست قدرت سے آسمان چاند سورج اور ستاروں کو اس فضاء ہوائی میں بغیر کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنے محور اور مدار سے ایک انچ نہیں ہٹ سکتے اور نہ ہٹیں گے جب تک کہ اس کا حکم نہ ہو الا باذنه کا استثناء محض اثبات قدرت کی تاکید کے لئے ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ قیامت کی طرف اشارہ ہو۔

وهو الذی احیاکم اسی طرح جو قوم کفر و جہل کی وجہ سے روحانی موت مر چکی تھی اس کو ایمان اور معرفت کی روح سے زندہ کرے گا، **قوله** لِكُلِّ اُمَّةٍ جعلنا مَنسَكًا یہاں امت سے ہر وہ امت مراد ہے جو ملت سماوی کے تابع ہو یعنی ہر امت کے لئے شریعت الگ الگ متعین کی گئی ہے جس امت کے لئے جو قانون شریعت متعین کیا گیا ہے اس کے لئے اسی پر عمل کرنا لازم ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک امت ہے ان کی شریعت تورات تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک امت ہے ان کا قانون شریعت انجیل تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سے قیام قیامت تک ایک امت ہے، اس کے لئے قانون شریعت اور دستور العمل قرآن کریم ہے لہٰذا ان امتوں کو چاہئے کہ آپ سے احکام شریعت میں تنازع نہ کریں یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان کی شریعت باقی ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں، تشریح مذکور کی روشنی میں مفسر علام کا فلاینازعنك فی الامر کی تفسیر امر الذبیحہ الخ سے کرنا سابقہ تشریح سے مطابقت نہیں رکھتا، اس لئے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اکل میتہ شرائع سابقہ کے منجملہ احکام سے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے بعض امتوں کے لئے مشروع کیا، حالانکہ بات یہ نہیں ہے لہٰذا آیت کی تشریح جو سابق میں کی گئی ہے وہی مناسب معلوم ہوتی ہے **قوله** وهذا قبل الامر بالقتال یعنی وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْن منسوخ آیت قتال سے، یہ ایک قول ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آیت محکم ہے (منسوخ نہیں ہے) اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے ساتھ بحث و مباحثہ ترک کرو اور معاملہ کو اللہ اعلم کہہ کر اللہ کے حوالہ کرو۔

ویعبدون من دون اللّٰه سب سے بڑا ظلم اور ناانصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے ایسے ظالموں اور ناانصافوں کو خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے شرکاء مصیبت پڑنے پر ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اور نہ اور کوئی اس وقت مدد کرے گا

قوله وعدها اللّٰه الذین کفروا وَعَدَ یہ متعدی بدو مفعول ہے ها ضمیر مفعول ثانی مقدم ہے الذین کفروا مفعول اول مؤخر ہے، اس کا عکس بھی درست ہے، مفسر علام نے اپنے قول بانّ مصیرَهُمْ الیها سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ جعل الذین کفروا کو موعود بہ اور النار کو موعود قرار دیا ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ ای اهل مکة ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وهو اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ای غیرہ وھُم الاصنامُ لَن یَخلُقوا ذُبَابًا اسم جنسٍ واحدہ ذُبابۃٌ یقع علی المذکر والمؤنث وَّلو اجتَمَعُوا لَہٗ ای لِخلقہ وان یَّسلُبھُمُ الذُّبابُ شیئًا مِمّا علیھم من الطِّیب والزعفران ملطخین بہ لَّا یَستَنقِذُوہُ یستردُّوہُ منہٗ لعجزھم فکیف یعبدون شرکاء اللّٰہ تعالٰی ھٰذا امرٌ مُستَغرَبٌ عُبِّر عنہ بضربِ مثلٍ ضَعُفَ الطَّالِبُ العابدُ والمَطلُوبُ المعبُودُ ماقدرُوا اللّٰہ عَظَّمُوہ حَقَّ قَدرِہٖ عَظمتہ اذ اشرکُوا بہ مالم یمتنع من الذُّباب ولاینتصفُ منہ اِنَّ اللّٰہ لَقوِیٌّ عَزِیزٌ غالب اللّٰہُ یَصطفِی مِنَ المَلٰٓئِکۃ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ رسلا نزل لما قال المشرکون ءَاُنزِل عَلَیہِ الذکرُ من بیننا اِنَّ اللّٰہ سمیعٌ لمقالتِھم بَصِیرٌ بمن یتخذُہٗ رُسُلًا کجبریل ومیکائیل وابراھیمَ ومحمدٍ وغیرھم صلی اللّٰہ علیھم وسلم یَعلَمُ ما بَینَ اَیدِیھِم وما خَلفَھُم ای ما قَدَّمُوا وما خَلّفُوا او ما عَمِلُوا وماھم عاملون بعدُ والَی اللّٰہ تُرجَعُ الاُمُورُ یٰاَیُّھا الَّذِینَ اٰمَنُوا ارکَعُوا وَاسجُدُوا ای صلُّوا واعبُدُوا رَبَّکُم وحّدوہ وافعَلُوا الخَیرَ کصلۃ الرَّحِم ومکارم الاخلاق لَعَلَّکُم تُفلِحُونَ تفوزُون بالبقاء فی الجنۃ وجاھِدُوا فِی اللّٰہ لاقامۃ دینہ حَقَّ جِھَادِہٖ باستفراغ الطَّاقۃ فیہ ونصبُ حقَّ علی المصدر ھُوَ اجتَبٰکُم اختارکم لدینہ وما جعل عَلَیکُم فِی الدِّینِ مِن حَرَجٍ ای ضیقٍ بان سھّلہ عند الضرورات کالقصر والتیمُّم واکل المیتۃ والفطر للمرض والسَّفَر مِلَّۃَ اَبِیکُم منصوب بنزع الخافض الکاف اِبرٰھِیمَ عطف بیان ھُوَ ای اللّٰہ سَمّٰکُمُ المُسلِمِینَ مِن قَبلُ ای قبل ھٰذا الکتاب وفِی ھٰذا ای القرآن لِیَکُونَ الرَّسُولُ شَھِیدًا عَلَیکُم یومَ القِیٰمۃ اَنَّہٗ بلّغکم وتَکُونُوا اَنتُم شُھَدَآءَ علی النَّاسِ اَنَّ رُسُلھم بلّغتھُم فاَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ داوِمُوا علیھا وآتُوا الزَّکٰوۃَ واعتَصِمُوا بِاللّٰہ ثقُوا بہ ھُوَ مَولٰکُم ناصرکم ومتولّی اُمُورِکُم فَنِعمَ المَولٰی ھو وَنِعمَ النَّصِیرُ ای الناصر ھو لکم۔

ترجمہ

اے لوگو! یعنی مکہ والو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو اور وہ بات یہ ہے کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو یعنی بندگی کرتے ہو غیر اللہ کی وہ بت ہیں وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے ذباب اسم جنس ہے اس کا واحد ذبابہ ہے اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے گو اس تخلیق کے لئے سب کے سب جمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لیجائے اس میں سے جو ان پر خوشبو اور زعفران لگی ہوئی ہے (جس میں وہ لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں) تو اس کو وہ ان سے واپس نہیں لے سکتے ان کے عاجز ہونے کی وجہ سے، پھر کیوں بندگی

کرتے ہیں (ان کی) اللہ کا شریک سمجھ کر یہ بات چونکہ عجیب ہے اسی لئے اس کو ضرب مثل سے تعبیر کیا گیا ہے ایسا طالب عابد بھی ضعیف اور مطلوب معبود بھی ضعیف ان لوگوں نے جیسی اللہ کی تعظیم کرنی چاہئے تھی ویسی نہ کی جب کہ اس کے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرایا کہ جو مکھی سے (اپنی) حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ اس سے اپنا حق لے سکتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے پیغام رسانی کے لئے منتخب کر لیتا ہے (یہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے کہا کہ کیا ہم میں سے اسی پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والا جاننے والا ہے اس کو کہ جس کو رسول بناتا ہے جیسا کہ (فرشتوں میں سے) جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کو (انسانوں میں سے) ابراہیمؑ اور محمدؐ وغیرہ کو وہ ان کی آئندہ اور گذشتہ حالتوں کو خوب جانتا ہے یعنی جو (اعمال) آگے بھیج چکے ہیں اور جو (اعمال) پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور جو اعمال کر چکے ہیں اور جو آئندہ کریں گے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے اے لوگو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو یعنی نماز پڑھا کرو اور اپنے رب کی بندگی کیا کرو یعنی اس کی توحید کا عقیدہ رکھو اور نیک کام کیا کرو جیسا کہ صلہ رحمی اور اچھے اخلاق امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے یعنی جنت میں دائمی بقاء کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ گے اور اللہ کے کام میں اس کے دین کے قیام کے لئے خوب کوشش کیا کرو، اپنی پوری کوشش کو اس میں صرف کر کے اور حقَّ کا نصب مصدریۃ کی وجہ سے ہے اس نے تم کو اپنے دین کے لئے منتخب کیا ہے اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی اس طریقہ پر کہ ضرورت کے وقت دین کو آسان کر دیا جیسا کہ قصر اور تیمم اور اکل میتہ اور مریض ومسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت تمہارے باپ ابراہیم کی ملت کے مانند ملۃ حرف جر کاف کو حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہے ابراہیم ابیکم سے عطف بیان ہے اس نے یعنی اللہ نے تمہارا نام پہلے ہی سے (یعنی اس کتاب کے نزول) سے پہلے ہی مسلمان رکھا ہے اور اس میں بھی یعنی قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے لئے قیامت کے دن گواہ ہوں کہ اس نے تم کو پیغام پہنچا دیا اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو کہ ان کے رسولوں نے (پیغام) ان کے پاس پہنچا دیا تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑو یعنی اسی پر بھروسہ کرو وہ تمہارا مولیٰ یعنی مددگار اور تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے وہ؟ اور تمہارے لئے کیسا اچھا ناصر ہے؟

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ای اهل مكة اس آیت کا تعلق ماقبل کی آیت **ویعبدون من دون اللّٰه** (الآیۃ) سے ہے، اس آیت میں خطاب اگرچہ اہل مکہ سے ہے مگر مراد ہر وہ شخص ہے جو غیر اللہ کی بندگی کرتا ہے، **ضُرِبَ مثلاً**، مثلاً سے مراد امر عجیب ہے، اور وہ امر عجیب شرک وبت پرستی کی حماقت کو ایک واضح مثال سے بیان کرنا ہے کہ یہ بت جن کو تم اپنا

کارساز سمجھتے ہو یہ تو ایسے بے کس اور بے بس ہیں کہ سب مل کر بھی ایک مکھی جیسی حقیر چیز پیدا نہیں کر سکتے اور پیدا کرنا تو بڑا کام ہے تم روزانہ ان کے سامنے مٹھائی اور کھانوں کے چڑھاوے چڑھاتے ہو اور مکھیاں ان کو کھا جاتی ہیں ان سے اتنا تو ہوتا نہیں کہ مکھیوں سے اپنی چیز ہی کو بچالیں یہ تمہیں کسی آفت سے کیا بچائیں گے اسی لئے آخر آیت میں ان کی اس جہالت اور بے وقوفی کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے ضعف الطالب والمطلوب **قوله** **ولو اجتمعوا له** یہ جملہ محل حال میں واقع ہے، ای انتفٰی خلقهم الذباب علٰی کل حال ولَو فی حالِ اجتماعهم **قوله** وَاِنْ یسلبهُم الذبابُ شیئًا یسلب متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول هُمْ اور ثانی شیئًا ہے مُلَطَّخون یہ لطخ سے مشتق ہے آلودہ کرنا ملنا، لتھیڑنا ملطخون دراصل طیب وا لزعفران کی صفت سببی ہے لہٰذا ملطخون کے بجائے ملطخین ہونا چاہئے جیسا کہ ظاہر ہے (جمل) **قوله** عُبِّرَ عنه بضرب مثلٍ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ضرب مثل کے نام سے جو بیان کیا گیا وہ مثل نہیں ہے تو پھر اس کو مثل کیوں کہا گیا ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ واقعہ عجیبہ نیز عمدہ اور عجیب وغریب مضمون کو بھی مثل سے تعبیر کر دیتے ہیں **قوله** ومن الناس رُسُلاً، رُسُلاً محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ آیت میں حذف ہے ثانی کو اول پر قیاس کرتے ہوئے رُسُلاً کو حذف کر دیا گیا ہے **قوله** حَقَّ جهادهٖ اصل میں جهاداً حقا ہے یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے **قوله** هُوَ ای اللّٰه سمّٰکم المسلمین هُوَ کے مرجع میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع ابراہیم ہوں اور دوسرا یہ کہ اس کا مرجع اللہ ہو مفسر علام نے هُوَ کے بعد اللہ محذوف مان کر ثانی احتمال کو راجح قرار دیا اور قرینہ وفی هذا القرآن ہے اس لئے کہ قرآن میں مسلمان نام رکھنا یہ اللہ کا کام ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّهَا النَّاسُ ای اهل مکة یہ توحید کے مقابلہ میں شرک کی شناعت وقباحت ظاہر کرنے کے لئے مثال بیان فرمائی ہے جس کو کان لگا کر سننا اور سمجھنے کے لئے غور وفکر کرنا چاہئے تاکہ ایسی ذلیل اور رکیک حرکت سے باز رہو اور مثل سے یہاں مثل سائر مراد نہیں ہے بلکہ عمدہ اور عجیب وغریب مضمون بیان کرنا مراد ہے، مکھی جو کہ بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ انفرادی طور پر تو کیا سب مل کر بھی اتنی قدرت نہیں رکھتے کہ ایک مکھی پیدا کر سکیں یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کچھ لیجائے تو اس سے واپس لے سکیں ان کو خالق السموات والارضین کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی اور حماقت اور شرمناک گستاخی ہے، سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور اور مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور بتوں سے زیادہ ان کا پوجنے والا کمزور جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو بنا معبود اور حاجت روا بنا لیا۔

سورہ حج کا سجدہ تلاوت

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمنوا (الآیہ) سورہ حج میں ایک آیت تو پہلے گذر چکی ہے جس پر سجدہ تلاوت کرنا بالاتفاق واجب ہے اس آیت پر جو یہاں مذکور ہے سجدہ تلاوت کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اس آیت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا ذکر رکوع وغیرہ کے ساتھ آیا ہے جس سے نماز کا سجدہ ہونا ظاہر ہے، جیسے واسجدی وارکعی مع الراکعین میں سب کا اتفاق ہے کہ سجدۂ نماز مراد ہے اسی طرح آیت مذکورہ پر بھی سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہے ان حضرات کی دلیل ایک حدیث ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ سورہ حج کو دوسری سورتوں پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدہ تلاوت ہیں، امام اعظمؒ کے نزدیک اس روایت کے ثبوت میں کلام ہے

وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ جہاد اور مجاہدہ کسی مقصد کی تحصیل میں اپنی پوری کوشش اور طاقت صرف کرنے کو کہتے ہیں اس میں کفار کے ساتھ قتال میں اپنی امکانی طاقت صرف کرنا بھی شامل ہے اور دیگر دینی امور میں محنت ومشقت برداشت کرنا اور امکانی طاقت وقوۃ صرف کرنا بھی داخل ہے، اسی طرح خواہشات نفسانی کے مقابلہ میں کوشش کرنا بھی جہاد میں شامل ہے، امام بغوی وغیرہ نے اس قول کی تائید میں ایک حدیث بھی حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کی ایک جماعت جو جہاد کفار کے لئے گئی ہوئی تھے واپس آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قَدِمْتُمْ خیر مقدم مِن الجهاد الاصغر إلى الجهاد الأكبر قال (ای الراوی) مجاهدة العبد بهواه رواه البيهقي وقال هذا اسناد فيه ضعف یعنی تم لوگ خوب واپس آئے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف یعنی اپنے نفس کی خواہشات بے جا کے مقابلہ کا جہاد اب بھی جاری ہے، اس روایت کو بیہقی نے روایت کیا ہے مگر کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فی الدین مِن حَرَجٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تمہارے اوپر کوئی نہیں تنگی رکھی، بعض حضرات نے دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس دین میں ایسا کوئی گناہ نہیں کہ جو توبہ سے معاف نہ ہو سکے اور عذاب آخرت سے خلاصی کی کوئی صورت نہ نکل سکے، بخلاف پچھلی امتوں کے کہ ان میں بعض گناہ ایسے بھی تھے کہ جو توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ سخت اور شدید احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد کئے گئے تھے جن کو قرآن کریم میں اِصْرٌ اور اغلال سے تعبیر کیا گیا ہے اس امت پر کوئی ایسا حکم فرض نہیں کیا گیا، بعض حضرات نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ تنگی ہے کہ انسان جس کو برداشت نہ کر سکے اس دین میں کوئی حکم ایسا نہیں کہ جو فی نفسہٖ ناقابل برداشت

ہو، باقی رہی تھوڑی بہت مشقت تو وہ دنیا کے ہر کام میں ہوتی ہے۔

لیکون الرسولُ شہیدًا علَیکُمْ (الآیہ) یعنی آپ محشر میں گواہی دیں گے کہ میں نے اللہ کے احکام اس امت کو پہنچادیئے تھے اور امت محمدیہ اس کا اقرار کرے گی مگر دوسرے انبیاء جب یہ کہیں گے تو ان کی امتیں مکر جائیں گی اس وقت امت محمدیہ شہادت دے گی کہ بے شک تمام انبیاء نے اپنی اپنی قوم کو اللہ کے احکام پہنچادیئے تھے، دوسری امتوں کی طرف سے ان پر یہ جرح ہوگی، کہ ہمارے زمانہ میں تو تمہارا (یعنی امت محمدیہ) کا وجود بھی نہیں تھا تو یہ ہمارے معاملہ میں گواہ کیسے بن سکتے ہیں امت محمدیہ کا ان کی جرح کا جواب یہ ہوگا کہ بے شک ہم موجود نہیں تھے مگر ہم نے یہ بات اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے جن کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں اس لئے ہم یہ گواہی دے سکتے ہیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی، یہ مضمون اس حدیث کا ہے جس کو بخاری وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے۔ (معارف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة المؤمنون

سُورَةُ الْمُؤمنُونَ مكِّيَّةٌ وهِيَ مِائةٌ وثمانَ أو تِسعَ عشَرَةَ آيَةً

سورہ مومنون مکی ہے، اور ایک سو اٹھارہ یا ایک سو انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحمنِ الرَّحِيْمِ قَدْ للتحقيق اَفْلَحَ فاز الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ متواضعون وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مِن الكلام وغيرِه مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ مُؤَدُّوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ عن الحرام اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اى مِن زوجاتِهم اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ اى السَّرارِىّ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ في اِتيانِهِنّ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ اى من الزوجات والسّرارىّ كالاستمناء بِيَدِه فَاُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ المُتجاوزُون اِلى ما لايَحِلُّ لهم وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ جمعًا ومُفردًا وَعَهْدِهِمْ فيما بينهم وبين اللّٰه من صلوةٍ وغيرِها رَاعُوْنَ حافِظُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ جمعًا ومُفردًا يُحَافِظُوْنَ يُقيمُونَها في اَوقاتِها اُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ لاغيرُهم الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هو جَنَّةُ اَعْلَى الجِنان هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ في ذلك اِشارةٌ الى المَعاد ويُناسبُه ذِكْرُ المَبْدَإِ بَعْدَهٗ وَاللّٰهِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ آدمَ مِنْ سُلٰلَةٍ هِيَ مِن سَلَلْتُ الشَّئَ مِنَ الشَّئِ اى اِستخرجتُهُ منه وهو خُلاصَتُهٗ مِّنْ طِيْنٍ مُتعلِّق بسُلالَةٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ اى الإنسانَ نَسْلَ آدمَ نُطْفَةً مَنِيًّا فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ هُوَ الرَّحِمُ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً دَمًا جامِدًا فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً لَحمةً قَدْرَ مَا يُمضَغُ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا وفِيْ قِرَاءَةٍ عَظْمًا فِي المَوضِعَيْنِ وخَلَقْنا فِى المَواضِعِ الثَّلٰثَةِ بمعنى صَيَّرْنا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ بِنَفخِ الرُّوحِ فيه فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اى المُقدِّرِينَ ومُمَيِّزُ اَحْسَنَ مَحذُوفٌ لِلعِلْمِ به اى خَلْقًا ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ لِلْحِسَابِ والجَزاءِ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ اى سَمٰوٰاتٍ جَمعُ طَرِيقَةٍ لِاَنَّها طُرُقُ المَلٰئِكَةِ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ تحتَها غَافِلِيْنَ اَنْ تَسقُطَ عليهم فتُهلِكَهم بل نُمسِكُها كَآيةِ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ من كِفايتِهم فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ فَيَمُوتُونَ مع دوابِّهم عَطَشًا فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ هُمَا اَكثَرُ

فَوَاكِهِ العَرَبِ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاكُلُوْنَ ۝ صَيفًا وشِتَاءً والشانا شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سِينَاءَ جَبَلٌ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا وَمَنْعِ الصَّرْفِ لِلْعَلَمِيَّةِ والتَّانِيْثِ لِلْبُقْعَةِ تَنْبُتُ من الرباعِيِ والثُّلاثِيِّ بِالدُّهْنِ البَاءُ زَائِدَةٌ عَلَى الاَوَّلِ وَمُعَدِّيَةٌ عَلَى الثَّانِي وهِيَ شَجَرَةُ الزَّيْتُوْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ عَطْفٌ عَلَى الدُّهْنِ اى اِدَامٍ يُصْبَغُ اللُّقْمَةُ بِغَمْسِهَا فيه وهو الزَّيْتُ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الاَنْعَامِ الإبلِ والبَقَرِ والغَنَمِ لَعِبْرَةً ط عِظَةً تَعْتَبِرُوْنَ بِهَا نُسْقِيْكُمْ بِفَتْحِ النُّونِ وَضَمِّهَا مِّمَّا فِي بُطُوْنِهَا اى اللَّبَنِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ مِنَ الاَصْوَافِ والاَوْبَارِ والاَشْعارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَّمِنْهَا تَاكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا اى الإبلِ وَعَلَى الْفُلْكِ اى السُّفُنِ تُحْمَلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ

بلاشبہ وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں تواضع اختیار کرنے والے ہیں، قد تحقیق کے لئے ہے اور جو لغو باتوں وغیرہ سے اعراض کرنے والے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں اور جو حرام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بی بیوں سے یا ان عورتوں سے جن کے وہ مالک ہیں یعنی باندیوں سے کیونکہ ان کے پاس آنے میں (جماع کرنے میں) ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو ان کے علاوہ یعنی بی بیوں اور باندیوں کے علاوہ مثلاً استمنا بالید کا طالب ہو تو ایسے لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں یعنی ایسی چیز کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں ہے اور جو اپنی اپنی امانتوں کی امانات جمع اور مفرد دونوں قرأتیں ہیں آپسی (معاملات) اور اپنے اور اللہ کے درمیان عہد و پیمان (مثلاً) نماز وغیرہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی صلوات جمع اور مفرد دونوں قرأتیں ہیں، ان کے اوقات میں پابندی کے ساتھ قائم کرنے والے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں نہ کہ دوسرے جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اعلیٰ درجہ کی جنت ہے (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اس (آیت) میں معاد (انجام) کی جانب اشارہ ہے اس کے بعد مبدا کا ذکر مناسب ہے، قسم ہے ہماری ذات کی کہ ہم نے انسان آدم کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا اور سُلَالة سَلَلْتُ الشيءَ من الشيءِ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا اور وہ جوہر مٹی کا خلاصہ ہے، مِنَ الطين کا تعلق سُلَالةٍ سے ہے، پھر ہم نے انسان یعنی نسل آدم کو نطفہ منی سے بنایا جو کہ ایک محفوظ جگہ میں رہا وہ رحم ہے پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا (یعنی) بستہ خون بنایا، پھر ہم نے خون کے اس لوتھڑے کو چبائے جانے کے لائق (چھوٹی) گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، اور ایک قرأت میں دونوں جگہوں پر (عِظَام کے بجائے) عظمٌ ہے۔ اور خلقنا تینوں جگہوں پر صَيَّرنا کے معنی میں ہے پھر ہم نے اس کو اس میں روح پھونک کر ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر صانع ہے اور خالقین بمعنی مقدرین (اندازہ کرنے والا) ہے اور اَحْسَنَ

کی تمیز خلقًا اس کے معلوم (متعین) ہونے کی وجہ سے محذوف ہے پھر تم اس کے بعد بالیقین مرنے والے ہو پھر تم یقیناً اس کے بعد قیامت کے دن حساب اور جزاء کے لئے اٹھائے جانے والے ہو اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے طرائق بمعنی آسمان ہے اور طرائق طریقة کی جمع ہے اس لئے کہ آسمان فرشتوں کے راستہ ہیں اور ہم آسمان کے نیچے مخلوق سے بے خبر نہ تھے کہ آسمان ان کے اوپر گر جائے پس وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ ہم آسمانوں کو تھامے ہوئے ہیں جیسا کہ ایک آیت میں ہے یُمسکُ السماءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرضِ اور ہم نے (مناسب) مقدار کے ساتھ بقدر کفایت آسمان (بادل) سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس (پانی) کو زمین پر ٹھہرا دیا اور ہم اس (پانی) کو معدوم کر دینے پر بھی قادر ہیں سو سب کے سب معہ اپنے جانوروں کے پیاس سے مرجائیں پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے مذکورہ دونوں چیزیں عرب میں بکثرت پیدا ہونے والے میوے (پھل) ہیں ان میں سے تم کھاتے بھی ہو گرمی اور سردیوں میں اور ہم نے ایک درخت پیدا کیا جو سیناء پہاڑ میں پیدا ہوتا ہے سِینا سین کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے اور غیر منصرف مانا گیا ہے علیت کی وجہ سے اور بقعہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے تانیث کے پائے جانے کی سبب سے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے تنبتُ میں رباعی اور ثلاثی دونوں درست ہیں، پہلی (یعنی رباعی کی) صورت میں با زائدہ ہے، اور دوسری (یعنی ثلاثی کی) صورت میں با تعدیہ کے لئے ہے اور وہ زیتوں کا درخت ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے اس کا عطف الدهن پر ہے یعنی سالن جو رنگ دیتا ہے لقمہ کو اس میں ڈبونے کی وجہ سے اور وہ تیل ہے اور تمہارے لئے مویشیوں میں یعنی اونٹ گائے اور بکریوں میں عبرت ہے، یعنی نصیحت ہے کہ جن سے تم عبرت حاصل کر سکتے ہو، کہ ہم تم کو ان کے جوف کی چیز میں سے یعنی دودھ پینے کے لئے دیتے ہیں نسقیکم نون کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے اور تمہارے لئے ان میں، اور بھی بہت سے فائدے ہیں اون سے اور اونٹوں کے بالوں سے اور گائے (وغیرہ) کے بالوں سے اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور اونٹوں پر اور کشتیوں پر (سوار ہو کر) لدے پھرتے ہو۔

تحقیق ترکیب تفسیری فوائد

قَدْ تحقیق کے لئے ہے یعنی جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ثبات پر دلالت کرتا ہے اسی وجہ سے ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے اور متوقع کو ثابت کر دیتا ہے مومنین چونکہ فضل خداوندی کے امیدوار تھے اس لئے ان کی بشارت کو قد سے شروع فرمایا، اور چونکہ اس بشارت کا وقوع یقینی ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر فرمایا **قوله اَفلحَ** فلاح لغت میں مقصد میں کامیابی اور مکروہات سے نجات کو کہتے ہیں (کمافی ابوسعود) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ **فلاح بقاء فی الخیر** کو کہتے ہیں **قوله للزکٰوة فاعِلُون** زکوٰة معنی مصدری یعنی زکوٰة ادا کرنے اور مال زکوٰة کو کہتے ہیں یہاں معنی مصدری مراد ہیں اس لئے کہ فاعل معنی حدثی کا ہوتا ہے نہ کہ محل فعل کا، یعنی وہ لوگ کامیاب ہوئے جو زکوٰة ادا کرتے

ہیں، اب رہا یہ سوال کہ اداءِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں معروف تعبیر مثلاً ایتاء الزکاۃ یؤتون الزکوٰۃ یا اٰتُو الزکوٰۃ کو چھوڑ کر للزکوۃ فاعِلُون کی تعبیر کیوں اختیار فرمائی، جواب یہ ہے کہ للزکوۃ فاعلون بھی کلام عرب میں مستعمل ہے، امیہ بن ابی صلت نے کہا المُطْعِمون الطَّعامَ فی السنةِ الْأَزمَةِ و الفاعلون للزکوٰة (روح البیان) دوسرا جواب یہ ہے کہ فواصل کی رعایت مقصود ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں عین زکوٰۃ بھی مراد ہوسکتی ہے مگر مضاف محذوف ماننا ہوگا ای والذین هُمْ لتادیته الزکوٰة فاعلون **قوله** والَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اس آیت سے حرمت متعہ پر استدلال کیا ہے، اَخْرَجَ ابن ابی حاتم عن القاسم بن محمد انه سُئِلَ عن المتعةِ فقرأ هذه الآية قال فمَن ابتغى وراءَ ذٰلكَ فهوَ عادٍ، ورويَ عن ابن ابي مليكة سألتُ عائشةَ عن المتعةِ فقالت بيني وبينهمُ القرآن، ثم قرءَ الآية قالت فمن ابتغى وراءَ ذٰلك غير مازوجه اللّٰه او ملكه يمينهٗ فقدْعَدا **قوله** ای مِن ازواجهم اس میں اشارہ ہے کہ علیٰ بمعنی مِن ہے **قوله** اَوْمَا ملكتْ ما سے مراد باندیاں ہیں مَنْ کی بجائے ما سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور خاص طور پر جو مملوکہ بھی ہوں لہٰذا مشابہ بالبہائم ہونے کی وجہ سے ما سے تعبیر فرمایا ہے مَا ملكت اپنے عموم کی وجہ سے اگرچہ غلام اور باندی دونوں کو شامل ہے مگر یہاں صرف باندیاں ہی مراد ہیں اس لئے کہ مالکن کا اپنے غلام سے وطی کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے **غیر ملومین** میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسی کو مقصد بنالینا کوئی قابل ستائش بات نہیں ہے ہاں البتہ انسانی طبعی ضرورت کو پورا کرنے کی حد تک اجازت ہے **قوله** کالاستمناء بالید امام مالکؒ اور شافعیؒ نیز ابوحنیفہؒ کے نزدیک استمناء بالید حرام ہے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے (۱) زنا میں مبتلا ہونے کے اندیشہ کے پیش نظر (۲) مہر ادا کرنے یا باندی خریدنے کی استطاعت نہ رکھنے کی صورت میں (۳) یہ اپنے ہاتھ سے ہو نہ کہ اجنبی یا اجنبیہ کے ہاتھ سے، (حاشیہ جلالین) **قوله** سَرَاری سُرِّيَة کی جمع ہے بمعنی باندی، یہ سِرٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جماع یا اخفا کے ہیں اس لئے کہ بسا اوقات انسان باندی کے ساتھ ہمبستری اپنی آزاد بیوی سے مخفی رکھنا چاہتا ہے اسی لئے اس کو سُرِيه کہتے ہیں یا پھر سرور سے مشتق ہے جس کے معنی خوشی کے ہیں چونکہ مالک باندی سے خوش ہوتا ہے اس لئے اس کو سرّیه کہتے ہیں **قوله** فإنهم غیر ملومین یہ استثناء کی علامت ہے **قوله** اولئك هم الوارثون لاغيرهم لاغیرهم کا اضافہ جملہ معرفۃ الطرفین سے حصر مستفاد کو ظاہر کرنا، جملہ جب معرفۃ الطرفین ہو جیسا کہ مذکورہ جملہ ہے تو اس سے حصر مستفاد ہوتا ہے، نیز طرفین کے درمیان ضمیر هم یہ بھی حصر پر دلالت کرتی ہے، یہاں حصر سے حصر اضافی مراد ہے نہ کہ حقیقی، اس لئے کہ یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ اشخاص کے علاوہ مثلاً بچے اور مجانین وغیرہ بھی جنت میں داخل ہوں گے اور اگر حصر حقیقی مراد ہو تو جنت الفردوس کے اعتبار سے ہوگا یعنی جنت الفردوس میں مذکورہ اشخاص ہی داخل ہوں گے گو دیگر جنتوں میں دیگر اشخاص بھی داخل ہوں گے **قوله** وبتاسه ذكر المبداء بعده اس عبارت کے

اضافہ کا مقصد اس آیت اور سابقہ آیت کے درمیان مناسبت ربط کو بیان کرنا ہے **قوله** **واللّٰه لقد خلقنا** لفظ اللہ کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ واؤ قسمیہ ہے اور لقد میں لام جواب قسم پر داخل ہے **قوله** **جعلناه ای الانسان نسل آدم** ۂ ضمیر ماقبل میں مذکور انسان کی طرف راجع ہے مگر مراد نسل آدم ہے اور انسان سے جو کہ مرجع ہے، آدم مراد ہے غرضیکہ یہاں کلام میں صنعت استخدام ہے، صنعت استخدام اس کو کہتے ہیں کہ مرجع سے ایک معنی مراد ہوں اور مرجع کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے دوسرے معنی مراد ہوں **قوله** **وانشانا شَجَرَةً** انشانا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ شجرۃ کا عطف جنّٰت پر ہے **قوله** **اَحْسَنُ الخالقین ای المقدرین** ، المقدرین کے اضافہ کا مقصد اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ اسم تفضیل مشارکت کا تقاضہ کرتا ہے حالانکہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے تو جواب دیا کہ خلق سے مراد تقدیر و تصویر ہے نہ کہ ایجاد و تخلیق لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں **قوله** **للعلم به** چونکہ لفظ خالقین خلقاً پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس قرینہ کی وجہ سے تمیز کو حذف کر دیا **قوله** **فوقکُمْ سَبْعَ طرائِقَ** فوق سے مراد مطلقاً علو ہے نہ کہ انسانوں کے سروں کے اوپر اس لئے کہ جس وقت آسمانوں کو پیدا کیا گیا تھا اس وقت انسان موجود نہیں تھا تو پھر فوقکم کہنا کس طرح درست ہے، معلوم ہوا فوقکُم سے مطلقاً علو مراد ہے۔

تفسیر وتشریح

قَدْ اَفْلَحَ المؤمنونَ لفظ فلاح قرآن وسنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے اذان واقامت میں بھی پانچوں وقت مسلمانوں کو صلاح وفلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے، فلاح کے معنی یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ مکمل فلاح کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے کہ جو پوری نہ ہو اور ایک بھی تکلیف ایسی نہ ہو کہ دور نہ ہو یہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں چاہے دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہفت اقلیم کا مالک ہی کیوں نہ ہو، یا بڑے سے بڑا رسول اور پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس دنیا میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز خلاف طبع پیش نہ آئے اور ہر خواہش ہر وقت پوری ہو جائے، یہ متاع گراں مایہ تو ایک دوسرے عالم یعنی آخرت ہی میں جنت میں مل سکتی ہے، البتہ اکثری حالات کے اعتبار سے فلاح دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرما سکتے ہیں، آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات کے اندر آیا ہے۔

فلاح کے لئے مومن کامل کے سات اوصاف

سب سے پہلا وصف تو مومن ہونا ہے، ایمان کے اصل الاصول اور بنیادی اصول ہونے کی وجہ سے الگ ذکر فرمایا ہے (پہلا وصف) نماز میں خشوع وخضوع ہے، خشوع کے لغوی معنی قلب و جوارح میں سکون کا ہونا یعنی دل اللہ کی طرف

مائل اور اعضاء بدن میں سکون ہو عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے، حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب بندہ دوسری طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے رخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد والنسائی وغیرہ) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے تو آپ نے فرمایا لو خَشِبَ قلبُ ھٰذا لخشعَتْ جوارِحُهُ (رواہ حاکم والترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)

نماز میں خشوع کا درجہ

امام غزالی وقرطبی اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز بغیر خشوع کے گذر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی، دیگر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خشوع نماز کی روح ہے اس کے بغیر نماز بے جان ہوتی ہے مگر رکن کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خشوع کے بغیر نماز ہی درست نہ ہوگی، اس کا اعادہ ضروری ہوگا، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ خشوع صحت صلوٰۃ کے لئے موقوف علیہ نہیں ہے ہاں البتہ قبولیت صلوٰۃ کے لئے موقوف علیہ ہوسکتا ہے۔

دوسرا وصف: لغو سے پرہیز کرنا ہے، لغو کے معنی فضول کلام یا فضول کام کے ہیں یعنی جس میں کوئی فائدہ نہ ہو لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے اجتناب لازم ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو اور نہ مضر، اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حسن اسلام المرأ ترکه مالا یعنیه یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہوتا ہے جب وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

تیسرا وصف زکوٰۃ: زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مال کا ایک مخصوص حصہ کچھ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنا ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، اس آیت میں یہ معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں، اس پر یہ شبہ کہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے، اس کا جواب ابن کثیر مفسرین وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اصولی طور پر زکوٰۃ کی فرضیت مکہ ہی میں ہوچکی تھی، سورہ مزمل جو بالاتفاق مکی ہے اس میں اقیموا الصلوٰةَ کے ساتھ آتو الزّکوٰة کا ذکر موجود ہے، مگر اس کے نصاب کی تفصیلات اور سرکاری طور پر اس کے وصول کرنے کا نظام ہجرت کے بعد ہوا ہے، بعض حضرات نے یہاں زکوٰۃ کے لغوی معنی مراد لئے ہیں یعنی تزکیہ نفس اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں زکوٰۃ سے اصطلاحی کے معنی مراد لئے گئے ہیں وہاں ایتاء الزکوة، یوتون الزکوة، وآتو الزکوة کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے یہاں عنوان بدل کر للزکوة فاعلون کی تعبیر اختیار فرمائی ہے، یہ اس

بات کا قرینہ ہے کہ یہاں زکوۃ کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں اگر یہاں زکوۃ کے اصطلاحی معنی مراد لئے جائیں تو بغیر تاویل کے نہیں ہو سکتا لہٰذا یہاں تزکیۂ نفس ہی مراد ہوگا یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک صاف کرنا تو وہ بھی فرض ہی ہے کیونکہ شرک، ریاء، تکبر، حسد، بغض وغیرہ رذائل نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔

چوتھا وصف: شرمگاہ کی حفاظت حرام سے، **والذین هم لفروجهم حافظون الا علٰی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم** یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی ناجائز شہوت رانی نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کے لئے بھی فلاح کی ضمانت ہے **فانهم غیر ملومین** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا چاہئے، مقصد زندگی نہیں بنانا چاہئے ایسا کرنے والا قابل ملامت نہیں۔

فَمَنْ ابتغٰی وَرَاءَ ذٰلکَ فاولٰئکَ هم العٰدون یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی باندی سے شرعی قاعدے سے تقضاء شہوت کرنے کے علاوہ کوئی صورت حلال نہیں ہے اس میں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت اس پر شرعاً حرام ہے اس سے نکاح بھی بحکم زنا ہے، اسی طرح متعہ نیز اپنی بیوی سے حالت حیض ونفاس میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے یعنی کسی مرد یا جانور سے شہوت پوری کرنا بھی اور جمہور کے نزدیک استمناء بالید بھی (بیان القرآن، قرطبی، بحوالہ معارف)

پانچواں وصف: امانت کا حق ادا کرنا **والذین هم لأماناتهم** امانت کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد و بھروسہ کیا گیا ہو اس کی قسمیں چونکہ بے شمار ہیں اسی لئے مصدر ہونے کے باوجود صیغۂ جمع کے ساتھ لایا گیا ہے تاکہ امانت کی تمام قسموں کو شامل ہو جائے خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے حقوق اللہ سے متعلق تمام فرائض و واجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات و مکروہات سے اجتناب کرنا اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت تو مشہور و معروف ہے ہی، اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی اور ظاہر کرنے سے منع کر دیا بھی یہ امانت ہے بغیر شرعی اذن کے کسی کا راز ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے، اسی طرح مزدور وملازم کو جو کام سونپا گیا ہے اس کے لئے جتنا وقت صرف کرنا طے کیا گیا ہے اس کو اس کام میں لگانا بھی امانت ہے، کام کی چوری یا وقت کی چوری خیانت ہے۔

چھٹا وصف: **وعهدهم راعون** عہد پورا کرنا، ایک عہد تو وہ ہوتا ہے جو طرفین سے ہوتا ہے اس کو عرف میں معاہدہ کہتے ہیں اس کو پورا کرنا فرض اور اس کے خلاف کرنا غدر اور دھوکا ہے، دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں مثلاً کسی کو کچھ دینے یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کر لے اس کا پورا کرنا بھی شرعاً لازم ہے، حدیث شریف میں ہے **العِدۃُ دَین** یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے، جس طرح قرض کی ادائیگی واجب ہے وعدہ پورا کرنا بھی واجب ہے بلا عذر شرعی اس کا خلاف

کرنا گناہ ہے فرق دونوں میں یہ ہے کہ معاہدہ کو پورا کرانے کے لئے فریق ثانی کو بذریعہ عدالت بھی مجبور کرسکتا ہے یک طرفہ وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بذریعہ عدالت مجبور نہیں کرسکتا، دیانۃً اس کا بھی پورا کرنا لازم ہے۔ (معارف)

ساتواں وصف: نماز کو وقت پر آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرنا، دنیوی معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہ ہونا، یہ ہیں مومنین مصلحین کی سات صفات، یہ بات قابل غور ہے کہ ان سات اوصاف کو شروع بھی نماز سے فرمایا اور ختم بھی نماز پر کیا گیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز خدا تعالیٰ کے نزدیک کس قدر اہم ہے اگر نماز کو پابندی اور آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھا جائے تو باقی اوصاف اس میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

اولئکَ ھم الوارثون اوصاف مذکورہ کے حاملین کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وارث فرمایا گیا ہے لفظ وارث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح مورث کا مال اس کا وارث کو پہنچنا ضروری ہے اسی طرح ان اوصاف کے حاملین کا جنت میں داخل ہونا یقینی وضروری ہے۔

ولقد خلقنا الانسَانَ مِن سُلٰلَۃٍ مِنْ طِیْنٍ اللہ تعالیٰ نے عبادت کی ترغیب اور عبادت پر اور جنت الفردوس کے وعدہ کے بعد مبداء کو بیان فرمایا سابقہ آیت میں معاد کا ذکر فرمایا تھا مبدأ اور معاد میں مناسبت ظاہر ہے۔

قولہ ولقد، لقد قسم محذوف کا جواب ہے ای واللّٰہ لَقَدْ **قولہ** سُلالۃ بمعنی خلاصہ، جوہر، **قولہ** طین گیلی مٹی، مطلب یہ ہے کہ زمین کے خاص اجزاء نکال کر اس سے انسان کو پیدا کیا گیا، انسان کی تخلیق کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی ابتدا اس مٹی کے خلاصہ سے ہوئی اس لئے ابتدائی تخلیق کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کے بعد ایک انسان کا نطفہ دوسرے انسان کی تخلیق کا سبب بنا، اگلی آیت ثم جعلناہ نطفۃ میں اسی کا بیان ہے۔

تخلیق انسانی کے سات مدارج

آیت مذکورہ میں تخلیق انسانی کے سات مدارج ذکر کئے گئے ہیں سب سے پہلے سُلٰلۃ مِنْ طِین دوسرے دور میں نطفۃ تیسرے دور میں علقہ چوتھے دور میں مضغہ پانچویں دور میں عظام یعنی ہڈیاں چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا۔

ساتواں دور:- تخلیق کا ہے یعنی روح پھونکنے کا۔

ثم انشاناہ خلقًا آخر بنفخ الروح..... خلقاً آخر کی تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ضحاک، ابوالعالیہ وغیرہ نے نفخ روح سے فرمائی ہے، اس روح سے روح حیوانی مراد ہے، روح حیوانی جسم لطیف مادی شئ ہے جو جسم انسانی کے ہر ہر جز میں سمایا ہوا ہوتا ہے، اطبا اور فلاسفہ اسی کو روح کہتے ہیں اس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی

تخلیق کے بعد ہوتی ہے، اس لئے اس کو لفظ ثم سے تعبیر کیا گیا ہے، اور روح حقیقی جس کا تعلق عالم ارواح سے ہے جس کو قرآنی اصطلاح میں امر رب کہا گیا ہے وہیں سے لاکر اس روح حیوانی کے ساتھ اس کا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرمادیتے ہیں، جس کی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اس روح حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے، انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمایا اور سب نے بلی کے لفظ سے ربوبیت کا اقرار کیا، البتہ اس کا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے اس جگہ اگر نفخ روح سے یہ مراد لیا جائے کہ روح حیوانی کے ساتھ روح حقیقی کا تعلق اس وقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے اور درحقیقت حیات انسان اسی روح حقیقی سے متعلق ہے جب یہ تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو روح حیوانی بھی اپنا کام چھوڑ دیتی ہے اسی کو موت کہا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اَطِيْعُوْهُ وَوَحِّدُوْهُ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط وهو اِسْمُ مَا وما قَبْلَهُ الخَبَرُ ومِنْ زَائِدَة اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○ تَخَافُوْنَ عُقُوْبَتَهٗ بِعِبَادَتِكُمْ غَيْرَهٗ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِاَتْبَاعِهِم مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لا يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ يَتَشَرَّفَ عَلَيْكُمْ ط بِاَنْ يَّكُوْنَ مَتْبُوْعًا وَاَنْتُمْ اَتْبَاعُهٗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ ان لا يُعْبَدَ غَيْرُهٗ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ج بِذٰلِكَ لابَشَرًا مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا الذي دَعَا اِلَيْهِ نُوحٌ مِنَ التَّوْحِيْدِ فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ج اى الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ اِنْ هُوَ ما نُوحٌ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ حَالَةُ جُنُوْنٍ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ اِنْتَظِرُوْهُ حَتّٰى حِيْنٍ○ اِلٰى زَمَنِ مَوْتِهٖ قَالَ نوح رَبِّ انْصُرْنِىْ عَلَيْهِمْ بِمَا كَذَّبُوْنِ○ اى بِسَبَبِ تَكْذِيْبِهِم اِيَّاىَ بِاَنْ تُهْلِكَهُم قال تعالىٰ مُجِيْبًا دُعَاءَهٗ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ السَّفِيْنَةَ بِاَعْيُنِنَا بِمَرْاٰى مِنَّا وحِفْظِنَا وَوَحْيِنَا امْرِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا بِاِهْلَاكِهِم وَفَارَ التَّنُّوْرُ لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وكَان ذٰلك عَلَامَةً لِنُوحٍ فَاسْلُكْ فِيْهَا اى اُدْخُلْ فى السَّفِيْنَةِ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ ذَكَرٍ واُنْثٰى اى من كُلِّ اَنْوَاعِهِمَا اثْنَيْنِ ذَكَرًا وَاُنْثٰى وهو مَفْعُوْلٌ وَمِنْ مُتَعَلِّقٌ بِاسْلُكْ وَفى القِصَّةِ اِنَّ اللّٰهَ حَشَرَ لِنُوحٍ السِّبَاعَ وَالطَّيْرَ وَغَيْرَهُمَا فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِيَدَيْهِ فِى كُلِّ نَوْعٍ فَيَقَعُ يَدُهُ الْيُمْنٰى عَلَى الذَّكَرِ وَالْيُسْرٰى عَلَى الْاُنْثٰى فَيَحْمِلُهُمَا فِى السَّفِيْنَةِ وفى قِرَاءَةٍ كُلٍّ بِالتَّنْوِيْنِ فَزَوْجَيْنِ مَفْعُوْلٌ وَاثْنَيْنِ تَاكِيْدٌ له وَاَهْلَكَ اى زَوْجَتَهٗ وَاَوْلَادَهٗ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ج بِالْاِهْلَاكِ وهو زَوْجَتُهٗ وَوَلَدُهٗ كِنْعَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وحَامٍ ويَافِثٍ فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتِهِمْ ثَلٰثَةً وفى سُوْرَةِ هُوْدٍ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ قيل كَانُوْا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاؤُهُم وقيل جَمِيْعُ مَنْ كَانَ فِى السَّفِيْنَةِ ثَمَانِيَةٌ وَسَبْعُوْنَ نِصْفُهُم رِجَالٌ ونِصْفُهُم نِسَآء وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ج

كَفَرُوْا بِتَرْكِ اِهْلَاكِهِم اِنَّهُمْ مُغْرَقُوْنَ۞ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اِعْتَدَلْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الفُلْكِ فَقُلِ الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ القَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۞ الكافِرِيْنَ واِهْلاكِهِمْ وَقُلْ عِنْدَ نُزُوْلِكَ مِنَ الفُلْكِ رَبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا بِضَمِّ المِيْمِ وفَتْحِ الزَّاى مَصْدَرٌ او اِسْمُ مَكَانٍ وبِفتحِ المِيْمِ وَكَسْرِ الزَّاىِ مَكَانُ النُّزُوْلِ مُّبٰرَكًا ذٰلِكَ الاِنْزَالُ اَوِ المَكَانُ وَّاَنْتَ خَيْرُ المُنْزِلِيْنَ۞ مَا ذُكِرَ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ المَذْكُوْرِ مِنْ اَمْرِ نُوْحٍ والسَّفِيْنَةِ واِهْلاكِ الكفار لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تعالى وَّاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ واِسْمُهَا ضَمِيْرُ الشَّانِ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ۞ مُخْتَبِرِيْنَ قَوْمَ نُوحٍ بِاِرْسَالِهِ اِلَيهِم وَوَعْظِهٖ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا قَوْمًا آخَرِيْنَ۞ هُمْ عَادٌ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ هُوْدًا اَنِ اى بِاَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۞ عِقَابَهٗ فَتُؤْمِنُوْنَ.

ترجمہ

قسم ہے ہماری عزت وجلال کی کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم اللہ ہی کی بندگی کیا کرو یعنی اسی کی اطاعت کیا کرو اور اس کی توحید کا عقیدہ رکھو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں (الٰہ) مَا کا اسم ہے اور اس کا ماقبل (لکم) مَا کی خبر ہے اور مِن زائدہ ہے، تو پھر کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ یعنی اس کے غیر کی عبادت کرنے کی صورت میں کیا تم اس کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟ تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے اپنے ماتحتوں سے کہا یہ شخص بجز اس کے کہ تمہارے ہی جیسا (معمولی) انسان ہے اور کچھ نہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ تم پر فضیلت فوقیت حاصل کرے اس طریقہ پر کہ وہ تمہارا حاکم اور تم اس کے محکوم ہو جاؤ اور اگر اللہ کو یہ منظور ہوتا کہ اس کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کی جائے تو اس حکم کو لیکر کسی فرشتہ کو بھیجتا نہ کہ انسان کو، ہم نے یہ بات یعنی توحید جس کی طرف نوح دعوت دے رہے ہیں اپنے پہلے بڑوں یعنی گذشتہ امتوں سے نہیں سنی، پس یہ نوح ایک شخص ہے کہ جس کو جنون ہو گیا ہے یعنی جنوں کی کیفیت لاحق ہو گئی ہے، تو ایک خاص وقت یعنی موت تک اس کا انتظار کرلو، نوح علیہ السلام نے عرض کیا (دعا کی) اے میرے پروردگار آپ ان کے مقابلہ میں ان کو ہلاک کر کے میری نصرت فرمائیے، اس وجہ سے کہ انہوں نے میری تکذیب کی، حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے فرمایا پس ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ تم ہماری نگرانی اور حفاظت میں اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ پھر جس وقت ان کی ہلاکت کے لئے ہمارا حکم آجائے اور نان پُز کے تنور سے پانی ابلنے لگے اور یہ نوح علیہ السلام کے لئے کشتی پر سوار ہونے کے لئے علامت تھی، تو اس کشتی میں ہر قسم میں سے نر و مادہ کا ایک جوڑا یعنی ہر نوع میں سے دو دو مذکر اور مؤنث رکھ لینا، اور اثنین (فَاسْلُكْ) کا مفعول بہ ہے، اور مِن كُلِّ، اسْلُكْ سے متعلق ہے، اور واقعہ میں اس طرح مذکور ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے لئے درندوں اور پرندوں وغیرہما کو جمع فرما دیا، تو حضرت نوح علیہ السلام ہر نوع میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے تھے تو آپ کا داہنا ہاتھ نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا تو آپ ان کو کشتی میں سوار کر دیتے تھے، ایک قرأت میں کُلٍّ تنوین کے ساتھ ہے اس صورت میں زوجین مفعول ہوگا اور اثنین اس کی تاکید ہوگی اور اپنے اہل کو یعنی اپنی (مومنہ) بیوی اور اولاد کو سوار کر لو بجز اس کے کہ جس پر ان میں سے ہلاکت کا حکم نافذ ہو چکا ہے، اور وہ نوح علیہ السلام کی (کافرہ) بیوی اور ان کا (کافر) لڑکا کنعان ہے، بخلاف سام، حام، اور یافث کے چنانچہ ان کو اور ان کی تینوں بیویوں کو سوار کر لیا، اور سورہ ہود میں ہے وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ اِلَّا قَلِيْلٌ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے، کہا گیا ہے چھ مرد اور ان کی بیویاں تھیں اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ ان تمام کی تعداد جو کشتی میں تھے اٹھتر (۷۸) تھے ان میں سے آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں، اور تم مجھ سے کافروں کی ترک ہلاکت (یعنی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو نہ کرنا وہ یقیناً غرق کئے جائیں گے پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر باطمینان سوار ہو جاؤ تو یوں کہنا کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ظالم یعنی کافر قوم سے نجات دی اور ان کو ہلاک کر کے ہم کو نجات دی (ای فلم نُهْلَكْ مَعَهُمْ) اور کشتی سے اترتے وقت یوں دعاء کرنا رَبِّ اَنْزِلْنِی مُنزَلاً میم کے ضمہ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ مُنزَلاً مصدر ہے یا اسم مکان ہے اور میم کے فتحہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ (مَنْزِلاً) بمعنی اترنے کی جگہ...... اے میرے پروردگار! آپ مجھے اتاریئے بابرکت اتارنا، برکت کی جگہ اتارنا، دوسری قرأت میں بھی یہی دونوں ترجمے ہوں گے، پہلی قرأت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی رَبِّ اَنْزِلْنِیْ اِنْزَالاً مبارَکًا دوسری قرأت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی رَبِّ انزلنی نزلاً مُبارَکًا یا (نزولاً مبارکًا) صرف فرق یہ ہوگا کہ دوسری قرأت میں اَنْزِلْنِی (افعال) سے ہے اور (مصدر) نزلاً یا نزولاً ثلاثی مجرد سے جیسا کہ اَنْبَتَ اللّٰهُ نباتًا میں ہے مگر مفسر علام کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں مصدر اور اسم مکان دونوں کا احتمال ہے اور دوسری صورت میں صرف مصدر کا احتمال ہے حالانکہ دونوں قرأتوں میں دونوں احتمال ہیں، مُبَارَکًا اسم واحد مذکر غائب، بڑا برکت والا، ذٰلِكَ الاِنْزَال اَوِ المکان مفسر علام نے ذٰلک کے ذریعہ مُبارَکًا کے اندر ضمیر مستتر کا مرجع ظاہر فرمایا ہے اور منزلاً میں چونکہ دو احتمال ہیں اس لئے الانزال او المکان کہہ کر دونوں احتمالوں کی طرف اشارہ کر دیا، اور آپ مذکورہ دونوں صورتوں میں (یعنی خواہ معنی مصدری کی صورت میں ہو یا اسم مکان کے معنی میں) بہترین نازل کرنے والے ہیں (ضیافت کرنے والے ہیں) (بلاشبہ اس امر مذکور میں جو کہ نوح اور کشتی اور کافروں کو ہلاک کرنے کا معاملہ ہے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں وَاِنْ یہ مخففہ عن المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف اور لام، نافیہ اور مخففہ کے درمیان فارقہ ہے اور ہم قوم نوح کو، نوح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیج کر اور اس کی نصیحت کے ذریعہ آزمانے والے ہیں پھر ہم نے (قوم نوح) کے بعد ایک دوسری قوم کو وہ عاد ہے پیدا کیا پھر ہم نے ان میں ایک رسول بھیجا جو ان ہی میں سے تھے

یعنی ہود علیہ السلام (اس پیغمبر نے کہا) کہ تم اللہ ہی کی بندگی کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ کہ ایمان لے آؤ۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا (الآیہ) اللہ تعالیٰ یہاں سے پانچ قصوں کا بیان شروع فرمارہے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ اختصاراً اوپر گذر چکا ہے اس میں کل چھ قصے ہیں ان قصوں کے بیان کرنے کا مقصد امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ امتوں کے واقعات کی خبر دینا ہے تاکہ پسندیدہ خصائل میں ان کی اقتداء کریں اور خصائل مذمومہ سے اجتناب کریں نیز ان قصوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی ہے کہ جو حالات آپ کے ساتھ آپ کی قوم کی طرف سے پیش آرہے ہیں ویسے حالات سابقہ نبیوں کے ساتھ بھی ان کی امتوں کی جانب سے پیش آچکے ہیں، آپ کو ان حالات وواقعات سے رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ پانچ قصے جن کو یہاں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں (۱) قصہ نوح (۲) قصہ ہود (۳) قصہ قرون الآخرین (۴) قصہ موسیٰ وہارون (۵) قصہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کا، نوح یہ لقب ہے آپ کا نام عبد الغفار یا عبد اللہ ہے اور بعض حضرات نے یشکر بھی بتایا ہے، آپ ایک ہزار پچاس سال بقید حیات رہے، چالیس سال کی عمر میں آپ کو منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا اور ساڑھے نوسو سال آپ نے دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیئے اور طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال بقید حیات رہے اس حساب سے ایک ہزار پچاس سال ہوتے ہیں، **قولہ مَالَكُم من اِلٰهٍ غیرہ** یہ جملہ ماقبل کے لئے بمنزلہ علت ہے **قولہ ھو اسم ما** مفسر علام یہاں سے مالکم من الٰہٍ غیرہ کی ترکیب فرمارہے ہیں اِلٰہٍ ما کا اسم مؤخر ہے اور لکم کائناً کے متعلق ہو کر ما کی خبر ہے، غَیْرُہٗ پر رفع بھی درست ہے اس وقت اِلٰہٍ کے محل کے تابع ہوگا، اور جر بھی جائز ہے اس وقت الٰہ کے لفظ کے تابع ہوگا مفسر کے قول ماقبلہ سے لکم جار مجرور مراد ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ ترکیب ضعیف ہے ما چونکہ عامل ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے اسم وخبر کی ترتیب بدلنے کی صورت میں ما عمل نہیں کرتا، لہٰذا مناسب یہ تھا کہ اِلٰہٌ کو مبتداء مؤخر اور لکم کو خبر مقدم قرار دیا جائے، **قولہ اَنْ لَا یُعْبَدَ غیرہ** اس عبارت کو محذوف ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مشیئۃ کا مفعول محذوف ہے، **قولہ بِذٰلِكَ لَابَشَرًا بذلك** کا تعلق اَنْزَلَ کے ساتھ ہے، اور ذٰلِكَ کا مشار الیہ (ان لا یعبد غیرہ) یعنی غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے کا حکم ہے، **قولہ اَنِ اصنع الفلك** میں اَنْ تفسیریہ ہے اس لئے کہ اس کے ماقبل اوحینا ہے جو قول کے معنی پر مشتمل ہے **قولہ باعیننا** یہ اصنع کی خبر سے حال ہے اور اَعْیُنٌ کو جمع لانا مبالغہ کے طور پر ہے **قولہ بمرأی منا وحفظنا** کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں مجاز مرسل ہے، اس لئے کہ نظروں سے دیکھنے کے لئے حفاظت لازم ہے لہٰذا ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے، **قولہ وفار**

التنور یہ جاءَ اَمْرُنا کا عطف بیان ہے، اور تنور میں سے پانی کا ابلنا عذاب کے لئے علامت کے طور پر تھا، اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نوح کو علامت کے طور پر بتا دیا گیا کہ جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ اب عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے، **قوله** زوجتہٗ زوجہ اور اولاد سے زوجہ مومنہ اور اولادِ مومن مراد ہے، حضرت نوح علیہ اسلام کی دو بیویاں تھیں ایک مومنہ جس کو کشتی میں ساتھ لے لیا تھا اور کافرہ اپنے کافر بیٹے کنعان کے ساتھ کشتی میں سوار نہیں ہوئی، حضرت نوح علیہ السلام کی کافرہ بیوی کا نام واغلہ تھا، آپ کے چار صاحبزادے تھے ایک کافر تھا جس کا نام کنعان وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا، باقی تین صاحبزادے جو مومن تھے ان کے نام سام، حام، یافث تھے، سام ابوالعرب ہیں، اور حام ابوالسودان ہیں، اور یافث ابوالترک ہیں، **قوله** فقل الحمد للّٰہ یہ اِذا کا جواب ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فقل کے بجائے فقولوا فرماتے تا کہ اترتے وقت سب لوگ دعا میں شریک ہو جاتے، مگر چونکہ آپ کی دعا سب کی دعا کے قائم مقام تھی اس لئے صرف آپ کو حکم کیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَفَارَ التَّنُّوْرُ تنور مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے اس کو بھی تنور کہا جاتا ہے اور تنور پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے ایک خاص تنور مراد لیا ہے جو کہ کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک شام میں کسی جگہ تھا، یہاں تنور سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے، عکرمہ اور زہری کا بیان ہے کہ سطح زمین مراد ہے، حسن بصری، مجاہد اور شعبی کہتے ہیں تنور سے وہی تنور مراد ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہیں، اکثر مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ایسی ہی حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت منقول ہے اور یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ جب حقیقت اور مجاز میں دائر ہو تو حقیقت ہی پر حمل کرنا اولیٰ ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے طوفان اور کشتی کا واقعہ پچھلی سورتوں میں تفصیل سے گذر چکا ہے، نیز اس کے ضروری اجزاء تحقیق وترکیب کے زیر عنوان تحریر کر دیئے گئے ہیں، دیکھ لیا جائے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِيْنَ اس سے پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بسلسلہ ہدایت وتسلی ذکر کیا گیا تھا، آگے دوسرے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا کچھ حال اجمالاً بغیر نام کی تعیین کے ذکر کیا گیا ہے کہ آثار وعلامات سے حضرات مفسرین نے عاد یا ثمود یا دونوں قومیں مراد لی ہیں، عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کی اور ثمود کی جانب حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ ای بالمصیر اليها وَاَتْرَفْنٰهُمْ اَنْعَمْنَاهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ، وَاللّٰهِ لَئِنْ

اَطعَمتُم بَشرًا مِّثلَكُم فِيهِ قَسَمٌ وَشَرطٌ وَالجَوَابُ لِاَوَّلِهِمَا وَهُوَ مُغنٍ عَن جَوَابِ الثَّانِي اِنَّكُم اِذًا اي ان اَطَعتُمُوهُ لَّخٰسِرُونَ ○ اي مَغبُونُونَ اَيَعِدُكُم اَنَّكُم اِذَا مِتُّم وَكُنتُم تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُم مُّخرَجُونَ ○ هُوَ خَبَرُ اَنَّكُمُ الاُولٰى وَاَنَّكُمُ الثَّانِيَةُ تَاكِيدٌ لَهَا لِمَا طَالَ الفَصلُ هَيهَاتَ هَيهَاتَ اِسمُ فِعلٍ مَاضٍ بِمَعنٰى مَصدَرٍ اي بَعُدَ بُعدًا لِمَا تُوعَدُونَ ○ مِنَ الاِخرَاجِ مِنَ القُبُورِ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِلبَيَانِ اِن هِيَ اي مَا الحَيٰوةُ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنيَا نَمُوتُ وَنَحيَا بِحَيٰوةِ اَبنَائِنَا وَمَا نَحنُ بِمَبعُوثِينَ ○ اِن هُوَ اي مَا الرَّسُولُ اِلَّا رَجُلٌ اِفتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحنُ لَهُ بِمُؤمِنِينَ ○ اي مُصَدِّقِينَ فِي البَعثِ بَعدَ المَوتِ قَالَ رَبِّ انصُرنِي بِمَا كَذَّبُونِ ○ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ مِنَ الزَّمَانِ وَمَا زَائِدَةٌ لَّيُصبِحُنَّ يَصِيرُونَ نٰدِمِينَ ○ عَلٰى كُفرِهِم وَتَكذِيبِهِم فَاَخَذَتهُمُ الصَّيحَةُ صَيحَةُ العَذَابِ وَالهَلَاكِ كَائِنَةً بِالحَقِّ فَمَاتُوا فَجَعَلنٰهُم غُثَاءً وَهُوَ نَبتٌ يَبِسَ اي صَيَّرنَاهُم مِثلَهُ فِي اليُبسِ فَبُعدًا مِنَ الرَّحمَةِ لِّلقَومِ الظّٰلِمِينَ ○ المُكَذِّبِينَ ثُمَّ اَنشَانَا مِن بَعدِهِم قُرُونًا اي اَقوَامًا آخَرِينَ ○ مَا تَسبِقُ مِن اُمَّةٍ اَجَلَهَا بِاَن تَمُوتَ قَبلَهُ وَمَا يَستَاخِرُونَ ○ عَنهُ ذُكِّرَ الضَّمِيرُ بَعدَ تَانِيثِهِ رِعَايَةً لِلمَعنٰى ثُمَّ اَرسَلنَا رُسُلَنَا تَترَا بِالتَّنوِينِ وَعَدَمِهِ اي مُتَتَابِعِينَ بَينَ كُلِّ اثنَينِ زَمَانٌ طَوِيلٌ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً بِتَحقِيقِ الهَمزَتَينِ وَتَسهِيلِ الثَّانِيَةِ بَينَهَا وَبَينَ الوَاوِ رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَاَتبَعنَا بَعضَهُم بَعضًا فِي الهَلَاكِ وَّجَعَلنٰهُم اَحَادِيثَ فَبُعدًا لِّقَومٍ لَّا يُؤمِنُونَ ○ ثُمَّ اَرسَلنَا مُوسٰى وَاَخَاهُ هٰرُونَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلطٰنٍ مُّبِينٍ حُجَّةٍ بَيِّنَةٍ وَهِيَ اليَدُ وَالعَصَا وَغَيرُهُمَا مِنَ الاٰيَاتِ اِلٰى فِرعَونَ وَمَلَائِهِ فَاستَكبَرُوا عَنِ الاِيمَانِ بِهَا وَبِاللّٰهِ وَكَانُوا قَومًا عَالِينَ ○ قَاهِرِينَ بَنِي اِسرَائِيلَ بِالظُّلمِ فَقَالُوا اَنُؤمِنُ لِبَشَرَينِ مِثلِنَا وَقَومُهُمَا لَنَا عٰبِدُونَ ○ مُطِيعُونَ خَاضِعُونَ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ المُهلَكِينَ ○ وَلَقَد آتَينَا مُوسَى الكِتٰبَ التَّورٰةَ لَعَلَّهُم اي قَومَهُ بَنِي اِسرَائِيلَ يَهتَدُونَ ○ بِهِ مِنَ الضَّلَالَةِ وَاُوتِيَهَا بَعدَ هَلَاكِ فِرعَونَ وَقَومِهِ جُملَةً وَاحِدَةً وَجَعَلنَا ابنَ مَريَمَ عِيسٰى وَاُمَّهُ آيَةً لَم يَقُل آيَتَينِ لِاَنَّ الآيَةَ فِيهِمَا وَاحِدَةٌ وِلَادَتُهُ مِن غَيرِ فَحلٍ وَّآوَينٰهُمَا اِلٰى رَبوَةٍ مَكَانٍ مُرتَفِعٍ وَهُوَ بَيتُ المَقدِسِ اَو دِمَشقُ اَو فِلَسطِينُ اَقوَالٌ ذَاتِ قَرَارٍ اي مُستَوِيَةٍ لِيَستَقِرَّ عَلَيهَا سَاكِنُوهَا وَّمَعِينٍ ○ اي مَاءٍ جَارٍ ظَاهِرٍ تَرَاهُ العُيُونُ ع

ترجمہ

اور ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا یعنی اس کی طرف رجوع کرنے کو اور ہم نے ان کو دنیوی زندگانی میں خوشحالی عطا کی تھی یعنی انعامات سے نوازا تھا کہنے لگے بس یہ تو تمہاری طرح

ایک آدمی ہے وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو، اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو، یعنی نقصان اٹھانے والے ہو کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے مخرجون أنکم اولیٰ کی خبر ہے اور ثانی أنکم پہلے أنکم کی تاکید ہے انّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان طویل فصل ہونے کی وجہ سے بہت ہی بعید ہے بہت ہی بعید ہے وہ بات جو تم سے کہی جاتی ہے (یعنی) قبروں سے نکالنے کی اور لام زائدہ ہے بیان کے لئے ہماری زندگی تو صرف دنیوی زندگی ہے ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اپنے بیٹوں کے جینے سے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے نہیں ہیں یہ شخص رسول نہیں ہے یہ تو ایسا شخص ہے جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے ہم تو ہرگز اس پر ایمان نہ لائیں گے یعنی مرنے کے بعد وہ زندہ کرنے کے بارے میں تصدیق کرنے والے نہیں ہیں، نبی نے دعاء کی اے میرے پروردگار تو ان سے میرا بدلہ لے لے اس وجہ سے کہ انہوں نے میری تکذیب کی ارشاد ہوا یہ لوگ عنقریب اپنی تکذیب وکفر پر پشیماں ہوں گے عمّا قلیل میں ما زائدہ ہے بالآخر عدل کے تقاضہ کے مطابق چیخ نے پکڑ لیا چیخ کے عذاب اور ہلاکت نے حال یہ کیا کہ وہ عدل کے تقاضہ کے مطابق تھا چنانچہ سب کے سب مرگئے پھر ہم نے ان کو خس وخاشاک کر دیا غثاءٌ سوکھی گھاس کو کہتے ہیں، یعنی ہم نے ان کو خس وخاشاک کی مانند کر دیا خشک ہونے میں سو رحمت سے دوری ہو ظالم یعنی تکذیب کرنے والی قوموں کے لئے پھر ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا اور کوئی امت اپنے وقت مقررہ سے نہ تو آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے بایں طور کہ اپنے وقت مقررہ سے پہلے مرجائے یا اس سے مؤخر ہو جائے (یستاخرون) میں ضمیر کو معنی کی رعایت کی وجہ سے مذکر لائے ہیں، مؤنث لانے کے بعد پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے تترًا تنوین اور بغیر تنوین دونوں ہیں یعنی ایک کے بعد دوسرا ہر دو کے درمیان طویل زمانہ تھا جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو ہم نے ہلاکت میں ایک کو ایک کے پیچھے لگا دیا اور ہم نے ان کو داستان بنا دیا خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو احکام اور کھلی دلیل دے کر کھلی دلیلیں وہ ید بیضاء اور عصائے موسیٰ اور دیگر نشانیاں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے ان آیات اور اللہ پر ایمان لانے کے بارے میں تکبر کیا اور وہ بنی اسرائیل پر ظلم کے ذریعہ غلبہ حاصل کرنے والے لوگ تھے چنانچہ وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم زیر فرمان اور سرنگوں ہیں چنانچہ وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے آخر کار ہلاک کر دیئے گئے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا فرمائی تاکہ وہ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل اس کے ذریعہ گمراہی کے راستہ سے ہدایت کے راستہ کی طرف آئیں اور توریت فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد یکبارگی عطا کی گئی اور ہم نے ابن مریم عیسیٰ کو اور ان کی والدہ کو نشانی بنا دیا آیتیں نہیں کہا، اس لئے کہ دونوں میں نشانی ایک ہی ہے اور وہ بغیر مرد کے ان کی پیدائش ہے اور ہم نے ان

دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لیجا کر پناہ دی جو رہنے کے قابل تھی رَبْوَۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں اور وہ بیت المقدس یا دمشق یا فلسطین ہے یہ (تین) قول ہیں، ذات قرار کا مطلب ہے ہموار تا کہ اس پر اس کے باشندے رہ سکیں، اور چشمہ دار یعنی ظاہری سطح پر جاری پانی والی ہیں، جس کو آنکھیں دیکھ سکیں۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

اَلْمَلَأُ اسم جمع ہے، الأَمْلاءُ جمع ہے سرداروں کی جماعت، قوم شرفاء کی جماعت **قولہ** وَاللّٰہِ لَئِنْ اَطَعْتُمْ یہاں قسم اور شرط کا اجتماع ہے جہاں یہ دونوں جمع ہوجاتے ہیں تو اول کا جواب لایا جاتا ہے اور ثانی کے جواب کو اول کے جواب پر قیاس کر کے حذف کر دیتے ہیں اِنکم اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ جواب قسم ہے نہ کہ جواب شرط جواب شرط نہ ہونے کا قرینہ یہ بھی ہے کہ یہاں انکم اذًا لَّخسرون جملہ اسمیہ ہے اگر یہ جواب شرط ہوتا تو اس پر فا کا داخل ہونا ضروری تھا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ جواب قسم ہے جواب شرط نہیں ہے **قولہ** اِنَّکُمْ اِذًا ای اِنْ اَطَعْتُمُوْہُ لَخٰسِرُوْنَ ، کُمْ اِنَّ کا اسم ہے اور خاسرون اس کی خبر ہے لام ابتدائیہ ہے اور اِذًا اِنَّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان مضمون شرط کی تاکید کے لئے ہے، اور اِذًا کی تنوین جملہ شرطیہ محذوف کے عوض میں ہے جیسا یومئذٍ میں، مفسر علام نے اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ای اِنْ اَطَعْتُمُوْہ کا اضافہ کیا ہے اس وقت اس کو جواب کی ضرورت نہ ہوتی اس لئے کہ یہ ماقبل کی تاکید لفظی کے لئے ذکر کیا گیا ہے اور اعادۃ الشیٔ بمرادفہ کے قبیل سے ہے (جمل) **قولہ** اَیَعِدُکُمْ یہ جملہ مستانفہ ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے **قولہ** مخرجون اَنَّ اولیٰ کی خبر ہے إذا متم مخرجون کا ظرف ہے اور اَنکم کا عمل نہیں ہے اس لئے کہ وہ پہلے اَنکم کی تاکید لفظی ہے **قولہ** ھَیْھَاتَ ھَیْھَاتَ اسم فعل بمعنی ماضی، یہ کلمہ اکثر مکرر استعمال ہوتا ہے ثانی اول کی تاکید ہے چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ ھیھات اسم فعل بمعنی ماضی ہے یا بمعنی مصدر ہے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے بُعْدًا پر دونوں اعراب لگائے ہیں۔

سوال: ھَیْھَاتَ کو اسم فعل کیوں کہتے ہیں؟ یہ تو اجتماع بین الضدین معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو اسم ہوگا وہ فعل نہیں ہوسکتا، اور جو فعل ہوگا وہ اسم نہیں ہوسکتا۔

جواب: چونکہ یہ لفظ کے اعتبار سے اسم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی گردان نہیں آتی، اس وجہ سے اس کو اسم کہتے ہیں اور اپنے معنی ومدلول کے اعتبار سے یہ فعل ہے اس لئے اس کو فعل کہتے ہیں، دونوں حیثیتوں کی رعایت کرتے ہوئے اس کا نام اسم فعل رکھ دیا گیا ہے، اور چونکہ ھَیْھَاتَ بمعنی مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے مفسر علام نے اسمُ فعل ماضٍ کہہ کر پہلے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور بمعنی مصدرٍ کہہ کر دوسرے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہی دونوں معنی کی وضاحت کے لئے بعداً پر دونوں اعراب لگائے ہیں، فعل ماضی کا اعراب بھی لگایا ہے اور مصدر کا بھی۔

خلاصہ کلام

هَیْهَاتَ اسم فعل ہے بَعُدَ فعل ماضی کے معنی میں اس کے فاعل میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اس کا فاعل اس میں مضمر ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو بَعُدَ التصدیق او الصحة او الوقوع لما توعدون نحو ذلك اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فاعل ما ہو اور لام زائدہ ہو بیان استبعاد کے لئے۔

گویا کہ کہا گیا یہ استبعاد کس چیز کا ہے؟ جواب دیا لما توعدون جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یعنی بعث بعد الموت اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ هَیْهَاتَ ، البُعْدُ بمعنی مصدر مبتدا اور لما توعدون اس کی خبر، مگر بعض حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، پہلی صورت میں هَیْهَاتَ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔ **قوله** مِنَ الاخراج مِنَ القبور ما توعدون میں ما کا بیان ہے **قوله** بحیاتِ اَبنائنا یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ مشرکین کا نَمُوْتُ وَنَحْیَا کہنا یہ تو بعث بعد الموت کا اقرار ہے حالانکہ وہ تو بعث بعد الموت کے منکر ہیں، مفسر علام نے بحیات ابنائنا کہہ کر جواب دیدیا کہ مشرکین کے قول نموت ونحیا کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم مر جاتے ہیں تو ہماری اولاد زندہ رہتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ بعث بعد الموت کا نہیں ہے، بعض حضرات نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ آیت میں تقدیم وتاخیر ہے ای نَحْیَا ونموتُ **قوله** عَمَّا قلیل بعض حضرات نے کہا ہے ما زائدہ ہے ای عن قلیل من الزمان اور بعض حضرات نے کہا ہے ما بمعنی شئ یا بمعنی زمان ہے ای عن شئ قلیل اَوْ عن زمانٍ قلیل ، عمّا قلیل میں جار مجرور کس سے متعلق ہے؟ اس میں تین قول ہیں (اول) لَیُصْبِحُنَّ کے متعلق ہے (دوسرا) نادمین کے متعلق ہے (تیسرا) محذوف سے متعلق ہے ای عما قلیل ننصرهُ ماقبل یعنی انصرنی کی دلالت کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، **قوله** صَیْحة العذاب میں اضافت بیانیہ ہے ای صیحة العذاب والهلاك صیحہ سے مراد عذاب ہے نہ کہ حضرت جبرئیل کی چنگھاڑ، اس لئے کہ قوم عاد حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چنگھاڑ سے ہلاک نہیں ہوئی تھی **قوله** کائنةً مفسر علام نے کائنة محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ بالحق کائنةً کے متعلق ہو کر صیحة سے حال ہے **قوله** فبعدًا اس کے فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے اس کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے ای فبعُدُوْا بُعْدًا یہ کلمہ مشرکین کے لئے بددعاء کے قائم مقام ہے **قوله** ذُکِّرَ الضمیرُ الخ یعنی یستاخرون میں ضمیر مذکر لایا گیا ہے حالانکہ اَجلها کے اندر ضمیر مؤنث لائے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ها ضمیر اُمَّة کی طرف راجع ہے اور امت سے قوم مراد ہے جو کہ مذکر ہے اسی وجہ سے یستاخرون میں ضمیر کو مذکر لائے ہیں **قوله** تترًا مصدر محذوف سے حال یا صفت ہے، ای ارسالاً تترًا ، تترًا اصل میں وَتْرًا تھا، واؤ کو تا سے بدل دیا وتر متابعت مع المهلت کو کہتے ہیں، **قوله** احادیث یہ احدوثة کی جمع ہے مایتحدّثه الناس یعنی وہ قصے کہانیاں جن کو لوگ وقت

گذاری اور تفریح طبع کے لئے کہتے سنتے ہیں، **قوله من امة** مِنْ فاعل پر زائدہ ہے اُمَّةٍ تسبق کا فاعل ہے **قوله بتحقيق الهمزتين** (اول صورت) دونوں ہمزوں کو محقق پڑھیں (دوسری صورت) پہلے ہمزہ کو محقق اور دوسرے کو مسہّل پڑھیں، یعنی ہمزہ اور واؤ کے درمیان پڑھیں، **قوله جملةً واحدةً اس کا تعلق** اوتیها سے بھی ہوسکتا ہے اس وقت مطلب یہ ہوگا فرعون کے ہلاک ہونے کے بعد توریت جملۃً واحدۃً یکبارگی) دیدی گئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہلاکت فرعون اور اس کی قوم سے متعلق ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ فرعون اور اس کی قوم کو بالکلیہ ہلاک کرنے کے بعد توریت عطا کی گئی۔

تفسیر و تشریح

اس سے پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بسلسلہ ہدایت ذکر کیا گیا تھا، آگے دوسرے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا کچھ حال اجمالاً نام متعین کئے بغیر ذکر کیا گیا ہے، آثار و علامات سے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد ان امتوں سے عاد یا ثمود یا دونوں ہیں، عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا اور ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے، اس قصہ میں ان قوموں کا ہلاک ہونا ایک صیحہ یعنی غیبی سخت آواز کے ذریعہ بیان فرمایا ہے اور صیحہ کے ذریعہ ہلاک ہونا دوسری آیت میں قوم ثمود کا بیان ہوا ہے اس سے بعض حضرات نے فرمایا کہ ان آیات میں قرناً آخرین سے ثمود مراد ہیں مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صیحہ کا لفظ اس جگہ مطلق عذاب کے معنی میں ہو جیسا کہ تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان اشارہ کیا گیا ہے، اس طریقہ سے اس کا تعلق عاد کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنيا (الآیہ) مشرکین کا اعتقاد تھا کہ دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے، بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، دوبارہ ان کو زندہ ہونا نہیں ہے، ہر قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے وعدہ پر ہلاک کردی گئی جس قوم کی جو میعاد تھی اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوئی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا پھر ہم یکے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے اور مکذبین کو بھی ایک کے پیچھے ایک کو چلتا کرتے رہے، چنانچہ بہت سی قومیں اس طرح تباہ و برباد کردی گئیں، جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں **فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ** (الآیہ) مطلب یہ کہ موسیٰ و ہارون کی قوم تو غلام اور خدمت گار ہیں تو ہم انہیں میں کے دو افراد کو اپنا سردار کس طرح بنالیں، فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات عطا کی تاکہ لوگ اس پر چل کر جنت اور رضاء الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں وَ آوَیْنٰهُمَا اِلٰی رَبْوَةٍ ربوۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں مفسر علام نے اس میں تین احتمال ذکر کئے ہیں بیت المقدس، دمشق، فلسطین، ممکن ہے کہ یہ وہی ٹیلہ ہو کہ جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں چنانچہ سورہ مریم میں فناداها من تحتها

(الآیہ) دلالت کرتی ہے کہ وہ بلند جگہ تھی، نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی، لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ہے ہیرودس نامی ایک ظالم بادشاہ کو نجومیوں کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی جس کی وجہ سے بچپن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا، حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو لیکر مصر چلی گئیں اور اس ظالم بادشاہ کے مرنے کے بعد پھر شام واپس آئیں چنانچہ انجیل متیٰ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار دریائے نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا، اور ماء معین دریائے نیل ہے، بعض نے ربوہ سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے، بہر حال اہل اسلام میں سے کسی نے ربوہ سے کشمیر مراد نہیں لیا، اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتائی، البتہ ہمارے زمانے کے بعض زائغین نے ربوہ سے کشمیر مراد لیا ہے، اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتائی ہے، جس کا تاریخی حیثیت سے کوئی ثبوت نہیں ہے، محلہ خان یار سری نگر میں جو قبر ''یوزاسف'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت تاریخ اعظمی کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا جو دوسرے ملک سے یہاں آیا تھا، اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا انتہا درجہ کی حماقت اور سفاہت ہے، ایسی اٹکل پچو اور بے سروپا باتوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا خبط اور جنون کے سوا کچھ نہیں، اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو کہ ''یوزاسف'' کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھیں جو خاص اسی موضوع پر نہایت ہی تحقیق سے لکھا گیا ہے، جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ الحَلالاتِ **وَاعْمَلُوْا صَالِحًا** مِن فَرْضٍ ونَفْلٍ **اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ** فَأُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَاعلموا **اَنَّ هٰذِهٖٓ** اى مِلَّةَ الاِسْلامِ **اُمَّتُكُمْ** دِيْنُكُمْ اَيُّهَا المُخَاطَبُوْنَ اى يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوْا عليها **اُمَّةً وَّاحِدَةً** حَالٌ لَازِمَةٌ وفِي قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيْفِ النُّوْنِ وفِي اُخْرىٰ بِكَسْرِهَا مُشَدَّدَةً اِسْتِينَافًا **وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ** فَاحْذَرُوْنِ **فَتَقَطَّعُوْٓا** اى الاَتْبَاعُ **اَمْرَهُمْ** دِيْنَهُم **بَيْنَهُمْ زُبُرًا** حَالٌ مِن فَاعِلِ تَقَطَّعُوْا اى اَحْزَابًا مُتَخَالِفِيْنَ كَاليَهُوْدِ وَالنَّصَارىٰ وغيرهما **كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ** اى عِنْدَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ **فَرِحُوْنَ** مَسْرُوْرُوْنَ **فَذَرْهُمْ** اُتْرُكْ كُفَّارَ مَكَّةَ **فِيْ غَمْرَتِهِمْ** ضَلَالَتِهِمْ **حَتّٰى حِيْنٍ** اى حِيْنَ مَوْتِهِمْ **اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ** نُعْطِيْهِمْ **مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ** فِي الدُّنْيَا **نُسَارِعُ** نُعَجِّلُ **لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ** اَنَّ ذٰلِكَ اسْتِدْرَاجٌ لَهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ** خَوْفِهِمْ مِنْهُ **مُّشْفِقُوْنَ** خَائِفُوْنَ مِنْ عَذَابِهِ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ** القُرآنِ **يُؤْمِنُوْنَ** يُصَدِّقُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ** مَعَهُ غَيْرَهُ **وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ** يُعْطُوْنَ **مَآ اٰتَوْا** اَعْطَوْا مِنَ الصَّدَقَةِ والاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ **وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ** خَائِفَةٌ اَن لا تُقْبَلَ مِنهم **اَنَّهُمْ** يُقَدَّرُ قَبْلَهُ لامُ الجَرِّ

اِلٰی رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ ۙ اُولٰئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ ۝ في عِلمِ اللّٰهِ وَلَانُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اى طَاقَتَها فمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ جَالِسًا وَمَنْ لم يَسْتَطِعْ ان يَصُوْمَ فَلْيَأْكُلْ وَلَدَيْنَا عِنْدَنا كِتَابٌ يَّنْطِقُ بِالحَقِّ بِمَا عَمِلَتْه وهو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ تُسْطَرُ فيه الاَعْمَالُ وَهُمْ اى النُّفُوْسُ العَامِلَةُ لَايُظْلَمُوْنَ ۝ شَيْئًا مِنْهَا فَلاَ يُنْقَصُ مِنْ ثَوَابِ اَعْمَالِ الخَيْرِ وَلا يُزادُ فِي السَّيِّئَاتِ بَلْ قُلُوْبُهُمْ اى الكُفَّارِ فِي غَمْرَةٍ جهَالَةٍ مِّنْ هٰذَا القُرْآنِ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ المَذْكُوْرِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ هُمْ لَهَا عَامِلُوْنَ ۝ فَيُعَذَّبُوْنَ عليها حَتّٰى اِبْتِدَائِيَّةٌ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ اَغْنِيَائِهِمْ ورُؤَسَائِهِمْ بِالعَذَابِ اى السَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ اِذَا هُمْ يَجْأَرُوْنَ ۝ يَضِجُّوْنَ يُقَالُ لهم لَاتَجْأَرُوْا اليَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَاتُنْصَرُوْنَ ۝ لاتُمْنَعُوْنَ قَدْ كَانَتْ آيَاتِيْ مِنَ القُرْآنِ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۙ تَرْجِعُوْنَ قَهْقَرىٰ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ عَنِ الاِيْمَانِ به اى بِالبَيْتِ او الحَرَمِ بِاَنَّهُمْ اَهْلُهُ في اَمْنٍ بِخِلَافِ سَائِرِ النَّاسِ فِي مَوَاطِنِهِمْ سَامِرًا حالٌ اى جَمَاعَةً يَتَحَدَّثُوْنَ بِاللَّيْلِ حَوْلَ البَيْتِ تَهْجُرُوْنَ ۝ مِنَ الثُّلاثِيّ تَتْرُكُوْنَ القُرْآنَ وَمِنَ الرُّبَاعِيِّ اى تَقُوْلُوْنَ غَيْرَ الحَقِّ فى النَّبِيِّ وَالقُرْآنِ قال تعالٰى اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوْا اَصْلُهُ يَتَدَبَّرُوْا فَاُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ القَوْلَ اى القُرْآنَ الدَّالَّ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَمْ جَآءَ هُمْ مَّالَمْ يَأْتِ آبَآءَ هُمُ الاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ الاِسْتِفْهَامُ فِيهِ لِلتَّقْرِيْرِ بِالحَقِّ مِنْ صِدْقِ النَّبِيِّ وَمَجِيْءِ الرُّسُلِ لِلْاُمَمِ المَاضِيَةِ وَمَعْرِفَةِ رَسُوْلِهِمْ بِالصِّدْقِ وَالاَمَانَةِ وَاَنْ لَاجُنُوْنَ به بَلْ لِلاِنْتِقَالِ جَآءَ هُمْ بِالحَقِّ اى القُرْآنِ المُشْتَمِلِ عَلَى التَّوْحِيْدِ وشَرَائِعِ الاِسْلَامِ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الحَقُّ اى القُرْآنُ اَهْوَآءَ هُمْ بِاَنْ جَاءَ بِمَا يَهْوُوْنَهُ مِنَ الشَّرِيْكِ وَالوَلَدِ لِلّٰهِ تعالٰى عَنْ ذٰلِكَ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ اى خَرَجَتْ عَنْ نِظَامِهَا المُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التَّمَانُعِ فى الشَّيْءِ عادةً عِنْدَ تَعَدُّدِ الحَاكِمِ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ اى بِالقُرْآنِ الَّذِيْ فيه ذِكْرُهُمْ وَشَرَفُهُمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا اَجْرًا على ما جِئْتَهُمْ به مِنَ الاِيْمَانِ فَخَرَاجُ رَبِّكَ اَجْرُهُ وثَوَابُهُ ورِزْقُهُ خَيْرٌ وفى قِرَاءَةٍ خَرْجًا فى المَوْضِعَيْنِ وفى قِرَاءَةٍ اُخْرٰى خَرَاجًا فِيْهِمَا وَّهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ۝ اَفْضَلُ مَنْ اَعْطٰى وَاَجَرَ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ اى دِيْنِ الاِسْلَامِ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالآخِرَةِ بِالبَعْثِ وَالثَّوَابِ وَالعِقَابِ عَنِ

الصِّرَاطِ اي الطَّرِيْقِ لَنَاكِبُوْنَ عَادِلُوْنَ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وكَشَفْنَا مَابِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ اي جُوْعٍ اَصَابَهُمْ بِمَكَّةَ سبعَ سِنِيْنَ لَّلَجُّوْا تَمَادَوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ ضَلَالَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ يترَدَّدُوْنَ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالعَذَابِ الجُوْعِ فَمَا اسْتَكَانُوْا تَوَاضَعُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ يرغَبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ فِي الدُّعَاءِ حَتّٰى اِبْتِدَائِيَّةٌ اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا صَاحِبَ عذابٍ شَدِيْدٍ هو يَوْمُ بَدْرٍ بِالقَتْلِ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ۝ٛ آئِسُوْنَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ ع۳

ترجمہ

اے پیغمبرو! پاکیزہ حلال چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو وہ فرض اور نفل ہیں بلاشبہ میں تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں تو میں ان کاموں پر تم کو جزاء دوں گا اور یہ بات جان لو کہ یہ یعنی ملت اسلام اے مخاطبو تمہارا دین ہے یعنی تمہارے لئے واجب ہے کہ تم اس پر قائم رہو حال یہ ہے کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے یہ حال لازمہ ہے اور ایک قرأت میں اَنْ کے نون کی تخفیف کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت میں ہمزہ کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے اور یہ استیناف کے اعتبار سے ہے میں تمہارا رب ہوں تم مجھ سے ڈرتے رہو پھر وہ متبعین اپنے دینی معاملہ میں آپس میں مختلف ہوگئے زُبُرًا تقطعوا کے فاعل سے حال ہے یعنی آپس میں اختلاف کرنے والی جماعت ہوگئے، جیسا کہ یہود اور نصاریٰ وغیرہ پس ہر گروہ کے پاس جو ہے اسی پر خوش ہے یعنی جو دین ان کے پاس ہے (اسی پر خوش ہے) تو آپ ان کو یعنی اہل مکہ کو ان کی ضلالت میں ایک خاص وقت تک کے لئے چھوڑ دیجئے یعنی ان کی موت تک کیا یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال واولاد دنیا میں دے رہے ہیں تو ہم ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں کہ ان کے لئے ڈھیل ہے بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کی ہیبت سے خوف زدہ رہتے ہیں یعنی اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیتوں یعنی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی تصدیق کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہیں کرتے اور وہ لوگ دیتے ہیں جو دیتے ہیں صدقات سے اور کرتے ہیں نیک اعمال جو کرتے ہیں اور ان کے قلوب اس بات سے لرزاں رہتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ نیکی قبول نہ کی جائے اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اَنَّهُمْ سے پہلے لام جر مقدر مانا جائے گا، یہی ہیں وہ لوگ جو نیکیوں میں جلدی کر رہے ہیں اور یہی لوگ اللہ کے علم میں نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، اور ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں بناتے یعنی اس کی طاقت سے (زیادہ) لہٰذا جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور جو شخص روزہ نہ رکھ سکے تو نہ رکھے، اور ہمارے پاس ایک دفتر ہے جو ٹھیک ٹھیک (ہر وہ) کام بتا دیتا ہے جو کسی نے کیا ہو اور وہ لوح محفوظ ہے جس میں اعمال لکھے جاتے ہیں اور ان عمل کرنے والے لوگوں پر

ان کے اعمال کے بارے میں ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا، لہٰذا نہ تو ان نیک اعمال کا اجر کم کیا جائے گا اور نہ ان کے اعمال بد میں اضافہ کیا جائے گا بلکہ ان کافروں کے قلوب اس قرآن کے بارے میں جہالت میں ہیں اور ان (کافروں کے) مومنین کے اعمال مذکورہ کے برخلاف اور اعمال بھی ہیں جن کو وہ کرتے ہیں تو ان (کافروں) کو ان اعمال پر عذاب دیا جائے گا، یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال مالداروں اور سرداروں کو عذاب میں یعنی یوم بدر کی تلوار کے عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ چلانے لگیں گے (تو) ان سے کہا جائے گا، اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ کی جائے گی میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم ایمان سے تکبر کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگتے تھے یعنی الٹے پلٹ جاتے تھے بیت اللہ یا حرم کی وجہ سے اس وجہ سے کہ وہ اہل حرم تھے اور اہل حرم امن میں تھے، بخلاف دیگر تمام لوگوں کے کہ اپنے مقامات میں (کہ غیر مامون تھے) رات کو باتیں بناتے ہوئے بیہودہ بکتے ہوئے یعنی جماعت کی شکل میں بیت اللہ کے گرد جمع ہو کر بیہودہ باتیں بناتے تھے، تَهْجُرُوْنَ ثلاثی سے تَتْرُكُوْنَ القُرآنَ کے معنی میں ہے اور رباعی سے تُهْجِرُوْنَ تقولون کے معنی میں ہے یعنی تم نبی اور قرآن کے بارے میں ناحق باتیں کرتے تھے کیا ان لوگوں نے اس کلام یعنی قرآن میں جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دال ہے غور نہیں کیا؟ يَدَّبَّرُوا کی اصل يَتَدَبَّرُوْا تھی تا کو دال میں ادغام کر دیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے آباواجداد کے پاس نہیں آئی تھی یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کے منکر ہیں یا یہ لوگ آپ کے بارے میں جنون کے قائل ہیں؟ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوْا میں استفہام اقرار حق پر آمادہ کرنے کے لئے ہے وہ حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور امم ماضیہ میں رسولوں کی آمد اور ان کا اپنے رسولوں کی صداقت و امانت کی معرفت اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں ہیں بلکہ (اصلی وجہ یہ ہے) کہ یہ رسول ان کے پاس حق بات لیکر آئے ہیں، یعنی قرآن کو جو کہ توحید اور قانون اسلام پر مشتمل ہے اور ان میں کے اکثر لوگ حق بات سے نفرت کرتے ہیں اور اگر حق یعنی قرآن ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا بایں طور کہ جو یہ چاہتے وہی لاتا (یعنی) اللہ کے لئے شریک اور اولاد اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے یعنی اپنے نظام مشاہد سے نکل جاتے تعدد حکام کے وقت عادۃً شئ میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات یعنی قرآن جس میں ان کا ذکر اور شرف ہے بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں یعنی ایمان کی باتوں پر جن کو آپ ان کے لئے لیکر آئے ہیں کچھ اجرت طلب کرتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی یعنی اس کا اجر و ثواب اور اس کا رزق بہتر ہے اور ایک قرأت میں دونوں جگہ خَرْجًا ہے اور ایک قرأت میں دونوں جگہ خَرَاجًا ہے اور وہ دینے والوں میں سب سے اچھا دینے والا ہے یعنی عطا کرنے والوں اور اجر دینے والوں میں وہ سب سے بہتر ہے آپ تو ان کو سیدھے راستہ یعنی دین اسلام کی طرف بلا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو آخرت پر یعنی بعث و ثواب و عقاب پر ایمان نہیں رکھتے

یہ حالت ہے کہ (سیدھے) راستہ سے ہٹے جاتے ہیں اور اگر ہم ان پر مہربانی فرمائیں اور ان پر جو تکلیف ہے یعنی وہ بھکمری جو سات سال تک مکہ میں ان کو لاحق ہوگئی تھی دور کردیں تو وہ لوگ اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں اور ہم نے ان کو بھکمری کے عذاب میں گرفتار (بھی) کیا ہے مگر ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے عاجزی تواضع اختیار کی اور نہ تضرع کیا، یعنی نہ دعاء میں اللہ کی طرف رغبت کی یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر بدر کے دن قتل کے ذریعہ شدید عذاب کا دروازہ کھولدیا تو اچانک اس دن میں ہر خیر سے ناامید ہوگئے **قوله بل لایشعرون** یہ یَحْسَبُوْنَ سے اضراب ہے یعنی ان کا خیال غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ اس آیت میں اگرچہ بظاہر خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد ہر نبی ہے، یعنی ہر نبی کو اس کے زمانہ میں یہی حکم تھا **قوله** واعلموا اَنَّ ھٰذِہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً مفسر علام نے اعلَمُوْا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَنَّ فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے اور ھٰذِہٖ اَنَّ کا اسم ہے اور اُمَّتُکُمْ اس کی خبر ہے اور اُمَّۃً حال لازمہ ہے اور وَاحِدَۃً اس کی صفت لازمہ ہے اور ایک قرأت میں تخفیف نون اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی مخففہ عن المثقلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، اور ایک تیسری قرأت میں اِنَّ نون مشددہ اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا جملہ مستانفہ پر عطف ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ معطوف علی المستانفہ، مستانفہ ہوتا ہے **قوله** اَمْرَھُمْ یہ تَقَطَّعُوْا بمعنی قَطَّعُوْا کا مفعول ہے، جیسے تَقَدَّمَ بمعنی قَدَّمَ آتا ہے ای جَعَلُوْا دِیْنَھُمْ ادیانا مختلفۃ **قوله** زُبُرًا یہ زبور کی جمع ہے بمعنی فریق، لوہے کا ٹکڑا یہ تَقَطَّعُوْا کے فاعل سے حال ہے یا اس کا مفعول ہے **قوله** فی غَمْرَتِھِمْ یہ فذرھم کا مفعول ثانی ہے، ای اُتْرُکْھُمْ مستقرین فی غمرتھم **قوله** اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ مَا موصولہ ہے اس لئے کہ من مال وبنین اس کا بیان آرہا ہے یہ مَا کے موصولہ ہونے کی دلیل ہے لہٰذا مَا کو اَنَّ سے جدا کرکے لکھا جانا چاہئے تھا لیکن مصحف امام (مصحف عثمانی) کے رسم الخط کی اتباع کرتے ہوئے اَنَّ کو مَا کے ساتھ متصل کردیا، یہ مَا، اَنَّ کا اسم ہے اور نسارع جملہ ہوکر خبر ہے اور رابطہ کی ضمیر محذوف ہے ای بہ **قوله** اِنَّ الذین ھم مِنْ خشیَۃِ رَبِّھِمْ مُشفقونَ الذین اِنَّ کا اسم ہے، ھُمْ مبتدا ہے مشفقون مبتداء کی خبر ہے مِنْ خشیَۃِ ربھم، مشفقون کے متعلق ہے، ھم مبتدا اپنی خبر مشفقون سے ملکر صلہ موصول کا، موصول اپنے صلہ سے ملکر اِنَّ کا اسم ہے، اسی طرح آئندہ آنے والے چاروں موصول اِنَّ کا اسم ہیں اور اُولٰئِکَ یُسارِعُونَ فِی الْخَیْرٰتِ جملہ ہوکر اِنَّ کی خبر ہے، **قوله** والذین یُؤتُونَ یُعطون ما اَعْطَوْا عام مفسرین اس پر ہیں کہ یُؤتون ایتاءٌ سے ہے ای یعطون ما اعطَوْا ابن عباسؓ اور عائشہؓ وغیرہما فرماتے ہیں کہ یوتون مَا اَتَوا اتیان سے ہے ای یفعلون ما فعلوامن

الاعمال الصالحات مفسر علام نے دونوں معنی کی رعایت کرتے ہوئے مَا کے بیان میں دو لفظ ذکر کئے ہیں، من الصدقة کا تعلق عام مفسرین کے معنی کے اعتبار سے اور اعمال صالحہ کا تعلق حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی قرأت سے ہے **قوله** وَجِلَةٌ حال ہے یوتون کی ضمیر سے **قوله** يُقَدَّرُ قَبْلَهُ لام الجَرّ، اَنَّهُمْ سے پہلے لام جر مقدر مانا جائے گا تاکہ وجلة کی علت ہو جائے یعنی ان کے قلوب اس لئے خائف رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے **قوله** وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ یہ اصل میں وهم سابقون لَهَا تھا فواصل کی رعایت کے لئے لها کو مقدم کر دیا، یہ جملہ مبتدا خبر ہے، وَهُمْ لايُظْلَمُوْنَ، هم ضمیر نفس کی طرف راجع ہے جو کہ لاتُكَلِّفُ نَفْسًا میں ہے نفسٌ چونکہ نفی کی تحت واقع ہے جس کی وجہ سے عموم مراد ہے جس کے اندر جمع کے معنی ہیں، اس لئے وهُمْ لايُظْلَمُوْنَ میں جمع کا صیغہ لانا درست ہے، **قوله** وَلَهُمْ الخ ای لِلكفار اعمالٌ خبيثةٌ **من دون ذلك الأعمال** المذكورة **للمؤمنين** قتادہ نے کہا ہے کہ لَهُمْ کی ضمیر کا مرجع مسلمین ہے یعنی مومنین کے لئے اعمال مذکورہ کے علاوہ اور بھی نیک اعمال ہیں جن کو وہ کرتے رہتے ہیں، بغوی نے کہا ہے کہ اول معنی زیادہ ظاہر ہیں **قوله** حَتّٰی ابتدائية یعنی اس کے بعد سے کلام کی ابتدا ہو رہی ہے **قوله** اِذَا اَخَذْنَا مترفيهم شرط ہے اِذَا هُمْ يَجْاَرُوْنَ اس کی جزاء اِذَا مفاجاتیہ ہے بمعنی فا ہے تقدیر عبارت یہ ہے حَتّٰی اذا اَخَذْنَا مُتْرفيهم بالعذاب فاجئروا بالصراخ يَجْئَرُوْنَ مضارع جمع مذکر غائب (فتح) جئرًا بے قرار ہو کر فریاد کرنا، گائے بیل کا چلانا، تَنْكِصُوْنَ مضارع جمع مذکر حاضر ہے (ض) نکوص پھرنا، واپس ہونا **قوله** مستكبرين به جار مجرور مستكبرين سے متعلق ہے باسببیہ ہے یا سامرًا سے متعلق ہے با بمعنی فی ہے بہ کا مرجع یا قرآن ہے جو کہ كانت آياتي سے مفہوم ہے یا اس کا مرجع بیت اللہ یا حرم ہے، اگرچہ ان دونوں کا سابق میں ذکر نہیں ہے مگر بیت اللہ اور حرم پر ان کا فخر واستکبار اس قدر مشہور تھا کہ مذکور نہ ہونے کی صورت میں بھی مذکور سمجھا جاتا تھا، **قوله** مستكبرين وسامرًا وتَهْجرون یہ تینوں ينكصون کی ضمیر سے حال ہیں، مفسر علام کے لئے زیادہ بہتر تھا کہ حالٌ کو تهجرون کے بعد ذکر کرتے اور حالٌ کے بجائے احوال فرماتے **قوله** بِاَنَّهُمْ اَهْلُهٗ باسببیہ ہے بیان علت کے لئے یعنی ایمان سے استکبار کرتے تھے یہ علت اور دلیل بیان کرتے ہوئے کہ ہم بیت اللہ کے منتظم اور متولی ہیں **قوله** اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوْا القول ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَعَمُوْا فَلَمْ يَدَّبَّرُوْا کیا یہ لوگ (قدرت کی نشانیوں سے) اندھے ہو گئے ہیں کہ (ان میں) غور وفکر نہیں کرتے **قوله** عادة یہاں مناسب یہ تھا کہ عادة کے بجائے عَقْلًا کہتے، اس لئے کہ وجود شرک فساد عالم کا عقلاً مقتضی ہے نہ کہ عادةً **قوله** لَلَجُّوْا یہ لو کا جواب ہے **قوله** مبلسون ابلاس سے مشتق ہے اس کے معنی ناامید ہونا، مایوس ہونا، اسی سے ابلیس ہے کہ وہ بھی رحمت خداوندی سے مایوس ہو گیا ہے۔

☆☆☆

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو اپنے اپنے زمانہ میں دو باتوں کی ہدایت دی گئی اول یہ کہ پاکیزہ اور حلال چیزیں کھائیں دوم یہ کہ نیک اعمال کریں، جب انبیاء کرام جو کہ معصوم ہوتے ہیں ان کو یہ ہدایت ہے تو امت تو بطریق اولیٰ اس کی مخاطب ہوگی، بلکہ اصل مقصود امت ہی کو ہدایت کرنا ہے، علماء نے اس حکم سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک عمل کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے، اور جب غذا حرام ہوتی ہے تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود اس میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں، حدیث میں وارد ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یا رب یا رب پکارتے ہیں مگر ان کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے، پینا بھی حرام، لباس بھی حرام ہوتا ہے اور حرام ہی کی ان کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی کہاں دعا قبول ہو سکتی ہے؟ (قرطبی)

اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً لفظ امت جماعت اور کسی خاص پیغمبر کی قوم کے معنی میں معروف و مشہور ہے، اور کبھی یہ لفظ طریقہ اور دین کی معنی میں بھی آتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَھُمْ بَیْنَھُمْ زُبُرًا زُبُرٌ زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنی میں آتا ہے اس معنی کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تو تمام انبیاء اور ان کی امتوں کو اصول اور عقائد میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر امتوں نے اس کو نہ مانا، اور آپس میں مختلف ٹکڑے ہو گئے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی، اور زُبُرٌ کبھی زُبْرَةٌ کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنی قطعہ اور ٹکڑے کے ہیں یہی معنی اس جگہ زیادہ واضح ہیں، اور مراد آیت کی یہ ہے کہ لوگ عقائد اور اصول میں بھی مختلف فرقے بن گئے لیکن فروعی اختلاف ائمہ مجتہدین اس میں داخل نہیں کیونکہ ان اختلافات سے دین وملت الگ نہیں ہو جاتی، اس اجتہادی اور فروعی اختلاف کو فرقہ واریت کا رنگ دینا خاص جہالت ہے جو کسی مجتہد کے نزدیک جائز نہیں۔ (معارف)

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ یعطُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَةٌ یُؤْتُوْنَ ایتاءٌ سے مشتق ہے جس کی معنی دینے اور خرچ کرنے کے ہیں اسی لئے اس کی تفسیر صدقات سے کی گئی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک قرأت یَاْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا بھی منقول ہے یعنی عمل کرنے میں جو کچھ کرتے ہیں، اس میں صدقات نماز روزہ اور دیگر تمام نیک اعمال شامل ہو جاتے ہیں، اسی قرأت کی رعایت کرتے ہوئے مفسر علام نے والاعمال الصالحہ سے تفسیر کی ہے، مشہور قرأت کے مطابق اگرچہ یہاں ذکر صدقات ہی کا ہوگا مگر بہرحال مراد عام اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے وہ

لوگ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ اعمال اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں ایسے ہی لوگ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کیا کرتے ہیں (رواہ احمد والترمذی) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنے ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے اتنے نہیں ڈرتے۔ (قرطبی)

اولئکَ یُسارعون فی الخیرات کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیادار دنیا کے فوائد کے لئے دنیا کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کے فکر میں رہتے ہیں یہ حضرات دین کے فوائد کے لئے ایسا ہی عمل کرتے ہیں اسی لئے وہ دین کے کاموں میں دوسروں سے آگے رہتے ہیں۔ (معارف)

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اس آیت کی ضروری تشریح تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے ملاحظہ کرلی جائے، راجح تفسیر یہ ہے کہ ان کی گمراہی کے لئے تو ایک شرک وکفر ہی کا پردۂ غفلت کافی تھا مگر وہ اسی پر بس نہیں کرتے اس کے علاوہ دیگر اعمال خبیثہ بھی مسلسل کرتے رہتے ہیں **قوله مُتْرَفِیهِمْ** مُتْرَفٌ تَرَفٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی خوشحالی کے ہیں، اس جگہ اس قوم کو عذاب میں پکڑنے کا ذکر ہے، جس میں امیر غریب خوشحال بدحال سبھی داخل ہوں گے مگر یہاں خوشحال لوگوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ایسے ہی لوگ دنیا کے مصائب سے اپنے بچاؤ کے لئے کچھ سامان کرلیا کرتے ہیں مگر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سروں پر نازل ہوا تھا، اور بعض حضرات نے اس عذاب سے وہ قحط کا عذاب مراد لیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر مسلط کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ وہ مردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے تھے بعض مفسرین نے عذاب آخرت بھی مرادلیا ہے مگر یہ سیاق وسباق کے مطابق نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع پر مسلمانوں پر ان کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی "اَللّٰهُمَّ اشدد وَطاتكَ علٰى مَضَر واجعلهَا عَلَيْهم سنين كسنِي يوسفَ" (رواہ البخاری ومسلم)

مستکبرین به سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ اس میں بِهٖ کی ضمیر اکثر مفسرین نے حرم کی طرف راجع قرار دی ہے جیسا کہ علامہ محلی کی بھی یہی رائے ہے، حرم کا اگرچہ سابق میں کہیں ذکر نہیں مگر حرم سے قریش مکہ کا گہرا تعلق اور فخر وناز اتنا معروف ومشہور تھا کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، اور معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ قریش مکہ کا قرآن کی آیتیں سن کر پچھلے پاؤں بھاگنے (اعراض کرنے) کا سبب حرم مکہ کی نسبت اور اس کی خدمت پر ان کا تکبر اور ناز تھا، اور سَامِرًا سَمَرٌ سے مشتق ہے، جس کے اصل معنی چاندنی رات کے ہیں، عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر قصے کہانی کہا کرتے

تھے اس لئے لفظ سَمَرٌ قصہ کہانی کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور سامر قصہ گو کو کہا جاتا ہے، یہ لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے بولا جاتا ہے اس جگہ سامر بمعنی سامرین جمع کے لئے استعمال ہوا ہے، صاحب جلالین نے اسی جمع کے معنی کے لئے جماعۃ کا لفظ لاکر اشارہ کیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ سمرٌ کے معنی رات کو گفتگو کرنے کے ہیں، یہاں خاص طور پر اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ رات کو صحن کعبہ میں بیٹھ کر بے کار اور بیہودہ قصہ گوئی میں مشغول رہتے تھے اور قرآن اور صاحب قرآن کا مذاق اڑاتے ہوئے تفریحی کلمہ چست کرتے تھے اسی بنا پر حق کی بات سننے سے انکار کر دیتے تھے اس سے بڑھ کر یہ کہ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بکواس اور فحش گوئی کرتے تھے۔

عشاء کے بعد فضول جاگنے کی ممانعت

رات کو قصہ گوئی کا مشغلہ عرب اور عجم میں قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، اس میں بہت سے مفاسد ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو ختم کرنے کے لئے عشاء سے پہلے سونے کی اور عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی کو منع فرمایا ہے حکمت یہ تھی کہ عشا کی نماز پر انسان کے اعمال یومیہ ختم ہو رہے ہیں، جو دن بھر کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے اگر عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی میں لگ گیا اولاً تو یہ فعل خود عبث اور مکروہ ہے اس کے علاوہ اس کے ضمن میں غیبت جھوٹ اور دوسرے طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے، اور ایک اس کا برا انجام یہ ہے کہ جب رات کو دیر تک جاگے گا تو صبح سویرے نہیں اٹھ سکے گا، اسی لئے فاروق اعظم جب کسی کو عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی میں مشغول دیکھتے تو تنبیہ فرماتے تھے اور بعض کو سزا بھی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جلد سو جاؤ شاید آخر رات میں تہجد کی توفیق ہو جائے (قرطبی)

افلم یَدَّبَّرُوا القولَ سے اَم یقولون بہ جنۃ تک ایسی پانچ چیزوں کا ذکر ہے جو مشرکین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے کسی درجہ میں مانع ہو سکتی تھیں، ان میں سے ہر ایک کے منفی ہونے کا بیان اس کے ساتھ کر دیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جو وجوہ ان لوگوں کے لئے ایمان سے مانع ہو سکتی تھیں ان میں سے کوئی بھی وجہ موجود نہیں اور ایمان لانے کے لئے جو اسباب و وجوہ داعی ہیں وہ سب موجود ہیں اس لئے اب ان کا انکار، ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں جس کا ذکر اس کے بعد کی آیت میں اس طرح فرمایا بَلْ جَاءَ هُمْ بالحق واکثرُهُمْ للحق کارِهُونَ یعنی انکار رسالت کی کوئی عقلی یا طبعی وجہ موجود نہیں پھر انکار کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق بات لیکر آئے ہیں اور یہ لوگ حق بات ہی کو برا سمجھتے ہیں سننا نہیں چاہتے جس کا سبب ہوا و ہوس کا غلبہ اور بقاء اقتدار کی خواہش ہے ان پانچ چیزوں میں سے جو کہ بظاہر اقرار بالنبوت سے مانع ہو سکتی ہیں ان میں سے ایک کا بیان مندرجہ ذیل آیت میں ہے۔

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ یعنی ان کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوت حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا

ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا کہ یہ لوگ اس کے نام ونسب اور عادات واطوار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اسے کیسے نبی ورسول مان کر اپنا مقتدا بنالیں مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے، اور بچپن سے لیکر جوانی کا سارا زمانہ انہیں لوگوں کے سامنے گذرا آپ کا کوئی عمل اور عادت ان سے پوشیدہ نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار آپ کو صادق وامین کہا کرتے تھے آپ کے کردار عمل پر کسی نے بھی کبھی شبہ ظاہر نہیں کیا تھا تو اب ان کا یہ عذر نہیں چل سکتا کہ وہ ان کو پہچانتے نہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَاهُمْ بِالعَذَابِ اس سے پہلی آیت میں مشرکین کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ یہ لوگ جو عذاب میں مبتلا ہونے کے وقت اللہ سے یا رسول سے فریاد کرتے ہیں اگر ہم ان کی فریاد پر رحم کھا کر عذاب ہٹا دیں تو ان کی جبلی شرارت وسرکشی کا عالم یہ ہے کہ عذاب سے نجات پانے کے بعد پھر بھی اپنی سرکشی اور نافرمانی میں مشغول ہوجائیں گے اس آیت میں ان کے ایک اسی طرح کے واقعہ کا بیان ہے، کہ ان کو ایک عذاب میں پکڑا گیا، مگر عذاب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت نجات پانے کے بعد بھی یہ اللہ کے سامنے نہیں جھکے اور برابر اپنے کفر وشرک پر جمے رہے۔

اہل مکہ پر قحط کا عذاب

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر قحط کا عذاب مسلط ہونے کی دعا کی تھی جس کی وجہ سے یہ سخت قحط کے عذاب میں مبتلا ہوئے اور مردار وغیرہ کھانے پر مجبور ہوگئے، یہ دیکھ کر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ کو اللہ کی اور صلہ رحمی کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں اہل عرب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ نے فرمایا بے شک کہا ہے اور واقعہ بھی یوں ہی ہے، ابوسفیان نے کہا آپ نے اپنی قوم کے بڑوں کو تو بدر کے معرکہ میں تلوار سے قتل کردیا اور جو رہ گئے ہیں ان کو بھوک سے قتل کر رہے ہیں، اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہم سے ہٹ جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی یہ عذاب اسی وقت ختم ہوگیا اسی پر یہ آیت **وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ** نازل ہوئی اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ عذاب میں مبتلا ہونے پھر اس سے نجات پانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنے رب کے سامنے نہیں جھکے چنانچہ واقعہ بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط بھی رفع ہوگیا مگر مشرکین مکہ اپنے شرک وکفر پر اسی طرح جمے رہے۔ (مظہری وغیرہ بحوالہ معارف)

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ خَلَقَ لَكُمُ السَّمْعَ بِمَعْنَى الاَسْمَاعِ وَالاَبْصَارَ وَالاَفْئِدَةَ الْقُلُوْب قَلِيْلًا مَا تَاكِيْدُ لِلقِلَّةِ تَشْكُرُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ خَلَقَكُمْ فِي الاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ تُبْعَثُوْنَ وَهُوَ الَّذِی

يُحْيِي بنفخ الرُّوحِ في المُضْغَةِ وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ط بالسَّوادِ والبَياض والزِّيَادَةِ والنُّقصان افلا تَعْقِلُوْنَ ۝ صَنِيْعَهُ تَعَالٰى فَتَعْتَبِرُوْنَ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَاقَالَ الاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْآ اى الاَوَّلُوْنَ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لا، وفِي الهَمْزَتَيْنِ فِي المَوضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وادْخالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الوَجْهَيْنِ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ آبَاؤُنَا هٰذَا اى البَعْثُ بَعْدَ المَوْتِ مِنْ قَبْلُ اِنْ مَا هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ اَكَاذِيْبُ الاَوَّلِيْنَ ۝ كالاَضَاحِيْكِ وَالاَعَاجِيْبِ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بالضَّمِّ قُلْ لَهُمْ لِّمَنِ الاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا مِنَ الخَلْقِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ خَالِقُهَا وَمَالِكُهَا سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ لَهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الذَّالِ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ القَادِرَ عَلَى الخَلْقِ اِبْتِدَاءً قَادِرٌ عَلَى الاَحْيَاءِ بَعْدَ المَوْتِ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ العَرْشِ العَظِيْمِ الكُرْسِيّ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ تَحْذَرُوْنَ عِبادةَ غَيْرِهٖ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ مُلْكُ كُلِّ شَيْءٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَايُجَارُ عَلَيْهِ يَحْمِيْ ولايُحمى عليه اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ط وفى قِرَاءَةٍ لِلّٰهِ بلامِ الجرّ فى المَوْضِعَيْنِ نظرًا الى اَنَّ المَعْنٰى مَنْ لَهُ مَاذُكِرَ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ تُخْدَعُوْنَ وتُصرفُوْنَ عن الحَقِّ عِبادَةِ اللّٰهِ وحْدَه اى كَيْفَ يُخَيَّلُ لَكُمْ اَنَّهُ بَاطِلٌ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالحَقِّ بالصِّدْقِ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ فى نَفْيِه وهُوَ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَاكَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا اى لَوْ كَانَ مَعَهُ اِلٰهٌ لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ اى انْفَرَدَ به ومَنَعَ الآخرَ مِنَ الاِسْتِيْلَاءِ عَلَيْهِ وَلَعَلٰى بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط مُغَالَبَةً كَفِعْلِ مُلُوْكِ الدُّنْيَا سُبْحٰنَ اللّٰهِ تنزيها له عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ به مِمَّا ذُكِرَ عٰلِمِ الغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ مَا غَابَ وَما شُوْهِدَ بالجرّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ هُوَ مُقَدَّرًا فَتَعٰلٰى تَعَظَّمَ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ مَعَهُ ع

ترجمہ

وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تمہارے کان بنائے سمع بمعنی اسماع اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو ما، قلت کی تاکید کے لئے اور وہ ذات ہے کہ جس نے مٹی سے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے، یعنی مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور وہ ایسی ذات کہ جو گوشت کے لوتھڑے میں روح پھونک کر تم کو حیات بخشتی ہے اور موت دیتی ہے، اور سیاہی اور سفیدی زیادتی اور نقصان کے ذریعہ رات اور دن کو بدلنا اسی کے اختیار میں ہے تو کیا تم اللہ تعالیٰ کی صنعت کو سمجھتے نہیں ہو کہ عبرت حاصل کرو، بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے لوگ کہتے چلے آئے ہیں پہلے لوگوں نے یوں کہا کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے

جائیں گے نہیں، اور ہمزہ میں دونوں جگہوں پر تحقیق ہے اور ثانی ہمزہ کی تسہیل ہے، اور دونوں ہمزوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کرنا ہے اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یعنی بعث بعد الموت کا، یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند جھوٹی باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آرہی ہیں جیسا کہ ہنسی کی اور تعجب کی باتیں اَساطیر اُسطورۃ کی جمع ہے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ آپ ان سے دریافت کیجئے کہ یہ زمین اور اس میں جو مخلوق ہے کس کی ملک ہیں اگر تم اس کے خالق کو اور مالک کو جانتے ہو تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ملک میں ہیں (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں غور نہیں کرتے تَذَکَّرُوْنَ (اصل میں تَتَذَکَّرُوْنَ تھا) تا ثانیہ کو ذال کیا اور ذال کو ذال میں ادغام کردیا تَذَّکَّرُوْنَ ہوگیا، کہ تم جان سکو کہ جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے آپ ان سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ ان ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کرسی کا مالک کون ہے؟ تو وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے (اس وقت) کہئے تو پھر تم غیر اللہ کی عبادت سے کیوں نہیں بچتے؟ آپ ان سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے ملکوت میں ت مبالغہ کے لئے ہے وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا یعنی وہ حمایت کرتا ہے اس کے مقابلہ حمایت نہیں کی جاسکتی، اگر تم کو کچھ خبر ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے (ان صفات کا مالک) اللہ ہے اور ایک قرأت میں (اللہ کے بجائے) للّٰہ ہے لام جر کے ساتھ دونوں جگہوں میں اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ (مَنْ بیدہ) کے معنی مَنْ لہ ماذُکِرَ کے ہیں تو آپ (اس وقت) کہئے کہ پھر تم کو کیا خبط ہو رہا ہے؟ یعنی دھوکے میں پڑے ہوئے ہو اور حق یعنی اللہ وحدہ کی عبادت سے برگشتہ ہو رہے ہو یعنی تم کو یہ تصور کیسے ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ باطل ہے بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ خود جھوٹے ہیں اس سچی بات کی نفی کرنے میں اور وہ سچی بات جو ہم نے پہنچائی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ تو اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا یعنی خود تن تنہا اس کا مالک ہو جاتا اور دوسرے کو اس پر غلبہ کرنے سے روک دیتا، اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا غلبہ حاصل کرنے کے لئے جیسا کہ دنیا کے بادشاہ کرتے ہیں اللہ ان تمام مذکورہ باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے جو غائب ہے اور جو ظاہر ہے عَالِمِ کے جر کے ساتھ لفظ اللہ کی صفت ہے اور رفع کے ساتھ ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے غرضیکہ وہ ان چیزوں سے بالاتر ہے جن کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ مَا اس قلت کی تاکید کے لئے ہے جو قلیلاً کی تنوین تنکیر سے مستفاد ہے اور قلیلاً مفعول مطلق کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس کی تقدیر عبارت یہ ہے ای تشکرون شکراً قلیلاً اور یہ عدم شکر

سے کنایہ ہے اس لئے کہ قلت عدم کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہی معنی حال کفار کے زیادہ مناسب ہیں **قوله** اَفلا تعقِلُوْنَ ہمزہ، محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے ای اَغَفَلْتُم فَلَا تَعْقِلُوْنَ انَّ القَادِرَ انشاء الخلق قادرٌ علی اِعادتِهم بَعْدَ الموْتِ **قوله** بَلْ قَالُوْا ای کفار مکۃ یہ محذوف سے اضراب انتقالی ہے تقدیر عبارت یہ ہے فلمْ یَعْتَبِرُوْا بَلْ قَالُوْا ابوسعود نے کہا بَلْ قَالُوْا کا عطف مقدر ہے ای فَلَمْ یَعقِلُوْا بَلْ قَالُوْا **قوله** لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا، آبَاؤُنَا کا عطف وُعِدْنَا کی ضمیر متصل پر ہے جب کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا ہو تو ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے مگر یہاں چونکہ نحنُ کا فصل آگیا ہے جو کہ قائم مقام ہے ضمیر منفصل کے لہٰذا عطف درست ہوگیا ھذا ، وُعِدْنَا کا مفعول ثانی ہے اور نا ضمیر اس کا نائب فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ وَعَدَنَا الآنَ محمدٌ بالبعثِ وَعَدَ غیرہ آبائَنَا مِنْ قبلنا به **قوله** لا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ءَ اِذَا مِتْنَا میں ہمزہ استفہام انکاری ہے **قوله** اِنْ کنتم تعلمون شرط ہے اس کا جواب محذوف ہے ای ان کُنتُم تعلمونَ فاخبِرُونی بخالِقِها **قوله** مَلَکُوْتُ اس میں واؤ اور تا مبالغہ کے لئے زائد ہیں جیسا کہ رحموت میں **قوله** ولا یُجارُ علَیہ علٰی کے ساتھ تعدیہ نصرت کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے **قوله** نظرًا الی اَن المعنٰی مَنْ له لفظ اللہ او پر تین جگہ واقع ہوا ہے پہلی جگہ لام جر کے ساتھ متعین ہے اس لئے کہ سوال میں لام ظاہر ہے یعنی قل لِمَنْ الارض ومَنْ فیها لہٰذا جواب یعنی سیقولون للّٰه میں بھی لام کو ظاہر کرنا متعین ہے، دوسرے مقام پر معنی کی رعایت کی وجہ سے لام کو ظاہر کرتے ہیں اور لفظ کی رعایت کی وجہ سے لام کو حذف کرتے ہیں اس لئے کہ سوال کے الفاظ یہ ہیں قل مَن رب السمٰوات (الآیہ) تو اس وقت جواب ہوگا اللہ، اور معنی کی رعایت کریں تو مَن رب السمٰوات معنی میں لِمَن السمٰوات تو اس وقت جواب میں للّٰه واقع ہوگا، اسی طرح تیسرے مقام قل مَنْ بیدہٖ ملکوْتُ کُلِّ شیئٍ اگر سوال کے لفظ کی رعایت کی جائے تو لام حذف ہوگا اور اگر سوال کے معنی کی رعایت کی جائے تو لام ظاہر ہوگا، اس لئے کہ معنی یہ ہیں لِمَن ملکوتُ کُلِّ شیئٍ خلاصہ یہ ہے کہ ان تین مقاموں میں سے پہلے مقام میں اظہار لام جر متعین ہے اور بعد کے دونوں مقاموں میں سوال کے لفظ کی رعایت سے حذف لام ہوگا اور معنی کی رعایت سے اظہار لام ہوگا یعنی اظہار اور حذف دونوں جائز ہیں، **قوله** تُخدَعُوْنَ تُسْحَرُوْنَ کی تفسیر تُخدَعُوْنَ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ تُسْحَرُوْنَ مجازاً تخدعُوْن کے معنی میں ہے **قوله** وتُصرَفُوْنَ عن الحقِّ عِبادۃِ اللّٰه ، عِبَادَۃِ اللّٰهِ حق سے بدل ہے اسی وجہ سے عبادۃ اللّٰه مجرور ہے **قوله** کَیف یُخَیَّلُ لکُم اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنّٰی کَیفَ کے معنی میں ہے اور تُسْحَرُوْنَ تُخَیَّلُ کے معنی میں ہے **قوله** مِنْ وَلَدٍ من مفعول پر زائدہ ہے اور مِن الٰہٍ میں منْ کان کے اسم پر زائد ہے **قوله** اِذًا ای لو کان معه اله لَذَهَبَ (الآیہ) اِذًا کے بعد لو کان معهٗ کا اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اذا ایسے کلام پر داخل

ہوتا ہے کہ جو شرط و جزاء پر مشتمل ہو اور یہاں لَذَھَبَ صرف جزا ہے جواب یہ ہے کہ شرط محذوف ہے جس کی طرف شارح نے لو کان معہٗ الٰہٌ محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے، اِذًا بمعنی لو امتناعیہ ہے، **قوله** ماذُکِرَ ای من الاولاد و الانداد **قوله** عالمِ الغیبِ جر کے ساتھ ہے لفظ اللہ سے بدل یا صفت واقع ہونے کی وجہ سے اور عالمُ الغیب کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو ھُوَ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی، **قوله** فتعالیٰ اس کا عطف ماقبل کے معنی پر ہے، ای عَلِمَ الغَیبَ فتعالیٰ عما یُشرکون

تفسیر و تشریح

هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَلَکُمْ (الآیہ) یعنی عقل و فہم اور سننے سمجھنے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تاکہ ان کے ذریعہ وہ حق پہچانیں، سنیں اور اسے قبول کریں یہی ان نعمتوں کا شکر یہ ہے مگر یہ شکر کرنے والے یعنی حق کو قبول کرنے والے کم ہی ہیں۔

اَسَاطِیْرُ، اُسطُورۃ کی جمع ہے یعنی مُسَطَّرَۃ مکتوبۃ لکھی ہوئی کہانیاں یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ کب سے ہوتا آ رہا ہے، ہمارے آباؤ اجداد سے مگر ابھی تک روبعمل تو نہیں ہوا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں نے کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، بھلا کہیں یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں ملنے کے بعد زندہ کئے جائیں گے ایسی باتیں اور ایسے وعدہ تو ہم اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آ رہے ہیں لیکن ہم نے آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہیں دیکھا

وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ علیه (الآیہ) یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اس کے عذاب و تکلیف سے بچائے یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔ (قرطبی)

قُل لمن الارض ومن فیها ان کنتم تعلمون یعنی جب تمہیں یہ تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیاء کا خالق اور مالک تنہا وہی ایک اللہ ہے اور آسمان اور عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے تو پھر تمہیں یہ تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے، تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ کی ربوبیت اور اس کی خالقیت و مالکیت اور رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے انہیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اس مغالطہ کی بنا پر تھا کہ یہ بھی اللہ کے نیک بندے تھے ان کو اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں یہی مغالطہ آج کل کے مردہ پرستوں اور اہل بدعت کو ہے جس کی بنیاد پر

وہ فوت شدگان کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے کہیں نہیں فرمایا کہ تم غیر اللہ کو امداد اور حاجت روائی کے لئے پکارا کرو، اللہ اور اس کے رسول نے تو اچھی طرح واضح کردیا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جو لوگ اللہ کے ساتھ غیر کو عبادت میں شریک کرتے ہیں اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آباء پرستی کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی ساجھی، اگر ایسا ہوتا تو ہر شریک اپنے حصہ کی مخلوق لیکر الگ ہو جاتا اور خود اپنی مرضی سے اس کا انتظام کرتا اور ہر شریک دوسرے شریک پر غالب آنے کی کوشش کرتا جیسا کہ دنیوی بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے، اور جب ایسا نہیں ہے اور نظام عالم میں ایسی کوئی کشاکش نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے جو مشرکین اس کی بابت باور کرتے ہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا فِيهِ اِدْغَامُ نُونِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةِ تُرِيَنِّي مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ مِنَ الْعَذَابِ هُوَ صَادِقٌ بِالْقَتْلِ بِبَدْرٍ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۚ فَاُهْلَكُ بِهَلَاكِهِمْ وَاِنَّا عَلٰى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ○ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اى الخَلَّةُ من الصَّفْحِ والإعراضِ عَنْهُمُ السَّيِّئَةَ ۭ اَذَاهُمْ اياك وهذا قَبْلَ الاَمْرِ بِالقِتَالِ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۚ اى يَكْذِبُوْنَ ويَقُوْلُوْنَ فَنُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ اَعْتَصِمُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ نَزَغَاتِهِمْ بِمَا يُوَسْوِسُوْنَ بِه وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۚ فِي اُمُوْرِي لِاَنَّهُمْ اِنَّمَا يَحْضُرُوْنَ بِسُوْءٍ حَتّٰى ابتدائِيَّةٌ اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ وَرَاى مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ومَقْعَدَهُ مِنَ الجَنَّةِ لَوْ آمَنَ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ اَلْجَمْعُ لِلتَّعْظِيْمِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا بِاَنْ اَشْهَدَ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَكُوْنُ فِيْمَا تَرَكْتُ ضَيَّعْتُ مِنْ عُمْرِيْ اى فى مُقَابَلَتِه قال تعالى كَلَّا ۭ اى لارُجُوْعَ اِنَّهَا اى رَبِّ ارْجِعُوْن كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۭ ولا فَائِدَةَ لَهُ فِيْهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ اَمَامِهِمْ بَرْزَخٌ حَاجِزٌ يَصُدُّهُمْ عَنِ الرُّجُوْعِ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۚ ولارُجُوْعَ بَعْدَهُ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ القَرْنِ النَّفْخَةُ الاولٰى اوالثانيةُ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَتَفَاخَرُوْنَ بِهَا وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ عنها خِلَافَ حَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَشْغَلُهُمْ مِنْ عِظَمِ الاَمْرِ عَنْ ذٰلِكَ فِي بَعْضِ مَوَاضِعِ القِيٰمَةِ وَفِي بَعْضِها يُفِيْقُوْنَ وفى آيَةٍ اُخْرٰى وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ بالحسناتِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ الفَائِزُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ بِالسَّيِّئَاتِ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ تُحْرِقُهَا وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ شُمِّرَتْ شِفَاهُهُمُ العُلْيَا والسُّفْلٰى عَنْ اَسْنَانِهِمْ ويُقَالُ لَهُمْ اَلَمْ تَكُنْ آيٰتِيْ مِنَ القُرآنِ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

تَخوفُونَ بها فَكُنتُم بها تُكذِّبُونَ. قالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ علَينا شِقْوَتُنا وفي قِراءةٍ شقاوَتُنا بفتح اوّله والِفٍ وهُما مصدرانِ بمعنًى وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ○ عَنِ الهِدايةِ رَبَّنَا اَخرِجنا مِنهَا فاِنْ عُدنَا الى المُخالفةِ فَاِنَّا ظالِمُوْنَ. قَالَ لَهُم بلسانِ مالكٍ بَعْدَ قَدرِ الدُّنيا مَرَّتَيْنِ اخْسَئُوْا فِيهَا اُقعُدُوا فى النَّارِ اَذِلَّاءَ وَلَا تُكَلِّمُوْنِ فِي رَفْعِ العَذابِ عَنكُم فينقَطِعُ رَجاؤُهُم اِنَّهُ كَانَ فَرِيْقٌ مِّن عِبَادِيْ هُم المُهاجِرُونَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ فَاتَّخَذْتُمُوْهُم سِخْرِيًّا بِضَمِّ السِّينِ وكَسرِهَا مَصدرٌ بِمعنَى الهُزءِ مِنهُم بلالٌ وصُهَيبٌ وعَمَّارٌ وخَبَّابٌ حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ فتركتُمُوهُ لِاشتِغالِكُم بالاستِهزاءِ بِهِم فهُم سَبَبُ الاِنساءِ فَنُسِبَ اِلَيهِم وَكُنتُم مِّنْهُم تَضْحَكُوْنَ○ اِنِّي جَزَيْتُهُمُ اليَوْمَ النَّعِيمَ المُقِيمَ بِمَا صَبَرُوْا على اِستِهزائِكُم بِهِم وَاَذَكُم اِيّاهُم اَنَّهُم بكسر الهَمزةِ هُمُ الفَآئِزُوْنَ بِمَطْلُوبِهِم اِستِئنافٌ وبفتحِها مفعولٌ ثانٍ لِجَزَيْتُهُم قَالَ تعالى لَهُم بلِسانِ مالكٍ وفي قراءةٍ قُل كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الاَرضِ فى الدُّنيا وفي قُبُورِكُم عَدَدَ سِنِيْنَ. تمييزٌ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ شكُّوا فى ذلِكَ واستَقصَرُوهُ لِعِظَمِ مَاهُم فِيهِ مِنَ العَذابِ فَاسْئَلِ العَآدِّيْنَ○ اى المَلائِكَةَ المُحصِينَ اعمالَ الخَلقِ قَالَ تعالى بِلسانِ مالِكٍ وَفي قِراءةٍ قُل اِنْ اى مَا لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ مِقدارَ لُبْثِكُم مِنَ الطُّولِ كانَ قَلِيلًا بالنِّسبَةِ اِلى لُبْثِكُم فى النَّارِ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا لَا لِحِكْمَةٍ وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَاتُرْجَعُوْنَ بالبِناءِ لِلفاعِلِ وَلِلمَفعُولِ لابَلْ لِنَتَعَبَّدَكُم بالاَمرِ والنَّهيِ وتُرجَعُوا اِلَينا ونُجازِى على ذلكَ ومَا خَلَقتُ الجِنَّ والاِنسَ اِلَّا لِيَعبُدُونَ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَنِ العَبَثِ وَغَيرِهِ مِمَّا لايَلِيقُ به المَلِكُ الحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ العَرْشِ الكَرِيمِ○ الكُرسِيِّ هو السَّريرُ الحَسَنُ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ لَابُرْهَانَ لَهُ بِهِ صِفةٌ كاشِفَةٌ لامَفهُومَ لَهَا فَاِنَّمَا حِسَابُهُ جَزاؤُهُ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهُ لَايُفْلِحُ الكٰفِرُوْنَ. لَايَسعَدُونَ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمِ المُؤمِنِينَ فِي الرَّحمَةِ زِيادَةٌ على المَغفِرَةِ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ. افضَلُ ع

ترجمہ

آپ دعاء کیجئے کہ اے میرے پروردگار اِمّا اصل میں اِنْ مَا تھا اِنْ شرطیہ کے نون کو ما زائدہ میں ادغام کر دیا جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھا دیں تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے کہ میں ان کے ساتھ ہلاک کر دیا جاؤں اور وہ وعدہ (غزوہ) بدر میں قتل کے ذریعہ صادق آیا اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو وعدہ ان سے کر رہے ہیں آپ کو دکھلا دیں آپ ان کی بدی یعنی آپ کو ایذا رسانی کا دفعیہ ایسے

طریقہ سے کردیا کیجئے کہ جو بہت ہی اچھا ہو یعنی ان سے عفو و درگذر کی خصلت کے ذریعہ اور یہ (عفو و درگذر) کا حکم جہاد کی اجازت سے پہلے کا ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں یعنی تکذیب کرتے ہیں اور باتیں بناتے ہیں ہم ان کو اس کی سزا دیں گے اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ان شیطانی خیالات سے کہ جن کے ذریعہ وہ وسوسہ ڈالتے ہیں اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں یعنی میرے کاموں میں دخل دیں اس لئے کہ وہ بدی ہی کے ساتھ آتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے، حتّٰی ابتدائیہ ہے اور وہ دوزخ کا اپنا ٹھکانا اور جنت کا اپنا ٹھکانا اگر ایمان لاتا دیکھ لیتا ہے تو (اس وقت) کہتا ہے اے میرے رب آپ مجھے واپس بھیج دیجئے اِرْجِعُوْنِ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے ہے تا کہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں جا کر نیک عمل کروں یعنی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دوں تا کہ میری یہ شہادت مافات کی تلافی ہو جائے یعنی جو عمر میں نے ضائع کردی اس کا عوض ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا یعنی رجعت نہیں ہو سکتی، بلاشبہ یہ یعنی ربّ ارجعون ایک کلمہ ہے جس کو یہ بولے جا رہا ہے اور اس کلمہ کے بار بار کہنے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے جو ان کو رجوع سے مانع ہے قیامت کے دن تک اور اس کے بعد رجوع نہیں ہے پھر صور میں پھونکا جائے گا یعنی سینگ (جیسی کسی شئ) میں پہلا نفخہ یا ثانیہ تو اس روز ان کے درمیان رشتے ناتے جن پر یہ لوگ فخر کرتے تھے باقی نہیں رہیں اور نہ کوئی رشتے ناتوں کے متعلق پوچھے گا بخلاف دنیا میں ان کی حالت کے، اس لئے کہ ایک امر عظیم قیامت کے بعض مواقع میں ان کو اس (پوچھ گچھ) سے غافل کردے گا، اور قیامت کے بعض مواقع میں ان کو افاقہ ہوگا اور ایک دوسری آیت میں ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے سو جس شخص کا نیکیوں کی وجہ سے پلڑا بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور سیئات کی وجہ سے جس کا پلڑا ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا سو وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی یعنی جلا دے گی اور وہ وہاں بدشکل بنے ہوں گے اور ان کے اوپر کے ہونٹ اوپر کو سکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے نیچے کے ہونٹ دانتوں سے نیچے لٹکے ہوئے ہوں گے، ان سے ارشاد ہوگا کیا تم کو قرآن سے میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں یعنی ان آیات کے ذریعہ تم کو خوف نہیں دلایا جاتا تھا پھر بھی تم ان کی تکذیب کرتے تھے وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدنصیبی ہمارے اوپر غالب آگئی تھی اور ایک قرأت میں شَقَاوَتُنَا ہے اول کے فتحہ اور الف کے ساتھ اور یہ دونوں مصدر ہیں دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور بے شک ہم ہدایت سے بھٹکے ہوئے تھے اے ہمارے پروردگار ہم کو جہنم سے نکال دیجئے پس اگر ہم پھر بھی مخالفت کریں تو بلاشبہ ہم قصوروار ہوں گے دنیا کی دوگنی مقدار کے بعد مالک کی زبانی ارشاد ہوگا ذلت کے ساتھ اسی میں پڑے رہو یعنی ذلت کے ساتھ جہنم میں پڑے رہو، اور مجھ سے اپنے رفع عذاب کے بارے میں کلام مت کرو چنانچہ وہ لوگ مایوس ہو جائیں گے میرے بندوں میں ایک

جماعت تھی جو عرض کیا کرتی تھی اور وہ مہاجرین کی جماعت تھی اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں لیکن تم انہیں مذاق میں اڑاتے رہے **سُخریا** سین کے ضمہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ بمعنی تمسخر، ان میں بلالؓ اور صہیبؓ اور عمارؓ اور خبابؓ تھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے تم کو ہماری یاد بھلا دی سو تم نے ان کے استہزاء میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس یاد کو ترک کر دیا تو گویا کہ وہ لوگ بھلانے کا سبب ہوئے اسی وجہ سے بھلانے کی نسبت ان کی طرف کر دی اور تم ان کی ہنسی ہی اڑاتے رہے، میں نے آج ان کو تمہارے استہزاء اور ایذا پر صبر کرنے کے عوض دائمی نعمتوں کا بدلہ دیدیا بلاشبہ یہی لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہیں **اِنّھم** کے کسرہ کے ساتھ (اس صورت میں) جملہ مستانفہ ہوگا اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ **جَزَیْتُھم** کا مفعول ثانی ہوگا اللہ تعالیٰ مالک کی زبانی فرمائے گا اور ایک قرأت میں **قُلْ** ہے کہ تم دنیا میں اور اپنی قبروں میں سالوں کے حساب سے کتنی مدت رہے **عَدَدَ سنین**، **کم** کی تمیز ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) **لبثتم کم عددًا مِنَ السنین** وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے وہ اس مدت قیام میں شک کریں گے اور ابتلائے عذاب کے عظیم ہونے کی وجہ سے قیام دنیا کی مدت کو کم سمجھیں گے سو شمار کرنے والوں یعنی مخلوق کے اعمال کو شمار کرنے والے فرشتوں سے معلوم کر لیجئے اللہ تعالیٰ مالک کی زبانی فرمائیں گے اور ایک قرأت میں **قُلْ** ہے تم تھوڑی ہی مدت رہے ہو کیا اچھا ہوتا کہ تم اپنے طول قیام کی مدت کو جان لیتے جو بہت کم تھی تمہارے جہنم میں قیام کی نسبت سے کیا تم یہ گمان کئے ہوئے تھے کہ ہم نے تم کو بیکار بغیر کسی حکمت کے پیدا کر دیا **اور یہ کہ تم** ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے **ترجعون** معروف اور مجہول دونوں ہیں، نہیں بلکہ (ہم نے تم کو اس لئے **پیدا کیا**) کہ تم کو امر اور نہی کا مکلف بنائیں اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ اور ہم اس تکلیف پر تم کو جزاء دیں، اور ہم نے جن وانس کو صرف عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے سو اللہ تعالیٰ عبث وغیرہ سے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے برتر ہے، جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں عرش عظیم کا مالک ہے یعنی کرسی کا جو کہ بہترین تخت ہے **اور جو شخص** اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بندگی کرے گا کہ جس کے معبود ہونے پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے **آخر**، **اِلٰھًا** کی صفت کاشفہ ہے اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، سو اس کا حساب یعنی اس کی جزاء اس کے رب کے یہاں ہوگا یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی یعنی سعادتمند نہ ہوں گے اور آپ یوں دعا کیا کیجئے اے میرے رب معاف فرما اور مومنین پر رحم فرما رحمت میں مغفرت کے مقابلہ میں زیادتی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے یعنی رحمت کے اعتبار سے افضل ہے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قوله **تُرِیَنِّی** تو مجھے دکھلائے **اِرَاءَةٌ** سے مضارع واحد مذکر حاضر یانون تاکید ثقیلہ مبنی برفتحہ متعدی بدو مفعول

بواسطہ ہمزہ ی ضمیر متکلم مفعول اول ما موصولہ مفعول ثانی **قولہ** فَلَا تَجْعَلْنِیْ جواب شرط ثانی بمعنی مع لفظ رَبِّ کا اعادہ تضرع اور عاجزی میں مبالغہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے فَاَهْلَكَ بِهَلَاكِهِمْ جواب نہی ہے وَاِنَّا عَلٰی اَنْ نُرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ناصب نا اس کا اسم علٰی حرف جار نُرِیَ فعل بافاعل كَ مفعول اول مَا موصولہ نَعِدُهُمْ جملہ ہوکر صلہ موصول صلہ سے مل کر بتاویل مصدر ہوکر مفعول ثانی نُرِیَ اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر مجرور ہوا علٰی جار کا جار مجرور سے مل کر متعلق مقدم ہوا قادِرُوْنَ کا قادرون اپنے متعلق سے مل کر اِنَّا کی خبر **قولہ** ای خَلَّةً بمعنی خصلت مفسر علام نے خَلَّةً کو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَلَّتِیْ خَلَّةٌ موصوف مقدر کی صفت ہے اور اَلسَّیِّئَةَ اِدْفع کا مفعول بہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِدْفَعِ السَّیِّئَةَ بالخصلة التی هی احسن **قولہ** من الصفح والاعراض عنهم میں مِن بیانیہ ہے اور الصفح الخ خصلة کا بیان ہے **قولہ** اَذَاهُمْ ایاك ، السَّیِّئَةَ کی تفسیر ہے **قولہ** هَمَزَات همزٌ کی جمع ہے شیطانی وسوسے، نفسانی خطرات **قولہ** حتّٰی ابتدائیہ ہے یعنی ما بعد کلام ماقبل سے جدا ہے، اس کلام کا مقصد مرنے کے بعد کافروں کا حال بیان کرنا ہے **قولہ** الجمع للتعظیم مفسر علام اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مخاطب ہے واحد ہے لہٰذا رَبِّ ارْجِعْنِیْ سے خطاب کرنا چاہئے، جواب یہ ہے کہ تعظیماً جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اِرْجعونِ میں واؤ تکرار پر دلالت کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ای اِرْجِعْنِی اِرْجعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اَلْقِیا فی جهنم" میں الف تکرار کے لئے ہے یعنی اَلْقِ اَلْقِ کی معنی میں ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ جمع کا صیغہ ملائکہ کے اعتبار سے ہے **قولہ** وَرَائِهِمْ هم لِاَحَدهم کی طرف راجع ہے جمع کی ضمیر باعتبار معنی کے ہے اس لئے اَحَدهم معنی میں کلهم کے ہے ماقبل میں واحد کی ضمیریں باعتبار لفظ کے ہے **قولہ** فَلَا اَنْسَابَ بینهُمْ انساب نسب کی جمع ہے بمعنی قرابت، رشتہ داری یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے درمیان نسب اور قرابت تو ثابت شدہ امر ہے اس کی نفی کس طرح صحیح ہے مفسر علام نے یَتَفَاخَرون کا اضافہ کرکے اس سوال کا جواب دیدیا کہ نسب کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی صفت جو کہ محذوف ہے اس کی نفی مقصود ہے اور وہ یتفاخرون ہے، یعنی دنیا میں جس نسب اور قرابت پر فخر کیا کرتے تھے وہ سب ختم ہوجائیں گے، اس لئے کہ میدان محشر میں ہولناکی اور دہشت کی وجہ سے تراحم اور تعاطف سب ختم ہوجائیں گے، اسی ہولناکی کی منظر کشی کرتے ہوئے دوسری آیت میں فرمایا یَفِرُّ المرءُ مِنْ اَخیهِ واُمِّهِ واَبیهِ وصَاحِبَتِهِ وبنیه **قولہ** لایتساءلون عنها ای الانساب خِلافَ حَالهم فی الدنیا ای ذٰلك خِلاف حالهم **قولہ** لِمَا یَشْغَلُهُمْ یہ ولایتساءلون کی علت ہے یعنی یہ عدم تساؤل ان کے اپنے حالات میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہوگا، **قولہ** فی بعض مواضع القیامة الخ مفسر علام نے اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے روز محشر میں آپس میں پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور ایک آیت میں ہے

واقبل بعضهم علی بعضٍ یتساء لُون جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ روز محشر میں اوقات اور حالات مختلف ہوں گے، بعض حالات میں جب خوف ودہشت غالب ہوگا تو کسی کی مزاج پرسی نہ کرے گا اور جب ذرا سہولت ہوگی تو آپس میں خیر خیریت دریافت کریں گے اور مزاج پرسی کریں گے، مطلب یہ ہے کہ نفخہ اولیٰ کے وقت دہشت غالب ہوگی تو کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، اور نفخہ ثانیہ کے بعد جب یک گونہ سہولت ہوجائے گی تو آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور مزاج پرسی بھی کریں گے، **قوله** موازین کو یا تو عظمت کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے یا موزون کے مختلف النوع ہونے کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے یعنی ہر قسم کے عمل کو وزن کرنے کے لئے الگ قسم کی ترازو ہوگی جیسا کہ دنیا میں مختلف اقسام کی اقسام کو تولنے کے لئے مختلف قسم کی ترازو (مقیاس) ہوتی ہیں، **بالحسنات** میں باسببیہ ہے یعنی حسنات کے ثقیل اور بوجھل ہونے کی وجہ سے **قوله فَهُمْ** یہ اشارہ ہے کہ **فی جهنم**، **هُم** مبتداء محذوف کی خبر ہے زمخشری نے کہا ہے کہ **فی جهنم خالدون**، **الذین خسروا انفسهم** سے بدل ہے **قوله تَلْفَحُ** جملہ مستانفہ ہے **قوله شَمَّرت** **شَمَّر** کے معنی آستین وغیرہ چڑھانا، سکڑنا، **قوله والسفلیٰ عن اسنانهم** سے پہلے فعل محذوف ہے ای **اِسْتَرخَتْ السفلیٰ قوله قال تعالیٰ لَهُمْ بلسان مالك**، مفسر علام نے اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے اللہ تعالیٰ کا **قال کَمْ لَبِثتم** کے ذریعہ کفار سے خطاب کرنا یا ان سے کلام کرنے کا متقاضی ہے، حالانکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے **و لایکلمهم اللّٰه** یہ کلام نہ کرنے کا متقاضی ہے دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ جس آیت سے کلام نہ کرنا معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب ہے کہ براہ راست اور بلاواسطہ ان سے کلام نہ فرمائیں گے، اور جس آیت سے کفار سے کلام کرنا مفہوم ہوتا ہے وہاں بواسطہ مالک کلام کرنا مقصود ہے، **قوله لَوْ اَنّکم کنتم تعلمون مقدار لُبثکُمْ**، **لَو** امتناعیہ ہے اور **تعلمون** کا مفعول محذوف ہے مفسر علام نے **مقدار لبثکم** مقدر مان کر حذف مفعول کی طرف اشارہ کردیا، جواب **لَو** بھی محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے **کان قلیلاً** کہہ کر حذف جواب کی طرف اشارہ کردیا ای **کان قلیلاً فی علمکم قوله اَفَحَسِبْتُمْ** میں ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ **اَجَهِلْتُم فحسبْتُمْ** استفہام توبیخ کے لئے ہے **قوله عَبَثًا** یا تو مصدر بمعنی اسم فاعل موقع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے **ای عابثین** یا پھر **خلقنا** کا مفعول لہ ہے **قوله لا لحکمة** یہ عبث کی تفسیر ہے **قوله اَنّکُمْ اِلَیْنَا لاتُرجعون** کا عطف **انما خَلَقْنَاکم** پر ہے **قوله لابل** یہ جواب استفہام کے طور پر مقدر مانا ہے **قوله هو سریر الحسن** بعض نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے **قوله صفة کاشفة لامفهوم لها** مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ **وَمَنْ یَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخرَ لابُرْهَانَ لَهٗ** سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرے تو وہ بے برہان اور بے سند ہے، اس سے مفہوم مخالف کے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو صرف غیر اللہ کی عبادت کرے تو اسکے پاس برہان اور سند ہے

حالانکہ یہ بات غلط ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آخرَ اِلٰهًا کی صفت کاشفہ ہے جو کہ محض وضاحت کے لئے ہوتی ہے اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، البتہ صفت مخصصہ کے مفہوم مخالف کا اعتبار ہوتا ہے، صفت کاشفہ تو محض تاکید کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول طَائِرٌ یَطِیرُ بِجَنَاحَیْهِ یَطِیرُ بجناحَیْهِ طائرٌ کی صفت کاشفہ ہے جو کہ محض تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ ہر پرندہ پروں ہی سے اڑتا ہے، پھر یہ کہنا کہ وہ پرندہ جو پروں سے اڑتا ہے کیا معنی؟ لہٰذا وَمَنْ یَدْعُوْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ استدلال کرنا کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کی بندگی اشتراکاً کرے تو وہ بے سند اور بے برہان ہو اور اگر افراداً غیر اللہ کی بندگی کرے تو وہ باسند اور بابرہان ہو صحیح نہیں ہے۔ (روح البیان) فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عند ربه یہ جواب شرط ہے **قوله** اِنَّهٗ لایفلحُ الکافرون جمہور کے نزدیک ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور اس میں علت کے معنی ہیں۔

تفسیر وتشریح

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○

ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مشرکین وکفار پر عذاب کی وعید مذکور ہے جو عام ہے قیامت میں تو اس کا وقوع قطعی اور یقینی ہے دنیا میں بھی واقع ہونے کا احتمال ہے، پھر یہ عذاب اگر دنیا میں ان پر واقع ہو تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد آئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ ہی کے سامنے ان پر اللہ کا عذاب آجائے، اور دنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو بعض اوقات اس عذاب کا اثر صرف ظالموں ہی پر نہیں رہتا بلکہ نیک لوگ بھی اس سے دنیاوی تکلیف سے متاثر ہو جاتے ہیں گو آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہ ہو بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے، قرآن کریم کا ارشاد ہے اِتَّقُوْا فِتْنَةً لاتصیبنّ الذین ظلموا منکم خاصَّةً یعنی ایسے عذاب سے ڈرو جو اگر آ گیا تو صرف ظالموں ہی تک نہیں رہے گا دوسرے لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گے۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے کہ یا اللہ اگر ان لوگوں پر آپ کا عذاب میرے سامنے اور میرے دیکھتے ہوئے ہی آتا ہے تو مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ رکھئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم اور عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا اگر چہ آپ کے لئے یقینی تھا مگر پھر بھی اس دعا کی تلقین اس لئے فرمائی گئی کہ ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھیں اس سے فریاد کرتے رہیں تا کہ آپ کا اجر بڑھے۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

وَاِنَّا عَلٰی اَنْ نُرِیَكَ مَانَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ (الآیہ) یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی

میں ان کو سزا دیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو اور ان کی بیہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں ان کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی آپ کی چشم پوشی اور نرم برتاؤ کا یہ اثر ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف مائل ہوں گے اور دعوت و اصلاح کا مقصود حاصل ہوگا، اس آیت میں آپ ﷺ کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے جو ہر مسلمان کو باہم معاملات میں ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے، البتہ کفار و مشرکین سے ان کے مظالم کے مقابلہ میں عفو درگذر ہی کرتے رہنا، ان پر ہاتھ نہ اٹھانا یہ حکم آیات جہاد سے منسوخ ہو گیا مگر عین حالت جہاد میں بھی اس حسن خلق کے بہت سے مظاہر باقی رکھے گئے کہ عورت کو قتل نہ کیا جائے بچے کو قتل نہ کیا جائے، جو مذہبی لوگ مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ میں شریک نہ ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے، اور جس کو بھی قتل کریں اس کو مثلہ (مسخ) نہ کریں کہ ناک کان وغیرہ کاٹ لیں، اس لئے بعد کی آیت میں آنحضرت ﷺ کو شیطان اور اس کے وساوس سے پناہ مانگنے کی دعا کی تلقین کی گئی کہ عین میدان قتال میں بھی آپ کی طرف سے عدل وانصاف اور مکارم اخلاق کے خلاف کوئی کام شیطان کے غصہ دلانے سے صادر نہ ہو، شیطان کے شر اور اس کے وسوسوں سے بچنا انسان کے بس کی بات نہیں جب تک خدا کی مدد شامل حال نہ ہو اس لئے اس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجانا تاکہ وہ قادر مطلق شیطان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے، اسی پر فرمایا برے کا جواب دے اس سے بہتر اور کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔

مجرب عمل

حضرت خالد بن ولیدؓ کو رات کو نیند نہ آتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کلمات دعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ لیا کریں چنانچہ حضرت خالدؓ نے پڑھنا شروع کیا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطٰنِ وَاَنْ يَحْضُرُوْنَ (معارف)

رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کروں۔

ابن جریر نے بروایت ابن جریج نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے وقت مومن جب رحمت کے فرشتے اور رحمت کا سامان سامنے دیکھتا ہے تو فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ پھر تمہیں دنیا میں واپس کر دیا جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں اس غموں اور تکلیفوں کے عالم میں جا کر کیا کروں گا مجھے تو آپ اللہ کے پاس لے جائے اور جب کافر سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے "رَبِّ ارْجِعُوْنِ" یعنی مجھے دنیا میں لوٹا دو۔

کَلَّآ اِنَّهَا کلمة هو قائلها (الآیہ) برزخ کے لفظی معنی حاجز اور فاصل کے ہیں اس لئے موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانہ کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیوی حیات اور اخروی حیات کے درمیان حد فاصل ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب مرنے والا کافر فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کے لئے کہتا ہے تو وہ اپنی زبان سے بار بار "رب ارجعون" کا کلمہ دہراتا ہے مگر اس کلمہ کا کوئی فائدہ اب اس لئے نہیں کہ اب وہ برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا اور بعث ونشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ (واللہ اعلم)

فاذا نفخ فی الصور قیامت کے روز صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، نفخہ اولی اس کا اثر یہ ہوگا کا سارا عالم زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے فنا ہو جائے گا، اور نفخہ ثانیہ سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، قرآن کریم کی آیت "ثُمَّ نُفِخَ فِیهِ اخری فاِذَا هُمْ قیام منظرون" میں اس کی تصریح موجود ہے۔

محشر میں مومنین اور کفار کے حالات میں فرق

فلا انساب بینهم یعنی میدان حشر میں نسبی رشتے اور قرابتیں کام نہ آئیں گی اسی مضمون کو قرآن کریم کی ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے "یومَ یَفِرُّ المرأ مِن اخیه وَ اُمه و ابیه و صاحبته و بنیه" مگر یہ حال کفار کا ذکر کیا گیا ہے، مومنین کا یہ حال نہ ہوگا کیونکہ مومنین کا حال خود قرآن کریم نے یہ ذکر کیا ہے "اَلحقنا بهم ذریتهم" یعنی مومنین وصالحین کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ (بشرط ایمان) اپنے آباء صالحین کے ساتھ لگا دیں گے، بعض احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے رشتے ناتے اور دامادی کے تعلقات ختم ہو جائیں گے (یعنی کام نہ آئیں گے) **اِلا نسبی و صهری** بجز میرے نسب اور صہر کے معلوم ہوا کہ آپ کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں، اسی حدیث کو سن کر حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت علی سے نکاح کیا اور چالیس ہزار درہم مہر ادا کیا، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز جس وقت سب لوگ پیاس کی وجہ سے بیقرار ہوں گے تو مسلمان بچے جو نابالغی کی حالت میں مر گئے تھے وہ جنت کا پانی لئے ہوئے نکلیں گے لوگ ان سے پانی مانگیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہے ہیں یہ پانی ان کے لئے ہے (رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمرو عن ابی ذرؓ، مظہری)

بقیہ آیات کی تفسیر تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة النور

سُوْرَةُ النُّورِ مدنِيَّةٌ وَهِيَ ثِنْتَان اَوْ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ آيَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ هٰذِهِ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا مُخَفَّفًا ومُشَدَّدًا لِكَثْرَةِ المَفْرُوْضِ فيها وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا آيَاتٍ بَيِّنٰتٍ واضحات الدَّلالة لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○ بادغام التاءِ الثانيةِ فى الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ اى غيرُ المُحْصِنِيْنَ لِرَجْمِهِمَا بالسُّنَّة وَاَلْ.فيما ذكر موصولة وهو مبتدأ ولِشِبْهِهِ بالشَّرْطِ دخلتِ الفاءُ فى خَبَرِهِ وهو فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ اى ضربةٍ يقال جَلَدَه ضَرَبَ جِلْدَهٗ ويُزاد على ذٰلك بالسُّنَّةِ تغريبُ عامٍ والرقيقُ على النصف ممّا ذكر وَّلَاتَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اى حُكْمِهٖ بِاَنْ تتركوا شيئًا مِنْ حدّهما اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ج اى يومِ البَعْثِ فى هذا تحريضٌ على ماقَبْلَ الشرطِ وهُوَ جوابُه او دالٌّ على جوابِهٖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا اى الجَلْدَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ قيل ثلاثةٌ وقيل اربعةٌ عددُ شهودِ الزِّنَا اَلزَّانِيْ لَايَنْكِحُ يَتزَوَّجُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَايَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ج اى المناسب لكل منهما ما ذُكر وَحُرِّمَ ذٰلِكَ اى نكاحُ الزوانى عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ○ الاخيارِ نزل ذٰلك لَمَّا هَمَّ فقراءُ المهاجرين ان يَتزوَّجُوْا بغايا المشركين وهُنَّ موسراتٌ لِيُنفِقْنَ عليهم فقيل التحريم خاص بهم وقيل عامٌّ ونُسِخَ بقوله تعالى وَانْكِحُوْا الاَيَامٰى منكم وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ العَفِيفاتِ بالزنا ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ على زناهنَّ برُؤيَتِهم فَاجْلِدُوْهُمْ اى كُلَّ واحدٍ منهم ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَاتَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً فى شئٍ اَبَدًا ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ لا لِاتيانهمْ كَبِيْرَةً اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ج عَمَلَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لهم قَذْفَهُمْ رَّحِيْمٌ○ بهم بِالهَامِهِمُ التَّوبَةَ فبها يَنتهِى فِسقُهم وتُقبلُ شهادتُهم وقيل لاتقبل رجوعًا بالاستثناءِ الى الجملة الاَخِيْرَةِ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ بالزنا وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ عليه اِلَّا اَنْفُسُهُمْ وقع ذٰلك لجماعة من الصحابة فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ مبتدأ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ نصبٌ على المصدر بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ○ فيما رَمٰى به زَوْجَتَه مِنَ الزنا وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ فى ذٰلِكَ وخبرُ المبتدأ يَدْفَعُ عنه حَدَّ القَذفِ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اى حَدَّ الزِّنَا الذى ثبت

بِشَهَادَاتِهٖ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝ فِیما رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝ فِی ذٰلك وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ بِالسَّتْرِ فِی ذٰلك وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ بِقُبُوْلِهِ التوبةَ فی ذٰلك وغیرِہ حَكِیْمٌ۝ فیما حَكَمَ به فی ذٰلك وغیرِہ ع لَبَیَّنَ الحقَ فی ذٰلك وعَاجَلَ بِالعُقُوبَةِ من یستحقُّهَا

ترجمہ

یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور (اس کے احکام) کو مقرر کیا ہے تخفیف اور تشدید کے ساتھ (مشدد سے اشارہ کثرت احکام کی طرف ہے) اس لئے کہ اس سورت میں احکام کثرت سے ہیں اور ہم نے اس (سورت) میں صاف صاف احکام نازل کئے ہیں جو کہ واضح الدلالت ہیں تاکہ تم یاد رکھو تا ثانیہ کو ذال میں ادغام کرکے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد جو کہ شادی شدہ نہ ہو، اس لئے کہ شادی شدہ مرد عورت کے لئے رجم ثابت ہے، اور الف لام (الزانیۃ اور الزانی) میں موصولہ (بمعنی الذی ہے) اور وہ مبتداء ہے اور اس کے مشابہ بالشرط ہونے کی وجہ سے اس پر فاداخل ہے اور وہ (خبر) فاجلدوا ہے ہر ایک کو ان میں سے سو کوڑے مارو یعنی کوڑے کی مار مارو کہا جاتا ہے جَلَدَہٗ ضَرَبَ جلدَہٗ اور زیادہ کیا جائے گا اس پر ایک سال کی جلاوطنی کو حدیث کی وجہ سے اور غلام کو مذکور (سزا) کی آدھی سزا ہے اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے بایں طور کہ ان کی سزا میں سے کچھ چھوڑ دو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یعنی یوم بعث پر اس میں آمادہ کرنا ہے ماقبل شرط پر اور وہ جواب شرط ہے یا دال علی جواب الشرط ہے اور دونوں کی سزا کے وقت کوڑے لگاتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے کہا گیا ہے کہ تین ہوں اور کہا گیا ہے چار ہوں جو کہ زنا کے گواہوں کی تعداد ہے، زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے عقد نکاح نہیں کرتا اور زانیہ بھی بجز زانی یا مشرک کے اور سے نکاح نہیں کرتی یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے مناسب وہی ہے جو مذکور ہوا اور یہ یعنی زانیوں کا نکاح بھی مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے یہ (حکم) اس وقت نازل ہوا جب فقراء مہاجرین نے یہ ارادہ کیا کہ زوانی مشرکات سے نکاح کریں حال یہ ہے کہ وہ مالدار تھیں تاکہ ان پر وہ خرچ کریں، کہا گیا ہے کہ تحریم انہیں کے ساتھ خاص ہے اور کہا گیا ہے کہ عام ہے (مگر) اللہ تعالیٰ کے قول وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰی منكم کے ذریعہ منسوخ کر دی گئی اور جو لوگ تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر زنا کی، اور ان کے زنا پر چشم دید چار گواہ نہ لاسکیں تو مارو ان میں سے ہر ایک کو اسّی کوڑے اور نہ قبول کرو ان کی شہادت کسی معاملہ میں کبھی بھی اور یہ لوگ فاسق ہیں، مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں، تو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرتے ہیں ان کے بہتان لگانے کو اور ان کے دل میں توبہ کا الہام کرکے رحمت کرنے والے ہیں سو اس توبہ کے ذریعہ ان کا فسق ختم ہو جائے گا اور ان کی شہادت قبول کی جائے گی اور کہا گیا ہے کہ قبول نہیں

کی جائے گی استثناء کو جملہ اخیرہ (یعنی اولئك هم الفاسقون) کی طرف راجع کرتے ہوئے اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس زنا پر اپنے سوا گواہ نہ ہوں، تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یقیناً میں سچا ہوں اور قذف کا یہ معاملہ صحابہ کی ایک جماعت کو پیش آیا تھا شهادة احدهم مبتدا ہے (اربعَ شهاداتٍ) مصدریہ (یعنی مفعول ہونے کی) وجہ سے منصوب ہے، اس تہمت زنا میں جو میں نے اپنی بیوی پر لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں اس تہمت میں جھوٹا ہوں اور مبتداء کی خبر يَدْفَعُ عنه حدَّ القذفِ (محذوف) ہے اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے یعنی وہ حد زنا جو اس کے شوہر کی شہادت سے ثابت ہوئی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد اس تہمت زنا میں جو اس نے اسے لگائی ہے جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ مرد اس تہمت لگانے میں سچا ہو اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل اور اس کا کرم ہے اس معاملہ میں پردہ پوشی کر کے اور یہ کہ اللہ اس معاملہ میں اور دیگر معاملوں میں توبہ کو قبول کر کے بہت زیادہ توبہ کا قبول کرنے والا (ورنہ تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے) اور حکمت والا ہے جو بھی اس نے اس معاملہ میں اور دیگر معاملات میں حکم صادر فرمایا ہے اس معاملہ میں حق کو بیان فرما دیا اور مستحق عقوبت کے لئے سزا میں جلدی فرمائی۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

هٰذه سُورَةٌ اَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا هٰذه کی تقدیر سے اشارہ کر دیا کہ سورۃ مبتداء محذوف کی خبر ہے هٰذه کا مرجع اگرچہ سابق میں مذکور نہیں ہے مگر چونکہ ذکر کے قریب ہے جو کہ حاضر کے حکم میں ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا شبہ لازم نہیں آتا (جمل) اور یہ بھی صحیح ہے کہ سورۃ مبتداء ہو اور جملہ اَنْزَلْنَاهَا اس کی صفت اور اسی صفت کی وجہ سے نکرہ کا مبتداء بننا درست ہے، اس کی خبر میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ الزانیة والزانی جملہ ہو کر خبر ہو، جیسا کہ ابن عطیہ کا یہی خیال ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ خبر محذوف ہو ای فیما یُتلی علیکم بعدُ سورةٌ، اَنْزَلْنَا کا تکرار کمال اہتمام اور غایت اعتناء کی وجہ سے ہے **قوله** آیاتٍ بیناتٍ سے مراد دلائل وحدانیت ہیں، اس سورت کے شروع میں حدود اور چند احکام کا ذکر فرمایا ہے اور آخر سورت میں دلائل توحید ذکر فرمائے ہیں **قوله** فَرَضْنا سے احکام کی طرف اشارہ ہے اور **قوله** وانزلنا فیها آیاتٍ بیناتٍ سے ادلہ کی طرف اشارہ ہے **قوله** یتذکرون اولاً تا کو قریب المخرج ہونے کی وجہ سے دال سے بدلا پھر دال کو ذال سے بدلا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا، یذّکّرون ہو گیا، **قوله** الزانیة والزانی مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، ای فیما یُتلی علیکم بعدُ یا پھر فاجلدوا خبر ہے اور مبتداء کے متضمن بمعنی الشرط ہونے کی وجہ سے خبر پر فا داخل ہے الزانیة والزانی میں الف لام چونکہ بمعنی الذی اسم موصول ہے

جس کی وجہ سے مبتداء متضمن بمعنی الشرط ہے جب مبتداء متضمن بمعنی الشرط ہو تو خبر متضمن بمعنی الجزاء ہوتی ہے جس کی وجہ سے خبر پر فا داخل ہوتی ہے **قوله فی هذا تحریض علی ماقبل الشرط الخ** اللہ تعالیٰ کے قول ان کنتم تومنون باللّٰہ (الآیہ) اس آیت میں ماقبل شرط یعنی و لا تاخذکم بھما رأفۃ پر آمادہ کرنا ہے یعنی اگر تمہارے اندر ایمان ہے تو اللہ کے احکام کے بارے میں کسی کی رعایت نہ کرو اور نہ کسی پر رحم و ترس کھاؤ، اہل کوفہ و لاتاخذکم بھما رأفۃ (الآیہ) کو جزاء مقدم مانتے ہیں اور اہل بصرہ جزاء کو محذوف مانتے ہیں اور مذکورہ آیت کو دال بر جزاء مانتے ہیں، جو الفاظ دال بر جزاء ہیں وہی جزاء محذوف ہوگی **قوله** وَلْیَشْهَدْ امر ندب کے لئے ہے **قوله** قیل ثلاثۃ وقیل اربعۃ مذکورہ دونوں قول امام شافعیؒ کے ہیں، یعنی کوڑے مارنے کے وقت تین یا چار اشخاص موجود ہیں امام مالکؒ نے فرمایا کہ چار یا اس سے زیادہ ہونے چاہئیں، امام نخعی اور مجاہد نیز امام احمد رحمہم اللہ نے فرمایا کہ کم از کم دو آدمی ہونے چاہئیں **قوله** المناسب لکل منھما یہ ان لوگوں کے لئے زجر و تنبیہ ہے جو زوانی سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں **قوله** الْاَیَامٰی اَیِّم کی جمع ہے غیر شوہر دار عورت کو کہتے ہیں خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور غیر بیوی دار مرد کو کہتے ہیں **قوله** والذین یَرْمون المحصنٰت مبتداء ہے، اس کی تین خبریں ہیں (۱) فاجلدوھم ثمانین جَلْدَۃً (۲) ولاتقبلوا لھم شھادۃً ابدًا (۳) واولئک ھم الفسقون **قوله** الا الذین تابو (الآیہ) امام شافعیؒ کے نزدیک یہ استثناء ماقبل کے دونوں جملوں یعنی لَاتَقْبَلُوا لھم شھادۃ اور اولئک ھم الفاسقون سے ہے ہٰذا اگر کسی عفیف یا عفیفہ کو زنا کی تہمت لگانے والا سچے دل سے توبہ کرلے اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح کرلے تو ان حضرات کے نزدیک اس شخص کی آئندہ شہادت بھی قبول کی جائے گی اور فسق بھی ختم ہو جائے گا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استثناء جملہ اخیرہ یعنی اولئک ھم الفاسقون کی طرف راجع ہے، لہٰذا زنا کی تہمت لگانے والے کا فسق تو ختم ہو جائے گا مگر اس کی شہادت قبول نہ ہوگی، **قوله** وقع ذلک لجماعۃ من الصحابۃ یعنی بیوی کو زنا کی تہمت لگانے کا معاملہ تین صحابہ کے ساتھ پیش آیا تھا (۱) ہلال بن امیہ (۲) عویمر العجلانی (۳) عاصم بن عدی (جمل)

قوله فَشَهادۃُ اَحَدِھِمْ اس کے مرفوع ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) یہ کہ مبتداء ہو اور اس کی خبر محذوف ہو خواہ مقدم جیسے فَعَلَیْھِمْ شھادۃُ اَحَدِھِمْ یا مؤخر ہو جیسا کہ فَشَھَادَۃُ اَحدھِمْ کائنۃٌ (۲) مبتداء محذوف کی خبر ہو ای فالواجب شھادۃُ احدھم (۳) فعل مقدر کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، ای فَیَکْفِیْ شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ ایک چوتھی ترکیب مبتداء خبر ہونے کی وہ بھی ہے جس کو علامہ محلی نے اختیار کیا ہے یعنی فشھادۃُ احدِھم اربعُ شھاداتٍ مبتداء، تدفع عنہ حدَّ القذفِ جملہ اس کی خبر ہے، مگر قاضی ثناء اللہ نے اس صورت کو قیل سے ذکر فرمایا ہے جو کہ ضعف کی طرف اشارہ ہے، جمہور نے اَرْبَعَ کو مصدریت یعنی مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے اور عامل مصدر شھادۃ ہے اور اَرْبَعَ موصوف محذوف کی صفت ہے ای فشھادۃ احدِھم شھادۃً اربَعَ شھاداتٍ بِاللّٰہِ

خلاصہ : فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ای یشهد احدهم اس کے مرفوع ہونے کی دو صورتیں ہیں (۱) مبتداء محذوف کی خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی فالواجبُ شهادةُ اَحدِهِمْ (۲) فشهادةُ اَحدِهم مبتداء اور اس کی خبر محذوف، تقدیر عبارت یہ ہوگی فَعَلَيْهِمْ شهادةُ احدهم **قوله** اَرْبَعُ مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے فشهادةُ احدِهم مبتداء اَرْبعُ شهاداتٍ بالله اس کی خبر، اس صورت میں حذف کی ضرورت نہیں۔

جمہور کے نزدیک اَرْبَعَ نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، ای اَنْ یشهد احدُهم اربعَ شهاداتٍ **قوله** بِاللّٰهِ بصریین کی نزدیک شهاداتٍ سے متعلق ہے قرب کی وجہ سے اور کوفیین کے نزدیک شهادة سے متعلق ہے اس لئے کہ وہ مقدم ہے **قوله** اِنَّهٗ یہ شہادۃ یا شہادات کا معمول ہے ای یشهدُ علٰی اَنَّهٗ صادقٌ علٰی کو حذف کر دیا گیا اَنَّ کے فتحہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا، اور عامل کو لام تاکید کی وجہ سے عمل سے روک دیا گیا **قوله** وَالْخَامِسَةُ مبتداء ہے اور ان لعنة اللّٰه علیه اس کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے والشهادة الخامسة أن لعنة اللّٰهِ علیه **قوله** أن تَشْهَدَ یہ یَدْرَءُ کا فاعل ہے **قوله** لولا فضل اللّٰهِ لو لا کا جواب محذوف ہے ای لو لا فضل اللّٰهِ لَفَضَحَكُمْ او لَهَلَكْتُمْ.

تفسیر وتشریح

اس سورۃ کی پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے، جس سے اس سورۃ میں بیان کردہ احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے، بدکاری کی سزا ابتداء اسلام میں عبوری طور پر جو بیان کی گئی تھی وہ سورۂ نساء آیت ۱۵/۱۶ میں بیان ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس کے لئے جب تک مستقل سزا مقرر نہ کی جائے سر دست ان بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ (الآیہ) ان آیتوں میں ایک تو ثبوت زنا کا خاص طریقہ چار مردوں کی شہادت کا ہونا بیان فرمایا ہے دوسرے بطور سزا عورت کو گھر میں قید رکھنا اور زانی وزانیہ کو ایذاء پہنچانا مذکور ہے اور ساتھ ہی اس میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ حکم آخری نہیں ہے آئندہ کچھ اور حکم آنے والا ہے جس کی طرف او یجعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا سے اشارہ فرمادیا، جب سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق زانی اور زانیہ کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے وہ تم مجھ سے سیکھ لو اور وہ یہ ہے کنوارے مرد اور عورت کے لئے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سنگساری کے ذریعہ مار دینا ہے (صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد الزنا)

چار جرموں کی سزا خود شارع نے متعین کی ہے قاضی یا حاکم کے حوالہ نہیں فرمایا

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے کسی قاضی یا امیر کی رائے

پر نہیں چھوڑا انہیں متعینہ سزاؤں کو اصطلاح میں حدود کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ جن سزاؤں کو قاضی یا امیر کی رائے پر چھوڑا ہے کہ مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر رکھ کر جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے زانی اور زانیہ کی سزا کو اس طرح بیان فرمایا ہے **الزانیه والزانی فاجلدوا کل واحد منهما ماۃ جلدۃ** اس میں زانیہ کو مقدم اور زانی کو مؤخر رکھا گیا ہے عام قرآنی اسلوب یہ ہے کہ قرآن عام طور پر مردوں کو مخاطب کرتا ہے عورتیں اس میں خود بخود شامل ہو جاتی ہیں **یا ایُّها الذین آمنوا** جیسے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے، مگر یہاں نہ صرف یہ کہ مردوں کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ عورتوں کو مقدم اور مردوں کو مؤخر رکھا گیا ہے، شاید حکمت اس میں یہ ہو کہ فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بے باکی اور بے حیائی سے ہوسکتا ہے کیونکہ قدرت نے فطری طور پر اس کی فطرت میں ایک حیا رکھی ہے اور اپنی عفت کی حفاظت کا ایک جذبہ رکھا ہے ایسی صورت میں اس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے۔

فاجلدوا یہ جلْدٌ سے مشتق ہے اس کے معنی کوڑے مارنا ہیں کوڑا چونکہ عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے اس لئے اس کو جلدۃ کہتے ہیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جلد سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کوڑوں کی ضرب کا اثر صرف جلد تک رہنا چاہئے گوشت تک نہ پہنچا جائے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے لگانے کی سزا میں توسط اور اعتدال کی تلقین فرمائی ہے کہ کوڑا نہ بہت سخت ہو جس سے گوشت تک ادھڑ جائے اور نہ بہت نرم ہو کہ اس سے کوئی خاص تکلیف ہی نہ پہنچے، سورۂ نور کی اس آیت نے مرد و عورت کی سزا سو کوڑے مقرر فرمادی، حضرت ابن عباسؓ نے سو کوڑے مارنے کی سزا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے مخصوص قرار دے کر فرمایا یعنی **الرجم للثیب والجلد للبکر** (صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۶۵۷)

سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں تو بغیر کسی تفصیل کے زنا کی سزا سو کوڑے مذکور ہے اس سزا کا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے ساتھ مخصوص ہونا اور شادی شدہ کے لئے سنگساری کی سزا حدیث میں مذکور ہے، صحیح مسلم، مسند احمد، سنن نسائی، ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اس طرح منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللّٰه لهُنّ سبیلا البکر بالبکر جلد ماۃ وتعریب عام والثیب بالثیب جلد ماۃ والرجم۔	مجھ سے علم حاصل کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے زانی مرد و زانی عورت کے لئے وہ سبیل جس کا وعدہ سورۂ نساء میں ہوا تھا اب سورۂ نور میں پورا فرمادیا وہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور سال بھر جلاوطنی اور شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور رجم۔

غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سورۂ نور میں جو سو کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے ایک حدیث میں اس کے ساتھ ایک

مزید سزا یعنی مرد کے لئے ایک سال کی جلاوطنی بھی مذکور ہے، فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی کی سزا سوکوڑوں کی طرح لازمی ہے یا پھر قاضی کی صواب دید پر موقوف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے، اس حدیث میں دوسری بات یہ بھی ہے کہ شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سنگساری سے پہلے سوکوڑوں کی سزا بھی مذکور ہے، مگر دوسری روایات حدیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر خلفاء راشدین کے تعامل سے ثابت یہ ہے کہ یہ دونوں سزائیں جمع نہیں ہوں گی شادی شدہ پر صرف سزائے سنگساری جاری کی جائے گی، مگر یہ حدیث چونکہ سورۂ نور کی آیت کی تفسیر ہے جس میں مذکورہ سزا اور مزید برآں ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ کے لئے رجم مذکور ہے لہٰذا یہ بھی وحی الٰہی کے ذریعہ سزا ہوگی لہٰذا آپؐ سے براہ راست سننے والوں کے لئے وحی متلو اور غیر متلو دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع عام میں اس پر عمل فرمایا، حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ پر سزائے رجم وسنگساری جاری فرمائی۔ (معارف)

ملاحظہ: شادی شدہ اور غیر شادی شدہ یہ الفاظ ایک آسان تعبیر کی حیثیت سے اختیار کئے گئے ہیں ورنہ اصلی شرعی اصطلاح محصن اور غیر محصن یا ثیب وبکر ہے، محصن کی تعریف اصل میں یہ ہے کہ جس شخص نے نکاح صحیح کے ساتھ اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہو اور عاقل و بالغ ہو۔

سزاءِ زنا میں تدریج

مذکورہ بالا روایات حدیث اور آیات قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً زنا کی سزا ہلکی رکھی گئی تھی کہ قاضی یا امیر اپنی صوابدید پر اس جرم کے مرتکب مرد یا عورت کو ایذا پہنچائے، اور عورت کو گھر میں مقید رکھا جائے جیسا کہ سورۂ نساء میں اس کا حکم آیا ہے دوسرا درجہ وہ ہے جو سورۂ نور کی اس آیت میں آیا ہے کہ دونوں کو سوسو کوڑے لگائے جائیں، تیسرا درجہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ نازل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ سوکوڑوں کی سزا پر ان لوگوں کے لئے اکتفاء کیا جائے جو شادی شدہ نہ ہوں اور شادی شدہ مرد و عورت اس کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا رجم وسنگساری ہے۔ (معارف)

اسلامی قانون میں جس جرم کی سزا سخت ہے اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی سخت ہیں

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلام میں اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت زیادہ سخت ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہتے ہیں وہ

معاف ہوجاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے، زنا کی حد جاری کرنے کے لئے چار مرد عادل گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو ضروری ہے، حالانکہ دیگر معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہوتی ہے دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر زنا کی شہادت کسی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے رد کی گئی تو پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں، ان پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جرم عائد ہو کر حد قذف اسی کوڑے لگائے جائیں گے، اس لئے ذرا بھی شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کرسکتا، البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہادت سے دو مرد وعورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہوجائے تو قاضی ان کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے وغیرہ لگانے کی جاری کرسکتا ہے، زنا کی سزا کے مفصل احکام وشرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں دیکھے لئے جائیں۔

قوله لاتاخُذکُم بِهِمَا رأفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ رأفَةٌ ترس، شفقت، رحمت، نرمی رأف یَرأفُ (ف) رأفةٌ مصدر ہے، زنا کی سزا چونکہ بہت سخت ہے اور اس کا احتمال ہے کہ سزا جاری کرنے والوں کو ان پر رحم آجائے، سزا کو چھوڑ بیٹھیں یا کم کردیں اس لئے اس کے ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ دین کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مجرموں پر رحم اور ترس کھانا جائز نہیں، رأفت ورحمت اور عفو وکرم ہر جگہ محمود ہے مگر مجرموں پر رحم کھانے کا نتیجہ تمام مخلوق خدا کے ساتھ بے رحمی ہے اس لئے ممنوع اور ناجائز ہے۔

الزَّانِی لاینکِحُ اِلاَّ زانیةً او مشرکةً (الآیہ) زنا کے متعلق دوسرا حکم..... پہلا حکم زنا کی سزا سے متعلق تھا جو اس سے پہلی آیت میں بیان ہوچکا ہے، یہ دوسرا حکم زانی اور زانیہ سے نکاح کرنے کے متعلق ہے، اسی کے ساتھ مشرک مرد یا عورت سے نکاح کا بھی حکم ذکر کیا گیا ہے، اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے اقوال بہت مختلف ہیں، ان سب میں آسان تر یہ ہے کہ آیت کے شروع حصہ میں کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ ایک عام مشاہدہ اور تجربہ کا بیان ہے جس میں زنا کا فعل خبیث ہونا اور اس کے اثرات کی دوررس مضرتوں کا ذکر ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ زنا ایک اخلاقی زہر ہے اس کے زہریلے اثرات سے انسان کا اخلاقی مزاج ہی بگڑ جاتا ہے، اسے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی بلکہ برائی اور خباثت ہی مرغوب ہوجاتی ہے، لہٰذا جو مرد یا عورت اس خبیث عادت میں مبتلا ہیں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا رشتہ ازدواج وہمبستری قائم کیا جائے، ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار تباہ حال مرد وعورت سے یا ان سے بھی بدتر مشرک ومشرکہ سے ان کا تعلق ہو **کما قال اللّٰہ تعالیٰ اَلخبیثات للخبیثین** (الآیہ) ان کی خبیث طبیعت کا اصلی تقاضہ تو یہی تھا یہ الگ بات ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح اور حکم کی بنا پر کسی مسلمان کا مشرک ومشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا، یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہوجائے تو اس کو باطل نہیں ٹھہرایا۔

قوله نَزَلَ ذٰلِكَ لَمَّا هَمَّ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اَنْ يَّتَزَوَّجُوْا بَغَايَا الْمُشْرِكِيْنَ مفسر علام نے اس عبارت سے مذکورہ آیت کے شان نزول کی طرف اشارہ کیا ہے، **قوله** بَغَايَا جمع بَغِيّ زنا کار، بدکار عورت، تفسیر مظہری میں علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں کئی واقعات نقل فرمائے ہیں۔

پہلا واقعہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم کے حوالہ سے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے ایک شخص جس کا نام مرثد ابن ابی مرثد الغنوی تھا وہ مکہ سے مدینہ لوگوں کو لانے لیجانے کا کام کرتا تھا مکہ میں عناق نامی ایک (بازاری) عورت تھی اس سے ان کے تعلقات تھے ان صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا حتی کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثد کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

دوسرا واقعہ نسائی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت جس کا نام ام مہزول تھا جس کا بدکاری کا پیشہ تھا، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک شخص نے اس سے نکاح کا ارادہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

تیسرا واقعہ بغوی نے کہا ہے جب لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان میں کچھ فقراء اور نادار قسم کے لوگ بھی تھے اور مدینہ میں ان کا کوئی عزیز یا رشتہ دار بھی نہیں تھا، اور مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں بھی تھیں اور ساتھ ہی خوشحال بھی تھیں، بعض فقراء نے ان سے نکاح کا ارادہ کیا تا کہ وہ ان کے مال سے فائدہ اٹھائیں، چنانچہ ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے نکاح کی اجازت طلب کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (الآیہ) اس آیت میں کسی اجنبی کو تہمت زنا لگانے کا بیان ہے اس لئے کہ اپنی بیوی کو تہمت زنا لگانے کا مسئلہ آئندہ آیت میں آرہا ہے، اور تہمت عام ہے خواہ مرد عورت کو لگائے یا عورت مرد کو یا عورت عورت کو یا مرد مرد کو سب کا حکم ایک ہی ہے، زنا کی تہمت کو اگر چار چشم دید گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کر سکے تو مقذوف کے مطالبہ پر قاذف کو اسی کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے معاملات میں مردود الشہادت قرار دیا جائے، حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جا سکتی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (الآیہ) اس آیت میں مسئلہ لعان کو بیان کیا گیا ہے، لعان کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے اور غضب الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں اصطلاح شرع میں بیوی اور شوہر کو چند خاص قسم کی قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے، بیوی پر تہمت زنا دو طریقہ سے لگائی جا سکتی ہے اول یہ کہ صراحتاً تہمت زنا لگائے اور چار عینی گواہوں سے ثابت نہ کر سکے، یا اپنے بچہ کے بارے میں کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے، جو شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں، اگر پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری کی جائے گی، اور اگر گواہ نہ لا سکے

تو اس سے کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار، اگر شوہر مذکورہ بالا الفاظ کہنے سے انکار کرے تو حبس کر دیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، اور حد قذف کے لئے تیار ہو جائے یا پانچ مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر گذر چکے ہیں، اگر کہہ لے تو پھر عورت سے کہا جائے کہ وہ بھی چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ میں یہ الفاظ کہے کہ اللہ کا غضب ہو اس پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو تا وقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اس کو بھی قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا تو صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے اگر تصدیق کر دے تو اس پر حد زنا جاری کر دی جائے گی یا بالفاظ مذکورہ اس کی تکذیب کرے اگر عورت نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور لعان مکمل ہو گیا تو اس عورت سے جماع اور دواعی جماع سب حرام ہو جائیں گے، پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دیدی تو فبہا ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا گو دونوں رضامند نہ ہوں اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآؤُا بِالْاِفْكِ اَسْوءِ الكذبِ على عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْن رضي اللّٰهُ تعالى عنها بقَذْفِهَا عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ط جماعةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قالتْ حَسَّان بنُ ثابتٍ وعَبْدُ اللّٰهِ بن اُبَي ومِسْطح وحَمْنَةُ بِنْتُ جَحْشٍ لَا تَحْسَبُوْهُ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ غيرُ العُصْبَةِ شَرًّا لَّكُمْ ط بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط يَأْجُرُكُمُ اللّٰهُ به وَيُظْهِرُ براءة عائشة وَمَنْ جاءَ معها مِنْهُ وَهُوَ صَفْوانُ فانها قالتْ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلّم في غزْوةٍ بعْد ما اُنْزِل الحِجابُ فَفَرَغَ مِنها ورَجَعَ ودنا مِن المَدِيْنةِ وَاذِنَ بالرَّحِيْلِ لَيْلَةً فمشيْتُ وقضيتُ شانى وَاَقْبلْتُ اِلَى الرَّحلِ فَاِذَا عِقْدِى اِنْقطعَ هُوَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ القِلَادَةُ فرجعْتُ التمسُهُ وحملُوْا هَوْدجى هُوَ مَايُرْكَبُ فِيهِ عَلٰى بَعِيْرى يَحْسَبُوْننى فِيهِ وكَانَتِ النِّسَاءُ خفافا انّما ياكُلْنَ العُلْقَةَ هُوَ بضمِّ الْمُهْمَلَةِ وَسُكُوْنِ اللَّامِ مِنَ الطعامِ اى القَلِيْلِ ووجدْتُ عِقْدِىْ وجئْتُ بعد ماسارُوْا فجلسْتُ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِىْ كُنْتُ فِيهِ وظَنَنْتُ اَنَّ القَوْمَ سَيَفْقِدُوْنَنِى فيرجعُوْن اِلَىَّ فغلبتْنِىْ عيْنَاى فنِمْتُ وكَانَ صَفْوانُ قَدْ عَرَّسَ مِنْ وَّرَاءِ الجَيْشِ فادَّلَجَ هُمَا بتشْدِيدِ الرَّاءِ والدَّالِ اى نزل مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ لِلْاِسْتِرَاحةِ فسار مِنْهُ فَاَصْبَحَ فِي مَنْزِلِىْ فَرَاى سوادَ اِنْسانٍ نائِمٍ اى شخصهُ فعرفنِىْ حِيْنَ رآنِى وكَانَ يَرَانِىْ قَبْلَ الحِجابِ فاستيْقظْتُ باسْتِرْجاعِهٖ حِيْنَ عَرَفَنِىْ اى قولِهٖ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن فخمَّرْتُ وجْهِى بجلْبابِى اى غَطَّيْتُهُ بالمَلاءَةِ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمَنِىْ بِكَلِمَةٍ وَلَاسَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اِسْتِرْجاعِهٖ حِيْنَ اَنَاخَ راحلتَهُ ووَطِىَ على يَدِهَا

فی کشف فانطلق یقُودُ بی الرَّاحِلَةَ حتّٰی اَتینا الجَیْش بَعْد مانزلُوْا مُوغِرِیْن فِیْ نَحرِ الظَّهِیْرَةِ ای من او غزای واقفین فی مکان وَغرٍ فِی شِدَّةِ الحَرِّ فَهلَكَ مَنْ هَلَكَ فِیَّ وکَانَ الَّذِیْ تَوَلّٰی كِبرَهُ مِنْهُم عبْد اللّٰهِ بْنُ اُبَیّ ابن سَلُوْلَ اِنْتَهٰی قَوْلُهَا رَوَاهُ الشَّیْخَان قَالَ تَعَالٰی لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ ای علیه مَا اکْتَسَبَ مِنَ الإثْمِ ۚ فِی ذٰلِكَ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهُ مِنْهُمْ ای تَحَمَّلَ مُعْظَمَهُ فَبَدَأَ بِالخَوْضِ فِیهِ واشاعهُ وَهُوَ عَبْدُاللّٰهِ بنُ اُبَیّ لَهُ عَذَابٌ عَظِیْمٌ هُوَ النَّارُ فِی الآخِرَةِ لَوْ لَا هَلَّا اِذْ حِیْنَ سمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ المُؤْمِنُوْنَ وَالمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ ای ظَنَّ بَعْضهم بِبَعْضٍ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَا اِفْكٌ مُّبِیْنٌ كَذِبٌ بَیِّنٌ فیه التفَاتٌ عَنِ الخِطَاب ای ظَنَنْتُمْ اَیُّهَا العُصْبَةُ وقُلْتُمْ لَوْلَا هَلَّا جَآؤُوْا ای العُصبَةُ علیه بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ شَاهَدُوْه فاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ ای فِی حُکْمِهٖ هُمُ الکٰذِبُوْنَ فیه ولَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ورَحْمَتُهُ فِی الدُّنْیَا والآخِرَةِ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ اَیُّهَا العُصبَةُ ای خُضْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۚ فِی الآخِرَةِ اِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِاَلْسِنَتِکُمْ ای یَرْوِیْهِ بَعْضُکُمْ عَنْ بَعْضٍ وحُذِفَ مِن الفِعْلِ اِحدَی التَّائَیْنِ واِذْ مَنْصُوْبٌ بِمَسَّکُمْ او بِاَفَضْتُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِکُمْ مَّا لَیْسَ لَکُمْ به عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهُ هَیِّنًا ۖ لا اِثْمَ فیه وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ - فِی الإثْمِ وَلَوْ لَا هَلَّا اِذْ حِیْنَ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا یَکُوْنُ مَا یَنْبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هُوَ لِلتَّعَجُّبِ هُنَا هٰذَا بُهْتَانٌ كَذِبٌ عَظِیْمٌ یَعِظُکُمُ اللّٰهُ یَنْهَاکُمْ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ - تَتَّعِظُوْا بِذٰلِكَ وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الآیٰتِ ۖ فی الامر والنَّهْیِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِمَا یَاْمُرُ به ویَنْهٰی عنه حَکِیْمٌ فیه اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الفَاحِشَةُ بِاللِّسَانِ فِی الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِنِسْبَتِهَا اِلَیْهِمْ وَهُمُ العُصْبَةُ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا بِالحَدِّ لِلقَذْفِ وَالآخِرَةِ ۖ بِالنَّارِ لِحَقِّ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ انتِفَاءَ هَا عَنْهُمْ وَاَنْتُمْ اَیُّهَا العُصْبَةُ لَا تَعْلَمُوْنَ وُجُوْدَهَا فِیْهِمْ ولَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اَیُّهَا العُصْبَةُ وَرَحْمَتُهُ بِالسَّتْرِ فِی ذٰلِكَ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ بِقَبُوْلِ التوبة فی ذٰلِكَ وغیرِه حَکِیْمٌ ۚ فِیْمَا حَکَمَ به فی ذٰلِكَ وغیرِه لتَبیَّنَ الحقُّ فی ذلك وعاجَلَ بالعقوبةِ من یستحقها۔ ع

ترجمہ

بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے یہ بڑا بہتان باندھا ہے یعنی ام المومنین حضرت عائشہؓ پر بہتان لگا کر بدترین جھوٹ بولا ہے تم ہی میں کی ایک جماعت ہے یعنی مومنین کی ایک جماعت ہے (اہل افک کی تعیین میں) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے

فرمایا وہ حسان بن ثابت اور عبداللہ بن اُبَیّ اور مسطح اور حمنہ بنت جحش ہیں، بہتان تراشنے والوں کی جماعت کے علاوہ اے مومنو! **تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے** اللہ تعالیٰ تم کو اس کے عوض اجر عطا فرمائے گا اور حضرت عائشہ **صدیقہ اور ان** کے ہمراہ آنے والے یعنی صفوان (ابن معطل) کی تہمت سے براءۃ ظاہر کردے گا، حضرت عائشہؓ نے (واقعہ بیان کرتے ہوئے) فرمایا کہ میں ایک غزوہ میں نزول حجاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی، چنانچہ جب آپؐ غزوہ سے فارغ ہو گئے اور آپؐ واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے اور رات کو کوچ کرنے کا اعلان کردیا تو میں قضائے حاجت کے لئے چلی گئی اور حاجت سے فراغت کے بعد کجاوہ کی طرف متوجہ ہوئی تو اچانک مجھے معلوم ہوا کہ میرا ہار ٹوٹ کر (کہیں) گر گیا ہے عِقْدٌ عین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہار کو کہتے ہیں تو میں ہار تلاش کرنے کے لئے واپس چلی گئی، حال یہ ہے کہ لوگوں نے میرا ہودج یہ سمجھتے ہوئے کہ میں ہودج میں موجود ہوں میرے اونٹ پر رکھدیا، ہودج اس کجاوہ کو کہتے ہیں جس میں سوار ہوا جاتا ہے اور عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں اس لئے کہ کھانا کم کھاتی تھیں، عُلْقَہ عین مہملہ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ قلیل کھانے کو کہتے ہیں (ادھر یہ ہوا) کہ میرا ہار مل گیا، اور اہل قافلہ کے روانہ ہوجانے کے بعد میں (اپنی جگہ) واپس آئی، چنانچہ میں اسی جگہ (آکر) بیٹھ گئی جہاں تھی اور مجھے اس بات کا گمان غالب تھا کہ جب لوگ مجھ کو نہ پائیں گے تو میری طرف واپس آئیں گے، چنانچہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا جس کی وجہ سے میں سو گئی، اور صفوان ابن معطل لشکر کے پیچھے آخر شب میں قیام کرتے تھے چنانچہ (صفوان) رات کے آخری حصہ میں روانہ ہوئے تو صبح کے وقت میری منزل پر پہنچے، **قولہ عَرَّسَ اور** الدَّلَجَ ر اور ل کے تشدید کے ساتھ ہے (عَرَّسَ کے معنی آخر شب میں استراحت کے لئے قیام کرنا اِدَّلَجَ بمعنی روانہ ہونا) **تو** اس نے ایک سوتے ہوئے شخص کا جثہ دیکھا چنانچہ مجھے دیکھتے ہی پہنچان لیا اس لئے کہ اس نے مجھے حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا، چنانچہ مجھے پہچاننے کے وقت ان کے استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کی وجہ سے میں بیدار ہوئی تو میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ چھپالیا، واللہ نہ تو اس نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں نے اس سے سوائے استرجاع کے کوئی بات سنی، اس نے اپنی اونٹنی بٹھادی اور اس کا ہاتھ دبالیا (تاکہ جلدی کھڑی نہ ہوجائے) جب میں اس پر سوار ہو گئی تو وہ میری اونٹنی کی نکیل پکڑ کر لیکر چلے حتی کہ ہم لشکر میں پہنچ گئے، بعد اس کے کہ وہ لوگ ٹھیک دوپہر کے وقت شدید گرمی میں داخل ہوتے ہوئے فروکش ہو چکے تھے موعرین اَوْغَرَ سے مشتق یعنی سخت گرمی کے وقت گرم جگہ میں فروکش ہونے والے تھے، چنانچہ میرے بارے میں جس کو ہلاک ہونا تھا ہلاک ہوا اور وہ شخص جس نے اس معاملہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، حضرت عائشہ کا کلام پورا ہوا، روایت کیا ہے اس کو شیخان نے، قال اللہ تعالیٰ **ان میں سے ہر شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا کچھ اس نے اس معاملہ میں کیا اور اس شخص کے لئے جس نے ان میں سے** (اس معاملہ میں) **سب سے زیادہ حصہ لیا** یعنی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بایں طور کہ اس معاملہ میں کھود کرید کی اور اس کو شہرت دی، وہ عبداللہ بن اُبَیّ ہے **اس کے لئے بڑا عذاب ہے اور وہ** آخرت میں آگ ہے **جب لوگوں نے** بہتان تراشی کو **سنا تھا تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے لئے**

اچھا گمان کیوں نہ کیا؟ اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح جھوٹ ہے؟ اس میں خطاب سے (غیبت کی طرف) التفات ہے (ظن المؤمنون الخ) ظننتم وقلتم ایھا العصبۃ کے معنی میں ہے اور ان لوگوں نے اس بہتان پر چار گواہ عینی کیوں پیش نہیں کئے؟ جب یہ لوگ گواہ پیش نہ کر سکے تو یہ لوگ اللہ کے نزدیک یعنی اس کے حکم میں اس معاملہ میں جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا دنیا و آخرت میں فضل و کرم نہ ہوتا تو جس شغل میں تم پڑے تھے یعنی کھود کرید کر رہے تھے اس کی وجہ سے تم کو آخرت میں سخت عذاب لاحق ہوتا جب کہ تم اس بہتان کو اپنی زبانوں سے نقل درنقل کر رہے تھے یعنی ایک دوسرے سے روایت کر رہے تھے، فعل (یعنی تلقونہ) سے دوتاؤں میں سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے اور اِذ مَسَّکُمْ یا اَفَضْتُم کی وجہ سے منصوب ہے اور تم اپنے منہ سے ایسی بات نکال رہے تھے کہ جس کے بارے میں تم کو مطلق علم نہیں تھا اور تم اس کو ایک معمولی بات کہ اس میں کوئی گناہ ہی نہ ہو سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک گناہ کے اعتبار سے بڑی بھاری بات تھی اور جب تم نے اس کو سنا تھا تو یوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے سُبْحَانَكَ تعجب کے لئے ہے، اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے یعنی منع کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسی حرکت مت کرنا اگر تم مومن ہو تو اس سے نصیحت قبول کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے امر و نہی کے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کا حکم کرتا ہے اور جس سے منع کرتا ہے اس کے بارے میں بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو اس بے حیائی کو ان کی طرف منسوب کر کے (اور ان چرچا کرنے والوں کی) ایک چھوٹی سی جماعت ہے، ان لوگوں کے لئے دنیا میں حد قذف کا اور آخرت میں نار کا حق اللہ ہونے کی وجہ سے دردناک عذاب ہے اللہ تعالیٰ ان سے بے حیائی کے انتفاء کو بخوبی جانتا ہے اور (اے تہمت لگانے والی) جماعت تم اس بے حیائی کے وجود کو ان میں نہیں جانتے اور اگر اے لوگو! تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو وہ حقیقت حال کو ظاہر کر دیتا اور مستحق سزا پر مواخذہ کرنے میں جلدی کرتا بے شک اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں اور اس کے علاوہ میں توبہ قبول کرنے کی وجہ سے بڑا تو بہ قبول کرنے والا ہے اور اس حکم کو بھی جو اس نے اس معاملہ میں اور اس کے علاوہ میں کیا حکمت والا ہے،

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ یہاں سے افک سے متعلق اٹھارہ آیتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے اِفْكٌ لغت میں پلٹ دینے اور بدل دینے کو کہتے ہیں بدترین جھوٹ جو حق کو باطل سے اور باطل کو حق سے دل دے، پاکباز متقی کو فاسق اور فاسق کو متقی و پرہیزگار بنا دے اسی جھوٹ کو افک کہتے ہیں عُصْبَۃ مختصر جماعت کو کہتے ہیں تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں **قولہ لاتحسبوہ** اس کے مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر، عائشہ وصفوان ہیں مقصد ان حضرات کو تسلی دینا ہے **قولہ** مَنْ جاء مِنهُ مَنْ سے صفوان ابن معطل السلمی مراد ہیں اور مِنْهُ کی ضمیر کا مرجع افک ہے اور جار مجرور براءۃ سے متعلق ہے **قولہ فی غزوۃ** مراد غزوہ بنی مصطلق ہے جس کو مریسیع بھی کہا جاتا ہے صحیح اور راجح قول

کے مطابق ۵ھ میں پیش آیا تھا **قوله بعد ما انزل الحجاب** حجاب سے مراد آیت حجاب یعنی وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فاسئلُوْ هُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ہے **قوله قد عَرَّسَ تعریس** ، النزول فی آخر اللیل للاستراحة **قوله** اِدَّلَجَ و اِدّلاجٌ آخر شب میں سفر کرنا، **قوله هُما بتشدید الراءِ والدالِ** عَرَّسَ وَادَّلَجَ کے بارے میں لف ونشر کے طور پر اشارہ کر دیا کہ عَرَّسَ میں را اور اِدَّلَجَ میں دال دونوں مشدد ہیں، **قوله ای نزل مِن آخر اللیل للاستراحة** یہ عرّس کی تفسیر ہے اور **قوله فَسَارَ منه اِدَّلَجَ** کی تفسیر ہے مِنْهُ ای آخر اللیل اِدَّلَجَ مِنه ای سارَ مِن آخر اللیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ کی تشریح کے لئے مفسر علام نے درمیان میں تشریحی الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے ورنہ تو اصل عبارت اس طرح ہے کان صفوان قد عَرَّسَ من وراء الجیش فادَّلَجَ منهُ فاصبَحَ فی منزلی **قوله موغرینَ** یہ وَغرٌ سے مشتق ہے وغرٌ شدید گرمی کو کہتے ہیں **قوله بالملأة** وہ چادر جو جسم کو چھپالے مُوغِرِین ای داخلین فی شدة الحر **قوله فی نحر الظهیرة** ٹھیک دوپہر کے وقت **قوله سلُول** یہ عبداللہ ابن اُبَیّ کی ماں کا نام ہے **قوله لکلِّ امرئٍ** مفسر علام نے علیه سے تفسیر کر کے اشارہ کر دیا کہ لام بمعنی علیٰ ہے **قوله لَوْ لَا هَلَّا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ** یہ لولا توبیخیہ ہے اس لئے کہ ماضی پر داخل ہے، لولا تین قسم کا ہوتا ہے (۱) جب ماضی پر داخل ہو تو توبیخیہ ہوتا ہے اور جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تحضیضیہ ہوتا ہے اور جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے تو امتناعیہ ہوتا ہے، یہاں لولا چھ جگہ استعمال ہوا ہے اول ثانی اور رابع توبیخیہ ہے اس لئے جواب کی ضرورت نہیں اور تیسرا اور پانچواں اور چھٹا شرطیہ (امتناعیہ ہے) تیسرے اور چھٹے مقام پر جواب مذکور ہے اور پانچویں مقام پر جواب محذوف ہے (صاوی) **قوله بانفسهم ای ابناء جنسهم فی الایمان** یعنی اپنے ایمانی بھائیوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا؟ **فیه اِلتفات عن الخطاب الی الغیبة اِذ سمِعْتُمُوه** کے مطابق ظَنَّ المومنون اور قالوا کے بجائے ظننتم اور قلتم ہونا چاہئے، مذکورہ دونوں صیغوں میں دو قسم کا التفات ہوا ہے اول تو حاضر سے غائب کی جانب اور دوسرے ضمیر سے اسم ظاہر کی جانب، اس التفات کا مقصد توبیخ میں مبالغہ کرنا ہے، اس طریقہ پر ایمان کا تقاضہ یہ تھا کہ تم اپنے بھائیوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے چہ جائیکہ تم لوگوں نے طعنہ زنی اور عیب چینی شروع کر دی تم کو تو اپنے بھائیوں کا اسی طرح دفاع کرنا چاہئے تھا جس طرح تم خود اپنا دفاع کرتے ہو، تقدیر عبارت یہ ہے لو لا اِذ سمعتموهُ ظننتم ایّها المومنون والمومنات باخوانهم خیرًا وهلّا قلتُم هٰذا افكٌ مبینٌ **قوله لولا هلّا جاؤا علیه** (الآیہ) یہ کلام سابق کا تتمہ بھی ہو سکتا ہے یعنی مومنین اور مومنات نے افتراء کرنے والوں سے افتراء پر چار گواہوں کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ یعنی بہتان کو سننے کے بعد جس طرح آپس میں حسن ظن ضروری تھا اسی طرح افتراء پردازوں سے چار گواہوں کا مطالبہ ضروری تھا ای وقالوا هلّا جاؤا الخائضون باربعة شهداء علی ماقالوا دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لولا جاؤا (الآیہ) جملہ استینافیہ ہو، اس صورت میں قالوا محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی **قوله**

ای فی حکمه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ افتراء پردازوں کو عند اللہ اس لئے کاذب کہا گیا ہے کہ وہ چار عینی شاہد پیش نہیں کر سکے حالانکہ اگر وہ چار عینی شاہد پیش بھی کر دیتے تب بھی کاذب ہی تھے، جواب یہ ہے کہ گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں کہ بحکم شرع کاذب تھے اور اگر وہ چار گواہ پیش کر دیتے تو اس وقت حکم شرعی میں بظاہر صادق ہوتے، اللہ تعالیٰ کو چونکہ ان کی ظاہراً اور باطناً تکذیب منظور تھی اس لئے چار گواہوں کا مطالبہ کیا تاکہ ان کا کذب خوب ظاہر ہو جائے **قوله لولا فضل الله علیکم** میں لولا امتناعیہ ہے اس کا جواب لَمَسَّكُمْ ہے **قوله فیما اَفَضْتُمْ فی بمعنی سبب** ہے ای بسبب ما اَفَضْتُمْ اور ما موصولہ ہے مراد حدیث افک ہے ای لَمَسَّكُمْ بسبب الذی خُضْتُمْ فیه وهو الإفك اور ما مصدریہ بھی ہو سکتا ہے ای لَمَسَّكُمْ بسبب خوضکم فیه ای فی الافك **قوله** وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ إِذْ ، قُلْتُمْ کا ظرف مقدم ہے، یعنی تمہارے لئے یہ مناسب تھا کہ بہتان کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ ایسی باتیں کرنا ہمارے لئے ہرگز مناسب نہیں **قوله** يَنْهَاكُمْ أَنْ تَعُوْدُوْا الخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یَعِظُکُمْ فعل متعدی بعن کے معنی کو متضمن ہے پھر عن کو حذف کر دیا گیا ہے ای يَنْهَاكُمْ عن العود اَن مصدریہ ہے جس کی وجہ تَعُوْدُوْا بمعنی عَوْدَ ہے **قوله** تتعظونَ بذلك یہ جملہ مومنین کی صفت ہے یعنی اگر تم نصیحت قبول کرنے والے مومن ہو تو ایسی حرکت دوبارہ نہ کرو گے، جواب شرط محذوف ہے ای اِن کنتم مومنین فلا تعودوا لمثله **قوله باللسان** اس کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ افترا پردازوں کو یہ بات پسند تھی کہ فحش بات کا زبانی چرچا ہو نہ کہ حقیقت میں فحش کی اشاعت ہو **قوله** بنسبتها الیهم الیهم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت صفوان ہیں اور وهم عصبة مراد وہ لوگ جو فحش بات کی اشاعت پسند کرتے تھے **قوله لهم عذاب الیم** اِنّ کی خبر ہے **قوله** وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کا عطف فضل اللہ پر ہے اور لَعَاجَلَكُمْ لولا کا جواب ہے، معطوف و معطوف علیہ سے مل کر مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے اور وہ موجود ان ہے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ (الآیہ) یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ پر اٹھایا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے بہت سی فوج جمع کی ہے، یہ غزوہ راجح قول کے مطابق ۲ رشعبان بروز دوشنبہ ۵ھ میں پیش آیا تھا (سیرۃ مصطفیٰ) غزوہ بنی مصطلق کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کی تصدیق کے لئے بریدہ بن حُصَیب کو بھیجا، حضرت بریدہ نے آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو خروج کا حکم فرمایا مدینہ میں زید بن حارثہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں، ایک روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ بھی ساتھ تھیں، اس غزوہ میں بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جن میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں شامل تھیں، دو گھرانے قید ہوئے قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں جو کہ تقسیم مال غنیمت کے وقت حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں، حضرت ثابتؓ نے ان کو مکاتب بنا دیا تھا، بدل کتابت کے سلسلہ میں جویریہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپؐ نے فرمایا میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو، وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے بدل کتابت ادا کر کے تم کو آزاد کر دوں اور اپنی زوجیت میں لے لوں، جویریہ نے عرض کیا میں اس پر راضی ہوں چنانچہ آپؐ نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (رواہ ابوداؤد)

واپسی پر آپ ایک منزل پر فروکش ہوئے، لشکر میں کوچ کرنے کا اعلان کرادیا گیا تاکہ لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہو جائیں، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی قضائے حاجت کے لئے لشکر سے دور چلی گئیں، جب واپس ہونے لگیں تو ہار ٹوٹ گیا جو یمانی نگینوں کا تھا، ان کے جمع کرنے میں دیر ہوگئی قافلہ تیار تھا، حجاب کا حکم چونکہ نازل ہو چکا تھا جس کی وجہ سے حضرت عائشہ ہودج میں سفر کر رہی تھیں اور ہودج پر پردے پڑے ہوئے تھے، ہودج برداروں نے یہ سمجھ کر کہ ام المومنین ہودج میں ہیں ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا اور اونٹ کو ہانک دیا، اس وقت عورتیں عموماً دبلی پتلی ہوتی تھیں خاص طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ چونکہ صغیر السن تھیں اس وجہ سے بھی دبلی پتلی تھیں ادھر ہودج اٹھانے والے کئی افراد تھے جس کی وجہ سے ہودج کے خالی ہونے کا احساس نہ ہو سکا، حضرت عائشہؓ جب ہار لیکر لشکر گاہ واپس آئیں تو لشکر روانہ ہو چکا تھا وہاں کوئی نہیں تھا، یہ خیال کر کے کہ جب آئندہ مقام پر آپؐ مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ میری تلاش کے لئے کسی کو روانہ فرمائیں گے، اسی جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں، اور نیند آگئی، حضرت صفوان بن معطلؓ گرے پڑے کی خبر گیری کے لئے لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے، وہ صبح کے وقت اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ سو رہی تھیں دیکھا کہ کوئی پڑا سو رہا ہے جب قریب آکر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو حضرت عائشہ صدیقہ ہیں اور زور سے انَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا حضرت عائشہؓ کی اس آواز سے آنکھ کھل گئی اور چادر سے منہ ڈھانپ لیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں وَاللّٰہِ ما کلمنی کلمۃ ولا سمعت منہ کلمۃ غیر استرجاعہٖ خدا کی قسم صفوان نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ ان کی زبان سے سوائے انّا للّٰہ کے میں نے کوئی کلمہ سنا، حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ قریب لاکر بٹھا دیا حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو گئیں، اور حضرت صفوانؓ اونٹ کی نکیل پکڑ کر پاپیادہ روانہ ہو گئے اور ٹھیک دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے، عبداللہ بن ابی بڑا خبیث بد باطن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا، اسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کر دیا، اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی مثلاً مردوں میں حضرت حسان حضرت مسطح اور عورتوں میں حضرت حمنہ بنت جحش منافقوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوسناک تذکرے کرنے لگے، تمام مسلمانوں کو اور خود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چرچوں سے بیحد صدمہ تھا، تقریباً ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا، مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ اس سے بالکل بے خبر تھیں، اسی دوران حضرت عائشہؓ بیمار ہو گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور مزاج پرسی کر کے تشریف لے جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تلطف میں کمی آجانے کی وجہ سے جو سابقہ بیماریوں میں مبذول رہی دل کو خلجان اور تردد تھا کہ کیا بات ہے کہ آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں اور دوسروں سے میرا حال دریافت کر کے واپس تشریف لیجاتے ہیں مجھ سے دریافت نہیں فرماتے، آپ کی اس بے التفاتی کی وجہ سے میری تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رات کو میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف چلے، عرب کا قدیم دستور یہی تھا کہ بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلاء نہیں بناتے تھے، راستہ میں ام مسطح کا پیر چادر میں الجھ گیا جس کی وجہ سے وہ گر گئیں اس وقت ام مسطح کے منہ سے نکلا تَعِسَ مسطح مسطح ہلاک ہو، حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ ایسے شخص کو کیوں برا کہتی ہیں جو بدری ہے، ام مسطح نے کہا اے بھولی بھالی لڑکی تم کو قصہ کی خبر نہیں حضرت عائشہؓ نے معلوم کیا کہ قصہ کیا ہے؟ ام مسطح نے پورا قصہ سنایا یہ سنتے ہی مرض میں اور شدت آگئی رات دن روتی رہتی تھیں، ایک لمحہ کے لئے بھی آنسو نہ تھمتے تھے، ہشام بن عروہ کی روایت کے مطابق بغیر قضائے حاجت کے واپس آگئیں، حضرت عائشہؓ فرماتی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی تاکہ ماں باپ کے ذریعہ اس واقعہ کی تحقیق کروں، آپ نے اجازت دیدی، میں اپنے والدین کے یہاں آگئی اور اپنی والدہ سے کہا اے اماں تم کو معلوم ہے کہ لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں، ماں نے کہا اے بیٹی تو رنج نہ کر دنیا کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والی عورتیں اس کے ضرر کے درپے ہو جاتی ہیں، جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور اسامہ سے مشورہ کیا حضرت اسامہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایان شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں ان کی عصمت وعفت کا پوچھنا ہی کیا ہے آپ کے حرم محترم کی طہارت ونزاہت تو اظہر من الشمس ہے اس میں رائے مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر آپ ہمارا ہی خیال معلوم کرنا چاہتے ہیں تو عرض یہ ہے وَمَا نعلم الّا خیرًا ہمارے علم کے اعتبار سے آپ کے اہل میں خیر کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج وغم کے خیال سے یہ عرض کیا یا رسُولَ اللّٰہِ لَمْ یضیق اللّٰہ علیکَ وَالنّساء سواھَا کثیرٌ وانْ تسأل الجاریَةَ تصدقك یا رسول اللہ! اللہ نے آپ پر تنگی نہیں فرمائی عورتیں اس کے سوا بہت ہیں آپ اگر گھر کی باندی سے دریافت فرمائیں تو وہ سچ سچ بتادے گی، غرض کہ آپؐ نے حضرت بریرہؓ کو بلوایا اور صورت حال معلوم کی، حضرت بریرہؓ نے عرض کیا "قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا میں نے عائشہ کی کوئی بات معیوب اور قابل گرفت کبھی نہیں دیکھی" الّا یہ کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہے، آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہے

بکری کا بچہ آکر اسے کھا جاتا ہے یعنی وہ تو اس قدر بے خبر اور بھولی بھالی ہے کہ اسے تو آٹے دال کی بھی خبر نہیں وہ دنیا کی ان چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہؓ کی بات سن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اول خدا کی حمد بیان فرمائی بعد ازاں عبداللہ بن ابی کا ذکر کر کے یہ ارشاد فرمایا:

''اے گروہ مسلمین کون ہے جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے، جس نے مجھ کو میرے اہل بیت کے بارے میں ایذاء پہنچائی ہے، خدا کی قسم میں نے اپنے اہل سے سوائے نیکی اور پاک دامنی کے کچھ نہیں دیکھا اور علی ھذا جس شخص کا ان لوگوں نے نام لیا ہے اس سے بھی سوائے خیر کے کچھ نہیں دیکھا'' (سیرت مصطفیٰ ملخصاً)

آخر کار حضرت صدیقہ کی برأت میں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سورۂ نور کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ الخ نازل فرمائیں جس پر حضرت عائشہ صدیقہ فخر کیا کرتی تھیں، مزید تفصیل کیلئے بخاری شریف کی طرف رجوع کریں۔

قولہ لِكُلِّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ ای علیہ لکل میں لام بمعنی علی ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے یعنی تہمت لگانے والی جماعت کے ہر فرد کے لئے اس کے جرم کی مقدار سزا ملے گی اوپر کی آیت میں خائضین فی الافک کا بیان تھا، اس آیت میں ان کو نو طریقہ سے تعییر اور توبیخ فرمائی ہے، ان میں پہلا لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ہے اور نواں یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ الخ ہے، لَوْ لَا توبیخیہ ہے اور اِذْ ظَنَّ کا ظرف ہے **قولہ** ای ظَنَنْتُمْ اَیُّهَا العصبة وقلتم اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ آیت میں خطاب سے غیبت کی جانب التفات ہے اور ظنَّ بمعنی ظَنَنْتُمْ اور قالوا بمعنی قُلْتُمْ ہے **قولہ** لَوْ لَا هَلَّا جَاءُوْا اس میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ جملہ مستانفہ ہے تب تو ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا اور اگر یہ کلام ماقبل کا تتمہ ہے تو لَوْلَا کے تحت میں داخل ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اس افتراء اور بہتان کو سنتے ہی بہتر گمان کرنا چاہئے تھا اور اس افتراء پر چار عینی شاہدوں کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔

قولہ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس طوفان کی زد میں آتے لیکن اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے تم میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی ان کے لئے آخرت میں شدید عذاب ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طُرُقَ **الشَّیْطٰنِ** ای تزیینہ **وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ** ای المتبع **یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ** ای القبیح **وَالْمُنْكَرِ** شرعًا باتباعها **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰی مِنْكُمْ** اَیُّهَا العُصْبَةُ بما قُلْتُم من الإفك **مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا** ای ما صلح وطَهُر من هذا الذنب بالتوبة منه **وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ** یُطَهِّرُ **مَنْ یَّشَآءُ** من الذنب بقبول توبته منه **وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ** لما قلتم

عَلِيْمٌ بِمَا قَصَدْتُّمْ وَلَا يَأْتَلِ يَحْلِفْ أُولُوا الْفَضْلِ اى اَصْحَابُ الْغِنَى مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ لَا يُؤْتُوْآ اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نَزَلَتْ فِىْ اَبِىْ بَكْرٍ حَلَفَ اَنْ لَا يُنْفِقَ عَلٰى مِسْطَحٍ وهو ابْنُ خَالَتِهِ مِسْكِيْنٌ مُهَاجِرٌ بَدْرِيٌّ لِمَا خَاضَ فِى الْاِفْكِ بَعْدَ اَنْ كَانَ يُنْفِقُ عليه وناسٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَقْسَمُوْا اَنْ لَا يَتَصَدَّقُوْا عَلٰى مَنْ تَكَلَّمَ بِشَيءٍ مِنَ الْاِفْكِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا عَنْهُم فِى ذٰلِكَ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ بَلٰى اَنَا اُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِىْ وَرَجَعَ اِلٰى مِسْطَحٍ مَاكَانَ يُنْفِقُهُ عَلَيْهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ بِالزِّنَا الْمُحْصَنٰتِ الْعَفَائِفَ الْغٰفِلٰتِ عَنِ الْفَوَاحِشِ بِاَنْ لَّا يَقَعَ فِىْ قُلُوْبِهِنَّ فِعْلُهَا الْمُؤْمِنٰتِ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ نَاصِبُهُ الْاِسْتِقْرَارُ الَّذِىْ تَعَلَّقَ بِهِ لَهُمْ تَشْهَدُ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ مِنْ قَوْلٍ وَّفِعْلٍ وَّهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ يُجَازِيْهِمْ جَزَاءَهُ الْوَاجِبَ عَلَيْهِمْ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ حَيْثُ حَقَّقَ لَهُمْ جَزَاءَهُ الَّذِىْ كَانُوْا يَشُكُّوْنَ فِيْهِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَىٍّ وَالْمُحْصَنٰتُ هُنَا اَزْوَاجُ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُذْكَرْ فِىْ قَذْفِهِنَّ تَوْبَةٌ وَمَنْ ذُكِرَ فِى قَذْفِهِنَّ اَوَّلَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ غَيْرُهُنَّ اَلْخَبِيْثٰتُ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنَ الْكَلِمٰتِ لِلْخَبِيْثِيْنَ مِنَ النَّاسِ وَالْخَبِيْثُوْنَ مِنَ النَّاسِ لِلْخَبِيْثٰتِ مِمَّا ذُكِرَ وَالطَّيِّبٰتُ مِمَّا ذُكِرَ لِلطَّيِّبِيْنَ مِنَ النَّاسِ وَالطَّيِّبُوْنَ مِنْهُمْ لِلطَّيِّبٰتِ مِمَّا ذُكِرَ اى اللَّائِقُ بِالْخَبِيْثِ مِثْلُهُ وَبِالطَّيِّبِ مِثْلُهُ اُولٰئِكَ الطَّيِّبُوْنَ وَالطَّيِّبَاتُ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنْهُمْ عَائِشَةُ وَصَفْوَانُ مُبَرَّؤُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ اى الْخَبِيْثُوْنَ وَالْخَبِيْثَاتُ مِنَ النِّسَاءِ فِيْهِمْ لَهُمْ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ النِّسَاءِ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ فِى الْجَنَّةِ وَقَدِ افْتَخَرَتْ عَائِشَةُ بِاَشْيَاءَ مِنْهَا اَنَّهَا خُلِقَتْ طَيِّبَةً وَّوُعِدَتْ مَغْفِرَةً وَّرِزْقًا كَرِيْمًا .

ترجمہ

اے ایمان والو تم شیطان کے نقش قدم پر مت چلو یعنی شیطان کے راستوں پر مت چلو یعنی اس کی تلبیس اور فریب میں نہ آؤ، اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے تو وہ یعنی شیطانی راستہ پر چلنے والا شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے فحش یعنی بے حیائی اور شرعاً نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو اے لوگو تم میں سے بھی کوئی پاک صاف نہ ہوتا اس وجہ سے کہ تم نے افتراء پردازی کی، یعنی توبہ کے ذریعہ نہ اس گناہ سے درست ہوتا اور

نہ پاک ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کردیتا ہے گناہ سے اس کی توبہ کو قبول کر کے اور اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے ارادوں کو جانتا ہے اور قسم نہ کھائیں وہ لوگ جو تم میں سے فضل والے یعنی مالدار اور وسعت والے ہیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ اپنے خالہ زاد بھائی مسکین، مہاجر، بدری، مسطح پر خرچ نہ کریں گے اس لئے کہ انہوں نے افتراء پردازی میں حصہ لیا تھا حالانکہ ابوبکر صدیق ان پر خرچ کرتے تھے (یعنی ان کی کفالت کرتے تھے) اور صحابہ میں سے کچھ اور لوگوں نے بھی قسم کھائی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص پر صدقہ نہ کریں گے جس نے کچھ بھی افک کے معاملہ میں زبانی (حصہ) لیا، ان کو چاہئے کہ اس معاملہ میں ان کو معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے اور اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے غفور الرحیم ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا بے شک میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے چنانچہ مسطح پر جو خرچ کرتے تھے وہ جاری کردیا اور جو لوگ ایسی عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں جو پاکدامن ہیں اور فحش باتوں سے بے خبر ہیں بایں طور کہ ان کے دل میں کبھی فواحش کے کرنے کا خیال بھی نہیں آتا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی ہیں تو ایسے لوگوں پر دنیا و آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان لوگوں کے لئے اس دن بڑا عذاب ہوگا جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے خواہ اعمال قولی ہوں یا فعلی اور وہ قیامت کا دن ہوگا یوم کا ناصب اِسْتَقَرَّ (محذوف) ہے جس سے لَهُمْ متعلق ہے يَشْهَدُ تا اور یاء دونوں کے ساتھ ہے اس دن اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا واجبی بدلہ دے گا یعنی جو جزاء ان پر واجب ہے وہ پوری پوری دے گا، اور ان کو معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ ٹھیک فیصلہ کرنے والا (بات) کا کھولنے والا ہے اس طریقہ سے کہ ان کے سامنے ہر اس عمل کی جزاء متحقق ہوجائے گی جس میں وہ شک کرتے تھے (ان شک کرنے والوں) میں عبداللہ بن ابی بھی ہے، اور محصنت سے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مراد ہیں، ازواج مطہرات کے قذف کے سلسلہ میں توبہ کا ذکر نہیں فرمایا، اور ابتداء سورت میں جن کی قذف کے سلسلہ میں توبہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ازواج مطہرات کے علاوہ ہیں، گندی عورتیں اور گندی باتیں گندے لوگوں کے لائق ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہیں قولہ مِمَّا ذُكِرَ ای النساء او كلمات اور مذکورین میں سے پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور مذکورین میں سے ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہیں یعنی خبیث خبیث کے لائق ہے اور پاکیزہ پاکیزہ کے لائق پاکیزہ ہے اور یہ پاکیزہ مرد اور پاکیزہ عورتیں اور ان ہی میں حضرت عائشہ اور حضرت صفوان ہیں اس بات سے پاک ہیں جو یہ بکتے پھرتے ہیں یعنی یہ خبیث مرد اور عورتیں ان حضرات کے بارے میں جو بکتے پھرتے ہیں ان کے لئے یعنی ان پاکیزہ مرد اور عورتوں کے لئے مغفرت اور

جنت میں عزت کی روزی ہے اور حضرت عائشہ چند چیزوں پر فخر فرمایا کرتی تھیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ان کو پاکیزہ پیدا کیا گیا اور ان سے مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ خُطْوَۃ بضم الطاء وسکونہا بمعنی قدم **قولہ** مَنْ یتبع خطوات الشیطان شرط ہے جواب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے مَنْ یَتبع خطُواتِ الشَّیطان فلا یَفلَحُ **قولہ** فَاِنَّهٗ جواب شرط کی علت ہے **قولہ** ای المتَّبع اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے مراد وہ شخص ہے جو شیطان کی اتباع کرتا ہے بعض حضرات نے اِنَّهٗ کی ضمیر شیطان کی طرف بھی راجع کی ہے یہی ظاہر ہے ضمیر شان بھی ہوسکتی ہے **قولہ** باتباعهما یامر سے متعلق ہے مازکیٰ منکُم لولاَ کا جواب ہے مِن الإفْكِ میں مِنْ بیانیہ ہے اور مِنْ اَحدٍ میں مِنْ زائدہ ہے اور احدٌ محل میں فاعل کے ہے **قولہ** لایأتل ایتلاءٌ (افتعال) سے نہی مضارع واحد مذکر غائب قسم نہ کھائیں اصل میں یاتلیٰ تھالا ناہیہ کی وجہ سے ی گرگئی یاتل ہوگیا، مادہ اِلیٌّ بمعنی قسم **قولہ** ای اصحابُ الغنی یہ اولوا الفضل کی تفسیر ہے مفسر علام نے یہ تفسیر بغویؒ کی اتباع میں کی ہے اگر فضل کی تفسیر فضل فی الدین سے کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا تا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت پر استدلال ہوسکتا، اولوا الفضل کی تفسیر اصحاب الغنی سے کرنے میں بلاوجہ تکرار بھی لازم آتا ہے اس لئے کہ والسَّعۃ سے بھی خوشحالی اور مالی وسعت مراد ہے **قولہ** اَنْ لا یوتوا لا کو دلالت مقام کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، جیسا کہ تفتؤ تذکر یوسف میں لا مقدر ہے اور یہ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہے ای علی اَنْ لایُؤتُوْا **قولہ** وناسٍ اس کا عطف ابی بکر پر ہے ای نَزَلَتْ فی ابی بکرٍ وناسٍ مِنَ الصَّحابۃِ یَوْمَ کا ناصب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وعذاب عظیمٌ کائن لَهُمْ یومَ تَشْهَدُ الخ سوال عذابٌ مصدر کے ذریعہ منصوب کیوں نہیں ہے؟ جواب مصدر کے عمل کی بصریین کے نزدیک شرط یہ ہے کہ مصدر موصوف واقع نہ ہو اور یہاں عظیم کا موصوف واقع ہے بہذا عذاب مصدر ناصب نہیں ہوسکتا **قولہ** الخبیثات للخبیثین (الآیہ) جملہ مستانفہ ہے **قولہ** مِنَ النساء ومن الکلماتِ مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ الخبیثٰت کی دو تفسیر منقول ہیں ایک النساء اور دوسری الکلمات اور واو بمعنی اوْ ہے **قولہ** لَهُمْ مغفرۃٌ یہ جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اولئک کی خبر ثانی ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہو اور خبر اول مُبَرَّؤُنَ ہو۔

تفسیر وتشریح

یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی چالوں اور فریب

کاریوں سے ہوشیار رہا کرو، مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے نقش قدم پر چلے، ان معلونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں ان کی چالوں میں آتے ہو، دیکھ لو شیطان نے ذرا سا شوشہ چھوڑ کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اس کے دام فریب میں پھنس گئے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہت سوں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہونے کے بعد توبہ کی توفیق دیکر درست کر دیتا ہے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف طوفان برپا کرنے والوں میں بعض مخلص مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے تھے، ان میں سے ایک حضرت مسطح بن اُثاثہ بھی تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق ان کی مالی اعانت فرمایا کرتے تھے، جب حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی اور قصہ ختم ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کی کوئی مدد نہ کریں گے، حضرت ابوبکر صدیق کو اس واقعہ سے چونکہ سخت صدمہ پہنچا تھا خاص طور پر حضرت مسطح کے اس مہم میں شریک ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ رنج ہوا، اس لئے کہ جن لوگوں سے حمایت کی امید ہوتی ہے وہ بھی مخالفت پر اتر آئیں تو بتقاضائے بشریت دکھ ہونا فطری بات ہے، اس فطری اور بشری تقاضہ سے حضرت صدیق قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ مسطح کی مالی مدد نہ کروں گا، غالبًا ایسی ہی صورت حال بعض دیگر صحابہ کو بھی پیش آئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت عطا فرمائی ان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائیں، ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں، اعلیٰ قسم کی جوانمردی تو یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے، محتاجوں رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دست کش ہونا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں، اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو اس کا کفارہ ادا کر دو، تمہاری شان تو یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے عفو و درگذر سے کام لیں، کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگذر کی خواہش اور امید نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو بھی اس کے بندوں کے معاملہ میں خود اختیار کرنی چاہئے، احادیث میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے جب سنا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے، تو فورًا بول اٹھے بَلٰى يَا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ بے شک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں، یہ کہہ کر مسطح کی سابقہ امداد بدستور جاری کر دی بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دوگنی کر دی، **مسطح هو ابن اثاثه بن عباد بن المطلب بن عبد مناف** اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کا اصل نام عوف ہے اور مسطح لقب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ اس آیت میں بظاہر مکرر وہ مضمون بیان ہوا ہے جو اس سے پہلی آیات قذف میں آچکا ہے لیکن درحقیقت ان دونوں میں ایک بڑا فرق ہے کیونکہ آیات حد قذف کے آخر میں توبہ کرنے والوں کا استثناء اور ان کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے، اس آیت میں ایسا نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم بلا استثناء مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے حضرت صدیقہ عائشہ پر تہمت لگائی اور پھر اس سے توبہ نہیں کی حتی کہ قرآن کریم میں ان کی برأت نازل ہونے کے بعد بھی وہ اپنے افتراء پر قائم رہے اور تہمت کا چرچا کرتے رہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت کے قضیہ میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہو گئے تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات برأت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں آیات برأت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہ پر تہمت لگائے، وہ بلاشبہ کافر منکر قرآن ہے، جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں ان کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے وہ باجماع امت کافر ہیں (معارف)

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ (الآیہ) یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو، پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا تعلق؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہو سکتی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتے ہیں، آیت کا یہ مطلب تو مشہور اور عام ترجمہ کے مطابق ہوا مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ الخبیثٰت اور الطیبٰت سے یہاں عورتیں مراد نہیں ہیں بلکہ اقوال اور کلمات مراد ہیں یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق اور ستھری باتیں ستھرے اور پاکباز مردوں کے لائق اچھے اور ستھرے لوگ ایسی گندی باتوں سے پاک اور بری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے اولئک مبرّؤن مما یقولون سے ظاہر ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی ازواج کے بارے میں جو قرآن کریم میں ان کا کافر ہونا مذکور ہے تو ان کے متعلق بھی یہ ثابت ہے کہ کافر ہونے کے باوجود فسق و فجور میں مبتلا نہیں تھیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مابغت امرأۃ نبیٍ قط یعنی کسی نبی کی بیوی کافرہ ہو جائے اس کا تو امکان ہے مگر بدکار فاحشہ ہو جائے یہ ممکن نہیں، کیونکہ بدکاری طبعی طور پر عوام کی نفرت کی موجب ہے کفر طبعی نفرت کا موجب نہیں۔ (بیان القرآن)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا ای تَسْتَاْذِنُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا فیقولُ الواحدُ السَّلامُ علیکُمْ ءَادْخُلُ کما ورد فی حدیثٍ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ من الدُّخُولِ بغیرِ استئذانٍ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ بادغامِ التّاءِ الثّانیۃِ فی الذّالِ خیریتَہٗ فتعملُوْنَ بہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَا

اَحَدًا يَاذَنُ لكُمْ فَلاَ تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمْ بَعْدَ الاسْتِيْذان ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اى الرُّجُوْعُ اَزْكٰى اى خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ مِنَ القُعُوْدِ عَلى الباب وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مِن الدُّخُوْل بِاِذْن وغَيْرِ اِذْنٍ عَلِيْمٌ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوتا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ اى مَنْفَعَةٌ لَّكُمْ ۖ بِاسْتِكْنَان وَغَيْرِهٖ كَبُيُوتِ الرُّبُطِ وَالخَانَاتِ المُسَبَّلَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ تُظْهِرُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ تُخْفُوْنَ فِي دُخُوْل غَيْرِ بُيُوْتِكُمْ مِنْ قَصْدِ صَلاحٍ اَوْ غَيْرِهٖ وسَيَاْتِى اَنَّهُمْ اِذَا دَخَلُوْا بُيُوْتَهُمْ يُسَلِّمُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصارِهِمْ عَمَّا لايَحِلُّ لَهُمْ نَظْرُهٗ ومِنْ زَائِدَةٌ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۖ عَمَّا لايَحِلُّ لَهُمْ فِعْلُهٗ بِهَا ذٰلِكَ اَزْكٰى اى خَيْرٌ لَهُمْ ۖ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ بالاَبْصار وَالفُرُوْجِ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْه وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ عَمَّا لايَحِلُّ لَهُنَّ نَظْرُهٗ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ عَمَّا لايَحِلُّ فِعْلُهٗ بِهَا وَلاَيُبْدِيْنَ يُظْهِرْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وهُوَ الوَجْهُ والكَفَّان فَيَجُوْزُ نَظْرُهٗ لاَجْنَبِيٍّ اِنْ لَّمْ يَخَفْ فِتْنَةً فى اَحَد الوَجْهَيْنِ وَالثَّانِى يَحْرُمُ لِاَنَّهٗ مَظَنَّةُ الفِتْنَةِ وَرُجِّحَ حَسْمًا لِلْبَاب وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ اى يَسْتُرْنَ الرُّؤُسَ وَالاَعْنَاقَ وَالصُّدُوْرَ بِالمَقَانِعِ وَلاَيُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ الخَفِيَّةَ وهِىَ مَاعَدَا الوَجْه وَالكَفَّيْنِ اِلاَّ لِبُعُوْلَتِهِنَّ جَمْعُ بَعْلٍ اى زَوْجٌ اَوْ آبَآئِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِىْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِىْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ فَيَجُوْزُ لَهُمْ نَظْرُهٗ اِلَّا مَابَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ فَيَحْرُمُ نَظْرُهٗ لِغَيْرِ الاَزْوَاجِ وَخَرَجَ بِنِسَائِهِنَّ الكَافِرَاتُ فَلاَ يَجُوْزُ لِلْمُسْلِمٰتِ الكَشْفُ لَهُنَّ وَشَمَلَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ العَبِيْدَ اَوِ التّٰبِعِيْنَ فِى فُضُوْلِ الطَّعَامِ غَيْرِ بِالجَرِّ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اسْتِثْنَاءٌ اُولِى الاِرْبَةِ اَصْحَابِ الحَاجَةِ اِلَى النِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ بِاَنْ لَمْ يَنْتَشِرْ ذَكَرُ كُلٍّ اَوِ الطِّفْلِ بِمعنى الاَطْفَالِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا يَطَّلِعُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ لِلْجِمَاعِ فَيَجُوْزُ اَنْ يُبْدِيْنَ لَهُمْ مَا عَدَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۖ مِنْ خَلْخَالٍ يَتَقَعْقَعُ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا المُؤْمِنُوْنَ مِمَّا وَقَعَ لَكُمْ مِنَ النَّظْرِ المَمْنُوْعِ مِنْهُ وَمِنْ غَيْرِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تَنْجُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ لِقُبُوْلِ التَّوْبَةِ مِنْهُ وفِى الآيَة تَغْلِيْبُ الذُّكُوْرِ عَلَى الاِنَاثِ وَاَنْكِحُوْا الاَيَامٰى مِنْكُمْ جَمْعُ اَيِّمٍ وهِىَ مَنْ لَيْسَ لها زَوْجٌ بِكْرًا كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا ومَنْ لَيْسَ لَهٗ زَوْجَةٌ وهٰذَا فِى الاَحْرَار وَالحَرَائِرِ وَالصّٰلِحِيْنَ اى المُؤْمِنِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۚ وعِبَادٌ مِنْ جُمُوْعِ عَبْدٍ اِنْ يَّكُوْنُوْا اى الاَحْرَارُ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ بِالتَّزَوُّجِ مِن

فَضْلِهٖ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ لِخَلْقِهٖ عَلِيْمٌ بِهِمْ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ نِكَاحًا اى مَا يَنْكِحُوْنَ بِهٖ مِنْ مَهْرٍ وَنفقةٍ مِنَ الزِّنَا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ يُوَسِّعَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَضْلِهٖ ط فَيَنْكِحُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ بِمَعْنَى الْمُكَاتَبَةِ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيْدِ وَالْإِمَاءِ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ق اى امانةً وَقُدْرةً عَلَى الْكَسْبِ لِاَدَاءِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَصِيْغَتُهَا مَثَلًا كَاتَبْتُكَ عَلَى اَلْفَيْنِ فِي شَهْرَيْنِ كُلِّ شَهْرٍ اَلْفٌ فَاِذَا اَدَّيْتَهَا فَاَنْتَ حُرٌّ فَيَقُوْلُ قَبِلْتُ ذٰلِكَ وَّآتُوْهُمْ اَمْرٌ لِلسَّادَةِ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْ آتٰكُمْ ط مَا يَسْتَعِيْنُوْنَ بِهٖ فِي اَدَاءِ مَا الْتَزَمُوْهُ لَكُمْ وفِي مَعْنَى الْإِيْتَاءِ حَطُّ شَيْءٍ مِمَّا الْتَزَمُوْهُ وَلَاتُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ اى اِمَائِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اى الزِّنَا اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا تَعَفُّفًا عَنْهُ وَهٰذِهِ الْإِرَادَةُ مَحَلُّ الْإِكْرَاهِ فَلَا مَفْهُوْمَ لِلشَّرْطِ لِتَبْتَغُوْا بِالْإِكْرَاهِ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ كَانَ يُكْرِهُ جَوَارِيَ لَهٗ عَلَى الْكَسْبِ بِالزِّنَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ م بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ لَّهُنَّ رَّحِيْمٌ ○ بهن وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ آيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا فِي هٰذِهِ السُّوْرَةِ بُيِّنَ فِيْهَا مَا ذُكِرَ اَوْ بَيِّنَةً وَّمَثَلًا اى خَبَرًا عَجِيْبًا وَهُوَ خبر عائشة رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ اى مِنْ جِنْسِ اَمْثَالِهِمْ اى اَخْبَارِهِم الْعَجِيْبَةِ كَخَبَرِ يُوْسُفَ وَمَرْيَمَ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ع فِي قوله تعالى وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ الخ لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ وَلَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ الخ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا الخ وَتَخْصِيْصُهَا بِالْمُتَّقِيْنَ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا

ترجمہ

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور اہل خانہ کو سلام نہ کرلو پس ہر اجازت لینے والے کو چاہئے کہ کہے السلام علیکم أادخل کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے یہی تمہارے لئے بہتر ہے بغیر اجازت داخل ہونے سے تاکہ تم خیال رکھو اجازت کے خیر ہونے کا پھر تم اس پر عمل کرو تائے ثانیہ کو ذال میں ادغام کر کے سو اگر تم گھروں میں کسی کو نہ پاؤ کہ تم کو اجازت دے تو ان میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دیدی جائے اور اگر اجازت طلب کرنے کے بعد تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہی لوٹ آنا تمہارے دروازہ پر بیٹھ رہنے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال دخول بالاذن اور دخول بغیر الاذن کی سب خبر ہے لہٰذا ان اعمال پر جزا دے گا تم کو ایسے مکانات میں (بغیر اجازت) داخل ہونے میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو رہائشی نہ ہوں اور جن سے تمہاری بھی کچھ منفعت وابستہ ہو (مثلاً) گرمی سردی سے بچنے وغیرہ کی منفعت جیسا کہ عام سرائے کے طور پر استعمال ہونے والے مکانات اور دوکان اور جو کچھ تم

علانیہ کرتے ہو اور پوشیدہ طور پر کرتے ہو دوسروں کے گھروں میں اصلاح یا غیر اصلاح کے ارادہ سے داخل ہونے کو اللہ سب جانتا ہے اور یہ (مضمون) عنقریب آ رہا ہے کہ لوگ جب اپنے گھروں میں داخل ہوں تو خود کو سلام کریں آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو ان چیزوں سے نیچی رکھیں جن کا دیکھنا ان کے لئے حلال نہیں ہے، اور مِن زائدہ ہے اور اپنی شرمگاہوں کو ان افعال سے محفوظ رکھیں جن کا ارتکاب ان کے لئے حلال نہیں ہے، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے یعنی بہتر ہے اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ اپنی آنکھوں اور شرمگاہوں سے کرتے ہیں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں ان چیزوں سے کہ جن کا دیکھنا جائز نہیں ہے اور اپنی شرمگاہوں کو ان کاموں سے محفوظ رکھیں جن کا ارتکاب ان کے لئے حلال نہیں ہے اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور وہ چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اجنبی کے لئے ایک قول میں ان اعضاء کا دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو اور دوسرے قول میں حرام ہے، اس لئے کہ یہ محل فتنہ ہیں اور (دوسرے قول کو) سدالباب راجح قرار دیا گیا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں یعنی سروں گردنوں اور سینوں کو دوپٹوں سے ڈھانپے رہا کریں، اور اپنی پوشیدہ زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں اور وہ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ ہے مگر اپنے شوہروں پر (بعول) بعل کی جمع ہے بمعنی شوہر اور اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر (یعنی مسلمان عورتوں پر) یا اپنی لونڈیوں پر ان لوگوں کے لئے ناف اور گھٹنے کے درمیان کے علاوہ دیکھنا جائز ہے لہٰذا ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کو شوہروں کے علاوہ کے لئے دیکھنا حرام ہے، اور نِسَائِهِنَّ کی قید سے کافر عورتیں خارج ہو گئیں، لہٰذا مسلمان عورتوں کے لئے کافر عورتوں کے روبرو بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے اور مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کا لفظ (اپنے عموم کی وجہ سے) غلاموں کو بھی شامل ہے یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں یعنی ایسے لوگ جو بچے ہوئے کھانے کے متلاشی ہوں ان کی اور کوئی غرض نہ ہو غیرِ جر کے ساتھ (التابعین) کی صفت ہوگی اور نصب استثناء کی وجہ سے ہوگا اُولِی الاِرْبَۃ وہ مرد جو کھانے وغیرہ کے لئے عورتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں (ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا) ہر ایسا شخص کہ جس کے عضو تناسل میں انتشار نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو (ابھی) عورتوں کی پردے کی یعنی جماع وغیرہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے ہیں اور طفل بمعنی اطفال ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے (مابین السرة والركبة) کے علاوہ ظاہر کرنا جائز ہے اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور ظاہر ہو جائے کہ وہ بجنے والی پازیب ہے اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو نظر ممنوع وغیرہ سے جو تم سے واقع ہو گئی ہے تاکہ تم فلاح پاؤ یعنی تاکہ تم اس سے (یعنی نظر ممنوع کے گناہ سے) نجات پاؤ، اللہ کے توبہ کو قبول کرنے کے ذریعہ، اور آیت میں مذکر کو مؤنث پر غلبہ ہے اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو ایامیٰ ایِّم کی جمع ہے وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو اور یہ (حکم) آزاد مرد اور عورتوں کا ہے اور تم اپنے مومن

غلام اور باندیوں کا بھی (نکاح کردیا کرو) اور عِباد عبدٌ کی جمع ہے اگر وہ افراد مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس نکاح کی برکت سے غنی کردے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے وسعت والا ہے اور (ان کے حالات) کا جاننے والا ہے اور ایسے لوگ جو نکاح پر مہر ونفقہ نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہیں رکھتے ان کو چاہئے کہ زنا سے ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے یعنی ان کو وسعت عطا فرمادے پھر وہ نکاح کرلیں اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں غلام اور باندیوں میں سے تو ان کو مکاتب بنادیا کرو اگر تم ان میں بہتری سمجھو یعنی امانت اور بدل کتابت ادا کرنے کے لئے کمانے کی قدرت اور (رہا) مکاتبت کا صیغہ تو مثلاً یوں کہے میں نے تجھ کو دو ماہ میں دو ہزار پر مکاتب بنادیا ہر ماہ میں ایک ہزار جب تو اس کو ادا کردے گا تو آزاد ہے غلام کہے کہ مجھے یہ منظور ہے اور اللہ کے اس مال میں سے جو اس نے تم کو دیا ہے ان کو بھی دو جس سے وہ اس بدل کتابت کی ادائیگی میں مدد حاصل کریں جس کو انہوں نے تمہارے لئے (اپنے اوپر) لازم کرلیا ہے، یہ سرداروں کو حکم ہے اور جو انہوں نے (اپنے اوپر) لازم کرلیا ہے اس میں سے کچھ کم کردینا بھی دینے کے حکم میں ہے اور اپنی لونڈیوں کو یعنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں یعنی زنا سے بچنا چاہیں اور یہ یعنی ارادۂ تحصن ہی محل اکراہ ہے، لہٰذا شرط کے مفہوم مخالف کا کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ تم اکراہ کے ذریعہ دنیوی کچھ فائدہ حاصل کرو یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ اپنی باندیوں کو زنا کے ذریعہ کسب کرنے پر مجبور کرتا تھا اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد ان کو بخشنے والا مہربان ہے اور بلاشبہ ہم نے تمہارے پاس اس سورت میں کھلے احکام نازل کئے (مبینت) میں یا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے اس (سورت) میں وہ احکام بیان کئے گئے ہیں جو مذکور ہوئے یا (احکام کو) واضح کرنے والی آیات نازل کی ہیں اور عجیب خبر نازل کی اور وہ حضرت عائشہؓ کا واقعہ ہے کہ جو آپ سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کی خبر کی جنس سے ہے (عجیب ہونے میں) یعنی ان لوگوں کی اخبار عجیبہ کی جنس سے ہے، جیسے کہ حضرت یوسف ومریم کی خبر اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں (نازل فرمائیں) اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَاخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ (الآیہ) میں (اور) لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ (الآیہ) میں اور وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ (الآیہ) میں (اور) يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا (الآیہ) میں متقین کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی لوگ نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا ای تَسْتَاذِنُوْا سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ستر وحجاب عفت وپاکدامنی کے احکام بیان فرمائے منجملہ انہی احکام کے کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ

ہونا ہے لہٰذا ستر وحجاب کے احکام کے بعد مسئلہ استیذان کو بیان فرمایا، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے گھروں میں داخل ہونے کے آداب کو بیان فرمایا اس لئے کہ اجنبی مرد وزن کا اختلاط بعض اوقات فتنہ کا سبب بن جاتا ہے **قوله** تَسْتَانِسُوْا بمعنی تَسْتَاذِنُوْا ہے یہ استیذان سے مشتق ہے اس کے معنی اجازت لینا، انسیت پیدا کرنا **قوله** لیس عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ یہ لاتدخلوا بُیُوتًا سے بمنزلہ استثناء ہے **قوله** اِسْتِکنانٌ یہ کِنٌّ سے مشتق ہے اس کے معنی چھپنے کے ہیں یعنی سردی، گرمی یا بارش وغیرہ سے چھپ کر راحت حاصل کرنا **قوله** رُبُطٌ رباطٌ کی جمع ہے اس کے اصل معنی تو اصطبل یا بیرک کے ہیں مگر یہاں وہ سرائے اور عام مسافر خانے مراد ہیں جن میں آمد ورفت کی عام اجازت ہوتی ہے اور جو منفعت عامہ کے لئے بنائے جاتے ہیں المَسْبَلَة اس راستہ کو کہتے ہیں جو خوب چلتا ہو اسی مناسبت سے اس مکان کو بھی کہتے ہیں جس میں عام آمد ورفت کی اجازت ہو مَسْبَلَة دراصل رُبُطٌ کی صفت ہے لہٰذا اگر اس کو رُبُطٌ کے متصل ذکر کرتے تو زیادہ واضح ہوتا خطیب کی عبارت اس طرح ہے کبُیُوتِ الخانات و الربط المسبلة (جمل) خَانات خَانَة کی جمع دکان کو کہتے ہیں جہاں خرید وفروخت کے لئے آنے کی عام اجازت ہوتی ہے، المَسْبَلة، رُبُط اور خانات دونوں کی صفت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، **قوله** بالمَقَانِع یہ مِقنَعٌ یا مِقْنعة کی جمع ہے، دوپٹہ اوڑھنی وغیرہ **قوله** اوِ التابعینَ ای التَّابِعِیْنَ للنساءِ وہ خفیف العقل اور نیم پاگل لوگ جو کھانے وغیرہ کی جستجو میں عورتوں کے ساتھ ہو لیتے ہیں خَلْخَال پازیب (ج) خلاخیل تَقَعْقَعَ یَتَقَعْقَعُ حرکت کے ساتھ آواز نکالنا، **قوله** الصَّالِحِینَ ای المومنین یہاں صالحین سے وہ مومنین مراد ہیں جو حقوق نکاح کے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، **قوله** وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ وَالَّذِیْنَ موصول صلہ سے مل کر مبتداء متضمن بمعنی شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، اس صورت میں فکاتبوہ اس کی خبر ہے اور مما ملکت ایمانکم یبتغون کی ضمیر سے حال ہے، اور فعل مقدر کی وجہ سے نصب بھی جائز ہے اس صورت میں محلاً منصوب ہوگا اور باب اشتغال سے ہوگا **قوله** هذه الإرادة محل الاکراه فلا مفهوم للشرط یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اِنْ اردنَ تحصناً حرف شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باندیاں پاکدامن رہنا چاہیں تو ان کو زنا پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر پاکدامن رہنا نہ چاہیں تو مجبور کر سکتے ہیں، جواب یہ ہے کہ اجبار کی ضرورت ہی جب پڑے گی جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں اور اگر وہ خود ہی پاکدامن رہنا نہ چاہیں تو اجبار کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، وہ خود اپنی مرضی سے فعل زنا کر لے گی **قوله** اَوْ بَیِّنَة بمعنی مُبَیِّنَة اسم فاعل احکام کو واضح کرنے والی آیات **قوله** مثلاً یعنی اس سورت میں یا اس قرآن میں ہم نے تمہارے لئے واضح احکام نازل کئے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا عجیب واقعہ بھی نازل کیا جو عجیب ہونے میں گذرے ہوئے لوگوں مثلاً حضرت یوسف ومریم علیہما السلام کے واقعہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ ان دونوں حضرات پر بھی تہمت لگائی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی براءۃ بھی ظاہر فرمادی تھی۔

تفسیر وتشریح

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتًا (الآیہ)

سبب نزول: عدی بن ثابت ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں بعض اوقات گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی اس حالت میں مجھے دیکھے نہ بیٹا اور نہ باپ تو اچانک کوئی آنے والا آ جاتا ہے تو میں کیا کروں؟ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مکانات کی قسمیں

مکانات کی چار قسمیں ہیں (۱) اول اپنا خاص مکان یا کمرہ کہ جس میں دوسرے کے آنے کا احتمال ہی نہ ہو۔ (۲) دوسرے وہ مکان جس میں دیگر حضرات بھی رہتے ہوں گو وہ محارم ہی کیوں نہ ہوں یا کسی کے آ جانے کا احتمال ہو۔ (۳) تیسرا جس میں بالفعل کسی کا رہنا یا نہ رہنا دونوں محتمل ہوں۔ (۴) چوتھا جس میں کسی خاص سکونت کا نہ ہونا متیقن ہو، جیسے مدرسہ، خانقاہ، مسجد، سرائے۔

قسم اول کا حکم تو یہ ہے کہ اس میں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ علت استیذان جو آئندہ معلوم ہوگی منتفی ہے، دوسری اقسام کا حکم اگلی آیتوں میں مذکور ہے۔

استیذان کی مصلحت

سب سے بڑی مصلحت تو فواحش و بے حیائی کا انسداد ہے، بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہو جانے سے یہ احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے اور شیطان دل میں کوئی مرض پیدا کر دے، اسی مصلحت کے پیش نظر احکام استیذان کو قرآن کریم میں حد زنا اور حد قذف وغیرہ کے متصل بیان فرمایا ہے، ایک اہم مصلحت یہ بھی ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے گھر میں تنہائی میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے جس پر دوسروں کو مطلع کرنا مناسب نہیں سمجھتا، اگر ایسے وقت میں کوئی شخص بغیر اجازت گھر میں آ جائے تو یہ جس چیز کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے اس پر وہ شخص مطلع ہو جائے گا کسی کے پوشیدہ راز کو زبردستی معلوم کرنے کی فکر کرنا بھی گناہ اور دوسروں کے لئے موجب ایذاء ہے۔

مسئلہ: ان آیات يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا (الآیہ) اگرچہ خطاب مردوں کو ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں، قرآن کا عام اسلوب بھی یہ ہے کہ خطاب مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہوتی ہیں، بجز مخصوص

مسائل کے کہ جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کردی جاتی ہے، چنانچہ حضرات صحابہ کی مستورات کا بھی یہی دستور تھا کہ جب کسی کے گھر جاتیں تو داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرتیں، حضرت ام ایاس فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کرتی تھیں، جب وہ اجازت دیدیتیں تو اندر جاتی تھیں۔ (ابن کثیر بحوالہ ابی حاتم)

مسئلہ: اسی آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے، عورت مرد محرم غیر محرم سب کو شامل ہے، عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد کسی مرد کے پاس جائے سب کو استیذان کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی ماں بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تب بھی استیذان کرنا چاہئے، امام مالکؒ نے موطا میں مرسلاً عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ا استاذِنُ علٰی اُمّی آپ نے فرمایا نَعَمْ اس شخص نے کہا یارسول اللہ میرے سوا اس کا کوئی خادم نہیں ہے کیا پھر بھی ہر مرتبہ داخل ہوتے وقت اجازت لوں؟ تو آپ نے فرمایا اَتُحِبُّ اَن تَرٰھَا عُرْیَانَۃً کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تو اپنی والدہ کو ننگی دیکھے؟ اس شخص نے جواب دیا "لا" تو آپ نے فرمایا فَاسْتَاذِنْ عَلَیْھَا (روح المعانی)

مسئلہ: جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اس میں داخل ہونے کے لئے اگر چہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور سنت طریقہ یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک اور بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ یا کھانس کھنکار کر یا کسی اور طریقہ سے خبر کردے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر آتے تو دروازے میں کھنکار کر پہلے اپنے آنے کی خبر کردیتے تھے، تاکہ وہ ہمیں اس حالت میں نہ دیکھیں جو انہیں پسند نہ ہو۔ (معارف)

قولہ ذٰلِکُمْ اس کا مشار الیہ دخول بالاستیذان والتسلیم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذٰلکم سے حتی کے تحت یعنی مغیا میں مذکور دونوں فعل یعنی استیناس اور تسلیم مراد ہوں، **قولہ** خیرٌ لَّکُمْ خیرٌ کو اگر اسم تفضیل ہی کے معنی میں رکھا جائے تو مفضل علیہ دخول بغیر اذن محذوف ہوگا جیسا کہ مفسر علام نے صراحت کی ہے، تو یہ الخلُّ اَحلٰی مِنَ العَسْلِ کے قبیل سے ہوگا اور اگر خیر کو صیغہ صفت مانا جائے تو مفضل علیہ کی تقدیر کی ضرورت نہیں **قولہ** لعلَّکُمْ تذکرون یہ ایک جماعت کے نزدیک محذوف کی علت ہے ای اُرشدتم الٰی ذٰلک او قیل لکم ھٰذا ، کَی تذکرون .

استیذان کا مسنون طریقہ

مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ کسی کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ دو کام نہ کرلو اول استیناس اس کے لفظی معنی طلب انس کے ہیں اور جمہور کے نزدیک اس سے استیذان ہی مراد ہے یعنی اجازت حاصل کرنا استیذان کو

لفظ استیناس سے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کرنے میں مخاطب مانوس ہو جاتا ہے اس کو وحشت نہیں ہوتی، دوسرا کام یہ کہ گھر والوں کو سلام کرو، بعض حضرات نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ پہلے اجازت حاصل کرو اور جب گھر میں داخل ہو تو سلام کرو قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے اس مفہوم کے اعتبار سے آیت میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں، پہلے اجازت لی جائے اور جب اجازت مل جائے تو گھر میں جا کر سلام کریں، اور ماوردی نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کرے ورنہ پہلے اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے مگر عام روایات حدیث سے جو مسنون طریقہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے باہر سے سلام کرے السلام علیکم اس کے بعد اپنا نام لیکر کہے فلاں شخص ملنا چاہتا ہے، امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ اس نے مسنون طریقہ کے خلاف کیا) (روح المعانی بحوالہ معارف)

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استیذان کیا، باہر سے کہا أألجُ؟ میں گھس جاؤں، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اس کو طریقہ سکھاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم أأدخل ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک سن لئے اور سنت کے مطابق اجازت طلب کی آپ نے اجازت دیدی، اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اصلاحیں فرمائیں، ایک یہ کہ پہلے سلام کرنا چاہئے دوسرے یہ کہ أألجُ کے بجائے أأدخل کہنا چاہئے اَلجُ وُلُوجٌ سے مشتق ہے جس کے معنی تنگ جگہ میں گھسنے کے ہیں یہ تہذیب گفتگو کے خلاف تھا، بہرحال ان روایت سے یہ معلوم ہوا کہ آیت قرآن میں جو سلام کرنے کا حکم ارشاد ہوا ہے یہ سلام استیذان ہے تاکہ اندر والا شخص متوجہ ہو جائے اور جو الفاظ اجازت طلب کرنے کے لئے کہے گا وہ سن لے گھر میں داخل ہونے کے وقت حسب معمول دوبارہ سلام کرے۔

مسئلہ: استیذان کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لیکر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در مبارک پر نام لیکر اجازت طلب کی۔

قاسم بن اصبغ نے اور ابن عبدالبر نے التمہید میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی فقال السلام علی رسولِ اللّٰہِ السلامُ عَلَیْکُمْ اَیَدْخُلُ عمر؟ (روح المعانی)

مسئلہ: اول تو اپنا نام بتا کر اجازت طلب کرے اس لئے کہ بغیر نام کے بعض اوقات آنے والے کا تعارف نہیں ہوتا، اور یہ بات اور زیادہ تکلیف کا باعث ہوتی ہے کہ اندر سے صاحب خانہ معلوم کرتا ہے کہ کون صاحب ہیں تو جواب میں کہا جاتا ہے میں ہوں، یہ مخاطب کے سوال کا جواب نہیں ہے جس نے آواز سے نہیں پہچانا وہ (میں ہوں) سے کیا پہچانے گا۔

خطیب بغدادی نے اپنی جامع میں علی بن عاصم واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے دروازہ پر دستک دی، حضرت مغیرہ نے اندر سے معلوم کیا کون صاحب ہیں تو جواب دیا "أنا" تو حضرت مغیرہ نے فرمایا میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس کا نام أنا ہو، پھر باہر تشریف لائے اور ان کو حدیث سنائی کہ ایک روز حضرت جابرؓ بن عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت کے لئے دروازہ پر دستک دی آنحضرتؐ نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں؟ تو جابر نے کہہ دیا أنا آپ نے زجر وتنبیہ سے فرمایا أنا أنا یعنی أنا أنا کہنے سے کیا حاصل اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

استیذان کا مقصد بغیر اجازت گھر میں داخل نہ ہونا ہے، استیذان کے طریقے ہر زمانہ میں بدلتے رہتے ہیں ان میں سے دروازہ پر دستک اور سلام کر کے اجازت لینے کا طریقہ تو خود روایات میں موجود ہے، دروازہ پر لگی ہوئی گھنٹی بجا دینا بھی استیذان کے مقصد کو پورا کر لینا ہے بشرطیکہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی بتادے، شناختی کارڈ کے ذریعہ استیذان کا مقصد بخوبی پورا ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر استیذان کے جواب میں کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی تو اس سے برا نہ ماننا چاہئے آیت میں صراحتاً مذکور ہے وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْکٰی لَکُمْ یعنی جب آپ سے کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی تو برا ماننے کی ضرورت نہیں ہے خوش دلی سے لوٹ جانا چاہئے۔

مسئلہ: اگر استیذان کے باوجود اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو دوبارہ استیذان کرے اگر پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ استیذان کرے اگر اب بھی جواب نہ آئے تو اس صورت میں لوٹ جانا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ کسی مجبوری کی وجہ سے اجازت دینا نہیں چاہتا، مسلسل دستک دیتے رہنا یا وہیں جمے رہنا موجب ایذاء ہے اس سے بچنا واجب ہے ابن کثیر نے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا اسْتَاذَنَ اَحَدُکُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَرْجِعْ یعنی جب تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے باوجود اگر اجازت نہ ملے تو لوٹ آنا چاہئے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور سنت کے مطابق استیذان کے لئے باہر سے سلام کیا، حضرت سعدؓ نے جواب تو دیا مگر آہستہ کہ حضور نہ سنیں آپ نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ سلام کیا، حضرت سعد بن عبادہ سنتے اور آہستہ سے جواب دیتے، آپ تین مرتبہ استیذان کے بعد لوٹ گئے، جب حضرت نے دیکھا کہ اب آواز نہیں آرہی تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور یہ عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا مگر آہستہ دیا تا کہ آپ کی زبان مبارک سے میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ نکلیں وہ میرے لئے موجب برکت ہوگا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے سنت طریقہ سکھایا) اس کے بعد حضرت سعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے اور

کچھ ضیافت بھی کی آپ نے اس کو قبول فرمایا۔

مسئلہ: بغیر استیذان کئے ہوئے اگر باہر کوئی شخص انتظار کرے کہ جب صاحب خانہ باہر نکلے گا تو اس وقت ملاقات کروں گا یہ اس میں داخل نہیں ہے یہ تو عین ادب ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تخرج اِلَيهم لكان خيرًا لهُمْ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ.

قولہ مَتَاعٌ متاع کے معنی لغت میں برتنے اور استفادہ کرنے کے ہیں، اور حق استعمال کو بھی کہتے ہیں، یہ وہ عوامی مقامات ہوتے ہیں جو کسی کے لئے مخصوص نہیں ہوتے بلکہ ہر شخص کو ان سے استفادہ کرنے کا حق ہوتا ہے جیسے مسافر خانے جو رفاہ عام کے لئے بنائے جاتے ہیں اور اشتراک علت کی وجہ سے مسجدیں، خانقاہیں، دینی مدارس، ہسپتال، ڈاکخانے، ریلوے اسٹیشن وغیرہ وغیرہ بھی بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ میں داخل ہیں، ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کیا کہ جب يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا (الآیہ) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے؟ کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں ان کے جابجا مسافر خانے بنے ہوئے ہیں جن میں یہ لوگ دوران سفر قیام کرتے ہیں، ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی، اجازت کس سے حاصل کی جائے گی، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (رواہ ابن ابی حاتم، مظہری)

مسئلہ: رفاہ عام کے عمومی اداروں میں اگر منتظمین کی جانب سے داخلہ کی کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں تو ان کی شرعاً پابندی واجب ہوگی، یا عمومی اداروں میں کچھ کمروں کو مخصوص کرلیا گیا ہو وہ کمرے بیوت غیر مسکونۃ کے حکم میں نہ ہوں گے۔ (معارف)

استیذان سے متعلق چند اہم مسائل

جب یہ معلوم ہوگیا کہ استذان کے احکام شرعیہ کا اصل مقصد لوگوں کو ایذارسانی سے بچانا اور حسن معاشرت کے آداب سکھانا ہے تو اشتراک علت سے مسائل ذیل کا حکم بھی معلوم ہوگیا۔

ٹیلیفون سے متعلق بعض مسائل

کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون کرنا کہ جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں مشغول ہونے کا ہے بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں بھی وہی ایذارسانی ہے جو گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی سے ٹیلیفون پر اکثر بات ہوتی رہتی ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے پہلے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ: اگر ٹیلیفون پر طویل گفتگو کرنی ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ اگر آپ کو ذرا فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کسی حال میں ہو یا کسی بھی ضروری کام میں مشغول ہو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے، اگر ایسے وقت میں کوئی لمبی بات شروع کردے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے مگر وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون صاحب ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے۔

مسئلہ: اگر آپ کسی کی ملاقات کے لئے کسی کے مکان پر جائیں اور اجازت کے لئے دروازہ پر کھڑے ہوں تو دروازہ یا کھڑکی سے اندر نہ جھانکیں اور دروازہ کے بالمقابل کھڑے نہ ہوں تاکہ دروازہ کھلنے پر آپ کی نظر کسی نامحرم پر نہ پڑے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ یہ جواب امر ہے اور قُلْ کا مفعول مقدر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ تَقُلْ لَهُمْ غَضُّوْا يَغُضُّوْا بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے، قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا ہے یعنی مسلمان مرد اور عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں، اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں، اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادۃً اس کی طرف نظر نہ کرے کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا، جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا، اگر آدمی نگاہ نیچے رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار وارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہوسکتا ہے، پہلی نظر چوں کہ شہوت ونفسانیت سے نہیں ہوتی اس لئے حدیث شریف میں اس کو معاف رکھا گیا ہے شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِن کو تبعیضیہ لے کر اسی کی طرف اشارہ ہو۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اس آیت کے ابتدائی حصہ میں تو وہی حکم ہے جو اس سے پہلی آیت میں مردوں کو دیا گیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں، مردوں کے اس حکم میں عورتیں بھی شامل تھیں مگر مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر عورتوں کو مستقل حکم دیا گیا ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ عورتوں کے لئے مطلقاً غیر محرم مرد کو دیکھنا حرام ہے خواہ شہوت اور بری نیت سے ہو یا بغیر شہوت کے اور اس پر ام سلمہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس میں نابینا صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے اچانک آنے کا واقعہ مذکور ہے، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ آپ ﷺ کے پاس

بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی تشریف لے آئے آپ نے دونوں ازواج سے فرمایا پردہ کرلو، حضرت ام سلمہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ تو نابینا ہیں نہ ہم کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں، آپ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

بعض دیگر علماء نے فرمایا کہ بغیر شہوت کے غیر مرد کو دیکھنے میں عورت کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ان کا استدلال حضرت عائشہ صدیقہ کی وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نوجوان عید کے روز اپنا سپاہیانہ کھیل دکھارہے تھے، آپ بھی اس کو دیکھنے لگے اور صدیقہ عائشہ نے بھی آپ کی آڑ میں کھڑے ہوکر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک خود ہی اس کھیل سے نہ اکتا گئیں، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نظر شہوت حرام ہے بغیر نظر شہوت خلاف اولیٰ ہے۔

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اور عورتوں کو چاہئے کہ اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں زیبائش خلقی ہو یا کسبی، خلقی زیبائش سے مراد جسم کی پیدائشی ساخت ہے اور کسبی سے پوشاک اور ظاہری ٹیپ ٹاپ جیسے مسی، سرمہ، مہندی، پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ، مطلب یہ ہے کہ کسی کے سامنے کسی قسم کی زیبائش کا اظہار نہ کرے، بجز محارم کے جن کا ذکر آئندہ آیت میں آتا ہے، ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اس کے کھلا رکھنے میں بدرجہ مجبوری کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں اِلَّا مَا ظَهَرَ میں داخل ہیں، اگر ان کو مطلقاً چھپانے کا حکم دیا جائے تو اس میں سخت قسم کی دشواری پیش آئے گی، فقہاء نے علت مشترکہ کی وجہ سے قدموں کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے، خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے اس کے ستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلادی، جاہلیت میں عورتیں ہتی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر ڈال لیتی تھیں اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی یہ گویا کہ حسن کا مظاہرہ تھا، قرآن کریم نے بتلادیا کہ اوڑھنی کو سر سے گریبان پر ڈالنا چاہئے تاکہ اس طرح کان، گردن، اور سینہ پوری طرح مستور ہوجائیں، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ سے بیان فرمایا ہے۔

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ یہ دوسرا استثناء ان مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں، اس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ان سے عام طور سے کسی فتنہ کا خوف نہیں یہ محارم ہیں جن کی طبائع کو حق تعالیٰ نے خلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں، ان سے خود کسی فتنہ کا احتمال نہیں، دوسرے ہر وقت ایک جگہ رہنے سہنے کی ضرورت بھی سہولت پیدا کرنے کی متقاضی ہے، اس آیت میں آٹھ قسم کے محرم مردوں اور چار دوسرے قسم کے پردہ سے استثناء کیا گیا ہے، سورہ احزاب میں جو نزول میں اس سے مقدم ہے اس میں صرف سات اقسام کا ذکر ہے پانچ کا اضافہ سورہ نور میں کیا گیا ہے جو اس کے بعد نازل ہوئی ہے، اس مقام پر ماموں اور چچا کا ذکر

نہیں کیا گیا مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں داخل ہیں جن کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے۔

قولہ اَوْ نِسَائِهِنَّ یہاں اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں یہ بھی محرم کے حکم میں ہیں، بدن کا جتنا حصہ محرم کے سامنے کھول سکتی ہیں مسلمان عورتوں کے سامنے بھی کھول سکتی ہیں، علاج معالجہ کی بات الگ ہے، مسلمان عورتوں کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر عورتوں سے بھی پردہ ہے وہ غیر محرم مرد کے حکم میں ہیں، امام رازی نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ نِسَائِهِنَّ میں تو مسلم اور کافر سب عورتیں داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایات منقول ہیں وہ استحباب پر مبنی ہیں، روح المعانی میں مفتی بغداد علامہ آلوسی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں **هذا القول اَوفق بالناسِ اليوم فَإنَّهُ لايكادُ يمكن احتجاب المسلمات عن الذميات** (روح المعانی)
ترجمہ: یہی قول آج کل لوگوں کے مناسب حال ہے کیونکہ اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کا کافر عورتوں سے پردہ تقریباً ناممکن سا ہو گیا ہے۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اور وہ جوان عورتوں کے مملوک ہوں آیت کے الفاظ کے عموم میں تو غلام اور باندیاں سب داخل ہیں یعنی مالکن اپنا اتنا جسم کھول سکتی ہے جتنا دیگر محارم کے سامنے امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے لیکن دیگر اکثر ائمہ فقہاء اس سے صرف لونڈیاں ہی مراد لیتے ہیں اور غلام کو اجنبی کے حکم میں رکھتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیں)

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ یعنی وہ خدمت گار مراد ہیں جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے میں غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ ٹھکانے نہ ہوں محض کھانے پینے کے چکر میں گھر والوں کے پیچھے لگ لیتے ہوں (فوائد عثمانی) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد وہ مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت نہ ہو۔ (ابن کثیر)

اَوِ الطفل الذين لَمْ يَظْهَرُوْا (الآیہ) یہ بارہ اقسام میں سے آخری قسم ہے، اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات سے بھی واقف نہیں ہیں، اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی رکھتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اس سے پردہ واجب ہے، پردے سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ (الآیہ) اور اپنے پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں جس سے زیور کی آواز نکلے اور ان کی مخفی زینت مردوں پر ظاہر ہو، شروع آیت میں عورتوں کو اپنی زینت مردوں پر ظاہر کرنے سے منع کیا گیا تھا آخر میں اس کی مزید تاکید ہے کہ مواضع زینت سر اور سینہ وغیرہ کا چھپانا تو واجب تھا ہی اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں، زیور خواہ خود بجنے والا ہو کہ اس میں گھونگرو وغیرہ لگے ہوں یا آپس میں ٹکرا کر بجتا ہو یا زمین پر پیر زور سے رکھنے سے بجتا ہو اور غیر محرم مرد اس آواز کو سنیں یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔

عورت کی آواز

کیا عورت کی آواز فی نفسہ ستر میں داخل ہے؟ اور غیر محرم کو آواز سنانا جائز ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کی کتب میں عورت کی آواز کو ستر میں داخل نہیں کیا گیا ہے، حنفیہ کے بھی مختلف اقوال ہیں، ابن ہمام نے نوازل کی روایت کی بنا پر ستر میں داخل قرار دیا ہے اسی لئے حنفیہ کے نزدیک عورت کی آذان مکروہ ہے، لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نزول حجاب کے بعد بھی پردے کے پیچھے سے غیر محارم سے بات کرتی تھیں، مجموعی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس موقع اور محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع اور جہاں خطرہ نہ ہو جائز۔ (واللہ اعلم)

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ بعض قراتوں میں اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ الف کو ساقط کر کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ابن عامر نے اَيُّهُ ہا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، ہا کے ضمہ کو ماقبل کے تابع کر کے یعنی اے مومنو تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو اس آیت کے اول حصہ میں پہلے مردوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا اس کے بعد عورتوں کو اسی کا حکم دیا گیا اب اس جملہ میں سب مردوں اور عورتوں کو شامل کر کے ہدایت دی گئی ہے کہ شہوت نفسانی کا مسئلہ بڑا دقیق ہے دوسروں کو اس پر اطلاع ہونا مشکل ہے مگر اللہ تعالیٰ پر ظاہر و پوشیدہ یکساں ہے، اسلئے اگر کسی سے احکام مذکورہ میں کسی وقت کوتاہی ہوگئی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس سے توبہ کرے اور اظہار ندامت کرے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ اَيَامٰى اَيِّمٌ کی جمع ہے بے نکاح مرد اور بے نکاحی عورت کو کہتے ہیں، اَيَامٰى دراصل اَيَايِمُ جمع اَيِّمٌ تھا، اس لئے کہ فَيْعَلٌ کی جمع فَعَالٰى کے وزن پر نہیں آتی، لہٰذا اس میں قلب کیا گیا میم کو مقدم کر کے تخفیفاً فتحہ دیدیا گیا اور ی کے متحرک اور ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا، اَيَامٰى ہو گیا، كما ذَهَبَ اليه زمخشریؒ، ابن مالک نے کہا یہ جمع شاذ ہے اس میں قلب نہیں ہے۔ (روح المعانی)

اسلام ایک معتدل نظام ہے

اسلام میں ایک طرف ناجائز شہوت رانی سے روکا گیا ہے تو دوسری طرف اس کا جائز اور صحیح اور متبادل طریقہ بھی بتایا گیا ہے اس کے علاوہ بقاء نسل کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد و عورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے اسی کا نام قرآن و سنت کی اصطلاح میں نکاح ہے، اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا بیوہ ہوگئیں یا بیوی مرگئی اور مرد بغیر بیوی کے رہ گیا تو مناسب موقع ملنے پر نکاح کر دیا کرو، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو، نماز فرض کا جب وقت آجائے، جنازہ جب موجود ہو، اور بیوہ عورت جب اس کا جوڑ مل جائے، جو قومیں بیواؤں کے نکاح پر ناک بھوئیں چڑھاتی ہیں یا جس معاشرہ میں

بیواؤں کے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

اپنے باندی اور غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرسکیں گے اور نکاح ہوجانے پر مغرور ہوکر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا بھی نکاح کردیا کرو، اور اس موہوم خطرہ سے کہ نکاح ہوجانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا، ان کو نکاح سے مت روکو، روزی تو تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے، کیا معلوم کہ خدا ان ہی کی قسمت سے تمہاری روزی میں کشادگی اور وسعت پیدا کردے، اور جن لوگوں کو فی الحال اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کا یا نان نفقہ کا خرچ برداشت کرسکیں تو جب تک خدا ان کو قدرت وسعت دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ضبط نفس اور عفت کی برکت سے ان کو غنی کردے اور نکاح کا بہتر موقع مہیا ہوجائے، اگر کوئی شخص وسائل کی کمی کی وجہ سے نکاح کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسباب کی فراہمی کے لئے کوشش کرتا ہے اور فراہمی اسباب تک صبر اور ضبط نفس سے کام لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ مسلسل روزے رکھے اس سے غلبہ شہوت کو سکون ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ خوش خوراکی ترک کردے نیز مہیج شہوت غذا اور عقاقیر سے اجتناب کرے، مسند احمد میں روایت ہے کہ عکافؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری بیوی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، پھر معلوم کیا شرعی باندی ہے؟ عرض کیا نہیں، پھر آپ نے دریافت کیا، کیا تم صاحب وسعت ہو؟ عرض کیا صاحب وسعت ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو'' اور فرمایا ہماری سنت نکاح ہے، تم میں بدترین شخص وہ ہے جو بے نکاح ہو، اور تمہارے مردوں میں سب سے زیادہ رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مرگئے (مظہری بحوالہ معارف) اس روایت کو جمہور علماء نے اس حالت پر محمول کیا ہے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو، غالباً حضرت عکاف کا حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کرسکیں گے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ یعنی اپنے غلام اور باندیوں میں جو صالح ہوں ان کے نکاح کرادیا کرو، اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی ان میں جو نکاح کی صلاحیت اور استطاعت رکھتا ہو اور صلاحیت سے مراد یہی ہے کہ حقوق زوجیت ونفقہ ومہر معجل ادا کرنے کے قابل ہوں اور اگر صالحین کے معروف معنی لئے جائیں جیسا کہ علامہ محلی نے الصالحین کی تفسیر المؤمنین سے کرکے یہی معنی لئے ہیں تو پھر ان کی تخصیص اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے بچنا ہے اور وہ صالحین میں ہوسکتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عبید واماء اگر صالح ہوں گے تو ان کے مالکوں کو ان سے محبت ہوگی اور وہ ان کو اپنی اولاد کی جگہ سمجھ کر ان کی خیر خواہی کریں گے خیر خواہی میں ان کا نکاح بھی داخل ہے، **قولہ نِكَاحًا ای ما ینكحون بہ**، نکاحاً کی تفسیر ماینکحون بہ الخ سے کرکے اشارہ کیا ہے کہ نکاح بمعنی آلۂ نکاح ہے جیسا کہ مفسر علام نے من مہر ونفقۃ کا اضافہ کرکے صراحت بھی کردی ہے، اس لئے کہ نکاح بروزن فعالٌ یہ اسم آلہ کا وزن ہے، جیسے کہ اِزَارٌ۔

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا یہ بھی غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ایک صورت ہے اس آیت میں آقاؤں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر باندی اور غلام مکاتبت کا معاملہ کرنا چاہیں تو ان کی اس خواہش کو پورا کر دینا چاہئے اور آقاؤں کے لئے یہ افضل اور مستحب ہے، مکاتبت کی صورت یہ ہے کہ مملوک اپنے آقا سے کہے کہ آپ مجھ پر کچھ رقم مقرر کر دیں یا میں آپ کو اتنی رقم کما کر ادا کر دوں، تو میں آزاد ہو جاؤں اور آقا اس کو قبول کر لے یا خود آقا اپنے غلام یا باندی سے کہے کہ اگر تو مجھے اتنی رقم کما کر لا کر دیدے تو تو آزاد ہے اور غلام اس کو قبول کر لے تو یہ معاملۂ مکاتبت تام ہو گیا اب آقا کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے تا آنکہ غلام خود بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہونے کا اقرار نہ کر لے، اگر غلام بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور مولی سے معذرت کر دے تو وہ پھر غلام ہو جائیگا۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا خیر سے مراد اکثر حضرات ائمہ نے قوتِ کسب لی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنا دیا تو بدلِ کتابت ادا کر سکے گا اور صاحب ہدایہ نے خیر سے مراد یہ لیا ہے کہ اس کے آزاد ہونے کے بعد اس سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ ہو، دونوں چیزیں بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔

وَآتُوْهُمْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِيْ آتٰكُمْ یہ دولت مند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسے غلام اور باندی کی مدد کرو خواہ زکوٰۃ کے مال سے ہو یا صدقات و خیرات کے مال سے، مصارف زکوٰۃ میں جو "وفی الرقاب" کی ایک مد مذکور ہے وہ یہی ہے کہ مکاتبوں کی بدل کتابت ادا کرنے میں مدد کی جائے، خلفاء راشدین کے زمانہ میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی مدد کی جاتی تھی، اور اگر مالک بدل کتابت کا کچھ حصہ کم کر دے تو یہ بھی بڑی امداد ہے۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ یعنی باندیوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ زنا کے ذریعہ تم کو مال کما کر تمہیں دیا کریں زمانہ جاہلیت میں بہت سے لوگ باندیوں کو اسی کام کے لئے استعمال کرتے تھے، اسلام نے جب زنا پر سخت سزائیں جاری کیں، آزاد اور غلام سب کو اس کا پابند کیا تو ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے لئے خاص احکام دے۔

امام مسلم اور ابوداؤد نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے پاس دو باندیاں تھیں، ایک کا نام مُسَيكة اور دوسری کا نام اُمَيْمَة تھا وہ اس بدکاری کو ناپسند کرتی تھیں اور عبداللہ بن ابی ان کو زنا کے ذریعہ کسب پر مجبور کرتا تھا، تو ان دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

کہا گیا ہے کہ اس لعین عبداللہ بن ابی کے پاس چھ باندیاں تھیں معاذہ، مسیکہ، امیمہ، عمرہ، اروی، قتیلہ، عبداللہ بن ابی ان کو زنا پر مجبور کرتا تھا اور ان کے اوپر مال کی کچھ مقدار لازم کر دی تھے ان میں سے دو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

قوله اِنْ اَرَدْنَ تحصنًا اس کی تشریح تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ باندیوں کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے اگر کسی

نے ایسا کیا اور وہ آقا کے جبر و اکراہ سے مجبور و مغلوب ہو کر زنا میں مبتلا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دیں گے اور اس کا پورا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔ (مظہری)

قوله آيتٍ مُبَيِّنٰتٍ بفتح الياء وكسرها اى واضحاتٍ او موضحاتٍ.

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اى مُنَوِّرُهُمَا بالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ مَثَلُ نُوْرِهٖ اى صِفَتُهٗ فِى قَلْبِ الْمُؤْمِنِ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ط هِىَ القِنْدِيْلُ وَالمِصْبَاحُ السِّرَاجُ اى الفَتِيْلَةُ المَوْقُوْدَةُ وَالمِشْكٰوة الطَّاقَه غيرُ النَّافِذَةِ اى الاَنْبُوْبَةُ فِى القِنْدِيْلِ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا وَالنُّوْرُ فِيْهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ اى مُضِئٌ بِكَسْرِ الدَّالِ وَضَمِّهَا مِنَ الدَّرْءِ بِمَعْنَى الدَّفْعِ لِدَفْعِهِ الظَّلَامَ وَبِضَمِّهَا وَتَشْدِيْدِ اليَاءِ مَنْسُوْبٌ اِلَى الدُّرِّ اللُّؤْلُؤِ تُوْقَدُ المِصْبَاحُ بِالمَاضِىْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِمُضَارِعِ اَوْقَدَ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وفِى اُخْرٰى بِالفَوْقَانِيَّةِ اى الزُّجَاجَةُ مِنْ زَيْتِ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّاشَرْقِيَّةٍ وَّلَاغَرْبِيَّةٍ بَلْ بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْهَا حَرٌّ وَلَابَرْدٌ مُضِرَّيْنِ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِئُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط لِصَفَائِهٖ نُوْرٌ بِهٖ عَلٰى نُوْرٍ ط بِالنَّارِ ونورُ اللّٰهِ اى هُدَاه لِلْمُؤْمِنِ نُوْرٌ عَلٰى نورِ الاِيْمَانِ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ اى دِيْنِ الاِسْلَامِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَيَضْرِبُ يُبَيِّنُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط تَقْرِيْبًا لِاَفْهَامِهِمْ لِيَعْتَبِرُوْا فَيُؤْمِنُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَئٍ عَلِيْمٌ ۝ مِنْهُ ضَرْبُ الاَمْثَالِ فِىْ بُيُوْتٍ مُتَعَلِّقٌ بِيُسَبِّحُ الآتِىْ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ تُعَظَّمَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ بِتَوْحِيْدِهٖ يُسَبِّحُ بِفَتْحِ المُوَحَّدَةِ وَكَسْرِهَا اى يُصَلِّىْ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ مَصْدَرٌ بمعنى الغدواتِ اى البُكَرِ وَالْاٰصَالِ العَشَايَا مِن بعد الزَّوالِ رِجَالٌ فاعلُ يُسَبِّحُ بكسرِ الباءِ وعلٰى فَتْحِهَا نائبُ الفَاعِلِ لَهٗ ورجالٌ فاعِلُ فِعْلٍ مُقَدَّرٍ جوابُ سُوَالٍ مُقَدَّرٍ كَاَنَّهٗ قِيْلَ مَنْ يُسَبِّحه لَّاتُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ اى شِرَاءٌ وَّلَابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ حُذِفَ هَاءُ اِقَامَةٍ تَخْفِيْفًا وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ صلے يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ تَضْطَرِبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لا مِنَ الخَوْفِ القُلُوْبُ بَيْنَ النجاةِ والهَلَاكِ والابصارُ بَيْنَ نَاحِيَتَىِ اليَمِيْنِ والشِّمَالِ هو يَوْمُ القِيٰمَةِ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْا اى ثَوَابَهٗ وَاَحْسَنَ بمعنى حَسَنَ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ يقال فُلَانٌ يُنْفِقُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اى يُوَسِّعُ كَاَنَّهٗ لَايَحْسِبُ مَا يُنْفِقُهٗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ ۢ بِقِيْعَةٍ جَمْعُ قَاعٍ اى فِى فَلَاةٍ وهُوَ شُعَاعٌ يُرٰى فِيْهَا نصفَ النَّهَارِ فِى شِدَّةِ الحَرِّ يُشْبِهُ المَاءَ الجَارِىْ يَّحْسَبُهُ يظنه الظَّمْاٰنُ اى العَطْشَانُ مَآءً ط حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا مِمَّا حَسِبَهٗ كَذٰلِكَ الكَافِرُ يَحْسَبُ اَنَّ عَمَلَهٗ كَصَدَقَةٍ تَنْفَعُهٗ حَتّٰى اِذَا مَاتَ وَقَدِمَ عَلٰى رَبِّهٖ لَمْ

يَجِدْ عَمَلَهُ اى لَمْ يَنفَعْهُ وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِندَهُ عِندَ عَمَلِهِ فَوَفّٰهُ حِسَابَهُ ط اى انَّهُ جَازَاهُ عَلَيْهِ فِى الدُّنْيَا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ اى الْمُجَازَاةِ اَوْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمُ السَّيِّئَةُ كَظُلُمٰتٍ فِى بَحْرٍ لُّجِّيٍّ عَمِيْقٍ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ اى الْمَوْجُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ اى الْمَوْجِ الثانى سَحَابٌ ط اى غَيْمٌ هٰذه ظُلُمٰتٌ ۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط ظُلْمَةُ الْبَحْرِ وظُلْمَةُ الْمَوْجِ الْاَوَّلِ وظُلْمَةُ الْمَوْجِ الثانى وَظُلْمَةُ السَّحَابِ اِذَا اَخْرَجَ النَّاظِرُ يَدَهُ فِى هٰذه الظُّلُمٰتِ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا ط اى لم يَقْرُبْ مِنْ رُؤْيَتِهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّوْرٍ ع اى مَنْ لَمْ يَهْدِهِ اللّٰهُ لَمْ يَهْتَدِ.

ع ۴

ترجمہ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے یعنی ان دونوں کو شمس وقمر کے ذریعہ منور کرنے والا ہے اور اس کے نور کی مثال یعنی اس کی صفت قلب مومن میں ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے اور وہ چراغ ایک قندیل میں ہے زُجَاجَۃ بمعنی قندیل اور المصباح بمعنی چراغ یعنی جلتی ہوئی بتی (شعلہ) اور المشکوٰۃ بمعنی طاق جو آر پار نہ ہو یعنی قندیل کی نلکی (پائپ) اور وہ قندیل حال یہ کہ اس میں نور ہو ایسا ہے جیسا کہ روشن ستارہ دال کے کسرہ کے ساتھ اور دال کے ضمہ کے ساتھ (اس وقت) دَرْءٌ سے مشتق ہوگا اور معنی دفع کرنے کے ہوں گے اس کے تاریکی کو دفع کرنے کی وجہ سے، اور دال کے ضمہ اور یا کی تشدید کے ساتھ (دُرِّیّ) دُرّ کی طرف منسوب ہوگا اور معنی ہوں گے موتی تَوَقَّدَ ماضی (تفعَّلَ) ای تَوَقَّدَ المصباحُ اور ایک قرأۃ میں اَوْقَدَ سے مضارع مجہول ہے یُوْقَدُ (اس وقت نائب فاعل المصباح ہوگا) اور تیسری قرأۃ میں تا کے ساتھ ہے ای تُوْقَدُ اس وقت نائب فاعل الزجاجہ ہوگا، روشن کیا جاتا ہے وہ چراغ ایک مبارک درخت کے تیل سے جو کہ وہ زیتون کا ہے وہ درخت نہ شرقی اور نہ غربی بلکہ ان کے درمیان میں واقع ہے چنانچہ وہ گرمی اور سردی اس (درخت) پر مضر ہو کر واقع نہیں ہوتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل اپنی صفائی کی وجہ سے جل اٹھے گا اگر چہ اس کو آگ نہ چھوئے وہ زیت آگ کی وجہ سے نورٌ علٰی نورٍ ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور یعنی دین اسلام تک رہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثال بیان فرماتا ہے ان کی عقلوں سے قریب کرنے کے لئے تاکہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لائیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اسی (علم) میں سے مثالیں بیان کرنا بھی ہے اور ان گھروں میں اس کی تسبیح بیان کی جاتی ہے جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کی توحید کے ساتھ اس کا نام لیا جائے فِى بُيُوْتٍ آنے والے يُسَبِّحُ کے متعلق ہے يُسَبِّحُ کی یاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور يُسَبِّحُ کے معنی يُصَلِّى کے ہیں صبح کے وقت الغُدُوُّ مصدر بمعنی غدوات کے ہے بمعنی تڑکے اور شام کے وقت زوال کے بعد رجالٌ يُسَبِّحُ کا فاعل ہے با کے کسرہ کی صورت میں اور اگر با کے فتحہ کے

ساتھ ہو تو لہٗ میں ہٗ ضمیر اس کا نائب فاعل ہوگی، اور رجالٌ فعل مقدر کا فاعل ہوگا، اور سوال مقدر کا جواب ہوگا، گویا کہ سوال کیا گیا کون تسبیح بیان کرے؟ تو جواب دیا گیا، رجالٌ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کو اللہ کے ذکر سے اور اقامت صلوٰۃ سے اور ادائے زکوٰۃ سے نہ خرید غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ فروخت اِقام کے آخر سے ۃ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے (اصل میں اقامۃ تھا) وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں خوف کی وجہ سے مضطرب ہوں گے، قلوب نجات اور ہلاک کے درمیان مضطرب ہوں گے اور آنکھیں دائیں بائیں جانب مضطرب ہوں گی اور وہ قیامت کا دن ہوگا (اور وہ) ایسا اس لئے کریں گے تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اچھا بدلہ عطا فرمائے، یعنی اعمال کا ثواب اور اَحسَنَ بمعنی حسن ہے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ جس کو چاہے بے حساب دیتا ہے کہا جاتا ہے فلاں بے حساب خرچ کرتا ہے یعنی خرچ میں اس قدر فراخی کرتا ہے گویا کہ وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا حساب نہیں کرتا اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت قِیعة جمع قاعٍ بِقیعَةٍ بمعنی فی فلاۃٍ، فلاۃ بمعنی صحرا، چٹیل میدان سراب ان شعاعوں کو کہتے ہیں جو دوپہر کے وقت سخت گرمی میں بہتے ہوئے پانی کے مانند نظر آتی ہیں اور اس سراب کو پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا جس کو وہ پانی سمجھتا تھا، اسی طرح کافر سمجھتا ہے کہ اس کا عمل مثلاً صدقہ اس کو نفع پہنچائے گا حتی کہ جب مر جائے گا اور اپنے رب کے پاس پہنچے گا تو اپنے عمل کو نہ پائے گا یعنی اس کا عمل اس کو کوئی نفع نہیں دے گا، اور اللہ کو اپنے عمل کے پاس پایا کہ اس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا یعنی (اللہ نے) اس (کافر) کے عمل کی جزا دنیا ہی میں پوری پوری دیدی، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے یعنی جلدی جزا دینے والا ہے یا کافروں کے اعمال سیئہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گہرے سمندر کی تاریکی جس کو ایک بڑی موج نے ڈھانپ لیا ہو اور اس موج کے اوپر ایک اور موج ہو اور اس دوسری موج کے اوپر بادل ہو، یہ تاریکیاں تہ بہ تہ بہت سی تاریکیاں ہیں دریا کی تاریکی موج اول کی تاریکی موج ثانی کی تاریکی اور بادل کی تاریکی اگر دیکھنے والا ان تاریکیوں میں اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو نہ دیکھ سکے، یعنی اس (ہاتھ) کے دیکھنے کا امکان ہی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور نہ دے تو اس کو نور نہیں جس کو اللہ نے ہدایت نہ دی اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ جملہ مستانفہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے اَللّٰہ مبتداء اور نور السمٰوات والارض اس کی خبر، نور کا حمل ذات باری پر یا تو مبالغۃ ہے، جیسے زیدٌ عدلٌ میں یا پھر مضاف محذوف ہے ای اللّٰہُ ذُو نورِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یا نُورٌ مصدر اسم فاعل مُنَوِّرٌ کے معنی میں ہے جیسا کہ علامہ محلی نے اختیار کیا ہے

قولہ مَثَلُ نورہٖ بترکیب اضافی مبتداء کمشکوٰۃ فیھا مصباحٌ اس کی خبر، مشکوٰۃ سے پہلے نور مضاف محذوف ہے ای صفتہ نورہ تعالیٰ فی قلب المؤمن کنور مشکوٰۃ فیھا مصباحٌ **قولہ** زُجاجۃ بالتثلیث شیشہ، شیشہ کا برتن، قندیل بھی چونکہ شیشہ کا ہوتا ہے لہٰذا قندیل کو بھی کہا جاسکتا ہے **قولہ** الموقودۃ صحیح المُوْقَدَۃُ ہے، **قولہ** الأنبوبۃ وہ نلکی جس میں بتی ہوتی ہے یہ مشکوٰۃ کی دوسری تفسیر ہے مناسب تھا کہ مفسر علام او الانبوبۃ فرماتے **قولہ** توقد المصباحُ توقد میں تین قرأتیں ہیں (۲) فعل ماضی تَوَقَّدَ بروزن تَفَعَّلَ، المصباح اس کا فاعل ہے (۲) یُوقَدُ اَوْقَدَ سے مضارع مجہول واحد مذکر غائب المصباح نائب فاعل (۳) تُوْقَدُ بالتاء اَوْقَدَ سے مضارع مجہول، نائب فاعل الزجاجۃ حذف مضاف کے ساتھ ای فَتِیلَۃُ الزُّجَاجَۃِ **قولہ** زیتونۃٍ یہ شجرۃ سے بدل ہے یہی اظہر ہے یا عطف بیان ہے کوفیین کے نزدیک اس لئے کہ نکرات میں کوفیین عطف بیان کو جائز کہتے ہیں، شجرۃ موصوف مبارکۃ صفت موصوف صفت سے مل کر مبدل منہ زیتونۃ بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر مضاف الیہ زیتٌ مضاف محذوف، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا توقد کے **قولہ** لاشرقیۃٍ ولاغربیۃٍ شجرۃٍ کی صفت ہے **قولہ** مُضِرَّیْنِ یہ حَرٌّ ولابَرْدٌ سے حال ہے **قولہ** وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نارٌ شرط ہے اس کا جواب محذوف ہے ای لَأضَاءَ نورٌ بہ ای بالزیت **قولہ** علیٰ نورٍ ای مع نورٍ ایمان خود ایک نور ہے، ایمان کے ساتھ ساتھ دیگر اعمال صالحہ کی توفیق و ہدایت یہ نورٌ علیٰ نور ہے، اللہ تعالیٰ تقریب الی الفہم کے لئے معقولات کو محسوسات کے ذریعہ مثال دے کر سمجھاتا ہے تاکہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لائیں۔

تنبیہ: آیت کریمہ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکوٰۃٍ (الآیہ) اس میں تشبیہ معقول بالمحسوس ہے، نور اللہ سے اُدلّہ یا قرآن، یا توحید والشرائع، یا ہدایت مراد ہیں اور یہ مشبہ ہے اور نورِ مشکوٰۃ مع اپنی صفات کے مشبہ بہ ہے، تشبیہ کے لئے مشبہ بہ کا اشہر ہونا کافی ہے، اقوی ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا تشبیہ مذکور درست ہے، مشبہ بہ میں چونکہ اجزاء نہیں ہیں کہ جس سے وجہ شبہ کو منتزع کیا جائے اور اس کی وجہ سے تشبیہ کو مرکب یا مفرق (مفرد) کہا جائے۔ (روح المعانی)

نیز بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر نورٌ بمعنی ہدایت ہو جس پر آیات مبینات دلالت کرتی ہیں تو اس صورت میں تشبیہ مرکب عقلی ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں مشبہ سے ہیئت منتزعہ کو تشبیہ اس ہیئۃ منتزع سے ہے جو مشبہ بہ سے انتزاع کی گئی ہے اس لئے کہ لفظ نور اگرچہ مفرد ہے مگر دال علی المتعدد ہے اس لئے کہ نور سے مراد متعدد چیزیں ہیں مثلاً ادلہ، قرآن، توحید و شرائع، ہدایت وغیرہ اسی طرح مشبہ بہ میں بھی متعدد چیزیں مراد ہیں، مشبہ یہ قلب مومن ہے جس کو اللہ نے نور ہدایت سے منور کیا ہے جو کہ علوم و معارف ہیں۔ (روح المعانی)

قولہ بل بینھما یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ درخت نہ انتہائی مشرق میں ہے اور نہ مغرب میں بلکہ درمیان میں ہے، جس کو مشرق وسطیٰ کہتے ہیں، ملک شام بھی اسی علاقہ میں واقع ہے مشرق وسطیٰ کی آب و ہوا چونکہ معتدل

ہے نہ زیادہ گرم ہے اور نہ سرد، اس لئے زیتون کا تیل نہایت صاف شفاف ہوتا ہے بخلاف انتہائی مشرق ومغرب کے کہ ان میں گرمی سردی زیادہ ہوتی ہے جو کہ مضر ہیں **قوله فی بیوت** اس کا تعلق آئندہ آنے والے یُسَبِّحُ سے ہے اس صورت میں ظرف یعنی (فیہا) تاکید کے لئے مکرر ہوگا، مفسر علام کا بھی یہی مختار ہے، اور محذوف کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی سبحوا ربکم فی بیوت اس صورت میں علیمٌ پر وقف ہوگا، اور یہ بھی درست ہے کہ فی بیوت کائن وغیرہ محذوف کے متعلق ہوکر مشکوۃ یا مصباح یا زجاجۃ کی صفت ہو یا تُوقدُ کے متعلق ہو، ان چاروں صورتوں میں علیمٌ پر وقف نہ ہوگا، **قوله اذِن اللّٰه أن ترفعَ** یہ جملہ بیوت کی صفت ہے أنْ ترفع الخ بتاویل مصدر ہوکر باحرف جار مقدر کا مجرور ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَمَرَ اللّٰهُ بِرَفعِهَا یُسَبِّحُ کو اگر فتح باء کے ساتھ پڑھا جائے تو لهٗ نائب فاعل ہوگا، اور رجال فعل محذوف کا فاعل ہوگا اور وہ فعل مقدر سوال مقدر کا جواب ہوگا جب کہا گیا یُسَبَّحُ لهٗ تو سوال پیدا ہوا مَنْ یُسَبِّحُ قال رجالٌ لاتلهیهم تجارة **قوله لیجزیهم** میں لام عاقبہ کا ہے ای عاقِبَةُ امرهم الجزءُ الحسن ، یسبح سے بھی متعلق ہوسکتا ہے ای یُسَبِّحُوْنَ لاجل الجزاء اور محذوف کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَعَلُوْا ذٰلك لِیَجزِیَهُم اللّٰه **قوله** وَالذین کفرُوْا اعمالُهُمْ کسَرابٍ بِقِیْعَةٍ والذین کفروْا موصول صلہ سے مل کر مبتداء اول ہے اَعْمَالُهم مبتداء ثانی ہے کسَرابٍ کائن کے متعلق ہوکر مبتداء ثانی کی خبر ہے مبتدا ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول والذین کی خبر ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اعمالُهم والَّذِینَ کفرُوْا سے بدل الاشتمال ہو اور کسرابٍ ، الذین کی خبر **قوله بِقِیْعَة** باء جارہ ہے اور قیعةٌ قاع کی جمع ہے چٹیل میدان کو کہتے ہیں **قوله** ظمآن ظمآن کی شدت حاجت کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے ورنہ تو ظمآن اور غیر ظمآن سب کو دوپہر کے وقت ریت دھوپ میں سراب (جاری پانی) نظر آتا ہے اَوْ کظلماتٍ او تقسیم کے لئے ہے یعنی کافر کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ جو سراب کے مانند ہوں گے یہ ان کے وہ اعمال صالحہ ہوں گے جو انہوں نے دنیا میں صدقہ وخیرات یا صلہ رحمی کی شکل میں کئے ہوں گے یہ بظاہر اعمال صالحہ ہیں مگر آخرت میں چونکہ ان کا کوئی صلہ نہیں اس لئے کچھ نہیں دوسرے ان کے اعمال سیئہ ہوں گے ان کی مثال ظلمات کی سی ہے، ظلمات کا عطف کسرابٍ پر ہے حذف مضاف کے ساتھ، تقدیر عبارت یہ ہے او کذی ظلماتٍ

تنبیه: اَوْ کظُلُماتٍ الخ میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے آیت میں تین قسم کی ظلمتوں کو تین قسم کی ظلمتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ظلمت اعتقاد، ظلمت قول، ظلمت فعل کو تشبیہ دی گئی ہے ظلمت بحر، ظلمت امواج، ظلمت سحاب کے ساتھ۔

تفسیر وتشریح

اَللّٰهُ نورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس آیت کو اہل علم آیت نور لکھتے ہیں اس آیت میں نور ایمان اور ظلمت کفر کو بڑی

تفصیل سے مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔

نور کی تعریف

ایک تعریف تحقیق وترکیب کے زیرعنوان تحریر کی جا چکی ہے یہ دوسری تعریف ہے، امام غزالی نے نور کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے **النور الظاهر بنفسه و المظهر لغيره** یعنی خوداپنی ذات میں ظاہر اور روشن ہو اور دیگر اشیاء کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہو، اور تفسیر مظہری میں ہے کہ نور دراصل اس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوت باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں، جیسے آفتاب اور چاند کی شعائیں اپنے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اولاً اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاعیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہیں، اس سے معلوم ہوا لفظ نور کا اطلاق اپنے لغوی اور عرفی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانہ کی ذات پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جسم اور جسمانیات میں سے بری اور پاک ہے اس لئے آیت مذکورہ میں جو حق تعالیٰ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اس کے معنی باتفاق ائمہ تفسیر منوّر یعنی روشن کرنے والے کے ہیں یا پھر مبالغہ کے طور پر صاحب نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے صاحب عدل کو عدل کہہ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی تمام مخلوق کو منور کرنے والے، نور بخشنے والے ہیں اور نور سے نور ہدایت مراد ہے، ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے **"اللّٰهُ هادى اهل السّمٰوٰت والارضِ"**

نور مؤمن

مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (الآیہ) اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت جو قلب مومن میں آتا ہے یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے، ابن جریر نے حضرت ابی بن کعبؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے **هو المومن الذى جعل اللّٰه الايمان و القرآن فى صدره فَضَرَبَ اللّٰه مثله فقال اللّٰهُ نورُ السمٰوٰت والارضِ فبدأ بنور نفسه ثمَّ ذكرَ نور المومنِ فقال مَثَلُ نور مَنْ آمَنَ بِهٖ فكان ابى بن كعبٍ يقرأها مثَلُ نورِ مَنْ آمَنَ به.** (ابن کثیر)

یعنی یہ مثال اس مومن کی ہے جس کے دل میں اللہ نے ایمان اور قرآن کا نور ہدایت ڈالدیا ہے اس آیت میں پہلے تو اللہ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا **اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** پھر قلب مومن کے نور کا ذکر فرمایا **مَثَلُ نورِهٖ** اور اس آیت کی قرأت بھی حضرت ابی بن کعب کی **مَثَلُ نورِهٖ** کے بجائے **مَثَلُ نور مَنْ آمَنَ به** کی ہے، **مَثَلُ نورِهٖ** کی ضمیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا نور ہدایت جو مومن کے قلب میں فطرۃً رکھا گیا ہے اس کی مثال **كمشكوة الخ** ہے یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے، دوسرا

قول یہ ہے کہ یہ ضمیر مومن کی طرف راجع ہے جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مومن کا سینہ ایک طاق کی مثل ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثل ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثل ہے جو مومن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے جس کا خاصہ خود بخود ہی قبول حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مومن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے یہ نور ہدایت اگرچہ آغاز تخلیق میں ہر فرد کے قلب میں ودیعت رکھا گیا ہے، مومن کے ساتھ خاص نہیں ہے مگر چونکہ اس کا فائدہ مومن کو ہوتا ہے اس لئے مثال میں قلب مومن کو خاص فرمایا ہے، ایک حدیث سے بھی اس عموم کی تائید ہوتی ہے **کل مولود یولد علی الفطرۃ** یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں، اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ (معارف)

نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

امام بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب احبار جو توریت وانجیل کے بڑے مسلمان عالم تھے، انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے مشکوٰۃ آپ کا سینہ ہے زجاجۃ (قندیل) آپ کا قلب مبارک ہے اور مصباح (چراغ) نبوت ہے، اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر جب وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت، بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب و غریب واقعات عالم میں ایسے پیش آئے جو آپ کی نبوت کی بشارت دینے والے تھے جن کو اصطلاح محدثین میں ارہاصات کہا جاتا ہے، جن کو بہت سے علماء نے مستقل کتاب کے طور پر جمع کر دیا ہے، شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں، اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں جمع کر دیا ہے۔

قولہ فِی بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ (الآیہ) سابقہ آیت میں حق تعالیٰ نے قلب مومن میں اپنا نور ہدایت ڈالنے کی ایک خاص مثال بیان فرمائی تھی، اور آخر میں یہ فرمایا تھا کہ اس نور سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کو اللہ توفیق عطا فرماتے ہیں، اس آیت میں ایسے مومن کامل کا محل اور مستقر بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسے مومنین کا اصل مقام و مستقر جہاں وہ اکثر وقات رہتے ہیں خصوصاً پانچ وقت نمازوں کے اوقات میں دیکھے جاتے ہیں وہ بیوت (مساجد) ہیں جن کے لئے اللہ کا حکم یہ ہے کہ ان کو بلند و بالا رکھا جائے اور ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔

آیت کی اس تقریر کی بنا اس پر ہے کہ نحوی ترکیب میں فی بیوتٍ کا تعلق (یھدی اللہ لنورہ) کے ساتھ ہو اَذِنَ اللّٰہُ ان تُرفَعَ ، اَذِنَ اِذْنٌ سے مشتق ہے اس کے معنی اجازت دینے کے ہیں اور تُرفَعَ رفعٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کرنا اور تعظیم کرنے کے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ مساجد کی تعظیم کی جائے یعنی ان میں لغو کام اور لغو کلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن کثیر)

عکرمہ اور مجاہد امام تفسیر نے فرمایا، رفع سے مراد مسجد بنانا ہے جیسے بناء کعبہ کے متعلق قرآن میں آیا ہے اِذْ یَرفَعُ اِبْرَاھِیمُ القَوَاعِدَ مِنَ البَیْتِ اس آیت میں رفع قواعد سے مراد بناء قواعد ہے اور حسن بصریؒ نے فرمایا رفع مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم ہے۔

یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالغُدُوِّ وَالآصَالِ الغُدُوّ غداۃٌ کی جمع ہے یا مصدر ہے اس کا اطلاق وقت کے لئے ہوا ہے اور آصال اصیل کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے، ایک جماعت نے اسکو اختیار کیا ہے حالانکہ فعیل کی جمع افعال قیاسی نہیں ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں، بعض مفسرین نے غُدُوٌّ سے صبح کی نماز مراد لی ہے، اور آصال میں باقی چار نمازیں داخل کی ہیں اس لئے کہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات کو کہتے ہیں۔

قولہ لاتُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَلَابَیْعٌ عن ذِکْرِ اللّٰہِ اس میں اُن مومنین کی ایک خاص صفت بیان کی گئی ہے جو اللہ کے نور ہدایت کے خاص مقامات اور مساجد کو آباد رکھتے ہیں، اس میں رجال کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں ہی کے لئے ہے عورتوں کی نماز ان کے گھروں میں افضل ہے، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیرُ مساجدِ النِّساءِ قَعْرُ بُیُوتِھِنَّ یعنی عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھر کے تنگ وتاریک گوشے ہیں، اس آیت میں مومنین صالحین کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کو تجارت خرید وفروخت اور لین دین کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت سالم نے فرمایا کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر بازار سے گذرے تو نماز کا وقت ہوگیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کرکے مسجد کی طرف جارہے ہیں تو فرمایا انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رِجَالٌ لاتُلْھِیْھِمْ تِجارۃٌ ولَابَیْعٌ عنْ ذِکْرِ اللّٰہِ .

عہد رسالت میں دو صحابی تھے، ایک تجارت کرتے تھے اور دوسرے لوہار کا کام کرتے اور تلوار بنا کر بیچتے تھے، پہلے صحابی کی تجارت کا یہ حال تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑگئی تو ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے، اور دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں

اذان کی آواز آگئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اٹھائے ہوئے ہیں تو ہتھوڑا مونڈھے کے پیچھے ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے، اٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی ضرب سے کام لینا بھی گوارا نہیں تھا، ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ اس آیت کا مطلب یہ ہے اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہیں سمجھتے تھے، اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے، یا مطلب یہ ہے کہ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی اور کبھی ہلاکت اور خوف کا اندیشہ اور آنکھیں کبھی داہنی جانب دیکھیں گی اور کبھی بائیں جانب کہ کس طرف سے پکڑے جائیں؟ یا اعمال نامے کس جانب سے ملتے ہیں؟ دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے؟

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍ (الآیہ) کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے خیال اور عقیدے کے اعتبار سے کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ کام آئیں گے، حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو وہ کفر کی نحوست سے عند اللہ مقبول و معتبر نہیں، ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا تو پانی وانی کچھ نہیں، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی، اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے وہاں موجود تھا چنانچہ اضطراب وحسرت کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کا حساب ایک دم میں چکا دیا کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے، کافر کی دوسری قسم وہ ہے جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور کفر وجہل، ظلم وعصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں ان کی مثال آگے بیان فرمائی، ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی کہ سراب سے دھوکا کھانے والے کو نظر آتی تھی، یہ لوگ خالص اندھیریوں میں اور تہ بہ تہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے، نعوذ باللہ منہا، کافروں کی اسی قسم کو **اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِی بَحْرٍ لُّجِّیٍّ** (الآیہ) سے بیان فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ومِنَ التَّسْبِیحِ صَلوٰةٌ **وَالطَّیْرُ** جَمْعُ طَائِرٍ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ **صٰٓفّٰتٍ** حَالٌ بَاسِطَاتٍ اَجْنِحَتَهُنَّ **کُلٌّ قَدْ عَلِمَ** اللّٰهُ **صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ** ۝ فیه تَغْلِیبُ العَاقِلِ **وَلِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خزائنُ المطرِ وَالرِّزْقِ وَالنَّبَاتِ **وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ** ۝ المَرْجِعُ **اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا** یَسُوقُه بِرِفقٍ **ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ** یَضُمُّ بَعْضَهُ اِلٰی بَعْضٍ فَیَجْعَلُ القِطَعَ المُتَفَرِّقَةَ قِطْعَةً وَاحِدَةً **ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُکَامًا** بَعْضَهُ فَوقَ بَعْضٍ **فَتَرَی الْوَدْقَ** المَطَرَ **یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ** مَخَارِجِه **وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ** زَائِدَةٌ **جِبَالٍ فِیْهَا** فی السَّمَاءِ بَدَلٌ بِاِعَادَةِ الجَارِ **مِنْ بَرَدٍ** ای بَعْضِه **فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ یَکَادُ** یَقْرُبُ **سَنَا بَرْقِهٖ** لَمعَانُهُ **یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ** ۝ النَّاظِرَةِ لَهُ اَیْ یَخْطِفُهَا **یُقَلِّبُ اللّٰهُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ** ای

يَأتِي بِكُلٍّ منهما بَدَلَ الآخَرِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ التَّقْلِيْبِ لَعِبْرَةً دَلَالَةً لِّاُولِي الاَبْصَارِ○ لِاَصْحَابِ البَصَائِرِ على قُدْرَةِ اللّٰهِ تعالىٰ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ اى حَيْوَانٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ اى نُطْفَةٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ كَالْحَيَّاتِ والهَوَامّ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ كالاِنْسَانِ وَالطَّيْرِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ ۭ كَالبَهَائِمِ وَالاَنْعَامِ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَايَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ لَقَدْ اَنْزَلْنَا آيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ اى بَيِّنَاتٍ هِيَ القُرْآن وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ اى دِيْنِ الإسْلَامِ وَيَقُوْلُوْنَ اى المُنَافِقُوْنَ اٰمَنَّا صَدَّقْنَا بِاللّٰهِ بِتَوْحِيْدِهٖ وَبِالرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ وَاَطَعْنَا هُمَا فِيْمَا حَكَمَا بِهٖ ثُمَّ يَتَوَلّٰى يُعْرِضُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ عنهُ وَمَآ اُولٰٓئِكَ المُعْرِضُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ○ المَعْهُوْدِيْنَ المُوَافِقِ قُلُوْبُهُمْ لِاَلْسِنَتِهِمْ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ المُبَلِّغِ عَنْهُ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○ عن المَجِيءِ اِلَيْهِ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ○ مُسْرِعِيْنَ طَائِعِيْنَ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ كُفْرٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اى شَكُّوْا فِي نُبُوَّتِهٖ اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فِي الحُكْمِ اى يُظْلَمُوْا فيهِ لا بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۧ بالاِعْرَاضِ عنه

ترجمہ

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کی سب پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تسبیح (پاکی) میں نماز بھی داخل ہے اور پرندے (بھی) آسمان اور زمین کے درمیان حال یہ ہے کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں طیر طائر کی جمع ہے، صَافَّاتٍ حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ اپنے بازو کھولے ہوئے ہیں سب کو اپنی دعاء اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے، اس میں ذوالعقول کو (غیر ذوالعقول پر) غلبہ ہے اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہی کی ملک ہیں بارش اور رزق اور نباتات کے خزانے اور اللہ ہی کی طرف مرجع ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے یعنی نرمی سے چلاتا ہے پھر ان بادلوں کو باہم ملا دیتا ہے یعنی بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیتا ہے چنانچہ متفرق ٹکڑوں کو (ملا کر) ایک ٹکڑا کر دیتا ہے پھر ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے اس کے درمیان سوراخوں سے نکلتی ہے اور بادل سے یعنی بادل کے پہاڑ جیسے (بڑے بڑے) ٹکڑوں سے کچھ اولے برساتا ہے فیھا ای فی السماء، فیھا اعادۂ جار کے ساتھ السماء سے بدل ہے اور مِنَ السَّمَاءِ میں مِن زائد ہے پھر ان کو جن پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل کی بجلی کی چمک سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سلب کر لے گی چمک کو دیکھنے والی آنکھوں کی روشنی کو، یعنی اچک لے گی اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے بدلے میں لاتا ہے بلاشبہ اس ادل بدل میں اصحاب علم و دانش کے لئے

اللہ کی قدرت پر دلالت ہے اور اللہ نے ہر چلنے والے یعنی جاندار کو پانی یعنی نطفہ سے پیدا کیا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ کے بل سرکتے ہیں جیسا کہ سانپ اور حشرات الارض اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں جیسا کہ انسان اور پرندے اور بعض ان میں سے چار پیروں پر چلتے ہیں جیسا کہ مویشی اور چوپائے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے اور بلا شبہ ہم نے واضح کرنے والی آیات نازل کیں وہ قرآن ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ مستقیم یعنی دین اسلام کی طرف ہدایت فرماتا ہے اور یہ منافقین دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر یعنی اس کی توحید اور اس کے رسول محمد پر ایمان لے آئے، یعنی (دل سے) تصدیق کی اور ان دونوں نے جو حکم کیا اس کی ہم نے اطاعت کی پھر اس کے بعد ان میں کی ایک جماعت اس (حکم) سے اعراض کرتی ہے اور یہ اعراض کرنے والے بالکل مومن نہیں ہیں یعنی ایسا عہد کرنے والے نہیں ہیں کہ جس میں ان کے قلب ولسان میں مطابقت ہو اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہے وہ رسول جو خدا کی طرف سے مبلغ ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں کا ایک گروہ آپ کے پاس آنے سے اعراض کرتا ہے اور اگر ان کا (کسی پر) حق ہو تو فوراً سر تسلیم خم کئے ہوئے چلے آتے ہیں آیا ان کے دلوں میں مرض کفر ہے؟ یا یہ آپ کی نبوت کے بارے میں شک میں پڑے ہیں، یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول فیصلے میں ان پر ظلم کرے گا؟ یعنی ان پر فیصلے میں ظلم کیا جائے گا؟ نہیں یہ بات نہیں بلکہ یہی ظالم ہوئے ہیں حکم سے اعراض کر کے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہمزہ تقریر کے لئے ہے اور رویت سے رویت قلبی مراد ہے اس لئے کہ تسبیح کا تعلق بصر ونظر سے نہیں ہے بلکہ قلب وبصیرت سے ہے، مطلب یہ ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی مخلوق اللہ کی تسبیح وتقدیر بیان کرتی ہے اور پرندبھی فضاء میں پر پھیلائے ہوئے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں مَنْ کا استعمال ذوالعقول کو غیر ذوالعقول پر غلبہ دینے کے اعتبار سے ہے ورنہ تو مخلوق میں دس حصوں میں سے ایک حصہ ذوالعقول ہیں جن میں انسان، جن، وملائکہ سب داخل ہیں اور باقی غیر ذو العقول ہیں **قوله** ومن التسبيح صلوٰة کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ تسبیح سے مراد انقیاد وخضوع ہے اور صلوٰۃ بھی منجملہ انقیاد وخضوع کے افراد سے ایک فرد ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے قول كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ کے لئے توطیہ وتمہید بھی ہے طَيْرٌ طائرٌ کی جمع ہے، جیسے رَكْبٌ رَاكِبٌ کی جمع ہے الطيرُ کا عطف مَنْ في السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ پر ہے۔

سوال: اس عطف سے عطف الشئ علیٰ نفسہ لازم آتا ہے، اس لئے کہ مَن فی السَّمٰوٰتِ وَمَن فی الارض

میں طیر بھی داخل ہیں، لہٰذا معطوف اور معطوف علیہ ایک ہی ہوئے بَینَ السَّمَاءِ والارض سے مذکورہ اعتراض کا جواب دینا مقصد ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک نہیں ہیں بلکہ ان میں مغایرت ہے اس لئے کہ معطوف علیہ سے آسمانوں اور زمین کی مخلوق مراد ہے اور پرندے جب پر پھیلائے فضاء میں پرواز کرتے ہوئے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ نہ زمین میں ہوتے ہیں اور نہ آسمان میں، لہٰذا عطف الشئ علیٰ نفسہ کا شبہ ختم ہوگیا، **قوله صافّاتٍ** طیرٌ سے حال ہے، الطیرُ مَنْ پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے اور صافات حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (اس میں اور ترکیبیں بھی ہوسکتی ہیں مگر سہل ترین اور راجح یہی قول ہے) کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صلاتَهٗ وتسبیحهٗ، عَلِمَ صلاتَهٗ اور تسبیحهٗ تینوں کی ضمیروں میں اقوال مختلف ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تینوں ضمیروں کا مرجع کلٌّ ہے ای کُلٌّ عَلِمَ صلاتَهٗ وتسبیحَهٗ یہ صورت توافق ضمائر کی وجہ سے سب سے بہتر ہے، دوسرا قول عَلِمَ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور صلاتَهٗ وتسبیحَهٗ کی ضمیریں کلٌّ کی طرف راجع ہوں (جمل) **قوله ثُمَّ یُؤَلِّفُ بینَهٗ** یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ بَینَ متعدد کے درمیان استعمال ہوتا ہے، اور یہاں سحاب کے لئے استعمال ہوا ہے، حالانکہ سحاب واحد ہے مفسر علام نے اپنے قول یضم بعضه الی بعض کا اضافہ کرکے مذکورہ اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کردیا، ای قِطَعَ سَحَابٍ یعنی مضاف محذوف ہے (قِطَعَ جمع قطعةٍ) خیال رہے کہ مذکورہ جواب کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب سحاب کو مفرد مانا جائے اور اگر سحابٌ کو سَحَابَةٌ کی جمع یا اسم جنس مان لیا جائے تو نہ کوئی اعتراض واقع ہوگا اور نہ کسی جواب کی ضرورت پڑے گی۔

قوله یُزْجِیْ ازْجَاءٌ سے مضارع واحد مذکر غائب ہے وہ نرمی کے ساتھ چلاتا ہے **قوله رُکامًا** یہ اسم ہے بمعنی تہہ بہ تہہ یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهٖ یہ جملہ الوَدْقُ سے حال ہے **قوله خِلَالٌ** کو بعض حضرات نے مفرد کہا ہے بروزن حِجَابٌ اور بعض حضرات نے جمع کہا ہے خلال جمع خلل بروزن جِبَالٌ جمع جبلٍ بمعنی سوراخ **قوله یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنَ الجبالِ فِیْهَا مِنْ بَرَدٍ مِنَ السَّمَاءِ** مِن ابتدائیہ ہے ای مبتدأً مِنَ السَّحابِ فَإنَّ کُلَّ مَا عَلَاكَ فَهُوَ سماءٌ **قوله مِنَ الجِبَالِ** ای قِطَعٍ عِظَامٍ تُشبِهُ الجِبَالَ فی العِظَمِ **قوله فیها** ای فی السَّمآءِ والجار والمجرور فی موضع الصفة **قوله مِنْ بردٍ** میں مِن تبعیضیہ ہے، ای یُنَزِّلُ مُبتدأً مِنَ السَّحابِ من جِبالٍ کائنةٍ فیها بعض بردٍ (او) بردًا.

ترجمه: پہاڑ جیسے بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے اولے برساتا ہے جو کہ بادلوں میں ہوتے ہیں ای وینزل من السحاب الذی هو کامثال الجبال بردًا، مذکورہ آیت میں مِن تین مرتبہ استعمال ہوا ہے، پہلا یعنی من السماء میں یہ باتفاق مفسرین ابتدائیہ ہے، اور دوسرا مِنَ الجبال میں کہا گیا ہے زائدہ، کہا گیا ہے تبعیضیہ، کہا گیا ہے ابتدائیہ اور الجبالِ من السماءِ سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے اور تیسرا مِنْ بَرْدٍ میں مذکورہ تینوں

اقوال کے علاوہ ایک چوتھا قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مِن بیانیہ ہے، یعنی بیان جنس کے لئے ہے، ای من جنس البرد کما یقال هذا خاتمٌ فی یدی من حدیدٍ ای خاتم حدید فی یدی **قوله** منهم مَنْ یَمْشِیْ هم ضمیر کل کی طرف راجع ہے باعتبار معنی کے، پیٹ کے بل سرکنے والے کو مشاکلت کے طور ماشی سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ حقیقتاً ماشی کا ذکر بعد میں آرہا ہے، ورنہ تو پیٹ کے بل سرکنے والے کو زاحفٌ کہتے ہیں، **قوله** وَلَقَدْ انزلنا میں لام قسمیہ ہے، قسم محذوف ہے ای واللهِ لقَدْ انزلنا اَطَعْنَا کے بعد هُما ضمیر کا اضافہ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اَطَعْنَا کا مفعول محذوف ہے، **قوله** عنه ای عن القول **قوله** المُبَلِّغ عنه یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ لِیَحْکُمَ میں ضمیر کو مفرد کیوں لائے؟ جبکہ ماقبل میں اللہ اور رسول دو کا ذکر ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم اگرچہ حقیقت میں اللہ ہی کا ہے مگر مباشر بالحکم اور مبلغ بالحکم رسول ہی ہے اللہ کا ذکر تو تحسیناً وتعظیماً ہے **قوله** اِذَا فریقٌ منهم معرضون اِذَا مفاجاتیہ قائم مقام فاء کے ہے جو کہ جواب شرط کو شرط کے ساتھ ربط دینے کے لئے ہے، یعنی اِذَا دُعُوْا شرط ہے اور اِذَا فریقٌ منهم جزاء **قوله** اِلَیْهِ ای المبلّغ یعنی اگر غیر کا حق ان کے اوپر ہوتا ہے تو آپ کے پاس آنے سے اعراض کرتے ہیں، یہ آیت بشر نامی ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ اس کا ایک یہودی کے ساتھ زمین کے معاملہ میں نزاع ہوا تھا، یہودی چاہتا تھا کہ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیجائے اور منافق چاہتا تھا کہ کعب بن اشرف کے پاس لیجائے اور منافق کہتا تھا کہ محمد ہمارے اوپر ظلم کرتے ہیں **قوله** اَفِی قُلُوبِهِمْ مرضٌ (الآیہ) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منشاء اعراض مذکورہ تین چیزوں میں سے ایک ہے۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ (الآیہ) اے محمد آپ بخوبی جانتے ہیں کہ زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق اللہ کی تسبیح وتقدیس میں مشغول ہے اس تسبیح کا مفہوم حضرت سفیان ثوری نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر شئی آسمان، زمین، آفتاب، ماہتاب اور ستارے اور سیارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا سب کو خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جس کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اس کام پر لگا ہوا ہے اس سے سرمو انحراف نہیں کرتا، اسی طاعت وانقیاد کو ان چیزوں کی تسبیح فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی تسبیح مقالی نہیں ہے بلکہ حالی ہے کہ ہم اللہ کو پاک اور برتر سمجھ کر اس کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

زمخشری اور دیگر مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم وشعور رکھا ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح وعبادت ان کو سکھائی ہو جیسا کہ مختلف حیوانات اپنے مافی الضمیر کو اپنے ہم جنسوں کو سمجھاتے ہیں جس کا رات دن مشاہدہ

ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شئی کو اس کے حساب سے شعور عطا فرمایا ہو اور اسی حساب سے ان کو ان کی عبادت کا طریقہ بتایا ہو، کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ (الآیہ) میں اسی مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

قوله مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا یہاں سماء سے مراد بادل ہیں اور جبال سے بڑے بڑے بادل مراد ہیں اور **بردٌ** اولے کو کہتے ہیں اس آیت کا ایک مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے برساتا ہے (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ ہے کہ **سماءٌ** بلندی کے معنی میں ہے اور جبال کے معنی ہیں پہاڑوں جیسے بڑے بڑے ٹکڑے یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے ٹکڑے بھی نازل فرماتا ہے، یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔

ویقولون آمَنَّا بِاللّٰهِ اس سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کو اللہ نے ایمان کی توفیق اور کار خیر کی ہدایت فرمائی، اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دولت ایمان سے محروم رہے اور نفاق کا طریقہ اختیار کیا۔

شانِ نزول: مقاتل نے کہا کہ یہ آیت بشر نامی ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت ابن عباس کا بھی قول یہی ہے کہ یہ آیت بشر نامی منافق کے بارے میں نازل ہوئی تھی، واقعہ اس طرح تھا بشر اور ایک یہودی کے درمیان زمین کے معاملہ میں خصومت تھی بشر ناحق پر تھا اور یہودی حق پر، یہودی نے کہا فیصلے کے لئے محمدؐ کے پاس چلو مگر بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلو (جو ایک یہودی سردار تھا) یہودی نے محمدؐ کے پاس جانے کے لئے اصرار کیا چنانچہ یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا جب یہ دونوں آپؐ کے پاس سے نکلے تو منافق نے کہا عمرؓ کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرائیں گے، چنانچہ دونوں عمرؓ کے پاس پہنچے، یہودی نے کہا ہم دونوں محمدؐ کے پاس گئے تھے آپؐ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا مگر یہ شخص آپؐ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے، اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے، حضرت عمرؓ نے منافق سے فرمایا أَكَذَالِكَ؟ کیا بات ایسی ہی ہے؟ منافق نے کہا ''نعم'' ہاں، حضرت عمرؓ نے دونوں سے فرمایا رویدا حتی اخرجَ الیکما میرے آنے تک انتظار کرو، چنانچہ حضرت عمرؓ گھر کے اندر گئے اور تلوار لیکر واپس تشریف لائے اور منافق کو ایک ہی وار میں ٹھنڈا کر دیا، اور حضرت عمرؓ نے فرمایا هٰکذا اقضِی بَیْنَ مَنْ لَمْ یَرضَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وقضَاءِ رَسُولِهٖ جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرے میں اس کا فیصلہ اس طرح کرتا ہوں، تو یہ آیت نازل ہوئی وقال جبرائیل اِنَّ عمر فرَّق بینَ الحقِّ والباطل فسمی الفاروق حضرت جبرائیل نے فرمایا عمر نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اور حضرت عمر کا نام فاروق رکھا۔ (جمل)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اى بالقَوْلِ اللَّائِقِ بهم اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَاؕ بالاِجَابَةِ وَاُولٰٓئِكَ حِيْنَئِذٍ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. النَّاجُوْنَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَى اللّٰهَ يَخَافُهٗ وَيَتَّقْهِ بِسُكُوْنِ الهَاءِ وكَسْرِهَا بِاَنْ يُّطِيْعَهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ بالجنّة

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ غَايَتَهَا لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ بِالجِهادِ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّهُمْ لَّاتُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ لِلنَّبِيّ خَيْرٌ مِنْ قَسَمِكُمُ الَّذى لاتصدُقُوْنَ فِيهِ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ مِن طاعَتِكُمْ بالقولِ ومُخالَفتِكُمْ بالفِعْلِ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا عن طاعَتِه بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ خِطَابٌ لَهُمْ فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَاحُمِّلَ من التَّبْلِيْغِ وَعَلَيْكُمْ مَّاحُمِّلْتُمْ ؕ مِنْ طَاعَتِه وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا البَلٰغُ المُبِيْنُ ۝ اى التَّبْلِيْغُ البَيِّنُ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُم وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الاَرْضِ بَدَلاً عَنِ الكُفَّارِ كَمَا اسْتَخْلَفَ بِالبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالمَفْعُوْلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص مِن بَنى اِسْرَائِيْلَ بَدَلاً عَنِ الجَبابِرَةِ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وهُوَ الاِسْلَامُ بِاَنْ يُّظْهِرَهُ عَلٰى جَمِيْعِ الاَدْيَانِ ويُوَسِّعَ لَهُمْ فِى البِلادِ فَيَمْلِكُوْهَا وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِّنْ ۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ من الكُفَّارِ اَمْنًا ؕ وقَدْ اَنجزَ اللّٰهُ وَعْدَه لَهُمْ بِمَا ذَكَرَهُ واَثْنَى عَلَيْهِمْ بقوله يَعْبُدُوْنَنِىْ لَايُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ؕ هو مُسْتَانِفٌ فى حُكْمِ التَّعْلِيْلِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الاِنْعَامِ مِنْهُمْ بِه فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَوَّلُ مَنْ كَفَرَ به قَتَلَةُ عُثْمَانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فَصَارُوْا يَقْتَتِلُوْنَ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا اِخْوَانًا وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اى رَجَاءَ الرَّحْمَةِ لَاتَحْسَبَنَّ بِالفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ والفَاعِلُ الرَّسُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ لَنَا فِى الاَرْضِ ۚ بِاَنْ يَفُوْتُوْنَا وَمَاْوٰهُمْ مَرْجِعُهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ المَصِيْرُ ۝ المَرْجِعُ هى ع

ترجمہ

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کردے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا (عملاً) مان لینا، یعنی ایسا کہنا ہی مومنین کی شان کے لائق ہے اور ایسے ہی لوگ اس قول کی وجہ سے فلاح پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ کا خوف رکھے اور اس (کے عذاب) سے ڈرے یَتَّقْہِ ہا کے سکون اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی اس کی اطاعت کرے پس ایسے ہی لوگ جنت پا کر بامراد ہوں گے نہایت پختگی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ان کو جہاد کا حکم فرمائیں تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ قسمیں نہ کھاؤ معروف طریقہ سے نبی کی طاعت بہتر ہے تمہاری ایسی قسموں سے جن میں تم سچے نہیں ہو اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے جو کہ قولاً اطاعت اور عملاً مخالفت ہے بخوبی واقف ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر بھی اگر تم لوگ اس کی طاعت سے روگردانی کرو گے تَوَلَّوْا میں ایک تا کے حذف کے ساتھ ان ہی کو خطاب ہے (تو اس کا کوئی نقصان نہیں) (یہ جواب شرط محذوف ہے) اس لئے کہ رسول کے ذمہ وہی

تبلیغ کا کام ہے جو ان کے ذمہ رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ اطاعت ہے جو تمہارے اوپر لازم کی گئی ہے اور اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ یقیناً ان کو کافروں کے بجائے زمین کا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے بنی اسرائیل میں سے ظالموں کے بدلے استخلف معروف اور مجہول (دونوں ہیں) اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو قوت بخشے گا اور وہ اسلام ہے (اس طرح قوت بخشے گا) کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا، اور ان کے لئے ملکوں میں وسعت دے گا تو وہ ان کے مالک ہو جائیں گے، اور کافروں سے ان کے اس خوف کے بعد اس (خوف) کو امن سے بدل دے گا لَیُبَدِّلَنَّھُمْ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے مذکورہ وعدہ کو پورا فرما دیا اور ان کی اپنے قول یعبدونی لا یُشرِکون بِیْ شیئًا سے تعریف فرمائی اور یہ جملہ مستانفہ ہے علت کے حکم میں ہے اور ان میں کا جو شخص اس انعام کے بعد اس کی ناشکری کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں اور سب سے پہلے جنہوں نے اس انعام کی ناشکری کی وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ باوجودیکہ آپس میں بھائی بھائی تھے قتل و قتال کرنے لگے اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے یعنی رحمت کی امید رکھتے ہوئے آپ کافروں کی نسبت یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ زمین میں ہم سے بچ کر ہمیں ہرا دیں گے تحسبنّ تا فوقانیہ اور یا تحتانیہ کے ساتھ ہے اور فاعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کا ٹھکانہ مرجع دوزخ ہے اور وہ (نہایت) برا ٹھکانہ مرجع ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنَّمَا کَانَ قولَ المؤمنینَ جمہور نے قول پر، کان کی خبر قرار دینے کی وجہ سے نصب پڑھا ہے، اور اَنْ یَقُولُوْا الخ کو بتاویل مصدر کان کا اسم قرار دیا ہے، اور علی اور حسن اور ابن ابی اسحٰق نے قولُ کو اسم کان قرار دے کر رفع پڑھا ہے اور اَنْ یَقُوْلُوْا کو بتاویل مصدر کان کی خبر قرار دیا ہے، اول قرأت کو جمہور نے راجح قرار دیا ہے **قوله** اَنْ یَقُوْلُوْا الخ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس سے ادب شرعی کی تعلیم مقصود ہے اس لئے جملہ انشائیہ کے حکم میں ہے **قوله** یَتَّقْهِ اصل میں یَتَّقِیْهِ تھا جزم کی وجہ سے یا حذف ہوگئی اور قاف کا کسرہ باقی رہ گیا پھر قاف کے کسرہ کو تخفیفاً خلاف قیاس حذف کر دیا اس لئے کہ جو صیغہ فَعِلَ کے وزن پر ہو اس کے عین کلمہ کو ساکن کر دیا جاتا ہے جیسے کَتِفٌ، کَتْفٌ میں **قوله** جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ جَهْدَ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے غایتها محذوف سے اسی کی طرف اشارہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے یَجْهَدُوْنَ اَیْمَانَهُم جهدًا بعض حضرات نے حال ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے ای مجتهدین فی اَیْمَانِهِمْ **قوله** لَیَخْرُجُنَّ جواب قسم ہے **قوله** طاعةٌ معروفةٌ یہ ترکیب توصیفی مبتداء ہے اور

خیرٌ الخ اس کی خبر ہے مفسر علام نے خیرٌ مقدر مان کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، طاعة معروفة مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے بھی مرفوع ہوسکتا ہے ای طاعتهُمْ طاعةٌ معروفةٌ **قوله** انّ اللّٰهَ خبیرٌ بما تعملُوْن یہ ماقبل کے جملہ کی علت ہے **قوله** فإنْ تولّوْا میں مامورین کو خطاب ہے یعنی اطیعوا اللّٰهَ واطیعُوا الرسولَ میں جو لوگ مخاطب ہیں وہی تولّوْا کے مخاطب ہیں، قُلْ اطیعُوا اللّٰه الخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا فانْ تولّوْا میں مامورین کو خطاب ہے **قوله** فإنّما علیه ما حُمّل یہ جواب شرط ہے اور ایک قول میں جواب شرط محذوف ہے اور فإنّما علَیْهِ ماحُمّل اس جواب کی علت ہے جیسا کہ ترجمہ کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے **قوله** ما علی الرسول الخ ماقبل جملہ کی تاکید ہے **قوله** وعد اللّٰهُ الذین آمنُوْا منکم الذین آمنُوْا منکُمْ وعد کا مفعول اول ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے اور وہ الاستخلاف فی الارض وتمکین دینهم وتبدیل خوفهم بالامن، یہ سب معطوفات مل کر وَعد کا مفعول ثانی ہے اور لیَسْتخلفنّهُمْ قسم مقدر کا جواب ہے، تقدیر یہ ہے واللّٰه لیَسْتَخْلِفَنّهُمْ اور یہ جواب قسم مفعول ثانی کے حذف پر دال ہے **قوله** کما استخلف میں ما مصدریہ ہے ای اسْتخلافًا کاِسْتَخْلافِ الَّذِیْنَ مِنْ قبلهِمْ **قوله** بما ذکر اس کا تعلق وعدہ سے ہے اور ما ذکر سے امور ثلاثہ مذکورہ مراد ہیں **قوله** یعْبُدُوْننی یہ جملہ مستانفہ ہے مفسر علام نے هو مستانف کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں مختلف تراکیب ہوسکتی ہیں مگر مفسر علام نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، یہ جملہ گویا کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، کہا گیا ما بالُهُمْ یَسْتخلفُوْنَ ویؤمنُوْن ، فاجیب یعبُدُوْنَنی مذکورہ جملہ مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں بھی جملہ مستانفہ رہے گا، تقدیر یہ ہوگی هم یعبُدُوْننی **قوله** لایشر کون بی شیئا جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور یعبدوننی کی ضمیر فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے، ای یعبُدُوننی موحّدِیْن **قوله** منهُمْ یہ منْ سے حال ہے اور هم ضمیر للذین آمنُوْا کی طرف راجع ہے **قوله** به کی ضمیر انعام کی طرف راجع ہے، ای الانعام بما ذُکرَ من الامور الثلثة اور کفر سے مراد کفران نعمت ہے نہ کہ ایمان کی ضد، اسی وجہ سے انّ اُولئك هم الفاسقُوْنَ کہا ہے، اولئك هم الکافرون نہیں کہا، **قوله** واقیموا الصّلوة یہ جملہ مقدر پر عطف ہے جس کا سیاق تقاضہ کرتا ہے ای فآمنوا واقیموا الصّلوة الخ **قوله** لاتحسبنّ اس کا فاعل الرسول ہے اور الّذین کفرُوْا مفعول اول ہے اور معجزین مفعول ثانی ہے اور یَحْسبنّ بالیاء کی صورت میں مفعول اول محذوف ہوگا ای لایَحْسبنّ الَّذِیْنَ کفرُوْا اَنْفُسَهُمْ اور معجزین مفعول ثانی ہوگا، اور الّذین کفرُوْا لایَحْسبَنّ کا فاعل ہوگا **قوله** معجزینَ ای فائتینَ یعنی بچ کر نکل جانا۔

تشریح وتفسیر

اِنّما کانَ قولَ المؤمنین (الآیہ) ماقبل کی آیت میں اہل کفر ونفاق کے کردار کا بیان تھا، یہاں سے اہل ایمان

کے کردار وعمل کا بیان ہے، یعنی فلاح وکامرانی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور رسول کے فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کرتے ہیں اور انہی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الٰہی اور تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں، نہ کہ دوسرے لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں۔

علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ منافقین کی یہ عادت تھی کہ بڑی زوردار قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم ہر حال میں آپ کا ساتھ دیں گے اور ہر آڑے وقت میں کام آئیں گے اور آپ جہاں ہوں گے ہم بھی وہیں ہوں گے، اگر آپ نکلیں گے تو ہم بھی نکلیں گے اور آپ قیام کریں گے تو ہم بھی قیام کریں گے، اور اگر آپ ہم کو جہاد کا حکم فرمائیں گے تو ہم جہاد کریں گے، گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے گا ہم وہاں اپنا خون بہائیں گے، اور یہ سب زبانی جمع خرچ تھا۔ (مظہری)

اس پر یہ آیت نازل ہوئی زیادہ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ معروف طریقہ پر اطاعت بہتر ہے بغیر عملی اطاعت کے جھوٹی قسمیں کھانے سے، مطلب یہ ہے کہ تمہارا معاملہ طاعت معروفہ ہونا چاہئے، جس طرح مسلمان کرتے ہیں پس تم بھی ان کے مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر)

اور بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے جس طرح تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہو تمہاری اطاعت بھی نفاق پر مبنی ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ پیغمبر خدا پر خدا کی طرف سے تبلیغ کی ذمہ داری رکھی گئی ہے تو اس نے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح ادا کر دیا، اور تم پر جو بات لازم کی گئی ہے وہ تصدیق اور قبول حق کی ہے اور یہ کہ اس کے حکم کے مطابق چلو، اگر تم اپنی ذمہ داری محسوس کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو دارین کی کامرانی وکامیابی تمہارے قدم چومے گی، ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں، تمہاری شرارت اور سرکشی کا خمیازہ تم ہی کو بھگتنا پڑے گا، پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے، آگے کی آیات میں رسول کی اطاعت کے بعض ثمرات کا بیان ہے، جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔ (فوائد عثمانی)

وَعَدَ اللّٰه الذین آمنوا (الآیہ) بعض حضرات نے اس وعدہ الٰہی کو صحابۂ کرام یا خلفاء راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے الفاظ قرآنی عام ہیں اور ایمان وعمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور خیر القرون میں اس وعدۂ الٰہی کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین کو عروج دیا، اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہاں کفر سے ناشکری مراد ہے نہ کہ ایمان کی ضد کفر، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دے، مسلمانوں کو حکومت قوت اور امن واطمینان اور دین کو استحکام حاصل ہو جائے، اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص خدا کے انعامات کی ناشکری کرے کہ اسد می

حکومت کی اطاعت سے گریز کرے تو ایسے لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ قرآن کے اس جملہ کے سب سے پہلے مصداق وہ لوگ ہوئے جنہوں نے خلیفہ وقت حضرت عثمان غنیؓ کو قتل کیا اور جب وہ اس جرم عظیم کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے مذکورہ انعامات میں کمی آگئی، آپس کے قتل و قتال سے خوف و ہراس میں مبتلا ہوگئے، بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف شورش کے وقت دیا تھا، خطبہ کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

''اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول ہیں جب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے، خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کرے گا وہ اللہ کے سامنے دست بریدہ حاضر ہوگا اس کے ہاتھ نہ ہوں گے اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں داخل نہ ہوگی کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے ستر ہزار آدمی قتل کئے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں (مظہری) چنانچہ قتل عثمان سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا امت میں چلتا ہی رہا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِيَسْتَاذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ من العَبِيْدِ والإمَاءِ والَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوْا الحُلُمَ مِنْكُمْ من الاَحْرَارِ وَعَرَفُوْا اَمْرَ النِّسَاءِ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ فى ثَلٰثَةِ اَوْقَاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ اى وَقْتَ الظُّهرِ ومِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ العِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ بالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ بَعْدَهُ مُضَافٌ وَقَامَ المضَافُ اِلَيْهِ مَقَامَهُ اى هِىَ اَوْقَاتٌ وبالنَّصْبِ بتَقْدِيرِ اَوْقَاتٍ مَنْصُوْبًا بَدَلًا مِنْ مَحَلِّ مَا قَبْلَهُ قَامَ المُضَافُ اِلَيْهِ مُقَامَهُ وهِىَ لِاِلْقَاءِ الثِّيَابِ فِيْهَا تَبْدُوْا فِيْهَا العَوْرَاتُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ اى المَمَالِيْكِ وَالصِّبْيَانِ جُنَاحٌ فى الدُّخُولِ عليكم بغَيْرِ اسْتِيْذَانٍ بَعْدَهُنَّ ؕ اى بَعْدَ الاَوْقَاتِ الثَّلٰثَةِ هُم طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ لِلْخِدْمَةِ بَعْضُكُمْ طَائِفٌ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَالجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَ مَاذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الآيٰتِ ؕ اى الاَحْكَام وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِاُمُورِ خَلْقِهِ حَكِيْمٌ ۝ بِمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ وآيَةُ الاِسْتِيْذَانِ قِيْلَ مَنْسُوْخَةٌ وقِيْلَ لَا ولٰكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ فى تَرْكِ الاِسْتِيْذَانِ وَاِذَا بَلَغَ الاَطْفَالُ مِنْكُمْ اَيُّهَا الاَحْرَارُ الحُلُمَ فَلْيَسْتَاذِنُوْا فى جَمِيْعِ الاَوْقَاتِ كَمَا اسْتَاذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اى الاَحْرَارُ الكِبَارُ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَالقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ قَعَدْنَ عَنِ الحَيْضِ وَالوَلَدِ لِكِبَرِهِنَّ اللّٰتِىْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا لِذٰلِكَ فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ مِنَ الجِلْبَابِ وَالرِّدَاءِ والقِنَاعِ فَوْقَ الخِمَارِ

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ مُظْهِرَاتٍ بِزِيْنَةٍ ط خَفِيَّةٍ كَقِلَادَةٍ وَسِوَارٍ وَخَلْخَالٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ بِاَنْ لَا يَضَعْنَهَا خَيْرٌ لَّهُنَّ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لِقَوْلِكُمْ عَلِيْمٌ ، بِمَا فِي قُلُوْبِكُمْ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ فِي مُوَاكَلَةِ مُقَابِلِيْهِمْ وَّلَا حَرَجَ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَىْ بُيُوْتِ اَوْلَادِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَائِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَامَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ اَىْ خَزَنْتُمُوْهُ لِغَيْرِكُمْ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ط وَهُوَ مَنْ صَدَقَكُمْ فِي مَوَدَّتِهٖ اَلْمَعْنٰى يَجُوْزُ الْاَكْلُ مِنْ بُيُوْتِ مَنْ ذُكِرَ وَاِنْ لَّمْ يَحْضُرُوْا اَىْ اِذَا عُلِمَ رِضَاءُ هُمْ بِهٖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا مُّجْتَمِعِيْنَ اَوْ اَشْتَاتًا ط مُتَفَرِّقِيْنَ جَمْعُ شَتٍّ نَزَلَ فِيْمَنْ تَحَرَّجَ اَنْ يَّاْكُلَ وَحْدَهٗ وَاِذَا لَمْ يَجِدْ مَنْ يُّوَاكِلُهٗ يَتْرُكُ الْاَكْلَ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا لَكُمْ لَا اَهْلَ فِيْهَا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ قُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَرُدُّ عَلَيْكُمْ وَاِنْ كَانَ بِهَا اَهْلٌ فَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ تَحِيَّةً مَصْدَرُ حَيَّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ط مُثَابٌ عَلَيْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اَىْ يُفَصِّلُ لَكُمْ مَعَالِمَ دِيْنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ع لِكَيْ تَفْهَمُوْا ذٰلِكَ .

ترجمہ

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو یعنی غلام اور باندیوں کو اور ان کو جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے آزادوں میں سے، مگر عورتوں کے معاملہ سے واقف ہو گئے ہیں تین مرتبہ یعنی تین اوقات میں اجازت لینی چاہئے، صبح کی نماز سے پہلے اور دو پہر میں یعنی دو پہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں (ثلث) کے رفع کے ساتھ اس وجہ سے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور مبتداء کے بعد مضاف محذوف ہے، اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہو گیا ہے، ای هي اوقات ثلث عورات لكم اور (ثلث) نصب کے ساتھ، اس کے قبل اوقات کو مقدر مان کر حال یہ ہے کہ اپنے ماقبل (یعنی من قبل صلوة الفجر) کے محل سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہو اور (اوقات) مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ (یعنی عورات) کو مضاف کے قائم مقام کر دیا، اور یہ تینوں اوقات (ایسے ہیں کہ) ان میں کپڑے اتار دینے کی وجہ سے ستر کھل جاتا ہے، ان تینوں اوقات کے علاوہ میں نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر یعنی مملوکوں اور بچوں پر، بغیر اجازت تمہارے پاس چلے آنے میں، وہ بکثرت تمہارے پاس خدمت کے لئے چکر لگاتے رہتے ہیں بعض بعض کے پاس آتے رہتے ہیں اور (یہ) جملہ اپنے ماقبل جملہ کی تاکید ہے، اسی طرح جیسا کہ مذکورہ احکام بیان کئے، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام کھول کھول کر بیان

کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے حالات سے واقف ہے اور جو اس کے لئے تدبیر کرتا ہے اس میں حکمت والا ہے، آیت استیذان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے لیکن لوگ استیذان میں سستی کرنے لگے ہیں (ترک کا لفظ غالباً سہو ہے) ورنہ تو مطلب یہ ہوگا کہ استیذان میں سستی ترک کرنے لگے ہیں، **تنبیه:** حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے اور جب تمہارے لڑکے اے آزادلوگو! حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو تمام اوقات میں ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہئے جیسا کہ ان کے ماقبل مذکور لوگ اجازت لیتے ہیں یعنی بالغ آزاد، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اسی طرح احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے، اور بڑی بوڑھی عورتیں جو اولاد اور حیض سے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے مایوس ہوگئی ہوں اور اسی (بڑھاپے کی وجہ سے) نکاح کی امید (خواہش) نہ رکھتی ہوں تو ان پر اپنے (زائد) کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں مثلاً برقع، چادر، دوپٹہ جو سربند کے اوپر ہوتا ہے بشرطیکہ مخفی زینت کا مظاہرہ نہ کریں جیسا کہ گلوبند، کنگن، پازیب، اور (اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والے ہیں اور قلوب کے خطرات کو جاننے والے ہیں نہ تو نابینا شخص کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے کے لئے کچھ حرج ہے اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے، اپنے مقابلوں (غیر معذوروں) کے ساتھ کھانے میں اور نہ خود تمہارے لئے کچھ حرج ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یعنی اپنی اولاد کے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان کے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یعنی اس میں سے جس کی تم غیر کے لئے حفاظت کرتے ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اور دوست وہ ہے جو تمہارے ساتھ دوستی میں مخلص ہو، آیت کے معنی یہ ہیں کہ مذکورین کے گھروں (اموال) سے ان کی غیر موجودگی میں کھانا جائز ہے، یعنی جبکہ کھانے کے لئے ان کی رضامندی کا علم ہوجائے اور تمہارے لئے (اس بات) میں کوئی حرج نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ یعنی متفرق طریقہ پر اَشْتَاتًا شَتٌّ کی جمع ہے یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو تنہا کھانے میں حرج محسوس کرتا تھا، اور اگر ساتھ کھانے والا کسی کو نہ پاتا تو کھانا ہی نہ کھاتا اور جب تم اپنے ایسے گھروں میں داخل ہوا کرو کہ جن میں کوئی نہیں ہے تو خود کو سلام کرلیا کرو یعنی کہا کرو السلام علینا وعلی عباد اللہِ الصّالحینَ اس لئے کہ فرشتے تم کو اس کا جواب دیں گے اور اگر ان میں اہل خانہ ہوں تو ان کو دعاء کے طور پر سلام کرلیا کرو، **تحیۃً**، **حَیّیَ** کا مصدر ہے جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے اس پر اجر دیا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے یعنی تمہارے دین کے احکام کو واضح طریقہ پر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ان احکام کو سمجھو۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله ثَلٰثَ مرّاتٍ ثلث کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ لِیَسْتَاذِنْکُمْ کا مفعول فیہ ہے ای لیستاذنوا فی ثلثة اوقات فی الیوم واللیلة مفسر علام نے فی ثلث اوقاتٍ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ ثلث مرّاتٍ ظرف ہے اور مرّات بمعنی اوقاتٍ ہے، ای لِیَسْتَاذنکُمْ ثلثة اوقاتٍ اس کے بعد من قَبْلِ صلوٰةِ الفجرِ سے من بعدِ صلوةِ العشاءِ تک ثلث اوقات کی تفسیر ہے۔

ثَلٰثَ مراتٍ کے منصوب ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ لِیَستاذنکم کا مفعول مطلق ہے ای استاذنوا ثلث استیذاناتٍ **قوله** ثلثُ عوراتٍ لکم ثلثُ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے مبتدا محذوف کے بعد اوقات مضاف محذوف ہے مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ یعنی عوراتٌ کو اس کے قائم مقام کردیا ہے، اس صورت میں وقف العشاء پر ہوگا، ای ھِیَ ثلاثةُ اوقاتٍ کائنة لکم اوقات مذکورہ کو عوراتٌ کہا گیا ہے حالانکہ اوقات ثلثہ عوراتٍ نہیں ہیں لیکن چونکہ مذکورہ تینوں اوقات عدم تستُّر (کشف عورات) کے ہیں، مظروف بول کر ظرف مراد لیا گیا ہے (تسمیه الشیئ باسم مایقعُ فیه) اور ثلث عوراتٍ کے منصوب ہونے کی صورت میں ثلث عوراتٍ اپنے ماقبل یعنی من قبل صلوٰةِ الفجر کے محل سے بدل ہے اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہے چونکہ مذکورہ تینوں اوقات میں (زائد) کپڑے اتار دینے کی وجہ سے پوشیدہ حصہ ظاہر ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے ان اوقات کو عورات کہا گیا ہے، **قوله** ھِیَ مبتداء ہے تبدو فیها العورات خبر ہے لالقاءِ الثیاب الخ تبدو کی علتِ مقدمہ ہے اور اوقات کا عورات نام رکھنے کی علت کی طرف اشارہ بھی ہے، **قوله** بعضکم علی بعض یہ جملہ سابق جملہ طوافون علیکم کی تاکید ہے **قوله** متبرّجٰتٍ کی تفسیر مظھراتٍ کرکے اشارہ کردیا کہ بزینةٍ میں باتعدیہ کے لئے ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ بزینةٍ میں با بمعنی لام ہے ای مظھرات لزینةٍ۔

جلباب بڑی چادر برقعہ وغیرہ جس میں پورا بدن چھپ جائے (جمع) جلابیب آتی ہے **قوله** فوق الحمار کا تعلق قناعٌ سے ہے دوپٹہ وغیرہ کو کہتے ہیں **قوله** فی مُواکَلَةِ مقابلیهم مُواکَلَة مصدر ہے اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے ای فی اکلِهِمْ مع مقابلیهِمْ (ای السالمین من هذه النقائص الثلثة) **قوله** ولاَ علٰی انفسِکُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے **قوله** صدیقکم صدیق کا طلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے **قوله** مِنْ بیوت مَنْ ذُکِرَ ماقبل میں گیارہ بیوت کا ذکر کیا گیا ہے یہ تعداد عادت اور عرف کے اعتبار سے ہے، **قوله** ای اذا علم رضاء ھم به یہ رضامندی صراحةً ہو یا کسی ایسے قرینہ کی وجہ سے ہو جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو، اور مذکورہ اجازت عام کھانے پینے کی چیزوں میں ہے جیسے روٹی سالن وغیرہ یہ اجازت ایسی چیزوں میں نہیں ہے جو مخصوص طریقہ

پر اہتمام کے ساتھ بنائی جاتی ہیں نیز اجازت کھانے کی حد تک ہے ساتھ لیجانے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح غیر ماکول اشیاء میں بھی تصرف کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ صریح اجازت نہ ہو، **قوله تحیةً** یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای فَحَیُّوْا تحیةً فَسَلِّمُوْا کا معمول بھی ہوسکتا ہے اس لئے سَلِّمُوْا اور تحیةً کے معنی قریب ہیں، اس صورت میں قعدتُ جلوسًا کے قبیل سے ہوگا **قوله من عند اللّٰہِ** اس کا تعلق تحیةً کی صفت محذوف سے بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی، تحیةً صادرةً من عند اللّٰہِ اور خود تحیة کے متعلق بھی ہوسکتا ہے، **قوله یُثَابُ علَیْهَا** یہ مبارکة کی تفسیر ہے۔

تفسیر وتشریح

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لِیَسْتَاذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (الآیہ)

اقارب ومحارم کے لئے خاص اوقات میں استیذان کا حکم

آداب معاشرت اور ملاقات کے آداب اسی سورت کی آیت ۲۷/۲۸/۲۹ میں بیان ہوئے ہیں کہ کسی کی ملاقات کے لئے جاؤ تو بغیر اجازت ان کے گھروں میں داخل نہ ہو، گھر زنانہ ہو یا مردانہ آنے والا مرد ہو یا عورت، سب کے لئے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا ہے، مگر یہ احکام استیذان اجانب کے لئے تھے جو باہر سے ملاقات کے لئے آئے ہوں۔

شان نزول

مذکورہ آیت کے شان نزول میں متعدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں:

(۱) ابن عباس ؓ کی روایت ہے کہ آپ ؐ نے ایک انصاری لڑکے کو جس کا نام مدلج بن عمر تھا دوپہر کے وقت عمر بن خطاب کے پاس بھیجا تا کہ عمر کو بلا لائے، لڑکا گھر میں اچانک داخل ہوگیا اور حضرت عمر کو ایسی حالت میں دیکھ لیا جس کو دیکھنا عمر ؓ پسند نہیں کرتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) کہا گیا ہے کہ اسماء بنت مرثد کے بارے میں نازل ہوئی اس کا ایک بالغ غلام تھا وہ ایک روز اسماء کے پاس اچانک چلا گیا جس کو اسماء نے ناپسند کیا اسماء نے اس واقعہ کا ذکر آپ ؐ سے کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان آیات میں ایک دوسرے استیذان کے احکام کا بیان ہے جن کا تعلق ان اقارب ومحارم سے ہے جو عموماً ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں، اور ان سے عورتوں کا پردہ بھی نہیں ہے ایسے لوگوں کے لئے بھی اگرچہ گھر میں داخل ہونے کے وقت اس کا حکم ہے کہ اطلاع کر کے یا کم از کم قدموں کی آہٹ کر کے یا کھانس کھنکار کر گھر میں داخل ہوں اور یہ استیذان مستحب ہے، یہ حکم تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے کا تھا لیکن گھر میں داخل ہونے کے بعد ایک

دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ان کے لئے تین خاص اوقات میں جو عام طور پر ہر شخص کے لئے خلوت اور آزادی کے اوقات ہیں ایک اور استیذان کا حکم ہے جو ان آیات میں دیا گیا ہے وہ تین اوقات صبح کی نماز سے پہلے دوپہر کو آرام کرنے کے وقت، اور عشاء کی نماز کے بعد کے اوقات ہیں، ان اوقات میں محارم و اقارب کو حتی کہ سمجھدار نابالغ بچوں اور مملوکہ باندیوں کو بھی اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ ان تین اوقات میں کسی کی خلوت گاہ میں اجازت کے بغیر نہ جائیں، ان احکام کے بعد فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ یعنی ان اوقات کے علاوہ کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک دوسرے کے پاس بلا اجازت چلے جایا کریں، یہ حکم بچوں کو نہیں بلکہ دراصل بڑوں کو ہے کہ بچوں کو تربیت کے طور پر سمجھا دیا کریں کہ ان تین اوقات میں کسی کی خلوت گاہ میں بغیر اجازت کے نہ جانا چاہئے۔

آیت میں الذین ملکت ایمانکم اگرچہ عام ہے جس کے معنی مملوک کے ہیں جس میں باندی اور غلام دونوں شامل ہیں ان میں مملوک غلام جو بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی غیر محرم کے حکم میں ہے اس سے مالکن کو پردہ کرنا واجب ہے اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے، اس لئے یہاں اس لفظ سے باندیاں مراد ہیں یا پھر وہ غلام جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں، جو ہر وقت گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ خاص استیذان اقارب کے لئے واجب ہے یا مستحب اور اب یہ حکم باقی ہے یا منسوخ ہو گیا، جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حکم غیر منسوخ ہے اور وجوب کے لئے ہے، اگر کسی طریقہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ مذکورہ تین اوقات میں صاحب خانہ اپنی خلوت گاہ میں اپنے اعضاء مستورہ کو کھولے ہوئے نہیں ہے یا اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں نہیں ہے تو اس صورت میں استیذان واجب نہیں ہے، حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ استیذان کی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرنے لگے ہیں۔

والقواعد من النساء یہ استثناء عورت کی شخصی حالت کے اعتبار سے ہے کہ جو عورت اتنی بوڑھی ہو جائے کہ اس کی طرف کسی کو رغبت نہ ہو تو اس کے لئے پردہ کے احکام میں سہولت دیدی گئی ہے کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم کے ہو جاتے ہیں جن اعضاء کا چھپانا محرموں سے ضروری نہیں ہے بوڑھی عورتوں کے لئے غیر مردوں سے بھی چھپانا ضروری نہیں ہے مگر ایسی بوڑھی عورتوں کے لئے بھی ایک قید تو یہ ہے کہ جو اعضاء محرم کے سامنے کھولے جائیں غیر محرم کے سامنے بھی کھول سکتی ہے بشرطیکہ بن سنور کر زینت اختیار نہ کرے۔

اور آخر میں دوسری بات یہ فرمائی وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ یعنی اگر بوڑھی عورتیں غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ مفسرین نے آیت مذکورہ کے شان نزول کے سلسلہ

میں چند واقعات تحریر کئے ہیں کسی نے کسی واقعہ کو آیت کا شان نزول قرار دیا ہے اور کسی نے کسی کو، اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ سب ہی واقعات نزول آیت کا سبب بنے ہوں۔

آیت کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو کام تکلیف کے ہیں وہ ماقبل میں مذکور معذورین کے لئے معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت میں حاضری (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں، جاہلیت میں اس قسم کے محتاج معذور آدمی مالداروں اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے جھجک محسوس کرتے تھے انہیں خیال گذرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات اور اوضاع سے ایذا پہنچتی ہو اور واقعی بعض کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی، نیز بعض مومنین کو غایت اتقاء کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے، اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے، لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے، مریض کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے تاکہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔

کبھی یہ صورت حال بھی پیش آتی تھی یہ معذورین اور محتاجین کسی کے پاس اپنی ضرورت لیکر جاتے وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا از راہ بے تکلفی وہ اس معذور کو اپنے عزیز و اقارب کے گھر لیجاتے اس پر ان حاجت مندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے اس کے پاس اور یہ دوسرے کے یہاں لے گیا کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے ناخوش تو نہیں، ان تمام خیالات کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ خواہی نخواہی اس طرح کے اوہام میں مت پڑو اللہ نے ان سب معاملات میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو؟ (فوائد عثمانی)

اس زمانہ میں عرب میں چونکہ عرف و عادت تھی کہ آپس میں بلا تکلف اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے گھر جا کر کھا لیتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی ساتھ لیجاتے تھے اس لئے کوئی ناخوشی یا ناگواری کا اظہار نہیں کرتا تھا چنانچہ آج بھی اگر کہیں اس قسم کا عرف و عادت ہو تو اجازت ہوگی اور اگر عرف و عادت نہ ہو تو صریح اجازت کی ضرورت ہوگی، جیسا کہ ہمارے یہاں اس قسم کا عرف نہیں ہے لہٰذا اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ ای الرَّسُوْل **عَلٰی اَمْرٍ جَامِعٍ** کَخُطْبَةِ الجُمُعَةِ **لَمْ یَذْهَبُوْا** لِعُرُوْضِ عُذْرٍ لَهُمْ **حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ** اَمْرِهِمْ **فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ** بِالانصرافِ **وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ** بِأَنْ تَقُوْلُوْا یَا مُحَمَّدُ بَلْ قُوْلُوْا یَا نَبِیَّ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِی لِیْنٍ وَتَوَاضُعٍ وَخَفْضِ صَوْتٍ

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ اى يَخْرُجُوْنَ مِنَ المَسْجِدِ فِي الخُطْبَةِ مِنْ غَيرِ اسْتِيْذَانٍ خُفْيَةً مُسْتَتِرِيْنَ بِشَيءٍ وقد لِلتَّحقيقِ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اى اللّٰهِ او رَسُوْلِه اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ بَلَاءٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○ فِي الآخِرَةِ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مِلْكًا وخَلْقًا وَعَبِيْدًا قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ اَيُّهَا المُكَلَّفُوْنَ عَلَيْهِ ؕ من الاِيْمَانِ وَالنِّفَاقِ وَيعلم يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الخِطَابِ اى مَتٰى يَكُونُ فَيُنَبِّئُهُمْ فيه بِمَا عَمِلُوْا ؕ مِنَ الخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيءٍ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وغَيْرِهَا عَلِيْمٌ○ ۹ع

ترجمہ

بس مومن تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب وہ اس کے ساتھ یعنی رسول کے ساتھ کسی اہم معاملہ میں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ جمعہ کا خطبہ تو عذر پیش آنے کی صورت میں بھی اس وقت تک نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں، جو لوگ آپ سے اجازت لے لیتے ہیں بس وہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں تو جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جس کو چاہیں جانے کی اجازت دیدیں اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعاء کیجئے بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے اس طریقہ سے کہ کہو اے محمد! بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ نرمی اور تواضع اور پست آواز سے کہو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں یعنی مسجد سے خطبہ کی حالت میں چپکے سے کسی چیز کی آڑ لے کر نکل جاتے ہیں، اور قد تحقیق کے لئے ہے سو جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر آخرت میں کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے، یاد رکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ملکیت کے اعتبار سے تخلیق کے اعتبار سے مملوک ہونے کے اعتبار سے سب اللہ ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے اے مکلفو (مخاطبو) جس حالت پر تم ہو یعنی ایمان و نفاق کی حالت اور اس دن کو بھی جانتا ہے جس میں سب اس کے پاس لائے جائیں گے اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے، یعنی جانتا ہے کہ رجوع کا دن کب ہوگا (اى يعلم) متى يكونُ يوم الرجوعِ سو وہ ان کو اس دن سب جتلا دے گا جو کچھ انہوں نے خیر و شر کیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال وغیرہ سب سے واقف ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ مبتداء ہے الَّذِيْنَ اسم موصول آمَنُوْا الخ معطوف علیہ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ الخ معطوف،

معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ الذین کا الذین اسم موصول صلہ سے مل کر خبر مبتداء کی **قوله** علی امرٍ جامع میں اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ امر سبب جمع ہے اور جمع مسبب ہے گویا سبب کی نسبت مسبب کی جانب ہے **قوله** لَاتَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ ای لاتَنَادُوْہُ باسمہ فتقولوا یا محمدُ ولا بکُنْیَتِہ فقولوا یا ابا القاسم، بل نادُوْہُ بالتعظیم بان تقولوا یا رسول اللّٰہ یا نبی اللّٰہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک جس طرح آپ کی حیات مبارکہ میں تعظیم سے لینا ضروری تھا بعد وفات بھی ضروری ہے آپ کی شان مبارک میں تخفیف کرنے والا کافر وملعون ہے **قوله** لِوَاذًا (مفاعلہ) کا مصدر ہے ایک دوسرے کی آڑ لینا، لِوَاذًا یا تو یَتَسَلَّلُوْنَ کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے مصدر ہے ای یَتَسَلَّلُوْنَ لِوَاذًا یا فعل محذوف کا مصدر ہے ای یُلاوِذُوْنَ لِوَاذًا نیز مصدر موضع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے ای یَتَسَلَّلُوْنَ مُتلاوِذِیْنَ **قوله** اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ بتاویل مصدر ہو کر فَلْیَحْذَرْ کا مفعول ہے، ای اِصَابَةَ فِتْنَةٍ **قوله** وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ کا یَعْلَمُ کے معمول یعنی مَا اَنْتُمْ پر عطف ہے جیسا کہ مفسر علام نے یعلم مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

تفسیر وتشریح

اوپر کی آیات میں آنے کے وقت اجازت طلب کرنے کا ذکر تھا، یہاں جانے کے وقت اجازت لینے کی ضرورت کا ذکر ہے، یعنی کامل الایمان وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ وعیدین، جہاد، اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے، یہی لوگ ہیں جو کامل الایمان اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کے ماننے والے ہیں۔

شان نزول

یہ آیت غزوہ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی ہے جب کہ مشرکین عرب اور دوسری جماعتوں کے متحدہ محاذ نے یکبارگی مدینہ پر حملہ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشورۂ صحابہ دشمنوں کے حملہ سے بچاؤ کے لئے خندق کھودی تھی اس لئے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں یہ غزوہ شوال ۵ھ میں ہوا تھا۔ (قرطبی)

بیہقی اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ آپ بذات خود اور تمام صحابہ خندق کھودنے میں مصروف تھے مگر منافقین اول تو آنے میں سستی کرتے اور آ کر بھی دکھانے کے لئے تھوڑا بہت کام کر لیتے اور موقع پا کر چپکے سے کھسک جاتے تھے، صحابہ کرام کی یہ عادت تھی کہ اگر آپ کی مجلس سے کسی کو ضرورت کی وجہ سے بھی جانے کی ضرورت پیش آتی تو اجازت لیکر جاتا اور طریقہ اجازت کا یہ ہوتا کہ آپ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا کہ آپ کی نظر اس پر پڑ جائے اور انگشت شہادت

سے اشارہ کر کے اجازت طلب کرتا آپ اگر چاہتے تو اجازت دیدیتے، منافقین موقع سے فائدہ اٹھاتے اور اس مومن کی آڑ لیکر چپکے سے کھسک جاتے، اس قصہ کو ابوداؤد نے مراسیل میں مقاتل سے نقل کیا ہے۔ (حاشیہ جلالین)

اس کے برخلاف مومنین سب کے سب محنت کے ساتھ لگے رہتے اور اگر کوئی مجبوری یا ضرورت پیش آ جاتی تو آنحضرت سے اجازت لیکر جاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغیر اجازت چلے جانے کی حرمت عام مجلس کا حکم نہیں ہے، بلکہ اس مجلس کا حکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اہم ضرورت کے پیش نظر لوگوں کو جمع کیا ہو جیسا کہ واقعہ خندق میں ہوا تھا، امر جامع سے اسی کی طرف اشارہ ہے، امر جامع کے سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں مگر واضح اور صاف بات یہ ہے کہ امر جامع سے مراد ہر وہ کام ہے جس کے لئے آپ لوگوں کو جمع کرنا ضروری خیال فرمائیں اور کسی اہم اور ضروری کام کے لئے جمع فرمائیں، جیسے غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا کام تھا۔ (مظہری)

اس آیت میں دوسرا حکم آخری آیت میں یہ دیا گیا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ اس کی ایک تفسیر تو وہ ہے جو ترجمہ کے ضمن میں کی گئی ہے کہ دعاء رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو بلانا ہے، جو نحوی قاعدہ سے اضافت الی الفاعل ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو جب بلائیں تو اس کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھیں کہ اس میں آنے نہ آنے کا اختیار رہتا ہے، بلکہ اس وقت آنا فرض ہو جاتا ہے اور بغیر اجازت جانا حرام ہو جاتا ہے، آیت کے سیاق و سباق سے یہ تفسیر زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اسی لئے مظہری اور بیان القرآن نے اس کو اختیار کیا ہے، اس کی ایک دوسری تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ دُعَاءَ الرَّسُوْلِ سے مراد لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ضرورت کے لئے پکارنا اور بلانا ہے (نحوی ترکیب کے اعتبار سے یہ اضافت الی المفعول ہوگی)

اس تفسیر کی بناء پر آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ضرورت سے بلاؤ تو عام لوگوں کی طرح آپ کا نام لیکر یا محمد نہ کہو یہ بے ادبی ہے بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کہا کرو، اس کا حاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا مسلمانوں پر واجب ہونا اور ہر ایسی چیز سے بچنا ہے جو ادب کے خلاف ہو، یہ حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ حجرات میں اسی طرح کے کئی حکم دیئے گئے ہیں مثلاً **لاتجھروا بالقول کجھر بعضکم لبعض** یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو تو ادب کی رعایت رکھو ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے باتیں نہ کرو جیسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں اور مثلاً یہ کہ جب آپ گھر میں تشریف فرما ہوں تو باہر سے آواز دے کر نہ بلاؤ بلکہ آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرو **وَانّ الذین ینادونك من وراء الحجرات** میں اسی کا بیان ہے۔

سورة الفرقان

سُوْرَةُ الفرقان مكيَّة اِلَّا وَالَّذِيْنَ لايدعُوْنَ معَ اللّٰهِ الٰهًا آخر الٰى رحيماً فمَدَنِيٌّ وهي سبع وسبعُوْن آية .

سورۂ فرقان مکی ہے سوائے الذین لایدعونَ مع اللّٰهِ الٰهًا آخر تا رحیماً مدنی ہے کل ستتر آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ تَبٰرَكَ تَعَالٰى الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ القُراٰنَ لِاَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ الحَقِّ وَالبَاطِلِ عَلٰى عَبْدِهٖ مُحَمَّدٍ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ اى الإنسِ وَالجِنِّ دُوْنَ المَلٰئِكَةِ نَذِيْرًا ۙ مُخَوِّفًا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ ۙالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ شَانِه اَنْ يُّخْلَقَ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا سَوَّاه تَسْوِيَةً وَاتَّخَذُوْا اى الكُفَّارُ مِنْ دُوْنِه اى اللّٰهِ اى غَيْرِه اٰلِهَةً هي الاَصْنَامُ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا اى دَفْعَهٗ وَّلَانَفْعًا اى جَرَّهٗ وَّلَايَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَاحَيٰوةً اى اِمَاتَةً لِاَحَدٍ واِحْيَاءً لِاَحَدٍ وَّلَا نُشُوْرًا ۙ اى بَعْثًا لِلْاَمْوَاتِ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اى مَا القُرْاٰنُ اِلَّا اِفْكٌ كِذْبٌ ۙاِفْتَرٰهُ مُحَمَّدٌ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ وهم مِنْ اَهْلِ الكِتَابِ قال تعالٰى فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ كُفرا وكذبًا اى بِهما وَقَالُوْا ايضا هو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اَكَاذِيْبُهُمْ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بالضَّمِّ اكْتَتَبَهَا اِنْتَسَخَهَا مِنْ ذٰلِكَ القوم بغيره فَهِىَ تُمْلٰى تُقْرَأُ عَلَيْهِ لِيَحْفَظَهَا بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا غُدْوَةً وعَشِيًّا قال تعالٰى رَدًّا عَلَيْهِم قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِىْ يَعْلَمُ السِّرَّ الغَيْبَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَّحِيْمًا بِهِم وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَا هَلَّا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ يُصَدِّقُه اَوْ يُلْقٰى اِلَيْهِ كَنْزٌ مِنَ السَّمَاءِ يُنْفِقُهُ ولَايَحْتَاجُ اِلَى المَشْيِ فى الاَسْوَاقِ لِطَلَبِ المعاشِ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ بُسْتَانٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ اى مِن ثِمارِها فيَكْتَفِي بها وفِي قِرَاءَةٍ نَاكُلُ بالنُّون اى نَحْنُ فَيَكُوْنُ له مَزِيَّةٌ علينا بها وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اى الكافِرُوْنَ للمُؤْمِنِيْنَ اِنْ مَا تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا مَخْدُوعًا مغلوبًا على عَقْلِه قال تعالٰى اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ بالمَسْحُوْرِ والمُحْتَاجِ اِلٰى مَايُنْفِقُه والٰى مَلَكٍ يَقُوْمُ معه بالاَمْرِ فَضَلُّوْا بذٰلِكَ عن الهُدٰى فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۧ طَرِيْقًا اِليه . ع

ترجمہ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے، برکت والی برتر ہے وہ ذات جس نے فرقان یعنی قرآن اپنے بندے محمد ﷺ پر نازل کیا قرآن کو فرقان اس لئے کہا گیا ہے کہ اس نے حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا، تاکہ عالم والوں یعنی انسانوں اور جنوں کے لئے نہ کہ فرشتوں کے لئے ڈرانے والا ہو یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو ایسی ذات کہ اس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے ہر اس شئ کو پیدا کیا جس کی شان مخلوق ہونا ہے پھر اس کو اچھی طرح درست کیا اور کفار نے اللہ کو چھوڑ کر اس کے غیر کو معبود بنالیا وہ بت ہیں وہ کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور وہ خود اپنے لئے نہ کسی نقصان یعنی اس کو دفع کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا یعنی اس کو حاصل کرنے کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ جینے کا یعنی نہ کسی کو مارنے کا اور نہ کسی کو زندہ کرنے کا اور دوبارہ زندہ کرنے کا یعنی نہ مردوں کو زندہ کرنے کا اور کافرلوگ قرآن کے بارے میں یوں کہتے ہیں یہ قرآن کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے، جس کو اس شخص محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس گھڑنے میں اس کی مدد کی ہے اور وہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ ہیں سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے کفر اور کذب کے، یعنی دونوں کا ارتکاب کیا اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن پہلے لوگوں کے خرافاتی قصے ہیں یعنی جھوٹ کا پلندہ ہے (اَسَاطِیر) اُسْطُوْرَۃ بالضم کی جمع ہے ان خرافاتی قصوں کو اس قوم (یہود) سے کسی دوسرے کے ذریعہ نقل کرالیتے ہیں پھر وہی خرافاتی قصے اس کو صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تاکہ ان کو محفوظ کرلے، ان پر رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہہ دیجئے اس (قرآن) کو تو اس ذات پاک نے نازل کیا ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی مغیبات کا علم ہے واقعی اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے غفور ان کے لئے رحیم ہے اور یہ کافرلوگ یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا؟ وہ اس کے ساتھ رہ کر (لوگوں) کو ڈراتا اس کی نبوت کی تصدیق کرتا یا آسمان سے اس کے پاس کوئی خزانہ آپڑتا جس سے اس کو فائدہ ہوتا اور طلب معاش کے لئے بازاروں میں (مارامارا) نہ پھرتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ اس سے یعنی اس کے پھلوں کو کھاتا اور اس پر اکتفا کرتا، اور ایک قراۃ میں (یَاْکُلُ) کے بجائے نَاْکُلُ نون کے ساتھ ہے یعنی ہم کھاتے، جس کی وجہ سے ہم پر اس کو ایک قسم کی فوقیت حاصل ہوتی اور یہ ظالم کافر مومنین سے یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک سحر زدہ فریب خوردہ مغلوب العقل شخص کے پیچھے چل رہے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو تو سہی یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں سحر زدہ ہونے کی، خرچہ کا محتاج ہونے کی اور فرشتہ کا محتاج ہونے کی تاکہ اس کے ساتھ ذمہ داری میں شریک ہو، اسی (ضرب الامثال کی وجہ سے) راہ ہدایت سے گمراہ ہو گئے کسی طرح راہ حق پر نہیں آسکتے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

سورۂ فرقان مکی ہے مگر تین آیتیں (یہ سورۃ) ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی تمام سورتوں کے نام اور ان کی ترتیب اور آیت کی ترتیب توقیفی ہے البتہ آیات کی تعداد توقیفی نہیں ہے، یہ سورہ توحید اور احوال معاد کے مضامین پر مشتمل ہے (جمل) **قوله** الی رحیمًا یہ کل تین آیتیں ہیں **قوله تعالیٰ** یہ تَبَارَکَ کی تفسیر ہے یعنی اللہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں اپنے ماسوا سے برتر ہے تَبَارَکَ (تفاعل) کی ماضی ہے اس کا مضارع اسم فاعل اور مصدر مستعمل نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کے لئے مستعمل ہے، برکت کے معنی نمو اور زیادتی کے ہیں خواہ حسًا ہو یا معنًی (جمل) **قوله** لِأَنَّهٗ فَرَّقَ بین الحق والباطل یہ قرآن کو فرقان کہنے کی علت ہے قرآن نے چونکہ حق وباطل کے درمیان فرق کر دیا ہے اس لئے اس کا نام فرقان رکھا گیا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ فرقان اس لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن متفرق طور پر ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہوا ہے اسی وجہ سے قرآن کے بارے میں نَزَّلَ کہا گیا ہے جو کہ تکثیر تفریق پر دلالت کرتا ہے (جمل) **قوله** لِیَکُوْنَ یہ نزول کی علت ہے اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ عبدہٗ کی طرف راجع ہے اس لئے کہ وہ قریب ہے، فرقان کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور منزل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے **قوله** للعلمین، نَذِیْرًا کے متعلق ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے **قوله** مِن شانه ان یُّخلق اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ذات باری تعالیٰ کو مخلوق ہونے سے خارج کرنا ہے اس لئے کہ ذات باری تعالیٰ شیٔ ہے اس لئے کہ اگر شیٔ نہ مانا جائے تو لاشیٔ ماننا ہوگا ورنہ تو ارتفاع نقیضین لازم آئے گا لہٰذا شیٔ ماننا ضروری ہے جب ذات باری تعالیٰ کا شیٔ ہونا ثابت ہو گیا تو خلَقَ کل شيءٍ میں داخل ہو گیا اور جب خلَقَ کل شيءٍ میں داخل ہو گیا تو ذات باری کا مخلوق ہونا ثابت ہو گیا اور یہ محال ہے، اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے مفسر علام نے مِن شانه اَنْ یُّخلقَ کا اضافہ فرمایا ہے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق کہتے ہیں عدم سے وجود میں لانے کو اور عدم سے وجود میں وہ شیٔ آسکتی ہے جو معدوم ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان معدوم ہونا نہیں ہے، اس لئے کہ ذات باری پر کبھی بھی عدم طاری نہیں ہوا، ہذا ذات باری مخلوق ہونے سے خارج ہوگئی **قوله** سَوَّاہ تَسْوِیَۃً اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ وخَلَقَ کُلَّ شيءٍ فقدَّرَہٗ تقدیرًا میں قلب ہے اس لئے کہ اصل میں وَقَدَّرَہٗ تقدیرًا فخَلَق کُلَّ شيءٍ ہونا چاہئے، اس لئے کہ تقدیر ازلی ہے اور تخلیق حادث ہے، اس لئے کہ تقدیر کے معنی مقدر کرنا اندازہ کرنا، پلاننگ کرنا اور خلق کے معنی بنانا، ظاہر ہے کہ تقدیر اور پلاننگ پہلے ہوتی ہے اور اس کے مطابق بعد میں تخلیق ہوتی ہے جیسے کہ مکان کا نقشہ پہلے بنتا ہے مکان بعد میں بنتا ہے، نہ یہ کہ مکان پہلے بنتا ہے اور نقشہ بعد میں، تو معلوم ہوا آیت میں رعایت فواصل کے

لئے قلب ہوا ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں قلب نہیں ہے بلکہ قَدَّرَہٗ تقدیرًا سَوَّاہُ تَسْوِیَۃً کے معنی میں ہے اور تَسْوِیَۃً کہتے ہیں کسی شئی کے بنانے کے بعد درست کرنا کمی اور کجی کو دور کرنا، مضبوط کرنا، یعنی نوک پلک درست کرنا، اور یہ تخلیق کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ بِھِمَا اس سے اشارہ ہے کہ ظلماً وزورًا بنزع الخافض منصوب ہے، تقدیر عبارت اس طرح تھی جاؤا بظلمٍ وزُوْرٍ حرف جار کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے منصوب ہو گیا، شارحؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جاءَ واَتٰی متعدی بنفسہٖ بھی ہیں، اس صورت میں ظلماً وزورًا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے **قولہ** ھُوَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اساطیر الاولین ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے اختیار کیا ہے اور اِکْتَتَبَھَا محل میں حال کے ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ مبتدا ہو اور اِکْتَتَبَھَا اس کی خبر، **قولہ** مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ لِھٰذَا کے لام کو الگ لکھا گیا ہے جو کہ عام عربی رسم الخط کے خلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا رسم الخط مصحف عثمانی کے مطابق ہے لہٰذا اس میں تغیر نہیں کیا جاتا **قولہ** فَیَکُوْنَ یہ چونکہ لولا بمعنی ھلاَّ (جس کا حکم استفہام کا ہے) کا جواب ہے اس لئے منصوب ہے وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اُن کی صفت ظلم کو اجاگر کرنے کے لئے لایا گیا ہے ورنہ تو وَقَالُوْا کہنا بھی کافی ہوتا۔

تفسیر وتشریح

فرقان کے معنی ہیں فیصلہ کن، فرقان قرآن کریم ہی کا لقب ہے، قرآن کریم حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی آخری کتاب ہے، اور تمام جہاں کی ہدایت واصلاح کی کفیل ہے اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچانے والی ہے **قولہ علی عبدہٖ** یہاں آپ کا نام لینے کے بجائے عبدہٖ فرمایا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صفت عبدیت میں کامل واکمل تھے اس لئے گویا کہ عبداللہ آپ کا لقب ہی ہو گیا، قرآن کریم سارے جہاں کو کفر وعصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے، چونکہ اس صورت میں مکذبین ومعاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے شاید اسی لئے یہاں صفت نذیر کو بیان فرمایا، بشیر کا ذکر نہیں کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو عالمین کے لئے فرمایا ہے، یہ **بات تو متفق** علیہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انبیاء سابقین کے برخلاف سارے جہان کے لئے ہے انبیاء **سابقین کی بعثت** علاقائی یا قومی تھی مگر آپ

کی بعثت علاقائی یا قومی نہیں ہے بلکہ عالمگیر ہے، اور آپ تمام جنوں اور انسانوں کے لئے ہادی اور رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں، قرآن کریم میں سورۂ اعراف میں فرمایا گیا **قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا** اور حدیث میں بھی فرمایا **بُعِثْتُ الی الاحمر والاسود** (صحیح مسلم کتاب المساجد) مجھے احمر واسود سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آپ کی بعثت ملائکہ کی طرف

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کی بعثت جن وانس کے لئے ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ آپ کی بعثت ملائکہ کی طرف ہے یا نہیں، اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ آپ کی بعثت ملائکہ کی طرف نہیں ہے علامہ جلال الدین محلی کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ تفسیر سے ظاہر ہے، حلبی اور بیہقی نے بھی یہی فرمایا ہے، امام رازی نے اسی آیت کی تفسیر میں اسی رائے پر اجماع نقل کیا ہے، البتہ امام سبکی نے کہا ہے کہ عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں جس میں جن وانس وملائکہ سب داخل ہیں لہٰذا عالمین کا لفظ ملائکہ کو بھی شامل ہوگا، ملائکہ کو خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے **قوله وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا** سے یہود ونصاریٰ پر رد ہے اور **وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ** سے مشرک اور بت پرستوں پر رد ہے **فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا** ہر شئ کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اس سے وہی خواص وافعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے، اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی اور نہ اپنی حدود میں عمل وتصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے **وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً** کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق مالک الکل، حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے، حالانکہ ان بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ مارنا جلانا ان کے قبضہ میں ہے اور نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں، ایسی عاجز اور مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔

ربط: یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزیاں کر رہے تھے ان کی تردید تھی، آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے، **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ** الآیة مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ یہ خدا کا نازل کردہ کلام ہے اور میں اس کا نبی ہوں سب کہنے کی باتیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ محمد نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کر لیا ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے اور کچھ لوگ اس کے ساتھ لگ گئے ہیں جنہوں نے اس کی تشہیر شروع کر دی ہے اس قول کا قائل نضر بن حارث تھا، مشرکین کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور ظلم وجھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز کو کہ جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب وافتراء کہا جائے، کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح وبلیغ، عالم وحکیم بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز ہو جائیں۔

مشرکین کا یہ بھی کہنا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کچھ خرافاتی قصہ سن کر نوٹ کرالئے ہیں وہی باتیں ان کے سامنے شب وروز پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے ان ہی کی الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے **قل انزله الذی یعلم السر** الآیۃ یعنی آپ فرمادیجئے کہ یہ کتاب کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اس خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہے جس کے احاطہ علمی سے زمین وآسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہوسکتی۔

(فوائد عثمانی)

سابقہ آیات میں مشرکین کا وہ کلام ذکر کیا گیا ہے جو وہ قرآن کے بارے میں کہا کرتے تھے اور اب **وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ** سے ان خرافات کا بیان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا کرتے تھے مشرکین کا یہ طعن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر ہے کیونکہ ان کے خیال میں بشریت عظمت رسالت کی تحمل نہیں تھی اس لئے انہوں نے کہا یہ کیسا رسول ہے یہ تو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے اور ہمارے ہی جیسا بشر ہے یعنی ہم پر بھی اس کو کوئی فضیلت وفوقیت حاصل نہیں ہے مطلب یہ کہ نہ ملک ہے اور نہ ملِک، تو یہ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟

لَوْ لَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ یعنی فرشتوں کی فوج نہ سہی کم از کم ایک فرشتہ ان کی نبوت کی شہادت دینے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا، یہ کیا کہ کس مپرسی کی حالت میں اکیلے ہی دعوائے نبوت کرتے پھر رہے ہیں، یا اگر فرشتہ بھی ہمراہ نہ ہوتو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں پر بے دریغ خرچ کرکے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے، اور خیر یہ بھی نہ سہی معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگوروں اور کھجوروں وغیرہ کا ایک باغ توان کی ملک میں ہوتا، دوسروں کو نہ دیتے مگر کم از کم خود تو بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدہ جلیلہ کے لئے معاذ اللہ ایسی معمولی شخصیت کو منتخب کیا ہے؟

قَالَ الظّٰلِمُوْنَ مطلب یہ ہے کہ میاں کی یہ پوزیشن اور حیثیت؟ اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ عقل کھوئی گئی ہے، یا کسی نے جادو کے زور سے عقل مختل کردی ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔

(العیاذ باللہ) (فوائد عثمانی)

اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ یعنی کبھی کہتے ہیں کہ یہ خدا پر افتراء ہے، کبھی کہتے ہیں کہ دوسروں سے پڑھ سیکھ کر لوگوں کو سناتے ہیں، اور کبھی آپ کو سحرزدہ کہتے ہیں اور کبھی ساحر اور کبھی کاہن تو کبھی شاعر تو کبھی مجنون، یہ اضطراب خود بتلا رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آپ پر منطبق نہیں اور یہ محض الزام ہی الزام ہے، لہٰذا جو لوگ نبی کی شان میں گستاخیاں کرکے گمراہ ہوگئے ہیں ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔

تَبٰرَكَ تَكَاثَرَ خَیْرُ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ الَّذِی قَالُوْا مِنَ الْكَنْزِ وَالْبُسْتَانِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط ای فِی الدُّنْیَا لِاَنَّهٗ شَاءَ اَنْ یُّعْطِیَهٗ اِیَّاهَا فِی الْاٰخِرَةِ وَیَجْعَلْ بِالْجَزْمِ لَّكَ

قُصُوْرًا ایضا وفی قراءةٍ بالرّفع استینافا بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ القیامة وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا نارا مُسْعَرَةً ای مُشتدّة اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا غلیانا كالغضبان اذا غلا صدرُه من الغضب وَّزَفِیْرًا صوتا شدیدا او سماعُ التغیُّظ رُؤیتُهُ وعلمه وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا بالتّشدید والتخفیف بانْ یُضیق علیهم ومنها حالٌ من مكانا لانّه فی الاصل صفةٌ له مُّقَرَّنِیْنَ مُصفّدین قد قُرِنت ایدیهم الی اعناقِهم فی الاغلال والتشدیدُ للتكثیر دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا هلاكا فیقال لهم لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا لعذابكم قُلْ اَذٰلِكَ المذكورُ من الوعید وصفةِ النّار خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ فی علمه تعالٰی جَزَآءً ثوابا وَّمَصِیْرًا مرجعا لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ حال لازمةٌ كَانَ وَعْدُهُمْ ما ذُكر عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا یسأله من وُعِد به رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ او یسأله لهم الملائكةُ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ بالنّون والتحتانیة وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غیره من الملائكة وعیسٰی وعُزیر والجن فَیَقُوْلُ تعالٰی بالتحتانیة والنُّون للمعبودین اثباتا للحُجّة علی العابدین ءَاَنْتُمْ بتحقیق الهمزتین وابدالِ الثانیة الفا وتسهیلِها وادخالِ الفٍ بین المُسهّلة والاُخرٰی وتركه اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ اوقعتموهم فی الضّلال بامركم ایاهم بعبادتكم اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ طریقَ الحق بانفسِهم قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تنزیهًا لك عمّا لا یلیقُ بك مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ یستقیم لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ ای غیرك مِنْ اَوْلِیَآءَ مفعولٌ اوّلٌ ومن زائدةٌ لتاكید النّفی وما قبله الثانی فكیف نامُر بعبادتنا وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ من قبلهم باطالة العُمر وسعةِ الرِّزق حَتّٰی نَسُوا الذِّكْرَ تركوا الموعظةَ والایمانَ بالقراٰن وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا هلكٰی قال تعالٰی فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ ای كذّب المعبودُوْنَ بِمَا تَقُوْلُوْنَ بالفوقانیة انّهم اٰلهةٌ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ بالفوقانیة والتحتانیة ای لاهُم ولاانتم صَرْفًا دفعًا للعذاب عنكم وَّلَا نَصْرًا منعا لكم منه وَمَنْ یَّظْلِمْ یُّشْرِكْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا شدیدا فی الاٰخرة وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ فانت مثلُهم فی ذلك وقد قیل لهم كما قیل لك وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً بَلِیَّةً اُبْتُلِی الغنیُّ بالفقیرِ والصَّحیحُ بالمریضِ والشّریفُ بالوضیعِ یقولُ الثانی فی كل مالی لا اكونُ كالاوّلِ فی كُلٍّ اَتَصْبِرُوْنَ علی ما تسمعون ممّن اُبْتُلیتم بهم استفهامٌ بمعنی الامر ای اصبروا وَكَانَ رَبُّكَ

بَصِيرًا ﴿۲۰﴾ بمن يَصْبِرُ و بمن يَجْزَعُ. ع

ترجمہ

اللہ کی ذات تو بڑی عالی شان ہے یعنی خیر کثیر والی ہے اگر وہ چاہے تو ان کے بیان کردہ باغ اور خزانہ سے بہتر باغات عطا کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں یعنی دنیا میں (عطا کر دے) اس لئے کہ آخرت میں ایسے باغات آپ کو عطا کرنا تو اس کی مشیت میں ہے ہی، اور آپ کو بہت سے محل (بھی) دیدے یَجْعَلْ لام کے جزم کے ساتھ اور ایک قراءۃ میں (یَجْعَلُ) رفع کے ساتھ ہے، جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور قیامت کو جھوٹ سمجھنے والوں کے لئے ہم نے دہکتی ہوئی شدید آگ تیار کر رکھی ہے جب ان کو وہ آگ دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ اس کا جوش خروش سنیں گے یعنی غضبناک کے مانند اس کا جوش جبکہ غضبناک کا سینہ غضب کی وجہ سے جوش مارے زَفِيرًا شدید آواز کو کہتے ہیں یا غیض کو سننے سے مطلب اس کا دیکھنا اور جاننا ہے اور جب وہ اس (جہنم) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈالدیئے جائیں گے ضَيِّقًا یا کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے اس طریقہ سے کہ وہ مکان ان پر تنگ ہو جائے گا اور مِنْهَا مکانًا سے حال ہے اس لئے کہ منها اصل میں مکانًا کی صفت ہے مُقَرَّنِينَ بمعنی مُصَفَّدِينَ ایسے بندھے ہوئے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ طوق میں باندھ دیا گیا اور تشدید معنی کی کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہے، تو وہاں موت کو پکاریں گے تو ان سے کہا جائے گا ایک موت کو نہ پکارو عذاب کی وجہ بہت سی موتوں کو پکارو آپ کہئے یہ وعید اور صفت نار کی حالت جس کا ذکر ہوا اچھی ہے؟ یا ہمیشگی کی وہ جنت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ یہ (جنت الخلد) ان کے لئے اللہ کے علم میں جزاء ثواب (صلہ) ہے اور ان کا ٹھکانا ہے، اور ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو وہ چاہیں گے وہ ہمیشہ رہیں گے (خٰلِدِينَ) حال لازمہ ہے، ان سے کیا ہوا مذکورہ وعدہ تیرے رب کے ذمہ ہے لہٰذا جس سے وعدہ کیا گیا ہے وہ اس سے مطالبہ کر سکتا ہے (یعنی سائل اپنے سوال میں کہہ سکتا ہے) رَبَّنَا وَ آتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو وہ چیز عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسول کی زبانی وعدہ فرمایا، یا اس وعدہ کے ایفاء کا، ان کے لئے فرشتے اس طرح سوال کریں گے ربنا و اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ بِالَّتِي وعدتهم اے ہمارے پروردگار تو ان کو قیام کے قابل اس جنت میں داخل فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ ان کو نحشرهم نون کے ساتھ اور یاء کے ساتھ ہے اور جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے تھے جمع کرے گا غیر اللہ سے مراد ملائکہ اور عیسیٰ اور عزیر اور جن ہیں پھر معبودین سے عابدین پر حجت تام کرنے کے لئے پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ ان کو اپنی عبادت کا حکم دے کر تم نے ان کو گمراہی میں ڈالا تھا؟ یا وہ خود ہی راہ حق سے بھٹک گئے تھے؟ فَيَقُوْلُ یا اور نون کے ساتھ ہے ءَاَنْتُمْ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے تو وہ عرض کریں گے معاذ

اللہ تیرے لئے ہر اس چیز سے پاکی ہے جو تیری شان کے لائق نہیں ہے ہمارے لئے یہ ہرگز درست نہیں تھا کہ ہم تیرے علاوہ کسی کو کارساز بنائیں مِنْ اَوْلِیَاء مفعول اول ہے اور مِن زائدہ نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اس کے ماقبل مفعول ثانی ہے تو پھر ہم کیسے اپنی عبادت کا حکم کر سکتے تھے؟ لیکن آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں درازی عمر اور وسعت رزق کے ذریعہ آسودگی عطا فرمائی یہاں تک کہ یاد کو بھلا بیٹھے یعنی نصیحت اور قرآن پر ایمان کو ترک کر دیا یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو انہوں نے تو تم کو تمہاری تمام باتوں میں جھٹلا دیا یعنی تمہارے معبودوں نے تمہاری تکذیب کر دی، تقولون تائے فوقانیہ کے ساتھ (یعنی) تمہارے اس قول میں کہ وہ معبود ہیں اب نہ تو تم میں (اور نہ ان میں) عذاب کو دفع کرنے کی طاقت ہے اور نہ مدد کی یعنی اس عذاب سے اپنی مدد کرنے کی تم میں سے جس جس نے ظلم یعنی شرک کیا ہے ہم ان کو بڑا عذاب یعنی آخرت میں شدید عذاب چکھائیں گے اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے لہٰذا آپ ان ہی جیسے ہیں ان باتوں میں، اور آپ سے وہی سب کچھ کہا جا رہا ہے جو ان سے کہا گیا تھا اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا غنی کو فقیر کے ذریعہ آزمایا گیا اور تندرست کو مریض کے ذریعہ اور شریف کو رذیل کے ذریعہ، ثانی ہر بات میں کہتا ہے کیا وجہ ہے کہ میں ہر معاملہ میں اول جیسا نہیں ہوں؟ کیا تم ان باتوں پر صبر کرو گے جن کو تم ان لوگوں سے سنتے ہو جن کے ذریعہ تم کو آزمایا گیا ہے استفہام بمعنی امر ہے یعنی صبر کرو، تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے کون صبر کرتا ہے؟ اور کون بے صبری کرتا ہے؟

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ تَبٰرَكَ تبارک ایسا وصف ہے جو تمام اوصاف کمال کو جامع اور تمام صفات نقص کی نفی کو مستلزم ہے اسی وجہ سے موقع کی مناسبت سے اس کی تفسیر مختلف کی گئی ہے، ابتداء سورت میں چونکہ مقام تنزیہ تھا لہٰذا وہاں تعالیٰ سے تفسیر کی گئی اور یہاں چونکہ مقام عطا ہے کثرت خیر سے تفسیر کی گئی اور آخر سورت میں چونکہ مقام عظمت و کبریاء ہے لہٰذا تَعَاظَمَ سے تفسیر کی گئی ہے۔

قولہ تَبٰرَكَ فعل ماضی اَلَّذِیْ حذف مضاف کے ساتھ تبارك کا فاعل، ای تَبَارَكَ خَیْرُ الَّذِیْ **قولہ** جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خیرًا سے بدل ہے، اور خیر اور بہتر ہونے کی وجہ ظاہر ہے اس لئے مشرکین نے جس باغ کے بارے میں کہا تھا وہ مطلق تھا اس میں تعدد اور جریان انہار کی کسی کی قید نہیں تھی، اور بعض حضرات کے نزدیک خَیْرًا سے عطف بیان بھی ہو سکتا ہے، اور بعض حضرات نے اعنی مقدر کی وجہ سے جَنّٰتٍ کو منصوب قرار دیا ہے اور تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، جَنّٰتٍ کی صفت قرار دیا ہے **قولہ** لِاَنَّهٗ الخ مفسر علام لِاَنَّهٗ سے فی الدنیا کی قید کے

ساتھ مقید کرنے کی علت بیان کررہے ہیں، علت کا خلاصہ یہ ہے اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا میں خیریت کو مشیت پر معلق کرنا دنیا کے اعتبار ہی سے صحیح ہے، ورنہ تو آخرت میں تو محقق ہے ہی **قوله** يَجْعَلْ جزم کے ساتھ جَعَلَ کے محل پر عطف کرتے ہوئے جو کہ شرط کی جزاء واقع ہے لہٰذا مجزوم پر جس کا عطف ہوگا وہ بھی مجزوم ہوگا **وفي قراءة بالرفع** جواب شرط پر عطف کرتے ہوئے جواب شرط کو استیناف کی وجہ سے مرفوع مانتے ہوئے شرط جب ماضی ہو تو جزاء میں رفع اور جزم دونوں جائز ہوتے ہیں، لہٰذا جزاء پر جو معطوف ہوگا اس میں بھی دونوں اعراب جائز ہوں گے اس لئے کہ شرط جب ماضی ہوتی ہے تو صرف شرط کی تاثیر جزاء میں کمزور ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے جزاء میں جزم اور رفع دونوں جائز ہو جاتے ہیں، ابن مالک نے کہا ہے وبعد ماض رفعُكَ الجزاءَ اَحْسَنُ جزم اور رفع کی دونوں قرأتیں سبعیہ ہیں **قوله** غَلَيانا تَغَيُّظًا کی تفسیر غلیانا سے کرنے کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے، اعتراض یہ ہے غیظ تو سننے کی چیز نہیں ہے وہ تو دیکھنے کی چیز ہے، جواب دیا یہاں غیظ سے مراد غلیان (جوش مارنا) جو سنا جا سکتا ہے بہذا اعتراض ختم ہو گیا **قوله** وسماع التغيظ رويته علمه مذکورہ اعتراض کا یہ دوسرا جواب ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سماع تغیظ سے مراد رویت اور علم ہے جو تغیظ میں ممکن ہے، بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے سَمِعُوْا وَرَاَوْا تغيظًا وزفيرًا لہٰذا رَأَوا کا تعلق تغیظ سے اور سمعوا کا تعلق زفیرًا سے ہوگا، بعض حضرات نے سماع مطلقاً ادراک کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں سمِعُوْا کا تعلق تغیظ اور زفیر دونوں سے صحیح ہوگا (جمل) **قوله** القوا منها مكانًا مِنْهَا مَكَانًا کی صفت ہے اور نکرہ کی صفت کو جب مقدم کر دیا جاتا ہے تو وہ حال ہو جاتی ہے **قوله** مُقَرَّنِيْنَ اُلْقُوْا کی ضمیر سے حال ہے مُصَفَّدِيْنَ اور مُصْفَدِيْنَ (ض) دونوں درست ہیں اس کے معنی باندھنے جکڑنے، مشکیں کسنے کے ہیں، صَفَا بیڑی کو کہتے ہیں **قوله** دَعَوْا هُنَالِكَ اِذَا اُلْقُوْا کی جزاء ہے هنالك سے مراد مقام ضیق ہے **قوله** ثبورًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے ای ثبرنا ثبورًا بعض حضرات نے کہا ہے دَعَوْا کا مفعول لہ ہے **قوله** لِعَذَابِكُمْ ای لاجل دوام عذابكم وكثرته ينبغي ان يكون دعائكم على حسبه یعنی جس طرح تمہارا عذاب دائمی اور متعدد قسم کا ہے اسی حساب سے تم اپنی ہلاکت کو پکارتے رہو، اور بعض نسخوں میں كعذابكم ہے، یہ کثرت میں تشبیہ ہے، اور دعاء ثبور سے مراد موت کی تمنا کرنا ہے **قوله** ها صلہ چونکہ جملہ ہے اس لئے مفسر علام نے هَا ضمیر کو مقدر مان کر رابط کی طرف اشارہ کر دیا **قوله** اذلك خيرٌ اَمْ جنةُ الخلد وعید اور نار زیادہ بہتر ہے یا جنۃ الخلد، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نار میں بھی خیر ہے حالانکہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے، جواب قرآن کریم میں خیرٌ اسم تفضیل اکثر اسم فاعل کے معنی میں مستعمل ہے لہٰذا کوئی شبہ نہیں، دوسرا جواب یہ ایسا ہی ہے کہ سید اپنے غلام کو کچھ رقم دے، جس کی وجہ سے غلام شرارت اور سرکشی شروع کر دے، جس کے نتیجے میں سید غلام کو مارتے ہوئے کہے هذا خيرٌ اَمْ ذاك.

سوال جنۃ دار الخلد ہی کو کہتے ہیں تو پھر خلد کی قید کا کیا فائدہ ہے؟

جواب اضافت کبھی تو تبیین کے لئے ہوتی ہے، اور کبھی صفات کمال کے بیان کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول الخالق البارئ بھی اسی قبیل سے ہے **قوله فی علمه تعالیٰ** اس عبارت سے اس شبہ کا جواب مقصود ہے کہ جزاء اور مصیر آئندہ حشر ونشر کے بعد ہوں گے تو پھر ان کو ماضی کے صیغہ سے کیوں تعبیر کیا ہے؟ اس کا ایک جواب مفسرؒ نے فی علمه تعالیٰ سے دیا ہے کہ اللہ کے علم میں چونکہ مقدر ہو چکا ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دیا، دوسرا جواب کہ جس کا ہونا یقینی ہوتا ہے اس کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں، **قوله** حالٌ لازمۃٌ خٰلِدِیْنَ لَھُمْ کی ضمیر سے یا یشاءون کے واؤ سے حال ہے، حال لازمہ کا مطلب ہے کہ جو معنی ماسبق سے مفہوم ہو رہے ہیں اسی کی تاکید ہے، **قوله** وَعْدُهم کے اضافہ کا مقصد کانَ کے اسم کو ظاہر کرنا ہے یعنی وُعِدَ المتقون سے جو وَعْدٌ مفہوم ہوتا ہے وہی کانَ کا اسم ہے، بعض حضرات نے ما یشاءون میں جو ما ہے اس کو کانَ کا اسم قرار دیا ہے **قوله** ویَوْمَ یحشرهم یہ اذکر فعل محذوف کا ظرف ہے اور قُلْ پر عطف ہے، نَحْشُرُھُمْ کی مفعولی ضمیر سے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مراد ہیں اور ومایعبدون کا عطف ھم ضمیر پر ہے **قوله** اِثْبَاتًا للحُجۃِ علی العابدین یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے ماضی مستقبل اس کے لئے سب حال ہے تو پھر معبودین سے ءَاَضْلَلْتُمْ؟ کے ذریعہ سوال کرنے کا کیا مقصد ہے؟ جواب: یہ سوال برائے استفہام نہیں ہے بلکہ لاجواب اور ساکت کرنے کے لئے ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا، ءَاَنْتَ قلتَ للناس اتخذونی وامی الٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اسی طرح وَاِذَا الموءودۃ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ میں بھی سوال تبکیت ولاجواب کرنے کے لئے ہے **قوله** بُوْرًا جمع بائر بمعنی الھلکی ھَلِیْکٌ کی جمع ہے **قوله** اِنَّھُمْ آلِھَۃٌ یہ تقولون کا مقولہ ہے اور مَا سے بدل بھی ہو سکتا ہے فَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ میں چونکہ حاضر اور غائب دونوں قرأتیں ہیں اس لئے مفسر علام نے لَاھُمْ وَلَا اَنْتُمْ فرمایا تاکہ دونوں قرأتوں کی رعایت ہو جائے **قوله** اِلَّا اِنَّھُمْ بقول ابن الانباری کے یہ جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِلَّا وَاِنَّھم اس کے نزدیک محذوف ہے، جمہور نے اِلَّا اِنَّھُمْ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، اَنَّ کی خبر پر لام داخل ہونے کی وجہ سے اگر اَنَّ کی خبر پر لام داخل ہو جائے تو جمہور کے نزدیک اِنَّ بکسر الہمزۃ متعین ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اَنَّ بھی جائز کہا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

تفسیر وتشریح

تَبَارَكَ الَّذِیْ اِنْشَاءَ جَعَلَ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے وہ چاہے تو ایک باغ کیا بہت

سے باغ اس سے بہتر عنایت فرمادے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں، بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغات اور نہریں اور حور وقصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کردے لیکن حکمت الٰہی ابھی اس کی مقتضی نہیں، اور بے شمار حکمتوں کا تقاضہ یہ ہے کہ انبیاء کی جماعت کو مادی اور دنیوی مال ودولت سے الگ ہی رکھا جائے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اسی کو پسند فرمایا جیسا کہ ترمذی میں حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحا اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنادیتا ہوں تو میں نے عرض کیا نہیں اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھر کھانا ملے اور ایک روز بھوکا رہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر واحتیاج اختیاری تھا، اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر معاندین کے تمام مطالبات اور فرمائشیں بھی پوری کردی جائیں تب بھی یہ حق وصداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں، باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل ومعجزات پیش کئے گئے جا چکے ہیں، وہ کافی سے زیادہ ہیں، **بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ** مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں فی الحقیقت طلب حق کی نیت سے نہیں محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے، اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا وجزا پر یقین نہیں آیا، سو یاد رکھنا چاہئے ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا، قیامت آکر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا، **اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ** یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہوجائیں گے اور کافروں کو اپنے دامن میں لینے کیلئے چلائے گی اور جھنجھلائے گی، جہنم کا دیکھنا اور چلانا حقیقت ہے مجاز یا استعارہ نہیں ہے، اللہ کیلئے اس کے اندر احساس وادراک کی قوت پیدا کردینا مشکل نہیں اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے معتزلہ چونکہ رویت وتکلم چیخ وپکار حیات کا خاصہ قرار دیتے ہیں اس لئے مذکورہ صفات کے حقیقی معنی کا انکار کرتے ہیں اور مجاز واستعارہ پر محمول کرتے ہیں۔

وَكَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا یعنی ایسا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا، اسی طرح اللہ نے اپنے ذمہ وعدہ واجب کرلیا ہے جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کرسکتے ہیں، یہ محض اس کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لئے اس حسن جزاء کو اپنے لئے ضرور قرار دے لیا ہے، دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، اور کی جاتی رہے گی، ان میں جمادات (پتھر، لوہا، لکڑی، سونا، چاندی اور دیگر دھاتوں سے بنی ہوئی مورتیاں) بھی ہیں، جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں مثلاً حضرت عزیر حضرت مسیح علیہا السلام اور دیگر بہت سے نیک بندوں اسی طرح فرشتوں اور جنات کے پجاری بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ غیر عاقل جمادات کو بھی شعور وادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا اور ان سب معبودوں سے معلوم کرے گا، بتلاؤ تم نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمہاری بندگی کر کے گمراہ ہوئے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کارساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر

ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں سے کہہ سکتے تھے کہ تم اللہ کے بجائے ہمیں اپنا ولی اور کارساز سمجھو۔

وَجعلنا بعضکم لبعض فتنة اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کو قدرت تو سب کچھ تھی وہ سارے انسانوں کو یکساں مالدار بنا دیتا سب کو تندرست رکھتا، سب کو عزت وجاہ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیتا، کوئی ادنیٰ اور کوئی اعلیٰ نہ ہوتا مگر نظام عالم میں اس کی وجہ سے بڑے بڑے خنے پیدا ہوتے اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو مالدار بنایا کسی کو غریب، کسی کو قوی کسی کو ضعیف کسی کو تندرست، کسی کو بیمار، کسی کو صاحب عزت اور کسی کو گمنام، اس اختلاف میں ہر طبقہ کا امتحان اور آزمائش ہے غنی کے شکر کا غریب کے صبر کا امتحان ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جو مال ودولت میں تم سے زیادہ ہو یا صحت وقوت اور عزت وجاہ میں تم سے بڑا ہو تو فوراً ایسے لوگوں پر نظر کرو جوان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہوں تاکہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی توفیق ہو۔ (مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَايَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لايخافونَ البَعْثَ لَوْلَآ هَلَّا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ فكانوا رُسُلا الينا اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ط فيُخْبِرُنا باَنَّ محمدا رسول اللّٰهِ قال تعالٰى لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا تَكَبَّرُوْا فِيْٓ شَاْنِ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا طَغَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا○ بِطَلَبِهِمْ رُؤْيَةَ اللّٰهِ فى الدُّنيا وعتوا بالواوِ على اَصلِه بخلافِ عُتِي بالإبدال فى مَرْيَمَ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ فى جملة الخلائق هو يومُ القِيٰمَةِ ونَصْبُه باُذْكُرْ مُقَدَّرًا لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ اى الكافِرِينَ بخلافِ المؤْمِنِينَ فَلَهم البُشرى بالجَنَّةِ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا○ على عادَتِهم فى الدُّنيا اذا نَزلَتْ بهم شِدَّةٌ اى عَوذًا مُعاذًا يَسْتَعِيْذُوْن من الملائكة قال تعالٰى وَقَدِمْنَآ عَمَدْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ من الخير كصَدَقَةٍ وصِلةِ رَحِمٍ وقِرٰى ضَيفٍ واغاثَةِ ملهوفٍ فى الدُّنيا فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا○ هو ما يُرى فى الكُوى الَّتى علَيها الشمسُ كالغُبارِ المُفَرَّقِ اى مثلَهُ فى عَدَمِ النَّفعِ به اِذْ لَا ثَوَابَ فِيْهِ لِعَدَمِ شَرْطِهٖ ويُجازونَ عليه فى الدُّنيا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ يومَ القِيٰمةِ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا من الكافِرِينَ فى الدُّنيا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا منهم اى موضعَ قائلةٍ فيها وهى الإستِراحَةُ نِصْفَ النَّهار فى الحَرِّ واُخِذَ مِنْ ذٰلِكَ اِنقضاءُ الحِساب فى نِصْفِ نَهارٍ كما ورَدَ فى حديثٍ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ اى كُلُّ سَماءٍ بِالْغَمَامِ اى مَعه وهو غيمٌ ابيضُ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِن كُلِّ سَماءٍ تَنْزِيْلًا○ هو يومُ القِيٰمةِ ونَصبُه باذكُر مُقدرًا وفى قِراءَةٍ بتَشديد شِيْنِ تشَّقَّقُ بِادغامِ التاءِ الثانية فى الاَصلِ فيها وفى اُخرىٰ نُنْزِل بنونينِ الثانيةُ ساكنةٌ وضَمِّ اللّامِ ونَصبِ المَلائكةِ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ط لايُشرِكُه فيه اَحَدٌ وَكَانَ اليومُ

يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا○ بخلافِ المؤمنِينَ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ الْمُشْرِكُ عقبة بن ابي معيط كان نطق بالشَّهادتَين ثم رجع رِضاءً لِأُبي بنِ خَلَفٍ عَلٰى يَدَيْهِ نَدَمًا وتحسرا في يوم القيامة يَقُوْلُ يَا للتَّنبيهِ لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ محمدٍ سَبِيْلًا○ طريقا الى الهُدٰى يٰويلتٰى الفُه عوض عَن ياءِ الإضافةِ اى وَيْلَتِي ومعناه هَلَكَتِي لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا اى اُبَيًّا خَلِيْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ اى القُرانِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ط بِاَنْ رَدَّنِي عَنِ الإيمان به قال تعالى وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنسان الكافِرِ خَذُوْلًا○ بان يتركه ويَتَبَرَّءَ مِنه عند البَلاء وَقَالَ الرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ يارَبِّ اِنَّ قَوْمِي قريشا اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا○ متروكا قال تعالى وكَذٰلِكَ كما جَعَلْنَا لك عدوا من مُشركي قَوْمِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ قبلك عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ط المشركين فاصبر كما صَبَرُوْا وكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا لَّكَ وَّنَصِيْرًا○ ناصِرًا لك عَلٰى اَعْدَائِكَ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا هَلَّا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج كالتَّوْرٰةِ والإنجيلِ والزَّبُوْرِ قال تعالى نَزَّلْنَاه كَذٰلِكَ ج اى مُتَفَرِّقًا لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ نُقَوِّيْ قَلْبَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا○ اى اَتَيْنَا به شَيْءً بَعدَ شَيٍ بتمَهُّلٍ وتُؤَدَةٍ لِيَتيسَّرَ فهمُه وحِفظُه وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ في اِبْطَالِ اَمْرِكَ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ الدَّافِعِ لَهٗ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ط بيانًا هُم الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اى يُسَاقُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ لا اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا هُوَ جهنَّمُ وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ع اَخْطَأُ طَرِيْقًا مِن غَيْرِهِم وهُوَ كُفْرُهُم.

ع

ترجمہ

جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے یعنی بعث (بعد الموت) کا خوف نہیں رکھتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ کہ ہماری طرف رسول ہوں یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے پھر ہمیں وہ یہ بات بتاتے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے کہا ان لوگوں نے اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ یا ہے اور دنیا ہی میں اللہ کی رویت کا مطالبہ کرکے بڑی سرکشی کی ہے اور عَتَوْ واو کے ساتھ اپنی اصل پر ہے بخلاف عُتِیَ کے ابدال کے ساتھ سورہ مریم میں جس روز یہ منجملہ خلائق کے فرشتوں کو دیکھیں گے اور (یومَ) کا نصب اُذکر فعل مقدر کی وجہ سے ہے، اس روز مجرموں یعنی کافروں کے لئے کوئی خوشخبری نہ ہوگی، بخلاف مؤمنین کے، ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے (بچاؤ بچاؤ) اپنی عادت کے مطابق دنیا میں جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی، یعنی پناہ پناہ چلائیں گے اور ملائکہ سے پناہ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ کہے گا، اور ہم ان کے ان اچھے کاموں کی طرف جو وہ دنیا میں کر چکے ہیں متوجہ ہوں گے، مثلاً صدقہ اور صلہ رحمی، مہمان نوازی اور مظلوم کی فریاد رسی تو ہم ان (اعمال) کو پراگندہ ذروں کی

طرح کردیں گے ھَبَاءً منثورًا ان ذروں کو کہتے ہیں، جو اس سوراخ میں نظر آتے ہیں جس پر دھوپ پڑتی ہے جیسا کہ منتشر غبار یعنی (ان کے اعمال کو) بے فائدہ ہونے میں غبار منتشر کے مانند کردیں گے، اس لئے کہ ان اعمال کا کوئی اجر نہ ہوگا، اجر کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اور اس کی جزاء دنیا ہی میں دیدیئے جائیں گے، اہل جنت اس دن یعنی قیامت کے دن قیام گاہ میں بھی دنیا میں کافروں سے اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی ان سے اچھے رہیں گے یعنی جنت میں قیلولہ (آرام) کرنے کی جگہ، اور قیلولہ دو پہر کو گرمی میں آرام کرنے کو کہتے ہیں اور اسی (احسن مقیلاً) سے لیا گیا ہے کہ حساب دو پہر تک پورا ہوجائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اور جس روز آسمان یعنی ہر آسمان مع بادل کے پھٹ جائے گا اور وہ سفید بادل ہے، اور ہر آسمان سے فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے اور وہ دن قیامت کا دن ہوگا اور یوم اُذکُر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، اور ایک قرأت میں تَشَقَّقُ کی شین کی تشدید کے ساتھ، اصل میں (یعنی تا کو شین سے بدلنے اور شین کو شین میں ادغام کرنے سے پہلے) تائے ثانیہ کو شین میں ادغام کرکے، اور دوسری قرأت میں نُنْزِلُ دونوں نون کے ساتھ، دوسرا نون ساکن اور لام کے ضمہ کے ساتھ اور ملائکہ کے نصب کے ساتھ اس روز حقیقی حکومت رحمٰن کی ہوگی اس دن اس کا کوئی شریک نہ ہوگا اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا سخت ہوگا بخلاف مومنین کے اور جس روز ظالم مشرک عقبہ بن ابی معیط جس نے شہادتین کا اقرار کرلیا تھا اور پھر ابی بن خلف کو خوش کرنے کے لئے پھر گیا، اپنے ہاتھوں کو ندامت اور حسرت کے ساتھ قیامت کے دن کاٹ کھائے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول محمد کے ساتھ ہدایت کے راستہ پر لگ لیتا ہائے میری بدبختی وَیْلَتَا کا الف یائے اضافت کے عوض میں ہے (اصل میں) ویلتی تھا اور اس کے معنی میری ہلاکت کے ہیں کاش میں فلاں یعنی اُبی بن خلف کو دوست نہ بناتا اس نے مجھے نصیحت یعنی قرآن سے اس کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اس طریقہ سے کہ اس پر ایمان لانے کے بعد مجھے واپس کردیا، اور شیطان تو کافر انسان کو (وقت پر) دھوکا دینے ہی والا ہے اس طریقہ پر کہ مصیبت کے وقت اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے اظہار بیزاری کردیتا ہے اور رسول یعنی محمد کہیں گے اے میرے پروردگار میری قوم قریش نے اس قرآن کو متروک کردیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اسی طرح جس طرح تیری قوم کے مشرکوں کو تیرا دشمن بنادیا تم سے پہلے ہر نبی کا بعض مجرمین مشرکین کو دشمن بنادیا لہٰذا جس طرح انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو، آپ کی رہنمائی کرنے اور مدد کرنے کے لئے تیرا رب کافی ہے یعنی تیرے دشمنوں کے خلاف تیری مدد کرنے کے لئے کافی ہے اور کافروں نے کہا اس پر پورا قرآن ایک ساتھ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ جس طرح کہ تورات اور انجیل اور زبور اتاری گئیں اور اس طرح یعنی متفرق نزول اس لئے ہے کہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے قلب کو قوی کریں گے اور ہم نے اس کو بہت ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے، یعنی ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے وقفہ اور آہستگی کے ساتھ اتارا ہے تاکہ اس کا سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے معاملہ کو باطل کرنے کے لئے آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب جو اس سوال کو دفع

کرنے والا ہو اور بیان کے اعتبار سے خوب واضح ہو عنایت کردیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے یہ لوگ مکان کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور وہ (مکان) جہنم ہے اور طریقہ میں بھی سب سے زیادہ گمراہ ہیں یعنی دوسروں سے زیادہ گمراہ ہیں اور وہ (طریقہ) ان کا کفر ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله لَا یخافون یہ تہامہ کی لغت میں لَا یَرْجون کی تفسیر ہے، لَا یَرْجونَ کو اپنے حقیقی معنی میں استعمال کرنا اولیٰ ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا لَا یَامَلُوْنَ لِقَاءَ مَا وَعَدْنَا عَلَی الطَّاعةِ من الثَّواب اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو ثواب کی امید نہیں رکھتا وہ عذاب سے بھی نہیں ڈرتا لقد استکبر میں لام قسمیہ ہے **قوله** وعَتَوْا علٰی اصله عَتَوْا اپنی اصل پر ہے واؤ یا سے تبدیل کئے بغیر، بخلاف سورہ مریم کے کہ وہاں فواصل کی رعایت کی وجہ سے واؤ یا سے بدل دیا گیا ہے (مزید تحقیق سورۂ مریم میں دیکھ لی جائے) **قوله** لا بُشری یہ جملہ قول مضمر کا معمول ہے، ای یَرَوْنَ الملائکة یقولون لا بُشریٰ **قوله** حِجْرًا مصدر بمعنی استعاذہ ہے اور مَحْجُوْرًا اس کی تاکید ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں حرام مُحرَّم یا کہتے ہیں المحرم الحرام **قوله** عمدنا قدمنا کی تفسیر عمدنا سے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قدوم کا اطلاق اللہ پر درست نہیں ہے اس لئے کہ قدوم جسمانیات کی صفت ہے **قوله ملهوف** مظلوم فریادخواہ کو کہتے ہیں **قوله** کُویٰ کاف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، اس سوراخ کو کہتے ہیں جس سے سورج کی روشنی داخل ہوتی ہو **قوله** هَبَاءً ان ذرات کو کہتے ہیں جو سوراخ سے آنے والی روشنی میں اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اگر کوئی ان کو ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے **قوله** خیرٌ مستقرًا من الکافرین یعنی مومنین کا مستقر جنت میں دنیا میں کافروں کے مستقر سے بہتر ہے، یہاں اسم تفضیل خیرٌ اپنے معنی میں ہے من الکافرین فی الدنیا کہہ کر مفسرؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے گویا کہ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اہل نار کے مستقر (جہنم) میں کوئی خیر نہیں ہے مگر خیر اسم تفضیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ کافروں کے مستقر میں بھی خیر ہے مگر اہل جنت کے مستقر سے کم خیر ہے اور یہ مطلب بھی صحیح ہے کہ مستقر سے دونوں فریقوں کا آخرت میں مستقر مراد ہو اس صورت خیرٌ سے اسم تفضیل کے معنی مراد نہ ہوں بلکہ کفار کی محض تقریع وتوبیخ مراد ہوگی اور یہ عرب کے قول (العَسلُ اَحْلٰی من الخَلِّ) کے قبیل سے ہو حالانکہ خل میں کوئی حلاوۃ نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوتا ہے اسم تفضیل کے لئے مفضل منہ کا ہمیشہ ہونا ضروری نہیں، لہٰذا اعتراض دفع ہوگیا **قوله** اُخِذَ من ذٰلك الخ یعنی احسن مَقیلاً سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے میدان محشر میں حساب کتاب نصف النہار سے قبل ہی ختم ہوجائے گا اس لئے کہ جنت کے آرام کے لئے مقیلا کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی دوپہر کو قیلولہ کرنے کے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب کتاب سے فراغت دوپہر سے قبل ہی ہوجائے گی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت

ہے کہ قیامت کے روز اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں قیلولہ کریں گے، گویہ نصف یوم مومنین کے لئے بقدر ایک نماز کے معلوم ہوگا اور کافروں کو بہت طویل عرصہ معلوم ہوگا **قوله** یوْمَ تَشَقَّقُ السماءُ یوْم اُذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے کل سماء سے اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ السماء میں الف لام استغراق اور مَعَهٗ سے اشارہ با بمعنی مع ہے با سببیہ اور بمعنی عن بھی ہوسکتی ہے **قوله** الْمُلْكُ یوْمَئذٍ الحقُّ للرحمٰن الملكُ مبتداء ہے الحق اس کی صفت للرحمن خبر، ای الملك الثابتُ الذی لایزول للرحمن یومئذٍ مفسر علام نے ظالم کی تفسیر مشرک عقبہ بن ابی معیط سے کرکے اشارہ کردیا ہے کہ یہ آیت ایک خاص مشرک کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام عقبہ بن ابی معیط تھا **قوله** یقول یَا لَیْتَنی جملہ یعُضُّ کی ضمیر سے حال ہے یالیْتَنِی میں یا تنبیہ کے لئے ہے نہ کہ ندا کے لئے اس لئے کہ منادی کے لئے اسم ہونا شرط ہے اور اگر یا کو ندا کے لئے مانیں تو منادیٰ محذوف ماننا ہوگا ای یا قوم **قوله** لَقَدْ اَضَلَّنِیْ میں لام قسمیہ ہے ای واللہ لقد اضلّنی **قوله** قال تعالیٰ سے اشارہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے ظالم کا کلام اِذْ جاءَنِیْ پر پورا ہوگیا **قوله** لو لا نُزِّلَ القرآن جملة واحدةً یہاں نُزِّلَ بمعنی اُنْزِلَ ہے اس لئے کہ نُزِّلَ کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا اتارنا اور اُنْزِلَ کے معنی ہیں ایک ساتھ اتارنا لہٰذا نُزِّلَ اور جملةً واحدةً میں تعارض ہوگا اس لئے کہا جائے گا نُزِّلَ معنی میں اُنْزِلَ کے ہے نزّلنا کذلك نزّلنا محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ کذلِكَ فعل محذوف کا مفعول ہے اور لنثبت به سے قرآن کو متفرق طور پر اتارنے کی تین حکمتوں کا بیان ہے **قوله** وَاَحْسَنَ کا عطف الحقِّ پر ہے، احسن محلاً مجرور ہے، **قوله** الّذین یُحْشَرُوْن، هُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسرؒ نے ظاہر کردیا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا لا یرجون رجاء کے معنی عام طور پر کسی محبوب ومرغوب چیز کی امید کرنے کے آتے ہیں اور کبھی یہ لفظ خوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ابن الانباری نے کتاب الاضداد میں لکھا ہے، اس جگہ بھی یہی خوف کے معنی زیادہ واضح ہیں، یعنی وہ لوگ جو ہمارے سامنے پیشی سے نہیں ڈرتے حِجْرًا مَحْجُورًا حِجْر کے لفظی معنی محفوظ جگہ کے ہیں اور محجور اس کی تاکید ہے یہ لفظ محاورہ عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی مصیبت سامنے ہو اس سے بچنے کے لئے لوگوں سے کہتے تھے کہ پناہ ہے پناہ ہے یعنی ہمیں اس مصیبت سے پناہ دو قیامت کے روز بھی جب کفار فرشتوں کو سامان عذاب لاتا ہوا دیکھیں گے تو دنیا کی عادت کے مطابق یہ لفظ کہیں گے، اور حضرت ابن عباسؓ سے اس لفظ کے معنی حَرامًا مُحَرَّمًا منقول ہیں اور مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب یہ لوگ فرشتوں کو عذاب کے ساتھ دیکھیں گے اور ان سے معاف کرنے اور جنت میں جانے کی درخواست کریں گے تو فرشتے ان کے جواب میں

کہیں گے حِجْرًا مَحْجُوْرًا یعنی جنت کافروں پر حرام اور ممنوع ہے۔ (مظہری)

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا یہاں کار خیر سے وہ کار خیر مراد ہیں جن کا وجود نیت پر موقوف نہیں ہے جیسے مہمان نوازی، صلہ رحمی، حسن معاشرت، مظلوم کی مدد اور فریاد رسی، اس قسم کے اعمال خیر کا بدلہ، دنیا ہی میں مثلاً صحت وتندرستی، مالداری، خوشحالی، حسن وخوبصورتی، عقل ودانشمندی کے صورت میں دیدیا جاتا ہے، کافروں نے بزعم خویش دنیا میں اعمال کئے ہونگے اور آخرت میں ان کے اجر کی توقع رکھتے ہونگے وہ قیامت کے دن ان ذروں کے مانند کہ جو سورج کی کرنوں میں محسوس کرتے ہیں بے حیثیت ہوں گے، یہاں کافروں کے اعمال خیر کو جس طرح بے حیثیت ذروں کے مثل کہا گیا ہے، اسی طرح دوسرے مقامات پر کہیں راکھ سے، کہیں سراب سے اور کہیں صاف چکنے پتھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تشقق السماء بالغمام ای عن الغمام معنی یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اس میں سے ایک رقیق بادل اترے گا جس میں فرشتے ہوں گے، یہ ابر بشکل سائبان آسمان سے آئے گا اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے، یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا، اس لئے کہ یہ نزول غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا جب کہ سب زمین وآسمان درست ہو چکے ہوں گے۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اَتخذ فلانًا خليلاً یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے مگر حکم عام ہے، واقعہ یہ تھا کہ عقبہ ابن معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا اس کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معزز لوگوں کی دعوت کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے تعلقات تھے ایک مرتبہ اس نے حسب عادت معززین شہر کی دعوت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا جب اس نے آپ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہیں کھا سکتا، جب تک تم اس کی گواہی نہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، عقبہ نے یہ کلمہ پڑھ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق کھانا تناول فرمالیا۔

عقبہ کا ایک جگری دوست تھا اس کا نام ابی بن خلف تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ عقبہ مسلمان ہو گیا تو بہت برہم ہوا، عقبہ نے عذر کیا کہ قریش کے معزز مہمان محمد (ﷺ) میرے گھر پر آئے تھے اگر وہ بغیر کھانا کھائے میرے گھر سے واپس چلے جاتے تو میرے لئے بڑی رسوائی کی بات تھی اس لئے میں نے ان کی خاطر یہ کلمہ پڑھ لیا، ابی بن خلف نے کہا میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہیں کروں گا جب تک تو جا کر ان کے منہ پر نہ تھوکے، یہ کمبخت دوست کے کہنے سے اس گستاخی پر آمادہ ہو گیا اور کر گذرا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان دونوں کو ذلیل کیا کہ غزوہ بدر میں دونوں مارے گئے (بغوی) اور آخرت میں ان کے لئے عذاب کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ جب آخرت کا عذاب سامنے دیکھے گا تو اس وقت ندامت وافسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کاش میں فلاں یعنی ابی بن خلف کو دوست نہ بناتا۔ (مظہری)

نکتہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے لئے کلمہ پڑھنے کی شرط لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کام

کے لئے اخلاقی دباؤ ڈالنا درست ہے جیسا کہ بعض اوقات مبلغین حضرات دعوت قبول کرنے کے لئے خدا کے راستہ میں نکلنے کی شرط لگا دیتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ برے شخص کی دوستی اور صحبت سے بھی اجتناب کرنا چاہئے اس لئے کہ بری صحبت کا اثر جلدی ہوتا ہے، مسند احمد، ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاْکُلُ مَالَكَ الاتقی غیر مومن کو اپنا دوست نہ بناؤ اور تمہارا مال (بطور دوستی) صرف متقی آدمی کھائے یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المرءُ علٰی دینِ خلیْلِہٖ فلینظُرْ من یخالل ہر آدمی (عادۃ) اپنے دوست کے طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

وَقَالَ الرسول یٰرَبِّ اِنَّ قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجورًا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے شکایت کریں گے اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو مہجور متروک کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شکایت قیامت کے روز ہوگی یا اسی دنیا میں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے احتمال دونوں ہیں اگلی آیت بظاہر اس کا قرینہ ہے کہ یہ شکایت دنیا ہی میں پیش فرمائی تھی جس کے جواب میں آپ کو تسلی دینے کے لئے اگلی آیت میں فرمایا كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نبیٍّ (الآیۃ)

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ (الآیۃ) اللہ اور رسول کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بے سروپا اور نہایت غیر معقول اعتراض کرتے تھے، کہتے تھے کہ صاحب دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، کیا اللہ کو کچھ سوچنا پڑتا ہے؟ اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ سوچ کر بناتے ہیں پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی حکمت

اول حکمت تو یہ بیان فرمائی کہ بتدریج نازل کرنے میں یہ حکمت ہے کہ وقتاً فوقتاً قرآن کے نزول سے آپ کے قلب کو تقویت رہے اور دربار خداوندی سے مسلسل رابطہ رہے، دوم یہ کہ بتدریج نزول کی وجہ سے یاد کرنے میں آسانی ہو، تیسرے یہ کہ اگر کفار آپ پر کوئی نیا اعتراض کریں تو اس کا جواب بروقت نازل کر دیا جائے اور آپ کو تسلی بھی دیدی جائے، اور اگر پورا قرآن ایک ہی دفعہ آگیا ہوتا اور اس خاص اعتراض کا جواب اور آپ کے لئے تسلی نازل ہو بھی گئی ہوتی تو بہر حال اس کو قرآن میں تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی اور بروقت اس کی طرف ذہن کا متوجہ ہونا بھی ضروری نہیں، ان حکمتوں کے علاوہ بھی حکمتیں ہو سکتی ہیں ان میں انحصار ضروری نہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا مُعِيْنًا فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اَىِ الْقِبْطِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ فَذَهَبَا اِلَيْهِمْ بِالرِّسَالَةِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا اَهْلَكْنَاهم اِهْلَاكًا وَاذْكُرْ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ بِتَكْذِيْبِهِمْ نُوْحًا لِطُوْلِ لُبْثِهٖ فِيْهِمْ فَكَاَنَّهٗ رُسُلٌ اَوْ لِاَنَّ تَكْذِيْبَهٗ تَكْذِيْبٌ لِبَاقِى الرُّسُلِ لِاشْتِرَاكِهِم فِى المَجِيْئِ بِالتَّوْحِيْدِ اَغْرَقْنٰهُمْ جَوَابُ لما وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ بَعْدَهم اٰيَةً عِبْرَةً وَاَعْتَدْنَا فِى الاٰخِرَةِ لِلظّٰلِمِيْنَ الكافِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا مُؤْلِمًا سِوىٰ ما يَحُلُّ بهم فِى الدُّنيا وَاذكر عَادًا قَوْمَ هُوْد وَّثَمُوْدَ قومَ صالحٍ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ اِسْمِ بئرٍ ونَبِيُّهم قيلَ شعيبٌ وقيل غيره كانوا قُعودا حَولها فانهارَتْ بهم وبمنازِلِهم وَقُرُوْنًا اَقْوَامًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا اى بين عادٍ واصحٰب الرَّسِّ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ فِى اِقامة الحُجةِ عليهم فلم نُهلكْهم الابعْدَ الإنذار وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا اَهلكنا اِهْلاكا بتكذيبهم انبياءَ هم وَلَقَدْ اَتَوْا مَرُّوا اى كفار مكةَ عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِىْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ مصدرُ ساء اى بالحجارة وهى عُظمٰى قُرى قَوْمِ لوطٍ فَاَهلكَ اللّٰهُ اَهلَها لِفعلِهم الفاحشة اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا فى سَفرهم الى الشَّام فيعتبرون والاستفهام للتقرير بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ يَخَافُوْنَ نُشُوْرًا بَعْثًا فلا يؤمنون وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ مَا يَتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا مَهْزُوًّا به يقولون اَهٰذَا الَّذِىْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا فى دعواه مُحتقِرِينَ له عَن الرِّسالةِ اِنْ مخففة مِن الثَّقيلةِ واسمُها محذوف اى انه كَادَ لَيُضِلُّنَا يُصْرِفنا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا لَصَرفنا عنها قال تعالى وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ عِيانا فى الاٰخرةِ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا اخطأُ طريقا أهُم اَمِ المُؤمنونَ اَرَاَيْتَ اَخبرنى مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ اى مَهوِيَّه قُدِّم المفعولُ الثانى لِاَنّه اَهمُّ وجملةٌ من اتَّخذ مفعُولٌ اَوَّلُ لِرايتَ والثانى اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا حافظا تحفظه عن اِتِّبا ع هواه لا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ سَماع تفهُّم اَوْ يَعْقِلُوْنَ ماتقول لهم اِنْ ما هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا اخطأُ طريقاً منها لأنها تنقاد لمن يَتَعهَّدها وَهُمْ لا يُطِيْعُوْنَ مولاهم المُنعِم عليهم. ع

ترجمہ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات عطا کی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو وزیر (یعنی) معین بنادیا اور ہم نے دونوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری دلیلوں کو جھٹلایا ہے یعنی قبطیوں کی طرف جو کہ

فرعون اور اس کی قوم ہے چنانچہ (یہ دونوں) پیغام لیکر ان کے پاس گئے مگر ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو تہس نہس کر دیا (یعنی) پوری طرح ہلاک کر دیا اور قوم نوح کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے (تمام) رسولوں کی تکذیب کی نوح علیہ السلام کی تکذیب کر کے، نوح علیہ السلام کے ان کے درمیان زمانہ دراز تک قیام کرنے کی وجہ سے، گویا کہ حضرت نوح علیہ السلام کئی رسول تھے (یعنی بمنزلہ کئی رسولوں کے تھے) یا اس لئے (رُسُلَ جمع کا صیغہ استعمال کیا) کہ حضرت نوحؑ کی تکذیب گویا کہ باقی رسولوں کی تکذیب ہے اس لئے کہ توحید کے لانے میں سب مشترک ہیں تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور بعد کے لوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا اور ہم نے آخرت میں ظالموں کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یعنی تکلیف دہ، اس عذاب کے علاوہ جو دنیا میں ان پر نازل ہوگا اور ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا اور اصحاب الرس کا تذکرہ کیجئے، رَسّ ایک کنوئیں کا نام ہے اور ان کے نبی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ شعیب تھے اور کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ تھے، کنوئیں کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے وہ کنواں ان کے اور ان کے مکانوں کے ساتھ دھنس گیا اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی قوموں کا یعنی عاد اور اصحاب الرس کے درمیان اور ہم نے ہر ایک کے لئے عمدہ عمدہ مضامین بیان کئے ان پر حجت قائم کرنے کے لئے ہم نے ان کو تنبیہ کے بعد ہی ہلاک کیا، پھر ہم نے ہر ایک کو پوری طرح ہلاک کر دیا، ان کے اپنے انبیاء کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اور وہ یعنی کفار مکہ اس بستی کے پاس سے گذرتے ہیں جس پر بدترین بارش برسائی گئی السَّوْءِ سَاءَ کا مصدر ہے یعنی پتھروں کی بارش برسائی گئی اور وہ بستی قوم لوط کی بستیوں میں سب سے بڑی بستی (سدوم) تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کو ان کی بدفعلی کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو کیا یہ لوگ اپنے شام کے سفر میں اس (بستی) کو نہیں دیکھتے کہ عبرت حاصل کریں اور استفہام تقریری ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونے کا اندیشہ ہی نہیں رکھتے یہی وجہ ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا تمسخر کرنے لگتے ہیں یعنی آپ کا مذاق بناتے ہیں، کہتے ہیں کہ کیا یہی ہیں وہ صاحب جن کو اللہ نے بزعم خویش رسول بنا کر بھیجا ہے (مرتبہ) رسالت سے آپ کو کمتر سمجھتے ہوئے اِنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّهٗ اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے تو یقیناً ہم ان سے پھر جاتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جلدی ہی ان کو معلوم ہو جائے گا جب وہ عذاب کو آخرت میں کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ کون شخص گمراہ تھا؟ یعنی غلط راستہ پر تھا وہ یا مومنین؟ کیا آپ نے اس شخص (کی حالت) دیکھی کہ جس نے خواہشات نفسانی یعنی پسند کی چیزوں کو اپنا معبود بنا لیا؟ مفعول ثانی کو اہم ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ جملہ ہو کر رَاَيْتَ کا مفعول اول ہے اور اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا مفعول ثانی ہے، کیا آپ ایسے شخص کے ضامن ہو سکتے ہیں؟ یعنی کیا آپ ایسے ہوا پرست کی اتباع ہوا سے حفاظت کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟ نہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سمجھنے کے لئے سنتے ہیں یا جو آپ ان

سے کہتے ہیں اسے سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ میں یعنی جانوروں سے بھی ان کا برا حال ہے اس لئے کہ جو شخص ان (جانوروں) کی نگہداشت کرتا ہے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور یہ اپنے مولائے محسن کی اطاعت نہیں کرتے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ آتینا ای وباللہِ لَقَدْ آتینا **وَزِیْرًا** وِزْرٌ صفت مشبہ، مددگار، ناصر، معین **قولہ** ای القبط القبط، القوم سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، فرعون وقومہ قبط کا بیان ہے **قولہ فدمّرناھم** کا عطف فَذْھَبَا الیھم محذوف پر ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے، شارحؒ نے قوم نوح کو اذکر فعل محذوف کا مفعول قرار دیا ہے، اور لمّا کو شرطیہ مان کر اغرقنٰھم کو جواب شرط قرار دیا ہے، اور اگر لمّا کو ظرفیہ مانا جائے تو یہ ماأضمر علی شریطة التفسیر کے قبیل سے بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَغرقنا قوم نوح لمّا کذبوا الرُّسلَ اغرقنٰھم اگر لمّا کو شرطیہ مانیں تو ماأضمر کے قبیل سے نہیں ہوگا اس لئے کہ جواب لمّا کسی کے لئے مفسر نہیں ہوا کرتا۔ (جمل)

قولہ لطول لبثہٖ فیھم یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ کَذَّبُوْا الرُّسُلَ میں رُسُلُ کو جمع کیوں لائے ہیں حالانکہ نوح علیہ السلام تو ایک (واحد) ہے، شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا زمانہ اس قدر طویل ہے کہ اتنی مدت میں کئی نبی اور رسول آتے تو گویا کہ حضرت نوح علیہ السلام زمانہ کے اعتبار سے کئی نبیوں کے قائم مقام ہیں، اور دوسرا جواب یہ دیا کہ تمام انبیاء توحید کے مسئلہ میں متفق ہیں اور توحید تمام انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے، لہٰذا ایک کی تکذیب وہ سب کی تکذیب ہے **قولہ جَعَلْنٰھم** ای اِغراقھم اَو قصّتھم **قولہ** للظّٰلمِین وُضِعَ الظاھر موضعَ المضمر، تسجیلاً علیھم بوصف الظلم ورنہ تو عبارت یوں ہوتی وَاعْتَدْنَا لَھُم **قولہ وکُلًّا** یہ عامل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور ما اضمر کے قبیل سے ہے اور ضربنا کے ہم معنی فعل کُلًّا سے پہلے محذوف ہے، مثلاً اَنذرنا کُلًّا ضربنَا لَہُ الاَمْثالَ اَمثالَ ان قصص عجیبہ اور عمدہ مضامین کو کہتے ہیں جو غرابت میں امثال کے مانند ہوں، **قولہ مَرّوا** شارح کا مقصد اس اضافہ سے ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ اَتَوْا متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے یا پھر اس کا صلہ الیٰ آتا ہے اور یہاں اس کا صلہ علیٰ استعمال ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اَتَوْا مَرُّوا کے معنی پر مشتمل ہے لہٰذا اس کا صلہ علیٰ لانا درست ہے، کما اَشارَ الیہ الشارح **قولہ مَطَرَ السَّوءِ اُمطِرت** کا مفعول مطلق ہے معنی میں الامطار کے ہے، اصل عبارت یہ ہے اُمطِرَتِ القومُ مَطَرَ السوءِ والسَّوْءِ بمعنی حِجارۃ ہے ای رُمِیَتْ بالحجارۃِ **قولہ مَھْزُوًّا بہٖ** یہ اشارہ ہے کہ

هُزُوًا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے **قوله** لَصَرَفْنَا عَنْهَا یہ لَوْلَا کا جواب ہے جو محذوف ہے **قوله** مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا، مَن استفہامیہ مبتداء اَضَلُّ اس کی خبر اور سَبِیْلًا اس کی تمیز، یہ سب جملہ ہو کر قائم مقام یعلمون کے دو مفعولوں کے ہے یعلمون کو عمل سے معلق کر دیا گیا ہے تاکہ من استفہامیہ کی صدارت باطل نہ ہو جائے، **قوله** اَرَاَیْتَ اخبرنی مَنْ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ اہمیت کے پیش نظر مفعول ثانی کو مقدم کر دیا گیا ہے، اصل عبارت یہ ہے مَنْ اتَّخَذَ هَوَاهُ اِلٰهًا کما تقولُ علمتُ منطلقاً زیدًا اصل میں تھا علمتُ زیدًا منطلقاً.

تفسیر وتشریح

قوله اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ کہ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے، یہاں تکذیب آیات سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ آیات تورات تو مراد ہو نہیں سکتی، اس لئے کہ تورات کا نزول غرق فرعون کے بعد ہوا ہے، لہٰذا آیات سے مراد یا تو توحید کے دلائل عقلیہ ہیں جو پوری کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، جو ہر انسان کو اپنی عقل کے مطابق سمجھ میں آسکتے ہیں، ان میں غور نہ کرنے کو تکذیب آیات فرمایا، یا تکذیب سے مراد کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کی تکذیب مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول **وقوم نوح لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ** یہاں رُسُل سے مراد ایک توجیہ کے اعتبار سے انبیاء سابقین مراد ہیں جو کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے گذر چکے تھے جیسے کہ حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس، اسی طرح یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے انبیاء کی تکذیب مراد ہے، اور تکذیب سے مراد ان پر ایمان نہ لانا ہے۔

قومَ نوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ قوم نوح کا بہت رسولوں کو جھٹلانے سے مراد یہ ہے کہ قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کے اصول دین مثلاً توحید، بعث بعد الموت وجزاء وسزاء کی تکذیب کی اور اصول دین چونکہ تمام انبیاء کے مشترک ہیں اس لئے ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب ہے۔

اَصْحٰبُ الرَّسِّ رَسّ کچے کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی مَن پختہ نہ بنی ہو، اصحٰبُ الرس کے حالات کی تفصیل نہ تو قرآن میں مذکور ہے اور نہ صحیح احادیث میں ان کا تذکرہ ہے، اسرائیلی روایات اس میں مختلف ہیں، راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قوم ثمود کے کچھ باقی ماندہ لوگ تھے جو کسی کنوئیں کے اطراف آباد تھے اور بت پرستی کیا کرتے تھے، ان کی طرف جس نبی کو مبعوث کیا گیا تھا ان کا نام بعض حضرات نے شعیب اور بعض نے حنظلہ بن صفوان بتایا ہے، ان کے نبی نے ان کو بہت اچھی طرح قسم قسم کی مثالیں دے کر سمجھایا مگر کسی نے نہ مانا اس کے برخلاف نبی کی ایذاء رسانی پر کمر بستہ ہو گئے جب یہ لوگ کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تختہ الٹ دیا اور یہ سب کے سب مع مال و دولت اور مویشیوں کے زمین میں دھنسا دیئے گئے۔

یہ اہل مکہ ملک شام آتے جاتے قوم نوح عاد وثمود کی بستیوں کے کھنڈرات وخرابات پر ہو کر گذرتے ہیں مگر ان قوموں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کرتے، عبرت کہاں سے حاصل ہو؟ جبکہ عبرت کی نظر سے ان خرابات کو دیکھتے ہی نہیں ہیں اور عبرت ونصیحت کی نظر سے تو وہ شخص دیکھتا ہے جس کو مرنے کے بعد آخرت کی زندگی کا تصور ہو، جس کے نزدیک مرنے کے بعد زندہ ہونے کا تصور ہی نہ ہو اس کو عبرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے، عبرت حاصل کرنا تو دور کی بات ہے ان کا مشغلہ یہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ آپ کو دیکھ کر استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا یہی وہ بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں یہی رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے، قوت فصاحت اور زور تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں وہ تو ہم پکے ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا ورنہ یہ ہم سب کو بھی گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ)

عذاب الٰہی کو جب یہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو معلوم ہو گا حقیقت میں کون گمراہ تھا؟ آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری لے سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو جدھر خواہش لے گئی ادھر منہ اٹھا کر چل دیئے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی اور جو مخالف ہوئی رد کر دی آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا سے پوجنے لگے، کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو پھینک دیا اور دوسرے کے آگے سر جھکانے لگے۔

اَمْ تَحْسَبُ آپ انہیں کیسی ہی نصیحتیں سنائیے یہ تو جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں انہیں سننے اور سمجھنے سے کیا واسطہ، بلکہ چوپائے تو بہر حال اپنی نگہداشت کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اور اپنے محسن کو پہچانتے ہیں اس کی آواز پر دھیان دیتے ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق ومالک کا حق پہچانا اور نہ اس کے احسانات کو سمجھا، اگر ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بے شمار نشانیاں تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور تنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ اِلٰی فِعلِ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ مِن وَقتِ الإسفارِ الٰى وقتِ طُلوعِ الشمسِ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا مُقِيما لايَزُوْلُ بطُلوعِ الشمسِ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ اى الظلِّ دَلِيْلًا فلَولا الشمسُ ماعُرِفَ الظِلُّ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اى الظِّلَّ الممدودَ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا خَفيا بطُلوعِ الشمسِ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا ساترا كاللباسِ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا راحةً للابدانِ بقطعِ الاعمال وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا منشورا فيه لِابْتِغاءِ الرِّزقِ وغيره وَهُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ وفى قراءة الريح بُشْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ اى مُتَفَرِّقَةً قُدامَ المطرِ وفى قِراءةٍ بِسُكونِ الشِّينِ تخفيفا

وفی قراءةٍ بسُكونها وفَتحِ النُّونِ مصدرًا وفِی اُخرىٰ بسُكُونها وضمّ الموحدة بَدَلَ النُّون ای مُبَشِّرَاتٍ ومُفرد الأولٰی والثانیة نشور كرسول والاخِیرة بشیر وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لا مُطَهِّرا لِنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا بالتخفیف یستوی فیه المُذكر والمؤنّث اَو ذكرهٗ باعتبار المكان وَنُسْقِيَهٗ ای الماء مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا اِبلا وبقرا وغنما وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ○ جمع انسان واَصلهُ اَنَاسِین فأبدلت النون یاءً واُدغمت فیها الیاءُ او جمع اِنْسِی وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ ای الماء بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا اَصلُه یتذكّروا اُدغِمَت التاءُ فی الذّالِ وفی قِراءةٍ لیذكروا بسكون الذّال وضم الكافِ ای نعمةَ اللّٰهِ به فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ○ جحُودًا للنّعمة حیث قالوا مُطرنا بنوءِ كذا وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ○ یُخوّف اهلها ولكن بعثناكَ اِلى اَهلِ القُرى كلّها نذیرا لیَعظُم اَجرُك فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ فی هَواهم وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ ای القُران جِهَادًا كَبِيْرًا ○ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ اَرسلهما متجاورَین هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ شدیدُ العُذوبة وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ج شدیدُ الملوحة وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا حاجزا لا یختلطُ احدُهما بالاٰخر وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ ای سِترا ممنوعًا به اختلاطُهما وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا من المنی انسانا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا ذا نسبٍ وَّصِهْرًا ط ذا صِهرٍ باَن یتزوجَ ذكرًا كان او انثٰی طلبًا للتناسُل وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا قادرا علٰی مَا یَشآء وَيَعْبُدُوْنَ ای الكفارُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُهُمْ بعبادتِه وَلَا يَضُرُّهُمْ ط بتركِها وهو الاصْنام وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ○ مُعینا للشّیطان بطاعتِه وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا بالجنة وَّنَذِيْرًا ○ ج مخوفا من النار قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ ای علٰی تبلیغ ما اُرسلتُ به مِنْ اَجْرٍ اِلَّا لٰكِنْ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ طریقا بانفاقِ مالٍ فی مَرضاتِه تعالٰی فلا اَمنعُه مِن ذٰلك وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ ط ای قل سُبحان اللّٰهِ والحمد للّٰهِ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ○ ج عالما تعلّق به بذنوبِ هو ۨالَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ مِن اَیّام الدُّنیا ای فی قدرِها لانّه لم یكن ثَمَّ شَمْس ولو شاء لخلقهن فی لَمحةٍ والعُدولُ عنه لِتعلیم خلقِه التَّثَبُّتَ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ج هو فی اللُّغة سَریر المَلِك اَلرَّحْمٰنُ بَدلٌ من ضمیرِ استوٰی ای استواءً یَلِیق به فَسْئَلْ ایها الإنسان به بالرحمن خَبِيْرًا ○ یُخبرك بصفاتِه وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ لِكفارِ مكةَ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ق اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا بالفوقانیةِ والتحتانیة والاٰمِرُ محمد ولانعرفه لا وَزَادَهُمْ هٰذا القول لهم نُفُوْرًا ○ ج عن الایمان. ع ۵

ترجمہ

کیا تو اپنے رب کی صنعت کو نہیں دیکھتا وقت اسفار سے طلوع شمس کے وقت تک اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا، یعنی ساکن رکھتا جو طلوع شمس سے زائل نہ ہوتا پھر ہم نے سورج کو اس سایہ پر دلیل بنایا اگر سورج نہ ہوتا تو سایہ کی شناخت نہ کی جاتی پھر ہم نے اس کو یعنی پھیلے ہوئے سایہ کو اپنی طرف بتدریج سمیٹ لیا یعنی طلوع شمس کی وجہ سے شیئاً فشیئاً اور وہ ایسا ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات کو لباس یعنی لباس کے مانند ساتر بنایا اور نیند کو قطع کرنے والی یعنی جسموں کے لئے اعمال کو موقوف کر کے راحت کی چیز بنایا اور دن کو منتشر ہونے کا وقت بنایا اس میں رزق وغیرہ حاصل کرنے کے لئے اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں اور ایک قرأت میں (الریاح کے بجائے) الریح ہے یعنی بارش سے پہلے پھیلتی ہوئی (ہوائیں) اور ایک قرأت میں نُشْرًا میں شین کے سکون کے ساتھ ہے تخفیف کے لئے اور ایک قرأت میں شین کے سکون اور نون کے فتحہ کے ساتھ ہے (نَشْرًا) مصدر ہے اور دوسری قرأت میں شین کے سکون اور نون کے بجائے با کے ضمہ کے ساتھ (یعنی بُشْرًا ہے خوشخبری دینے والی، (پہلی قرأۃ یعنی نُشُرًا) کا مفرد نشورٌ ہے، جیسا کہ رُسُلٌ کا واحد رَسُوْلٌ ہے (اور اسی طرح ثانی قرأۃ یعنی نُشْرًا) کا مفرد ہے، اور قرأت اخیرہ یعنی بُشْرًا کا واحد بشیرٌ ہے اور ہم آسمان سے پاک یعنی پاک ۔ ۔ ۔ ۔ کرنے والا پانی برساتے ہیں تاکہ ہم اس کے ذریعہ خشک زمین کو سرسبز اور شاداب کریں مَیْتًا تخفیف کے ساتھ ہے، بَلْدَةً میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں، یا بلدۃ کی صفت مَیْتًا کو اس لئے مذکر لایا گیا ہے کہ بلدۃ کو مکان کی تاویل میں کر لیا ہے اور ہم وہ پانی اپنی مخلوق میں سے (بہت سے) چوپایوں (مثلاً) اونٹ، گائے، اور بکریوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں، اَنَاسِیَّ انسان کی جمع ہے اَنَاسِیَّ کی اصل اَنَاسِین تھی نون کو یا سے بدلا اور یا کو یا میں ادغام کر دیا اَنَاسِیُّ ہو گیا، یا پھر اَنَاسی اِنسیٌّ کی جمع ہے اور ہم اس پانی کو مخلوق کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ لوگ غور و فکر کریں یَذَّکَّرُوْا کی اصل یَتَذَکَّرُوْا تھی تا کو ذال میں ادغام کر دیا اور ایک قرأۃ میں لِیَذْکُرُوْا ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی تاکہ بارش (پانی) کے سبب سے اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں پھر اکثر لوگ ناشکری ہی کرتے رہے یعنی نعمت کے منکر رہے، اس طرح سے کہ وہ کہتے تھے کہ فلاں ستارے کے طلوع (یا غروب) ہونے کی وجہ سے ہم کو بارش دی گئی اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا (پیغمبر) بھیج دیتے جو اس بستی والوں کو ڈراتا لیکن ہم نے آپ کو تمام بستی والوں کی جانب نذیر بنا کر بھیجا تاکہ آپ کا اجر زیادہ ہو لہٰذا آپ کافروں کا ان کی خواہشات میں اتباع نہ کریں اور آپ ان کے ساتھ قرآن کے ذریعہ پوری طاقت سے جہاد کریں اور وہ ایسا ہے کہ جس نے دو دریا ملا کر جاری کئے ہیں جن میں ایک میٹھا مزیدار یعنی نہایت شیریں ہے اور دوسرا نمکین اور کڑوا یعنی نہایت شور ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب آڑ ہے تاکہ ایک دوسرے سے نہ مل سکے اور قوی مانع رکھ دیا یعنی ایسا مانع کہ جس کی وجہ سے ان دونوں

دریاؤں کا ملنا ممنوع ہو گیا وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے انسان کو پانی یعنی منی سے پیدا کیا پھر اس کو صاحب نسب (خونی رشتہ والا) اور صاحب صہر (سسرالی رشتوں والا) بنایا بایں طور کہ وہ افزائش نسل کے لئے نکاح کرتا ہے مذکر ہو یا مؤنث، اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے جو وہ چاہے اس پر قادر ہے اور یہ لوگ یعنی کافر اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں کہ جو ان کی بندگی کی وجہ سے نہ ان کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ ترک بندگی پر نقصان پہنچانے پر قادر ہیں، اور وہ بت ہیں اور کافر تو اپنے رب کی مخالفت میں شیطان کا مددگار ہے ہی شیطان کی اطاعت کر کے اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ آپ جنت کی خوشخبری سنائیں اور نار جہنم سے ڈرائیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس چیز کی تبلیغ پر جس کو میں دیکر بھیجا گیا ہوں کوئی معاوضہ نہیں چاہتا مگر یہ کہ جو چاہے اپنے رب کی مرضیات میں مال خرچ کر کے اپنے رب تک (رسائی) کا راستہ اختیار کرے تو میں اس کو اس سے منع نہیں کرتا اور آپ اس حی لا یموت پر توکل رکھئے اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہئے، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے بخوبی واقف ہے، بذنوب خبیرًا سے متعلق ہے اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا دنیا کے دنوں کے حساب سے یعنی ان کی مقدار میں اس لئے کہ اس وقت سورج نہیں تھا، اور اگر وہ چاہتا تو ان کو ایک لمحہ میں پیدا کر دیتا، اب رہا اپنی اس قدرت سے عدول تو یہ اپنی مخلوق کو جلدی نہ کرنے (اور نرمی) کی تعلیم کے لئے ہے پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا عرش لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں وہ رحمٰن ہے رحمٰن استوٰی کی ضمیر سے بدل ہے، اور استویٰ سے وہ استویٰ مراد ہے جو اس کی شایان شان ہے تو رحمٰن (کی شان) کے بارے میں کسی واقف کار سے دریافت کر وہ تجھے اس کی صفات کے بارے میں بتائے گا اور جب کفار مکہ سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو تو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے تامرنا تا اور یا دونوں کے ساتھ ہے اور فاعل محمد ہیں، حال یہ ہے کہ ہم اس (رحمٰن) کو نہیں جانتے، ہم ایسا نہیں کریں گے، اس قول نے ان کو ایمان سے اور زیادہ نفرت کرنے والا بنا دیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَلَمْ تَرَ تنظر، تَنْظُر سے رویت بصری کی طرف اشارہ ہے نیز اس کی تائید الیٰ سے بھی ہو رہی ہے اس لئے کہ رویت بصری کا صلہ الیٰ آتا ہے، **قولہ** اِلٰی رَبِّکَ میں مضاف محذوف ہے اس لئے کہ ذات باری کی رویت دنیا میں ممکن نہیں ہے اس لئے تقدیر عبارت یہ ہوگی اَلَمْ تَرَ اِلٰی صنیعِ رَبِّکَ اور بعض حضرات نے رویت سے رویت قلبی بھی مراد لی ہے اور اَلَمْ تَرَ معنی میں اَلَمْ تَعلَمْ کے لیا ہے اور مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر وہ شخص ہے جو کائنات عالم میں غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں اپنے منفرد بالالوہیۃ ہونے پر پانچ دلیلیں از قبیل

محسوسات بیان فرمائی ہیں (۱) اَلَمْ تَرَ کیفَ مَدَّ الظِّلَّ (۲) ھو الَّذِیْ جَعَلَ لکُم اللَّیلَ لباسًا (۳) ھو الَّذِی اَرْسلَ الرِّیَاحَ (۴) ھو الَّذِیْ مرجَ البحرینِ (۵) ھو الَّذِی خلَقَ من الماءِ بشرًا **قوله** من وقت الاسفار الٰی وقت طلوع الشمس مفسرؒ کے لئے زیادہ مناسب تھا کہ ای من طلوع الفجرِ الٰی طلوعِ الشمس کہتے اور اگر مطلق رکھتے اور کسی بھی قید کے ساتھ مقید نہ کرتے تو اور زیادہ بہتر ہوتا اس لئے کہ رات میں تو زمین کا ظل ہوتا ہے دن میں اشجار وغیرہ کا ظل ہوتا ہے، اسفار کو شاید سہانا وقت ہونے کی وجہ سے خاص کیا ہو، کَیْفَ مَدَّ الظِّلّ کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں (۱) من الفجرِ الٰی الشمسِ (۲) من المغرب الٰی طلوعِ الشمس (۳) من طلوع الشمسِ الٰی زوال الشمس صاحب بحر نے پہلے قول کو جمہور کا قول نقل کیا ہے، اور مفسر علام نے جو تفسیر فرمائی ہے وہ دیگر مفسرین کے موافق نہیں ہے (صاوی وجمل) **قوله** جَعَلَ لَكُمُ اللَّيلَ لِبَاسًا اس میں لیل کو لباس سے تشبیہ دی ہے وجہ شبہ ساتر ہونا ہے حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا ہے اس کو تشبیہ بلیغ کہتے ہیں، جیسے زیدٌ اسدٌ میں تشبیہ بلیغ ہے **قوله** بُشْرًا اس میں چند قرأتیں ہیں، مفسر علام کے سامنے قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے کہ جس میں بُشْرًا کے بجائے نُشْرًا ہے اس میں چار قرأتیں ہیں نُشْرًا، نُشُرًا، نَشْرًا، بُشْرًا پہلی اور دوسری نَشُوْرٌ کی جمع ہیں جیسا کہ رسُوْلٌ کی جمع رُسُلٌ اور رُسْلٌ آتی ہے اور تیسری یعنی نَشْرًا یہ مصدر ہے جس میں واحد اور جمع برابر ہیں اور چوتھی یعنی بُشْرًا بشیرٌ کی جمع ہے خوشخبری دینے والا، **قوله** مفرد الاولٰی ای والثانیة یعنی مفسر علام کو اولیٰ کے ساتھ والثانیة بھی کہنا چاہئے تھا اس لئے پہلی اور دوسری قرأت کا واحد ایک ہی ہے اور وہ ہے نَشُوْرٌ اور چوتھی قرأت یعنی بُشْرا کا واحد بشیرٌ ہے **قوله** مَیْتًا مَیْت اور مَیِّتْ میں فرق یہ ہے کہ میْت اس کو کہتے ہیں جو مر چکا ہو اور میت اسے کہتے ہیں جو مرنے والا ہو یا مرنے کے قریب ہو **قوله** یستوی فیه المذکر والمؤنث یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ بَلْدَةٌ موصوف اور مَیْتًا اس کی صفت ہے مَیْتًا کے بجائے مَیْتَةً ہونا چاہئے تھا تاکہ موصوف اور صفت میں مطابقت ہو جاتی، اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ مَیْت کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے، دوسرا جواب وَذَکَّرَہٗ باعتبار المکان مفسر علام کو واو کے بجائے اَوْ کہنا چاہئے تھا تاکہ دوسرے جواب کی طرف اشارہ ہو جاتا، دوسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے بَلْدَةٌ، مکان کی تاویل میں ہے لہٰذا میتًا لانا درست ہے **قوله** ونُسْقِیَه اس کا عطف نُحْیِیَ پر ہے **قوله** اَنْعَامًا یہ نُسْقِیَهٗ کا مفعول ثانی ہے اور خَلَقْنَا پر اَنعامًا مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہے ورنہ تو خَلَقْنَا اَنْعَامًا کی صفت ہے، قاعدہ ہے کہ موصوف اگر نکرہ ہو اور اس کی صفت کو مقدم کر دیا گیا ہو تو وہ حال ہو جاتی ہے **قوله** اَنَاسِیَّ یہ انسانٌ کی جمع ہے یہ سیبویہ کا مذہب اور یہی راجح ہے اور بعض نے کہا ہے اِنسِیّ کی جمع ہے یہ فراء کا مذہب ہے اور یہ اعتراض سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اِنسِیٌّ میں یا نسبتی ہے اور جس میں یا نسبتی ہوتی ہے اس کی جمع فعالیٌّ کے وزن پر نہیں آتی، جیسا کہ ابن مالک نے فرمایا وَاجْعَلْ فَعَالِیَّ لغیرِ

ذِی نَسَبٍ، **قولہ** وَلَقَدْ صَرَّفْنَاہُ ای وَاللّٰہِ لقد صرّفناہُ ای الماء مفسر علام نے صَرَّفْنَاہُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع ماء قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے بارش کو مختلف شہروں اور علاقوں میں مقدار کے اعتبار سے تقسیم کر دیا اسی طرح صفت کے اعتبار سے بھی تقسیم کر دیا کہیں موسلا دھار ہوتی ہے تو کہیں ہلکی، اسی طرح مختلف اوقات میں تقسیم کر دی، حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے، بعض حضرات نے صَرَّفْنَاہُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن کو قرار دیا ہے اور اس کا قرینہ جاھِدْھُمْ بہ کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے المطر کو مرجع قرار دیا ہے، صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، قرآن کو مرجع قرار دینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اس قرآن میں مختلف امثال وعنوان سے عمدہ عمدہ مضامین بیان کئے اور مختلف حجج وبراہین سے لوگوں کو سمجھایا تاکہ وہ غور وفکر کریں (صفوۃ التفاسیر ملخصاً) **قولہ** اَلنَّوْءُ اس کی جمع اَنواء آتی ہے اس کے معنی مائل ہونے اور ساقط ہونے کے ہیں یقال ناء بہ الجملُ ای اَثقلَہٗ وأَمالَہٗ بوجھ نے اس کو گراں بار کر دیا اور جھکا دیا زمانہ جاہلیت میں عرب کواکب کو مؤثر حقیقی مانتے تھے اور سردی گرمی نیز بارش وغیرہ کی نسبت بعض نجوم کے طلوع یا غروب کی طرف کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ آخر شب میں جب ایک مخصوص تارہ جانب مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل مشرق میں اس کا حریف طلوع ہوتا ہے تو بارش ہوتی ہے، یہ لوگ اللہ کو مؤثر حقیقی نہ مان کر نجوم وکواکب کو مؤثر حقیقی مانتے تھے اسی لئے اس کو کفران سے تعبیر کیا ہے (روح البیان ملخصاً) **قولہ** مَرَجَ (ماضی باب نصر) مُرُوْجٌ آزاد چھوڑنا، جاری کرنا، فُرَاتٌ بہت شیریں خوش ذائقہ تسکین بخش (ک) اَلرَّحْمٰنُ رحمٰن کے مرفوع ہونے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں (۱) اَلَّذِیْ خلقَ الخ مبتداء کی خبر ہو (۲) ھو مبتدا، محذوف کی خبر ہو (۳) استوٰی کی ضمیر سے بدل ہو مفسرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے **قولہ** فاسْأَل بہ خبیرًا بہ خبیرًا سے متعلق ہے، رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے ای فسأل خبیرًا بہ یا اسئل سے متعلق ہے ای اسئل عنہُ خبیرًا یعنی رحمٰن کی صفات کے بارے میں عالم سے معلوم کر لے **قولہ** یُخْبِرُکَ بِصِفَاتِہٖ یہ جواب امر ہے۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ یہاں اللہ تعالیٰ پھر توحید کے دلائل کا آغاز فرما رہے ہیں، صبح صادق کے بعد سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہ سایہ ہی قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس کی وجہ سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف سمٹنے لگا اگر دھوپ نہ آتی تو ہم سایہ کو نہ سمجھ سکتے اس لئے کہ شئ اپنی ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے اور ہمیشہ سایہ ہی قائم رہ جاتا ہے۔

وَھو الَّذی ارسَلَ الرِّیحَ الخ یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار

چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، جب دن کا اجالا ہو جاتا ہے تو لوگ نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگتے ہیں، اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہاں اٹھ کھڑا ہوگا، اور یہی حالت اس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء کرام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں تو جہل و غفلت کی نیند میں سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ یعنی اول برساتی ہوئیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں پھر آسمان کی طرف سے پانی برساتا ہے جو کہ خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے، پانی پڑتے ہی مردہ زمین میں جان پڑ جاتی ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور کتنے جانور اور انسان بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بعض نے صَرَّفْنٰهُ میں ھا کا مرجع قرآن قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن میں عمدہ اور اعلیٰ قسم کے مضامین اور ضرب الامثال اور نصیحتیں مختلف عنوان سے بار بار بیان فرمائی ہیں تا کہ اہل عقل و دانش اس میں غور کریں اور خدا کی توحید کے قائل ہو جائیں اور بعض حضرات نے ھا کا مرجع بارش کو قرار دیا ہے، جیسا کہ مفسر علام کی رائے بھی یہی ہے مطلب یہ ہے کہ بارش کو ہم پھیر پھیر کر برساتے ہیں یعنی کبھی ایک علاقہ میں اور کبھی دوسرے علاقہ میں حتی کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہر کے ایک حصہ میں بارش ہوتی ہے اور دوسرے حصہ میں نہیں ہوتی کبھی ایک علاقہ میں زیادہ ہوئی اور دوسرے علاقہ میں کم، اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے، یہ سب اس کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگ اس کی وحدت اور قدرت کے قائل ہو جائیں اور اس کی نعمت کے شکر گذار ہوں، لیکن بہت سے لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکریہ ادا نہیں کرتے، اسلئے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں، مثلاً یہ کہ بارش کو مشیت الٰہی کے بجائے ستاروں کی گردش یا کسی ستارے کے غروب و طلوع کا نتیجہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا الخ مطلب یہ ہے کہ نبی کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں اللہ اگر چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کردے کہ ہر بستی میں علیحدہ علیحدہ نبی ہو مگر اس کو منظور ہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہاں کے لئے اکیلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے تا کہ تمام نبیوں کا اجر آپ ہی کو ملے سو آپ کافروں کی احمقانہ طعن و تشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ کریں، اپنا کام پوری قوت اور تندہی سے انجام دیئے جائیں اللہ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ لفظ مَرَجَ آزاد چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے، اسی وجہ سے مَرَجْ چراگاہ کو کہتے ہیں جہاں جانور آزادی سے چل پھر کر چر سکیں، عَذْبٌ میٹھے پانی کو کہتے ہیں فرات خوش ذائقہ اور خوشگوار تسکین بخش کو کہتے ہیں مِلْحٌ نمکین کو کہتے ہیں اُجَاج تیز اور تلخ کو کہتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے فضل اور حکمت بالغہ سے دنیا میں دو قسم کے پانی پیدا فرمائے ہیں، بحر محیط جو کہ زمین کو چاروں

طرف سے گھیرے ہوئے ہے، زمین جو کہ کرۂ ارض کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ہے اور باقی تین حصہ پانی ہے بحر محیط کا پانی بتقاضائے حکمت نہایت نمکین اور بدمزہ ہے زمین کے آباد حصہ پر بارش کے پانی کے چشمے، ندیاں، نہریں اور بڑے بڑے دریا ہیں یہ سب میٹھے خوشگوار اور خوش ذائقہ ہیں انسان کو اپنے پینے اور روز مرہ کے استعمال کے لئے شیریں پانی کی ضرورت ہے، جو حق تعالیٰ نے زمین کے آباد حصہ میں مختلف صورتوں میں مہیا فرمایا ہے، لیکن بحر محیط کا پانی اگر شیریں ہوتا تو پوری دنیا میں تعفن پیدا ہو جاتا اور تمام جاندار تعفن اور بدبو کی وجہ سے مر جاتے، اسلئے کہ میٹھے پانی کا خاصہ ہے کہ بہت جلد سڑ جاتا ہے خصوصاً سمندر کہ جس کی مخلوق خشکی کی مخلوق سے کہیں زیادہ ہیں جو سمندر ہی میں مرتے گلتے سڑتے ہیں اور تمام روئے زمین سے بہہ کر جانے والی گندگیاں سب سمندر میں جا کر مل جاتی ہیں اگر سمندر کا پانی میٹھا ہوتا تو دو چار روز ہی میں سڑ جاتا جس کی بدبو سے نہ صرف یہ کہ اہل زمین کو بدبو کی وجہ سے رہنا مشکل ہو جاتا بلکہ فضا کی آلودگی کی وجہ سے کسی جاندار کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا، اس لئے حکمت خداوندی نے سمندری پانی کو اتنا نمکین اور کڑوا اور تیز بنا دیا کہ دنیا بھر کی گندگیاں اس میں جا کر بھسم ہو جاتی ہیں خود اس میں رہنے والی مخلوق جو اسی میں مرتی ہیں وہ بھی سڑنے نہیں پاتیں۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وہ ایسی قدرت والا ہے جس نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملایا جن میں ایک کا پانی نہایت شیریں تسکین بخش ہے اور دوسرے کا نمکین اور کڑوا، اختلاط صوری کے باوجود اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک حجاب اور قوی مانع رکھ دیا ہے، ان دو دریاؤں سے وہ مواقع مراد ہیں جہاں شیریں ندیاں سمندر میں جا کر گرتی ہیں، باوجودیکہ دونوں کی اوپری سطح ایک معلوم ہوتی ہے لیکن قدرت الٰہیہ نے ان کے درمیان ایک ایسی حد فاصل رکھ دی ہے کہ ملتقیٰ کی ایک جانب اگر پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری جانب جو کہ اول جانب سے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ دنیا میں جہاں بھی شیریں پانی کی ندیاں سمندر میں گرتی ہیں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دور تک شیریں اور کھارا پانی دور تک الگ الگ چلتے ہیں ان ہی مقامات میں سے ایک مقام آرکان اور چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے دونوں کے درمیان ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقیٰ ہے (معارف القرآن ملخصاً)

نسب سے وہ رشتہ داریاں مراد ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوتی ہیں اور صِہر سے وہ قرابتداریاں مراد ہیں جو شادی کے بعد بیوی کی طرف سے ہوں جس کو عرف میں سسرالی رشتے کہتے ہیں۔

قُلْ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ اے محمد آپ کہہ دیجئے کہ ایمان کی دعوت اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے کا میں تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا اور نہ اس میں میرا کوئی ذاتی فائدہ ہے، اگر میرا کوئی فائدہ ہے تو یہ کہ تم رب کا راستہ اختیار کر لو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص راہ مستقیم اختیار کرلے تو یہ اسی کا فائدہ ہے، اس فائدہ کو اپنا فائدہ قرار دینا یہ پیغمبرانہ

شفقت کی طرف اشارہ ہے کہ میں تمہارے فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھ رہا ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے اس کو اپنا فائدہ اس لحاظ سے فرمایا ہو کہ اس کا اجر آپ کو ملے گا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کے کہنے کے مطابق نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب خود کرنے والے کو بھی پورا پورا ملے گا اور اتنا ہی ثواب ہدایت کرنے والے شخص کو بھی۔ (مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن اور رحیم اللہ کی صفات اور اسماء حسنیٰ میں سے ہیں لیکن عرب اللہ کو ان ناموں سے نہیں جانتے تھے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوایا تھا تو مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتے، باسمك اللّٰہ لکھو۔

قال تعالٰی تَبٰرَكَ تعظّم الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا اثنی عشر الحملَ ، والثورَ ، والجوزاءَ ، والسرطانَ ، والاَسدَ ، والسُّنبلةَ ، والميزانَ ، والعقربَ ، والقوسَ ، والجَدْیَ ، والدَّلْوَ ، والحوتَ ، وهی منازل الكَوَاكِبِ السَّبْعةِ السيارة المرّيخ وله الحَمَلُ والعَقْربُ والزهَرة ولها الثورُ والميزانُ وعُطارِدُ وله الجوزاءُ والسُّنبُلَةُ والقمر وله السُّرطان والشمس وله الاَسَدُ والمشترى وله القَوْسُ والحُوتُ وزُحَل وله الجَدْیُ والدَّلْوُ وَّجَعَلَ فِيْهَا ايضا سِرَاجًا هو الشَّمْسُ وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا○ وفی قراءةٍ سُرُجًا بالجمع ای نَيِّراتٍ وخُصَّ القَمَرُ منها بالذكرِ لنوعِ فَضِيْلَةٍ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً ای يخلُفُ كلُّ منهما الاٰخر لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ بالتَّشديد والتخفيف كما تقدم مافاته فی احدِهما من خير فيفعلُه فی الاٰخر اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ای شكرًا لنعمة ربّه عليه فيهما وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ مبتداٌ وما بعده صفاتٌ له الٰی اولٰئِك يُجزون غيرَ المعترض فيه الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ای بسَكينةٍ وتواضعٍ وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ بما يَكرَهُوْنه قَالُوْا سَلٰمًا○ ای قولاً يَسْلَمُون فيه من الاِثم وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا جمع ساجِدٍ وَّقِيَامًا○ بمعنی قائمين ای يُصلون بالليل وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا○ ای لازما اِنَّهَا سَآءَتْ بئست مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا هی ای موضِعَ استقرارٍ واقامةٍ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا عَلٰی عيالهم لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا بفتح اوّله وضمه مع كسرة التاء ای يضيقوا وَكَانَ اِنفاقُهم بَيْنَ ذٰلِكَ الاِسْرافِ والاقتارِ قَوَامًا وسطا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ قتلها اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ومن يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ای واحدا مِن الثَّلٰثة يَلْقَ اَثَامًا○ ای عقوبةً يُّضٰعَفْ وفی قراءة يُضعَّف بالتّشديد له

الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ بجزم الفعلين بدلاً وبرفعهما استينافا مُهَانًا ۝ حالٌ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا منهم فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ المذكورةِ حَسَنٰتٍ فى الأخرة وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اى لم يزَل متصفا بذٰلك وَمَنْ تَابَ مِن ذُنوبه غيرُ من ذُكر وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ اى يَرجع اليه رُجوعا فيُجازيه خيرا وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اى الكِذْبَ وَالبَاطِلَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ من الكلام القبيح وغيره مَرُّوْا كِرَامًا ۝ معرِضِيْنَ عنهُ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ اى القران لَمْ يَخِرُّوْا يسقُطوا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ بل خروا سامعينَ ناظِرينَ مُنتفِعين وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا بالجَمعِ والإفراد قُرَّةَ اَعْيُنٍ لنا بان نَراهم مُطيعين لك وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ فى الخيرِ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الدَّرجَةَ فى الجنة بِمَا صَبَرُوْا على طاعةِ اللّٰهِ وَيُلَقَّوْنَ بالتشديد والتخفيف مع فتح الياءِ فِيْهَا فى الغرفة تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ من الملائكة خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ موضِعَ اقامةٍ لهم واولٰئك ومابَعده خبرُ عِباد الرحمٰن المبتدأ قُلْ يا محمد لاهل مَكّةَ مَا نافية يَعْبَؤُا يَكترِثُ بِكُمْ رَبِّىْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ج اياه فى الشّدائد فيكشِفها فَقَدْ اى فكيف يعبؤبكم وقد كَذَّبْتُمْ الرسولَ والقرانَ فَسَوْفَ يَكُوْنُ العذابُ لِزَامًا ۝ مُلازما لكم فى الأخرة بَعد ما يحُل بكم فى الدُّنيا فقُتل منهم يومَ بدرٍ سبعون وجوابُ لو لا دَلَّ عليه ما قبلَها. ع

ترجمہ

وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس نے آسمانوں میں بارہ برج بنائے ۱ حَمَلْ ۲ ثور ۳ الجوزاء ۴ السرطان ۵ الاسد ۶ السنبلہ ۷ المیزان ۸ العقرب ۹ القوس ۱۰ الجدی (۱۱) الدلو (۱۲) الحوت یہ سبع سیارہ کی منزلیں ہیں (اور وہ سبع سیارہ یہ ہیں) ۱ المریخ: اس کی منزل حمل اور عقرب ہے ۲ زہرہ: اس کی منزل ثور اور میزان ہے ۳ عطارد: اس کی منزل جوزاء اور سنبلہ ہے ۴ القمر اس کی منزل سرطان ہے ۵ الشمس اس کی منزل اسد ہے ۶ المشتری: اس کی منزل قوس اور حوت ہیں ۷ زحل اس کی منزل جدی اور دلو ہے، اور اس نے آسمان میں چراغ بھی بنایا اور وہ سورج ہے اور نورانی چاند بنایا اور ایک قرأت میں سُرُجًا جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی روشن کواکب بنائے اور کواکب میں خصوصیت کے ساتھ قمر کا ذکر ایک قسم کی فضیلت کی وجہ سے ہے اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے آتا ہے اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہئے اس (کار) خیر کو جو اس سے ان دونوں (رات ودن)

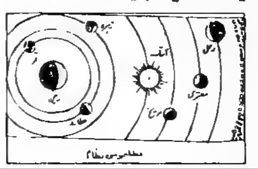
میں سے کسی میں فوت ہوگیا ہو تو اس کارِ خیر کو دوسرے میں کر لے، اور شکر کرنا چاہئے یَذَّکَّرُ تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے جیسا کہ ماسبق میں گذر چکا ہے یعنی اپنے اوپر لیل و نہار میں اپنے رب کی نعمتوں کا شکر کرنا چاہئے، عبادالرحمٰن مبتداء ہے اور اس کا مابعد جملہ معترضہ کے علاوہ اس کی صفات ہیں اُولٰئِكَ یُجْزَوْنَ تک (یعنی یجزون کے ماقبل تک) اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی یعنی سکون اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے ایسی بات کے ساتھ مخاطب ہوتے ہیں کہ جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں تو وہ صاحب سلام کہہ دیتے ہیں یعنی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس میں وہ گناہ سے محفوظ رہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام میں لگے رہتے ہیں سُجَّدٌ ساجِدٌ کی جمع ہے اور قِيَامًا قائمینَ کے معنی میں ہے یعنی رات کو نماز پڑھتے ہیں اور جو اپنے رب سے یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھنا کیونکہ اس کا عذاب چمٹ کر رہ جانے والا ہے یعنی لازم ہو جانے والا ہے بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے یعنی استقرار اور اقامت کے لئے نہایت بری جگہ ہے اور جب وہ اپنے عیال پر خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں یَقْتُرُوْا یا کے فتحہ کے ساتھ (مع تا کے کسرہ کے) اور ضمہ یا کے ساتھ (مع کسرہ تا) لم یقتروا ای لم یُضَیِّقوا اور ان کا خرچ کرنا اسراف اور تنگی کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی بندگی نہیں کرتے اور جس نفس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق کے ساتھ، اور وہ زنا کے مرتکب نہیں ہوتے اور جو کوئی (مذکورہ تینوں کاموں میں سے ایک کام بھی کرے گا) تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا اَثَامًا ای عقوبته اور اس کو قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت و خواری کے ساتھ ہمیشہ اس میں رہے گا اور ایک قرأۃ میں یُضَعَّفْ تشدید کے ساتھ ہے دونوں فعل (یعنی یُضٰعَفْ اور یَخْلُدْ) مجزوم میں (یَلْقَ سے بدل الاشتمال) واقع ہونے کی وجہ سے اور (مذکورہ دونوں فعل) رفع کے ساتھ بھی ہیں استیناف کی وجہ سے مُهَانًا یَخْلُدْ کی ضمیر سے حال ہے مگر ان میں سے جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مذکورہ گناہوں کو آخرت میں نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے یعنی اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور جو شخص یہ شخص اس کے علاوہ ہے جس کا ذکر اِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ میں ہوا ہے، توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ایسا شخص (حقیقت میں) اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے یعنی صحیح معنی میں رجوع کرتا ہے تو ایسے شخص کو (اللہ تعالیٰ) بہتر جزاء عطا فرمائیں گے اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے (دوسرا ترجمہ) (اور وہ جھوٹی اور باطل گواہی نہیں دیتے) اور جب لغو چیزوں یعنی بیہودہ کلام وغیرہ پر ان کا گذر ہوتا ہے تو شرافت سے گذر جاتے ہیں یعنی (بے توجہی کیساتھ) اس سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ جب ان کو اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر سے بہروں اور اندھوں کی طرح نہیں گزرتے بلکہ بگوش قبول سنتے ہوئے اور بچشم عبرت دیکھتے ہوئے استفادہ کرتے ہوئے گذرتے

ہیں، اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یا ذُرِّیَّاتِنَا جمع اور افراد کے ساتھ ہے، بایں طور کہ ہم ان کو تیرا فرمانبردار دیکھیں اور ہم کو متقیوں کا خیر میں پیشوا بنا ایسے ہی لوگوں کو جنت میں بلند بالا خانے عطا کئے جائیں گے ان کے اللہ کی طاعت پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے جہاں ان کو ملائکہ کی طرف سے (دائمی) بقا کی (خوشخبری) اور سلامتی کی دعا دی جائے گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے یعنی ان کی قیام گاہ ہے اور اُولٰئِکَ اور اس کا مابعد عباد الرحمٰن مبتدا کی خبر ہے اے محمد آپ اہل مکہ سے کہہ دیجئے میرا رب تمہاری کوئی پرواہ نہ کرے گا اگر تم اس کو مصائب میں نہ پکاروگے کہ وہ ان کو زائل کردے یعنی کیسے تمہاری پرواہ کرے گا تم تو رسول اور قرآن کو جھٹلا چکے ہو، عنقریب عذاب تم سے چسپاں ہو کر رہے گا (یعنی) دنیا میں تم پر عذاب نازل ہونے کے علاوہ آخرت میں تم پر عذاب لازم ہو کر رہے گا، چنانچہ ان میں سے یوم بدر میں ستر قتل کئے گئے، لَوْلَا کا جواب (محذوف ہے) جس پر لولا کا ماقبل (یعنی مایعبأبکم) دلالت کر رہا ہے (تقدیر عبارت یہ ہوگی لَوْ لَا دعاؤُکُمْ مَا یَعْبَؤُ بِکُمْ رَبِّی۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ بُرُوْجًا یہ برج کی جمع ہے منزل کو کہتے ہیں، سات سیاروں کی بارہ منزلیں ہیں، سات سیاروں میں سے پانچ کی دو دو منزلیں ہیں اس طرح پانچ سیاروں نے دس منزلیں لے لیں باقی سیاروں یعنی شمس اور قمر نے ایک ایک منزل لے لی اس طرح سات سیاروں پر بارہ منزلیں تقسیم ہو گئیں، زحل ساتویں آسمان پر ہے اور مشتری چھٹے پر اور مریخ پانچویں پر اور شمس چوتھے پر اور زہرہ تیسرے پر اور عطارد دوسرے پر، اور قمر پہلے آسمان پر ہے، مفسر علام نے سبع سیارات کی جو ترتیب بیان کی ہے قدیم علم ہیئت کے معلم اول ارسطو کے نزدیک عالم کا مرکز زمین ہے سیارات و ثوابت بلکہ سارا جہاں اسکے گرد گھوم رہا ہے، اکثر قدما نے اس کی تقلید کی بطلیموس اسی کا سرخیل ہے یہ رائے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک مسلم رہی۔

جدید علم ہیئت کا بانی مشہور فلکی کوپرنیکس پولنڈی م ۱۴۷۳ء و ۱۵۴۳ء سمجھا جاتا ہے، مشہور ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے مرکزیت آفتاب کا نظریہ پیش کیا۔ (بحوالہ فلکیات جدید ص ۲۵)



نظریہ کوپرنیکس کے بنیادی اصول دو ہیں۔

اول: کواکب عالم کی روزانہ کی گردش کی اصلی وجہ اپنے محور کے گرداگرد زمین کی روزانہ گردش ہے۔

دوم: تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں، زمین بھی ان میں سے ایک سیارہ ہے، نظام کوپرنیکی میں سیاروں کی ترتیب مرکز ''آفتاب'' سے شروع ہو کر یہ ہے۔

۱ عطارد ۲ زہرہ ۳ ارض ۴ مریخ ۵ مشتری ۶ زحل ۷ یورینس ۸ نیپچون ۹ پلوٹو۔ (بحوالہ فلکیات جدیدہ، ص ۲۶)

قوله وجَعَلَ فیها ای فی السماء سماء سے اصطلاحی سماء مراد نہیں ہے بلکہ جانب فوق مراد ہے **کل ما هو فوق راسكَ فهو السماء** سیارات فضاء میں معلق ہیں آسمان میں پیوست نہیں ہیں، سیارات سبعہ کا جو سات آسمانوں میں ہونا بتایا گیا ہے یہ ان کی حرکت دوری کی منزلیں ہیں ان ہی کو بروج بھی کہا جاتا ہے، مثلاً قمر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پہلے آسمان پر ہے اور عطارد دوسرے آسمان پر ہے زہرہ تیسرے آسمان پر ہے اور شمس چوتھے آسمان پر ہے علی ھٰذا القیاس **جَعَلَ فِیهَا** میں **فیها** کی ضمیر کو اگر بروج کی طرف لوٹایا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ محشی کی بھی یہی رائے ہے، اگر سماء سے سماء اصطلاحی حقیقی مراد لیا جائے تو بہت سے اعتراضات ہو سکتے ہیں، پھر اس کے بعد **قمرا** کا **سُرُجًا** پر عطف کیا، یہ عطف الشئ علی نفسہٖ کے قبیل سے کہلائے گا جو کہ درست نہیں ہے **وَخصَّ القمر الخ** سے اسی اعتراض کا جواب ہے، عرب کے نزدیک چونکہ قمر کی ایک اہمیت اور فضیلت اس لئے ہے کہ ان کے یہاں سال کا حساب قمری مہینوں ہی سے ہوتا ہے نیز اس کے علاوہ بعض عبادتوں کا دارومدار بھی قمری مہینوں پر ہے اس لئے تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے قمر کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، جیسا کہ **حافظوا علی الصلوٰت والصَّلوٰةِ الوُسطٰی** میں ہے **قوله وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَة**، **خِلْفَةً** مصدر ہے، بیان نوع کے لئے جیسے **جِلْسَةٌ** یعنی خاص نوعیت سے یکے بعد دیگرے آنا بایں طور کہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہو جائے **خِلْقَةً** نہ تو **جَعَلَ** کا مفعول ثانی ہو سکتا ہے اگر **جَعَلَ** بمعنی **صَیَّرَ** لیا جائے اور نہ **جَعَلَ** کے مفعول سے حال واقع ہو سکتا ہے اگر **جَعَلَ** بمعنی **خَلَقَ** لیا جائے، حالانکہ **خِلْفَة** کا مفعول یا حال ہونا ضروری ہے ورنہ تو معنی درست نہ ہوں گے، لہٰذا **خلفة** سے پہلے مضاف محذوف ماننا ضروری ہوگا، **ای ذو خِلفة** اس صورت میں مصدر بمعنی اسم فاعل ہو جائے گا، **خلفة** بمعنی **خلیفة** ہو کر معنی درست ہو جائیں گے، ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ قاموس میں ہے کہ **خِلْفَةٌ** بمعنی **مختلفةٌ** ہے اس صورت میں مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی اور معنی ہوں گے **جَعَلَهُما مُختَلِفَیْنِ** اب رہا یہ سوال کہ **خلفةً** جب **مختلفین** تثنیہ کے معنی میں ہے تو **خِلفة** کو واحد کیوں لایا گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوگا **خلفة** چونکہ مصدر کا ہم وزن ہے اور مصدر میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہوتا ہے، اس لئے **خلفة** کو واحد لایا گیا ہے، اسی جواب کی طرف مفسر علام نے

يَخْلِفُ كلٌّ منهما الآخر سے اشارہ کیا ہے **قوله** مَا فَاتَهٗ يَذَّكَّرَ کا مفعول محذوف ہے جس کو مفسرؒ نے ظاہر کر دیا ہے **قوله** اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا میں اَوْ تقسیم وتنویع کے لئے ہے نہ کہ تخییر کے لئے یعنی مانعۃ الخلو مراد ہے، جس میں دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں شُكُوْرًا مصدر ہے بمعنی شكرًا **قوله** عِبَادُ الرحمٰن یہ جملہ مستانفہ ہے مخلص اور برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، عباد الرحمٰن مبتداء موصوف ہے اور موصولات ثمانیہ جزء میں پہلا الذين يمشون ہے اور آخری والذين يقولون ہے یہ تمام موصولات اپنے صلات سے مل کر مبتداء موصوف کی صفت ہے اور اُولٰئِكَ يجزون الخ مبتداء کی خبر ہے، مبتداء اور خبر کے درمیان تین آیتیں جملہ معترضہ ہیں وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا سے مَقَامًا تک هَوْنًا یہ هانَ کا مصدر ہے نرمی کرنا، سکینت اور وقار کے ساتھ چلنا، **قوله** سُجَّدًا يبيتون کی ضمیر سے حال ہے اور لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا کے متعلق ہے، سُجَّدًا کو قیاماً پر فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے **قوله** وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا (الآية) یعنی خالق اور مخلوق کے ساتھ حسن معاملہ کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں اپنے اعمال پر اعتماد اور بھروسہ کر کے بے خوف نہیں ہو جاتے اور یوں دعا کرتے رہتے ہیں رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا (الآية) **قوله** اِنَّ عذابَهَا كَانَ غَرَامًا اور سَاءَتْ مستقرًا ومقامًا یہ دونوں رَبَّنَا اِصرِفْ عَنَّا (الآية) کی علت ہیں **قوله** سَاءَتْ بئسَتْ ساءَتْ کی تفسیر بئسَتْ سے کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ساءَت افعال ذم میں سے ہے اس کا فاعل اس میں ضمیر مستتر مبہم ہے اور مستقرًا اس کی تمیز ہے جو ضمیر مبہم کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ هِیَ ہے شارح نے ظاہر کر دیا ہے بعض حضرات نے سَاءَتْ بمعنی اَحْزَنَتْ لیا ہے، اس وقت یہ افعال متصرفہ میں سے ہوگا اور مفعول کو نصب کرے گا جو کہ یہاں محذوف ہے، اور وہ اَصْحَابَهَا یا دَاخِلِيْهَا ہے، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنَّهَا (ای جهنم) اَحْزَنَتْ اَصْحَابَهَا وَدَاخِلِيْهَا اور مستقراً تمیز یا حال واقع ہو سکتا ہے قول اول کو ترجیح دینے کے لئے مفسر علام نے ساءت کی تفسیر بئست سے کر دی تاکہ اشارہ ہو جائے کہ ساءَتْ اَحْزَنَتْ کے معنی میں نہیں ہے، مفسر علام کے نزدیک مستقر اور مقام دونوں ایک ہی چیز ہیں، بعض مفسرین نے دونوں میں فرق کیا ہے، مستقر عصاۃ مومنین کے لئے ہے یعنی دائمی نہیں ہے مقاماً کافروں کے لئے ہے جو کہ دائمی ہے **قوله** يَقتُروا یا کے فتحہ و كسرة التاء ای يَقْتِرُوْا اور ضمہ یا اور کسرۂ تا کے ساتھ ای يُقْتِرُوْا اور فتحہ یا اور ضمۂ تا کے ساتھ کوفیین کے نزدیک ای يَقْتُرُوْا يقال قَتَرَ علٰی عیالِهٖ ای ضَيَّقَ عَلَيْهِم في النفقة (باب ضرب ونصر) والذين لا يَدْعُونَ مع اللّٰهِ الخ بیان اطاعت کے بعد اجتناب عن المعصیۃ کو بیان فرمایا يُضٰعَفْ اور يَخْلُدْ دونوں فعل يَلْقَ سے بدل اشتمال واقع ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں، اور جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے **قوله** اِلَّا مَنْ تَابَ يَلْقَ کی ضمیر مستتر سے مستثنیٰ متصل ہے اَیْ اِلَّا مَنْ تَابَ فَلا يَلْقَ اَثَامَ بعض حضرات نے مستثنیٰ متصل بھی قرار دیا ہے، مگر ابو حیان نے کہا ہے کہ مستثنیٰ متصل درست نہیں ہے، اس لئے کہ

مستثنیٰ منہ پر مضاعف کا حکم لگایا گیا ہے تو اس صورت میں تقدیر یہ ہوگی اِلَّا مَنْ تابَ و آمَنَ وعمِلَ عملاً صالحًا فلا یُضَاعف له العذاب اور عذاب مضاعف کے انتفاء سے عذاب غیر مضاعف کا انتفاء لازم نہیں آتا لہٰذا مستثنیٰ منقطع اولیٰ ہے اور الا بمعنی لکن ہے (فتح القدیر) مُهَانًا یخلد کی ضمیر سے حال ہے بعض حضرات نے وَمَنْ تابَ وعمِلَ صالحًا فانهٗ یتوبُ الی اللّٰهِ متابًا اتحاد شرط و جزاء کا شبہ کیا ہے جو کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ مَنْ تابَ فانهٗ یتوبُ نہیں کہا جاتا بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شرط سے زبانی توبہ مراد ہے اور جزاء عمل کے ساتھ مؤکد توبہ مراد ہے اسی وجہ سے جزاء کو مصدر متابا سے مؤکد کیا ہے اور آیت کے معنی یہ بتائے ہیں من اراد التوبة وعزم علیها فلیتب الی اللّٰه خبر بمعنی امر ہے۔ (فتح القدیر، شوکانی) **قوله** غیرُ مَنْ ذُکِرَ سے اشارہ ہے کہ عطف مغایرت کے لئے ہے یعنی پہلی آیت میں مَنْ تابَ سے مراد کافر ہیں اور دوسری میں مؤمن اور بعض حضرات نے تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے قرار دیا ہے **قوله** لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اگر لَا یَشْهَدُوْنَ لایَحْضرُوْن کے معنی میں ہو جیسا کہ مفسر علام نے اسی معنی میں لیا ہے تو زُوْرَ مفعول بہ ہوگا اور اگر یَشْهَدُوْنَ شہادت کے معنی میں ہو تو زور بنزع الخافض منصوب ہوگا، ای لَا یَشْهَدُوْنَ بِالزُّوْرِ **قوله** قُرَّةَ اَعْیُنٍ قرة العین سُرُوْرُهَا قرةُ العین سے مراد اہل وعیال کی نیکی اور فرمانبرداری کو دیکھ کر خوشی اور مسرت کا حاصل ہونا ہے، اسی کو آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا ہے **قوله** وَاجْعلنا اِمَامًا امام مفرد اور جمع سب کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے اِجْعلنَا کی جمع متکلم کی ضمیر کے لئے اماماً مفرد لانا صحیح ہے **قوله** اُولٰئکَ یُجزَوْنَ اُوْلٰئِكَ سے ان عباد الرحمٰن کی طرف اشارہ ہے جو موصولات ثمانیہ کے تحت آنے والی صفات سے متصف ہوں الغرفة اسم جنس سے مراد غرفات ہیں **قوله** اُوْلٰئِكَ یُجزَوْنَ اور اس کا مابعد عِبادُ الرحمن مبتداء کی خبر ہے **قوله** لَوْ لَا دُعاؤُکُمْ لَوْلَا کا جواب محذوف ہے اور ماقبل لولا محذوف جواب پر دلالت کر رہا ہے اَیْ لو لا دعاؤکم مَا یَعْبَؤبکُمْ.

تفسیر وتشریح

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا بُرُوْجٌ بُرْجٌ کی جمع ہے، سلف کی تفسیر میں بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد لئے گئے ہیں، اور اسی مراد پر کلام کا نظم واضح ہے کہ بابرکت ہے وہ ذات کہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور سورج اور چاند بنائے اور بعد کے مفسرین نے بروج سے اہل نجوم کے مصطلحہ بروج مراد لئے ہیں، اور یہ بارہ برج ہیں اور یہ سات بڑے بڑے سیاروں کی منزلیں یعنی ان کے مدار ہیں۔ (تفصیل تحقیق وترکیب کے زیرعنوان گذر چکی ہے)

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلفَةً رات اور دن آپس میں ایک دوسرے کے خلیفہ ہیں یعنی رات جاتی

ہے تو دن آتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے، دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے، اس کے فوائد ومصالح محتاج وضاحت نہیں حیوانات اور نباتات کی بقا اسی آمد ورفت پر موقوف ہے، بعض حضرات نے خلفۃ کے معنی مخالف کے لئے ہیں یعنی رات تاریک ہے اور دن روشن **قولہ** لِمَنْ اَرَادَ یہ جَعَلَ کے متعلق ہے اَنْ یَذَّکَّرَ ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ لیل ونہار کا اختلاف اور یہ گردش ایام اس شخص کے لئے سامان عبرت ونصیحت ہیں ان میں غور وفکر کرنا چاہئے ورنہ تو یہ پورا کارخانہ قدرت اس کے لئے بازیچۂ اطفال ہے، دوسرا مطلب جو مفسر علام نے اختیار کیا وہ یہ ہے کہ لیل ونہار کے اختلاف کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو ایک رات یا دن میں کرنا بھول جائے یا کسی وجہ سے نہ کر سکے تو اس فوت شدہ کو دوسرے وقت میں پورا کر سکے، مفسر کے قول مافاتہ کا تعلق یتذکر سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی مخصوص صفات

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات وعلامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے سب میں اللہ کے اور اس کے رسول کے احکام اور مرضی کی پابندی، دوسرے انسانوں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت رات دن کی عبادت گذاری کے ساتھ خوف خدا، تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اولاد وازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

پہلا وصف: عبد ہوتا ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات واعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا درحقیقت وہی شخص مستحق ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادہ اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت اور سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے، ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو بجالاؤں۔

دوسرا وصف: یمشون علی الارض ھونا ہے یعنی وہ زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں یعنی سکونت اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں، یعنی ان کی رفتار سے بھی بندگی ٹپکتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اکڑ کر متکبرانہ انداز سے نہیں چلتے، بہت آہستہ چلنا اور بلاضرورت تکلف کے ساتھ چلنا خلاف سنت ہے شمائل نبویہ میں منقول ہے کہ آپ کا چلنا بہت آسان نہیں ہوتا تھا بلکہ قدرے تیزی کے ساتھ ہوتا تھا۔

تیسرا وصف: واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلامًا یعنی جب جہالت والے ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ صاحب سلام کہہ دیتے ہیں یہاں سلام سے عرفی سلام مراد نہیں ہے بلکہ ایسی بات جس سے فتنہ برپا نہ ہو، قرطبی نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم سے مشتق نہیں ہے بلکہ تسلُّم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سلامت رہنا، حاصل یہ ہے کہ بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ لوگ انتقامی معاملہ نہیں کرتے بلکہ ان سے امن اور

سلامتی کی بات کر در گذر کرتے ہیں۔

چوتھا وصف: والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاماً یعنی ان کی رات کا اکثر حصہ عبادت گذاری میں گذرتا ہے یعنی اللہ کے دیگر بندے جس وقت خواب غفلت میں محو ہوتے ہیں اللہ کے یہ مخصوص بندے جبین نیاز زمین پر رکھ کر سجدہ ریز ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کے لیل ونہار خدا کی بندگی میں گذرتے ہیں۔

پانچواں وصف: والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم انّ عذابھا کان غراماً یعنی یہ مقبولین بارگاہ شب وروز عبادت میں مصروف رہنے کے باوجود بے خوف ہو کر نہیں بیٹھتے بلکہ ہر وقت خدا کا خوف اور آخرت کی فکر رکھتے ہیں جس کے لئے عمل کی کوشش بھی جاری رہتی ہے اور اللہ سے دعا بھی۔

چھٹا وصف: وَالذین اذا انفقوا یعنی اللہ کے مقبول بندے مال خرچ کرنے کے وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل وکوتاہی بلکہ اعتدال پر قائم رہتے ہیں آیت میں اسراف اور اس کے بالمقابل اقتار کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اسراف کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج کے نزدیک اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو، اور بعض حضرات نے فرمایا جائز اور مباح کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا کہ جو تبذیر یعنی فضول خرچی کے حکم میں داخل ہو جائے وہ بھی اسراف کے حکم میں ہے۔

اور اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ اور اس کے رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ سے منقول ہے۔ (مظہری) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مِن فقہِ الرجلِ قصدہٗ فی معیشتہ یعنی انسان کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے نہ اسراف میں مبتلا ہو اور نہ بخل میں۔ (رواہ الامام احمد عن ابی الدرداء، ابن کثیر)

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا عَالَ مَنْ اقتصَدَ یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ (رواہ احمد ابن کثیر)

ساتواں وصف: والذین لایدعون مع اللہ الخ پہلی چھ صفات میں اطاعت وفرمانبرداری کے اصول بیان کئے گئے ہیں، اب معصیت اور نافرمانی سے اجتناب کے اصول کو بیان فرمایا ہے، جن میں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے۔

آٹھواں اور نواں وصف: لا یقتلون النفس الخ یہ عملی گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے یعنی اللہ کے نیک بندے گناہ کبیرہ کے پاس تک نہیں جاتے کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے، زنا کا ارتکاب نہیں کرتے، آگے

فرمایا جو شخص ان گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ اس کی سزا پائے گا ابو عبیدہ نے اس جگہ لفظ اثام کی تفسیر سزائے گناہ سے کی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اثام جہنم کی ایک وادی ہے جو نہایت شدید عذابوں سے پُر ہے آگے اس عذاب کا بیان ہے جو جرائم مذکورہ کے کرنے والوں پر ہوگا، آیات کے سیاق وسباق سے یہ بات متعین ہے کہ یہ عذاب کفار کے لئے مخصوص ہے کہ جنہوں نے شرک وکفر بھی کیا اور قتل وزنا کے مرتکب بھی ہوئے، مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے سچی توبہ کرلی اور اعمال صالحہ اختیار کئے ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا، اس سے معلوم ہوا کہ سچی توبہ سے ہر قسم کا گناہ معاف ہوسکتا ہے اور سورہ نساء کی آیت ۹۳ میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے وہ اس صورت پر محمول ہوگی جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو یا حلال سمجھ کر قتل کیا ہو، ورنہ تو حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمیوں کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبہ)

سیئات کو حسنات سے بدلنے کا مطلب

حضرت ابن عباسؓ، حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سے یہ مطلب مروی ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور نیک عمل کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سیئات کو حسنات سے تبدیل کردیں گے، بایں طور کہ توبہ کے بعد ان کے اعمال نامہ میں صرف حسنات ہی حسنات رہ جائیں گی، کیونکہ شرک وکفر سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ بحالت شرک وکفر جتنے گناہ کئے ہوں ایمان قبول کرنے کے بعد پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ان معاصی اور سیئات کی جگہ اعمال صالحہ اور حسنات نے لے لی۔

ابن کثیر نے اس کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے جتنے گناہ زمانہ کفر میں کئے تھے ایمان لانے کے بعد ان سب گناہوں کے بجائے نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اس تفسیر کی دلیل میں بعض حضرات نے ایک روایت بھی پیش کی ہے۔

عن ابی ذر قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یُؤتٰی بِالرَّجُلِ یومَ القِیامَۃِ فیقال اعرضوا علیه صِغارُ ذنوبِه وینحی عن کبارها فیقال : عملتَ یومَ کذَا وکذَا وکذَا وهو یقر لا ینکر وهو مشفقٌ من الکبار فیقال : اعطوه مکان کل سیئة عمِلها حسنة فیقول : اِن لی ذنوبًا لم اَرها هُنا قال: ولقدْ رأیت رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ضحِكَ حتی بدت نواجذهٗ.

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا یہ بظاہر اسی مضمون سابق کی تکرار ہے جو اس سے پہلی آیت یعنی اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا میں آیا ہے اور قرطبی نے قفال سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ توبہ پہلی توبہ سے مختلف ہے کیونکہ پہلا معاملہ کفار اور مشرکین کا تھا جو قتل اور زنا میں بھی مبتلا ہوئے تھے پھر ایمان لے آئے تو ان کی

حسنات سیئات سے بدل دی گئیں، اور اس آیت میں مسلمان گنہگاروں کی توبہ کا ذکر ہے اسی لئے پہلی توبہ کے ساتھ آمن کا ذکر ہے، دوسری توبہ میں ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لوگوں کی توبہ کا ذکر ہے جو مومن تھے مگر غفلت سے قتل و زنا میں مبتلا ہو گئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگ توبہ کر لینے کے بعد صرف زبانی توبہ پر اکتفا نہ کریں بلکہ آئندہ کے لئے اپنے اعمال کو درست اور صالح بنالیں تو ان کا توبہ کرنا درست اور صحیح سمجھا جائے گا، اسی لئے بطور شرط توبہ کر لینے کے ابتدائی حال کا ذکر کرنے کے بعد اس کی جزاء میں دوبارہ یتوب کا ذکر کرنا صحیح ہو گیا، کیونکہ شرط میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ صرف زبانی توبہ ہے اور جزاء میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ عمل صالح پر مرتب ہے لہٰذا شرط و جزاء کے متحد ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا، اس آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان غفلت کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو گیا اور توبہ کر لی اور توبہ کے بعد اپنے عمل کی ایسی اصلاح کر لی کہ اس کے عمل سے توبہ کا ثبوت ملنے لگے تو یہ توبہ عنداللہ مقبول ہو گی اور بظاہر اس کا قاعدہ بھی وہی ہو گا جو پہلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اس کے سیئات کو حسنات سے بدل دیا جائے گا۔

اللہ کے مقبول اور مخصوص بندوں کی خاص صفات کا بیان چل رہا تھا درمیان میں گناہوں کے بعد توبہ کر لینے کے احکام کا بیان آیا اس کے بعد باقی صفات کا بیان ہے۔

دسواں وصف: والذین لا یشہدون الزُّورَ یعنی مخصوص بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے، سب سے بڑا جھوٹ اور باطل تو شرک اور کفر ہے، اس کے بعد عام جھوٹ اور گناہ کے کام ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مقام زور میں حاضری کا مطلب مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں، حضرت مجاہد اور محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد گانے بجانے کی مجلسیں ہیں، اور اگر مذکورہ سب ہی مقامات مراد لئے جائیں تو تب بھی کوئی استبعاد نہیں ہے۔

بعض حضرات نے یشہَدُونَ الزُّورَ سے جھوٹی گواہی مراد لی ہے اور یشہدون کو شہادۃ سے مشتق مانا ہے، بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی شہادت کو اکبر الکبائر گناہ قرار دیا ہے۔

گیارھواں وصف: واذا مرُّوْا باللغوِ مرُّوْا کراماً یعنی لغو اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی اتفاقاً ان کا گذر ہو جائے تو سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ نظریں نیچی کر کے گذر جاتے ہیں۔

بارھواں وصف: وَالَّذِینَ اذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیَاتِ رَبِّھِم لَمْ یخِرُّوْا علَیْھا صُمًّا وعُمیاناً.

قولہ لَمْ یخِرُّوْا جمع مذکر غائب، مضارع منفی مجزوم بمعنی ماضی خرورٌ مصدر (ض) وہ نہیں گر پڑتے، اس آیت کے مفہوم متعین کرنے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان بندگان خدا کی شان یہ ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات اور آخرت کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان آیات کی طرف اندھوں اور بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے

بلکہ سمیع وبصیر انسان کی طرح ان میں غور کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں، اس آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک آیات الٰہیہ پر ٹوٹ پڑنا یعنی اہتمام کے ساتھ متوجہ ہونا یہ تو امر محمود اور مقصود ہے اور بہت بڑی نیکی ہے، دوسرے اندھوں اور بہروں کی طرح گرنا کہ قرآنی آیات پر توجہ تو دیں مگر یا تو اس پر عمل کرنے میں معاملہ ایسا کریں کہ گویا انہوں نے سنا اور دیکھا ہی نہیں، یا قرآنی آیات پر عمل بھی کریں مگر ان کو اصول صحیحہ اور تفسیر صحابہ وتابعین کے خلاف اپنی رائے یا سنی سنائی باتوں کے تابع کر کے غلط مطلب نکالیں یہ بھی ایک طرح اندھے بہرے ہو کر ہی گرنا ہے۔ (معارف القرآن ملخصاً)

بعض حضرات نے لَمْ يَخِرُّوْا کا ترجمہ لَمْ يُعْرِضُوْا عنها بل سمعُوْها بآذانٍ واعية وقلوبٌ وجلةٌ سے کیا ہے یعنی وہ آیات سے اعراض (روگردانی) نہیں کرتے بلکہ ان کو محفوظ رکھنے والے کانوں اور خوف زدہ دلوں سے سنتے ہیں (صفوة التفاسیر) قال ابن قتیبة: المعنی لَمْ يتغافَلُوْا عنها كأنَّهُمْ صُمٌّ لم يَسْمَعُوْها وعُمْيٌ لَمْ يبْصُرُوْها ابن جریر نے کہا یہاں خرور بمعنی (سقوط) مراد نہیں ہیں بلکہ یہ قَعَدَ يَبْكِي کے قبیل سے ہے (فتح القدیر شوکانی) جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں روتے بیٹھ گیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ کھڑا تھا رونے کے لئے بیٹھ گیا، مطلب یہ ہے کہ رونا شروع کر دیا، اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بندگان خدا آیات کو سنکر اندھے بہرے نہیں بن جاتے بلکہ گوش ہوش سے سنتے ہیں اور چشم عبرت سے دیکھتے ہیں۔

تیرھواں وصف: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا الخ اس میں اپنی اولاد اور ازواج کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ ان کو میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے یعنی ان سے مجھے خوشی اور مسرت حاصل ہو، حسن بصریؒ کی تفسیر کے مطابق مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھے، مطلب یہ ہے کہ خدا کے نیک بندے صرف اپنی اصلاح پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی اولاد اور ازواج کی اصلاح اعمال کی فکر کرتے ہیں، اور فکر میں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی داخل ہے۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اس میں بظاہر اپنے لئے جاہ ومنصب اور بڑائی حاصل کرنے کی دعا ہے جو دوسری قرآنی نصوص کی رو سے ممنوع ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہر شخص قدرتی طور پر اپنے اہل وعیال کا پیشوا ہی ہوتا ہے اس لئے اس دعا کا حاصل یہ ہو گیا کہ ہماری آل واولاد کو متقی بنا دیجئے، اور جب وہ متقی ہو جائیں گے تو خود بخود یہ شخص متقیوں کا امام اور پیشوا کہلائے گا، بعض حضرات جن میں ابراہیم نخعی اور حضرت مکحول شامی بھی شامل ہیں نے فرمایا کہ اس دعا میں اپنے لئے کوئی ریاست اور پیشوائی کی طلب مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم کو ایسا بنا دیجئے کہ لوگ دین وعمل میں ہماری اقتداء کریں اور ہمارے علم سے ان کو نفع پہنچے تاکہ اس کا ثواب ہمیں حاصل ہو، قرطبی نے دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست وامامت کی طلب جو دین کے لئے ہو وہ مذموم نہیں ہے بلکہ جائز ہے، اور جن نصوص میں اپنے لئے جاہ ومنصب کی طلب سے ممانعت آئی ہے وہ دنیوی

عزت وجاہ ہے، یہاں تک عباد الرحمٰن یعنی مخصوص بندگان خدا کی صفات کا بیان پورا ہوگیا، آگے ان کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ غرفہ کے لغوی معنی بالاخانہ کے ہیں یعنی مخصوص بندگان خدا کو بہشت میں اعلیٰ درجہ کے بالاخانے عطا کئے جائیں گے اور یہ دنیا میں ان کے صبر اور اطاعت نیز ترک لذات کی جزاء ہوگی، اور فرشتوں کی طرف سے یا دوست و احباب کی طرف سے سلام اور مبارکبادی ہوگی، سابقہ آیات میں تو مخصوص بندگان خدا کا ذکر تھا، اب آخری آیت میں پھر کفار و مشرکین کو عذاب سے ڈرا کر سورت کو ختم کیا گیا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآءُكُمْ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں زیادہ واضح اور سہل یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت اور وقعت نہ ہوتی اگر تمہاری طرف سے اللہ کو پکارنا اور اس کی بندگی کرنا نہ ہوتا کیونکہ انسان کی تخلیق کا منشا ہی یہی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے، یہ ایک عام ضابطہ کا بیان تھا کہ بغیر عبادت کے انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اس کے بعد کفار و مشرکین کو جو کہ عبادت اور رسالت کے منکر ہیں خطاب ہے، **فَقَدْ كَذَّبْتُمْ** یعنی تم نے سب چیزوں کو جھٹلا ہی دیا ہے اب تمہاری کوئی وقعت اللہ کے نزدیک نہیں **فسوف يكون لزامًا** یعنی اب یہ تکذیب اور کفر تمہارے گلے کا ہار بن چکے ہیں اور تمہارے ساتھ لگے رہیں یہاں تک کہ جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر کے چھوڑیں گے **وَنعوذُ بِاللّٰهِ من حال اهلِ النَّارِ**

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللّٰهِ سُوْرَةُ الْفُرْقَان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُوْرَةُ الشعراء

سُوْرَةُ الشُّعَرَاء مَكِّيَّةٌ اِلَّا والشُعَرَاءُ ، اِلٰى آخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ وَهِيَ مِائَتَان وَسَبْعٌ وعِشْرُوْنَ آيَةً

سورۂ شعراء مکی ہے مگر والشعراء سے آخر تک مدنی ہے اور وہ دوسو ستائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ طٰسٓمّٓ○ اللّٰه اعلم بمرادِه بذٰلِكَ تِلْكَ اى هٰذِه الآيات اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القران الإضافةُ بمعنى مِنْ الْمُبِيْنِ○ المُظْهِرِ الحقَّ مِن الباطِلِ لَعَلَّكَ يا محمدُ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ قاتلُها غمًّا مِنْ اَجلِ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا اى اهلُ مكةَ مُؤْمِنِيْنَ ولَعَلَّ هُنا لِلإشفاقِ اى اَشْفِقْ عليها بتخفيف هذا الغَمِّ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ بمعنى المضارع اى تَدُوْمُ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ○ فيؤمنون ولمَّا وُصِفَتِ الأعْناقُ بالخُضوعِ الذى هو لِاَرْبَابِها جُمِعَتِ الصفةُ منه جمعَ العقلاء وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ قران مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ صفةٌ كاشفةٌ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ○ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِه فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا عَواقِبُ مَا كَانُوْا بِه يَسْتَهْزِءُوْنَ○ اَوَلَمْ يَرَوْا ينظُرُوا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْبَتْنَا فِيْهَا اى كثيرًا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ○ نوعٍ حَسَنٍ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ط دلالةً على كمالِ قُدرتِه تعالٰى وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ فى عِلْمِ اللّٰهِ وكان قال سِيبويهِ زائدةٌ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ العَزِيْزُ ذو العِزَّةِ ينتقِمُ مِنَ الكافرين الرَّحِيْمُ○ يَرحَمُ المؤمنين . ع

ترجمہ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمّٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ یعنی یہ آیات کتاب مبین (یعنی) قرآن کی آیتیں ہیں جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی ہیں، اور اٰيٰتُ الْكِتٰبِ میں اضافت بمعنی مِنْ ہے شاید اے محمد آپ تو اس غم کے سبب سے کہ اہل مکہ ایمان نہیں لاتے اپنی جان کھو دیں گے، اور لَعَلَّ کے یہاں اشفاق کے معنی ہے یعنی اس غم میں تخفیف کر کے اپنے اوپر رحم کیجئے، اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں ظَلَّتْ بمعنی مضارع ہے ای تَدُوْمُ پھر وہ ایمان لے آئیں، جبکہ (وصف) خضوع کی نسبت اعناق کی طرف کی گئی جو کہ (درحقیقت) ارباب اعناق کا وصف ہے، تو وصف خضوع کو ذوالعقول کی جمع کے طور پر لایا گیا اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت ایسی نہیں آئی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں، مُحْدَثٍ ذِكْرٍ کی صفت

کاشفہ ہے تو ان لوگوں نے اس نصیحت کو جھٹلا دیا سوعنقریب ان کے پاس اس بات کا انجام آجائے گا جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے کیا یہ لوگ زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کس کثرت سے ہر قسم کے عمدہ گل بوٹے اگائے؟ بلاشبہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور ان میں کے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں اللہ کے علم میں اور سیبویہ نے کہا ہے کہ کان زائدہ ہے بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے یعنی ایسے غلبہ والا ہے جو کافروں سے انتقام لے گا، رحیم ہے یعنی مومنین پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

طٰسٓمٓ عبداللہ بن مسعود کی قرأۃ میں ط، س، م، الگ الگ ہیں **قولہ** بَاخِعٌ اسم فاعل (ف) غم یا غصہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا، بَخعًا حرام مغز تک کاٹ ڈالنا بَخعٌ حرام مغز لَعَلَّكَ لَعَلَّ حرف ترجی ہے مگر چونکہ یہاں ترجی کے معنی نہ درست ہیں اور نہ مراد لہٰذا لَعَلَّ کو اِشفاق کے معنی میں لیا جس کے معنی خوف کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ چونکہ خوف سے منزہ ہے اس لئے مخاطب کا خوف مراد ہے، ترجی امر یعنی اَشفِق ای اِرحم کے معنی میں ہے اس لئے کہ یہاں خوف کی کوئی بات ہی نہیں ہے، اِشفاق (افعال) جب متعدی بمن ہوتا ہے تو خوف کے معنی ہوتے ہیں اور جب متعدی بعلیٰ ہوتا ہے تو اس کے معنی رحمت اور شفقت کے ہوتے ہیں **قولہ** نُنَزِّل، اِنْ حرف شرط ہے اور نشا فعل شرط ہے اور نُنَزِّلْ جواب شرط ہے **قولہ** فَظَلَّتْ فا کے ذریعہ جواب شرط ننزل پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، جبکہ بذریعہ فا ماضی (یعنی ظلت) کا ترتب مضارع یعنی نُنَزِّلْ پر درست نہیں ہے اس لئے ماضی کو مضارع کی تاویل میں کرلیا گیا تاکہ عطف درست ہوجائے **قولہ** وَلَمَّا وُصِفَتِ الاعناق الخ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اعناق غیر ذوالعقول کی جمع ہے جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہے لہٰذا اس کی صفت خاضعۃ آنی چاہئے نہ کہ خاضعین جو کہ جمع مذکر کی صفت ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خضوع ذوالعقول کی صفت ہے جب اس کی نسبت غیر ذوالعقول کی طرف کردی گئی تو غیر ذوالعقول کو ذوالعقول کا درجہ دیتے ہوئے اس کی صفت جمع مذکر کے صیغہ یعنی واؤ نون کے ساتھ لانا درست ہوگیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول رَاَیْتُهم لی ساجدین، ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ ظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ معنی میں ظَلَّتْ اَصْحَابُ اَعْنَاقهم کے ہے، یعنی مضاف محذوف ہے پھر مضاف کو حذف کرکے خبر کو اس کے قائم مقام کردیا **قولہ** مِنْ ذِکْرٍ میں من زائدہ ہے اور من الرحمٰن میں من ابتدائیہ ہے **قولہ** محدثٍ یہ ذکرٍ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ مایاتیهم من ذکر سے جو معنی حدثی سمجھ میں آتے ہیں اسی معنی کی محدث سے تاکید کی ہے **قولہ** اِنَّ فِی ذٰلِكَ لَآیَةً لَآیَةً اِنَّ کا اسم مؤخر ہے، اور اس پر لام زائدہ ہے، یہ آیت اس سورت میں آٹھ مرتبہ ذکر کی گئی ہے مَاکَانَ اَکْثَرُهُمْ مؤمنِیْنَ کی تفسیر فی علم اللہ سے کرکے ایک شبہ کا جواب دیا ہے، شبہ یہ ہے کہ آیت کا مقصد کافروں کے آئندہ ایمان نہ لانے کی خبر دینا ہے تو کان ماضی سے تعبیر کرنا کیسے درست

ہے اس کا ایک جواب فی علم اللہ سے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اسی کو ماضی سے تعبیر کر دیا ہے یہ جواب کان کو اصلی مان کر ہے دوسرا جواب قال سیویہ سے دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کان زائدہ ہے لہٰذا اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

تنبیہ: وَ کَانَ قَالَ سِیْبویه زائدۃٌ میں ابہام ہے، صحیح تعبیر اس طرح ہونی چاہئے، قال سیبویہ، کان زائدۃ

تفسیر وتشریح

سورۂ شعراء میں بھی دیگر مکی سورتوں کے مانند اصول دین اور عقائد یعنی توحید، رسالت، بعث بعد الموت وغیرہ کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اور عبادت اصنام کے سلسلہ میں ان کا موقف بیان کرتے ہوئے حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ذریعہ بت پرستی کو خلاف فطرت اور خلاف عقل ثابت کیا ہے، اس سورت میں چونکہ شعراء کے کچھ اوصاف کا ذکر ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۂ شعراء رکھا گیا ہے، مشرکین مکہ چونکہ آپ ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ شاعر ہے اور جو کچھ بیان کرتا ہے وہ شعر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر رد کرتے ہوئے شعراء کی مذمت بایں الفاظ فرمائی "والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم تَرَ انَّھُمْ فی کل وادٍ یھیمون وأنھم یقولون ما لا یفعلون"

طٰسٓمٓ تلکَ ایتُ الکتابِ المبین یعنی اس کا اعجاز کھلا ہوا ہے اور احکام واضح ہیں اور یہ کتاب حق و باطل میں واضح طور پر امتیاز کرنے والی ہے، اور ان بدبختوں کے غم میں خود کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کہ ان کی فکر میں آپ اپنی جان ہلاک کر ڈالیں، دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے لَعَلَّکَ باخِعٌ الخ اگرچہ صورۃً جملہ خبریہ ہے مگر حقیقت میں نہی کے معنی میں ہے، علامہ عسکری نے فرمایا کہ اس جیسے مقامات میں اگرچہ صورت جملہ خبریہ کی ہے مگر حقیقت میں مراد اس سے نہی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر، اپنی قوم کے کفر اور اسلام سے انحراف کے سبب اتنا رنج و غم نہ کیجئے کہ جان ہی گھلنے لگے۔

وَاِنْ نَشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْھِمْ مِنَ السَّمَاءِ آیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُھُمْ لَھَا خَاضِعِیْنَ علامہ زمخشری نے فرمایا کہ اصل کلام فَظَلُّوْا لَھَا خَاضِعِیْنَ ہے یعنی کفار اس بڑی نشانی کو دیکھ کر تابع ہو جائیں اور جھک جائیں، لیکن یہاں اعناق کا لفظ یہ ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ موضع تواضع ظاہر ہو جائے، اس لئے کہ عاجزی اور تواضع کا اثر پہلے گردن پر ظاہر ہوتا ہے، شیخ سعدیؒ نے بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

خلاصہ یہ ہے کہ یہ دنیا ابتلا اور آزمائش کا گھر ہے جہاں بندوں کو اختیار تمیزی دیکر بندوں کے انقیاد اور تسلیم کو آزمایا جاتا ہے، اسی لئے حکمت الٰہی متقاضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کرلیا جائے، ورنہ اگر خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان ظاہر فرماتا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں، جیسا کہ بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق ومسلط کردیا تھا، مگر ایسا اس لئے نہیں کیا کہ حکمت خداوندی اس بات کی متقاضی تھی کہ یہ احکام اور معارف بدیہی نہ ہوں بلکہ نظری رہیں تاکہ انسان ان میں غور وفکر کریں اور یہی غور وفکر انسان کی آزمائش ہے اور اسی پر ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہے، بدیہی چیزوں کا اقرار تو ایک طبعی اور ضروری امر ہے، اس میں تعبد اور اطاعت کی شان نہیں۔ (معارف ملخصاً)

وَاذكر يا محمدُ لقومِكَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى ليلةَ راى النارَ والشجرةَ اَنِ اى بِاَنْ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ رسولاً قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ مَعَهُ ظَلَمُوْا انفُسَهُمْ بالكُفرِ باللّٰهِ وبَنِي اسرائيلَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ اَلَا الهمزةُ للاستفهام الإنكاريّ يَتَّقُوْنَ ۝ اللّٰهَ بطاعتِهِ فَيُوَحِّدُونه قَالَ موسى رَبِّ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ مِنْ تكذيبهم لِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ بِاَدَاءِ الرِّسالةِ لِلْعُقْدَةِ التى فِيهِ فَاَرْسِلْ اِلٰى اَخِيْ هٰرُوْنَ ۝ مَعِي وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ بِقَتْلِيْ القِبْطِيَّ منهم فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ به قَالَ تعالٰى كَلَّا ۚ اى لا يَقتلونَكَ فَاذْهَبَا اى انت واخوك فَفِيهِ تغليبُ الحاضرِ على الغائبِ بِاٰيٰتِنَا اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ ما تقولون وما يُقال لَكُمْ اُجْرِيَا مَجْرَى الجماعة فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا اى كُلًّا مِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ اِليكَ اَنْ اى بِاَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا اِلَى الشامِ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ۭ فَاَتَيَاهُ فَقَالَا لَهُ مَاذُكِرَ قَالَ فرعونُ لموسى اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا فِيْ مَنَازِلِنَا وَلِيْدًا صغيرًا قريبًا من الوِلادةِ بعد فِطامِه وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ ثلاثين سَنَةً يَلْبَسُ مِنْ مَلَابِسِ فرعونَ ويَركبُ مِنْ مَرَاكِبِهِ وكان يُسَمّٰى ابنَه وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ هي قَتْلُه القِبْطِيَّ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ الجاحِدِيْنَ لِنِعْمَتِيْ عليك بالتَّربِيَةِ وعَدَمِ الإسْتِعْبَادِ قَالَ موسٰى فَعَلْتُهَآ اِذًا اى حينئذٍ وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ عَمَّا اٰتَانِيَ اللّٰهُ بعدَها من العلمِ والرسالةِ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ حُكْمًا عِلْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اصلُه تمنُّ بها اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ۝ بيانٌ لِتِلْكَ النِّعْمَةِ اى اتَّخَذْتَهم عَبِيْدًا ولم تَسْتَعْبِدْنِيْ لَانِعْمَةَ لَكَ بِذٰلِكَ لِظُلْمِكَ بِاسْتِعْبَادِهِم وَقَدَّرَ بعضُهم اَوَّلَ الكلامِ همزةَ استفهامٍ لِلْاِنكارِ قَالَ فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰى وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الذى قلتَ اِنَّكَ رسولُه اى اىُّ شيءٍ هو ولَمَّا لم يكن سبيلٌ لِلْخلقِ الى مَعرفةِ حقيقتِه تعالٰى واِنَّمَا يَعْرِفُونه بِصِفاتِه اَجَابَ موسٰى عليه الصَّلٰوةُ والسلامُ بِبَعْضِهَا قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اى خالقُ ذٰلك

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۞ بانّهٗ تعالٰى خالقه فاٰمِنُوْا به وَحْدَهٗ قَالَ فرعونُ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ مِن اشرافِ قومِه اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۞ جَوَابه الّذى لم يُطابق السُّوالَ قَالَ مُوسٰى رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ وهٰذا وإنْ كان داخلًا فيما قبلَه يُغِيْظُ فرعونَ ولِذٰلِكَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۞ قَالَ موسٰى رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ انه كذٰلك فاٰمِنُوْا به وحده قَالَ فرعونُ لِمُوْسٰى لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۞ كان سِجْنُه شديدًا يُحْبَسُ الشخصُ فى مكان تحت الارض وحدَه لا يبصر ولايسمع فيه احدًا قَالَ له موسٰى اَوَلَوْ اى اتفعلُ ذٰلِكَ وَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۞ اى بُرْهانٍ بَيّنٍ على رِسالتى قَالَ فرعونُ له فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ فيه فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۞ حَيَّةٌ عظيمةٌ وَّنَزَعَ يَدَهٗ اَخْرَجَها مِن جَيْبِه فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ ذاتُ شُعَاعٍ لِلنّٰظِرِيْنَ ۞ خلافَ ماكانتْ عليه مِنَ الْاُدْمَةِ. ع

ترجمہ

اور اے محمد اپنی قوم کو اس وقت کا واقعہ یاد دلایئے کہ جب تیرے رب نے موسیٰ کو حکم دیا اس رات میں جبکہ موسیٰ نے آگ اور درخت کو دیکھا کہ تو ظالم قوم کے پاس رسول بن کر جا قوم فرعون کے پاس مع فرعون کے انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کر کے اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے اَلَا یتقون میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو کہ اس کی طاعت اختیار کر کے اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے اور ان کے میری تکذیب کی وجہ سے میرا دل تنگ ہو جائے، اور ادا رسالت کے لئے میری زبان اس گرہ کی وجہ سے نہ چل سکے جو اس میں ہے لہٰذا میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی ہارون کے پاس بھی جبرائیل کو بھیج دیجئے اور میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے ان میں سے میرے ایک قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ اس کے بدلہ میں مجھے قتل کر دیں ارشاد ہوا ہرگز نہیں یعنی تجھ کو قتل نہیں کر سکتے سو تم دونوں میری آیتیں لیکر جاؤ یعنی تم اور تمہارا بھائی، اس میں غائب پر حاضر کو غلبہ ہے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جو تم کہو گے اور جو وہ تم سے کہیں گے ہم اس کو سنتے ہیں، دو کو جماعت کے قائم مقام کر دیا ہے، تو اب دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہم دونوں یعنی ہم میں سے ہر ایک پروردگار عالم کا تیری طرف رسول ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ شام کی طرف جانے دے چنانچہ یہ دونوں حضرات فرعون کے پاس آئے اور جو کچھ ماقبل میں مذکور ہوا اس سے کہہ دیا فرعون نے موسیٰ سے کہا کیا ہم نے تیری بچپن میں اپنے گھروں میں پرورش نہیں کی؟ (یعنی) بچپن میں ولادت کے قریب دودھ چھڑانے کے بعد اور تم اپنی عمر کے کئی سال ہمارے یہاں رہے یعنی تیس سال (اس

مدت میں) فرعون ہی کے کپڑے پہنتے تھے اور اسی کی سواریوں پر سوار ہوتے تھے اور ان (موسیٰ) کو ابن فرعون کہا جاتا تھا، اور تو نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو تو نے کی تھی اور وہ قبطی کا قتل تھا اور تم بڑے ناسپاس ہو یعنی اپنے اوپر میری تربیت اور غلام نہ بنانے کے انعام (احسان) کی ناشکری کرنے والوں میں سے ہو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا جس وقت میں نے وہ حرکت کی تھی میں اس وقت (یعنی تیرے پاس قیام کے دوران) اس چیز سے ناواقف تھا جو بعد میں اللہ نے مجھے (اس کا علم) عطا فرمایا یعنی علم اور رسالت (عطا فرمائی) جب مجھے تم سے خوف ہوا تو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا، پھر مجھے میرے رب نے حکم یعنی علم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں میں شامل فرمایا یہ ہے وہ نعمت جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے (تَمُنُّهَا) کی اصل تَمُنُّ بِهَا تھی کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے یہ تلك النعمة کا بیان ہے یعنی تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے اور مجھے آزاد چھوڑ رکھا ہے یہ تیرا کوئی احسان نہیں ہے؟ اس ظلم کی وجہ سے کہ ان کو تو نے غلام بنا رکھا ہے اور بعض حضرات نے کلام کے شروع میں ہمزہ استفہام انکاری مقدر مانا ہے فرعون نے موسیٰ سے معلوم کیا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ جس کے بارے میں تو کہتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں، یعنی اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور جبکہ مخلوق کیلئے باری تعالیٰ کی حقیقت کی معرفت کی کوئی صورت نہیں تھی، اس کو تو صرف اس کی صفات کے ذریعہ ہی پہچانا جا سکتا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ کی بعض صفات کو بیان کر کے جواب دیتے ہوئے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب یعنی خالق ہے اگر تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان (کائنات) کا خالق ہے تو اس وحدہ (لاشریک) پر ایمان لے آؤ، تو فرعون نے اپنے اردگرد کے لوگوں یعنی اپنی قوم کے سرداروں سے کہا کیا تم اس کا جواب جو سوال کے مطابق نہیں ہے سن نہیں رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے یہ (تعریف) اگرچہ ماقبل (کی تعریف) میں داخل ہے (مگر یہ تعریف) فرعون کو غصہ دلانے والی ہے اور اسی وجہ سے (فرعون) نے (غصہ میں) کہا بلا شبہ تمہارا رسول جس کو تمہارے پاس بھیجا ہے یقیناً پاگل ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مشرق و مغرب کا اور جو ان کے درمیان ہے ان کا (بھی) رب ہے اگر تم کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ ایسا ہی ہے تو اس وَحْدَهٗ لاشریك پر ایمان لے آؤ، فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اگر تم میرے علاوہ کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو میں تم کو یقیناً حوالۂ زنداں کر دوں گا، اس کا جیل خانہ بڑا سخت تھا وہ انسان کو تہہ خانہ میں تنہا قید کر دیتا تھا کہ وہ نہ کسی کو دیکھ سکے اور نہ کسی کی (بات) سن سکے، موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کیا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کروں تب بھی تو ایسا کرے گا یعنی اگر اپنی رسالت پر کوئی واضح دلیل پیش کروں (تب بھی) فرعون نے موسیٰ سے کہا اگر تو دعوۂ رسالت میں سچا ہے تو دلیل پیش کر تو اسی وقت (موسیٰ نے) اپنا عصا ڈال دیا تو وہ دفعۃً واضح طور پر اژدہا بن گیا اور اپنے ہاتھ کو نکالا یعنی ہاتھ کو اپنے گریبان سے نکالا تو وہ اسی وقت دیکھنے والوں کو سفید چمکدار نظر آنے لگا یعنی سابقہ گندمی رنگ کے خلاف نظر آنے لگا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله اَنْ ای بِاَنْ اس تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ مصدریہ ہے اور اس سے پہلے باحرف جر مقدر ہے اور بعض حضرات نے اَنْ کو تفسیریہ بھی کہا ہے اس لئے کہ نادیٰ قالَ کے معنی میں ہے، **قوله** رسولاً یہ ائتِ کی ضمیر سے حال ہے قوم فرعون میں فرعون بطریق اولیٰ شامل ہے، نیز قوم فرعون کے پاس بھیجنا فرعون کے پاس بطریق اولیٰ بھیجنا ہے اس لئے کہ اصل سرکشی اور فساد کا سرچشمہ تو فرعون ہی تھا، **قوله** وبنی اسرائیلَ کا عطف انفسهم پر ہے، استعباد کا مطلب ہے غلاموں جیسا معاملہ کرنا یعنی ان سے ذلت اور محنت شاقہ کے کام لینا، نہ کہ حقیقت میں غلام بنانا **قوله** اَلاَ الهَمزة للاستفهام الانکاری، صحیح یہ ہے کہ ہمزہ تعجب کے لئے ہے نہ کہ انکار کے لئے جیسا کہ مفسر علام نے صراحت کی ہے اس لئے کہ لا تتقون حرف نفی کی وجہ سے منفی ہے اور جب اس پر ہمزہ انکاری داخل ہوگا تو نفی النفی اثبات کے قاعدہ سے اثبات ہو جائے گا جو کہ فاسد ہے اس لئے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ''اے موسیٰ تو قوم فرعون کے پاس جا اس لئے کہ وہ (اللہ) سے ڈرتی ہے اور یہ معنی سراسر خلاف واقعہ ہیں، **قوله** قالَ موسٰی اِنّی اَخافُ (الآیۃ) موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی کے جواب میں تین عذر پیش کئے ۱ مجھے تکذیب کا اندیشہ ہے ۲ تکذیب سے میرا دل تنگی محسوس کرے گا ۳ میری زبان میں سلاست نہیں ہے، یہ تینوں اعذار امتثال امر سے باز رہنے کے لئے بیان نہیں فرمائے بلکہ رسالت کے بار گراں سے اظہار عاجزی اور بیان حقیقت، نیز طلب معونت کے طور پر تھے **قوله** ویضیقُ صدری یا تو جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی اس کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت کا بیان ہے، یا پھر اِنّی اَخافُ میں اِنَّ کی خبر اَخافُ پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے **قوله** اُجر یا مجری الجماعة یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حضرت موسیٰ وہارون دو تھے ان کے لئے تثنیہ کا صیغہ لانا چاہئے تھا اَیْ اِنَّا مَعَکُمَا حالانکہ مَعَکُمْ جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، جواب یہ ہے کہ تثنیہ کو تعظیماً جماعت کے قائم مقام کردیا ہے **قوله** اَیْ کُلاًّ مِنَّا اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب مقصود ہے، سوال یہ ہے کہ اِنَّا کے اسم وخبر میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ رسول خبر ہے جو کہ مفرد ہے اور مخبر عنہ اِنَّا کی ضمیر ہے جو کہ جمع ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِنَّا کُلاًّ مِنَّا کے معنی میں ہے جو کہ مفرد کے حکم میں ہے لہٰذا اِنَّ کے اسم وخبر میں مطابقت موجود ہے **قوله** فَاَتیاہُ اس عبارت کے مقدر ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قَالَ فرعونُ کا ترتب فعل محذوف پر ہے **قوله** قریباً من الولادة بعدَ فطامه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ ولید نومولود شیر خوار بچہ کو کہتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی شیر خواری کے زمانہ میں تو اپنی والدہ کے پاس تھے، تو پھر فرعون کی تربیت کا کیا مطلب ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ولید سے دودھ چھڑانے کے فوراً بعد کا زمانہ مراد ہے، مگر زیادہ بہتر ہے

کہ آیت کو اپنے ظاہر پر ہی رکھا جائے تاویل کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شیر خوارگی کے زمانہ میں اگرچہ اپنی والدہ کے پاس تھے مگر نگرانی اور نفقہ فرعون ہی کا تھا، لہٰذا فرعون کا نُرَبِّكَ فينا وليدًا کہنا درست ہے **قوله** مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ مِنْ تبعیضیہ ہے مِن عمرك سنين کی صفت ہے جو کہ مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہو کر محلاً منصوب ہے، اس لئے کہ نکرہ کی صفت کو جب مقدم کر دیا جاتا ہے تو وہ حال ہو جاتی ہے ففررتُ مِنكم لَمَّا خِفتُكم یعنی جب مجھے تمہاری جانب سے ایذا رسانی کا اندیشہ ہوا تو میں بھاگ کھڑا ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی کا علم اس وقت ہو کہ جب آپ سے یہ کہا گیا اِنَّ الملاء یاتمرون بك لیقتلوكَ (سورہ قصص آیت ۲۰) منکم میں ضمیر جمع لانے کی وجہ اسی سے معلوم ہوتی ہے ورنہ تو ففررت منكَ کا موقعہ تھا اس لئے گفتگو فرعون سے ہو رہی ہے نہ کہ سب سے **قوله** تِلْكَ نِعمةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ (الآیة) تلك کا مشار الیہ تربیت ہے جو کہ اَلَمْ نربك سے مفہوم ہے تلك مبتداء نعمة موصوف تمنها جملہ ہو کر صفت، موصوف باصفت مبتداء کی خبر مبتداء باخبر مُبَيِّن اَن عَبَّدْتَّ عطف بیان تَمُنُّهَا اصل میں تمُنُّ بها تھا حرف جر کو حذف کر کے ضمیر کو فعل سے متصل کر دیا، گویا کہ یہ حذف واتصال کے باب سے ہے، مطلب یہ ہے کہ تیرا مجھے غلام نہ بنانا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے اس لئے کہ میری قوم کے دوسرے افراد کو تو نے غلام بنا رکھا ہے جو کہ ظلم ہے لہٰذا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تجھ کو غلام بنا کر تجھ پر ظلم نہیں کیا اور ظلم نہ کرنا یہ کوئی احسان کی بات نہیں بلکہ ظلم سے مامون رہنا تو ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور بعض حضرات نے وتلكَ سے پہلے ہمزہ مقدر مان کر اصل عبارت اس طرح بتائی ہے اَوَتِلْكَ کیا اس کو نعمت کہا جا سکتا ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے کہ مجھے آزاد چھوڑ کر میری پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے جن سے تو ذلت آمیز اور محنت شاقہ کے کام لیتا ہے اور توہین آمیز برتاؤ کرتا ہے **قوله** فآمنوا به شارح نے یہ عبارت مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ مُوْقِنِيْنَ کی جزاء محذوف ہے قَالَ فِرعَوْنُ وَمَا رَبُّ العَالَمِيْنَ فرعون نے رب العالمین کے بارے میں ما کے ذریعہ سوال کیا جو کہ شئ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے آتا ہے اس لئے اَيُّ کے ذریعہ سوال کرنا چاہئے تھا جو کہ صفات سے سوال کرنے کے لئے آتا ہے مگر فرعون نے اپنی غباوت کی وجہ سے مَا هُوَ سے سوال کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی غباوت پر تنبیہ کرنے کے لئے جواب میں صفات کو بیان کیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تجھ کو ما کے ذریعہ رب العالمین کی حقیقت سے سوال کرنے کے بجائے اَيُّ شيٍ سے اس کی صفات کے بارے میں سوال کرنا چاہئے، اس لئے کہ رب العالمین کی کنہہ اور حقیقت اس دنیا میں معلوم نہیں ہو سکتی، **قوله** وَمَا بَيْنَهُمَا میں هُمَا تثنیہ سے سمٰوات اور ارض مراد ہیں، حالانکہ سمٰوات جمع ہے اس لئے بَيْنَهُنَّ لانا چاہئے تھا، جواب یہ ہے سمٰوات ایک جنس ہے اور ارض ایک جنس ہے لہٰذا دونوں جنسوں کے لئے تثنیہ کا صیغہ لایا گیا ہے قال فرعون لِمَنْ حوله اَلا تَسْتَمِعُوْنَ فرعون نے اپنے اس قول سے اپنی قوم کے اشراف کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مدعی نبوت میں تو سوال سمجھنے کی بھی

صلاحیت نہیں ہے لہٰذا اس کا دعویٰ نبوت صحیح نہیں ہے میں نے مَا هُوَ سے رَبُّ العالمینَ کی حقیقت سے سوال کیا اور یہ جواب میں حقیقت بیان کرنے کے بجائے صفات بیان کررہے ہیں، مگر موسیٰ علیہ السلام نے ماھُوَ کے جواب میں صفات کو بیان کرکے اس طرف تعریض کی کہ جس شخص کو سوال کرنے کا سلیقہ بھی نہ ہو بھلا اس کے دعوۂ ربوبیت میں کیا صداقت ہوسکتی ہے؟ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبائِكُمْ الاولین یہ دوسرا جواب اگرچہ پہلے جواب رب السمٰوات والارض وما بینھما میں داخل ہے مگر فرعون کو غصہ دلانے کے لئے دوسرا جواب دیا کہ وہ صرف آسمانوں اور زمین ومابینھما ہی کا خالق نہیں ہے بلکہ تیرا اور تیرے باپ دادا کا بھی خالق ہے چنانچہ فرعون نے غضبناک ہوکر کہا اِنَّ رسولکم الذی اُرْسِلَ اِلَیْکم لَمجنون مفسر علام نے یہی مطلب بیان کیا ہے، مگر تفسیر کبیر میں علامہ فخرالدین رازی نے فرمایا کہ خالقیت سمٰوات والارض کے ذریعہ تعریف سے عدول کرنے کی یہ وجہ تھی کہ ہوسکتا ہے کہ فرعون یہ کہہ دیتا کہ زمین اور آسمان واجب لذاتہٖ ہیں لہٰذا وہ خالق اور مؤثر سے مستغنی ہیں، یہ بات کسی عاقل کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے اور اپنے آباء کے بارے میں کہہ دے کہ یہ واجب لذاتہٖ ہیں اس لئے کہ مشاہدہ اس بات کا شاہد ہے کہ عدم کے بعد ان کا وجود ہوا ہے اور پھر عدم ہوجائے گا، اور جس چیز پر عدم طاری ہو وہ حادث ہوگا اس کے لئے موثر کا ہونا ضروری ہے، دوسری تعریف پہلی تعریف سے واضح ہے رب المشرق والمغرب موسیٰ علیہ اسلام نے فوراً ہی تیسری تعریف کی طرف عدول کیا جو کہ دوسری سے بھی واضح ہے، مشرق سے مراد طلوع شمس اور مغرب سے غروب شمس مراد ہے، ہر دن کا مشرق اور مغرب مختلف ہوتا ہے اور یہ طلوع وغروب کروڑوں سال سے سرمو تبدیلی یا خلل کے بغیر پوری یکسانیت کے ساتھ رونما ہوتا رہتا ہے یہ کسی مؤثر کے بغیر ممکن نہیں ہے اور وہ مؤثر ہی رب العالمین ہے **قوله** اَلْاُدْمَۃُ گندم گوں، گندمی رنگ۔

تفسیر وتشریح

اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوسٰی، یہ اس ندا کا ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس مصر آرہے تھے، تاریک اور ٹھنڈی رات میں راستہ بھول گئے تھے، تاپنے کے لئے ان کو آگ کی ضرورت محسوس ہوئی، کوہ طور کی جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ نظر آئی آگ اور رہنمائی کرنے والے کی تلاش میں کوہ پر پہنچ گئے جہاں ندائے غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نبوت سے سرفراز کردیا گیا اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ بھی سونپا گیا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّی اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنَ ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی حکم کے بجالانے کے لئے کچھ ایسی چیزوں کی درخواست کرنا کہ جو تعمیل حکم میں مددگار ثابت ہوں کوئی بہانہ جوئی نہیں ہے بلکہ جائز ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی پاکر اس کی بجا آوری کو سہل اور مفید کرنے کے لئے خداوند قدوس سے درخواست کی۔

قَالَ فَعَلْتُهَا اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً اور قصداً نہ تھا بلکہ اس قبطی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا تھا جس سے وہ ہلاک ہو گیا، فرعون کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ تمہارا نبوت کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ تم ایک بے گناہ کو قتل کر چکے ہو جو کہ نبوت کے منافی ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل خطاء تھا، یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے ضلال کے معروف معنی یعنی گمراہی مراد نہیں ہیں، جیسا کہ حضرت قتادہ اور ابن زید کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

قَالَ فرعون وَمَا رب العالمین اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ خدا ذوالجلال کی کنہ اور حقیقت کا جاننا ممکن نہیں کیونکہ فرعون کا سوال خدا کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بجائے ماہیت بتانے کے خداوند کے اوصاف بیان فرمائے جس سے اشارہ فرمادیا کہ خدا کی کنہ اور حقیقت کا ادراک ناممکن ہے اور ایسا سوال کرنا بھی بیجا اور غباوت پر مبنی ہے۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ بنی اسرائیل شام کے باشندے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر آئے تھے حضرت یوسف علیہ السلام بارہ بھائی تھے ان کی نسل میں بہت زیادہ ترقی اور اضافہ ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی تعداد چھ لاکھ تیس ہزار تھی، بنی اسرائیل کو مصر میں رہتے ہوئے چار سو سال گذر چکے تھے، یہ لوگ مصر میں نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی گذار رہے تھے، یہ لوگ اپنے وطن واپس جانا چاہتے تھے مگر فرعون اپنی خدمت گذاری اور بیگار لینے کی ضرورت کی وجہ سے جانے نہیں دیتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام حق پہنچانے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل پر جو ظلم اس نے کر رکھا تھا اس سے باز آنے اور ان کو اپنے ملک جانے دینے کی ہدایت کی۔ (قرطبی)

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے یہاں کتنی مدت رہے اس میں مختلف اقوال ہیں ایک مشہور قول جس کو صاحب جلالین نے بھی نقل کیا ہے کہ تیس سال فرعون کے یہاں رہے اور دس سال مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں رہے اس طرح چالیس سال ہو گئے اس کے بعد کوہ طور پر نبوت ملی، اس کے بعد واپس فرعون کے پاس آئے اور اس کو تیس سال تک دعوت دی اور فرعون کے غرق ہونے کے بعد پچاس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام بقید حیات رہے اس حساب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی ایک قول یہ بھی ہے کہ ابتداء فرعون کے یہاں بارہ سال رہے، قتل قبطی کے بعد مدین تشریف لے گئے اور معاہدہ کے مطابق دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے دس سال کی مدت پوری ہونے پر حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے نکاح کیا اس کے بعد اٹھارہ سال مزید قیام بعد ازاں آپ حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے مصر کے لئے روانہ ہوئے جبکہ آپ کی عمر چالیس سال تھی، اسی سفر کے دوران آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کیا گیا۔ (روح المعانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ قیام کے دوران فرعون سے مناظرہ بھی ہوا جس کو قرآن کریم نے بالتفصیل ذکر کیا ہے جب فرعون لاجواب ہوگیا اور اس سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا تو اپنے مصاحبین اور سرداروں کو ابھارتا اور بھڑکانا شروع کر دیا، اور آخر میں یہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ اگر تم میرے علاوہ کسی اور کو معبود تسلیم کرو گے تو میں تم کو حوالۂ زنداں کر دوں گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں کوئی ایسی چیز یا معجزہ دکھاؤں کہ جس سے ظاہر ہو جائے کہ میں واقعی خدا کا سچا رسول ہوں تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہ کرے گا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلیل نبوت کے طور پر اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جو اژدہا بن کر پھنکارنے لگا، قرآن کریم میں بعض جگہ ثعبان کو حیۃ اور بعض جگہ جانٌّ کہا گیا ہے ثعبان بڑے سانپ کو کہتے ہیں جسے اژدہا کہا جاتا ہے، اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور حیۃ مطلقاً ہر چھوٹے بڑے سانپ کو کہتے ہیں، ان میں تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ ابتداءً تو جان (چھوٹا) سانپ بنتا ہو اور بعد میں ثعبان (بڑا سانپ) ہو جاتا ہو، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جسم اور جثہ کے اعتبار سے تو وہ اژدہا تھا مگر نقل و حرکت کے اعتبار سے جان کے مانند تھا، یعنی عام طور پر اژدہا سریع الحرکت نہیں ہوتا وہ تو ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے مگر وہ ایسا اژدہا تھا کہ سریع الحرکت تھا گویا کہ وہ جان تھا۔

وَنَزَعَ یَدَهٗ روایت ہے کہ فرعون نے جب عصا کا معجزہ دیکھا تو کہا ھَلْ لَكَ غیرھا کیا تیرے پاس اس کے علاوہ کچھ اور ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ آستین سے نکالا اور اپنی بغل میں داخل کر کے نکالا تو وہ نہایت چمکدار اور نورانی تھا قریب تھا کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔

نوٹ: اَنَا رَبُّکُم الاعلیٰ فرعون کا رب اعلیٰ کہنا اپنی قوم کو خوف زدہ اور مرعوب کرنے کے لئے تھا، اس کا یہ اعتقاد نہیں تھا اور یہ اعتقاد بظاہر بعید بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ اس کا وجود عدم کے بعد ہوا ہے، اور دنیا پر ہزار ہا سال ایسے گذر چکے ہیں کہ وہ موجود ہی نہیں تھا، اور اس کے زیر حکمرانی صرف ملک مصر ہی تھا، اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے جب موسیٰ علیہ السلام مدین تشریف لے گئے تھے فرمایا تھا **لَا تَخَفْ من القوم الظّٰلِمِیْنَ** (روح المعانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ اللہ کی ذات سے ناواقف محض تھا اس کے باوجود وہ خود کو **خالق السمٰوٰت والارض وما بینھما** نہیں سمجھتا تھا، بلکہ وہ دہریہ خدا کا منکر تھا اور افلاک کا وجود وجوب لذاتہ مانتا تھا اور افلاک کی حرکت کو حوادث کے وجود کا سبب مانتا تھا اور اس بات کا قائل تھا کہ جو شخص ملک کا مالک اور حکمراں ہوتا ہے وہ اپنے اہل وطن کے لئے مستحق عبادت ہوتا ہے اور ان کا رب ہوتا ہے۔ (روح المعانی، ج ۱۱، ص ۱۰۹)

قَالَ فرعونُ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۙ فائقٌ فی عِلْمِ السِّحرِ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ اَخِّرْ اَمْرَهُمَا وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۙ جَامِعِیْنَ یَاْتُوْكَ بِکُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ۝ یَفْضُلُ موسٰی فِی عِلْمِ السحرِ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ

مَّعْلُوْمٍ ۙ وهو وقتُ الضُّحٰی مِنْ یوم الزِّیْنَةِ وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۙ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ○ الاستفهام لِلْحَثِّ علی الاجتماع والتَّرجِّیْ علی تقدیرِ غَلَبَتِهم لِیَسْتَمِرُّوْا علی دینهم فلا یَتَّبِعُوْا موْسٰی فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ بتحقیق الهمزتین وتسهیل الثانیةِ وادخال الفٍ بینهما علی الوجهین لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ. قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا حِیْنَئِذٍ لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ○ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی بَعْدَ ماقالوْا له اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ واِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ○ فَالاَمْرُ منه لِلْاِذْنِ بتَقْدِیْمِ اِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا به اِلٰی اِظْهارِ الحَقِّ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُوْنَ○ فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ بحذفِ اِحْدی التائینِ مِنَ الاَصْلِ تَبْتَلِعُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۚ یُقَلِّبُوْنَهٗ بِتَمْوِیْهِهِمْ فَیَتَخَیَّلُوْنَ حِبالَهم وعِصِیَّهُمْ اَنَّهَا حَیَاتٌ تَسْعٰی فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۙ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ○ لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَا شَاهَدُوْهُ مِنَ العَصَا لَا یَتَاَتّٰی بالسِّحرِ قَالَ فرعونُ ءَاٰمَنْتُم بتحقیقِ الهمزتین وابدال الثانیة الفا لَهٗ لِمُوْسٰی قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فعلَّمَكم شَیْئًا منه وغَلَبَكم باٰخر فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ مایَنالُكُم مِنِّی لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ای یَدَ كُلِّ واحِدٍ الیُمْنٰی وَرِجْلَهُ الیُسْرٰی وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۚ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۡ لَا ضَرَرَ عَلَیْنا فی ذٰلك اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا بعدَ مَوْتِنَا بِاَیِّ وَجْهٍ كانَ مُنْقَلِبُوْنَ ۚ رَاجِعُوْنَ فی الاٰخرةِ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ ای بِاَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ فی زَمانِنَا

ع

ترجمہ

فرعون اپنے اردگرد موجود مصاحبین سے کہنے لگا یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے یعنی علم سحر میں بڑا فائق ہے یہ تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکالدے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ درباریوں نے کہا آپ اس کو اور اس کے بھائی کو (کچھ) مہلت دیجئے یعنی ان کے معاملہ کو فی الحال مؤخر کر دیجئے اور شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے والے بھیج دیجئے جو آپ کے پاس ہر ذی علم ماہر جادوگر کو لے آئیں جو موسیٰ پر علم سحر میں فائق ہوں پھر ایک معین دن کے مقررہ وقت پر جادوگر جمع کر لئے گئے اور وہ عید کے دن کا چاشت کا وقت تھا (یعنی یوم عاشوریٰ کا) اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم جمع ہو جاؤ گے؟ تاکہ ہم جادوگروں کی اتباع کریں اگر وہ غالب رہیں، استفہام اجتماع پر آمادہ کرنے کے لئے ہے، اور ترجی جادوگروں کے غلبہ کی صورت میں ان کے دین پر قائم رہنے کے لئے ہے تاکہ موسیٰ کا اتباع نہ کریں، چنانچہ جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے کہنے لگے اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا انعام ملے گا؟ اَئِنَّ میں دونوں

ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے، فرعون نے کہا ضرور، اور تم اس صورت میں مقربین میں داخل ہو گے، موسیٰ علیہ السلام نے بعد اس کے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آیا آپ پہلے وار کریں گے یا ہم پہلے وار کریں ان سے کہا جو تمہیں ڈالنا ہے ڈالو موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے (القاء) کا حکم ان کے پہلے ڈالنے کی اجازت کے لئے ہے تاکہ اجازت اظہار حق کا ذریعہ ہو چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کو ڈالدیا اور پکار اٹھے فرعون کی عزت کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالدیا تو ڈالتے ہی ان کے بناوٹی کرتب کو نگلنا شروع کردیا تَلْقَفُ میں اصل سے دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کرکے اور وہ ان چیزوں کو اپنی نظر بندی کے ذریعہ بدل رہے تھے اور لوگ ان کی رسیوں اور لکڑیوں کو دوڑتے ہوئے سانپ محسوس کررہے تھے یہ دیکھتے ہی جادوگر بے اختیار سجدہ میں گر گئے (جادوگروں نے صاف) کہہ دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے (یعنی) موسیٰ وہارون کے رب پر ان کے اس بات سے واقف ہوجانے کی وجہ سے کہ انہوں نے عصا سے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ جادو کے ذریعہ نہیں ہوسکتا، فرعون نے کہا کیا تم میری اجازت کے بغیر اس پر یعنی موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ءَآمنتم میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر یقیناً یہی تم سب کا گرو ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے چنانچہ تم کو جادو کا کچھ حصہ سکھا دیا اور دوسرے کے ذریعہ (جس کو تم سے چھپا کر رکھا) تم پر غالب آگیا، ابھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ میری طرف سے تم کو کیا پیش آتا ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا یعنی ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا سب نے جواب دیا کچھ حرج نہیں ہمارا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے ہم تو مرنے کے بعد جس طرح بھی موت آئے اپنے رب کے پاس آخرت میں جا پہنچیں گے ہم امید رکھتے ہیں یہ کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے گا اس سبب سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے ایمان لے آئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَلْمَلَأُ اسم جنس ہے سرداروں کی جماعت (جمع) اَمْلَاءٌ، اَرْجِهْ اِرْجَاءٌ سے امر کا واحد مذکر حاضر ہے، ہٗ ضمیر مفعولی ہے ڈھیل دے، مہلت دے **قوله** تَأْمُرُوْنَ اصل میں تَأْمُرُوْنَنِيْ تھا **قوله** يَأْتُوْكَ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے، **قوله** وَاِدْخَالِ الْاَلِفِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ یہاں مناسب تھا وعلیٰ ترك الادخال على الوجهين بھی فرماتے تاکہ چار قرأتیں ہوجاتیں **قوله** فَالْاَمْرُ فِيْهِ الخ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ کہہ کر جادو یعنی ایک قبیح اور کفریہ عمل کا حکم فرمایا اس لئے کہ جادو کفر اور عمل قبیح ہے اور نبی کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ کسی کو کفریہ عمل کرنے کا حکم دے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم نہیں تھا بلکہ بصورت

امر اجازت تھی اس لئے کہ جادوگروں نے کہا تھا کہ اول تم وار کرو یا ہم کو اجازت دو کہ ہم وار کریں موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اول وار کرنے کی اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ کہہ کر اجازت دیدی، لہٰذا اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے، مگر اس جواب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کفریہ عمل کی اجازت بھی رضا پر دلالت کرتی ہے اور رضا بالکفر کفر ہے لہٰذا اجازت دینا بھی مناسب نہیں تھا، اس شبہ کا جواب بھی اسی عبارت میں موجود ہے کہ اظہار حق کے لئے ضروری تھا کہ جادوگروں کو اجازت دیدی جائے تاکہ وہ اپنا کرتب دکھائیں اور عصاء معجزہ کے ذریعہ اژدہا بن کر ان کے اس باطل اور بناوٹی کرتب کو حاضرین کے روبرو نگل جائے اور لوگوں پر حق و باطل میں فرق واضح ہو جائے جیسا کہ حق ظاہر ہو گیا یہ ایسا ہی ہے کہ مسجد کو منہدم کرنا اگرچہ قبیح ہے مگر تعمیر نو کے لئے انہدام قبیح نہیں بلکہ مستحسن ہے لہٰذا یہ تخریب برائے تعمیر تھی نہ کہ تخریب برائے تخریب۔

قولہ وَابدال الثانیة الفًا والصحیح ابدال الثالثة الفًا اس لئے کہ تیسرا ہمزہ ہی الف سے بدلا ہوا ہے،
قولہ ربِّ موسٰی وھارونَ یہ رب العالمین سے بدل ہے **قولہ** یَأفِکُوْنَ اِفْكٌ (ض) سے جمع مذکر غائب پلٹ رہے تھے، فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ یعنی بے اختیار سجدہ میں گر پڑے۔

تفسیر و تشریح

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَہٗ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ فرعون بجائے اس کے کہ ان معجزات کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا اس نے تکذیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ کی بابت کہا یہ تو کوئی بڑا فنکار جادوگر ہے، نیز اپنی قوم کو بھڑکانے کے لئے کہا کہ وہ ان شعبدے بازیوں کے ذریعہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتے ہیں، اب بتلاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ قوم کے سرداروں نے یہ مشورہ دیا کہ ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو اور تمام شہروں سے تمام جادوگروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کرایا جائے تاکہ ان کے کرتب اور شعبدے بازی کا جواب دیا جائے، چنانچہ جادوگروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف و جوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں، ۱۲ ہزار، ۱۷ سترہ ہزار، ۱۹ ہزار، ۳۰ ہزار، ۸۰ ہزار اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے، بہر حال مقابلہ کا دن اور وقت طے ہو گیا، اور عوام کو بھی تاکیدی حکم جاری کر دیا گیا کہ سب کو معرکہ دیکھنے کے لئے ضرور آنا ہے، جب دونوں فریق آمنے سامنے آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ہی پہلے اپنا کرتب دکھاؤ قَالَ لَھُمْ مُوْسٰۤی اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ اس پر بادی النظر میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادو کا حکم دے رہے ہیں جو کہ فعل قبیح کا حکم ہے اور یہ نبی کی شان سے بعید ہے، اس شبہ کا جواب تحقیق کے زیر عنوان تفصیل سے گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے، تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو

کچھ وہ کرنے والے تھے اس کا ابطال مقصود تھا مگر اس کو باطل کرنا بغیر اس کے ظاہر کرنے کے لئے ناممکن تھا اس لئے آپ نے ان کو جادو کے اظہار کا حکم دیا۔

چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں ڈالدیں جو لوگوں کو نظر بندی کی وجہ سے دوڑتے بھاگتے سانپ معلوم ہونے لگے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی طبعی طور پر خوف محسوس کیا جس کو قرآن کریم نے فاوجس فی نفسہ موسیٰ خیفۃً سے تعبیر کیا ہے (طٰہٰ ۶۷) چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا پورا یقین تھا جیسا کہ ان کے قول قالوا لفرعون اَئِنَّ لَنا لَاَجْرًا اِن کنّا نحنُ الغٰلبینَ سے معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ذرا اپنی لاٹھی زمین پر ڈالدو اور پھر دیکھو چنانچہ لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان کے سارے کرتبوں کو نگل گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

فرعون کے لئے یہ واقعہ بڑا عجیب اور حیرت ناک تھا جن جادوگروں کے ذریعہ وہ فتح اور غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا وہی نہ صرف یہ کہ مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی سب کے سامنے رب العالمین پر ایمان لے آئے، لیکن بجائے اس کے کہ فرعون خود بھی غور و فکر سے کام لیتا اس نے مکابرہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادوگروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد معلوم ہوتے ہو اور تمہارا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش کے ذریعہ تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰیٓ بعدَ سِنِیْنَ اَقَامَهَا بَیْنَهم یدعوهم بِاٰیاتِ اللّٰهِ الی الحقِّ فلَمْ یزیدُوا الا عُتُوًّا **اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ** بنی اسرائیل وفی قراءة بکسر النون ووصلِ همزةِ اسرِ من سری لغة فی اسری ای سِرْبهم لیلا الی البحر **اِنَّکُم مُّتَّبَعُوْنَ**○ یَتْبَعُکُم فرعونُ وجنودُه فیَلِجُوْنَ وراءَکم البحرَ فأُنجیکم واُغرِقُهم **فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ** حینَ اُخبِرَ بِسَیْرِهم **فِی الْمَدَآئِنِ** قیل کان له اَلْفُ مدینةٍ واثنتا عشرة اَلْفَ قَرْیَةٍ **حٰشِرِیْنَ**○ جامعِیْنَ الْجَیْشَ قَائِلاً **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ** طائفة **قَلِیْلُوْنَ**○ۙ قیل کانوا سِتَّمِائَةِ الفٍ وسبعین اَلْفًا ومُقَدَّمَةُ جَیْشِه سبعمِائَةِ اَلْفٍ فَقَلَّلَهُم بِالنَّظر الی کثرة جیشه **وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ**○ۙ فاعلون ما یُغِیْظُنا **وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ**○ؕ مُتَیَقِّظُوْنَ وفی قراءةٍ **حَاذِرُوْنَ** مُسْتَعِدُّون قال تعالٰی **فَاَخْرَجْنٰهُمْ** ای فرعونَ وجنودَه من مصرَ لِیلحقوا موسی وقومَه **مِّنْ جَنّٰتٍ** بَساتِینَ کانت علٰی جانبی اللیل **وَّعُیُوْنٍ**○ۙ انهارٍ جَارِیَةٍ فی الدُّوْرِ من النّیل **وَّکُنُوْزٍ** اموالٍ ظاهرةٍ من الذهب والفضة وسُمِّیَتْ کنوزًا لِاَنَّه لم یُعْطَ حَقُّ اللّٰهِ تعالٰی منها **وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ**○ۙ مجلسٍ

حسنٍ للأمراء والوزراءِ يُخفِه اَتباعُهم كَذٰلِكَ ط اى اِخْرَاجُنَا كما وَصفنا وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ط بعدَ اغراقِ فرعون وقومِه فَاَتْبَعُوْهُمْ لَحِقُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ وقتَ شُرُوق الشمس فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ اى رأى كلٌّ منهما الأخر قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ج يُدرِكُنا جمعُ فرعون ولا طاقة لنا به قَالَ موسٰى كَلَّا ج اى لن يُدْرِكُوْنَا اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ بنصره سَيَهْدِيْنِ طريقَ النجاةِ قال تعالٰى فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ط فضربَه فَانْفَلَقَ انشقَّ اِثنى عشر فِرقًا فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ج الجبلِ الضَّخمِ بَينَها مسالكُ سَلَكوها لم يَبْتَلَّ منها سُرُجُ الراكبِ ولا لِبْدُه وَاَزْلَفْنَا قَرَّبْنَا ثَمَّ هُنالِكَ الْاٰخَرِيْنَ ج فرعونَ وقومَه حتى سَلَكُوا مسالِكَهم وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ج بِاِخراجِهم من البحرِ على هَيْئَتِه المذكورة ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ط فرعونَ وقومَه بِاِطْبَاقِ البَحْرِ عليهم لَمَّا تَمَّ دخولُهم البحرَ وخروجُ بني اسرائيلَ منه اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اى اِغراقِ فرعونَ وقومِه لَاٰيَةً ط عِبرَةً لِمَنْ بعدَهم وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ باللّٰهِ لم يؤمنْ منهم غيرُ اٰسِيَةَ اِمْرَأَةِ فرعون وحِزقيل مؤمنُ الِ فرعونَ ومريمَ بنتِ نا مُوْسٰى الَّتِىْ دلَّتْ على عِظَامِ يُوْسُفَ عليه السلام وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ فانتقَمَ مِنَ الكافرينَ بِاِغْرَاقِهم الرَّحِيْمُ ع بالمؤمنين فَاَنجاهُم من الغَرَقِ.

ترجمہ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا بعد اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان سالہا سال مقیم رہے (اور) اللہ کی آیت کے ذریعہ دعوت حق دیتے رہے مگر ان کی سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا رہا، کہ میرے بندوں بنی اسرائیل کو راتوں رات نکال لیجا، اور ایک قرأت میں نون کے کسرہ اور اَسْرِ کے ہمزہ وصل کے ساتھ ہے اَسْرٰی میں ایک لغت مَسری بھی ہے، یعنی راتوں رات ان کو بحر (قلزم) کی طرف لے جا، یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارا تعاقب کرے گا چنانچہ وہ تمہارے پیچھے دریا میں داخل ہوجائیں گے سو میں تم کو نجات دوں گا اور ان کو غرق کردوں گا جس وقت فرعون کو بنی اسرائیل کے رات کو چلے جانے کی خبر دی گئی تو فرعون نے شہروں میں لشکر کو جمع کرنے والے بھیج دیئے بیان کیا گیا ہے کہ اس کے زیر تسلط ایک ہزار شہر اور بارہ ہزار دیہات تھے، یہ کہتے ہوئے کہ ان لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے کہا گیا ہے ان کی تعداد چھ لاکھ اور ستر ہزار تھی، اور اس کے مقدمۃ الجیش کی تعداد سات لاکھ تھی، اپنے لشکر کی کثرت کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو قلیل قرار دیا (ورنہ تو فی نفسہ وہ کثیر تھے) اور یہ کہ ان لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا ہے یعنی ایسی حرکت کی ہے جس نے ہم کو غضبناک کردیا ہے بلاشبہ ہم سب چوکنے ہیں یعنی بیدار مغز ہیں (غافل

نہیں ہیں) اور ایک قرأۃ حاذرونَ ہے یعنی مستعد ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ ان کو یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو مصر کے باغوں سے جو کہ (دریائے) نیل کے دونوں کناروں پر تھے اور چشموں سے یعنی ان نہروں سے جو نیل سے ان کے گھروں میں جاری تھیں، اور خزانوں سے یعنی سونے چاندی کے اموال ظاہرہ سے اور کنز کو کنز اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کیا گیا اور امراء اور وزراء کی عمدہ مجلسوں سے کہ جن مجلسوں کو ان کے خدام گھیرے ہوئے تھے نکال لائے، بیان کردہ طریقہ کے مطابق ہمارا نکالنا ہوا، فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا چنانچہ قبطی طلوع شمس کے وقت اسرائیلیوں سے جا ملے، پس جب دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے یعنی فرعون کے لشکر نے ہم کو پکڑ لیا اور ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں، حضرت موسیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں یعنی وہ ہم کو ہرگز نہیں پکڑ سکتے (اس لئے) کہ یقین مانو میرے رب کی نصرت میرے ساتھ ہے، وہ عنقریب مجھ کو نجات کا راستہ بتا دے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا پر ماریں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری، اسی وقت دریا بارہ حصوں میں منقسم ہو گیا ہر حصہ عظیم پہاڑ کے مانند تھا اور ان بارہ حصوں کے درمیان راستے تھے جن میں وہ چلتے تھے اور بارہ قبیلوں میں سے نہ کسی سوار کے گھوڑے کی زین تر ہوئی اور نہ نمدہ، اور ہم نے دوسروں یعنی فرعون اور اس کی قوم کو اس موقعہ کے قریب پہنچا دیا حتی کہ وہ بھی ان کے راستوں میں داخل ہو گئے اور ہم نے موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہیئت مذکورہ کے ساتھ دریا سے نکال کر نجات دیدی، بعد ازاں دوسروں کو غرق کر دیا یعنی فرعون اور اس کی قوم کو جب دریا میں ان کا دخول اور اسرائیلیوں کا دریا سے خروج مکمل ہو گیا تو ان پر دریا کو ملا کر غرق کر دیا بلاشبہ اس میں یعنی فرعون اور اس کی قوم کے غرق کرنے میں بعد والوں کے لئے عبرت کی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے یعنی فرعون کی بیوی آسیہ اور آل فرعون کا ایک فرد حزقیل اور مریم بنت ناموسیٰ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کی نشاندہی کی تھی، کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے چنانچہ کافروں سے ان کو غرق کر کے انتقام لے لیا اور مومنین پر بڑا مہربان ہے چنانچہ ان کو غرق سے بچا لیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ شِرْذِمَة چھوٹی جماعت (جمع) شَرَاذِم لشرذمة قليلون قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ لشرذمة قليلة ہوتا، اس لئے کہ قليلة شرذمة کی صفت ہے مگر چونکہ شرذمة اسباط پر مشتمل تھا اور ہر سبط ان میں سے قلیل تھا اس لئے جمع کو مذکر جمع لایا گیا۔ (روح المعانی) اور قليلون، اِنَّ کی خبر ثانی بھی ہو سکتی ہے **قولہ** لجميعٌ بمعنی جمعٌ ای جماعة یہ کلمہ الفاظ تاکید میں سے نہیں ہے کہ یہ اعتراض ہو سکے کہ حرف تاکید تابع ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے اور

یہاں تابع ہو کر استعمال نہیں ہوا، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہ کلمات تاکید میں سے نہیں بلکہ جماعت کے معنی میں ہیں لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے **قولہ وفی قراءۃ حاذرون** ابوعبیدہ نے کہا ہے حَذِرُون اور حَاذِرُون دونوں کے ایک ہی معنی ہیں ہوشیار، بیدار مغز، چوکنا، بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے حَذِرٌ کے معنی متیقظ کے ہیں اور حاذر کے معنی خائف کے ہیں اور بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ حَذِرُون اس مخلوق کو کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر چوکنے ہوتے ہیں جیسے کوا، اور حاذِر اس کو کہتے ہیں کہ جو پیدائشی طور پر تو چوکنا نہ ہو مگر بعد میں چالاک و ہوشیار ہو گیا ہو **قولہ مقام کریم** مقام کریم سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے عمدہ مکانات مراد لئے ہیں، اور بعض نے امراء و رؤساء کی مجالس مراد لی ہیں، جیسا کہ علامہ محلی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے **قولہ کذٰلک** محل نصب میں بھی ہو سکتا ہے تقدیر یہ ہوگی اَخرجناھم مثل ذٰلک الاخراج الذی وصفنا اور مقام کریم کی صفت ہونے کی وجہ سے محل جر میں بھی ہو سکتا ہے ای مقام کریم مثل ذٰلک المقام الذی کان لھم اور مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع بھی ہو سکتا ہے ای الامر کذٰلک **قولہ وَاَوْرَثْنَاھَا** کا عطف فاخرجنا پر ہے **قولہ وَمَا کَانَ اکثرھم مومنین** اکثرھم ان لوگوں کا اکثر مراد نہیں جو حضرت موسیٰ کے تعاقب میں گئے تھے اس لئے کہ وہ تو سب کے سب غرق کر دیئے گئے بلکہ اکثر سے وہ لوگ مراد ہیں جو فرعون کے مسلک اور اس کے عقیدہ پر تھے اور فرعون کی طرف منسوب تھے، ان میں سے بعض لوگ ایمان بھی لائے تھے، جیسا کہ حزقیل اور فرعون کی بیٹی، اس کی بیوی آسیہ اور بنت ناموسیٰ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی اور سیبویہ نے کَانَ کو زائدہ کہا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی جب بلاد مصر میں موسیٰ علیہ السلام کا قیام طویل ہو گیا اور ہر طرح سے انہوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت قائم کر دی لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تو اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ انہیں عذاب ونکال سے دوچار کر کے سامان عبرت بنا دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو یہاں سے لیکر نکل جائیں اور فرمایا کہ فرعون تمہارے پیچھے آئے گا گھبرانا نہیں اسرائیلیوں کو فرعون نے شِرْذِمَۃٌ قلیلونَ تحقیر کے لئے کہا تھا ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ سے بھی زیادہ تھی وَاِنَّھُمْ لنا غَائِظُوْنَ، لَنَا کی تقدیم حصر اور رعایت فواصل کے لئے ہے، اصل میں انھم غائظون لنا ہے، یعنی اول تو یہ میری اجازت کے بغیر چلے گئے، دوسری بات یہ ہے کہ قبطیوں کے زیورات دھوکے سے لے گئے یہ دونوں حرکتیں ایسی ہیں کہ جس نے ہم کو غیظ وغضب میں مبتلا کر دیا ہے۔

فاخرجنا هم من جنّٰتٍ و عيون یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا ہی نصیب نہ ہوا، یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے انہیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث بنی اسرائیل کو بنادیا، بعض حضرات نے **اَوْرَثْنٰهَا بنی اِسْرَائِیْلَ** کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم نے مصر جیسا اقتدار اور دنیوی جاہ وجلال بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا، کیونکہ بنی اسرائیل مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے نیز سورہ دخان میں فرمایا گیا ہے **وَاَوْرَثْنٰهَا قومًا آخرین** کہ ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنادیا (ایسر التفاسیر) بعض اہل علم یہ کہتے ہے کہ **قومًا آخرین** میں قوم کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں یعنی سورۂ شعراء میں جب بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت موجود ہے تو اس سے مراد بھی قوم بنی اسرائیل ہی ہوگی، مگر قرآن کی صراحت کے مطابق مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا اور ان کے انکار پر چالیس سال کے لئے یہ داخلہ مؤخر کر کے میدان تیہ میں بھٹکایا گیا پھر وہ ارض مقدس میں داخل ہوئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر حدیث اسراء کے مطابق بیت المقدس کے قریب ہی ہے، اس لئے صحیح معنی یہی ہیں کہ جیسی نعمتیں آل فرعون کو مصر میں حاصل تھیں ویسی ہی نعمتیں اب بنو اسرائیل کو عطا کی گئیں، لیکن مصر میں نہیں فلسطین میں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جب صبح کو فرعون کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل یہاں سے راتوں رات نکل گئے ہیں تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی اور سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا، جب فرعونی لشکر بالکل قریب آگیا تو پوری قوم بنی اسرائیل چلا اٹھی **اِنا لمدرکون** ہم تو یقیناً پکڑے گئے اور پکڑے جانے میں شبہ ہی کیا تھا آگے سمندر ہے اور پیچھے لشکر فرعون اور یہ صورت حال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی پوشیدہ نہیں تھی مگر وہ کوہ استقامت اللہ کے وعدہ پر یقین کئے ہوئے تھے اس وقت بڑی خود اعتمادی کے ساتھ فرمایا **کَلَّا** ہرگز ہم پکڑے نہیں جاسکتے، اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ **اِنَّ معی رَبّی سیهدین** میرے ساتھ میرا پروردگار ہے جو مجھے عنقریب راستہ دے گا، ایمان کا امتحان ایسے ہی موقعوں میں ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ذرا بھی خوف ہراس نہیں تھا وہ گویا کہ بچنے کا راستہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ ہجرت کے وقت غار ثور میں چھپنے کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا کہ دشمن جو آپکے تعاقب میں تھے اس غار کے دہانے پر آ کھڑے ہوئے ذرا نیچے نظریں کریں تو آپ پر ان کی نظریں پڑ جائیں، اس وقت ابوبکر صدیق کو گھبراہٹ ہوئی تو آپ نے بعینہٖ یہی جواب دیا **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا** غم نہ کر واللہ ہمارے ساتھ ہے ان دونوں واقعات میں ایک خاص بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دینے کے لئے **اِنَّ مَعِیَ رَبّی** فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **اِنَّ اللّٰهَ معَنَا** فرمایا، یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے افراد بھی اپنے رسول کے ساتھ معیت الٰہیہ سے سرفراز ہیں، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح رہنمائی فرمائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تو پانی دونوں طرف رک گیا اور ان دونوں کے بیچ میں بارہ

قبیلوں کے اعتبار سے بارہ راستے بن گئے، غرضیکہ فرعون معہ اپنے لشکر کے غرقِ دریا ہوگیا اور حضرت موسیٰ مع اپنی قوم کے نجات پاگئے، یہ سب کچھ تائید الٰہی سے ہوا تائید الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا، اس واقعہ میں یقیناً بڑی عبرت ہے مگر پھر بھی اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اى كفارِ مكة نَبَاَ خبرَ اِبْرٰهِيْمَ۝ ويُبْدَلُ منه اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِه مَا تَعْبُدُوْنَ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا صَرَّحُوْا بالفِعْلِ لِيَعْطِفُوْا عليه فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ۝ اى نُقِيْمُ نهارًا على عِبَادَتِها زَادُوْه فى الجوابِ افتخارًا به قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ حين تَدْعُوْنَ۝ۙ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اِنْ عَبَدْتُمُوهم اَوْ يَضُرُّوْنَ۝ كُمْ اِنْ لَمْ تعبدوهم قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ۝ اى مثلَ فِعْلِنا قَالَ اَفَرَاَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۝ۙ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ۝ۙ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ لَا اَعْبُدُهم اِلَّا لكن رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝ۙ فانِّى اَعبُده الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ۝ۙ الى الدين وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ۝ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۝ۙ وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ۝ۙ وَالَّذِىْ اَطْمَعُ اَرْجُوْا اَنْ يَّغْفِرَلِىْ خَطِيْٓئَتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ۝ؕ اى الجَزاءِ رَبِّ هَبْ لِىْ حُكْمًا عِلْمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ۝ۙ اى النَّبِيِّيْنَ وَاجْعَلْ لِّىْ لِسَانَ صِدْقٍ ثناءً حَسَنًا فِى الْاٰخِرِيْنَ۝ۙ الذين ياتونَ بَعْدِىْ الى يومِ القِيٰمةِ وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ۝ۙ اى مِمَّنْ يُعْطَاهَا وَاغْفِرْ لِاَبِىْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ۝ۙ بانْ تَتُوبَ عليه فغفِرَ لهٗ وهذا قبلَ ان يَتَبَيَّنَ له اَنّه عَدُوُّ اللّٰهِ كما ذُكر فى سورةِ بَرَاءة وَلَاتُخْزِنِىْ تفضَحْنِىْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ۝ۙ اى الناسُ قال تعالى فيه يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ۝ۙ احدًا اِلَّا لكن مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۝ؕ من الشركِ والنفاقِ وهو قلبُ المؤمنِ فانّه يَنْفَعُه ذٰلك وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ قُرِبَتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ۙ فيرونَها وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ اُظْهِرَتْ لِلْغٰوِيْنَ۝ الكافرين وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۝ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ اى غيرِه من الاصنامِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ بدفعِ العذابِ عنكم اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ۝ؕ بدفعِه عن انفُسِهم لا فَكُبْكِبُوْا اُلْقُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ۝ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اتباعُه ومَنْ اَطاعَه من الجنّ والانسِ اَجْمَعُوْنَ۝ؕ قَالُوْا اى الْغَاوٗنَ وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ۝ۙ مَعَ مَعْبودِيهم تَاللّٰهِ اِنْ مُخفّفةٌ من الثقيلةِ واسمها محذوف اى انّهٗ كُنَّا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ۙ بيّنٍ اِذْ حيثُ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ؕ فى العبادةِ وَمَآ اَضَلَّنَآ عن الهُدٰى اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ۝ اى الشياطينُ او اَوَّلُوْنَ الذين اقْتَدَيْنا بهم فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ۝ۙ كما للمؤمنين من الملائكةِ والنَّبِيِّيْنَ والمؤمنين وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ۝ اى يُهِمُّه اَمرُنا فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً رَجعةً الى الدنيا فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ لَوْهُنا للتمنّى ونَكُوْنَ جوابُه اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ المذكورِ من قصةِ ابراهيم

وَقَوْمِهٖ لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ع

ترجمہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اور کفار مکہ کو ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ (بھی) سنایئے اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ، نَبَأ ابراهیم سے بدل الاشتمال ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد صاحب اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی بندگی کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بتوں کی بندگی کرتے ہیں فعل کی صراحت کی، تا کہ اس پر فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ کا عطف کر سکیں ہم تو دن بھر ان کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں یعنی ہم پابندی سے دن بھر ان کی عبادت کرتے ہیں، اور انہوں نے جواب میں (فَنَظَلُّ) کا اضافہ (بتوں کی) عبادت پر فخر کے طور پر کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا یہ تمہاری سنتے بھی ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟ یا تمہارے ان کی عبادت کرنے کی صورت میں تم کو نفع یا عبادت نہ کرنے کی صورت میں نقصان پہنچاتے ہیں؟ انہوں نے کہا (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا ہے یعنی جس طرح ہم کرتے ہیں (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم اور تمہارے اگلے باپ دادے جن (بتوں) کی بندگی کرتے ہو کبھی ان کی حالت میں غور کیا؟ یہ سب میرے دشمن ہیں میں ان کی بندگی نہیں کرتا لیکن رب العلمین کی بندگی کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی دین کی طرف میری رہبری فرماتا ہے وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا اور پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہی ہے جس سے امید کرتا ہوں کہ روز جزاء وہ میری خطاؤں کو معاف کر دے گا اے میرے پروردگار مجھے علم عطا فرما اور مجھ کو صالحین یعنی نبیوں کے زمرہ میں شامل فرما اور بعد والوں میں میری نیک شہرت عطا فرما یعنی ان لوگوں میں جو میرے بعد قیامت تک آئیں گے اور مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں شامل فرما یعنی ان لوگوں میں جن کو جنت عطا کی جائے گی اور میرے والد کو معاف فرما بلاشبہ وہ راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، اس طریقہ سے کہ تو ان کی توبہ قبول فرما کہ ان کی مغفرت کر دی جائے، اور یہ (دعاء) اس سے پہلے کی بات ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر اس کے دشمن خدا ہونے کی حقیقت واضح ہوئی، جیسا کہ سورہ براۃ میں ذکر کیا گیا ہے اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کے دن مجھے رسوا نہ کر اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بارے میں فرمایا جس دن مال واولاد کسی کے کچھ کام نہ آئیں گے لیکن جو شخص شرک ونفاق سے سالم دل لیکر آئے گا اور وہ مومن کا قلب ہوگا یہ چیزیں اس کے لئے سود مند ہوں گی اور متقیوں کے لئے جنت بالکل قریب کر دی جائے گی کہ وہ اس کو دیکھیں گے اور کافروں کے لئے جہنم ظاہر کر دی جائے گی اور ان سے پوچھ ہوگی کہ جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کی، کیا وہ تم سے عذاب دفع کر کے تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟ یا خود اپنا ہی دفاع کر سکتے ہیں؟ نہیں پس وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر اور اس کے متبعین اور جن وانس میں سے جس نے اس کی اطاعت کی ہوگی سب کو جہنم میں اوندھے منہ کر کے ڈالدیا جائے گا اور کفار جہنم میں اپنے معبودوں کے ساتھ جھگڑتے ہوئے کہیں گے اللہ کی قسم

بلاشبہ ہم کھلی گمراہی میں تھے اِنْ مخفف عن المثقلہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّہٗ جبکہ ہم تم کو عبادت میں رب العالمین کے برابر ٹھہرا رہے تھے اور ہمیں تو سوائے ان بدکاروں کے ہدایت سے کسی نے گمراہ نہیں کیا یعنی شیاطین نے یا ان پہلے لوگوں نے جن کی ہم نے اقتداء کی، اب ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں، جیسا کہ مومنین کے لئے ملائکہ اور انبیاء اور مومنین سفارشی ہیں، اور نہ کوئی سچا غمخوار دوست جس کو ہماری حالت غمگین کردے کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر دنیا میں واپس جانا مل جاتا تو ہم ایمان لے آتے، لَوْ یہاں تمنی کے لئے ہے اور نَكُوْنَ اس کا جواب ہے بلاشبہ ابراہیم اور ان کے مذکورہ قصہ میں بعد والوں کے لئے نشان (عبرت) ہے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب مہربان ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابراهِيْمَ واؤ عاطفہ ہے اور (ماسبق میں) اذكر مقدر پر عطف ہے جو کہ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى میں عامل ہے یہ عطفِ قصہ علی القصہ ہے **قوله** اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ نَبَاَ ابراهِيْمَ سے بدل مفصل عن المجمل ہے **قوله** صَرَّحوا بالفعل لِيَعْطِفُوْا عليه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مَا تَعْبُدُوْنَ کے جواب میں قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ (فقط) اَصْنَامًا کہتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ العَفْوَ میں، اس لئے کہ جب سوال میں فعل مذکور ہوتا ہے تو جواب میں فعل کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، جواب یہ ہے کہ فعل نَعْبُدُ ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ کا عطف درست ہوجائے ورنہ تو فعل کا عطف اسم پر لازم آتا، **قوله** نُقِيْمُ نَهَارًا یہ نَظَلُّ کے معنی کا بیان ہے اب رہی یہ بات کہ فَنَظَلُّ لَهَا عاكِفِيْنَ کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی تو اس کا جواب یہ ہے چونکہ مشرکوں کو بت پرستی پر فخر تھا وہ اس کو معیوب سمجھنے یا اس پر نادم ہونے کی بجائے اس پر فخر کرتے تھے اس لئے انہوں نے فَنَظَلُّ لَهَا عاكفينَ کہا کہ ہم تو دن بھر یعنی ہمہ وقت ان کے سامنے جھکے رہتے ہیں اور یہ ہمارے لئے باعث فخر ہے نہ کہ باعث ندامت **قوله** هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ يَسْمَعُوْنَ دُعَائَكُمْ اس لئے کہ ذوات کے سننے کا کوئی مطلب نہیں ہے **قوله** اَفَرَاَيْتُمْ میں ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَاَمَّلْتُمْ فَاَبْصَرْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ **قوله** وَآبَائُكُمْ کا عطف تعبدون کے اندر ضمیر مرفوع متصل پر ہے اسی وجہ سے ضمیر مرفوع منفصل اَنْتُمْ کے ذریعہ تاکید لائی گئی ہے **قوله** فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ وہ میرے دشمن ہیں عداوت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف کی ہے یہ تعریض ہے اور باب نصیحت میں تعریض تصریح سے ابلغ ہے یعنی بجائے اس کے کہ یوں کہتے فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ، فَانهم عَدُوٌّلِّيْ کہا **قوله** اِلَّا لكن رب العٰلمِيْنَ اِلَّا کی تفسیر

لکنّ سے کر کے اشارہ کردیا کہ یہ استثناء منقطع ہے، معنی یہ ہیں لکنّ ربّ العلمین لیس بعدوّی بل هو ولیّ فی الدُّنیا والاخرۃ **قوله** الّذی خلقنی یہ یا تو رب العالمین کی صفت ہے یا بدل ہے یا عطف بیان ہے یا ھُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور اس کا مابعد اس پر معطوف ہے **قوله** وَاِذَا مرضتُ فَھُوَ یشفین اس میں مرض کی نسبت اپنی طرف کی ہے نہ کہ اللہ کی طرف ایسا غایت ادب کی وجہ سے کیا ہے **قوله** لسانَ صدقٍ یہ اضافت موصوف الی الصفت ہے ای اللسان الصدق **قوله** قال تعالیٰ فیہ ای فی شان ذلک الیوم بعض حضرات نے کہا ہے کہ یومَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام ہے اور یومَ یُبعثُوْنَ سے بدل ہے، پہلی صورت میں بھی بدل کہا مگر وہ اعتراض سے خالی نہیں ہے **قوله** الّا لکن من اتی اللہ بقلب سلیم شارح نے اِلَّا کی لکن سے تفسیر کر کے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے لیکن اَحَدًا مفعول (محذوف) کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہو دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ مستثنیٰ منہ اگر مالٌ ولا بنونَ قرار دیا جائے تو مستثنیٰ منقطع ہوگا اور اگر مستثنیٰ منہ احدًا کو قرار دیا جائے تو مستثنیٰ متصل ہوگا، اس لئے کہ من اتی اللہ مستثنیٰ منہ احدًا کی جنس سے ہے اور پہلی صورت میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے **قوله** اَیْنَما کنتم تعبُدُوْن، این خبر مقدم ہے اور ما مبتداء مؤخر بمعنی الّذی ہے اور کنتم تعبدون ما کا صلہ ہے عائد محذوف ہے ای تعبدونہ اور من دون اللہ حال ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی مَا کنتُمْ تعبدُوْنَہٗ اَیْنَ **قوله** فلَوْ انَّ لنا کرّۃً بالفارسیہ پس کاش مارا یک بار رجوع باشد، کاش ہم کو ایک مرتبہ دنیا میں واپس جانا مل جاتا **قوله** لَوْ ھُنا للتمنی، فنکون من المؤمنین اس کا جواب ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ لَوْ شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اور فنکون، کرّۃً پر معطوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ اَنَّ لنا کرّۃً فنکونَ مِنَ المومنینَ لَرَجَعْنَا عَمَّا کُنَّا علیہ یہ جواب لخلصنا من العذاب ہو سکتا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ اِبْرَاھِیْمَ مشرکین مکہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام ان کے جد امجد ہیں، آپ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ان کو ان کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنائیے اور بتائیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف کس قدر جد وجہد کی اور کس قدر تکلیفیں برداشت کیں اور بت شکنی کا فرض انجام دیا اور تم ان کی نسل سے مدعی ہونے کے باوجود بت پرستی میں مبتلا ہو۔

واقعہ کا آغاز اس طرح فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم کس چیز کی بندگی کرتے ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال اس لئے نہیں تھا کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ میرے والد صاحب اور میری قوم کس چیز کی پوجا کرتی ہے؟ بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو کچھ یہ لوگ جواب دیں گے میں اپنی دلیل کے مقدمات انہی کے

مسلمات کو بناؤں گا، چنانچہ قوم نے جواب دیا نَعْبُدُ اَصْنَامًا جب قوم نے اقرار کرلیا کہ ہم تو انہی خود تراشیدہ شجر وحجر ومدر کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی کے اقرار پر اپنی دلیل کی بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا ''تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے بھی ہیں؟ یا تمہیں یہ نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کا قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، لاجواب ہوگئے جھنجلا کر کہنے لگے ہم کچھ نہیں جانتے ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے لہٰذا ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَفَرَاَیْتُمْ مَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ یعنی جن چیزوں کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو تم نے کبھی ان کی حقیقت میں غور کیا؟ آیا ان کے اندر کوئی ایک صفت بھی ایسی ہے، جس کی وجہ سے ان کو مستحق عبادت قرار دیا جاسکے؟ ان کی پوجا پاٹ کرنا ایک پرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو ان کی بندگی کیسی؟ لو میں ابھی تمہارے سامنے علی الاعلان کہتا ہوں کہ یہ میرے دشمن ہیں میری ان سے لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہوں گا، اگر ان کے اندر کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا کر دکھائیں تَاللّٰهِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ (انبیاء) لہٰذا ان کی عبادت اور بندگی سراسر ضرر اور نقصان ہے، البتہ اللہ رب العالمین وہ دشمن نہیں بلکہ وہ تو دنیا وآخرت میں میرا ولی اور دوست ہے، میں تو اسی کی بندگی کرتا ہوں اور اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری رہنمائی کرتا ہے اور وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور بیمار ہونے کی صورت میں شفا دیتا ہے اور وہی موت دے گا اور وہی زندہ کرے گا، مذکورہ تمام صیغوں میں یائے متکلم کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے مثلاً یَھْدِیْنِ اصل میں یَھْدِیْنِیْ تھا یائے متکلم کو حذف کردیا گیا۔

وَالَّذِیْنَ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ انبیاء علیہ السلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں اس لئے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں، پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں طالب عفو ہوں گے وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ یعنی جو لوگ میرے بعد آئیں وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزاء اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثناء حسن کی صورت میں عطا فرماتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں۔

وَاغْفِرْ لِاَبِیْ جس شخص کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے تو ایسے شخص کے لئے دعاء مغفرت جائز نہیں اس لئے کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس سے ممانعت فرمائی ہے مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ.

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے دعا مغفرت اس وقت کی تھی جب تک ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ مشرک کے لئے دعاء مغفرت جائز نہیں، جب اللہ نے یہ واضح کردیا تو انہوں نے اپنے باپ سے بیزاری کا اظہار کردیا

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (توبہ) **قوله** بِأَنْ تَتُوْبَ بِأَنْ تَتُوْبَ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی دعا وَاغْفِرْ لِأَبِيْ اپنے والد کی زندگی میں کی تھی اس لئے کہ توبہ کی توفیق اور اس کے لئے دعا تو زندگی ہی میں ہوسکتی ہے اور شارح کے قول هذا قَبْلَ أَنْ يَتَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوُّ اللّٰهِ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا اپنے والد کے لئے انتقال کے بعد کی تھی اس لئے کہ کفر پر مرنا انتقال کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے، تفسیر کبیر میں تطبیق اس طرح دی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے پوشیدہ طور پر حضرت ابراہیم سے کہا تھا کہ میں تیرے ہی دین پر ہوں گو مصلحتاً وتقیۃً نمرود کے دین پر ہوں، حضرت ابراہیم نے اس بات کو حقیقت سمجھتے ہوئے دعاء فرمائی لیکن جب حقیقت اس کے خلاف معلوم ہوئی تو اس سے برأت ظاہر کردی، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی دعاء میں وکان من الضالین فرمایا، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعتقاد نہ ہوتا کہ وہ فی الحال ضالین میں سے نہیں ہے تو وہ کان من الضالین نہ فرماتے۔ (حاشیہ جلالین)

قوله لا تخزني يومَ يُبْعَثُوْنَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لاتخزني يومَ يُبْعَثُوْنَ فرمانا خدا کی عظمت وجلال کے سامنے تواضع وانکساری کا اظہار تھا ورنہ حضرت ابراہیم ﷺ کی جلالت شان سے کون واقف نہیں اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، نیز اس سے امت کو تعلیم بھی مقصود ہے، ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس رسوائی اور ذلت سے بچنے کی دعا حضرت ابراہیم ﷺ نے فرمائی ہے، اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ میرے والد محترم کو عذاب میں گرفتار کرنے کی وجہ سے جو رسوائی اور ذلت ہوگی اس سے میری حفاظت فرما، حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم ﷺ قیامت کے دن اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے تو ایک مرتبہ پھر اللہ کی بارگاہ میں ان کے لئے دعاء مغفرت کی درخواست کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لئے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیگا میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے پھر ان کے والد کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بجّو کی شکل میں جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔ (صحیح بخاری سورۃ الشعراء، وکتاب الانبیاء، باب قول اللہ واتخذ اللّٰہُ ابراھیمَ خلیلاً)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَابَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ بعض حضرات نے اس آیت میں استثناء منقطع قرار دیکر یہ تفسیر کی ہے کہ کسی کو اس روز اس کا مال کام نہ آئے گا نہ اولاد، البتہ کام آئے گا تو اپنا قلب سلیم کام آئے گا یعنی ایسا قلب کہ جو کفر وشرک ونفاق کی بیماری سے محفوظ ہوگا، خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ روز قیامت کسی کا مال واولاد کام نہ آئے گا، کام صرف اپنا ایمان اور عمل صالح آئے گا، جس کو قلب سلیم سے تعبیر کیا گیا ہے، جمہور مفسرین نے اس کو استثناء متصل قرار دیکر یہ معنی کئے ہیں مال اور اولاد قیامت کے روز کسی شخص کے کام نہ آئیں گے بجز اس شخص کے جس کا قلب سلیم ہوگا، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس جگہ قرآن کریم نے وَلَا بَنُوْنَ فرمایا ہے جس کے معنی نرینہ اولاد کے ہیں عام اولاد کا ذکر غالباً اس لئے نہیں کیا کہ آڑے وقت میں کام آنے کی توقع دنیا میں بھی نرینہ اولاد یعنی لڑکوں ہی

سے ہوتی ہے عام طور پر لڑکیوں سے یہ توقع نہیں ہوتی، اس لئے قیامت میں بالتخصیص لڑکوں کے غیر نافع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے دنیا میں نفع کی توقع رکھی جاتی تھی۔

متقیوں کے لئے جنت بالکل قریب کر دی جائے گی اور گمراہ لوگوں کے لئے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے یہ دونوں چیزیں ان کے روبرو کر دی جائیں گی جس سے کافروں کے غم میں اور مومنوں کے سرور میں اضافہ ہو جائے گا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ بتكذيبهم له لاشتراكهم في المجيء بالتوحيد او لانّه لطول لبثه فيهم كانّه رسلٌ وتانيثُ قوم باعتبار معناه وتذكيره باعتبار لفظه **اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ** نسبا **نُوحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ** الله **اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ** على تبليغ ما اُرسلتُ به **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** فيما امُرُكم به من توحيد الله وطاعته **وَمَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ** على تبليغه **مِنْ اَجْرٍ اِنْ** ما **اَجْرِيَ** اي ثوابي **اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** كرّره تاكيدًا **قَالُوْا اَنُؤْمِنُ** نُصدّق **لَكَ** لقولك **وَاتَّبَعَكَ** وفي قراءةٍ واتباعُك جمعُ تابعٍ مبتدأ **الْاَرْذَلُوْنَ** السَفَلة كالحاكة والاساكفة **قَالَ وَمَا عِلْمِيْ** اي عِلمٍ لي **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اِنْ** ما **حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ** فيُجازيهم **لَوْ تَشْعُرُوْنَ** تعلمون ذلك ما عِبتموهم **وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنْ** ما **اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** بيّنُ الانذار **قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ** عمّا تقول لنا **لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ** بالحجارة او بالشتم **قَالَ** نوحٌ **رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا** اي احكُم **وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** قال تعالى **فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ** المملوءِ من الناس والحيوان والطير **ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ** اي بعد انجائهم **الْبٰقِيْنَ** من قومه **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ**

ترجمہ

قوم نوح نے حضرت نوح کی تکذیب کر کے تمام رسولوں کی تکذیب کا ارتکاب کیا ان سب کے توحید کے لانے میں مشترک ہونے کی وجہ سے یا ان کے اپنی قوم میں طویل زمانہ تک قیام کرنے کی وجہ سے گویا کہ وہ کئی رسولوں کے قائم مقام تھے (لفظ) قوم اپنے معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے اور اپنے لفظ کے اعتبار سے مذکر جبکہ ان سے ان کے نسبی بھائی نوح نے فرمایا کیا تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں اس پیغام کے پہنچانے میں جس کو مجھے دیکر بھیجا گیا ہے لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اللہ کی توحید اور اس کی طاعت میں جس کا میں تم کو حکم

کروں میری اطاعت کرو میں تم سے اس پر یعنی اس کی تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا اجر یعنی میرا ثواب تو صرف رب العالمین پر ہے اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو بطور تاکید اس کو مکرر ذکر کیا ہے قوم نے جواب دیا کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں یعنی تیرے قول کی تصدیق کریں حالانکہ تیری اتباع رذیل لوگوں نے کی ہے یعنی کم حیثیت لوگوں نے مثلاً جولاہوں اور موچیوں نے اور ایک قرأۃ میں اِتَّبَعَكَ کے بجائے اَتْبَاعُكَ ہے جو کہ تابع کی جمع ہے (اور) مبتداء ہے (اور ارذلون اس کی خبر ہے) حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا مجھے ان کے پیشوں سے کیا غرض؟ (یعنی مجھے ان کے پیشے سے کوئی مطلب نہیں خواہ ان کا پیشہ رذیل ہو یا شریف، اب رہا یہ احتمال کہ ان کا ایمان دل سے نہیں ہے تو اس کا حساب اللہ پر ہے) ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے سو وہی ان کو جزاء دے گا، اگر یہ حقیقت تمہاری سمجھ میں آجاتی تو تم عیب جوئی نہ کرتے میں ایمان والوں کو دھکا دینے والا نہیں میں تو صاف طور پر ڈرانے والا ہوں یعنی کھلم کھلا ڈرانے والا، وہ لوگ کہنے لگے اے نوح اگر تم باز نہ آئے ان باتوں سے جو تم ہم سے کہتے ہو تو یقیناً سنگسار کردیئے جاؤ گے پتھروں کے ذریعہ یا گالی گلوچ کے ذریعہ (تو پھر مجبور ہوکر) نوح علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگار میری قوم نے میری تکذیب کردی سو آپ میرے اور ان کے درمیان (قطعی) فیصلہ کردیجئے اور مجھے اور جو میرے ساتھ با ایمان لوگ ہیں نجات دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں نجات دی، یعنی انسانوں اور حیوانوں اور پرندوں سے بھری ہوئی کشتی میں ان کو نجات دینے کے بعد اس کی قوم کے باقی لوگوں کو غرق کردیا یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں بے شک آپ کا پروردگار ہی زبردست رحم کرنے والا ہے

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ بتکذیبھم لَہٗ الخ اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کی توجیہ ہے کہ نوح کے لئے مرسلین جمع کا صیغہ لانے کا کیا مقصد ہے حالانکہ وہ ایک فرد تھے، شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول جواب کا خلاصہ یہ ہے تمام انبیاء ومرسلین اصول دین یعنی توحید ورسالت بعث بعد الموت اور آخرت میں جزا وسزا جیسے بنیادی امور میں متفق ہوتے ہیں لہٰذا ایک کی تکذیب سب کی تکذیب شمار ہوگی اَوْ لِاَنَّہٗ سے دوسرا جواب ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کا زمانہ نہایت طویل ہے عام طور پر اتنی مدت میں کئی رسول مبعوث ہوسکتے تھے مگر تنہا حضرت نوح ہی نے اس طویل زمانہ میں فرائض رسالت انجام دیئے اس لئے بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ متعدد رسولوں کے قائم مقام ہیں، جیسا کہ بجّو کو اس کے کئی افراد کے برابر کھانے کی وجہ سے حجاضر کہہ دیا جاتا ہے **قولہ** تانیث قوم کذّبت قومُ نوحٍ میں قوم کو مؤنث مان کر فعل کو مؤنث لائے ہیں اس لئے کہ لفظ قوم اپنے معنی کے اعتبار سے مؤنث اور لفظ کے اعتبار سے مذکر

ہے قوم کی تصغیر قُوَیْمَۃٌ آتی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے، یہی حال ہر اس اسم جمع کا ہے جس کا واحد نہیں ہے جیسے رَھْطٌ ونفرٌ یہی وجہ ہے کہ ضمائر مثلاً لَھُمْ، اَخُوْھُمْ، تَتَّقُوْنَ میں معنی کی رعایت کی گئی ہے **قوله** مِنْ اَجْرٍ مَن مفعول پر زائدہ ہے **قوله** اتباعُكَ مبتداء ہے اَرْذَلُوْنَ خبر، جملہ ہو کر اَنُؤْمِنُ کی ضمیر سے حال ہے مفسر علام جہاں وفی قرأۃ اخری فرماتے ہیں اس سے قرأۃ سبعہ مراد ہوتی ہے مگر ان کا یہ طریقہ اغلبی ہے کلی نہیں، اس لئے کہ یہاں اتباعُكَ والی قرأۃ سبعیہ نہیں ہے یہ قرأۃ یعقوب کی ہے عشرہ میں سے اَلسَّفْلَۃُ سافِلَۃٌ کی جمع ہے، بے حیثیت یا کم حیثیت لوگ کہتے ہیں الحائك (نور باف) قال فی القاموس، حاكَ الثوبَ حَوْكًا وحِیَاكًا نَسَجَہٗ فھُوَ حَائِكٌ اَلاَسَاكِفَۃ جمع اِسْكَاف کفش دوز (موچی) **قوله** وَمَا عِلْمِیْ اس میں دو صورتیں ہیں اول مَا استفہامیہ انکاریہ مبتداء، اور عِلْمی خبر اور باَ علمی سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَیُّ شَیْئٍ عِلْمی؟ دوسری صورت ما نافیہ اس صورت میں بھی بَا علمی سے متعلق ہوگی، مفسر علام نے اَیُّ عِلْمٍ لِی کہہ کر اول صورت کی طرف اشارہ کیا ہے عِلْمِیْ کی اصل عِلْمٌ بِیْ ہے تخفیفاً حذف کر دیا گیا **قوله** اَیْ اُحْکُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے فَافْتَحْ انفتاحۃ سے مشتق ہے جس کے معنی حکومت کے ہیں الفتاح ای الحاکم، یفتحہ المغلق من الامور۔

تفسیر وتشریح

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِیْنَ قوم نوح نے اگرچہ صرف ایک رسول حضرت نوح کی تکذیب کی تھی مگر چونکہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے اس لئے فرمایا کہ قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی، حضرت نوح علیہ السلام کو ان کا بھائی اس لئے کہا کہ حضرت نوح اسی قوم کے ایک فرد تھے۔

طاعات پر اجرت لینے کا حکم

وَمَا اَسْئَلُكُمْ علیہِ مِنْ اجرٍ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم وتبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے اس لئے سلف صالحین نے تعلیم وتبلیغ وغیرہ دینی امور پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، لیکن متاخرین نے بحالت مجبوری اس کو جائز قرار دیا ہے۔

شرافت کا تعلق اعمال واخلاق سے ہے نہ کہ نسب سے

قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الاَرْذَلُوْنَ اَرْذلون اَرْذَل کی جمع ہے، جاہ ومال نہ رکھنے والے اور اس کی وجہ سے معاشرہ میں کمتر سمجھے جانے والے اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو عرف میں حقیر پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں،

اس آیت میں قوم نوح نے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ آپ پر ایمان لانے والے رذیل اور بے حیثیت لوگ ہیں ہم باعزت اور شریف لوگ ان کے ساتھ کیسے شامل ہو جائیں، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا مجھے ان کے پیشہ ورانہ کاموں سے کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ تم لوگ خاندانی شرافت یا مال و دولت کو شرافت کی بنیاد سمجھتے ہو یہ غلط ہے بلکہ عزت و ذلت یا شرافت و رذالت کا دار و مدار دراصل اعمال و اخلاق ہیں، تم نے جن پر یہ حکم لگایا ہے کہ یہ سب رذیل ہیں یہ تمہاری جہالت ہے چونکہ ہم ہر شخص کے اعمال و اخلاق کی حقیقت سے واقف نہیں، اس لئے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ حقیقت میں کون رذیل اور کون شریف ہے؟

وَمَا اَنَا بطارِدِ المؤمنین یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ اگر کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے پاس سے الگ کر دو تو ہم تمہاری جماعت میں شامل ہو جائیں گے، اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں ایمان والوں کو جدا کرنے والا نہیں ہوں، قریش نے بھی اسی قسم کا سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موالی اور فقراء صحابہ کے بارے میں کیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سالہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ بداخلاقی اور اعراض پر قائم رہے بالآخر مجبور ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے لئے بددعاء کی جس کے نتیجہ میں اہل ایمان کے علاوہ سب غرق دریا ہو گئے حتی کہ بیوی اور بیٹے کو بھی جو ایمان نہیں لائے تھے غرق کر دیا گیا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ مكان مرتفع **اٰيَةً** بناءً علمًا للمارة **تَعْبَثُوْنَ ۝** بمن يمرّ بكم وتسخرون منهم والجملة حالٌ من ضمير تبنون **وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ** للماء تحت الارض **لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝** فيها لا تموتون **وَاِذَا بَطَشْتُمْ** بضرب او قتل **بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝** من غير رأفة **فَاتَّقُوا اللّٰهَ** فى ذلك **وَاَطِيْعُوْنِ ۝** فيما امرتكم به **وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ** انعم عليكم **بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ** بساتين **وَّعُيُوْنٍ ۝** انهار **اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝** فى الدنيا والاخرة ان عصيتمونى **قَالُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ** مستوٍ عندنا **اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝** اصلاً اى لا نرعوى لوعظك **اِنْ** ما **هٰذَآ** الذى خوفتنا به **اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝** اى اختلاقهم وكذبهم وفى قراءة بضم الخاء واللام اى ما هذا الذى نحن عليه من ان لا بعث الا خُلُق الاولين اى طبيعتهم وعادتهم **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ** بالعذاب **فَاَهْلَكْنٰهُمْ** فى الدنيا بالريح **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ**

مُؤْمِنِينَ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ○ ع ۷

ترجمہ

عادیوں نے بھی نبیوں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم ہر اونچے مقام پر عمارت بناتے ہو یعنی مسافروں کے لئے نشانی حال یہ ہے کہ تم اپنے پاس سے گذرنے والوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہو اور ان کے ساتھ تم مذاق کرتے ہو (تَعْبَثُوْنَ) جملہ ہو کر تَبْنُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے اور زمین کے نیچے پانی کے ٹینک بناتے ہو گویا کہ دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے مرنا نہیں ہے اور جب تم کسی پر ضرب وقتل کے ذریعہ دارو گیر کرتے ہو تو بغیر نرمی کے ظالموں کے مانند دارو گیر کرتے ہو اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو جس چیز کا میں تم کو حکم کروں اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی یعنی تمہارے او پر ان چیزوں کا انعام فرمایا مویشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں یعنی نہروں سے مجھے تو تمہارے بارے میں دنیا اور آخرت میں بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے اگر تم میری نافرمانی کرو گے تو ان لوگوں نے کہا ہمارے نزدیک سب برابر ہے خواہ آپ نصیحت کریں یا اصلا نصیحت نہ کریں، ہم تیرے وعظ کی وجہ سے باز نہیں آسکتے یہ بات جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو محض پہلوں کی گھڑی ہوئی بات ہے اور ان کا کذب ہے اور ایک قرأۃ میں خا اور لام کے ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی وہ عقیدہ جس پر ہم قائم ہیں وہ یہ کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا نہیں ہے، گذشتہ لوگوں کی عادت اور ان کی طبیعت ہے اور ہم کو ہرگز عذاب نہیں دیا جائے گا، چنانچہ ان لوگوں نے عذاب کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو آندھی کے ذریعہ دنیا میں ہلاک کر دیا، بلاشبہ اس میں نشانی ہے اور ان میں سے بہت سے لوگ ماننے والے نہیں تھے بے شک آپ کا رب ہی غالب مہربان ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ كَذَّبَتْ عَادٌ عاد قبیلہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اسی لئے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے، عاد قوم عاد کے جد ابعد کا نام ہے اسی کی طرف یہ قوم منسوب ہے، عاد حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام کی نسل سے تھے (جمل) **قولہ** اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ چونکہ ان کی نسل اور خاندان سے تعلق رکھتے تھے اسی وجہ سے ان کو اخوھم کہا ہے حضرت ہود علیہ السلام نہایت ہی حسین وجمیل اور پیشہ کے اعتبار سے تاجر تھے حضرت آدم علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے چار سو چونسٹھ سال بقید حیات رہے (جمل) **قولہ** بکل رِیْع کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں مکان مرتفع کو کہتے ہیں جیسے پہاڑ ٹیلہ وغیرہ، ابوعبید نے کہا ہے راستہ کو کہتے ہیں اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ میں استفہام توبیخ کے لئے ہے اور محل توبیخ تَعْبَثُوْنَ جملہ حالیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اونچی جگہ پر عمارت بنانا مذموم نہیں ہے

بلکہ بے فائدہ اور فضول بنانا مذموم ہے، وتتخذون کا عطف تبنُون پر ہے اور اسی طرح واِذا بَطَشتم کا بھی، مطلب یہ ہے کہ قوم ہود کو تین مذموم باتوں پر توبیخ کی گئی ہے **قوله** فاتقوا اللّٰه فی ذلك الخ انہی تین باتوں کی طرف اشارہ ہے ۱ البناء ۲ الاتخاذ المذکور ۳ التجبُر **قوله** امَدَّکُم بِاَنعامٍ وبنینَ اس میں دو صورتیں ہیں ۱ جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کا بیان ہے ۲ بِاَنعام بما تعملونَ اعادہ فعل کے ساتھ بدل ہے جیسا کہ اتبعُوا المرسلینَ اتبعُوا من لا یسالکم اجرًا میں اور بعض حضرات بدل کے بجائے تکرار قرار دیتے ہیں **قوله** سَوَاءٌ عَلَینَا خبر مقدم ہے اور اَوَعَظتَ بتاویل مفرد ہو کر مبتدا مؤخر ہے ای اَلْوَعْظُ وَعَدَمُہُ سَوَاءٌ علینا نَرعَوِی اِرْعَوَان سے بمعنی باز ماندن اِلَّا مِن خُلُقِ الاولین مثلاً شیث علیہ السلام ونوح علیہ السلام اِن ھذا اِلَّا خلق الاوّلین یہ ماقبل کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے وعظ و نصیحت کو اس لئے قبول نہیں کریں گے یہ گذشتہ لوگوں کی گڑھی ہوئی باتیں ہیں۔

تفسیر و تشریح

کَذَّبَتْ عادُ المرسلین عاد ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا جن کے نام پر قوم کا نام پڑ گیا یہاں عاد کو قبیلہ تصور کر کے کذّبتْ مؤنث کا صیغہ لایا گیا ہے ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم ہی کے ایک فرد تھے۔

اَتَبنُونَ بکلِّ رِیعٍ تعبثُونَ رِیعٌ، ریعۃٌ کی جمع ہے ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، گھاٹی، راستہ کو کہتے ہیں، یہ ان گذرگاہوں یا بلند مقامات پر اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کرتے تھے لیکن ان کا مقصد ان میں رہنا نہیں ہوتا تھا بلکہ کھیل کود یا ایک دوسرے پر فخر ہوتا تھا حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو، جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے کہ جس سے دین و دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ اس کے بیکار محض اور عبث ہونے میں کوئی شک نہیں، اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے جیسے وہ ہمیشہ ان ہی محلات میں رہیں گے۔

بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات میں وسائل ضائع کرنا شرعاً برا ہے، اور یہی مطلب اس حدیث کا ہے جو امام ترمذی نے حضرت انس سے روایت کی ہے النفقۃ کُلُّھَا فی سبیلِ اللّٰہِ الا البناء فلا خیرَ فیہ یعنی وہ عمارت جو بلاضرورت بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں ان معنی کی تصدیق حضرت انسؓ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے اِنَّ کلَّ بناءٍ وبالٌ علیٰ صاحبہ مالا یعنی اِلَّا مالابدَّ منہُ (ابوداؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضرورت کے لئے ہو وہ وبال نہیں ہے، روح المعانی میں فرمایا بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں مذموم اور برا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ إِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صَالِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَمَآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ إِنْ ما اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْمَا هٰهُنَا من الخير اٰمِنِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ لطيفٌ لَيِّنٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ بَطِرِيْنَ وفي قراءة فَارِهِيْنَ حَاذِقِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ فيما امُركم به وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ بالمعاصي وَلَا يُصْلِحُوْنَ بطاعة اللّٰه تعالٰى قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ الذين سُحِرُوْا كثيرًا حتى غَلَبَ على عقلهم مَآ اَنْتَ ايضا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ في رِسَالَتِكَ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ نصيبٌ من الماء وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ بِعِظَمِ العذاب فَعَقَرُوْهَا اى عَقَرَها بعضهم بِرضاهم فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ على عَقرِها فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ الموعودُ به فَهَلَكُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

ترجمہ

ثمود نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم کو (خدا کا) خوف نہیں ہے، میں تمہارا امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا، میرا صلہ تو رب العالمین پر ہے، کیا تم کو ان (راحت کی) چیزوں میں بےفکری کے ساتھ رہنے دیا جائے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں (یعنی) باغوں اور چشموں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں (یا) (جن کے شگوفے گتھے ہوئے ہیں) اور تم پہاڑوں کو تراش کر فخریہ طور پر گھر بناتے ہو ایک قرأۃ میں فارھین ہے یعنی ماہرانہ انداز سے سو اللہ سے ڈرو اور جس کام کے لئے میں تم سے کہوں اس میں میرا کہنا مانو اور بے باک حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو جو معاصی کے ذریعہ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں اور خدا کی اطاعت کر کے اصلاح نہیں کرتے تو ان لوگوں نے کہا تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے (یعنی) تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جن پر زبردست جادو کر دیا گیا ہو حتی کہ ان کی عقل مغلوب ہو گئی ہو تم بھی ہم جیسے انسان ہو لہٰذا اگر تم اپنے دعوئے رسالت میں سچے ہو تو کوئی معجزہ پیش کرو (صالح علیہ السلام) نے فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے، پانی کی ایک دن کی باری اس کی اور ایک دن پانی کا تمہارے لئے مقرر (خبردار) اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تو ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تم کو گرفت میں لے لے گا عذاب کے بھاری ہونے کی وجہ سے پھر انہوں نے اس (اونٹنی) کو ہلاک کر دیا پھر وہ اس کے ہلاک کرنے پر پشیمان ہو گئے چنانچہ ان کو

عذاب موعود نے آ دبوچا جس کے نتیجے میں ہلاک ہوگئے یقیناً اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے بلاشبہ آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ کذبت فعل کو مؤنث لایا گیا ہے اس لئے کہ ثمود قبیلہ کے معنی میں ہے ثمود قوم ثمود کے جد اعلیٰ کا نام ہے ان ہی کے نام پر قوم کا نام رکھا گیا ہے، نسب اس طرح ہے ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح، ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی امت ہے حضرت صالح علیہ السلام نے دوسواسی سال عمر پائی حضرت صالح اور حضرت ہود علیہ السلام کے درمیان سوسال کا وقفہ ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قولہ فیما ھٰھنا من الخیر ھٰھُنَا ای فی الدنیا ، من الخیر ، مَا کا بیان ہے مراد اس سے دنیوی آرام وراحت کا سامان ہے آمِنِیْنَ تترکون کی ضمیر فاعل سے حال ہے **قولہ** فی جنّٰتٍ الخ یہ اعادۂ جار کے ساتھ فیما ھٰھُنَا سے تفصیل کے لئے بدل ہے **قولہ** طَلْعُهَا ، طَلْعٌ ابتداءً نمودار ہونے والا شگوفہ، پھر بَلَحٌ پھر بُسر پھر رطبٌ پھر تمر ھَضِیْمٌ نرم، نازک۔

قولہ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ مُسْرِفِیْنَ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ یہاں مسرفین کے معروف معنی مراد نہیں ہیں۔

تفسیر وتشریح

قوم ثمود کا مسکن حجر تھا جو حجاز کے شمال میں واقع ہے آج کل اس کو مدائن صالح کہتے ہیں (ایسر التفاسیر) یہ عرب تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبوک جاتے ہوئے ان کی بستیوں سے گذر ہوا تھا آپ ان کی بستیوں سے ان کے معذب ہونے کی وجہ سے تیزی سے سر جھکائے ہوئے گذر گئے تھے اتترکون فیما ھٰھُنا آمنین یعنی یہ نعمتیں کیا تمہیں ہمیشہ حاصل رہیں گی نہ تمہیں موت آئے گی اور نہ عذاب؟ یہ استفہام انکاری توبیخی ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعہ جب اللہ چاہے گا تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے اس میں اس بات کی طرف ترغیب ہے کہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور ترہیب ہے کہ اگر ایمان وشکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی وبربادی تمہارا مقدر ہے وقال ھٰذہ ناقۃ یہ اونٹنی تھی جوان کے مطالبہ پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی، پانی کے لئے ایک دن اونٹنی کا اور ایک دن دیگر تمام جانوروں کے لئے مقرر کردیا گیا تھا نیز ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا نہ اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا یہ اونٹنی ان کے درمیان ایک مدت تک رہی لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان لوگوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنالیا اور ایک روز رات کی تاریکی میں ایک قدار نامی شخص نے قوم کی

رضامندی سے اس کو ہلاک کردیا یہ اونٹنی باوجودیکہ اللہ کی قدرت کی نشانی اور صالح علیہ السلام کی نبوت کی ایک واضح دلیل تھی مگر قوم ثمود اس پر ایمان نہیں لائی اور کفر وشرک کے راستہ پر گامزن رہی جب اونٹنی کو قتل کردیا گیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت ہے چوتھے دن تمہیں ہلاک کردیا جائے گا، اونٹنی کو سہ شنبہ کو ہلاک کیا گیا اور وہ لوگ شنبہ کے روز ہلاک کردیئے گئے، حضرت صالح علیہ السلام نے نزول عذاب کی کچھ علامتیں مقرر فرمادی تھیں ان کا ظہور اس طرح ہوا کہ چہار شنبہ کو ان کے چہرے زرد ہوگئے پھر پنجشنبہ کو سرخ ہوگئے پھر بروز جمعہ سیاہ ہوگئے ہفتہ کے روز سخت زلزلہ اور شدید چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کردیئے گئے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ ۣالْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ لُوطٌ اَلَا تَتَّقُونَ ۝ اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ ۝ وَمَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ اَتَاْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ ۝ اى الناسِ **وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ** اى اَقْبالَهُنَّ **بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۝** مُتَجاوِزُونَ الحَلالَ الى الحَرامِ **قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يٰلُوطُ** عَنْ اِنْكارِكَ عَلَيْنا **لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ۝** مِنْ بَلْدَتِنا **قَالَ** لوط **اِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ۝** المُبْغِضِينَ **رَبِّ نَجِّنِي وَاَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ۝** اى من عَذابه **فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ اَجْمَعِينَ ۝ اِلَّا عَجُوزًا** اِمْرَاَتَهٗ **فِي الْغٰبِرِينَ ۝** الباقِينَ اَهْلَكْناها **ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِينَ ۝** اَهْلَكْناهُمْ **وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۚ** حِجارةً من جُمْلَةِ الاهْلاكِ **فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ۝** مطرُهم **اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝** ع

ترجمہ

قوم لوط نے (بھی) نبیوں کو جھٹلایا جب کہ ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے ان سے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانتدار رسول ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم اہل عالم یعنی انسانوں میں سے مردوں کیساتھ شہوت رانی کرتے ہو؟ اور تمہاری بیبیوں کی جو چیز یعنی ان کی شرمگاہیں تمہارے لئے پیدا (حلال) کی گئیں ہیں انکو چھوڑے ہوئے ہو، اپنی بیبیوں کی شرمگاہوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، یہ تفسیر اور ترجمہ اس صورت میں ہوگا جب کہ مِن کو تبعیضیہ مانا جائے اور اگر مِن بیانیہ لیا جائے تو مِن ازواجکم مَا کا بیان ہوگا، مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے جو چیز یعنی عورت تمہارے لئے حلال کی ہے اس کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ ہم جنسی کرتے ہو جو کہ حرام ہے بلکہ تم حد یعنی حلال سے حرام کی طرف سے تجاوز کرنیوالے ہو (قوم کے) لوگوں نے جواب دیا اے لوط اگر تم ہمارے اوپر نکیر کرنے سے باز نہ آؤ گے تو یقیناً

ہمارے شہر سے نکال دیئے جاؤ گے حضرت لوط علیہ السلام نے جواب دیا میں تمہاری حرکت سے سخت ناخوش ہوں، اے میرے پروردگار مجھے اور میرے اہل کو ان کے ان اعمال کے عذاب سے نجات دیجئے سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام متعلقین کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے جو کہ ان کی بیوی تھی پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی جس کو ہم نے ہلاک کر دیا پھر ہم نے باقی اور سب کو (بھی) ہلاک کر دیا پھر ہم نے ان پر ایک خاص قسم (یعنی) پتھروں کا مینہ برسایا من جملہ ہلاک کرنے کے طریقوں میں سے سو بہت برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا جن کو ڈرایا گیا تھا بلاشبہ اس میں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا رحمت والا ہے۔

تحقیق ترکیب وتفسیری فوائد

قوله اخوهم لوط لوط علیہ السلام کا قوم لوط سے نہ تو نسبی تعلق تھا اور نہ دینی مشارکت اس لئے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ تھے اور بلاد مشرق میں بابل کے باشندہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے ابراہیم علیہ السلام نے شام میں مقام خلیل میں قیام فرمایا اور لوط علیہ السلام نے اس کے قریب یعنی ایک دن کی مسافت کی دوری پر سدوم میں قیام فرمایا، مگر حضرت لوطؑ نے اہل سدوم میں بود و باش اختیار کر لی تھی اور مصاہرت کا رشتہ بھی ان ہی لوگوں سے قائم ہو گیا تھا اسی وجہ سے حضرت لوطؑ کو ان کا بھائی کہا گیا ہے **قوله** مَاخَلَقَ لَكُمْ اى اَحَلَّ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ یہ مَا کا بیان ہے، شارح علام نے مِنْ اَزْوَاجِكُمْ کی تفسیر اَقْبَالِهِنَّ سے کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اول یہ کہ مَا خَلَقَ لَكُمْ میں مَا کی رعایت مقصود ہے، اگر مَا کے بجائے مَنْ ہوتا تو اس کی تفسیر مِنْ اَزْوَاجِكُمْ کافی تھی اَقْبَالِهِنَّ کی ضرورت نہیں تھی، دوم یہ کہ اقبالهنَّ سے اشارہ کر دیا کہ تمہاری بیبیوں کے تمہارے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قبل ہی تمہارے لئے حلال ہے دبر حلال نہیں ہے، اس لئے کہ قبل ہی منبع حرث ہے نہ کہ دبر وہ تو موضع فرث ہے **قوله** عادون عادٍ کی جمع ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے والے یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والے **قوله** مِنَ الْقَالِينَ قالین القالی کی جمع ہے مادہ قَلْوٌ یا قَلْيٌ ہے اس کے معنی میں نفرت اور بیزاری کا مفہوم بھی شامل ہے، اصل معنی بھننے اور بھوننے کے ہیں، مِنَ الْقَالِينَ قالٍ محذوف کے متعلق ہو کر اِنَّ کی خبر ہے **قوله** مِنْ عذابه یہ مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے اى مِن عذابِ مِمَّا يعملون اس لئے کہ ان کے جیسے عمل سے بچانے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لئے نبی تو اعمال قبیحہ سے محفوظ ہوتا ہی ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال بد کی پاداش میں جو عذاب نازل ہونے والا ہے اس سے مجھے اور میرے متعلقین کی حفاظت فرما **قوله** اِلَّا عَجُوْزًا لفظ اہل میں شامل ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ متصل ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ اہل ایمان میں سے نہیں تھی اور حضرت لوطؑ کے اہل حقیقت میں اہل ایمان ہی تھے اس اعتبار

نے مستثنیٰ منقطع ہوگا، اِمرأتہٗ عجوزًا سے بدل ہے، حضرت لوط علیہ السلام کی کافرہ بیوی کا نام واعلہ تھا اور تفسیر روح البیان میں والہہ لکھا ہے، لوط علیہ السلام کی ایک بیوی مومنہ بھی تھی، کافرہ بیوی چوں کہ قوم کے ہم خیال تھی اور ان کی بے حیائی سے راضی تھی اس لئے اس کو بھی قوم کے ساتھ ہلاک کردیا گیا قوم لوط پر زمین کو پلٹنے اور پتھروں کی بارش برسانے اور مختلف عذابوں کے ذریعہ ان کو ہلاک کردیا گیا۔

تفسیر وتشریح

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے ان کو حضرت ابراہیم کی زندگی میں نبی بنادیا گیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سدوم اور عموریہ میں رہتی تھی، یہ بستیاں شام کے علاقہ میں تھیں۔

أتأتون مَا خلقَ لكُمُ الخ ہم جنسی قوم لوط کی بری عادت تھی اس خباثت کی ابتداء اسی قوم سے ہوئی تھی اسی لئے اس فعل بد کو لواطت کہتے ہیں یعنی وہ فعل جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا، اب یہ بدفعلی پوری دنیا میں عام ہے بلکہ یورپ کے بعض ممالک میں اس فعل کو قانوناً جائز تسلیم کرلیا گیا ہے یعنی ان کے یہاں اب یہ فعل قانوناً اور اخلاقاً کوئی جرم ہی نہیں ہے بلکہ مرد آپس میں ایک دوسرے سے باقاعدہ شادی کرسکتے ہیں (أعاذنا اللّٰہ منہ)

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنتَہِ لوط علیہ السلام کے وعظ ونصیحت کے جواب میں ان کی قوم نے کہا تو بڑا پاکباز بنا پھرتا ہے اگر تو ہمارے کاموں پر نکیر کرنے سے باز نہ آیا تو تو یاد رکھ ہم تجھے اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے، آج بھی بدی کا اس قدر زور اور غلبہ ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے اور نیکوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا ہے، ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ سر راہ زنا کرنے والے سے یہ کہنے والا کہ ایک طرف راستہ سے ہٹ کر کرلو، بڑا نیک اور صالح سمجھا جائے گا۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وفی قراءةٍ بحذفِ الهمزةِ والقاءِ حركتِهَا على اللامِ وفتحِ الهاءِ هي غيضةُ شجرٍ قُرْبَ مَدْيَنَ **الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ** لم يَقُلْ اخوهم لِاَنَّهٗ لم يكنْ منهم **اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ** ما **اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَوْفُوا الْكَيْلَ** اتِمُّوْهُ **وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝** النَّاقِصِيْنَ **وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝** الميزان السَّوِيِّ **وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ** لاتنقُصُوهم من حَقِّهِم شيئًا **وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝** بالقتلِ وغيرِه مِنْ عَثِيَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ ومُفْسِدِيْنَ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِمَعْنٰى عَامِلِهَا تَعْثَوْا **وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ** الْخَلِيْقَةَ **الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالُوْا اِنَّمَآ**

اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ۙ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ من الثَّقِیْلَةِ واسمُها محذوف ای اِنَّهٗ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۚ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا بِسُكُوْنِ السینِ وفَتحِها قِطعَةً مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۗ فی رِسالَتِكَ قَالَ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ فیُجازِیْكُم به فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ هی سحابَةٌ اَظَلَّتْهم بعدَ حَرٍّ شدیدٍ اَصابهُمْ فَامطَرَتْ علیهم نارًا فَاحتَرَقُوْا اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۚ ع

ترجمہ

ایکہ والوں نے (بھی) رسولوں کی تکذیب کی ایک قرأۃ میں حذف ہمزہ اور اس کی حرکت لام کو دینے اور ۃ کے فتحہ کے ساتھ ہے وہ (ایکہ) مدین کے قریب درختوں کی جھاڑی تھی جبکہ ان سے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا (یہاں) اخوہم نہیں کہا اس لئے کہ شعیب علیہ السلام ان میں سے نہیں تھے کیا تم کو خوف نہیں؟ میں تمہارا امانتدار رسول ہوں اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم پر ہے، ناپ پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شامل نہ ہو صحیح ترازو سے تولا کرو، ایسی ترازو جس میں پاسنگ نہ ہو لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو یعنی ان کے حق میں سے کچھ بھی کم نہ کیا کرو اور ملک میں قتل وغیرہ کے ذریعہ سرکشی کے ساتھ فساد پھیلاتے ہوئے مت پھرا کرو عَثِیَ ثا کے کسرہ کے ساتھ بمعنی اَفْسَدَ ہے، مُفْسِدِیْنَ اپنے عامل تَعْثَوْا سے معنًا حال ہے اس سے ڈرو جس نے تم کو اور (دیگر) پہلی مخلوق کو پیدا کیا ان لوگوں نے کہا تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے اور ہم تو تجھ کو جھوٹوں میں سمجھتے ہیں اِنْ مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اَیْ اِنَّهٗ سو اگر تو اپنے (دعوئے رسالت) میں سچا ہے تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے کِسَفًا میں سین کے سکون اور اس کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ٹکڑا (شعیب علیہ السلام نے) کہا میرا رب تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے سو وہ تم کو اس کا بدلہ دے گا سو وہ لوگ شعیب کو برابر جھٹلاتے رہے سو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے آپکڑا، وہ ایک بدلی تھی، ان کے شدید گرمی میں مبتلا ہونے کے بعد ان پر سایہ فگن ہوگئی تھی بعد ازاں اس بدلی نے ان پر آگ برسائی جس کی وجہ سے وہ جل کر خاک ہوگئے، بلاشبہ وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مومن نہیں تھے اور یقیناً تیرا رب ہی غلبہ والا مہربانی والا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَیْکَةَ ایک قرأۃ میں لَیْکَةَ بھی ہے، اَیْکَة گھنے جنگل کو کہتے ہیں اَصْحَابُ الْاَیْکَةِ سے حضرت شعیب علیہ السلام

کی قوم اور مدین کے اطراف کے باشندے مراد ہیں، بیان کیا گیا ہے کہ ایکۃ گھنے درخت کو بھی کہتے ہیں غَیضۃ غین کے فتحہ کے ساتھ جنگل اور جھاڑی کو کہتے ہیں، مدین حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی کا نام ہے مدین بن ابراہیم نے اس شہر کو بسایا تھا اس لئے ان کے نام ہی سے موسوم ہوگیا، مدین اور مصر کے درمیان آٹھ روز کی مسافت ہے **قولہ مفسدین تعثوا** کے معنیٰ سے حال مؤکدہ ہے حال وذوالحال کے لفظ اگرچہ مختلف ہیں مگر معنی متحد ہیں اس لئے کہ تعثوا عَثیٰ سے مشتق ہے جس کے معنی فساد کرنے کے ہیں **قولہ الجبلّة** اور جِبلّ مخلوق کے معنی میں ہے دوسرے مقام پر فرمایا وَلَقد اَضلّ جِبلاً کثیرًا اس (شیطان) نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا **قولہ** فَاَسْقِطْ الخ کو بعض نے اِن کنتَ مِنَ الصادقین کا جواب مقدم قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے جواب شرط محذوف مانا ہے جس پر جملہ فاسقِطْ دلالت کر رہا ہے۔ (روح المعانی)

تفسیر وتشریح

قصہ ہفتم اصحاب الایکہ

کَذّبَ اَصْحَابُ الْاَیْکَۃِ ایکہ جنگل کو کہتے ہیں اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور مدین کے اطراف کے باشندے مراد ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایکہ گھنے درخت کو کہتے ہیں جس کو دُوْم بھی کہا جاتا ہے ایسا ہی ایک درخت مدین کی نواحی آبادی میں تھا جس کی لوگ پوجا پاٹ کرتے تھے، وہاں کے باشندوں کو اصحاب الایکہ کہا جاتا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام کا دائرہ نبوت اور حدود دعوت وتبلیغ مدین سے لیکر اس نواحی آبادی تک تھا جہاں ایکہ درخت کی پوجا ہوتی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین کے پیغمبر ایک ہی یعنی شعیب علیہ السلام ہی تھے، ایکہ چونکہ قوم نہیں تھی بلکہ درخت تھا اس لئے اخوت نسبی کا یہاں ذکر نہیں کیا، البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے، وہاں ان کی اخوت نسبی کا ذکر بھی ملتا ہے کیونکہ مدین قوم کا نام ہے وَالیٰ مدینَ اخاھم شعیبًا (اعراف ۸۵) بعض مفسرین نے ایکہ اور مدین کو الگ الگ بستی قرار دیکر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیبؑ کو بھیجا تھا ایک مرتبہ ایکہ کی طرف اور دوسری مرتبہ مدین کی طرف، ابن کثیر رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے اَوْفُوْا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا یہی وعظ یہاں اصحاب ایکہ کو کیا جارہا ہے جس سے صاف واضح ہے یہ ایک ہی امت ہے دو نہیں۔

وَزِنُوا بالقسطاس المستقیم قسطاس کو بعض حضرات نے رومی لفظ قرار دیا ہے جس کے معنی عدل وانصاف کے ہیں بعض نے عربی مان کر قِسْطٌ سے ماخوذ قرار دیا ہے قِسْط کے معنی بھی انصاف کے ہیں، مراد یہ ہے کہ ترازو اور دیگر ناپنے تولنے کے آلات درست رکھو اور صحیح طور پر استعمال کرو یعنی ڈنڈی نہ مارو اور نہ پاسنگ رکھو۔

وَلَا تَبْخَسُوا اَشیاءَهُم یعنی لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو، اور اشیاء میں کمی نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اس میں کمی نہ کرو خواہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری چیز اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم یا مزدور اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے یعنی وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اس وعید میں داخل ہے، امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا وجہ معلوم کی تو اس نے کچھ عذر بیان کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا طَفَّفْتَ یعنی تو نے تولنے میں کمی کر دی چونکہ نماز کوئی تولنے کی چیز نہیں اسلئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالک نے فرمایا وفاءٌ وتطفیفٌ یعنی حق کے مطابق یا کم کرنا ہر چیز میں ہے صرف ناپ تول ہی میں نہیں ہے۔

فاخذَهُم عذابُ یوم الظُّلَّة یوم الظُّلَّة کے عذاب کا واقعہ یہ ہے حق تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کی قوم پر سات روز تک سخت گرمی مسلط فرما دی نہ گھر میں چین اور نہ باہر پھر ان کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی پوری قوم اس بادل کے نیچے جمع ہوگئی جب پوری قوم اس بادل کے نیچے جمع ہوگئی تو اس بادل نے پانی کے بجائے آگ برسا دی جس سے سب لوگ جل کر خاکستر ہو گئے (کذا رواہ ابن عباس) (روح، معارف) اہل مدین کو قوم ثمود کی طرح چیخ کے ذریعہ اور اصحاب ایکہ کو ظُلّه (سائبان) کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، اہل مدین کے عذاب کے بارے میں سورہ ہود میں فرمایا گیا واخذت الذین ظلموا الصیحة اہل مدین کو ایک چیخ نے پکڑ لیا۔ (جس کی وجہ سے ان کے کلیجے پھٹ گئے)

وَاِنَّهٗ ای القرآن لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۙ جبریلُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۙ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۞ بَیِّنٍ وفی قراءةٍ بتشدید نزّل ونصب الرُّوح والفاعلُ اللّٰهُ وَاِنَّهٗ ای ذِکْرَ القرآن المُنَزَّل علی محمد لَفِیْ زُبُرِ کُتُبِ الْاَوَّلِیْنَ کالتوراةِ والانجیلِ اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ لِکُفَّار مَکَّةَ اٰیَةً علی ذٰلِكَ اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۞ کعبدِ اللّٰهِ ابنِ سلامٍ واصحابه مِمَّنْ اٰمَنُوْا فانّهم یُخْبِرُوْنَ بذٰلك ویکن بالتَّحتانیَّة ونصب اٰیةٍ وبالفوقانیَّة ورفع اٰیةٍ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ۙ جمعُ اَعْجَم فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ ای کُفَّارِ مَکَّةَ مَّا کَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ۞ انفةً مِن اِتِّبَاعِه کَذٰلِكَ ای مثل اِدْخالِنَا التکذیبَ به بقراءةِ الاَعْجَمِ سَلَکْنٰهُ اَدْخَلْنَا التکذیبَ به فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۞ ای کفار مکّةَ بقراءةِ النبی لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۙ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۞ لِنُؤْمِنَ فیُقالُ لهم لا، قالوا مَتٰی هٰذا العذابُ قال تعالٰی اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ اَفَرَءَیْتَ اَخْبِرْنِیْ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۙ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۙ مِنَ العَذَابِ مَآ استفهامیَّةٌ بمعنی اَیَّ شیءٍ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ۞ فی دَفْعِ العذاب او تَخْفِیْفِهٖ ای لَمْ یُغْنِ وَمَآ اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ رُسُلٌ تُنْذِرُ اهلَها ذِکْرٰی عِظَةً لهم

وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ في اِهلاكهم بعد انذارهم ونزل ردًا لِقول المشركين وما تنزّلت به بالقُرْاٰن الشّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِي يَصْلُحُ لَهُمْ ان يَنْزِلُوْا به وما يستطيعُوْن ذٰلك انّهُمْ عن السّمْعِ لكلام الْمَلٰئِكَةِ لَمَعْزُوْلُوْنَ مَحْجُوْبُوْنَ بالشُّهب فلا تدْعُ مع اللّٰه الٰهًا اخر فتكُوْن من الْمُعذّبِيْن ان فعلتَ ذٰلك الذي دعوْكَ اليه وانْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الاقربِيْن وَهُمْ بَنُوْ هاشمٍ وبنو المُطّلب وقد انْذَرَهُمْ جِهارًا رواه البخاري ومسلم واخفِضْ جناحكَ الِنْ جانبكَ لِمَنِ اتّبعكَ مِنَ الْمُؤْمنين الْمُوَحّدِيْنَ فَاِنْ عَصَوْكَ اي عشِيْرتُكَ فَقُلْ لهم انّيْ برِيْءٌ مّمّا تَعْمَلُوْنَ من عبادةِ غير اللّٰه وَتَوَكّلْ بالواوِ والفاءِ عَلَى الْعَزِيْزِ الرّحِيْمِ اللّٰه اي فوّضْ اليه جميْعَ اُمُوْرِكَ الّذي يراكَ حِيْنَ تَقُوْمُ الى الصلوة وَتَقَلُّبَكَ في اركان الصلوة قائمًا وقاعدًا وراكعًا وساجدا في السّٰجدين اي المُصلّين انّهٗ هُوَ السّمِيْعُ الْعَلِيْمُ هلْ اُنَبّئُكُمْ اي كُفّار مكة على من تنزّلُ الشّيٰطِيْنُ بحذفِ اِحدى التّائين منَ الاصْلِ تنزّلُ على كُلِّ افّاكٍ كذّابٍ اثِيْمٍ فاجرٍ مثل مُسيلمة وغيرهٖ من الكهنة يُلْقُوْن اي الشياطيْنُ السّمْعَ اي ما سمعُوْه من الملائكة الى الكهنةِ واكثرُهُمْ كاذِبُوْنَ يضُمُّوْن الى المَسْمُوْعِ كِذْبًا كثيرًا وكان هذا قبل ان حُجِبت الشياطيْنُ عن السماءِ وَالشُّعَرَآءُ يَتّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ في شعرهم فيقُوْلُوْن به ويرْوُوْن عنهم فهُمْ مذْمُوْمُوْن الَمْ تر تعلَمْ اَنّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ مِنْ اوْدِيةِ الكلام وفُنُوْنه يَهِيْمُوْنَ يمْضُوْن فيُجاوزُوْن الحدّمَدْحًا وهجاءً وَاَنّهُمْ يَقُوْلُوْنَ فعلنا مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اي يكذِبُوْنَ اِلّا الّذِيْنَ اٰمَنُوْا وعمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الشُّعَراءِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اي لم يَشْغَلْهم الشّعْرُ عَنِ الذّكْرِ وَانْتَصَرُوْا بهجْوِهِمْ من الكُفّار مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا بهجْوِ الكفارِ لهم في جُملَةِ المؤمنين فليسُوْا مذْمُوْمِيْنَ قال اللّٰه تعالى لا يُحبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلّا مَنْ ظُلِمَ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فاعتدُوْا عليهِ بِمِثْلِ ما اعتدٰى عليْكُمْ وَسَيَعْلَمُ الّذِيْنَ ظَلَمُوْا من الشُّعراء وغيرهم اَيّ مُنْقَلَبٍ مرْجَعٍ يَنْقَلِبُوْنَ يرْجِعُوْنَ بَعْدَ الموت

ترجمہ

بلاشبہ یہ یعنی قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے اس کو روح الامین یعنی جبرائیل آپ کے قلب پر لیکر اترے ہیں صاف عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرانے والوں میں ہوجائیں اور ایک قرأۃ میں نَزّلَ تشدید اور روح کے نصب کے ساتھ ہے اور فاعل اللہ ہے اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن کی خبر پہلے لوگوں کی کتابوں مثلاً تورات وانجیل میں ہے کیا ان کے لئے قرآن کی صداقت کی یہ نشانی کافی نہیں کہ اس کو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں؟

جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے وہ ساتھی جو ایمان لائے، وہ اس کی حقانیت کی خبر دیتے ہیں اور یکُنْ یا کے ساتھ اور آیۃً کے نصب کے ساتھ اور تا کے ساتھ اور آیۃٌ کے رفع کے ساتھ اور اگر بالفرض ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے اور وہ اس قرآن کو کفار مکہ کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ لوگ اس کے اتباع سے تکبر کرتے ہوئے اس پر ایمان نہ لاتے اَعْجَمِیْنَ اعجم کی جمع ہے اسی طرح یعنی جس طرح عجمی کی قراءۃ کی وجہ قرآن کی تکذیب ہم نے (ان کے قلوب میں) داخل کر دی مجرمین یعنی کفار مکہ کے قلوب میں نبی کی قراءۃ کی وجہ سے (بھی) تکذیب داخل کر دی، یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں پھر وہ عذاب ان پر اچانک آجائے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو، پھر کہیں گے کہ کیا ہم کو مہلت دی جائے گی؟ تاکہ ہم ایمان لے آئیں تو ان کو جواب دیا جائے گا کہ نہیں، ان لوگوں نے سوال کیا یہ عذاب کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی مچارہے ہیں؟ اچھا یہ بتاؤ اگر ہم نے ان کو کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا پھر اس کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا تو وہ سالہا سال کی سودمندی ان سے عذاب کے دفع کرنے میں یا اس کے ہلکا کرنے میں کیا کام آئے گی؟ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے ڈرانے والے ایسے انبیاء موجود تھے جو ان کو نصیحت کے طور پر ڈراتے تھے اور ڈرانے کے بعد ان کو ہلاک کرنے میں ہم ظالم نہیں تھے اور مشرکین کے قول کو رد کرنے کے لئے (یہ آیت) نازل ہوئی (یعنی) اس قرآن کو شیاطین نہیں لائے، اور نہ وہ اس کے قابل کہ اس کو لیکر نازل ہوں اور نہ ان میں اس کی مجال (بلکہ) بلاشبہ وہ تو فرشتوں کے کلام کو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں یعنی شعلوں کے ذریعہ روک دیئے گئے ہیں پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار ورنہ تو تو سزا پانے والوں میں ہو جائے گا اگر تو نے وہ کام کر لیا جس کی طرف تجھ کو بلایا ہے اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے، اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں اور ان کو کھلم کھلا ڈرایا، روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اور مومنین یعنی موحدین میں سے جس نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے تو آپ ان کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے اور اگر تیرے اہل خاندان تیری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال یعنی غیر اللہ کی بندگی سے بری ہوں اور پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھئے وَتَوَکَّلْ واو اور فاء (دونوں) کے ساتھ ہے یعنی اپنے تمام کام اسی کو سونپ دیجئے، جو کہ آپ کے نماز کے لئے کھڑا ہونے کو اور ارکان صلوٰۃ میں آپ کی نشست و برخاست کو (یعنی) قیام وقعود و رکوع و سجود کی حالت کو سجدہ کرنے والوں میں یعنی نماز پڑھنے والوں میں دیکھتا ہے بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے اے کفار مکہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس شخص پر اترتے ہیں؟ اصل میں دو تاؤں میں سے ایک تا کو حذف کر کے (سن لو) شیاطین ہر جھوٹے گنہگار فاجر جیسا کہ کاہنوں میں سے مسیلمہ کذاب وغیرہ، اور شیاطین سنی ہوئی بات کو یعنی جس کو ملائکہ سے سن لیتے ہیں کاہنوں پر القاء کر دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں اس سنی ہوئی بات میں بہت سا جھوٹ ملا دیتے ہیں اور یہ شیاطین کو آسمان پر جانے سے روکے جانے سے پہلے تھا اور

شاعروں کی پیروی ان کے شعر میں گمراہ لوگ کرتے ہیں تو وہ شعر پڑھتے ہیں اور شعراء سے نقل کرتے ہیں سو یہی ہیں مذموم (قابل مذمت) کیا آپ نہیں جانتے کہ یہی لوگ کلام اور اس کی اصناف کی ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں (یعنی) متحیر پھرتے رہتے ہیں، چنانچہ مدح اور ہجو میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی جھوٹ بولتے ہیں سوائے ان شاعروں کے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا یعنی شعر نے ان کو ذکر سے غافل نہیں کیا اور کافروں سے ان کی ہجو کر کے اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا ان کافروں کے فی الجملہ مومنین کی ہجو کرنے کی وجہ سے لہٰذا یہ لوگ قابل مذمت نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے سو جس نے تمہارے اوپر ظلم کیا تو تم بھی اس کے اوپر اتنا ہی ظلم کر سکتے ہو، اور عنقریب ظلم کرنے والے ان شعراء وغیرہ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ موت کے بعد کس کروٹ الٹتے ہیں (یعنی کس ٹھکانہ میں)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

بلسانٍ عربیٍ، بہ کی ضمیر سے اعادہ جار کے ساتھ بدل ہے، اور المنذرین کے متعلق بھی ہو سکتا ہے یعنی تاکہ آپ ان رسولوں میں سے ہو جائیں جو عربی زبان میں ڈرایا اور خوشخبری دیا کرتے تھے، جیسے کہ ہود علیہ السلام وصالح علیہ السلام وشعیب علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام **قولہ** ای ذکر القرآن اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ سے معلوم ہوتا کہ قرآن بنفس نفیس سابقہ کتابوں میں موجود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن سابقہ کتب میں بنفس نفیس موجود نہیں ہے بلکہ قرآن کا ذکر اور اس کی صفت کتب سابقہ میں موجود ہے **قولہ** کعبداللہ بن سلام واصحابہ عبداللہ بن سلام کے ساتھی جو کہ یہودی سے مسلمان ہوئے تھے عبداللہ بن سلام کے علاوہ چار تھے (۱) اسدٌ (۲) اُسَیْد (۳) ثعلبة (۴) ابن یامین یہ پانچوں حضرت علماء یہود میں سے تھے بعد میں اسلام لائے اور بہت خوب لائے **قولہٗ** یَکُنْ بالتحتانیة ونصب آیةً، آیةً یکن کی خبر مقدم ہے اس کا اسم اَنْ یَعْلَمَهٗ ہے اور آیةٌ کے رفع کے ساتھ تکن کا اسم ہے اور لَھُمْ خبر مقدم ہے اور اَنْ یعلمهٗ اسم سے بدل ہے اگر تکن تامہ ہو تو آیةٌ اس کا فاعل ہوگا اور اَنْ یعلمهٗ اس سے بدل ہوگا **قولہ** جمع اعجم یعنی اعجمین اَعْجَمْ کی جمع ہے سوال، اَفْعَل فُعْلاء کی جمع واؤنون اور یانون کے ساتھ نہیں آتی لہٰذا اَعْجَمِیْن اَعْجَمْ کی جمع صحیح نہیں ہے، جواب اصل میں اَعجمِیٌّ ہے یائے نسبتی کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا ہے لہٰذا اَعجَمِیٌّ کی اعجمین جمع لانا درست ہے **قولہ** کذٰلکَ یہ سلکناہ کا معمول ہے اور سلکناہٗ میں ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن ہے حذفِ مضاف کے ساتھ، ای سلکنا تکذیبَهٗ **قولہ** اَفَرَاَیْتَ کا عطف فیقولوا پر ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے **قولہ** اِلَّا لَھَا مُنْذِرُوْنَ یہ جملہ ہوکر قریة کی صفت ہے اور قریة سے

حال بھی ہوسکتا ہے **قوله من قرية** میں مِن مفعول پر زائدہ ہے اور یہ سابق میں نفی ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

سوال: اِلَّا کے بعد سے واؤ کو کیوں ترک کردیا؟ حالانکہ وَمَا اَهْلَكْنَا من القريةِ الَّا ولها كتابٌ معلومٌ میں واؤ موجود ہے۔

جواب: اصل ترک واؤ ہے اس لئے کہ جملہ قریۃ کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان واؤ نہ ہونا اصل ہے اور اگر کہیں واؤ لایا جاتا ہے تو وصل صفت بالموصوف کی تاکید کے لئے لایا جاتا ہے جیسا کہ سبعة وثامنهم كلبهم (جمل)

لَهَا محذوف سے متعلق ہوکر خبر مقدم ہے اور منذرون مبتداء مؤخر ہے مبتداء خبر مقدم سے مل کر جملہ ہوکر یا تو قَرْيَة کی صفت یا حال ہے خبر ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے قد اَنْذَرَ اَهْلَهَا منذرونَ حال ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے اِلَّا كائنًا لها منذرون **قوله** ذِكرٰى یا تو منذرون کی ضمیر سے حال ہے ای منذرون ذَوِىْ ذِكرٰى یا مذکرین ذکرٰی اور اگر اپنے ظاہر پر باقی رکھا جائے تو مبالغۃً حمل ہوگا جیسے زیدٌ عدلٌ یا ذکرٰی منصوب ہے مصدریت کی بنا پر اس صورت میں منذرون مذکرون کے معنی میں ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی مذكرون ذكرٰى اى تذكرةً ذكرٰى منذورن کی علت یعنی مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے ای تنذِرُهم لاجل تذْكيرِهِمُ العواقِبَ اور ذِكرٰى مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتا ہے ای هذهِ ذكرٰى اس صورت میں جملہ معترضہ ہوگا **قوله** ردًّا لِقَوْلِ المشركين قول کا مقولہ محذوف ہے اور یہ ہے اِنَّ الشيطينَ يُلْقُوْنَ القرآنَ اليهِ **قوله** شُهُبُ شِهابٌ کی جمع ہے بمعنی آگ کی چمک، ٹوٹا ہوا تارہ، **قوله** فتكون مِنَ المعذبين شرط محذوف کی جزاء مقدم ہے جیسا کہ شارح نے اِنْ فَعَلْتَ ذٰلكَ سے اشارہ کردیا ہے **قوله** بالواؤ والفاء یعنی توکل میں دو قرأتیں ہیں واؤ کے ساتھ اور فاء کے ساتھ واؤ کے ساتھ ہونے کی صورت میں اَنْذِرْ پر عطف ہوگا اور فاء کی صورت میں جواب شرط یعنی فَقُلْ اِنِّىْ بَرِئٌ سے بدل ہوگا **قوله** تَقَلُّبَكَ يَرَاكَ کے کاف پر معطوف ہے **قوله** وفي الساجدينَ میں فی بمعنی مع ہے **قوله** عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ کے متعلق ہے اگر اُنَبِّئُكُمْ متعدی بسہ مفعول ہو تو جملہ تَنَزَّلُ الشياطين قائم مقام دو مفعولوں کے ہوگا یعنی ثانی اور ثالث کے اور اول مفعول ضمیر کُمْ ہے اور اگر متعدی بدو مفعول ہو تو جملہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہوگا **قوله** مثل مسيلمة کا مثال میں پیش کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اول تو مسیلمہ نے آپ کی بعثت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا جبکہ شیاطین کی آسمانوں پر آمد ورفت بند کردی گئی تھی لہٰذا اس کو شیطانوں کا آسمانی خبروں کا دینا صحیح نہیں ہے دوسری بات یہ ہے مسیلمہ کاہنوں میں سے نہیں تھا وہ مفتری اور کذاب تھا لہٰذا مفسر علام کا من الكهنة کہنا درست معلوم نہیں ہوتا وغیرہ جیسا کہ سطیح یہ کاہن تھا کاہن آئندہ کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں اور عرّاف امور ماضیہ کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں (جمل) **قوله** اى كفار مكةَ میں ای ندائیہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ ظاہر اور تفسیر یہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں مُفَسَّرُ اُنَبِّئُكُمْ میں کُمْ ضمیر ہوگی **قوله** يَهِيْمُوْنَ اَنَّ کی خبر

ہے اور فی کُلِّ واد اس سے متعلق ہے قولہ اِلَّا الَّذِینَ آمَنُوْا الخ یہ مَذْمُوْمُوْنَ محذوف سابق سے استثناء ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یہاں سے اللہ تعالیٰ قرآن کی اور اس کے نازل کرنے والے کی اور جس پر نازل کیا گیا ہے مدح فرما رہے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ کفار مکہ نے قرآن کے وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت محمد یہ کا انکار کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الٰہی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے سچے رسول ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ لکھ سکتا ہے گذشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لئے یہ قرآن یقیناً رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے ایک امانتدار فرشتہ یعنی جبرائیل لے کر آئے۔

بلسان عربی مبین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وہی ہے جو عربی زبان میں ہو قرآن کا ترجمہ خواہ کسی زبان میں ہو قرآن نہیں کہلائے گا لیکن اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ کتب سابقہ عربی زبان میں نہیں تھیں لہٰذا قرآن کے سابقہ کتابوں میں ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن کے معانی اور مضامین سابقہ کتب میں موجود تھے؟ دونوں باتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ صرف مضامین قرآن کو بھی بعض اوقات توسعاً قرآن کہہ دیا جاتا ہے اس لئے کہ اصل مقصود کسی کتاب کا اس کے مضامین ہی ہوتے ہیں (معارف)

دوسرا جواب یہ ہے اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی خبر اور اس کی صفت اور اس کے نزول کی خوشخبری کتب سابقہ میں موجود ہے (جمل) لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے اسی وجہ سے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں الفاظ قرآن کی قرأۃ کے بجائے ان کا ترجمہ خواہ کسی بھی زبان میں ہو بدون اضطرار کے کافی نہیں، بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے ان سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

ترجمہ قرآن کو قرآن کہنا جائز نہیں

اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو قرآن کہنا درست نہیں ہے مثلاً اردو کا قرآن یا فارسی یا انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ جائز نہیں، اور نہ محض قرآن کے ترجمہ کو قرآن کے نام سے شائع کرنا جائز ہے۔

اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ آیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کفار مکہ مذہبی معاملات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے چنانچہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوئے نبوت فرمایا تو مشرکین مکہ کی ایک جماعت تحقیق کے لئے مدینہ

علماء یہود کے پاس گئی تھی علماء یہود نے علامت کے طور پر تین سوال سکھائے تھے کہ اگر ان کا جواب دیدیں تو نبی ہیں ورنہ نہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی ایک یہودی عالم نے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تین علامتیں بتائی تھیں اول یہ کہ وہ صدقہ قبول نہیں کرے گا، ہدیہ قبول کرے گا، اور یہ کہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی چنانچہ حضرت سلمان فارسی نبی آخر الزماں کی تلاش میں مدینہ تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مذکورہ تینوں علامتوں کی تصدیق کرنے کے بعد ایمان لائے، عناد اور دشمنی کی وجہ سے اگرچہ یہودی علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اگرچہ کھلم کھلا اعلان واقرار نہیں کرتے تھے مگر نجی مجلسوں میں اور دل میں آپ کی نبوت کے معترف تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم**

مشرکین مکہ جب اپنے دیگر مذہبی معاملات میں علماء یہود پر اعتماد کرتے ہیں تو آپ کی نبوت ورسالت کے بارے میں کیوں اعتماد نہیں کرتے؟ حالانکہ بڑے بڑے علماء یہود جو ایمان لا چکے تھے وہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں یہ وہی نبی ہیں جن کی خوشخبری توریت وانجیل میں دی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ کیا یہ بات کہ علماء بنی اسرائیل قرآن کی صداقت اور حقانیت کی شہادت دے رہے ہیں مشرکین مکہ کے ایمان لانے اور قرآن کو آسمانی کتاب باور کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ مگر ضد اور عناد کی وجہ سے قبول نہیں کرتے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ پیغمبروں کی دعوت صرف رشتہ داروں کے لئے نہیں بلکہ پوری قوم کے لئے ہوتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری نسل انسانی کے لئے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے، قریبی رشتہ داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ یا ایک ترجیحی پہلو ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے والد آزر کو توحید کی دعوت دی تھی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کے نازل ہونے کے بعد صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور **یاصباحاہ** کہہ کر آواز دی، یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا تھا جب دشمن اچانک حملہ کردے، یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہوگئے آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا **یا معشرَ قریش اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ لا اُغنی عنکُمْ من اللّٰہ شیئًا یا بنی عبدَ المطّلب لا اُغنی عنكَ منَ اللّٰہِ شیئًا یا صفیہ عمة رسول اللّٰہِ لا اغنی عنكِ شیئًا یا فاطمة بنتِ رسول اللّٰہ سلینی ماشئتِ من مالی لا اغنی عنكِ من اللّٰہِ شیئًا** (خازن بحوالہ جمل) اور آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم سچ مانوگے؟ سب نے کہا ہاں یقیناً ہم تصدیق کریں گے، اس کے بعد آپ نے فرمایا ''اللہ نے مجھے نذیر بنا کر بھیجا ہے میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں'' اس پر ابولہب نے کہا **تبًّا لكَ اَمَا دَعَوْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا** تیرے لئے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورہ تبت نازل ہوئی۔

اَلَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ یعنی آپ جب تنہا تہجد وغیرہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے

ہیں اس وقت بھی وہ آپ کو دیکھتا ہے اور جب آپ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اس وقت بھی دیکھتا ہے۔

شعر کی تعریف

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ شعر لغت میں ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی غیر حقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف، اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے، اصطلاحی شعر وغزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات ہی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں ومقفیٰ کو شعر کہنے لگے ہیں۔ (معارف)

جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، اور کعب بن مالک جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ ذوالجلال نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں، آپ نے فرمایا آیت کے آخری حصہ کو پڑھو، مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار بیہودہ اور غلط مقصد کے لئے نہیں ہوتے لہٰذا تم اس استثناء میں داخل ہو جو آیت کے آخری حصہ میں مذکور ہے، اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ ابتدائی آیت میں مشرکین شعراء مراد ہیں، مشرکین مکہ محفل مشاعرہ قائم کرتے جس میں اسلام کا تمسخر کرتے مسلمانوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے اور سامعین خوب داد دیتے اور ہجو کے اشعار کو یاد کر لیتے اور خوب شہرت دیتے آیت میں یہی شعراء اور ان کی اتباع کرنے والے مراد ہیں۔

لطیفہ: ایک رئیس کے دربار میں چند شعراء انعام واکرام کی غرض سے حاضر ہوئے ایک شخص جو کہ شاعر نہیں تھا وہ بھی طفیلی بن کر شعراء کے ساتھ چلا گیا شاعروں نے اپنے اپنے انداز سے رئیس کی بہت تعریف کی جب شعراء اپنا اپنا کلام سنا چکے اور انعام واکرام حاصل کر چکے تو رئیس نے اس طفیلی سے بھی اشعار پڑھنے کے لئے کہا طفیلی چونکہ شاعر تو تھا نہیں اشعار کیا سناتا؟ برجستہ جواب دیا کہ شعراء تو یہ حضرات ہیں میں يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ میں سے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے الشعراء يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ رئیس بہت ہنسا اور اس کو بھی خوب انعام دیا، آیت میں اگرچہ مشرکین شعراء مراد ہیں مگر چونکہ شاعروں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح وذم میں اصول وضابطہ کے بجائے ذاتی پسند وناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں، علاوہ ازیں اس قدر غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ کذب بیانی اور دروغ گوئی کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ ایمان اور عقیدہ کی حدود کا بھی خیال نہیں رکھتے فرزدق نے سلیمان بن عبد الملک کی مجلس میں چند اشعار پڑھے جن میں ایک شعر یہ بھی تھا:

فبتنَ کأنهنَّ مُصرَّعات
وبتُّ افضُّ اغلاق الختام

دوشیزاؤں نے اس طرح رات گذاری گویا کہ وہ پچھاڑی ہوئی ہیں اور میں نے اس طرح رات گذاری کہ میں سربند مہروں کو توڑ رہا ہوں، سلیمان نے کہا تیرے اوپر حد واجب ہوگئی، فرزدق نے کہا حد میرے اوپر سے ساقط ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وانهم يقولون ما لا يفعلون** چنانچہ اس کو معاف کردیا۔

شاعروں کی گپ کا نمونہ

اے رشک مسیحا تیری رفتار کے قرباں — ٹھوکر سے میری لاش کئی بار جلادی
اے بادِ صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے — اس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لادی

ایک شاعر اپنے ممدوح کے حقہ کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے:

حقہ نہیں عصاء ہے یہ موسیٰ کے ہاتھ میں — بے جان بولتا ہے یہ مسیحا کے ہاتھ میں

مبالغہ کے چند اور نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

رونے پہ چشم تر مری باندھے اگر کمر — کیسی زمیں، فلک پہ ہو پانی کمر کمر

گھوڑے کی برق رفتاری کے لئے:

یک جست میں جو خوف نہ رکھتا خدا سے وہ — جاتا نکل احاطۂ علم خدا سے وہ

....

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے — رن ایک طرف، چرخ کہن کانپ رہا ہے
ہر شیر نیستان زمن کانپ رہا ہے — رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبرئیل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

اس قسم کے شاعر چونکہ شاعرانہ تخیلات کی تلاش میں خیالی دنیا میں ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں اسی لئے ان کے بارے میں کہا گیا ہے **فی کل وادٍ یھیمون** تخیلات کی وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔

مذکورہ آیت سے جو شعر و شاعری کی سخت مذمت اور ان کا عند اللہ مبغوض ہونا معلوم ہوتا ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ جس شعر میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ کی یاد سے غفلت یا جھوٹ ناحق کسی انسان کی مذمت و توہین ہو فحش کلام اور فواحش کے لئے محرک ہو وہ مذموم اور مکروہ ہے اور ایسا شاعر قابل مذمت ہے، اور جن شعراء کے اشعار ان معاصی اور مکروہات سے پاک ہوں ان کو اللہ تعالیٰ نے **الا الذینَ آمنُوا وعملوا الصّٰلِحٰتِ** کے ذریعہ مستثنیٰ فرمادیا ہے، بلکہ بعض اشعار تو حکیمانہ مضامین اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے طاعت اور ثواب میں داخل ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب

کی روایت ہے اِنّ بعض الشعر لحکمة (بخاری) اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے عمر بن الشرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیہ بن ابی صلت کے سو قافیہ تک اشعار سنے (معارف) مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ سے بصرہ تک حضرت عمر بن حصینؓ کے ساتھ سفر کیا اور ہر منزل پر وہ شعر سناتے تھے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ شعر کہا کرتی تھیں، ابو یعلی نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور اگر مضمون برا ہے یا گناہ ہے تو برا ہے دار قطنی نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضورؐ سے شعر کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا هو کلام ، فحسنهٗ حسَنٌ و قبیحهٗ قبیحٌ بلکہ اگر اشعار خدا اور اس کے رسول کی محبت بڑھانے والے اور موت و آخرت کو یاد دلانے والے یا بغرض نصرت وانتقام مؤمنین وابطال باطل واحقاق حق ہوں تو مستحب ہیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ آپ کی جانب سے مشرکین مکہ کی ہجو کا جواب دیا کرتے تھے آپ نے حضرت حسان کے لئے کفار کی ہجو کا جواب دینے پر دعا فرمائی اَجب عنی اَللّٰھُمّ ایدهٗ بروح القُدُسِ اے حسان ہماری طرف سے کفار کو جواب دو اے اللہ تو جبرائیل کے ذریعہ حسان کی مدد فرما۔ (خلاصۃ التفاسیر تائب لکھنوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرید سے جو آپ کے پیچھے سوار تھے فرمایا کہ امیہ بن ابی صلت کے کچھ اشعار یاد ہوں تو سناؤ، شرید فرماتے ہیں میں نے پڑھا آپ نے فرمایا اور پڑھو میں نے پڑھا پھر فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے سو اشعار پڑھے، آپ ہر بار فرماتے اور پڑھو، اور آپ نے یہ بھی فرمایا گویا کہ وہ اپنے شعر۔ سے اسلام ظاہر کرتا ہے یا گویا کہ اسلام لانا چاہتا ہے، اور ایسے ہی آپ نے فرمایا شعراء کے کلام میں راست ترین لبید کا یہ شعر ہے۔

اَلاَ کُلُّ شیٍٔ ماسوی اللّٰه باطلاً (رواہ مسلم) خلاصۃ التفاسیر تائب۔

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُوْرَةُ النَّمْلِ

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَتِسْعُوْنَ آيَةً

سورۂ نمل کی ہے اور ترانوے یا چورانوے یا پچانوے آیات پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ طٰسٓ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ تِلْكَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ اى اٰيَاتٌ مِنه وَكِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ مُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ هُوَ هُدًى اى هَادٍ مِنَ الضَّلَالَةِ وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ○ الْمُصَدِّقِيْنَ به بِالْجَنَّةِ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ يَاتُوْنَ بها عَلٰى وَجْهِهَا وَيُؤْتُوْنَ يُعْطُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ○ يَعْلَمُوْنَهَا بِالْاِسْتِدْلَالِ وَاُعِيْدَهُمْ لما فُصِّلَ بَيْنَهُ وبَيْنَ الْخَبَرِ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ الْقَبِيْحَةَ بِتَرْكِيْبِ الشَّهْوَةِ حَتّٰى رَاَوْهَا حَسَنَةً فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ○ يَتَحَيَّرُوْنَ فيها لِقُبْحِهَا عِنْدَنَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَشَدُّهُ فِي الدُّنْيَا الْقَتْلُ وَالْاَسْرُ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ لِمَصِيْرِهِم الى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ وَاِنَّكَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ اى يُلْقٰى عَلَيْكَ بِشِدَّةٍ مِنْ لَّدُنْ مِنْ عِنْدِ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ فى ذٰلِكَ اُذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ زَوْجَتِهٖ عِنْدَ مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ اِلٰى مِصْرَ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ اَبْصَرْتُ مِنْ بَعِيْدٍ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ عَنْ حَالِ الطَّرِيْقِ وكَانَ قَدْ ضَلَّهَا اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ بِالْاِضَافَةِ لِلْبَيَانِ وتَرْكِهَا اى شُعْلَةِ نَارٍ فِي رَاْسِ فَتِيْلَةٍ اَوْعُوْدٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ صَلَى بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّامِ وفَتْحِهَا تَسْتَدْفِئُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ اى بِاَنْ بُوْرِكَ اى بَارَكَ اللّٰهُ مَنْ فِي النَّارِ اى مُوْسٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ اى الْمَلٰٓئِكَةُ اَوِ الْعَكْسُ وبَارَكَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وبِالْحَرْفِ وَيُقَدَّرُ بَعْدَ فِي مَكَانٍ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ مِنْ جُمْلَةِ مَا نُوْدِيَ ومَعْنَاهُ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ مِنَ السُّوْٓءِ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗ اى الشَّاْنُ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَآنٌّ حَيَّةٌ خَفِيْفَةٌ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَرْجِعْ قَالَ تعالى يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۚ مِنْهَا اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ عِنْدِي الْمُرْسَلُوْنَ ۖ مِنْ حَيَّةٍ وغَيْرِهَا اِلَّا لٰكِنْ مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا اٰتَاهُ بَعْدَ سُوْٓءٍ اى تَابَ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ اَقْبَلُ التَّوْبَةَ واَغْفِرُلَهٗ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ طَوْقِ الْقَمِيْصِ تَخْرُجْ خِلَافَ لَوْنِهَا مِنَ الْاُدْمَةِ

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ بَرَصٍ لها شُعَاعٌ يَغْشَى البَصَرَ اٰيَةٌ فِيْ تِسْعِ اٰيَاتٍ مُرْسَلاً بها اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيَاتُنَا مُبْصِرَةً اى مُضِيْئَةً وَاضِحَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ؗ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ وَجَحَدُوْا بِهَا اى لم يُقِرُّوْا وَقَدِ اسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ اى تَيَقَّنُوْا اَنَّهَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ تَكَبُّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ بِمَا جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى رَاجِعٌ اِلَى الجَحَدِ فَانْظُرْ يَامُحَمَّدُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ؗ اَلَّتِيْ عَلِمْتَهَا مِنْ اِهْلاَكِهم . ع

ترجمہ

طٰسٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی یعنی حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی کتاب کی، زیادتی صفت کے ساتھ (القرآن) پر عطف ہے، وہ ہدایت ہے یعنی گمراہی سے ہدایت کرنے والی ہے اور مومنین یعنی اس کی تصدیق کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری ہے، وہ (مومن) جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کو اس کے طریقہ کے مطابق ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں (یعنی) دلیل کے ساتھ اس پر یقین رکھتے ہیں، اور (ھم) مبتداء اور اس کی خبر (یوقنون) کے درمیان (بالآخرۃ) کے فصل کی وجہ سے ھم کا اعادہ کیا گیا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال قبیحہ کو مزین کر دیا ہے، خواہش نفس کی آمیزش کی وجہ سے حتی کہ وہ برے اعمال کو بھی اچھے سمجھتے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں (یعنی) وہ ان اعمال میں متحیر ہیں ہمارے نزدیک قبیح ہونے کی وجہ سے یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے بڑا عذاب ہے یعنی دنیا میں سخت عذاب ہے (وہ) قتل وقید ہے اور وہ لوگ آخرت میں بھی سخت خسارہ میں ہیں ان کے دائمی عذاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے یقیناً آپ کو حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن مشقتوں کے ساتھ دیا جا رہا ہے اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل (یعنی) بیوی سے مدین سے مصر واپسی کے وقت کہا تھا، میں نے دور سے آگ دیکھی ہے وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر لیکر آیا (اور حضرت موسیٰ) راستہ بھول گئے تھے یا کوئی جلتا ہوا شعلہ ہی لے آؤں (بِشِهَابٍ قَبَسٍ) اضافت بیانیہ کے ساتھ، اور ترک اضافت کے ساتھ بھی ہے، یعنی لکڑی یا رسی کے سرے میں آگ کا شعلہ تا کہ تم تاپو اور طاافتعال کی تا سے بدلی ہوئی ہے اور (تَصْطَلُوْنَ) صَلِيَ بالنار کسرۂ لام اور فتحہ لام سے مشتق ہے، سردی سے بچاؤ حاصل کیا جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے یعنی موسیٰ اور وہ بھی جو اس کے پاس ہے یعنی ملائکہ یا اس کے برعکس اور بارك متعدی بنفسہ ہے اور متعدی بالحرف بھی، اور فی کے بعد (لفظ) مکان محذوف ہے اور اللہ رب العالمین پاک ہے (یہ جملہ) بھی منجملہ ان جملوں کے ہے جن کے ذریعہ ندا دی گئی، اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ عیوب سے پاک ہے اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا اور تم اپنا عصا ڈالو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈال دیا سو جب موسیٰ نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا گویا کہ وہ سپولیا ہے

یعنی پتلا سانپ ہے تو وہ (موسیٰ) پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا ارشاد ہوا اے موسیٰ اس سے ڈرو نہیں ہمارے حضور پیغمبر سانپ وغیرہ سے ڈرا نہیں کرتے ہاں مگر جس نے اپنے اوپر ظلم کیا پھر برائی کے بعد برائی کی جگہ نیکی کرے یعنی توبہ کرے تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں توبہ کو قبول کروں گا اور اس کی مغفرت کردوں گا اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں یعنی (اپنی) قمیص کے گریبان میں داخل کیجئے اپنے گندمی رنگ کے برخلاف وہ بلا کسی مرض کے چمکدار ہو کر نکلے گا یعنی برص وغیرہ کے بغیر اس میں ایسی چمک ہوگی کہ آنکھوں کو خیرہ کردے گا (یہ دو معجزے) ان نو معجزوں میں سے ہیں جن کو لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا جا رہا ہے وہ بلا شبہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہیں جب ان لوگوں کے پاس ہمارے آنکھیں کھولنے والے واضح اور روشن معجزے پہنچے تو وہ لوگ کہنے لگے یہ صریح یعنی کھلا ہوا جادو ہے اور ان کا انکار کردیا یعنی اقرار نہیں کیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے یعنی ان کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ **بما جاء بها موسیٰ** سے انکار ایمان سے ظلم اور تکبر کے طور پر تھا **بما جاء موسیٰ** کا تعلق الجحد سے ہے پس آپ دیکھ لیجئے ان مفسدوں کا کیسا انجام ہوا جیسا کہ آپ ان کی ہلاکت سے واقف ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ عَطْفٌ بزیادةِ صفةٍ اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے سوال یہ ہے کتاب کا عطف القرآن پر عطف الشیٔ علی نفسہٖ کے قبیل سے ہے اسلئے کہ دونوں ہم معنی ہیں لہٰذا اس عطف کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

جواب جب معطوف کسی صفت زائد پر مشتمل ہو تو عطف فائدہ سے خالی نہیں ہوتا یہاں معطوف یعنی کتاب صفت مبین کے ساتھ متصف ہے یہ عطف بلا فائدہ نہ ہوا **قولہ یُؤتُوْنَ** ایتاءٌ سے مضارع جمع مذکر غائب معروف ہے وہ دیتے ہیں **قولہ وَهُمْ بالآخرةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ، هم** مبتداء **يُوقِنُوْنَ** اس کی خبر بالآخرة یوقنونَ کا متعلق مقدم مبتداء اور خبر کے درمیان جار مجرور کا فصل ہونے کی وجہ سے **هم** کا اعادہ کیا گیا ہے تا کہ خبر کا مبتداء کے ساتھ صورۃً اتصال ہو جائے، مفسر علام نے **وأُعِيْدَهم الخ** کا اضافہ اسی مقصد کے لئے کیا ہے **قولہ يَعْمَهُوْنَ عَمَهٌ** سے مشتق ہے جس کے معنی حیرت اور تردد کے ہیں **قولہ لِقُبْحِهَا عندنَا** اس عبارت سے یہ شبہ دور کرنا ہے کہ کافروں کے اپنے افعال میں متحیر اور متردد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنے اختیار تمیزی کے ساتھ کفر اور اعمال کفریہ کو اختیار کرتے ہیں۔

جواب ہمارے نزدیک متحیر ہیں نہ کہ اپنے نزدیک مطلب یہ ہے کہ تزئین شیطان اور اخبار رحمٰن میں تعارض کی وجہ سے متحیر ہیں اور ان کے اندر اتنی بصیرت نہیں کہ حسن اور قبیح کے درمیان فرق کر سکیں اور وہ اس میں بھی متحیر رہتے ہیں کہ کفر اور اعمال کفریہ پر ہی قائم ودائم رہیں یا ترک کردیں، **مگر** یہ تفسیر خلجان اور شبہ سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ جب کفار اپنے

اعمال کو حسن سمجھتے ہیں تو پھر ان کے متحیر ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے بہتر تفسیر وہ ہے جو دیگر حضرات نے کی ہے وہ یہ کہ یَعْمَهُوْنَ یَسْتَمِرُّوْنَ ویداوِمُوْن علَیْهَا کے معنی میں ہے (کما ذکرہ ابوسعود) اور ابن عباسؓ اور قتادہ نے یَعْمَهُوْنَ کی تفسیر یَلْعبُوْنَ سے کی ہے (جمل ملخصاً) **قوله** لِمَصِیرِهم یہ اَخسرُوْنَ کی علت ہے، اَخْسَرُ اسم تفضیل مبالغہ کے لئے ہے نہ کہ تشریک کے لئے اس لئے کہ مومنون کے لئے خسران نہیں ہے وَهُمْ فی الآخرةِ هُمُ الاَخسَرُوْنَ کا اعراب وہی ہے جو هُمْ بالآخرةِ هم یُوقنونَ کا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ مفضل علیہ خود کفار ہی ہیں مگر زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ یعنی کفار دنیا کے اعتبار سے آخرت میں زیادہ خسارہ میں ہوں گے **قوله** لَتُلَقّٰی تجھے تلقین کیا جاتا ہے، تجھے سکھلایا جاتا ہے، واحد مذکر حاضر مضارع مجہول، اصل میں تُتَلَقّٰی تھا ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے، یہ متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول قائم مقام فاعل ہے اور دوسرا مفعول القرآن ہے **قوله** بِشِدَّةٍ اس لئے کہ اس میں تکالیف شاقہ ہیں یعنی نزول کے وقت بھی مشقت ہوتی ہے اور عمل کے وقت بھی **قوله** بالإضافةِ پیش نظر نسخہ جلالین میں ترک اضافت کے ساتھ ہے لہٰذا اس صورت میں قَبَسٍ بمعنی مقبوس شهاب سے بدل ہے یا نعت ہے اور اگر اضافت کے ساتھ ہو جیسا کہ موجودہ نسخہ میں ہے تو یہ اضافت بیانیہ ہوگی **قوله** شُعلةِ نارٍ یہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی تفسیر ہے یعنی شہاب بمعنی شعلہ اور قبس بمعنی نار **قوله** فتیلة بتی، بٹی ہوئی چیز **قوله** نُودِیَ اس کا نائب فاعل موسیٰ ہیں، اس صورت میں اَنْ تفسیریہ ہے اس لئے کہ ماقبل میں نودِیَ بمعنی قیل موجود ہے، مطلب یہ ہے اَنْ تفسیریہ مراد لینے کے لئے ضروری ہے کہ ماقبل میں قول یا قول سے مشتق کوئی صیغہ ہو یا قول کے معنی دینے والا کوئی صیغہ ہو، چنانچہ اَنْ تفسیریہ سے پہلے اگرچہ قول یا اس کے مشتقات میں سے کوئی نہیں ہے مگر نودِیَ جو کہ قول کے ہم معنی ہے موجود ہے، لہٰذا یہ اَنْ تفسیریہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مخففہ عن الثقیلہ ہو اور اس کا اسم ضمیر شان ہو اور بورِكَ اس کی خبر ہو، اور اَنْ مصدریہ بھی ہوسکتا ہے حذف حرف جر کے ساتھ ای بان اور مدخول اَنْ مصدر کے معنی میں ہو، ای نودِیَ ببرکةٍ مَنْ فی النّارِ بَارَكَ متعدی بنفسہ بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے بارك الله یہ متعدی بنفسہ کی مثال ہے یابارك الرجلَ آدمی کے لئے برکت کی دعا کی اور حرف یعنی لام و فی و علٰی کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے متعدی بالحرف کی مثالیں بَارَكَ الله لَكَ ، بارَكَ اللّٰهُ فِیكَ ، بَارَكَ الله عَلَیْكَ **قوله** مِن جملةِ ماِنُوْدِیَ مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی نداء دی گئی اس میں جملہ تنزیہیہ بھی ہے یعنی سبحان اللّٰه رب العالمین **قوله** تَهْتَزُّ یہ رآهَا کی ضمیر مفعولی سے حال ہے وَلّٰی مُدْبِرًا لمّا کا جواب ہے **قوله** اِلَّا لٰكِنْ مَنْ ظَلَمَ مفسر علام نے الاَّ کی تفسیر لٰکنْ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے مطلب یہ ہے کہ مَنْ ظَلَمَ سے مراد غیر مرسلین ہیں **قوله** مَنْ ظَلَمَ مبتداء ہے اور فَاِنّی غفورٌ رّحیم اس کی خبر ہے **قوله** مُبْصِرَةً آیات سے حال ہے اور آیات کی جانب مُبصِرة کی اسناد مجازی ہے اس لئے کہ آیات دیکھنے والی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی روشنی

میں دیکھا جاتا ہے جیسا کہ نھرٌ جارٍ میں اسناد مجازی ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ مُبصِرۃ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول ہے جیسے دافِقٌ بمعنی مَدفوقٌ **قوله** اِستَیقَنَتھَا اَنفُسُھُم یہ جَحَدُوْا کے واؤ سے بتقدیر قد حال ہے **قوله** ای تَیقَنُوا اس سے اشارہ کر دیا ہے کہ اِستَیقَنَتھَا میں سین زائدہ ہے **قوله** ظلمًا و عُلوًّا اس کا تعلق جَحَدُوْا سے ہے یعنی ظلمًا و علوًّا انکار کی علت ہے **قوله** کَیفَ کانَ عاقبۃ المفسدین کَیفَ، کانَ کی خبر مقدم ہے اور عاقبۃ المفسدین اسم مؤخر ہے اور پورا جملہ اُنظُر بمعنی تفکر سے متعلق ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

تفسیر و تشریح

طٰسٓ اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، اس صورت میں چونکہ چیونٹیوں کا ایک واقعہ مذکور ہے اور چیونٹی کو عربی میں نملٌ کہتے ہیں اس لئے اس سورت کا نام سورۂ نمل رکھا گیا ہے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۂ سلیمان بھی ہے۔ (روح المعانی)

زَیَّنَّا لَھُم اَعمالَھُم یہ گناہوں کی نحوست اور وبال ہی ہے کہ برائیاں اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں، آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے زَیَّنَّا میں نسبت باری تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے یہ اس لئے ہے کہ کوئی بھی کام باری تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا مگر مشیت اور ارادہ کے لئے رضامندی ضروری نہیں ہے جیسا کہ کڑوی دوا انسان اپنے ارادہ سے تو پیتا ہے مگر رضا اور خوش دلی سے نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک اور بد دونوں راستے واضح فرما دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَھَدَینٰہُ النَّجدَینِ البتہ انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے جو راستہ بھی اختیار کرتا ہے خواہ نیک ہو یا بد اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہی راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

وَاذکر اذ قالَ موسٰی لِاَھلِہٖ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لیکر واپس مصر آرہے تھے، تاریک رات میں راستہ بھول گئے تھے اور سردی کا موسم تھا سردی سے بچاؤ کے لئے آگ کی ضرورت تھی، دور سے آپ کو کوہ طور پر آگ کے شعلے نظر آئے تو آپ اس خیال سے کہ آگ کے پاس اگر کوئی شخص ہوا تو اس سے راستہ معلوم کر لوں گا ورنہ آگ تو لے ہی آؤں گا تا کہ اس کے ذریعہ سردی سے بچاؤ حاصل کیا جا سکے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام آگ کے شعلوں کے قریب پہنچے تو ایک سرسبز درخت سے شعلے بلند ہوتے نظر آئے یہ شعلے حقیقت میں آگ نہیں تھے یہ اللہ کا نور تھا۔

فَلَمَّا جَاءَ ھَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے اور وہ جو اس کے آس پاس ہے، نودِیَ کا نائب فاعل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں پکارنے والے حق تعالیٰ شانہ بھی ہو سکتے ہیں اور ملائکہ بھی، بورِکَ بمعنی تبارکَ ہے ہے مَنْ فی النار میں مَنْ سے

مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے اور وہ درخت بھی مراد ہو سکتا ہے جس پر آگ نظر آئی تھی نور الٰہی اور ذات حق شانہ تعالیٰ بھی ہو سکتی ہے (خلاصۃ التفاسیر) نار سے نور مراد ہے ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ درخت پر آگ نہیں تھی بلکہ نور تھا جس کی چمک بڑھتی جاتی تھی، اگر مَنْ فی النار سے حق تعالیٰ شانہ یا اس کا نور یا درخت مراد ہو تو حَوْلَهٗ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ مراد ہوں گے اور اگر مَنْ فی النَّار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہوں تو مَنْ حَوْلَهٗ سے ملائکہ مراد ہوں گے اور یہی روایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کا داخل نور ہونا یا تو باعتبار کمال قرب تھا یا فنائے صادق (معالم، بحوالہ خلاصۃ التفاسیر) مذکورہ توجیہات میں سے بعض سے خدا کے لئے جسم اور صفت حادث سے متصف ہونے کا یا حلول کا شبہ پیدا ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سبحٰنَ اللّٰہ رب العٰلمینَ اللہ تعالیٰ تمام تحیلات و ممکنات وحوادثات سے منزہ اور پاک ہے، آواز سننے کی جو کیفیت تفسیر بحر محیط میں ابوحیان نے اور روح المعانی میں آلوسیؒ نے نقل کی ہے وہ یہ ہے موسیٰ نے آواز اس طرح سنی کہ ہر جانب سے یکساں آرہی تھی جس کی کوئی جہت متعین نہیں ہو سکتی تھی، اور سننا بھی ایک عجیب انداز سے ہوا کہ صرف کان نہیں بلکہ جسم کے تمام اعضاء سن رہے تھے جو ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ (الآیۃ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے ورنہ موسیٰ علیہ السلام اپنی ہاتھ کی لاٹھی سے نہ ڈرتے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی لاٹھی سانپ بن کر جھوم رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا، یہ خوف طبعی تھا جانٌّ ہلکے سانپ کو کہتے ہیں کہیں پر جان کہا گیا ہے اور کہیں پر ثعبانٌ، ثعبان بڑے سانپ (اژدہے) کو کہتے ہیں، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے ابتداءً جانٌّ اور انتہاءً ثعبان ہو گیا تھا، یا جسم وجثہ کے اعتبار سے ثعبان تھا مگر سرعت حرکت کے اعتبار سے جانٌّ تھا۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اس سے پہلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصاء کا ذکر تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈر کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا ذکر ہے اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزے ید بیضاء کا ذکر ہے درمیان میں اس استثناء کا ذکر کس لئے کیا ہے؟ اور یہ استثناء منقطع ہے یا متصل؟ اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات نے استثناء کو منقطع قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ پہلی آیت میں انبیاء کرام پر خوف نہ ہونے کا ذکر تھا بر سبیل تذکرہ ان لوگوں کا بھی ذکر آگیا جن پر خوف طاری ہونا چاہئے، یعنی وہ لوگ جن سے کوئی خطا سرزد ہوئی پھر توبہ کر کے نیک اعمال اختیار کر لئے ایسے حضرات کی اگرچہ اللہ تعالیٰ خطا معاف کر دیتے ہیں مگر معافی کے بعد بھی گناہ کے بعض آثار باقی رہنے کا احتمال ہے اس سے یہ حضرات ہمیشہ خائف رہتے ہیں، اور اگر اس استثناء کو متصل قرار دیں تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اللہ کے رسول ڈرا نہیں کرتے بجز ان کے کہ جن سے کوئی خطا (یعنی کوئی لغزش سرزد ہو گئی ہو) پھر اس سے بھی توبہ کر لی ہو تو اس

توبہ سے یہ لغزش معاف ہو جاتی ہے اور صحیح تر بات یہ ہے کہ انبیاء سے جو لغزش سرزد ہوئی ہے، وہ درحقیقت گناہ ہی نہیں ہے نہ کبیرہ نہ صغیرہ البتہ صورت گناہ کی تھی ورنہ درحقیقت خطائے اجتہادی تھی، اس مضمون میں اس طرف بھی اشارہ پایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو قبطی کو قتل کرنے کی لغزش ہوگئی تھی وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی مگر اس کا یہ اثر رہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہو گیا اگر یہ لغزش نہ ہوئی ہوتی تو یہ وقتی خوف بھی نہ ہوتا۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِبْنَهٗ عِلْمًا ۚ بالقضاءِ بَيْنَ النَّاسِ ومَنْطِقِ الطَّيْرِ وغيرِ ذلك **وَقَالَا** شكرًا لِلّٰهِ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا** بالنُّبُوَّةِ وتَسْخِيرِ الجِنِّ والإِنسِ والشَّياطِينِ **عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ** النُّبُوَّةَ والعِلمَ **وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ** اي فَهْمَ اَصْواتِهِ **وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ** يُؤْتاهُ الأنبياءُ والمُلُوكُ **اِنَّ هٰذَا** المُؤْتى **لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ** البَيِّنُ الظَّاهِرُ **وَحُشِرَ** جُمِعَ **لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ** في مَسِيرٍ له **فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ** يُجْمَعُونَ ثم يُساقُونَ **حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ** هو بالطائِفِ او بالشَّامِ نَمْلُهُ صِغارٌ او كِبارٌ **قَالَتْ نَمْلَةٌ** مَلِكَةُ النَّمْلِ وقد رَاَتْ جُنْدَ سُلَيْمانَ **يٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ** يَكْسِرَنَّكُمْ **سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** بِهَلاكِكُم نُزِّلَ النَّمْلُ مَنْزِلَةَ العُقَلاءِ في الخِطابِ بِخِطابِهِمْ **فَتَبَسَّمَ** سُلَيْمانُ ابْتِداءً **ضَاحِكًا** انْتِهاءً **مِّنْ قَوْلِهَا** وقد سَمِعَهُ مِن ثَلاثَةِ اَمْيالٍ حَمَلَتْهُ الرِّيحُ اليه فَحَبَسَ جُنْدَهُ حِينَ اَشْرَفَ على وَادِيهِمْ حَتّٰى دَخَلُوا بُيُوتَهم وكانَ جُنْدُهُ رُكْبانًا ومُشاةً في هذا المَسِيرِ **وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ** اَلْهِمْنِي **اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ** بها **عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ** الأنبياءِ والأولياءِ **وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ** لِيَرَى الهُدْهُدَ الَّذِي يَرَى المَاءَ تحتَ الأرضِ ويَدُلُّ عليه بِنَقْرِهِ فيها فتَسْتَخْرِجُهُ الشَّياطِينُ لاحْتِياجِ سُلَيْمانَ اليه لِلصَّلٰوةِ فَلَمْ يَرَهُ **فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ** اي اَعَرَضَ لي ما مَنَعَنِي مِن رُؤْيَتِهِ **اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ** فَلَمْ اَرَهُ لِغَيْبَتِهِ فَلَمَّا تَحَقَّقَها قالَ **لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا** اي تَعْذِيبًا **شَدِيْدًا** بِنَتْفِ رِيشِهِ وذَنَبِهِ ورَمْيِهِ في الشَّمْسِ فَلا يَمْتَنِعُ مِنَ الهَوامِّ **اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗ** بِقَطْعِ حُلْقُومِهِ **اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ** بِنُونٍ مُشَدَّدَةٍ مَكْسُورَةٍ او مَفْتُوحَةٍ يَلِيها نُونٌ مَكْسُورَةٌ **بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ**

ترجمہ

اور ہم نے داؤد اور اس کے بیٹے سلیمان کو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا علم عطا کیا اور پرند وغیرہ کی بولی سکھائی اور ان دونوں حضرات نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو نبوت

کے ذریعہ اور جن وانس وشیاطین کی تسخیر کے ذریعہ اپنے مومن بندوں میں سے بہت سوں پر فضیلت عطا فرمائی اور سلیمان علیہ السلام نبوت اور علم میں داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سلیمانؑ نے کہا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی یعنی ان کی آواز کی سمجھ سکھائی اور ہم کو ہر وہ شئ عطا فرمائی جو انبیاء اور ملوک کو عطا کی جاتی ہے (یعنی جس کی ان کو حاجت ہوتی ہے) بلاشبہ واقعی یہ عطا کردہ شئ اس کا بڑا فضل ہے (کھلا ہوا فضل ہے) اور سلیمان کے سامنے ایک سفر میں ان کا لشکر جمع کیا گیا جو کہ جن وانس اور پرند پر مشتمل تھا ان کو جمع کیا جاتا تھا پھر سے چلایا جاتا تھا یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے وہ میدان طائف میں یا شام میں تھا، وہ چیونٹیاں چھوٹی (نسل کی) تھیں یا بڑی، ایک چیونٹی نے جو کہ چیونٹیوں کی رانی تھے کہا اور اس نے سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ لیا تھا اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تم کو بے خبری میں روند ڈالے یعنی ان کو تمہاری ہلاکت کی خبر بھی نہ ہو، چیونٹیوں کو خطاب میں، ان سے خطاب کرتے ہوئے بمنزلہ عقلاء کے اتار لیا گیا، سلیمان علیہ السلام اس کی بات سنکر مسکرا کر ہنس دیئے یعنی ابتداءً مسکرائے اور آخر کار ہنس دیئے اور سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات تین میل سے سن لی تھی، ہوا نے اس بات کو حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچا دیا تھا، چنانچہ سلیمان علیہ السلام جب وادی کے قریب پہنچے تو اپنے لشکر کو روک لیا، یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں داخل ہوگئیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اس سفر میں سوار اور پیادہ پر مشتمل تھا (حضرت سلیمان علیہ السلام) اللہ سے یہ دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار آپ مجھے الہام کیجئے (توفیق دیجئے) کہ تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے میرے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور یہ کہ میں ایسے اعمال کرتا رہوں کہ جن سے تو خوش رہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں یعنی انبیاء واولیاء میں داخل فرما اور آپ نے پرندوں کی جانچ پڑتال کی تا کہ ہدہد کو دیکھیں جو پانی کو زیر زمین دیکھ لیتا ہے اور زمین پر اپنی چونچ مار کر اس کی نشاندہی کر دیتا ہے اور شیاطین پانی کو سلیمان علیہ السلام کی نماز (وغیرہ) کی ضرورت کے لئے نکال لیتے (تھے) چنانچہ (حضرت سلیمانؑ) نے ہدہد کو نہ پایا تو (حضرت سلیمانؑ) فرمانے لگے کیا بات ہے کہ ہدہد مجھے نظر نہیں آ رہا؟ یعنی کیا کوئی چیز میرے سامنے آڑے آ گئی ہے؟ جو مجھے اس کے دیکھنے سے مانع ہوگئی ہے کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے کہ میں اس کو اس کی غیر حاضری کی وجہ سے نہیں دیکھ رہا ہوں جب اس کی غیر حاضری متحقق ہوگئی تو حضرت سلیمان فرمانے لگے کہ میں اس کو سخت سزا دوں گا اس کے پروں کو نوچ کر اور اس کی دم کو اکھاڑ کر اور اس کو دھوپ میں ڈال کر، جس کی وجہ سے وہ کیڑے مکوڑوں سے محفوظ نہ رہ سکے گا یا اس کا گلا کاٹ کر ذبح کر دوں گا، یا میرے سامنے کوئی واضح دلیل (عذر) پیش کرے لَیَاْتِیَنِّیْ میں نون مشدد مکسورہ کے ساتھ یا نون مفتوحہ جس کے ساتھ نون مکسورہ ملا ہو یعنی اپنے عذر کی کوئی واضح دلیل پیش کرے۔

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

قولہ آتَیْنَا بمعنی اَعْطَیْنَا طَیْرٌ طائر کی جمع ہے پرندہ قَالَ یٰاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا یہ سیاسۃً شاہانہ طرز خطاب ہے نہ کہ تکبراً (روح البیان میں ہے) اَلنُّوْنُ نُوْنُ الواحد المطاع علی عادۃِ الملوكِ فَاِنَّھُمْ یتکلّمونَ مثل ذٰلك رعایۃً لقاعدۃ السیاسۃ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ عُلِّمْنَا ای انا و ابی مگر یہ تاویل حضرت سلیمانؑ کے پرندوں کی بولی سمجھنے کے اختصاص کے منافی ہے جیسا کہ مشہور ہے اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کے علاوہ دیگر حیوانات کی بولی سمجھنے کا معجزہ عطا فرمایا گیا تھا مگر چونکہ پرندے ہمہ وقت آپ پر سایہ فگن رہتے تھے اس لئے پرندوں کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے مَنْطِقَ کا عطف قضاء پر ہے باء کے تحت میں ہونے کی وجہ سے مجرور ہے ای عِلْمًا بالقضاءِ وبمنطقِ الطیرِ **قولہ** وغیرَ ذٰلكَ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی سمجھنے کے علاوہ اور دیگر حیوانات کی بولی سمجھنے کا علم بھی عطا کیا گیا تھا **قولہ** حَتّٰی اِذَا اَتَوْا یہ محذوف کی غایت ہے تقدیر عبارت یہ ہے فَسَارُوْا حَتّٰی اِذَا اَتَوْا اور بعض حضرات نے یُوْزَعُوْنَ کی غایت قرار دیا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَھُمْ یَسِیْرُوْنَ ممنوعًا بعضھم من مفارقۃِ بعض حتّٰی اِذَا اَتَوْا علٰی وادِی النملۃِ **قولہ** فی عِبَادِكَ الصالحین ای فی جملۃِ عبادِكَ الصالحین حذف مضاف کے ساتھ اور صالحین سے کامل صالحین مراد ہیں جو کہ انبیاء ہی ہوتے ہیں لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ نبی کا صالحین میں شامل ہونے کی دعاء سے کیا مقصد ہے؟ جبکہ انبیاء رتبہ کے اعتبار سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ آتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ ابنہٗ عِلْمًا حق سبحانہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد داؤد علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں، یہ قصے اور ان سے ماقبل و مابعد کے قصے دراصل وَاِنَّكَ لَتُلَقَّی القرآنَ مِن لَّدُنْ حکیمٍ علیمٍ کے لئے بمنزلہ تائید و تقریر کے ہیں، اس لئے کہ ایک امی کے لئے جس کا اہل کتاب سے بھی کوئی ربط و تعلق نہیں ہے گذشتہ ہزاروں سال کے واقعات کو من وعن صحیح بیان کرتا ہے اس کی معلومات کا ذریعہ وحی الٰہی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ گویا کہ ان واقعات کو سنانے اور بیان کرنے کا صاف اور صریح مقصد وَاِنَّكَ لَتُلَقَّی القرآنَ مِنْ لَّدُنْ حکیمٍ علیمٍ کی تائید و تقریر ہے عِلْمًا میں تنوین یا تو نوع کے لئے ہے یا پھر تعظیم کے لئے ہے یعنی علماً کثیراً علم کا راست مصداق تو وہی علوم ہیں جو نبوت و رسالت سے متعلق ہوتے ہیں، مگر اس کے عموم میں دیگر علوم و فنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو

زرہ سازی کی صفت سکھائی تھے حضرت داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام زمرۂ انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ ان کو رسالت اور نبوت کے ساتھ ساتھ سلطنت بھی عطا کی گئی تھی اور سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی، ان عظیم الشان نعمتوں میں سے سب سے پہلے نعمت علم کا ذکر فرمانے سے اشارۃ النص کے طور پر اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نعمت علم تمام دیگر نعمتوں سے فائق اور بالاتر ہے **وقالاَ الحمدُ للّٰہِ** میں واؤ عطف کے لئے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے اس لئے کہ یہ مقام فا کا ہے تقدیر عبارت یہ ہے **وَلَقَدْ آتَیْنَاھُمَا عِلمًا فعمِلاَ وقَالاَ الحمد للّٰہِ۔**

انبیاء کے مال میں وراثت نہیں ہوتی، **وَوَرِثَ سلیمٰنُ داوٗدَ** وراثت سے وراثت علم ونبوت مراد ہے نہ کہ مالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **نحنُ معاشر الانبیاء لا نَرِثُ ولاَ نُورِثُ** یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداء سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے **العلماءُ ورثَۃُ الانبیاءِ وان الانبیاءَ لَمْ یُوَرِّثُوا دینارًا ولا دِرْھمًا ولکن وَرَّثُوا العلمَ فمَنْ اخذہٗ اَخَذَ بحظٍ وافرٍ** یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں لیکن انبیاء میں وراثت علم نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں، حضرت ابوعبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (**روح عن الکلینی** بحوالہ معارف) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مالی مراد نہیں ہو سکتی اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس صاحبزادے تھے اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو سب لڑکے وارث ہوتے حضرت سلیمان کی تخصیص کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت سے وراثت علم ونبوت مراد ہے، ان دلائل کے بعد طبری کی وہ روایت غلط ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالہ سے مالی وراثت مراد لی ہے۔ (روح، معارف)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء علیہ السلام کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے اور یہود یہ فاصلہ ایک ہزار چار سو سال بتاتے ہیں، سلیمان علیہ السلام کی عمر پچاس سال سے کچھ زیادہ ہوئی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو سال ہوئی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وارث قرار دینا وراثت علمی ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے اس لئے کہ وراثت مالی کی مستحق تو حضرت سلیمانؑ کی وہ اولاد ہے جو سلیمانؑ کے بعد بقید حیات رہی۔

بخاری اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لا نورث ماترکناہ صدقۃ** ہم وارث نہیں بناتے جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، آیت میں وراثت اصطلاحی مراد نہیں ہے، بلکہ مجازی معنی خلافت اور جانشین مراد ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے **یَرِثُونَ الفِردَوسَ** اور حدیث شریف میں آیا ہے **العلماء**

ورثۃ الانبیاء نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ آپ نے بازار میں آواز لگائی "چلو مسجد میں میراث رسول اللہ تقسیم ہو رہی ہے" لوگ دوڑے ہوئے مسجد میں گئے مسجد میں کچھ نہ پایا، البتہ ایک جماعت تعلیم و تعلم میں مصروف تھی، لوگوں نے کہا مال کہاں ہے؟ فرمایا یہی ہے میراث رسول، اور اگر میراث مجاز اً مراد نہ ہو بلکہ وراثت مالی ہی مراد ہو تو جیسا کہ بعض روافض کا قول ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں سے دوسرے کیوں محروم کردیئے گئے؟ اس کا یہ جواب کہ عدم ذکر کے لئے نفی لازم نہیں، یہ خلاف سیاق ہے اس لئے کہ اگر حضرت سلیمان کی تخصیص مقصود نہ ہو تو معمولی ذکر سے کیا فائدہ؟ ہر بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہی ہے، اور اگر نبوت اور علم مراد ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے تو اس میں میراث، خلافت و جانشینی کے اعتبار سے ہوگی اس لئے کہ یہ اوصاف نہ مملوک ہوتے ہیں اور نہ بعینہٖ منتقل ہوتے ہیں اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کی میراث خلافت و جانشینی کی ہوتی ہے تو اس سے روافض کے اس قول کا رد بھی ہوگیا کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراءؓ کو وارث باغ فدک سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بطور نفقہ حضور کے متعلقین کے لئے تھا نہ کہ مملوک، اس لئے متروکہ انبیاء میراث نہیں ہوتے **وقال یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر** حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات لوگوں سے تحدیث نعمت کے طور پر کہی، **عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ** سے مراد پرندوں کی بولی سمجھنا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ دیگر حیوانوں کی بولی کی سمجھ بھی عطا فرمائی گئی اور پرندوں کی بولی کی فہم کی تخصیص نہیں تھی، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ پرندوں کی بولی کی ہی فہم عطا فرمائی گئی تھی دیگر حیوانوں کی بولی کی فہم عطا نہیں کی گئی تھی، بعض اوقات خاص طور پر جبکہ چیونٹی کی عمر دراز ہو جائے تو پر نکل آتے ہیں یہ چیونٹی بھی پردار تھی لہٰذا کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا **قولہ اُوْتِینا و عُلِّمْنَا** حضرت سلیمان علیہ السلام کی مراد خود اپنی ذات ہی ہے اور ان دونوں صیغوں میں نونِ عظمت ہے جس کو ملوک و سلاطین سیاسۃً استعمال کیا کرتے ہیں **قولہ فی مسیرۃٍ** سے علامہ محلی کا اشارہ اس طرف ہے کہ کسی خاص سفر میں کہیں جانے کے لئے انسانوں، جنوں، چرندوں و پرندوں کا یہ لاؤ لشکر جمع کیا گیا تھا **قولہ یُوْزَعُوْنَ** اگر وَزَعَ یَزَعُ وزعا سے مشتق ہو تو اس کے معنی روکنے کے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اتنی بڑی تعداد میں تھا کہ راستہ میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا تاکہ شاہی لشکر بدنظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو اسی مادہ سے ہمزہ سلب کا اضافہ کرکے اَوْزِعْنِیْ بنایا گیا ہے جو اگلی آیت (۱۹) میں آرہا ہے، اور بعض حضرات نے یُوْزَعُوْنَ کو تَوْزِیْعٌ سے مشتق مانا ہے جس کے معنی تفریق کے ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ سب کو الگ الگ جماعتوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا، مثلاً انسانوں کا گروہ، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کا گروہ وغیرہ وغیرہ، ایسا فوجی نظام کے ماتحت کیا جاتا تھا اور ہر گروہ کا الگ ذمہ دار مقرر کردیا جاتا تھا، **نملۃٌ** مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہے اس کی جمع نَمْلٌ آتی ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ جس چیونٹی کی آواز حضرت سلیمان نے سنی مؤنث تھی اور دلیل **قالت نملۃٌ** میں فعل کی تانیث کو پیش کیا ہے، ابو حیان نے اس کا انکار کیا ہے۔ (فتح القدیر)

حَتّٰی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ (الآیۃ) اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں ۱ یہ کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور ہوتا ہے گوانسان سے بہت کم ہو ۲ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظمت اور فضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے اسی لئے چیونٹیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بے خبری میں ہم روندنہ دیئے جائیں ہُد ہُد کے واقعہ میں اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمانؑ عالم الغیب نہیں تھے ۳ یہ کہ حیوانات بھی اس عقیدۂ صحیحہ سے بہرہ ور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ۴ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر حیوانات کو بولی بھی سمجھتے تھے، یہ علوم حضرت سلیمانؑ کو بطور اعجاز عطا ہوئے تھے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ، تَفَقُّدٌ کے معنی جانچ پڑتال کرنا، حاضر وغیر حاضر کی تحقیق کرنا ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کو رعایا کی خبر گیری کرنی چاہئے اور ان کی حالت سے واقفیت کے طریقوں کو استعمال کرنا چاہئے یہ اس کے فرائض میں داخل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ تھی کہ صحابہ کرام کی حالت سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے جو شخص غیر حاضر ہوتا اور مسجد میں نظر نہ آتا اس کے بارے میں دریافت فرماتے اگر بیمار ہوتا تو عیادت کے لئے تشریف لیجاتے اور اگر کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو اس کے ازالہ کی تدبیر فرماتے۔

بُرْهَانٍ بَیِّنٍ ظَاهِرٍ علی عُذْرِهٖ فَمَكُثَ بِضَمِّ الكَافِ وفَتْحِهَا غَیْرَ بَعِیْدٍ ای یَسِیْرًا مِنَ الزَّمَانِ وحَضَرَ لِسُلَیْمَانَ مُتَوَاضِعًا بِرَفْعِ رَاْسِهٖ وإرْخَاءِ ذَنْبِهٖ وجَنَاحَیْهِ فَعَفَا عَنْهُ وسَاَلَهُ عَمَّا لَقِیَ فی غَیْبَتِهٖ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ اَیِ اطَّلَعْتُ علی مَالَمْ تَطَّلِعْ عَلَیه وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بالصَّرْفِ وتَرْكِهٖ قَبِیْلَةٌ بالیَمَنِ سُمِّیَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لَهم بِاعْتِبَارِهٖ صُرِفَ بِنَبَاٍ بِخَبَرٍ یَّقِیْنٍ○ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ای هِیَ مَلِكَةٌ لَهم اِسْمُهَا بَلْقِیْسُ وَّاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ تَحْتَاجُ الیه المُلُوْكُ مِنَ الآلَةِ والعُدَّةِ وَّلَهَا عَرْشٌ سَرِیْرٌ عَظِیْمٌ○ طُوْلُهٗ ثَمَانُوْنَ ذِرَاعًا وعَرْضُهٗ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وارْتِفَاعُهٗ ثَلٰثُوْنَ ذِرَاعًا مَضْرُوْبٌ مِنَ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ مُكَلَّلٌ بِالدُّرِّ والیَاقُوْتِ الاَحْمَرِ والزَّبَرْجَدِ الاَخْضَرِ والزُّمُرُّدِ وقَوَائِمُهٗ مِنَ الیَاقُوْتِ الاَحْمَرِ والزَّبَرْجَدِ الاَخْضَرِ والزُّمُرُّدِ علیه سَبْعَةُ بُیُوْتٍ علی كُلِّ بَیْتٍ بَابٌ مُغْلَقٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ طَرِیْقِ الحَقِّ فَهُمْ لَایَهْتَدُوْنَ○ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ اَیْ اَنْ یَّسْجُدُوا له فَزِیْدَتْ لَا واُدْغِمَ فِیهَا نُوْنُ اَنْ كما فی قوله تعالی لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ والجُمْلَةُ فی مَوْضِعِ مَفْعُوْلِ یَهْتَدُوْنَ بِاِسْقَاطِ الی الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ مَصْدَرٌ بمعنی المَخْبُوْءِ مِنَ المَطَرِ والنَّبَاتِ فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ فی قُلُوْبِهم وَمَا تُعْلِنُوْنَ○ بِاَلْسِنَتِهِم اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ

الْعَظِيْمِ○ اِسْتِينَافٌ جُمْلَةُ ثَنَاءٍ مُشْتَمِلٌ عَلٰى عَرْشِ الرَّحْمٰنِ فِى مُقَابَلَةِ عَرْشِ بِلْقِيْسَ وَبَيْنَهُمَا بَوْنٌ عَظِيْمٌ قَالَ سُلَيْمَانُ لِلْهُدْهُدِ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ فِيمَا اَخْبَرْتَنَا بِهٖ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ اى مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فهو اَبْلَغُ مِنْ اَمْ كَذَبْتَ فيه ثم دَلَّهُمْ على الماءِ فَاسْتُخْرِجَ وارْتَوَوْا وَتَوَضَّأُوْا وصَلَّوْا ثم كَتَبَ سُلَيْمَانُ كتابًا صُوْرَتُهُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ الٰى بِلْقِيْسَ مَلِكَةِ سَبَا بِسْمِ اللّٰهِ الرحمٰنِ الرحيمِ السَّلَامُ علٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اما بعدُ فَلَا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَأْتُوْنِى مُسْلِمِيْنَ ثم طَبَعَهُ بالمِسْكِ وخَتَمَهُ بِخَاتَمِهٖ ثم قَالَ لِلْهُدْهُدِ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِىْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ اى بِلْقِيْسَ وَقَوْمِهَا ثُمَّ تَوَلَّ اِنْصَرِفْ عَنْهُمْ وَقِفْ قَرِيْبًا مِّنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ○ يَرُدُّوْنَ مِنَ الْجَوَابِ فَاَخَذَهُ وَاَتَاهَا وَحَوْلَهَا جُنْدُهَا فَاَلْقَاهُ فِى حِجْرِهَا فَلَمَّا رَاَتْهُ اِرْتَعَدَتْ وَخَضَعَتْ خَوْفًا ثم قَالَتْ لِاَشْرَافِ قَوْمِهَا يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا بتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بِقَلْبِهَا وَاوًا مَكْسُوْرَةً اِنِّىْٓ اُلْقِىَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ○ مَخْتُوْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ اى مَضْمُوْنَهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ؏

ترجمہ

فَمَكُثَ کاف کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ، چنانچہ تھوڑی دیر گذری تھی کہ (اس نے آکر) کہا یعنی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ بازو اور دم لٹکائے ہوئے اور سر اٹھائے ہوئے عاجزانہ طریقہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو معاف کر دیا اور زمانہ غیبوبت میں پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے کہا میں ایسی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر نہیں یعنی میں ایسی خبر پر مطلع ہوا ہوں کہ آپ کو اس کی اطلاع نہیں اور میں (قوم) سبا کی سچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں مَنْ سَبَإٍ منصرف اور غیر منصرف دونوں ہے، سبا یمن میں ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ ان کے جد ابعد کے نام پر رکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے یہ منصرف ہے (اور اگر قبیلہ کا نام ہو تو علمیہ اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا) میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے یعنی وہ ان کی ملکہ ہے اس کا نام بلقیس ہے اور اس کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان ہے جس کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے، یعنی ہتھیار اور دیگر سامان اور اس کا ایک عظیم الشان تخت بھی ہے جس کی لمبائی اسی ہاتھ اور چوڑائی چالیس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ ہے، سونے چاندی سے جڑا ہوا ہے، موتیوں اور یاقوت سرخ اور زَبَرجَد اور زمُرّد سے آراستہ ہے اور اس کے پائے یاقوت احمر اور زبرجد اخضر اور زمرد کے ہیں، اور اس پر سات کمرے ہیں اور ہر کمرے پر بند دروازہ ہے میں نے اس کو اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں آراستہ کر کے پیش کر دیئے ہیں

اسی وجہ سے ان کو شیطان نے راہ حق سے روکدیا ہے پس وہ ہدایت پر نہیں آتے یہ کہ اللہ کو سجدہ کریں **لَا** زائدہ ہے اس میں اَنْ کو مدغم کردیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول **لِئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الکتاب** حرف الیٰ کو حذف کر کے **یھتدونَ** کے مفعول کی جگہ میں ہے وہ (اللہ) کہ جو زمین اور آسمانوں کی مخفی چیزوں یعنی بارش اور نباتات کو باہر نکالتا ہے **اَلْخبأ** مصدر **مَخْبُوْءٌ** کے معنی میں ہے اور جن چیزوں کو تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور جن چیزوں کو اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہو وہ جانتا ہے وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے یہ جملہ مستانفہ ثنائیہ ہے، بلقیس کے تخت کے مقابلہ میں رحمٰن کے تخت پر مشتمل ہے حالانکہ ان کے درمیان بونِ بعید ہے (بڑا فرق ہے) سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ آیا تم نے اس بات میں جس کی تم نے ہم کو خبر دی سچ بولا یا تم جھوٹوں میں سے ہو یعنی جھوٹوں کی قسم سے ہو یہ جملہ **اَمْ کَذَبْتَ فِیْہِ** سے زیادہ بلیغ ہے، پھر (ہُدہُد) نے ان کے لئے پانی کی نشاندہی کی، چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے پانی نکلوایا، سب لوگ سیراب ہوئے وضو کیا نماز پڑھی، پھر سلیمان علیہ السلام نے ایک خط لکھا جس کا متن (حسب ذیل) ہے، اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد کی طرف سے سبا کی ملکہ بلقیس کے نام، **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم السلام علی مَنْ اتَّبَعَ الھدی امابعد!** میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور تابع فرمان ہو کر میرے پاس چلی آ، پھر اس خط کو مشک سے سر بند کردیا اور اس پر اپنی مہر بھی لگادی، پھر ہُدہُد سے فرمایا میرا یہ خط لیجا اور ان یعنی بلقیس اور اس کی قوم کو پہنچا دے پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا اور ان کے قریب ہی کھڑے ہو جانا، اور دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ چنانچہ ہُدہُد نے وہ خط لیا اور بلقیس کے پاس آیا، حال یہ ہے کہ بلقیس کے گرداگرد لشکر تھا چنانچہ ہُدہُد نے وہ خط بلقیس کی گود میں ڈالدیا جب بلقیس نے وہ خط دیکھا تو لرزہ براندام ہوگئی (اور عاجز) کرنے لگی، اپنی قوم کے شرفاء سے کہنے لگی اے سردارو میری طرف ایک باوقعت یعنی سر بمہر خط ڈالا گیا ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی کی تسہیل یعنی واؤ مکسورہ سے بدل کر جو سلیمان کی طرف سے ہے جس کا مضمون یہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ کہ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلی آؤ۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ اَبْلَغُ مِنْ اَنْ کَذِبتَ فیہ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ **اَمْ کَذبتَ** مختصر بھی ہے اور مشہور اور کثیر الاستعمال بھی پھر اخصر کو چھوڑ کر **اَمْ کنتَ من الکاذبینَ** کو جو کہ طویل بھی اور غیر معروف بھی کیوں اختیار فرمایا؟ جواب **اَمْ کَذبْتَ** صدور کذب اَحیاناً پر دلالت کرتا ہے اور **ام کنت من الکاذبین** دوام کذب اور عادت کذب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اخصر کو چھوڑ کر اطول کو اختیار کیا **قولہ فانظر** (الآیۃ) **انظر** بمعنی **انتظر** ہے اور **ما** بمعنی **الذی** ہے، صلہ چونکہ جملہ ہے اس لئے عائد محذوف ہے تقدیر عبارت **انتظر الذی یرجعونہ وتسھیل الثانیۃ**

بقلبها واوا مکسورًا یہاں تسہیل سے معروف تسہیل مرادنہیں ہے بلکہ ہمزہ ثانیہ کو واؤ سے بدلنا مراد ہے یعنی یٰاَیُّھَا الْمَلَأُ وِنِّیْ اُلْقِیَ کتابٌ کریمٌ سے مہر لگا ہوا خط مراد ہے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَرَمُ الکتابِ ختمهٗ خط کا باوقار ہونا اس کا مختوم ہونا ہے **قوله** اَنَّهٗ مِنْ سلیمان جملہ مستانفہ ہے یعنی سوال مقدر کا جواب ہے جب بلقیس نے کہا اِنِّی اُلْقِیَ اِلَیَّ کتابٌ کریمٌ سوال ہوا مَاھُوَ؟ جواب دیا اِنَّهٗ مِن سلیمان الخ **قوله** اَلَّا تعلوا عَلَیَّ یا تو کتابٌ سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اَیْ مضمونه اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ واْتونیْ مسلمینَ۔

تفسیر وتشریح

حاکم کو اپنی رعیت اور مشائخ کو اپنے مریدوں اور استاذ کو اپنے شاگردوں کی خبر گیری ضروری ہے

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے تھے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے کہ ہدہد جو طیور میں کمزور اور چھوٹا بھی ہے وہ حضرت سلیمان کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حاکم کو خاص طور پر کمزور رعایا کی خبر گیری کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، صحابہ کرام میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس سنت انبیاء کو پوری طرح جاری کیا، راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت لگاتے تھے تاکہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، اگر کسی کو کسی مصیبت و پریشانی میں گرفتار پاتے تو اس کی مدد فرماتے جس کے بہت سے واقعات ان کی سیرت میں مذکور ہیں، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ''اگر دریائے فرات کے کنارے پر بھیڑیئے نے کسی بکری کے بچہ کو پھاڑ ڈالا تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا۔ (قرطبی، معارف)

یہ تھے وہ اصول جہانبانی اور حکمرانی جو انبیاء علیہ السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرامؓ نے ان کو عملاً جاری کر کے دکھلایا، جس کے نتیجے میں پوری مسلم وغیر مسلم رعایا امن واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی، اور ان کے بعد زمین وآسمان نے ایسے عدل وانصاف اور عام دنیا کے امن وسکون اور اطمینان کا منظر نہیں دیکھا۔

سبا ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شہر کا نام بھی تھا یہاں شہر مراد ہے، یہ صنعاء (یمن) سے تین دن کے فاصلہ پر ہے اور مآرب یمن کے نام سے مشہور ہے۔

اِنِّی وَجَدْتُّ اِمرأۃً تملکھم یعنی ہدہد کے لئے یہ امر باعث تعجب تھا کہ سبا میں ایک عورت حکمراں ہے، اس کے برخلاف آج کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملہ میں مردوں کے برابر ہیں، اگر مرد حکمراں ہو سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بعض لوگ ملکہ سبا (بلقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے، حالانکہ قرآن کریم نے ایک واقعہ کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے، عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن وحدیث میں واضح دلائل موجود ہیں
اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ لا زائدہ اور لایَھْتَدوْنَ اس میں عامل ہے یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سجدہ صرف اللہ کو کریں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلَّا یَسْجُدُوْا کا تعلق زَیَّنَ کے ساتھ ہو یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لئے مزین کردیا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔

ہدہد نے چونکہ توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت شان کو بیان کیا ہے اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے چار جانوروں کو قتل نہ کرو چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد، صرد (یعنی لٹورا) اس کا سر بڑا اور پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے۔ (مسند احمد ۱/۳۳۲، ابوداؤد کتاب الادب)

اِذْهَبْ بِکِتَابِیْ هٰذَا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے کو اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر و خط قابل اعتبار ثبوت ہے، فقہاء رحمہم اللہ صرف ان مواقع پر خط کو کافی نہیں سمجھتے جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے، کیونکہ خط اور ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ شہادت نہیں لی جاسکتی، شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آکر بیان دینے پر رکھا گیا ہے، جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

قَالَتْ یٰاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ بتحقیقِ الهمزتَینِ وتسهیلِ الثانیةِ بقَلْبِها وَاوًا ای اَشِیْرُوْا عَلَیَّ فِیْ اَمْرِیْ مَا کُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا قَاضِیَةً حَتّٰی تَشْهَدُوْنِ تَحضُرُوْنَ○ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاسٍ شَدِیْدٍ اَصْحَابُ شِدَّةٍ فِی الْحَرْبِ وَّالْاَمْرُ اِلَیْکِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ○ نُطِعْكِ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا بِالتَّخْرِیْبِ وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَکَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ○ ای مُرْسِلُوْا الْکِتَابِ وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ○ مِنْ قُبُوْلِ الْهَدِیَّةِ اَوْرَدِّهَا اِنْ کَانَ مَلِکًا قَبِلَها اَوْ نَبِیًّا لَمْ یَقْبَلْها فَاَرْسَلَتْ خَدَمًا ذُکُوْرًا وَاِنَاثًا اَلْفًا بِالسَّوِیَّةِ وخَمْسَمِائَةِ لَبِنَةٍ مِنَ الذَّهَبِ وتَاجًا مُکَلَّلًا بِالْجَوَاهِرِ وَمِسْکًا وعَنْبَرًا وَغَیْرَ ذٰلِكَ مَعَ رَسُوْلٍ بِکِتَابٍ فَاَسْرَعَ الْهُدْهُدُ اِلٰی سُلَیْمَانَ یُخْبِره الخَبَرَ فَاَمَرَ اَنْ تُضْرَبَ لَبِنَاتُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ تُبْسَطَ مِنْ مَوْضِعِهِ اِلٰی تِسعةِ فَرَاسِخَ مَیْدَانًا وَاَنْ یَّبْنُوا حَوْلَه حَائِطًا مُشَرَّفًا من الذَّهَبِ والفِضَّةِ وان یُوتٰی باحسنَ دَوَابِّ البر والبَحرِ مَعَ اولادِ الجن عن یَمینِ المیدانِ وشِماله فَلَمَّا جَآءَ الرَّسُوْلُ بالهَدِیةِ ومع اتباعِه سُلَیْمٰنَ قَالَ سُلیمان اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰهُ مِنَ النُّبوة والمُلْك خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰکُمْ من الدُّنیا

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ○ لفخركم بزخارف الدنيا اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ بما اتيتَ به من الهدية فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لا طَاقَةَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ من بلدهم سَبا سُمِيَتْ باسم ابى قَبيلتِهم اَذِلَّةً وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ○ اى اِن لم يَاتونى مسلمين فلمَّا رجع اليها الرَّسول بالهَدْية جَعَلَتْ سريرها داخلَ سبعةِ ابواب داخلَ قصرها وقصرُها داخلَ سبعةِ قصور واَغلَقَتْ الابواب وجعلتْ عليها حَرَسا وتجهزتْ للمَسير الى سُليمان لتنظُرَ ما يامرُها به فارتحلتْ فى اِثنى عَشر الفَ قَيلٍ مع كل قَيلٍ اُلوف كثيرة الى ان قَربت منه على فرسخ شعرَ بها قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ فى الهَمزتين ماتقدم يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ○ اى مُنقادين طَائعين فلِىَ اخذُه قبلَ ذٰلك لابعده قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ هو القَوى الشديد اَنَا اٰتِيْكَ بِه قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ الذى تَجلِسِ فيه للقضاءِ وهو من الغداة الى نصف النهار وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اى على حمله اَمِيْنٌ○ اى على مَا فيه من الجَواهر وغيرها .

ترجمہ

اے درباریو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی معاملہ میں اس وقت تک قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو اَلْمَلَؤُا افتونى میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کی تسہیل یعنی واؤ سے بدل کر ای وَفْتُوْنی ان سب نے جواب دیا کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں یعنی جنگ میں بڑی شدت والے ہیں آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی غور فرمالیں کہ ہم کو کیا حکم دینا چاہتی ہیں؟ ہم آپ کی اطاعت کریں گے، بلقیس نے کہا بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) طور پر داخل ہوتے ہیں تو اسے تخریب کے ذریعہ اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ خط بھیجنے والے بھی ایسا ہی کریں گے (میں سردست) ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لیکر لوٹتے ہیں؟ آیا وہ ہدیہ قبول کرتے ہیں یا واپس کر دیتے ہیں اگر بادشاہ ہوں گے تو ہدیہ قبول کرلیں گے اور اگر نبی ہوں گے تو قبول نہ کریں گے، چنانچہ بلقیس نے ایک ہزار خدام بھیجے جن میں پانچسو لڑکے اور پانچسو لڑکیاں تھیں، اور پانچسو سونے کی اینٹیں اور ایک جواہرات سے جڑا ہوا تاج اور مشک وغیرہ وغیرہ، قاصد کے ہمراہ مع ایک خط کے بھیجے، چنانچہ ہدہد نے جلدی واپس آکر حضرت سلیمانؑ کو صورت حال کی خبر دی، لہٰذا حضرت سلیمانؑ نے سونے اور چاندی کی اینٹیں بنانے کا حکم دیا اور یہ کہ سلیمان علیہ السلام کے محل سے لیکر نو فرسخ تک میدان میں بچھا دی جائیں اور اس کے میدان کے اردگرد سونے چاندی کی اونچی دیوار بنا دی جائے (دوسرا ترجمہ) میدان کے اردگرد ایک دیوار بنا دی جائے جس کے کنگورے سونے اور چاندی کے ہوں اور یہ کہ خشکی وتری کے بہترین

جانور (خدمت کے لئے) معہ جنوں کے بچوں کے میدان کی دائیں وبائیں جانب (کھڑا کردیئے جائیں) چنانچہ جب قاصد ہدیہ لیکر وفد کے دیگر ارکان کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ اللہ نے نبوت اور ملک جو مجھے عطا فرمایا ہے وہ تمہاری اس دنیا سے بہت بہتر ہے جو تم کو عطا کی ہے، ہاں تم ہی ہدیہ کے لین دین پر فخر کرتے ہو گے، اس لئے کہ دنیا کی زیب و زینت پر تم ہی فخر کرتے ہو (ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے) تم ہی اپنے ہدیہ پر خوش رہو (یعنی تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک مجھے ضرورت نہیں) حضرت سلیمانؑ نے (امیر وفد سے) کہا اپنا ہدیہ لیکر ان ہی (ہدیہ بھیجنے والوں) کے پاس واپس تشریف لیجاؤ، ہم ان کے مقابلہ کے لئے ایسا لشکر لیکر آئیں گے کہ ان میں اس لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی اور ہم ان کو یقیناً اس کے شہر یعنی سبا سے ذلیل وخوار کرکے نکالدیں گے اگر وہ تابعدار ہوکر میرے پاس نہ آئے، ابو قبیلہ کے نام پر شہر کا نام سبا رکھا گیا چنانچہ جب قاصد ہدیہ لیکر بلقیس کے پاس واپس گیا تو بلقیس نے اپنے تخت کو اپنے محل کے اندر جو کہ سات محلوں کے اندر تھا سات کمروں کے اندر بند کردیا اور دروازوں کو مقفل کردیا نیز دروازوں پر پہرے دار بٹھا دیئے اور حضرت سلیمان ﷺ کے پاس یہ دیکھنے کے لئے جانے کی تیاری شروع کردی کہ وہ اس سے کیا کہتے ہیں، چنانچہ بلقیس بارہ ہزار سرداروں کے ساتھ روانہ ہوئی اور ہر سردار کے ساتھ ہزار ہا افراد تھے، یہاں تک کہ بلقیس حضرت سلیمانؑ کے اتنے قریب پہنچ گئی کہ صرف ایک فرسخ کا فاصلہ باقی رہ گیا، تو حضرت سلیمانؑ کو اس کی (آمد) کا علم ہوا۔

قَالَ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اے میرے سردارو! تم میں کون ہے ہمزتین میں حسب سابق قرأتیں ہیں جو ان کے مسلمان ہوکر میرے پاس پہنچنے سے پہلے اس کا تخت مجھے لادے یعنی مطیع اور فرمانبردار ہوکر آنے سے پہلے، اس کے مسلمان ہونے سے پہلے میرے لئے اس تخت کا لینا جائز ہے بعد میں نہیں ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا (حال یہ کہ) وہ بڑا قوی اور شدید تھا میں آپ کے اپنی مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی اس کو آپ کے پاس لادیتا ہوں وہ مجلس کہ جس میں آپ مقدمات کے فیصل کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں اور وہ صبح سے دوپہر تک تھی، یقین مانئے کہ میں اس پر یعنی اس کے اٹھانے پر قادر ہوں امین بھی ہوں یعنی جو کچھ ہیرے جواہرات وغیرہ اس میں لگے ہوئے ہیں میں ان پر امین ہوں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله ماذا تامرین ماذا، تامرین کا مفعول ثانی ہے مفعول اول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے تامریننا **قوله** نُطِعْكَ یہ فانظری امر کا جواب محذوف ہے اور جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے **قوله** بما یرجِعُون بِمَ، یرجع کے متعلق ہے **قوله** مِن قبولِ الهدیة، بِمَ میں ما کا بیان ہے فَنَاظِرَةٌ کا عطف مرسلةٌ پر ہے بِمَ

کا تعلق بعض حضرات نے ناظرۃ سے کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ ما استفہامیہ صدارت کو چاہتا ہے۔ جو اس صورت میں فوت ہو جائے گی **قولہ** اَذِلَّةً وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ اَذِلَّةً هُمْ سے حال اول ہے اور وَهُمْ صَاغِرُوْنَ حال ثانی مؤکدہ ہے **قولہ** ای اِنْ لَمْ یاتونی مسلمِیْنَ کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ شرط محذوف مؤخر کی جزاء ہے اور اہل سبا کو سبا سے نکالنا بلقیس کے تابع فرمان ہو کر نہ آنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

تشریح وتفسیر

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے

قَالَتْ یٰاَیُّهَا الْمَلَؤُا (الآیۃ) اَفْتُوْنِیْ فتویٰ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا، یہاں مشورہ دینا مراد ہے، روح المعانی کی ایک روایت کے مطابق بلقیس کے تین سو بارہ مشیران خاص تھے اور ہر مشیر کے ماتحت ایک ایک ہزار افراد تھے اس سے بھی کہیں زیادہ تعداد کی روایتیں مذکور ہیں، یہ تمام روایتیں مبالغہ سے خالی نہیں ہیں، علامہ آلوسیؒ نے ان روایات کو صدق کے بجائے کذب کے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

ملکہ بلقیس کے پاس جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان سلطنت کو جمع کر کے اس واقعہ کا اظہار کیا اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے ان کی دل جوئی کے لئے ان سے رائے طلب کرنے سے پہلے یہ بھی کہا کہ میں کسی بھی اہم معاملہ کا قطعی فیصلہ تمہاری موجودگی اور رائے مشورہ کے بغیر نہیں کرتی، اسی کا نتیجہ تھا کہ تمام مشیروں نے یک زبان ہو کر کہا نَحْنُ اُوْلُوا قُوَّةٍ وَّاُولُوا بَاسٍ وَّالْاَمْرُ اِلَیْكِ ہم بڑے طاقتور اور بڑے جنگ جو ہیں ہم ہمہ وقت ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں ڈرنے یا دبنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے باقی آخری فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے ہم تو خدام اور تابع ہیں جیسا حکم ہوگا بجالانے کے لئے تیار ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہم معاملات میں مشورہ کرنے کا دستور بہت پرانا ہے، اسلام نے بھی مشورہ کو خاص اہمیت دی ہے اور ذمہ داران حکومت کو مشورہ کا پابند کیا ہے، یہاں تک کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ مہبط وحی تھے جس کی وجہ سے آپ کو کسی رائے مشورہ کی درحقیقت کوئی ضرورت نہیں تھی مگر مشورہ کی سنت قائم کرنے کے لئے آپ کو بھی حکم دیا گیا وشاورهم فی الامر یعنی آپ اہم امور میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں، اس میں صحابہ کرام کی دلجوئی بھی ہے اور ہمت افزائی تھی۔

مکتوب سلیمانی کے جواب میں ملکہ بلقیس کا ردعمل

مشورہ کے بعد بلقیس نے خود ہی ایک رائے قائم کی جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان

لے کر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے، یا وہ ایک ملک گیری کے خواہشمند بادشاہ ہیں اور ہم کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائے کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے، اس امتحان کا طریقہ اس نے یہ تجویز کیا کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس کچھ ہدیے تحفے بھیجے اگر وہ ہدیے تحفے لیکر راضی ہو گئے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ ایک بادشاہ ہی ہیں، اور اگر وہ واقع میں نبی اور رسول ہیں تو وہ ایمان اور اسلام کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ (معارف) یہی مضمون اس آیت میں ہے وَاِنِّی مُرسِلَةٌ اِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ یعنی میں حضرت سلیمان کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ جو قاصد ہدیہ لیکر جائیں گے کہ وہ آ کر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں؟

بلقیس کے قاصدوں کی دربار سلیمانی میں حاضری

تاریخی اسرائیلی روایات میں بلقیس کی طرف سے آنے والے قاصدوں اور تحفوں کی اور خود وفد کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں جو بقول صاحب روح المعانی سچ سے دور اور جھوٹ سے قریب ہیں، اتنی بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں کچھ سونے کی اینٹیں تھیں کچھ جواہرات، غلاموں اور کنیزوں کی تعداد روایات میں مختلف بیان ہوئی ہے، صاحب جلالین نے پانچ سو غلام اور پانچ سو کنیز بیان کی ہیں اور سونے کی اینٹوں کی تعداد بھی پانچ سو بتائی ہے اور ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے ایک تاج کا بھی ذکر کیا ہے ساتھ میں بلقیس نے ایک خط بھی دیا تھا ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی وفد کے استقبال کی تیاری عجیب وغریب شاہانہ انداز سے کی جو کہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ نو فرسخ تقریباً تیس میل کی مسافت تک سونے چاندی کی اینٹوں کا فرش بنا دیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ عجیب الخلقت جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے اسی طرح اپنے دربار کو بھی خاص اہتمام سے آراستہ کیا غرضیکہ یمنی وفد نے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان وشوکت کو دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور اپنے ہدیہ کو قلیل سمجھ کر شرمانے لگے، بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹوں کو وہیں ڈال دیا، جب حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نہایت ہی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور ان کی شایان شان ضیافت کا انتظام کیا مگر ان کے تحفے واپس کر دیئے (ملخصاً از تفسیر قرطبی) اور کہہ دیا کہ تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک ہو مجھے اس کی ضرورت نہیں میرے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔

کافر کے ہدیہ کے قبول کرنے کا حکم؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں ہے، مگر تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا اگر اپنی یا مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہو یا ان کے حق میں

رائے کمزور ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) اس کے برعکس اگر کوئی دینی ضرورت ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معاملہ میں سنت یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا اور بعض کا رد فرمادیا، عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہبہ میں اور سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے آیا جبکہ وہ مشرک تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا آپ نے اس کا ہدیہ یہ کہہ کر واپس فرمادیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے، اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال فرمایا تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے اس کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ مجھے اللہ نے مشرک کا ہدیہ لینے سے منع فرمایا ہے، اس کے بالمقابل یہ روایت بھی موجود ہے کہ آپ نے بعض مشرکین کے ہدایا کو قبول فرمایا ہے، ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا، آپ نے قبول فرمالیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی رومال ہدیہ میں پیش کیا آپ نے قبول فرمالیا۔

شمس الائمہ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کا ہدیہ رد کرنے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید نہیں تھی وہاں رد کردیا، اور جن کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہونے کی امید تھی تو قبول کرلیا۔ (عمدۃ القاری کتاب الہبہ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا تھا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملہ سے محفوظ رہے۔ (معارف)

بلقیس کی دربار سلیمان میں حاضری

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدایا کی واپسی کے ساتھ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا کہہ کر اعلان جنگ بھی کردیا۔

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب اور مبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان ﷺ کا اعلان جنگ سنایا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ان کو کوئی خاص منصب بھی ملا ہوا ہے لہٰذا ان سے لڑنا اللہ کا مقابلہ کرنا ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں، یہ کہہ کر بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمان ﷺ کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کردی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ بلقیس کے تین سو بارہ مشیر تھے اور ہر مشیر کے ماتحت دس دس ہزار افراد تھے اس حساب سے تین کروڑ بیس لاکھ افراد ہوئے اور تین سو بارہ مشیر مزید (روی ذلک عن قتادة، روح المعانی)

ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ مشیران خاص کی تعداد بارہ ہزار تھی اور ہر مشیر کے ماتحت ایک ایک لاکھ افراد تھے، اس حساب سے بارہ سو کروڑ یعنی ایک ارب ۲۰ کروڑ افراد ہوئے، نیز خود ملکہ بلقیس کے ماتحت چار سو بادشاہ تھے اور ہر بادشاہ کے ماتحت اربع مأة الف مقاتل چار سو ہزار مقاتل تھے، صاحب روح المعانی مذکورہ تعداد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں **هذه الاخبار الى الكذب اقرب منها الى الصدق** آگے تحریر فرماتے ہیں **لعمرى أن اَرْضَ اليمن لتكاد تضيق عن العدد الذى تضمنه الخَبْران اخيران وليت شعرى مامقدار عدد رَعِيتها الباقين الذين تحتاج الى هذا العسكر والقواد والوزراء لسياستِهِمْ وضبطِ امورهم وتنظيم احوالهم.**

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تعداد مبالغہ آرائی پر مبنی ہے، یمن ایک بہت چھوٹا سا ملک ہے اس زمانہ میں کل آبادی بھی اتنی نہ ہوگی جتنی کہ مشیروں اور ماتحتوں کی بیان کی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے قیمتی اور مشہور زمانہ تخت شاہی کو محفوظ مکان میں مقفل کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی، تخت کی لمبائی چوڑائی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا طول ۸۰ ہاتھ اور عرض ۴۰ ہاتھ اور اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے (واللہ اعلم بالصواب)

ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اڑتا ہوا دیکھا تو معلوم کیا کہ یہ کیا ہے؟ حاضرین نے جواب دیا اے نبی اللہ ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرہی ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ (معارف)

اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے جنود و عساکر کو مخاطب کر کے فرمایا **يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِى بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ** جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ بلقیس مطیع و تابع فرمان ہو کر آرہی ہے تو ارادہ فرمایا کہ شاہانہ قوت و شوکت کے ساتھ ایک پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے تو اس کے ایمان لانے کے لئے زیادہ معاون و مؤثر ہوگا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا معجزہ بھی عطا فرمایا تھا، باشارہ الٰہی آپ نے ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے دربار میں پہنچنے سے پہلے پہلے حاضر ہو جائے اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے تخت کو لانے کے لئے فرمایا جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا اور اس کے اوپر پہرہ بھی بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے تخت تک خود اس کے آدمیوں کی بھی رسائی نہیں تھی، اس کا بغیر دروازہ اور قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ ہی سے ہوسکتا ہے، تو ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپکے پاس آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے لا سکتا ہوں۔

قال سليمان اُريد اسرعَ من ذلك قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ المنزَلِ وهو اصف بنُ برجيا

كان صِدِّيقًا يعلم اسم اللّٰه الاعظمَ الذى اذا دُعى به اجاب انا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ اذا نظرت به الى شئ ما قال له اُنظر الى السماء فَنَظر اليها ثم رَدَّ بطرفه فَوَجَده مَوْضُوعًا بين يديه ففى نظره الى السّماء دَعا اصفُ بالاسم الاعظم ان ياتى اللّٰه به فحصل بان جرى تحت الارض حتى اِرتفع عند كُرسىّ سُلَيمان فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا اى ساكنا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا اى الاتيانُ لى به مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ لِيَبْلُوَنِىْٓ ليختبرنى ءَ اَشْكُرُ بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية الفا وتسهيلها وادخالِ الفٍ بين المسهلة والاخرى وتركه اَمْ اَكْفُرُ النِّعمةَ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ اى لأجلها لانّ ثوابَ شكره له ومَنْ كفر النّعمة فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ عن شُكْرِهٖ كَرِيْمٌ بالافضال على من يكفرها قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا اى غَيِّروه الى حال تُنكره اذا رأته نَنْظُرْ اَتَهْتَدِىْ الى معرفته اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ الى مَعرفةِ ما تغيّر عليهم قصد بذلك اختبارَ عقلها لِمَا قيل له اِنّ فيه شيئًا فغَيَّرُوْهُ بزيادةٍ او نقصٍ او غير ذلك فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ لَهَا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ اى اَمِثْلُ هٰذا عرشُك قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ اى فعرفته وشبّهت عليهم كما شبّهوا عليها اذ لم يَقل اَهٰذا عَرشُكِ ولو قيل هٰذا قالت نعم قال سليمان لمّا راى لَها معرفةً وعلما وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ وصدّها عن عبادةِ اللّٰه مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِيْنَ قِيْلَ لَهَا ايضا ادْخُلِى الصَّرْحَ هو سَطح من زُجاجٍ ابيضَ شَفّافٍ تحته مَاءٌ جارٍ فيه سَمَكٌ اِصطنعه سليمان لما قيل له ان ساقيها ورجليها كقدمى حمار فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً من الماء وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا لتخوضه وكان سليمانُ على سريره فى صدر الصَّرح فرأى ساقَيها وقدميها حِسانا قَالَ لَهَا اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مُملّس مِّنْ قَوَارِيْرَ اى زجاجٍ ودَعاها الى الاِسلام قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ بعبادة غيرك وَاَسْلَمْتُ كائنةً مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ واراد تَزوُّجَها فكره شعرَ ساقَيها فعَمِلت له الشياطينُ النورة فَاَزَالَته بها فتزوجها وَاَحبَّها واقرَّها على مُلكِها وكانَ يزورها كلّ شهرٍ مرةً ويُقيمُ عندها ثلاثة ايامٍ وانقضى مُلكُها بانقضاءِ مُلك سليمان روى انه مَلِكَ وهو ابنُ ثلاث عشرة سنةً ومات وهو ابن ثلاثٍ وخمسين سنةً فسبحان من لا اِنقضاء لدوام مُلكه.

ترجمہ

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں جس کے پاس نازل کردہ کتاب کا علم تھا وہ بولا اور

وہ آصف بن برخیا تھا وہ مقام صدیقیت پر فائز تھا، وہ اللہ کے اسم اعظم سے واقف تھا وہ اسم اعظم کہ اگر اس کے ذریعہ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں میں اس تخت کو آپ کے پاس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا جب کہ آپ اپنی نظر سے کسی شئ کو دیکھیں (آصف بن برخیا) نے حضرت سلیمانؑ سے عرض کیا آپ آسمان کی طرف دیکھیں چنانچہ (حضرت سلیمانؑ) نے آسمان کی طرف دیکھا پھر نظر کو پھرایا تو تخت کو اپنے سامنے رکھا ہوا پایا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے آسمان کی طرف نظر کرنے کے دوران آصف نے اسم اعظم پڑھ کر دعا کی کہ اے اللہ تو اس کو لے آ، چنانچہ دعا قبول ہوگئی بایں طور کہ تخت زمین کے نیچے نیچے روانہ ہوا اور حضرت سلیمانؑ کی کرسی کے سامنے نمودار ہوگیا جب سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے روبرو موجود دیکھا فرمایا یہ یعنی اس کو میرے لئے لانا میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گذاری کرتا ہوں یا نعمت کی ناشکری (ءَ اَشْکُرُ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل کے ساتھ اور مسھلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کے ساتھ شکر گذار اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر گذاری کرتا ہے اس لئے کہ اس کی شکر گذاری کا اجر اسی کے لئے ہے اور جس نے نعمت کی ناشکری کی تو بلاشبہ میرا رب اس کے شکر یئے سے مستغنی (اور) کریم ہے بسبب نعمتوں کی ناشکری کرنے والے پر بھی فضل فرمانے کے (حضرت) سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ رد و بدل کر دو یعنی اس کو اتنا بدل دو کہ جب وہ اس کو دیکھے تو پہچان نہ سکے، (تاکہ) ہم دیکھیں کہ آیا وہ اس کو پہچان پاتی ہے یا نہ پہچاننے والوں میں رہتی ہے اس (تخت) کی معرفت میں جس میں ان کے لئے ترمیم کر دی ہے، اس رد و بدل کا مقصد اس کی عقل کی آزمائش تھی، اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ اس کی عقل میں کچھ کمی ہے چنانچہ تخت میں قدرے کمی بیشی وغیرہ کے ذریعہ پھیر بدل کر دیا، جب وہ آگئی اس سے دریافت کیا گیا کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ یعنی کیا تیرا تخت بھی اس جیسا ہی ہے تو بلقیس نے جواب دیا یہ تو گویا کہ وہی ہے یعنی اس نے تخت کو پہچان لیا، اس نے (بھی) ان کو مغالطہ دیا جیسا کہ انہوں نے اس کو مغالطہ دیا تھا، اس لئے (اس سے) یہ نہیں کہا کیا یہ تیرا تخت ہے؟ اور اگر یہ کہا جاتا تو وہ نعم کہہ دیتی، جب سلیمان علیہ السلام نے اس میں علم و معرفت دیکھی تو فرمایا کہ ہمیں تو اس واقعہ سے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا (کہ ملکہ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہوگی) اور ہم مسلمان تھے۔

نوٹ: مفسر ابن کثیر نے وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ (الآیۃ) کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے علامہ محلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، دیگر مفسرین نے بلقیس کا قول قرار دیا ہے اور ترجمہ یہ کیا ہے، ہم تو اس واقعہ سے پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع اور تابع فرمان ہوگئے تھے اور اس کو اللہ کی عبادت سے غیر اللہ کی عبادت کرنے نے روک رکھا تھا (صدھا کا فاعل ما کانت تعبد ہے) یقیناً وہ کافر قوم میں سے تھی بلقیس سے یہ بات بھی کہی گئی کہ محل میں تشریف لے چلئے (اور) وہ صاف شفاف شیشہ کی سطح (فرش) تھی جس کے نیچے پانی جاری تھا اس

میں مچھلیاں بھی تھیں، اور یہ شیشہ کا محل (یا حوض) اس لئے بنوایا تھا کہ حضرت سلیمان سے کہا گیا تھا کہ اس کی دونوں پنڈلیاں اور دونوں پیر گدھے کے پیر جیسے ہیں جب بلقیس نے محل کو دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ یہ گہرا پانی ہے اپنی پنڈلیاں کھولدیں تا کہ اس میں داخل ہو جائے، اور سلیمان علیہ السلام محل کے سامنے تخت پر تشریف فرما تھے چنانچہ اس کی پنڈلیوں اور قدموں کو خوبصورت پایا تو حضرت سلیمان نے اس سے کہا یہ تو چکنے چمکدار شیشہ کا محل ہے یعنی کانچ کا اور بلقیس کو اسلام کی دعوت دی، کہنے لگی یقیناً میں نے اے میرے رب تیرے غیر کی بندگی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں اور سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کا ارادہ فرمایا، لیکن اس کی پنڈلیوں کے بالوں سے ناپسند کیا چنانچہ شیاطین نے اس کے لئے نورہ (یعنی بال صفا) بنایا بعد ازیں بلقیس نے اس سے بال صاف کئے اس کے بعد سلیمانؑ نے اس سے نکاح کر لیا اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھا، اور حضرت سلیمان ہر ماہ میں اس کی ایک مرتبہ ملاقات کیا کرتے تھے اور اس کے پاس تین روز قیام فرمایا کرتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کے اختتام کے ساتھ ہی اس کا ملک بھی اختتام پذیر ہو گیا، روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تیرہ سال کے تھے تو بادشاہ بنے تھے اور جب ترپین سال کے تھے تو انتقال فرمایا، اللہ پاک ہے کہ جس کے ملک کے دوام کے لئے زوال نہیں ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قال عفریت من الجن اس جن کا نام ذکوان یا صخر تھا، **قولہ** آصف ابن برخیا کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا خالہ زاد بھائی تھا اور کبار اولیاء اللہ میں سے تھا، اس کے ہاتھ پر خوارق عادت بہت ظاہر ہوتے تھے، **قولہ ثُمَّ رَدَّ بطرفہ بطرفہ** میں با زائدہ ہے **قولہ بالافضالِ علی مَنْ یَکْفُرُھا** یعنی وہ اپنی عام نعمتوں کو کفر اور ناشکری کی وجہ سے سلب نہیں کرتا قال نکّروا لھا اس کا عطف قال ھٰذا من فضل ربی پر ہے **قولہ ننظرْ** جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے **قولہ فَکَرِہَ شَعْرَ سَاقَیْھَا** یہ تفسیر ماقبل کی تفسیر فرأی ساقیھا وقدمیھا حِسانًا سے متعارض ہے، بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ بالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے قدم اور پنڈلیاں حسین تھیں، مگر یہ توجیہ دل لگتی نہیں ہے، **قولہ مُمَرَّدٌ** تمرید سے مشتق اس کے معنی چکنے کے ہیں امرد اسی سے ہے۔

تفسیر وتشریح

مگر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں، تو جس کے پاس علم کتاب تھا بول اٹھا کہ میں اس کو پلک جھپکنے سے پہلے ہی آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یقیناً جن ہی تھا جنوں کو اللہ تعالیٰ

نے انس نوں کے مقابلہ میں غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے، اس لئے کہ کسی انسان کے لئے خواہ وہ کتنا بھی زور آور کیوں نہ ہو یہ ممکن نہیں کہ وہ بیت المقدس سے مآرب یمن (سبا) جائے وہاں سے تخت شاہی اٹھالائے اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ اگر دوطرفہ شمار کیا جائے تو تین ہزار میل کا فاصلہ چشم زدن مین طے کرلے۔

یہ کون شخص تھا جس نے چشم زدن میں تخت لانے کا وعدہ کیا؟ اور یہ کتاب جس کا اسے علم دیا گیا تھا وہ کونسی کتاب تھی؟ اور یہ علم کیا تھا؟ جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا اس میں مختلف اقوال ہیں، حقیقت حال اللہ بہتر جانتا ہے، ایک احتمال تو یہ ہے کہ خود حضرت سلیمانؑ مراد ہیں، اس لئے کہ کتاب کا علم سب سے زیادہ ان ہی کے پاس تھا اس صورت میں یہ پورا معاملہ بطور معجزہ ہوا، اور یہی مقصود تھا، مگر اکثر ائمہ تفسیر قتادہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اس کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتایا ہے اس شخص کو اسم اعظم کا علم تھا، جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے، یہ کام اگر چہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود بھی انجام دے سکتے تھے مگر ہو سکتا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے مصلحت اسی میں سمجھی ہو کہ یہ کارنامہ ان کے کسی امتی کے ہاتھ سے انجام پائے، اس صورت میں یہ آصف بن برخیا کی کرامت ہوگی۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ معجزہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور یہ دونوں صاحب معجزہ اور صاحب کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے، ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر غیر نبی کے ہاتھ پر ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔

جب ملکہ بلقیس کا شاہی تخت دربار سلیمانی میں آ گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں رد و بدل کر دو تاکہ بلقیس اسے آسانی سے نہ پہچان سکے حضرت سلیمان کے حکم کے مطابق رد و بدل کر دیا گیا، جب بلقیس آئی تو اس سے معلوم کیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ جواب دیا كَأَنَّهُ هُوَ گویا وہی ہے، چونکہ تخت میں کافی حد تک رد و بدل کر دیا گیا تھا اس لئے صاف الفاظ میں اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور نہ صاف انکار کیا بلکہ ایسی گول بات کہہ دی کہ جس میں نہ انکار ہے اور نہ اقرار چونکہ سائل نے اشتباہ میں ڈالنے کے لئے مغالطہ سے کام لیا تھا، بلقیس نے بھی جیسا سوال تھا ویسا ہی جواب دیدیا۔

أُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بلقیس کا قول ہے یا سلیمان علیہ السلام کا، ابن جریر

نے اس کو بلقیس کا مقولہ قرار دیا ہے اور اسی کے سابق کلام کا تتمہ فرمایا ہے یعنی بلقیس نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی تحقیق ہو چکی ہے، اور ہم اسی وقت سے دل سے مطیع ہو چکے ہیں جب قاصد سے آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے، اس معجزہ کی چنداں حاجت نہیں تھی، اور ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ ہے مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں (بذریعہ وحی) پہلے یہ بتا دیا گیا کہ ملکہ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہوگی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ من القبيلة صٰلِحًا اَنْ اى بان اعْبُدُوا اللّٰهَ وحِّدُوه فَاِذَا هُمْ فَرِيْقَانِ يَخْتَصِمُوْنَ في الدِّين فريق مؤمنون من حين إرساله اليهم وفريق كافرونَ قَالَ للمُكذبين يٰـقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ اى بالعذاب قبل الرَّحمةِ حيث قُلتم ان كان ما اتيتنا به حقًّا فاتِنا بالعذاب لَوْلَا هَلَّا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ من الشِّرْكِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فلا تُعذبون قَالُوا اطَّيَّرْنَا اصله تَطَيَّرْنا أُدغمت التاء في الطّاءِ واجتلبت همزة وصل اى تَشَاءَمْنا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط اى المُؤْمِنِيْنَ حيثُ قُحِطُوْا المَطَرَ وجَاعُوْا قَالَ طٰٓئِرُكُمْ شُؤمُكُم عِنْدَ اللّٰهِ اَتاكم به بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ○ تُختَبَرُونَ بالخَيْرِ والشَّرِّ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ مَدِينَةِ ثَمُوْدَ تِسْعَةُ رَهْطٍ اى رِجالٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ بالمَعاصِي منها قَرْضُهم الدَّنانِيْرَ وَالدَّراهِمَ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۔ بالطَّاعَةِ قَالُوْا اى قالَ بَعْضُهم لِبَعْضٍ تَقَاسَمُوْا اى احْلِفُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ بالنُّون والتَّاءِ وضَمِّ التَّاءِ الثَّانيةِ وَاَهْلَهٗ اى مَنْ اٰمَنَ به اى نَقْتُلُهُمْ لَيْلًا ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ بالنُّون والتَّاءِ وضَمِّ اللَّامِ الثَّانيةِ لِوَلِيِّهٖ اى وَلِيِّ دَمِه مَا شَهِدْنَا حَضَرْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ بِضَمِّ المِيْمِ وفَتْحِها اى اِهْلاكهم او هَلاكِهم فلا نَدْرِي مَنْ قَتَلَهٗ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ وَمَكَرُوْا في ذلك مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا اى جَازَيْناهُمْ بتَعْجِيلِ عُقُوْبَتِهم وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ اَهْلَكْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ بصَيْحَةِ جِبْرِيْلَ او بِرَمْيِ المَلٰئِكَةِ بِحِجارَةٍ يَرَوْنَها وَلَا يَرَوْنَهُمْ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً خالِيَةً ونَصْبُهٗ على الحَالِ والعَامِلُ فيها مَعْنَى الْاِشَارَةِ بِمَا ظَلَمُوْا ط بظُلْمِهِمْ اى كُفرهم اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَعِبْرَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ قُدرَتنا فَيَتَّعِظُوْنَ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِصالحٍ وهم اَرْبَعَةُ الآفٍ وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔ الشِّرْكَ وَلُوْطًا مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ ويُبْدلُ منه اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ اى اللِّوَاطَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ يُبْصِرُ بَعْضُكم بَعْضًا انهماكًا فِي الْمَعْصِيَةِ اَئِنَّكُمْ بتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُما على الْوَجْهَيْنِ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

تَجْهَلُوْنَ○ عَاقِبَةَ فِعْلِكُمْ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ اى اهلهٗ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ○ من ادبارِ الرِّجالِ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰها جعلناها بِتَقْدِيْرِنَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ○ الباقِيْنَ فِى الْعَذَابِ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا هُوَ حِجارَةُ السِّجِّيْلِ اَهْلَكَتْهُم فَسَآءَ بِئْسَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ○ بالعَذَابِ مَطَرُهم قُلْ يا مُحَمَّدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ على هَلَاكِ كُفَّارِ الْاُمَمِ الْخَالِيَةِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى هُمْ ءٰ اللّٰهُ بتحقيقِ الهَمْزَتَيْنِ وابدالِ الثّانِيَةِ الِفًا وتَسْهِيْلِهَا وادخالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ والاُخرى وتركِهٖ خَيْرٌ لِمَنْ يَعْبُدُهٗ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ بالياءِ والتّاءِ اى اَهْلُ مَكَّةَ بِهِ الاٰلِهَةَ خَيْرٌ لِعَابِدِيْهَا

ترجمہ

اور یقیناً ہم نے ثمود کے پاس ان کی برادری کے بھائی صالح کو بھیجا یہ کہ تم سب اللہ کی بندگی کرو یعنی اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اچانک (خلاف توقع) ان میں دو فریق ہو گئے دین کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے ایک فریق مومنوں کا تھا، ان کی طرف صالح علیہ السلام کو بھیجنے کے وقت سے اور دوسرا فریق کافروں کا تھا، آپ نے جھٹلانے والوں سے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں کرتے ہو؟ یعنی رحمت سے پہلے عذاب کی (جلدی کیوں کرتے ہو؟) اس اعتبار سے کہ تم نے کہا جو تم ہمارے پاس لائے ہو اگر وہ حق ہے تو ہمارے اوپر عذاب لے آؤ، تم کس لئے اللہ سے شرک سے معافی نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے، کہ عذاب میں مبتلا نہ کئے جاؤ وہ لوگ کہنے لگے ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں یعنی مومنوں کو منحوس سمجھتے ہیں اِطَّيَّرْنَا اصل میں تَطَيَّرْنَا تھا تا کو طا میں ادغام کر دیا (ابتداء بالسکون لازم آنے کی وجہ سے) ہمزہ شروع میں داخل کر دیا اَطَّيَّرْنَا ہو گیا یعنی تیری وجہ سے ہم نحوست میں مبتلا ہو گئے، اس لئے کہ قوم خشک سالی اور بھکمری کا شکار ہو گئی، حضرت صالح نے فرمایا تمہاری نحوست اللہ کے پاس ہے، وہ ہی اس کو تمہارے پاس لایا ہے بلکہ تم وہ لوگ ہو جو خیر و شر کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا کئے گئے ہو اور ثمود کے شہر (حجر) میں نو شخص ایسے تھے جو معاصی کے ذریعہ زمین (ملک) میں فساد برپا کرتے تھے، ان ہی فساد کے طریقوں میں دراہم و دنانیر کا کاٹنا بھی شامل تھا اور طاعت کے ذریعہ (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے، ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو صالح علیہ السلام اور اس کے اہل پر ضرور شب خون ماریں گے یعنی رات کو ہم ان کو ضرور قتل کر دیں گے لَنُبَيِّتَنَّهٗ نون کے ساتھ اور (بجائے نون کے) تا اور تاء ثانیہ کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور اَهْلَهٗ سے حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے مراد ہیں اور پھر ہم اس کے ولی دم سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم ان کے اہل کے ہلاک کرنے کے وقت موجود (ہی) نہیں تھے لَنَقُوْلَنَّ نون کے ساتھ اور تا اور لام ثانیہ کے ضمہ کے ساتھ

ہے مُهْلِكَ میم کے ضمہ کے ساتھ یعنی ان کو ہلاک کرنے کے وقت اور میم کے فتحہ کے ساتھ یعنی ان کی ہلاکت کے وقت، لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس کو کس نے قتل کیا؟ اور ہم بالکل سچے ہیں انہوں نے اس معاملہ میں ایک خفیہ تدبیر کی اور ہم نے (بھی ایک تدبیر کی یعنی ہم نے ان کو فوری عذاب میں گرفتار کر کے سزا دی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی سو دیکھ لو ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی پوری قوم کو جبرائیل کی چیخ کے ذریعہ یا فرشتوں کے پتھر مارنے کے ذریعہ ہلاک کر دیا وہ پتھروں کو دیکھتے تھے مگر فرشتوں کو نہیں دیکھتے تھے یہ ہیں ان کے مکانات جو ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں یعنی ان کے کفر کی وجہ سے خَاوِيَةً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس میں عامل اسم اشارہ کے معنی (یعنی اشیرُ) ہے بلاشبہ اس (تدبیر) میں بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو ہماری قدرت کو جانتے ہیں سو نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور ہم نے ان لوگوں کو جو صالح علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے اور وہ چار ہزار تھے بچا لیا اور وہ شرک سے پرہیز کرتے تھے اور لوط علیہ السلام کا تذکرہ کیجئے لوطاً اپنے ماقبل اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اس سے (یعنی أذكر لوطًا) سے بدل ہے جبکہ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کا کام یعنی لواطة کرتے ہو درانحالیکہ تم ایک دوسرے کو معصیت میں منہمک ہونا دکھاتے ہو ایک دوسرے کو مشغول ہوتا دیکھتے ہو کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو؟ اَئِنَّكُمْ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو اپنے فعل کے انجام سے بے خبر ہے قوم کے پاس جواب سوائے یہ کہنے کے کچھ نہ تھا کہ لوط کے متعلقین کو اپنی بستی سے نکالدو یہ لوگ مردوں کی دبروں کے معاملہ میں بڑے پاک بنتے ہیں پس ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو بجز اس کی بیوی کے بچا لیا اور ہم نے اس کو اپنی تقدیر سے عذاب میں باقی رہنے والوں میں کر دیا اور ان پر ہم نے ایک خاص قسم کی بارش برسادی اور وہ کنکریلے پتھر تھے جنہوں نے ان کو ہلاک کر دیا سو ان عذاب سے ڈرائے ہوئے لوگوں پر وہ بری بارش تھی اے محمد کہہ دیجئے سابقہ قوموں کے ہلاک کرنے پر سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے، کیا اللہ بہتر ہے اس کے لئے جو اس کی بندگی کرتا ہے یا وہ جس کو یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں ءَ اللّٰهُ خيرٌ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور مسہلہ اور محققہ کے درمیان الف داخل کر کے اور اس کو ترک کر کے یُشْرِكُونَ یا اور تا کے ساتھ یعنی اے اہل مکہ اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو تم اس کے ساتھ معبود ہونے کی حیثیت سے شریک کرتے ہو اپنے عابدین کے لئے بہتر ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ ثمود قبیلہ کے جدِ ابعد کا نام ہے صالح علیہ السلام بھی ان ہی کی نسل سے ہیں

اس ابوالجد ہی کے نام پر قبیلہ کا نام ہے، مگر قبیلہ ہی مراد ہے حضرت صالح علیہ السلام کی امت ثمود کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں عاد اولیٰ قوم ہود کا نام ہے عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہے (جمل) **قوله** صَالِحًا، اخاهم سے بدل یا عطف بیان ہے حضرت صالح علیہ السلام نے دوسو اسی سال کی عمر پائی، ہود علیہ السلام کی عمر چار سو چونسٹھ سال ہوئی، ہود علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے (جمل) فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُوْنَ فریقان سے قوم صالح مراد ہے یعنی کچھ لوگ ایمان لے آئے اور کچھ نہیں لائے علامہ زمخشری نے دو فریقوں میں ایک فریق حضرت صالح علیہ السلام کو اور دوسرا ان کی قوم کو قرار دیا ہے، علامہ زمخشری کو فریقان کا یہ مطلب لینے پر فاء کے ذریعہ عطف نے آمادہ کیا ہے اس لئے کہ فاتعقیب بالاتصال پر دلالت کرتی ہے یعنی دعوٰ رسالت سے متصلاً دو فریق ہو گئے یعنی ایک فریق حضرت صالح اور دوسرا فریق ان کی قوم **قوله** يختصمون باعتبار معنی کے فریقان کی صفت ہے یعنی فریقان موصوف اگر چہ باعتبار لفظوں کے تثنیہ ہے مگر چونکہ ہر فریق چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس میں جمعیۃ کے معنی ہیں لہٰذا موصوف وصفت میں مطابقت موجود ہے **قوله** لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ ای بطلب السَّيِّئَة اور سیّئۃ سے عذاب اور الْحَسَنَةِ سے رحمت مراد ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے **قوله** قُحِطُوْا المطر ای حُبِسُوْا المطرَ یعنی تمہاری نحوست کی وجہ سے بارش روک دی گئی **قوله** مدينة ثمود کہا گیا ہے کہ ثمود کے شہر کا نام حجر تھا، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حجر مدینہ اور شام کے درمیان وادی ہے یہیں پر ثمود کی آبادی تھی **قوله** رهط کی تفسیر رجال سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رَهْطٍ تسعةُ سے معنی کے اعتبار سے تمیز واقع ہے رَهْطٌ گو لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے لہٰذا اس کا تمیز واقع ہونا صحیح ہو گیا تِسْعَةُ رهطٍ میں اضافت بیانیہ ہے، تسعة هم رَهْطٌ، رهطٌ دس سے کم اشخاص کو کہتے ہیں جن میں عورتیں نہ ہوں تقاسَمُوْا کی تفسیر احلفوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ امر کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ان نو آدمیوں نے جنہوں نے اونٹنی اور صالح علیہ السلام کے اہل خانہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا انہوں نے آپس میں کہا کہ قسمیں کھاؤ کہ ہم صالح اور ان کے اہل خانہ پر شب خون ماریں گے، تَقَاسَمُوْا فعل ماضی بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں لقالوا کی تفسیر واقع ہوگا، گویا کہ سوال کیا گیا ماقالوا؟ فقیل تقاسموا نُبَيِّتَنَّهٗ مضارع جمع متکلم با نون تاکید ثقیلہ ہ ضمیر مفعول، باب تفعیل ہم اس پر ضرور رات میں حملہ کریں گے **قوله** بِمَا ظَلَمُوْا کی تفسیر بظلمهم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ما مصدریہ ہے اور با سببیہ ہے **قوله** آمنوا بصالح دیگر تفاسیر میں آمنوا صالحاً ہے، **قوله** وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ تاتون کی ضمیر سے جملہ ہو کر حال ہے مقصد نکیر کی تاکید وتشدید ہے يَبْصُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رویت سے رویت بصری مراد ہے (یعنی ایک دوسرے کے سامنے خبیث حرکت کرتے تھے) بعض نے تبصرون سے رویت قلبی مراد لی ہے یعنی جانتے بوجھتے بھی ایسی حرکت کرتے ہو **قوله** لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاءِ سے اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ میں جوابہام ہے

اس کی تعیین ہے اولاً مبہم رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حرکت نا قابل بیان بلکہ اس کے وصف کا بیان کرنا نہایت مشکل اور دشوار ہے کوئی بھی ذی عقل اور ہوشمند اس کی تصدیق نہیں کرے گا کہ کسی سے ایسی حرکت صادر ہوسکتی ہے **قوله مِن دون النِساءِ** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس حرکت میں دو طرفہ معصیت ہے یعنی مردوں کے ساتھ فعل معصیت ہے اور عورتوں کا ترک معصیت ہے **قوله تجهلونَ** (سوال) قوم کی صفت ہے حالانکہ دونوں میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ **قومٌ** غائب ہے اور **تجهلون** حاضر (جواب) غیبت اور مخاطبت جب جمع ہوجاتی ہے تو مخاطبت کے اقویٰ ہونے کی وجہ سے مخاطبت کو غیبت پر غلبہ دیدیا جاتا ہے (جمل) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ مخاطب قوم ہے اس لئے اس کو حاضر کے درجہ میں رکھ کر صفت مخاطب کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے **قوله عاقبةَ** اس سے اشارہ ہے کہ **تجهلون** کا مفعول محذوف ہے **قوله فما کان جوابَ قومه** کان کی خبر مقدم ہے **وَاِلّا اَن قالوا** اس کا اسم ہے **ای اِلّا قولُهم** اور ابن ابی اسحٰق نے **جوابُ** کو اسم کان قرار دیکر رفع پڑھا ہے اور مابعد کو اس کی خبر قرار دیا ہے **قوله وَاَمطَرنَا علَيهِم مَطَرًا** یہ تاکید شدت مطر پر دلالت کرنے کے لئے یعنی وہ بارش غیر معہود اور غیر معمولی تھی **بالعذاب منذرین** کے متعلق ہے اور **مَطَرُهم** مخصوص بالذم ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ یہ اس سورت کا چوتھا قصہ ہے، حضرت صالح علیہ السلام کا نام قرآن کریم میں آٹھ جگہ آیا ہے، حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے تھے حضرت صالح علیہ السلام کا سلسلہ نسب چھ واسطوں سے ان کے جد اعلیٰ ثمود تک پہنچ جاتا ہے یہ امام بغوی کی تحقیق ہے اور یہی تاریخی حیثیت سے راجح ہے (قصص القرآن) اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ قوم ثمود کا نام ثمود ان کے مورث اعلیٰ کے نام پر ہے، ثمود سے حضرت نوح علیہ السلام تک کے سلسلہ نسب میں دو قول ہیں ①ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح ②ثمود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ امام ثعلبی دوسرے قول کو راجح سمجھتے ہیں، قوم ثمود سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے، عاد اولیٰ کی ہلاکت کے وقت حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بچ گئے تھے یہ وہی لوگ ہیں اور یہی نسل، عاد ثانیہ کہلائی۔

ثمود کی بستیاں

ثمود کہاں آباد تھے؟ اور کس خطہ میں پھیلے ہوئے تھے؟ اس کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کی آبادیاں حجر میں تھیں، حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب ان کا مقام سکونت ہے، اور آج کل **فج الناقه** کے نام سے مشہور ہے ثمود کی بستیوں کے خرابات اور آثار آج تک موجود ہیں۔

اہل ثمود کا مذہب

ثمود اپنے پیش رو، بت پرستوں کی طرح بت پرست تھے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ بہت سے معبودان باطلہ کے پرستار تھے، اس کی اصلاح کے لئے ان ہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح کو ناصح اور رسول بنا کر بھیجا گیا، ان کی قوم کے تقریباً چار ہزار افراد ان پر ایمان لائے تھے عذاب آنے سے پہلے جن کو لیکر حضرت صالح علیہ السلام حضر موت تشریف لے گئے جہاں حضرت صالح کا انتقال ہو گیا اسی وجہ سے اس کا نام حضر موت مشہور ہو گیا۔

ناقۃ اللہ

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو بہت سمجھایا، قوم بجائے اس کے کہ ان کی نصیحت کو قبول کرتی، بت پرستی سے باز آتی، ان کا بغض وعناد ترقی پاتا رہا اور حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت میں اضافہ ہی ہوتا رہا، اگرچہ کمزور اور مختصر جماعت نے ایمان قبول کر لیا مگر سر برآوردہ اور اہل اقتدار اور خوشحال لوگوں کی جماعت بت پرستی پر قائم رہی، خدا کی دی ہوئی ہر قسم کی خوش عیشی اور رفاہیت کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے کفران نعمت کو شعار بنا لیا، حضرت صالح کی نہ صرف یہ کہ تکذیب کی بلکہ ان کا مذاق بھی اڑاتی رہی، اور پیغمبرانہ دعوت ونصیحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور نشان نبوت کا مطالبہ کیا۔

تاریخی حیثیت سے واقعہ کی تفصیل

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم جب حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ حق سے اکتا گئی تو ان کے سرخیل اور سرگروہ افراد نے قوم کی موجودگی میں مطالبہ کیا کہ اے صالح اگر تو واقعی خدا کا فرستادہ ہے تو کوئی نشان (معجزہ) دکھا، تاکہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشان آنے کے بعد بھی انکار پر مصر اور سرکشی پر قائم رہو، قوم کے ان سرداروں نے بتاکید وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے، تب حضرت صالح علیہ السلام نے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشان چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سامنے والے پہاڑ سے یا بستی کے اس پتھر سے جو کنارہ پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر کہ جو گیابھن ہو اور فوراً بچہ دے، حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی جس کے نتیجے میں اسی وقت اس پتھر سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا، یہ دیکھ کر ان سرداروں میں سے جندع بن عمر تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور دوسرے سرداروں نے بھی جب اس کی پیروی میں اسلام لانے کا ارادہ کیا تو ان کے ہیکلوں اور مندروں کے پہنتوں نے ان کو اسلام لانے سے باز رکھا۔

اب صالح علیہ السلام نے نے قوم کے تمام افراد کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیج گئی ہے خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا اور ایک دن پوری قوم اور ان کے جانوروں کا، اور خبردار اس کو کوئی

اذیت نہ پہنچے، اگر اس کو آزار پہنچا تو تمہاری خیر نہیں ہے ایک مدت تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، اور پوری قوم اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی رہی۔ آہستہ آہستہ یہ بات بھی ان کو کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح ومشورے ہونے لگے کہ اس ناقہ کا خاتمہ کردیا جائے تاکہ باری کے قصے سے نجات ملے، کیونکہ اب ہمارے چوپایوں کے لئے اور خود ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے مگر قتل کرنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی، ایک حسین وجمیل مالدار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور دوسری مالدار عورت عنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی کو قیدار (قدار) کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا کہ اگر وہ ناقہ کو ہلاک کردیں تو یہ تمہاری ملک ہیں، تم ان کو بیوی بنا کر عیش کرو آخر قیدار بن سالف اور مصدع کو اس کے لئے آمادہ کرلیا گیا اور طے پایا کہ وہ راہ میں چھپکر بیٹھ جائیں اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے تو اس پر حملہ کردیں اور چند دیگر آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرضیکہ ایسا ہی کیا گیا اور ناقہ کو اس طرح سازش کرکے قتل کردیا گیا اور آپس میں قسمیں کھائیں کہ رات ہونے پر ہم سب صالح اور اسکے اہل وعیال کو بھی قتل کردیں گے اور پھر اس کے اولیا کو قسمیں کھا کر یقین دلادیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہم تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے ادھر بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا چلاتا پہاڑی میں غائب ہوگیا۔

صالح علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا آخر وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا، اب خدائی عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کردے گا، اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا اس نے رات میں سب کو تباہ کردیا اور آنے والے انسانوں کے لئے تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔

صاحب روح المعانی سید آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ثمود پر عذاب کی علامات اگلی صبح ہی سے نمودار ہونے لگیں، پہلے روز ان سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہوجایا کرتا ہے، اور دوسرے روز سب کے چہرے سرخ تھے گویا کہ خوف ودہشت کا یہ دوسرا درجہ تھا اور تیسرے روز ان سب کے چہرے سیاہ تھے اور یہ خوف ودہشت کا وہ تیسرا مقام ہے کہ جس کے بعد موت ہی کا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

بہر حال ان تین دن کے بعد وقت موعود آپہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبت ناک آواز نے ہر شخص کو اسی حالت میں ہلاک کردیا جس حالت میں وہ تھا قرآن عزیز نے اس ہلاکت آفریں آواز کو کسی مقام پر صاعقہ (کڑک دار بجلی) اور کسی جگہ (زلزلہ ڈال دینے والی شئ) اور بعض جگہ طاغیہ (دہشت ناک) اور بعض جگہ صیحہ (چیخ) فرمایا، یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف اوصاف کے اعتبار سے تعبیرات ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ خدا تعالیٰ کے اس عذاب کی ہولناکیاں کیسی گوناگوں تھیں۔

ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا دوسری طرف حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیرو مسلمانوں کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور ان کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

قصہ لوط علیہ السلام

ولوطًا گذشتہ صفحات میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر آچکا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ ہیں ان کے والد کا نام ہاران تھا، حضرت لوط علیہ السلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گذرا تھا حضرت لوط علیہ السلام ہجرت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے ہیں اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی حضرت لوط علیہ السلام ہمراہ تھے، اور مصر میں بھی قیام ساتھ ہی میں رہا باہم مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ لوط مصر سے ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ واشاعت کا کام کریں اور حضرت ابراہیم واپس فلسطین چلے جائیں۔

سدوم

اردن کی وہ جانب ہے جہاں آج بحرمیت یا بحرلوط واقع ہے یہی وہ مقام ہے کہ جہاں سدوم وعامورہ کی بستیاں واقع تھیں وہاں کے گردونواح میں بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جواب زیر آب نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے، قوم لوط پر عذاب کی وجہ سے یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی، اسی لئے اس کو بحرمیت اور بحرلوط کہتے ہیں۔ (بستان جلد ۹، ص ۵۳۷، بحوالہ قصص القرآن ج ۱، ص ۲۵۷)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ مِنَ الْغَيْبَةِ اِلَى التَّكَلُّمِ بِهٖ حَدَاۤئِقَ جَمْعُ حَدِيْقَةٍ وَهُوَ الْبُسْتَانُ الْمَحُوْطُ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ حُسْنٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ لِعَدَمِ قُدْرَتِكُمْ عليه ءَاِلٰهٌ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهما على الْوَجْهَيْنِ فى مَوَاضِعِهِ السَّبْعَةِ مَّعَ اللّٰهِ ۭ اِعَانَةً عَلٰى ذٰلك اى لَيْسَ مَعَهُ اِلٰهٌ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَهُ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا لَا تَمِيْدُ بِاَهْلِها وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ فيما بَيْنَها اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ جِبَالًا اَثْبَتَ بِها الْاَرْضَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ بَيْنَ الْعَذْبِ والْمِلْحِ لَا يَخْتَلِطُ اَحَدُهما بالْآخَرِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ تَوحِيْدَهُ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ الْمَكْرُوْبَ الَّذِىْ مَسَّهُ الضُّرُّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۤءَ عنه وعَنْ غَيْرِه وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۤءَ الْاَرْضِ ۭ الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى فِى اَىْ يَخْلُفُ كُلُّ قَرْنٍ الْقَرْنَ الَّذِىْ قَبْلَهُ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَتَّعِظُوْنَ بالْفَوْقَانِيَّةِ والتَّحْتَانِيَّةِ وفِيه اِدْغَامُ التَّاءِ فى الذَّالِ ومَا زَائِدَةٌ لِتَقْلِيْلِ الْقَلِيْلِ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ يُرْشِدُكم الٰى مَقَاصِدِكم فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِالنُّجُوْمِ لَيْلًا وبِعَلَامَاتِ الْاَرْضِ نَهَارًا

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ط اى قُدَّامَ المطرِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ط به غيرَهُ اَمَّنْ يَّبْدَءُ الْخَلْقَ فى الارحامِ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ بَعْدَ الموتِ وان لَمْ يَعترِفُوْا بالِاعادَةِ لِقِيامِ البَرَاهِيْنِ عليها وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ بالمطرِ وَالْاَرْضِ ط بالنَّباتِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ اى لَايفعلُ شيئًا مما ذُكِرَ الا اللّٰهُ ولا اِلٰهَ معه قُلْ يامُحمَّدُ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ حُجَّتَكُم اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَنَّ مَعِيَ اِلٰهًا فَعَلَ شَيْئًا مما ذُكِرَ وسَأَلُوْهُ عَنْ وَقْتِ قِيامِ السَّاعَةِ فَنَزَلَ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ والنَّاسِ الْغَيْبَ اى مَا غَابَ عنهم اِلَّا لٰكِنِ اللّٰهُ ط يَعْلَمُهٗ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اى الكُفَّارُ كَغَيْرِهم اَيَّانَ وَقْتَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلْ بِمَعْنٰى هَلْ اَدْرَكَ بِوَزْنِ اَكْرَم فِيْ قِرَاءَةٍ وفى أُخْرٰى ادَّارَكَ بتشديدِ الدَّالِ واَصْلُهُ تَدَارَكَ اُبْدِلَتِ التَّاءُ دَالًا واُدْغِمَتْ فى الدَّالِ واُجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ الوَصْلِ اى بَلَغَ ولَحِقَ او تَتَابَعَ وَتَلَاحَقَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ قف اى بها حَتّٰى سَأَلُوْا عَنْ وَقْتِ مَجِيْئِهَا لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا قف بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ع مِنْ عَمَى الْقَلْبِ وهو اَبْلَغُ مما قَبْلَهُ والاَصْلُ عَمِيُوْنَ اُسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ على اليَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَى المِيْمِ بَعْدَ حَذْفِ كَسْرِهَا ع

ترجمہ

بھلا بتاؤ تو؟ وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا، پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ بارونق باغ اگائے، اَنْبَتْنَا میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے، حدائق حدیقۃ کی جمع ہے اس باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار بنادی گئی ہو، تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگا سکو، تمہارے اس پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے (یہ سن کر بتاؤ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اس کام پر مدد کرنے کے لئے یعنی اس کے ساتھ کوئی الٰہ نہیں ہے ءَاِلٰهٌ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے ساتوں مقامات پر بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جو خدا کا ہمسر ٹھہراتے ہیں (یعنی) غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں یا وہ ذات جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا تاکہ اہل زمین کو لیکر نہ ڈگمگائے اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور زمین کے ٹھہرانے کے لئے پہاڑ بنائے جن کے ذریعہ زمین کو ساکن کردیا تاکہ وہ اضطرابی حرکت نہ کرے اور دو دریاؤں یعنی شور و شیریں کے درمیان حد فاصل بنائی تاکہ آپس میں خلط ملط نہ ہوجائیں کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے زیادہ تر تو لوگ توحید کو سمجھتے بھی نہیں ہیں کیا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی دعا سنتی ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے یعنی اس مصیبت زدہ کی جو تکلیفوں میں مبتلا ہوگیا ہو اور اس کی اور دوسروں کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے خُلَفَاءَ الْاَرْضِ میں اضافت بمعنی فی ہے یعنی ہر بعد کی نسل کو پہلی

نسل کا قائم مقام بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو تَذَكَّرُوْنَ میں تا اور یا کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں، اور اس میں تا کا ذال میں ادغام ہے اور ما زائدہ ہے قلیل کی قلت (یعنی عدم) کو بیان کرنے کے لئے کیا وہ ذات جو تم کو تمہارے مقاصد کی طرف خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رہنمائی کرتی ہے، رات کو نجوم کے ذریعہ اور دن میں علامات زمین کے ذریعہ، اور وہ ذات جو بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتی ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اللہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کو وہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں کیا وہ ذات جو مخلوق کو رحم مادر میں نطفہ سے ابتداءً پیدا کرتی ہے پھر اس کو موت کے بعد لوٹا دے گی اگرچہ ان کو اعادہ کا اعتراف نہیں تھا مگر چونکہ اعادہ پر براہین قاطعہ موجود ہیں (اس لئے ان سے دوبارہ تخلیق کے بارے میں سوال کیا گیا) اور وہ ذات جو آسمان سے بارش کے ذریعہ اور زمین سے نباتات کے ذریعہ تم کو روزی دیتی ہے (یہ بن کر بتاؤ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے؟ یعنی مذکورہ کاموں میں سے اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کرتا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے اے محمد آپ کہہ دیجئے اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو اس بات پر کہ میرے ساتھ کوئی معبود ہے جس نے مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام کیا ہو؟ اور (جب) آپ سے (مشرکین) نے قیامت قائم ہونے کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی آپ کہہ دیجئے آسمان اور زمین والوں میں سے خواہ ملائکہ ہوں یا انسان غیب کو یعنی (اپنے سے) مخفی چیزوں کو کوئی نہیں جانتا لیکن اللہ اس کو جانتا ہے اور کفار بھی دوسروں کے مانند یہ نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا؟ بَلْ بمعنی هَلْ ہے اَدْرَكَ بروزن اَكْرَمَ ایک قراءت میں اور دوسری قراءت میں اِدَّارَكَ لام کی تشدید کے ساتھ اِدَّارَكَ کی اصل تَدَارَكَ تھی دال کو تا سے بدل دیا گیا اور دال کو دال میں مدغم کر دیا گیا (ابتداء بسکون لازم آنے کی وجہ سے) شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کر دیا گیا یعنی بَلَغَ وَلَحِقَ یہ معنی پہلی قراءت کی صورت میں ہوں گے اور تَتَابَعَ وَتَلَاحَقَ دوسری قراءت کی صورت میں ہوں گے یعنی ان کا علم آخرت کے بارے میں تھک گیا ہو (عاجز ہو گیا ہو) جس کی وجہ سے آخرت کے وقت کے آنے کے بارے میں سوال کیا ہو بات ایسی نہیں ہے فی الآخرۃ میں فی بمعنی با ہے اسی بہا بلکہ یہ لوگ وقوع قیامت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں دل کے اندھے اور یہ ماقبل سے ابلغ ہے (یعنی بَلْ هم عمُوْنَ یہ اِدَّارَكَ علمهم سے ابلغ ہے) اور عمُوْنَ اصل میں عمِيُوْنَ تھا، ضمہ یا پر دشوار رکھ کر میم کے کسرہ کو حذف کرنے کے بعد میم کو دیدیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَمْ منقطعہ ہے ابوحاتم نے کہا ہے کہ اس کی تقدیر آٰلِهَتُكم خيرٌ اَمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت والاَرْضَ ہے اور بعض حضرات نے آیت کے معنی یہ بیان کئے ہیں اَعِبَادَةُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

اَوْثانِكُمْ خيرٌ اَمْ عِبادةُ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت والاَرْضَ اس صورت میں ام متصلہ ہوگا، اس صورت میں توبیخ اور تہکم کے معنی ہوں گے **قوله** **قومٌ یعدِلونَ** یہ عدل سے مشتق ہے جس کے معنی برابر کرنے کے ہیں مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں اور عدول سے بھی مشتق ہوسکتا ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں یعنی تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو، بعض حضرات نے اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرارًا اور بعد میں آنے والے اسی قسم کے تینوں جملوں کو اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت سے بدل قرار دیا ہے، راجح اور ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بَلْ تینوں جگہوں پر تبکیت کے ایک طریقہ سے دوسرے طریقہ کی طرف انتقال کے لئے ہے **قوله** خِلاَلَهَا جَعَلَ کا ظرف بھی ہوسکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی خَلَقَ لیا جائے اور جَعَلَ کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ لیا جائے (جمل) **قوله** **وَيَكْشِفُ** کا عطف يُجِيْبُ المضطرَّ پر ہے یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے مفسر علام نے وَعَنْهُ وَعَنْ غيرِهٖ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے **قوله** **تقليل القليل** یہ کنایہ ہے عدم بالکلیہ سے مراد تذکر کی مطلقاً نفی ہے **قوله** **وَاِنْ لَمْ يَعْتَرِفُوْا** بالاِعَادَةِ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب کفار اعادۃ بعد الموت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر ان سے یہ کہنا کہ وہ ذات جو ابتداءً تخلیق کرتی ہے اور مرنے کے بعد زندہ کرے گی، کہاں تک درست ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار اگرچہ اعادۃ بعد الموت کے قائل نہیں تھے مگر ابتداءً تخلیق کے قائل تھے ابتداء کی اعادے پر دلالت ظاہر اور قوی ہے اسی وجہ سے ان کو قائمین (معترفین) اعادہ فرض کرکے اعادہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔

أَاِلٰهٌ مع اللّٰهِ یہ جملہ اس مقام پر مسلسل پانچ جگہ ذکر کیا گیا ہے اول کو بَلْ هُمْ يَعْدِلُوْنَ پر ختم کیا ہے، اور ثانی کو بَلْ اكثرهُمْ لا يَعْلَمُوْنَ پر ختم کیا ہے اور ثالث کو قَلِيْلاً ما تَذَكَّرُوْنَ پر رابع کو عَمَّا يُشْرِكُوْنَ پر اور خامس کو قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ پر ختم کیا ہے **قوله** اَئَ معی اِلٰهٌ صواب تر اَئَ معهُ اِلٰهٌ ہے اس لئے کہ ماسبق أالِهةٌ معه کہا گیا ہے بعض نسخوں میں معہ کے بجائے مع اللہ ہے جو کہ بالکل واضح ہے اِلاَّ کی تفسیر لکن سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ اگر مستثنیٰ متصل مانا جائے تو اللہ کو مَنْ فی السَّموات والاَرضِ میں شامل کرنا ہوگا اور مَن فِي السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ کے لئے مکان کی ضرورت ہے لہٰذا اللہ کے لئے بھی مکان ثابت ہوگا جو کہ درست نہیں ہے اسی لئے مستثنیٰ کو منقطع قرار دیا ہے فِي الآخرةِ کی تفسیر بها سے کرکے اشارہ کردیا کہ فی بمعنی با ہے یعنی کیا آخرت سے متعلق ان کا علم عاجز ہوگیا **قوله** **ليس الامر كذلك** سے اشارہ کردیا کہ بَلْ بمعنی هَلْ استفہام انکاری کے معنی میں ہے اَیْ لَمْ يَحْصُلْ لَهُمْ عِلمٌ بالآخرةِ ای لَمْ يُصَدِّقُوْ بِهَا ولَمْ يَعْتَقِدُوْهَا.

تفسیر وتشریح

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہاں سے پچھلے جملے کی تشریح اور اس کے دلائل بیان کئے جا رہے ہیں فرمایا آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا ان میں درخشاں کواکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا، اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشمے، سمندر، اشجار، کھیتیاں اور انواع واقسام کے طیور وحیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعہ سے بارونق باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو زمین سے درخت ہی اگا کر دکھادے؟ ان سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اَمَّنْ کا مفہوم ان آیات میں یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کی بنانے والی ہے اس شخص کی طرح ہے جو ان میں سے کسی پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کی اضطرابی حرکت کو ختم کرنے کے لئے اس پر بڑے بڑے پہاڑ نصب کر دیئے تاکہ زمین سکونت کے قابل ہو سکے اس لئے کہ اضطرابی اور بے قاعدہ حرکت کے ہوتے ہوئے زمین پر سکونت ممکن نہیں تھی، تاہم زمین کی مرکزی اور محوری دونوں حرکتیں باقاعدگی کے ساتھ جاری ہیں جن سے سکونت میں کوئی خلل نہیں ہوتا وَجَعَلَ خِلٰلَهَا کی تفصیل کے لئے سورۂ فرقان کی آیت ۵۳ کی تفسیر دیکھئے۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے اس کا کوئی شریک وہمسر نہیں اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ منفرد ہے اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وحی اور الہام کے ذریعہ انہیں بتلا دیتا ہے، اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو تو اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا، عالم الغیب تو وہ ہے کہ جو بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے اور ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہ ہو اور یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے اس لئے صرف وہی عالم الغیب ہے اس کے سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ کل پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا اس لئے کہ وہ تو فرما رہا ہے کہ آسمان اور زمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ (صحیح بخاری ۴۸۵۵)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْآخِرَةِ یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا علم جاننے سے عاجز ہے، یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم مکمل ہو گیا اس لئے کہ انہوں نے قیامت کے بارے میں کئے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، گویہ علم اب ان کے لئے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں یہ لوگ اسے جھٹلاتے رہے ہیں، جیسے فرمایا اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰکِنِ

الظّٰلِمُوْنَ الیوم فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورہ مریم ۳۸)

بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُوْنَ یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلال عقل و بصیرت کی وجہ سے آخرت پر یقین سے محروم ہیں یعنی جس طرح اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اس لئے مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، اسی طرح تصدیق بالآخرت کا جو ذریعہ ہے یعنی دلائل صحیحہ یہ لوگ انتہائی عناد کی وجہ سے ان دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے اس لئے ان کو وہ دلائل نظر نہیں آتے جن سے مقصود تک رسائی کی امید ہوتی ہے لہٰذا یہ شک سے بڑھ کر ہے کیونکہ شک والا بعض اوقات دلائل میں نظر کر کے رفع شک کر لیتا ہے، مگر آخرت سے اندھا یعنی یقینی طور پر عدم وقوع کا قائل دلائل میں کبھی غور نہیں کرتا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَیْضًا فی اِنکارِ البَعْثِ ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ○ ای مِنَ القُبُوْرِ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ ما هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ○ جمع اُسْطُوْرَةٍ بالضَّمِّ ای مَا سُطِرَ مِنَ الکَذِبِ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ○ بِاِنکارِهم هی هَلاکُهم بالعَذَابِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَاتَکُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ○ تَسْلِیَةٌ لِلنَّبِی صلی اللّٰه علیه وسلم ای لَا تَهْتَمَّ بِمَکْرِهِمْ علیك فاِنَّا نَاصِرُك علیهم وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ بالعَذَابِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ○ فیه قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ رَدِفَ قَرُبَ لَکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ○ فَحَصَلَ لَهُمُ القَتْلُ بِبَدْرٍ وبَاقِی العَذَابِ یَاتِیْهِم بَعْدَ المَوْتِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ ومنه تاخیرُ العَذَابِ عَنِ الکُفَّارِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ○ فالکُفَّارُ لَا یَشْکُرُوْنَ تَاخِیرَ العَذَابِ لِاِنکَارِهم وُقُوْعَهُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُهُمْ نُخْفِیه وَمَا یُعْلِنُوْنَ○ بِاَلْسِنَتِهم وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ التَّاءُ للمُبَالَغَةِ ای شیٔ فی غَایَةِ الخَفَاءِ علی النَّاسِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ○ بَیِّنٍ هو اللَّوْحُ المَحفُوْظُ ومَکْنُوْنُ عِلْمِه تعالی ومنه تَعْذِیْبُ الکُفَّارِ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ المَوْجُوْدِیْنَ فِی زَمَنِ نَبِیِّنا صلی اللّٰه علیه وسلم اَکْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ○ ای بِبَیَانِ ما ذُکِرَ عَلٰی وَجْهِهٖ الرَّافِعِ لِلاِخْتِلَافِ بَیْنَهم لو اَخَذُوْا به واَسْلَمُوْا وَاِنَّهٗ لَهُدًی من الضَّلَالَةِ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ○ مِنَ العَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ کَغَیْرِهم یَوْمَ القِیٰمَةِ بِحُکْمِهٖ ای عَدْلِه وَهُوَ الْعَزِیْزُ الغَالِبُ الْعَلِیْمُ○ بما یَحْکُمُ به فلا یُمْکِنُ اَحَدًا مُخَالَفَتُهٗ کما خَالَفَ الکُفَّارُ فی الدُّنیا اَنْبِیَاءَهٗ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ثِقْ به اِنَّكَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ○ ای الدِّیْنِ البَیِّنِ فالعَاقِبَةُ لك بالنَّصْرِ علی الکُفَّارِ ثم ضَرَبَ لهم اَمْثَالًا بِالمَوْتٰی والصُّمِّ والعُمْیِ فقال اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا

تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية بينها وبين الياءِ وَلَّوْا مُدْبِرِينَ وما أَنتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ ما تُسْمِعُ سَمَاعَ إفهام وقبولٍ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا القرآن فَهُمْ مُسْلِمُونَ مخلصون بتوحيد الله وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ حق العذاب ان ينزل بهم في جملة الكفار أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اى تكلم الموجودين حين خروجها بالعربية تقول لهم من جملة كلامها نائبة عنا أَنَّ النَّاسَ اى كفار مكة وفي قراءة فتح همزة أنّ بتقدير الباء بعد تكلمهم كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ اى لا يؤمنون بالقرآن المشتمل على البعث ع والحساب والعقاب وبخروجها ينقطع الامر بالمعروف والنهي عن المنكر ولا يؤمن كافر كما اوحى الله تعالى الى نوح أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ.

ترجمہ

اور کافروں نے انکار بعث کے بارے میں بھی کہا، کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی، تو کیا ہم قبروں سے پھر نکالے جائیں گے؟ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے بہت پہلے سے یہ وعدے کئے جاتے رہے ہیں، کچھ نہیں، یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، اساطیر اُسطورۃ بالضم کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹی باتیں جن کو لکھ لیا گیا ہو، آپ کہہ دیجئے کہ زمین میں ذرا چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ مجرموں کا ان کے انکار کی وجہ سے کیا انجام ہوا؟ اور وہ عذاب کے ذریعہ ان کا ہلاک ہو جانا ہے آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے یعنی آپ کے خلاف ان کے سازش کرنے سے غمگین نہ ہوں ہم ان کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والے ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ عذاب کا یہ وعدہ کب ہے؟ اگر تم اس وعدہ میں سچے ہو (تو بتلا دو) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آ لگا ہو چنانچہ غزوہ بدر میں ان کو قتل کا عذاب لاحق ہو گیا اور باقی عذاب موت کے بعد آئے گا یقیناً آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا ہی فضل والا ہے اور کافروں سے عذاب کی تاخیر (اس کے) فضل ہی کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں چنانچہ کافر وقوع عذاب کے منکر ہونے کی وجہ سے تاخیر عذاب کا شکر ادا نہیں کرتے اور بے شک تیرا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور جنہیں وہ اپنی زبانوں سے ظاہر کر رہے ہیں آسمان اور زمین کی کوئی بھی ایسی پوشیدہ چیز نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو، اور غائبة میں تا مبالغہ کے لئے ہے یعنی وہ چیز جو لوگوں کے لئے نہایت مخفی ہو، اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے، یا علم باری تعالیٰ میں محفوظ ہیں، اور انہیں محفوظ اشیاء میں سے کفار کو سزا دینے کا علم بھی ہے یقیناً یہ قرآن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں یہ اختلاف

کرتے ہیں یعنی مذکورہ (اختلاف) کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اگر یہ لوگ اس کو اختیار کریں اور تسلیم کریں تو ان کے آپسی اختلاف کو رفع کردے اور یہ قرآن یقیناً گمراہی سے ہدایت ہے اور مومنین کے لئے عذاب سے رحمت ہے بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن دوسروں کے مانند ان کے درمیان میں بھی اپنے حکم یعنی عدل کے ساتھ فیصلہ کردے گا وہ غالب ہے اور جس چیز کا فیصلہ کرتا ہے اس کا جاننے والا ہے کسی کو اس کی مخالفت کرنے کی قدرت نہ ہوگی جس طرح کہ دنیا میں کفار نے اس کے انبیاء کی مخالفت کی پس آپ اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں یعنی واضح دین پر ہیں، آخر کار کافروں پر فتح آپ ہی کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مردوں اور بہروں اور اندھوں کی مثالیں بیان کی ہیں، فرمایا بلاشبہ آپ (اپنی) پکار نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں دُعَاءَ اِذَا میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ ہمزہ اور یا کے درمیان اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) رہنمائی فرما سکتے ہیں آپ تو فہم وقبول کا سنانا صرف ان ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ فرمانبردار بھی ہوتے ہیں (یعنی) اللہ کی توحید میں مخلص ہوتے ہیں اور جب ان پر وعدہ ثابت ہو جائے گا یعنی عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا بایں طور کہ منجملہ کفار کے ان پر (بھی) عذاب نازل ہو جائے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا یعنی اس کے خروج کے وقت جو لوگ موجود ہوں گے عربی میں ان سے باتیں کرے گا وہ ان سے منجملہ اپنے دیگر کلام کے ہماری طرف سے حکایت کرتے ہوئے کہے گا کہ لوگ ہماری باتوں کا یقین نہیں کرتے تھے یعنی کفار مکہ اور ایک قرأت میں انّ کے فتحہ کے ساتھ ہے باکی تقدیر کے ساتھ تُكَلِّمُهُمْ کے بعد، یعنی قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے جو کہ بعث اور حساب اور عقاب کی (خبروں) پر مشتمل ہے، اور اس کے خروج کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کا وقت) ختم ہو جائے گا (اس لئے کہ اس وقت عمل کا کوئی فائدہ نہ ہوگا) (ان کے بعد) کوئی کافر ایمان نہ لائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، یہ کہ تیری قوم میں سے (اب) کوئی ایمان نہیں لائے گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوْا ضمیر کی بجائے الذین موصول ذکر کیا یعنی قَالُوْا ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا کے بجائے قال الذین کفروا فرمایا تاکہ صلہ کے ذریعہ ان کی صفت مذمومہ کفر کی طرف اشارہ ہو جائے اور ان کے قول باطل کی علت کی طرف بھی اشارہ ہے (روح المعانی) ءَاِذَا فعل محذوف کا ظرف ہے جس پر مخرجون دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَنخرجُ اِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَ اِذَا کو لَمُخْرَجُوْنَ کا ظرف مقدم قرار دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ مابعد کے ماقبل میں عمل کرنے سے تین موانع موجود ہیں، ہمزہ، اِنَّ، لام ان میں سے ہر ایک اپنے مابعد کے لئے ماقبل میں

عمل کرنے سے مانع ہے اور جب تین مانع جمع ہو جائیں تو مابعد کے ماقبل میں عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِنَّ کی خبر جب مقرون باللام ہو تو وہ ماقبل میں عمل کر سکتی ہے جیسے اِنَّ زیدًا طعامكَ لآکل مگر پھر دو مانع باقی رہ جاتے ہیں لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ **لمخرجُونَ** **اِذَا** کا عامل نہیں ہے بلکہ اس کا عامل محذوف ہے اور وہ ء نخرجُ ہے **قولہ وَآبَاؤُنَا** اس کا عطف کان کے اسم پر ہے یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے مگر یہاں نہیں ہے؟

جواب: یہاں چونکہ ترابًا خبر کا فصل آگیا ہے لہٰذا اب تاکید کی ضرورت نہیں رہی اور ءَاِنَّا میں ہمزہ کی تکرار تاکید وتشدید فی الانکار کے لئے ہے۔ (روح)

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ یہ امر تہدید کے لئے ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ تم سے پہلی امتوں نے بھی خدا کی طرف رجوع نہیں کیا آخر کار ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اگر تم بھی خدا کی طرف رجوع نہ کرو گے تو تم کو غارت کر دیا جائے گا **قولہ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ** میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، حالانکہ مخاطب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جواب: چونکہ بعث بعد الموت وغیرہ کی خبر دینے میں مومنین بھی آپ کے ساتھ شریک تھے، اسلئے مشرکین نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے **قولہ قُلْ عَسٰی اَنْ یکون** عَسٰی یہاں یقین کے معنی میں ہے، قاضی نے کہا کہ **عسٰی ولعَلَّ**، سوف ملوک کے مواعید میں جزم کے معنی میں ہوتا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ غیر کی تصریح کے مثل ہے **قولہ رَدِفَ لکُم بعضُ الَّذِیْ رَدِفَ** ایسے فعل کے معنی کو متضمن ہے جو متعدی باللام ہو، مثلاً دَنَا، قَرُبَ اس لئے کہ رَدِفَ کا استعمال لام کے صلہ کے ساتھ نہیں ہے اسی وجہ سے شارح نے رَدِفَ کی تفسیر قَرُبَ سے کی ہے، اور **بعض الذی رَدِفَ** کا فاعل **قولہ مَا تُکِنُّ** یہ اکناناٌ سے مشتق ہے مضارع واحد مؤنث غائب، وہ چھپاتی ہے، یہاں چونکہ اس کا فاعل صُدُوْر جمع مکسر اسم ظاہر ہے اس لئے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے **قولہ غائبة** اگرچہ صفت ہے مگر یہ بغیر موصوف کے کثیر الاستعمال ہے بعض حضرات کے نزدیک یہ صفت سے اسمیت کی طرف منقول نہیں ہے مگر اسمیت غالب ہے جیسا کہ **مومن** اور **کافرٌ** میں، لہٰذا اس کی تا تانیث کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ اس کا کوئی مؤنث موصوف نہیں ہے کہ یہ اس کی صفت واقع ہو، جیسا کہ رَاوِیَةٌ کثیر الروایت شخص کو کہتے ہیں، لہٰذا یہ تائے مبالغہ ہے اور بعض حضرات نے اس کو اسمیت کی طرف منقول بھی کیا ہے لہٰذا جو شئ غائب اور مخفی ہو اس کو **غائبة** کہتے ہیں، اور اس تا کو تا نقل کہتے ہیں جیسا کہ فاتحہ، **ذبیحة ونطیحة** میں ہے **قولہ فی کتاب مبین** شارح نے اس کی دو تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے ایک لوح محفوظ، اور دوسری علم باری تعالیٰ **ومکنونٌ** میں واؤ بمعنی او ہے یعنی زمین و آسمان کی تمام مخفی اور پوشیدہ چیزیں لوح محفوظ میں ہیں یا اللہ کے علم ازلی میں ہیں اس لئے کہ اظہار اشیاء کا

وہ بھی مبتداء ہے ای ببیان ماذکر جار مجرور یقص کے متعلق ہے اور ما ذُکِرَ سے وہ بات مراد ہے جس میں وہ اکثر اختلاف کرتے ہیں علی وجہٖ ببیان سے متعلق ہے الواقع بیان کی صفت ہے اور لواخذوا به رافع سے متعلق ہے یعنی قرآن ان کے اختلاف کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ان کا اختلاف رفع ہو جاتا ہے اگر یہ اس بیان کو تسلیم کریں

قوله اَیْ عَدْلِهٖ ، حکمه کی تفسیر عدلِهٖ سے کر کے مفسر علام نے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: یَقْضِیْ کے بعد بِحُکْمِهٖ لانے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ دونوں ہم معنی ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوا یقضی بقضاء یا یحکم بحکمه۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم سے مراد حکم بالعدل ہے لہٰذا دونوں مترادف نہیں ہیں **قوله** فلا یمکن احدًا مخالفتهٗ یہ وهو العزیز پر تفریع ہے بہتر ہوتا کہ مفسر علام اس کو وهو العزیز سے متصل ذکر فرماتے **قوله** اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الموتٰی یہ آیت کفار کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امید ہدایت کو قطع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دینا یہ امید ہدایت کو قطع کرنے کے لئے ہے یعنی جس طرح مردوں سے کسی چیز کی توقع نہیں رہتی کفار بھی اپنے قلوب کے اعتبار سے مردے ہیں اس لئے کہ ان کے قلوب پر مہر لگ چکی ہے جس کی وجہ سے نہ کفر باہر آ سکتا ہے اور نہ ایمان اندر داخل ہو سکتا ہے (یہاں مردوں کے سماع یا عدم سماع کا مسئلہ نہیں ہے اس سے مردوں کے عدم سماع پر استدلال صحیح نہیں ہے) **قوله** وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ یعنی ایک تو بہرا اور پھر اس نے پیٹھ بھی پھیر لی جس کی وجہ سے ہدایت کا امکان بالکلیہ مفقود ہو گیا، اس لئے کہ نفس سماع کی امید تو بہرا ہونے کی وجہ سے منقطع ہو گئی مگر بہرا بھی کبھی اشارہ سے بات سمجھ لیتا ہے مگر جب بہرے نے اپنا رخ موڑ لیا تو اشارہ سے سمجھنے کی امید بھی منقطع ہو گئی **قوله** بِهَادِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ هدایة کا صلہ عن استعمال نہیں ہوتا، یہاں چونکہ ہدایت صرف کے معنی کو متضمن ہے اس لئے اس کا صلہ عن لانا درست ہے **قوله** حَقَّ العذابُ الخ وَقَعَ الْقَوْلَ کی تفسیر ہے **قوله** اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً قرب قیامت حضرت عیسیٰ اور مہدی کے انتقال کے بعد ایک عجیب الخلقة جانور کوہ صفا سے نکلے گا اور بعض حضرات نے حجر اور طائف کو مقام خروج بتایا ہے وہ لوگوں سے عربی میں کلام کرے گا، منجملہ دیگر کلام کے کچھ باتیں وہ نیابةً عن اللّٰه بطور نقل حکایت کے بھی کہے گا مثلاً اس کا یہ مقولہ اِنَّ النَّاسَ کَانُوْا بِآیٰتِنَا لایوقنونَ ، نیابةً عن اللّٰه کہے گا۔

تفسیر و تشریح

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی جب ان کافروں سے آخرت کے حساب و کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ان باتوں میں کوئی حقیقت نہیں ہے، بس یہ سنی سنائی باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں، قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ یہ کافروں کے مذکورہ قول کا جواب ہے کہ ذرا چل پھر کر دیکھو تمہیں ان کے کھنڈرات اور خرابات اور نشانات

دیکھ کر معلوم ہو جائے گا کہ سابقہ نافرمان اور رسولوں کی تکذیب کرنے والی قومیں عذاب الٰہی سے نافرمانی کی پاداش میں ہلاک و برباد کی جا چکی ہیں، جو پیغمبروں کی صداقت کی دلیل ہے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (الآیۃ) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے اور کفر پر اصرار سے غمگین نہ ہوں اور نہ ان کے مکر سے اندیشہ کریں اللہ آپ کی حفاظت کرنے والے ہیں وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ آپ سے معلوم کرتے ہیں کہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ؟ آپ جواب دیجئے کہ ان میں کی بعض چیزیں جن کی تم جلدی مچا رہے ہو شاید تم سے بہت ہی قریب آ لگی ہوں اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل و اسیری کی شکل میں کافروں پر آ پڑا یا پھر عذاب قبر مراد ہے، دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا عاصی اور باغی بندوں پر فوری گرفت نہ کرنا یہ بھی اللہ کا فضل و کرم ہے اس پر بھی اس کا شکر ادا ہونا چاہئے مگر چونکہ کافروں کے ذہن میں بعث بعد الموت اور روز جزاء و سزا کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اس لئے ان کو اس کا کوئی خوف بھی نہیں ہے **قولہ** ای شئ فی غایۃ الخفاء یہ غائبۃ کی تفسیر ہے ای وَمَا مِن شَيْءٍ غائبٍ غایۃ الخفاء انتہائی پوشیدہ شدت کے معنی تاء مبالغہ سے ماخوذ ہیں جیسا کہ عَلَّامَۃٌ میں، اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اكثرَ، اَلَّذِیْ ھم فیہ یختلفون، یہ قرآن، بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف کرتے ہیں اکثر کو بیان کرتا ہے۔

سوال قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی چیز قرآن میں موجود ہے اور مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اکثر کو بیان کرتا ہے۔

جواب جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن ہر شئ کو بیان کرتا ہے لیکن اکثر کو صراحت کے ساتھ اور اقل کو رمز اور اشارہ کے ساتھ لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں۔

منجملہ ان باتوں کے جن میں اہل کتاب باہم اختلاف کرتے تھے جس کی وجہ سے مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے حتی کہ ان کے عقائد میں بھی شدید اختلاف تھا یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص و توہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو، حتی کہ حضرت عیسیٰ کو اللہ، یا اللہ کا بیٹا قرار دیدیا، قرآن کریم نے ان کے حوالہ سے ایسی باتیں بیان فرمائیں، جن سے حق واضح ہو جاتا ہے، اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے عقائدی اختلاف ختم ہو کر تفرق اور انتشار ختم ہو جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِیْ بَيْنَهُمْ یعنی اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ کر کے حق و باطل کو ممتاز کر دے گا اور اسی کے مطابق جزاء و سزا کا اہتمام فرمائے گا فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اس آیت میں آپ کو اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور دشمنان دین کی پرواہ نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی دو علتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ آپ دین حق پر ہیں لہٰذا صاحب حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ خدا پر اعتماد اور بھروسہ کرے۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (الآیۃ) اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور کافروں کی پرواہ نہ کرنے کی یہ دوسری علت ہے یعنی یہ لوگ مردے ہیں جو کسی کی بات کو سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے یا بہرے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں وَاِذَا وَقَعَ القول یہ اس عذاب کا بقیہ ہوگا جس کی طرف سابق میں اشارہ کیا گیا ہے اس کا کچھ حصہ جنگ بدر میں واقع ہو چکا اور یہ آخری زمانہ میں ہوگا اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً یہ وہی دابہ ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے'' (صحیح مسلم کتاب الفتن) دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا ہے اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا یہ دونوں نشانیاں یکے بعد دیگرے پے در پے ظاہر ہوں گی۔

(صحیح مسلم باب فی خروج الدجال ومکثہ فی الارض)

وَاذْكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا جماعةً مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا وهم رُؤَسَاؤُهم المتبُوعُونَ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ. ای يُجْمَعُوْنَ بِرَدِّ اٰخِرِهم الى اَوَّلِهم ثم يُساقُون حَتّٰى اِذَا جَاۗءُوْا مَكَانَ الحِسَابِ قَالَ تعالى لهم اَكَذَّبْتُمْ اَنْبِيَائِىْ بِاٰيٰتِىْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا مِن جهةِ تكذيبِهم بها عِلْمًا اَمَّا فيه اِدْغَامُ اَمْ فى مَا الاِسْتِفْهَامِيَّةِ ذَا مَوْصُوْلٌ اى مَا الَّذِىْ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مما اُمِرْتُمْ وَوَقَعَ الْقَوْلُ حَقَّ العَذَابُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا اى اَشْرَكُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ. اِذْ لَا حُجَّةَ لهم اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا خَلَقْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ كَغيرِهم وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا بمعنى يُبْصَرُ فيه لِيَتَصَرَّفُوا فيه اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلالاتٍ على قُدْرَتِهِ تعالى لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. خُصُّوْا بالذِّكرِ لِانتفاعِهم بها فى الايمانِ بخلافِ الكافِرِيْنَ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ القَرْنِ النَّفْخَةُ الاُولىٰ مِنْ اِسْرَافِيْلَ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اى خَافُوْا الخَوْفَ المُفْضِىَ الى الموتِ كما فى اٰيةٍ اُخرى فَصَعِقَ وَالتَّعْبِيْرُ فيه بِالمَاضِىْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اى جِبْرَئِيْلَ ومِيكَائِيْلَ واِسْرَافِيْلَ وعَزرَائِيْلَ وعَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رضى اللّٰه عنهما هم الشُّهَدَاءُ اذ هُمْ اَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِم يُرْزَقُوْنَ وَكُلٌّ تَنْوِيْنُهُ عِوَضٌ عَنِ المُضَافِ اِلَيْهِ اى كُلُّهُم بَعْدَ اِحْيَائِهِم يَوْمَ القِيٰمَةِ اَتَوْهُ بِصِيغَةِ الفِعْلِ واسْمِ الفَاعِلِ دٰخِرِيْنَ. صَاغِرِيْنَ وَالتَّعْبِيْرُ فى الاِتيانِ بِالمَاضِىْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهِ وَتَرَى الْجِبَالَ تُبْصِرُها وَقْتَ النفخةِ تَحْسَبُهَا تَظُنُّهَا جَامِدَةً وَاقِفَةً مَكَانَهَا لِعِظَمِها وَهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ المَطَرِ اِذَا ضَرَبَتْهُ الرِّيحُ اى تَسِيْرُ سَيْرَهُ حَتّٰى تَقَعَ عَلَى الاَرْضِ فَتَسْتَوِى بِها مَبْثُوْثَةً ثُمَّ تَصِيْرُ كالعِهْنِ ثم تَصِيْرُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا صُنْعَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الجُمْلَةِ قَبْلَهُ اُضِيْفَ الى فَاعِلِه بَعْدَ حَذْفِ عَامِلِه اى صَنَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ صُنْعًا الَّذِىْ اَتْقَنَ

اَحْكَمَ كُلَّ شَيْءٍ صَنْعَهُ اِنَّهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ۝ بالياء والتاء اى اَعْدَاؤُهُ مِن المَعْصِيَةِ وَاَوْلِيَاؤُهُ مِن الطَّاعَةِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ اى لا اله الا الله يوم القيمة فَلَهٗ خَيْرٌ ثواب مِّنْهَا اى بِسَبَبِها وليس للتفضيل، اِذ لا فِعلَ خيرٌ منها وفي اٰية اُخرى عَشْرُ اَمْثَالِها وَهُمْ اى الجَاءُوْن بها مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ بالإضافةِ وكسرِ الميمِ وبفتحِها وفَزَعٍ منوَّنًا وفتحِ الميمِ اٰمِنُوْنَ۝ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ اى الشرك فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ بِاَنْ وُلِّيَتْهَا وذُكِرَتِ الوُجُوْهُ لانها مَوْضِعُ الشَّرَفِ مِن الحَوَاسِّ فغيرُها مِن بَابِ اَوْلٰى ويُقَالُ لهم تَبْكِيْتًا هَلْ اى ما تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ مِن الشِّرْكِ والمَعَاصِي قُلْ لهم اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ اى مكّة الَّذِيْ حَرَّمَهَا اى جعلها حَرَمًا اٰمِنًا لا يُسْفَكُ فِيْهَا دَمُ اِنْسَان ولا يُظْلَمُ فيها اَحَدٌ ولايُصَادُ صَيْدُها ولا يُخْتَلٰى خَلَاهَا وذٰلِكَ مِنَ النِّعَمِ على قُرَيْشٍ اَهْلِهَا في رَفْعِ اللّٰهِ عَنْ بَلَدِهِم العَذَابَ والفِتَنَ الشَّائِعَةَ في جَمِيْعِ بلادِ العَرَبِ وَلَهٗ تعالٰى كُلُّ شَيْءٍ فهو رَبُّه وخَالِقُهُ ومَالِكُهُ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لِلّٰهِ بِتَوْحِيْدِهِ وَاَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ عَلَيْكُمْ تِلَاوَةَ الدَّعْوَةِ اِلى الإيمان فَمَنِ اهْتَدٰى له فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ اى لِاَجْلِها لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهِ له وَمَنْ ضَلَّ عَنِ الْإيمان وَاَخْطَأَ طَرِيْقَ الْهُدٰى فَقُلْ له اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۝ المُخَوِّفِيْنَ فَلَيْسَ عَلَيَّ الا التَّبْلِيْغُ وهٰذا قَبْلَ الاَمْرِ بالقِتَالِ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا فَاَرَاهم اللّٰه يَوْمَ بَدْرٍ القَتْلَ والسَّبْيَ وضَرْبَ المَلَائِكَةِ وُجُوْهَهُم وَاَدْبَارَهم وعَجَّلَهم اللّٰه الى النَّارِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ بالياء والتاء وانما يُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِم. ع

ترجمہ

اس دن کو یاد کرو جس دن ہم ہرامت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور وہ ان کے رؤساء مقتدی ہوں گے ان کو روکا جائے گا یعنی آگے پیچھے سے روکا جائے گا پھر ان کو ہانکا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ مقام حساب میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا تم نے میرے انبیاء کو میری آیتوں کے ساتھ جھٹلایا تھا حال یہ ہے کہ تم نے ان کی تکذیب کی جہت کا علمی احاطہ نہیں کیا اَمّا میں اَمْ کو ما استفہامیہ میں ادغام کردیا ذا موصول ہے ای ما الذی اور جن کاموں کا تم کو حکم دیا گیا تھا ان میں سے تم نے کیا کیا کام کئے؟ اور ان کے ظلم یعنی شرک کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب کا حکم ثابت ہوگیا اب وہ خاموش ہیں اس لئے کہ ان کے

پاس کوئی دلیل نہیں ہے کیا یہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ ہم نے رات کو (تاریک) بنایا؟ یعنی پیدا کیا تاکہ دوسروں کے مانند یہ بھی اس میں سکون حاصل کریں اور دن کو دیکھنے والا (بنایا) یعنی ایسا بنایا کہ اس میں نظر آسکے تاکہ اس میں کام کاج کریں یقیناً اس میں خدا کی قدرت پر نشانیاں (دلائل) ہیں ایمان والوں کے لئے (مومنین) کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ دلائل قدرت سے اہل ایمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں نہ کہ کافر، جس دن صور پھونکا جائے گا یعنی سینگ میں یہ اسرافیل علیہ السلام کا پہلا صور ہوگا تو زمین و آسمان والے گھبرا اٹھیں گے یعنی اس قدر گھبرا جائیں گے کہ اس کا انجام موت ہوگا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فَصَعِقَ ہے اور ماضی کے صیغہ سے تعبیر یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ہے مگر جس کو اللہ چاہے (وہ نہیں گھبرائے گا) جیسے جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ شہداء ہیں، اس لئے کہ وہ زندہ ہیں ان کو ان کے رب کے حضور رزق عطا کیا جاتا ہے اور سب کے سب عاجز و (پست) ہو کر اس کے روبرو حاضر ہوں گے کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای کُلُّهم بَعْدَ اِحْيَائِهِم يَوْمَ القِيَامَةِ اَتَوْهُ اٰتُوْهُ میں فعل اور اسم فاعل دونوں درست ہیں دَاخِرِيْنَ کے معنی صاغرین یعنی ذلیل و پست ہو کر مذکورہ باتوں کے وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے جن پہاڑوں کو آپ جمے ہوئے یعنی اپنی جگہ پر ان کے عظیم ہونے کی وجہ سے قائم (اٹل) سمجھتے ہیں تو ان کو بھی آپ نفخۂ اولیٰ کے وقت دیکھیں گے وہ ابر باراں یعنی بارش کی طرح اڑتے پھر رہے ہیں گویا کہ ہوا ان کو اڑائے پھر رہی یعنی تیزی کے ساتھ چلا رہی حتی کہ زمین پر گر پڑیں گے اور پراگندہ ہو کر زمین کی ہم سطح ہو جائیں گے پھر دھنی ہوئی اون کے مانند ہو جائیں گے پھر اڑتا ہوا غبار ہو جائیں گے یہ ہے صنعت اس اللہ کی صنعة مصدر ہے اپنے سے سابق جملہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے، جس کی اضافت اپنے فاعل کی طرف کی گئی ہے، مصدر کے عامل کے حذف کرنے کے بعد (تقدیر عبارت یہ ہے) صَنَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ صُنْعًا جس نے اپنے ہر مصنوع کو مضبوط بنایا بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے بخوبی واقف ہے یا اور تا کے ساتھ یعنی اس کے دشمن جو معصیت اور اس کے اولیاء جو اطاعت کرتے ہیں (اس سے واقف ہے) جو شخص قیامت کے دن نیک عمل یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه لے کر آئے گا اس کو اس کا بہتر ثواب ملے گا یعنی اس نیکی کی وجہ سے خیرٌ اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے اس لئے کہ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس سے دس گنا زیادہ ملے گا اور وہ یعنی اس نیکی کے کرنے والے اس دن کے خوف سے مامون ہوں گے اضافت اور کسرۂ میم اور فتحہ میم کے ساتھ اور فَزَعٍ تنوین کے ساتھ اور میم کے فتحہ کے ساتھ (بھی ایک قرأت ہے) اور جو شخص سَيِّئَة (بدی) یعنی شرک لے کر آئے گا وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیا جائے گا، اس طریقہ سے کہ چہروں کو آگ کے حوالہ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ چہرہ (حواس خمسہ) میں سے اشرف کا مقام ہے، لہٰذا چہرہ کے علاوہ بطریق اولیٰ (مستحق نار ہوگا) اور ان کو لاجواب کرنے کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ تم کو صرف انہیں اعمال (یعنی شرک و معاصی) کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے آپ

ان سے کہئے کہ مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اس کو محترم بنایا ہے یعنی مکہ کو محترم اور امن والا بنایا نہ اس میں کسی انسان کا خون بہایا جا سکتا ہے اور نہ اس میں کسی پر ظلم کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے شکار (جانور) کا شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی (ہری) گھاس کو اکھاڑا جا سکتا ہے اور یہ انعامات ہیں قریش پر جو اس کے باشندے ہیں، اللہ کے ان کے شہر سے عذاب اور تمام بلاد عرب میں پھیلے ہوئے فتنوں کے اٹھا لینے کی وجہ سے اور اسی کی ملکیت میں ہر شئ ہے پس وہی اس کا رب اور خالق و مالک ہے اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کی توحید کے ساتھ اس کے فرمانبرداروں میں رہوں (اور مجھے اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے) کہ میں تم کو دعوت الی الایمان کے طور پر قرآن پڑھ کر سناتا رہوں چنانچہ جو ایمان کی راہ اختیار کرے گا تو وہ اپنے ہی لئے راہ اختیار کرے گا اس لئے کہ اس کے ایمان کی راہ اختیار کرنے کا ثواب اسی کو ملے گا اور جو ایمان سے بہک جائے گا اور ہدایت کے راستہ سے بھٹک جائے گا تو اس سے کہدو میں تو صرف ڈرانے والا ہوں یعنی خوف دلانے والا ہوں میرے ذمہ تو صرف (پیغام) پہنچا دینا ہے اور یہ (حکم) جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم خود پہچان لوگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کے دن قتل اور قید اور ملائکہ کا ان کے چہروں اور ان کے سرینوں پر مارنا دکھا دیا اور عجلت اللہ ان کو جہنم میں لے گیا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے آپ کا رب غافل نہیں ہے یا اور تا کے ساتھ، ان کو صرف وقت پورا ہونے تک مہلت دینا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا عمومی حشر کے بعد یہ خصوصی حشر تو بیخی ہوگا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور مِمَّنْ يُكَذِّبُ میں مِنْ بیانیہ ہے اس کا مبیّن فَوْجًا ہے فوج اگر چہ تیزی سے حرکت کرنے والی جماعت کو کہتے ہیں مگر یہاں مطلق جماعت کے معنی میں ہے اور جماعت سے ہرامت کے رؤساء کی جماعت مراد ہے۔ **قوله** بِرَدِّ آخِرِهِمْ اِلٰی اَوَّلِهِمْ اگر شارح علیہ الرحمۃ بِرَدِّ اَوَّلِهِمْ علٰی آخِرِهِمْ فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا یعنی آگے جانے والوں کو روکا جائے گا تا کہ پیچھے والے بھی ان کے ساتھ ہو جائیں اور ایک ساتھ ہو کر چلیں (صاوی) **قوله** اَكَذَّبْتُمْ انبیائی بِآیَاتِی یہ استفہام توبیخ کے لئے ہے یعنی تم نے میری آیات کی کیوں تکذیب کی؟ بِآیَاتی كَذَّبْتُمْ کا مفعول اور با تعدیہ کے لئے ہے یعنی تم نے میری آیتوں کی کیوں تکذیب کی؟ مفسر علام نے كَذَّبْتُمْ کا مفعول انبیائی کو مقدر مانا ہے حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی وجہ سے بلا وجہ تکلف کرنا پڑے گا **قوله** ولم تُحِيطُوْا بِهَا عِلْمًا یہ جملہ كَذَّبْتُمْ کی ضمیر سے حال ہے اور سابق انکار و تکذیب کی تاکید ہے یعنی تم نے میری آیات کا بغیر غور و فکر اور بغیر سوچے سمجھے انکار کر دیا جو مواخذہ کا اہم سبب ہے **قوله** اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تعمَلُوْنَ اس کی تقدیر

عبارت یہ ہے اَیُّ الشئِ الذی کنتم تعملونہٗ مَا استفہامیہ بمعنی ای شی مبتداء ذَا موصول بمعنی الذی کنتم تعملونہٗ جملہ ہوکر صلہ موصول صلہ سے مل کر ما مبتداء کی خبر، یعنی یہ بھی بتاؤ کہ تم کیا کرتے رہے کہ تم کو میری آیات میں غور وفکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا؟ **قولہ** وَقَعَ القَوْلُ ای قَرُب وقوعُه یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، وَجَعَلْنَا اللیلَ کے بعد مُظلمًا محذوف ہے اور قرینہ وَالنَّهارَ مُبصِرًا ہے، جس طرح کہ لِیَسکُنُوْا فیہ پر قیاس کرتے ہوئے وَالنَّهارَ مُبصِرًا سے لِیَتصرَّفوا فیہ کو حذف کر دیا گیا ہے، اس کو صنعت احتباک کہتے ہیں، **قولہ** فَفَزِعَ (الآیۃ) نفخہ اولی کو نفخۂ فزع کہتے ہیں اور اسی کو نفخۂ صعق بھی کہا جاتا ہے، سورہ زمر میں نفخہ اولیٰ کو صعق کہا گیا ہے صعق کے معنی ایسی بے ہوشی کے ہیں کہ جس سے موت واقع ہو جائے نفخہ اولیٰ کے وقت اولاً تمام حیوانات پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی اس کے بعد موت واقع ہو جائے گی سوائے ان کے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے اور نفخہ ثانیہ کے بعد ہر مردہ زندہ ہو اٹھے گا، اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا، بعض حضرات نے تین نفخوں کو بیان کیا ہے ⑴ نفخہ زلزلہ جس کی وجہ سے زمین میں زبردست زلزلہ پیدا ہوگا پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے ⑵ نفخہ موت اور تیسرا نفخہ حیات، مگر یہ روایت ضعیف ہے صحیح حدیث سے صرف دو نفخوں کا پتہ چلتا ہے **قولہ** تمرّ مرَّ السَّحابِ المطر مفسر علام نے سحاب کی تفسیر مطر سے فرمائی ہے، یہ تفسیر نہ لغت کے موافق ہے اور نہ عقل ونقل کے سحاب سے اس کے ظاہری معنی ہی مراد ہیں **قولہ** مؤکّدٌ لمضمون الجملۃ قبلہٗ اس کا مطلب یہ ہے کہ صُنْعَ اللّٰہِ ماقبل کے جملہ کے مضمون کی تاکید ہے یعنی نفخ صور اور فزَع پھر موت اور پھر پہاڑوں کا ریگ رواں کی طرح اڑتے پھرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے **قولہ** بالاضافۃ یعنی فزع کی یوم کی طرف اضافت کے ساتھ یوم کے میم پر مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے کسرہ ہوگا، اور یوم مفتوح بھی ہو سکتا ہے بنی برفتحہ ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ یوم اِذ کی طرف مضاف ہے جو کہ مبنی الاصل ہے، گویا کہ یوم کے میم میں دو قراءتیں ہیں میم کا کسرہ اور فتحہ **قولہ** وفزعٍ مُنَوّنًا اس کا عطف اضافۃ پر ہے یعنی یوم کو اضافت کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور بغیر اضافت کے بھی اضافت کے ساتھ پڑھنے میں یوم کے میم میں کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں اور عدم اضافت کی صورت میں میم پر صرف فتحہ ہی درست ہے **قولہ** موضع الشرف من الحواس حواس خمسہ باطنہ تو کل کے کل سر ہی میں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے، دماغ نرم اور متخلل مخروطی یعنی مثلث شکل کا ایک جرم ہے اس کے تین حصہ ہیں جن کو بطون کہتے ہیں ⑴ بطن مؤخر زاویۂ حادہ کی طرف ہے اور ⑵ بطن اوسط، دونوں کے درمیان میں ہے، ⑶ بطن مقدم سب سے بڑا ہے، اور یہی حس مشترک اور قوت خیال کا مقام ہے، بطن مؤخر جو گدی کی طرف ہے بہ نسبت مقدم کے چھوٹا ہے، اور یہ قوۃ حافظہ کا مقام ہے، بطن اوسط سب سے چھوٹا ہے اور قوت متصرفہ اور قوت واہمہ کا مقام ہے (کاتونچہ ترجمہ قانونچہ) اور حواس خمسہ ظاہرہ میں سے سوائے قوۃ لامسہ کے بقیہ چار، سر میں ہیں ⑴ قوۃ باصرہ ⑵ قوۃ سامعہ ⑶ قوۃ شامہ ⑷ قوۃ ذائقہ البتہ پانچویں قوۃ لامسہ یہ پورے بدن میں عام ہے قوۃ لامسہ تمام قوتوں میں سب سے زیادہ بلید حس ہے جب تک اس سے مس نہ ہو

احساس نہیں کرسکتی **قولہ فقل لہ انما انا من المنذرین** یہ جملہ مَنْ ضَلَّ کی جزاء ہے اور لَہٗ رابطہ ہے۔

تفسیر و تشریح

یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوْجًا (الآیۃ) اعمال اور عقائد کے اعتبار سے انسانوں کے مختلف گروہ بنا دیئے جائیں گے ہر درجہ کے مجرم الگ الگ جماعتوں میں ہوں گے مذکورہ مطلب اس صورت میں ہوگا جبکہ یُوْزَعُوْنَ کو ایزاع سے مانا جائے ایزاع کے معنی ہیں تقسیم کرنا یقال اَوْزَعَ المالَ مال تقسیم کیا اور اگر وَزْعٌ سے مضارع مجہول مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے جمع کرنا منتشر نہ ہونے دینا یعنی آگے والوں کو زیادہ آگے نہ بڑھنے دینا اور پیچھے والوں کو زیادہ پیچھے نہ رہنے دینا، علامہ محلی نے یہی معنی مراد لئے ہیں حتّٰی اِذَا جَاءُوْا جب موقف میں سب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور بغیر سوچے سمجھے میری آیتوں کو جھٹلاتے رہے، یعنی اگر سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتے اور فکر و تدبر سے کام لیتے اس کے بعد آیتوں کی تکذیب کرتے اور پھر حق تک رسائی نہ ہوتی تو قدرے عذر کی بات ہوسکتی تھی مگر تم نے تو سرے سے غور و فکر ہی نہیں کیا لہٰذا تم دہرے مجرم ہو جس کی وجہ سے اس جرم کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔

اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ یہ استثناء فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ سے ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ نفوس ایسے بھی ہوں گے کہ جن پر حشر کے وقت کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی، یہ کون نفوس ہوں گے؟ مفسر علام نے چاروں فرشتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے شہداء مراد لئے ہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان سے شہداء مراد ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے عرش کے گرد جمع ہوں گے، قشیری نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اس میں بدرجہ اولیٰ شامل ہوں گے سورۂ زمر میں فَزِعَ کے بجائے صَعِقَ کا لفظ آیا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ صعق کے معنی بے ہوش ہونے کے ہیں اور مراد اولاً بے ہوش ہو جانا اور پھر مر جانا ہے۔

وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُھَا جَامِدَۃً وَّھِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر اس طرح چلیں گے جیسا کہ گھنا محیط بادل کہ دیکھنے والا ان کو جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہوتے ہیں، مفسر علام نے واقفۃ مکانھا لعظمھا سے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب جن پہاڑوں کو تو اس وقت بڑی مضبوطی کے ساتھ جما ہوا دیکھ رہا ہے جن کے بارے میں اپنی جگہ سے اکھڑنے اور چلنے کا تصور بھی نہیں ہوتا یہی پہاڑ قیامت کے دن روئی کے گالوں کی طرح اڑے پھریں گے **ھٰذِہِ الْبَلْدَۃ** بلدۃ سے مراد مکہ ہے، اس کا بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اسی میں بیت اللہ ہے اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرمت والا بنایا مطلب یہ کہ اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا، ہری گھاس اکھاڑنا، حتی کہ کانٹا توڑنا بھی منع ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز، مسلم کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وصیدہا)

بسم الله الرحمن الرحيم

سُوْرَةُ القَصَصِ

سُوْرَةُ القَصَصِ مكِّيَّةٌ الا اِن الَّذى فَرَضَ الأيةِ نزلت بالجُحفة والا الذِين اٰتَيْناهُم الكتٰبَ الٰى لا نَبْتَغِي الجَاهِلِيْنَ وهى سَبْعٌ اَو ثمان وثمانُونَ اٰيةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ طٰسٓمٓ ○ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بذٰلك تِلْكَ اى هٰذه الأيات اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الإضافةُ بمعنى مِن الْمُبِيْنِ المُظْهِر الحقَّ مِن الباطِلِ نَتْلُوْا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ خَبَرِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ لِاَجلِهِمْ لاَنَّهُمْ المُنْتَفِعُوْنَ به اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا تعَظَّمَ فِى الْاَرْضِ اَرضِ مِصْر وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا فِرَقًا فى خِدمتِه يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ وهُم بَنو اسرائيل يُذَبِّحُ اَبْنَاءَهُمْ المَولُوْدِيْنَ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ يَسْتَبْقِيهِنَّ اَحياءً لقولِ بَعضِ الكَهَنَةِ له اِنَّ مولودًا يُولد فِي بنى إسرائيل يَكونُ سببَ ذِهابِ مُلْكِكَ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ بالقَتلِ وغَيرِه وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً بتحقيق الهمزتين وإبدال الثانية ياءً يُقتَدٰى بهم فى الخير وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ ○ مُلكَ فِرعَونَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ اَرضِ مِصرَ والشامِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا وفى قِراءة ويَرٰى بفتح التحتانية والراء و رَفعِ الاسماء الثلٰثة مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ○ يَخافون من المولودِ الذى يذهب مُلكهم على يديه وَاَوْحَيْنَآ وَحْىَ اِلهامٍ او منامٍ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى وهو المَولودُ المذكورُ ولم يشعُر بوِلادَتِه غيرُ اخته اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ البحر اى النِّيل وَلَا تَخَافِيْ غرقَه وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ لفراقه اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ فارضَعتْه ثلٰثةَ اشهُر لايَبكى وخافتْ عليه فوضعتْه فى تابوتٍ مَطْلِيّ بالْقارِ من داخلٍ مُمَهَّدٍله فيه واَغْلَقتْه واَلقتْه فى بحر النِّيل لَيلا فَالْتَقَطَهٗ بالتابوت صبيحَة اللَّيلِ اٰلُ اعوانُ فِرْعَوْنَ فوضعوه بَين يَدَيْهِ وفُتحَ واُخرِجَ موسٰى منه وهو يمصُّ من اِبهامه لَبنا لِيَكُوْنَ لَهُمْ اى فى عاقبةِ الامرِ عَدُوًّا يقتل رجالَهم وَّحَزَنًا ۗ يستعبد نساءَ هُم وفى قراءة بضم الحَاء وسكون الزاى لغتان فى المَصدر وهو هنا بمعنى إسم الفاعلِ من حزنه كاَحْزَنَه اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وزيره وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ○ من الخطيئة اى عاصِين فعُوقِبُوا علٰى يده وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ وقد هَمَّ مع اعوانه بقتله هو قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۗ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ

عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا فاطاعوها وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ○ بعاقبةِ امرِهم معه وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی لَمّا عَلِمت بالتقاطِه فٰرِغًا ممّا سِواه اِنْ مُخففة مِن الثَّقيلةِ واسمُها محذوف اى انها كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ اى بانه ابنُها لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا بالصبرِ اى سَكَّنّاه لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ○ المُصدقين بوعدِ اللّٰهِ وجواب لولا دَل عليه مَا قبلَها وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ مريمَ قُصِّیْهِ ۡ اتبعی اثَرَه حتی تعلمی خبرَه فَبَصُرَتْ بِهٖ اى اَبْصَرَتْه عَنْ جُنُبٍ من مكان بعيد اختلاسًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ○ۙ انها اُختُه وانها ترقُبُهٗ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ اى قَبلَ رَدِّه الٰى اُمه اى منعناه مِن قَبول ثَدی مُرضِعَةٍ غير اُمه فلم يقبلْ ثدیَ واحدةٍ من المَراضِع المحضرةِ فَقَالَتْ اختُه هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَیْتٍ لمّا رَاتْ حُنُوَّهُمْ عليه یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ بالاِرْضَاعِ وغيرِه وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ○ وفَسرتْ ضمير له بِالمَلِك جوابا لهم فاُجيبت فجاءَتْ بِاُمه فقَبِلَ ثديَها واَجابَتْهُمْ عن قبولِه بانها طيبةُ الريح طيبة اللَّبن فَاَذِنَ لها بِارضاعه فى بيتها فرجعتْ به كما قال تعالٰى فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا بلقائِه وَلَا تَحْزَنَ حينئذ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بردِّه اليها حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ اى الناسِ لَا یَعْلَمُوْنَ○ۧ بهذا الوعد ولابانَّ هذه اختُه وهذه اُمُّه فمكث عندها الٰى ان فَطَمتْه واَجْرٰى عليها اُجرتَها لكل يومٍ دينارٌ واخذتْها لانها مَالُ حربيٍ فَاَتَتْ به فرعونَ فتربّٰى عنده كما قال تعالٰى حكايةً عنه فى سورة الشُّعراء اَلَم نُربّكَ فِينَا وليدا ولَبِثْتَ فِينَا مِنْ عمرِكَ سِنِيْنَ

ترجمہ

طٰسٓمّٓ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی بہتر جانتا ہے یہ آیات کتاب مبین کی آیات ہیں آیات الکتاب میں اضافت بمعنی مِن اور مبین سے مراد حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی کتاب کی آیات ہیں ہم آپ کے سامنے موسیٰ وفرعون کا صحیح واقعہ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی) مومنین کے لئے اس لئے کہ وہی اس قصہ سے استفادہ کرتے ہیں یقیناً فرعون نے سرزمین مصر میں سرکشی کررکھی تھی اور مصر کے باشندوں کو اپنی خدمت کے لئے فرقوں میں تقسیم کررکھا تھا ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کررکھا تھا اور وہ بنی اسرائیل تھے ان کے نومولود لڑکوں کو قتل کرڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا یعنی زندہ باقی رکھتا تھا، بعض کاہنوں کے اس سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کے خاتمہ کا سبب بنے گا، بلاشبہ وہ قتل وغیرہ کی وجہ سے تھا ہی مفسدوں میں سے اور ہماری مشیت کا تقاضہ یہ ہوا کہ ہم ان پر احسان فرمائیں جن کو ملک میں کمزور کررکھا تھا اور ہم ان کو پیشوا بنائیں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ہمزۂ ثانی کو یا سے بدل کر، تاکہ خیر میں ان کی اقتداء کی جائے اور ہم ان کو فرعون کے ملک کا وارث

بنائیں اور یہ کہ ہم ان کو ملک مصر وشام میں قدرت (اختیار) عطا فرمائیں اور فرعون وہامان اور ان کے لشکر کو اور ایک قرأت میں یَرِیٰ یا اور را کے فتحہ کے ساتھ ہے اور تینوں اسموں (فرعونُ، ہامانُ، جنودُہما) کے رفع کے ساتھ بنی اسرائیل کی طرف سے وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے وہ (فرعونی) اس بچہ سے خوف زدہ تھے جس کے ہاتھوں ان کے ملک کی بربادی مقدر تھی اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کی جانب الہامی یا منامی وحی بھیجی اور (موسیٰ) ہی وہ ولد مذکور ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا علم سوائے ان کی بہن کے کسی کو نہیں ہوا کہ اس کو دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کے بارے میں کوئی خوف معلوم ہو تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا اور نہ اس کے غرق کا اندیشہ کرنا اور نہ اس کی جدائی کا غم کرنا ہم یقیناً اس کو تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے اپنے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں چنانچہ موسیٰ کو تین ماہ تک (ان کی والدہ) دودھ پلاتی رہی کہ موسیٰ روتے (بھی) نہیں تھے اور موسیٰ پر (جب) ذبح کا اندیشہ کیا تو موسیٰ کو ایک اندر سے روغن زِفت (تارکول) لگے ہوئے اور بچھونا بچھے ہوئے تابوت میں رکھ دیا اور اس کو بند کر دیا اور رات کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا تو اسی رات کی صبح تابوت کو آل فرعون یعنی اس کے خدام نے اٹھالیا بعد ازاں تابوت کو فرعون کے سامنے رکھ کر کھولا اور موسیٰ کو تابوت سے نکالا درانحالیکہ وہ اپنے انگوٹھے سے دودھ پی رہے تھے تاکہ انجام کار یہی بچہ ان کا دشمن ہو جائے کہ قبطیوں کے مردوں کو قتل کرے اور رنج کا باعث بنے ان کی عورتوں کو باندی بنائے اور ایک قرأت میں حَزَنًا میں حا کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ ہے مصدر (حزنا) میں یہ دو لغت ہیں، اور مصدر یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہے اور حَزَنًا حَزَنَه (س) سے ہے اور معنی میں اَحْزَنَهٗ کے ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ فرعون اور اس کا وزیر ہامان اور ان دونوں کا لشکر خطا کار تھے (خٰطِئِیْنَ) خطِیْئَة سے مشتق ہے اور معنی نافرمانی کرنے والے کے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے ہاتھ ان کو سزا دلوائی گئی اور فرعون کی بیوی نے کہا جبکہ فرعون نے اپنے مددگاروں کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرو ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں چنانچہ ان لوگوں نے اس کی بات مان لی اور یہ لوگ اس کے ساتھ اپنے انجام کا شعور ہی نہیں رکھتے تھے (ادھر) موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا جبکہ اس کو معلوم ہوا کہ موسیٰ کو فرعون نے اٹھالیا، یعنی موسیٰ کے سوا اس کے دل میں کوئی بات نہ رہی، اِنْ یہ اِنَّ سے مخفف ہے اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّها قریب تھیں کہ وہ اس بات کو ظاہر کر دیں کہ وہ میرا بیٹا ہے اگر ہم اس کے دل کو صبر کے ذریعہ قوی نہ کرتے یعنی اگر ہم اس کے دل کو تسلی نہ دیتے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے یعنی اللہ کے وعدہ کی تصدیق کرنے والوں میں رہے، اور لولا کے جواب پر لولا کا ماقبل (لَتُبْدِیْ) دلالت کر رہا ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ کی بہن مریم سے کہا تو ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا یعنی اس کے پیچھے پیچھے جا تاکہ تو اس کے حال سے باخبر رہے تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی یعنی دور سے خفیہ طور پر دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس بات کی خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ اس کی بہن ہے اور اس

کی نگرانی کر رہی ہے اور ہم نے پہلے ہی یعنی ان کے اپنی والدہ کے پاس لوٹنے سے پہلے ہی دودھ پلانے والوں کی بندش کر رکھی تھی یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ کے علاوہ کسی بھی اَنّا کے پستان قبول کرنے سے منع کر دیا تھا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بلائی گئی انّاؤں میں سے کسی کی پستان کو قبول نہیں کیا تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب موسیٰ پر ان کی شفقت کو دیکھا تو کہا کیا میں تم کو ایسے گھرانے کی نشاندہی کردوں کہ جو تمہارے لئے اس بچہ کی دودھ وغیرہ پلا کر پرورش کردے؟ اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں اور مریم نے لَهُ کی ضمیر کا مرجع ان کے سوال کے جواب میں بادشاہ بنا دیا، چنانچہ مریم کا مشورہ مان لیا گیا، پھر تو وہ اپنی ماں کو بلا لائی تو موسیٰ نے اپنی والدہ کی پستانوں کو قبول کر لیا، اور حضرت موسیٰ کی والدہ نے موسیٰ کے اس کی پستانوں کو قبول کرنے کی وجہ سے سوال کے جواب میں کہا کہ وہ عمدہ خوشبو والی اور عمدہ دودھ والی عورت ہے چنانچہ ان کو اپنے گھر لیجا کر موسیٰ کو دودھ پلانے کی اجازت دیدی گئی، چنانچہ موسیٰ کی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو لیکر واپس چلی آئیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو اس کی والدہ کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں موسیٰ کی ملاقات سے ٹھنڈی ہوں اور تاکہ اس وقت (فراق) کے غم میں نہ رہیں اور تاکہ جان لیں کہ بچہ کو ان کے پاس لوٹانے کا اللہ کا وعدہ سچ ہے لیکن اکثر لوگ اس وعدہ کے بارے میں نہیں جانتے اور نہ یہ بات جانتے ہیں کہ یہ اس کی بہن ہے اور یہ اس کی ماں ہے، موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس دودھ چھڑانے تک رہے اور (فرعون نے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لئے دودھ پلائی کی اجرت ایک دینار یومیہ مقرر کر دی اور حضرت موسیٰ کی والدہ نے اس اجرت کو لے لیا اس لئے کہ حربی کا مال تھا پھر موسیٰ کو ان کی والدہ فرعون کے پاس لے آئیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس تربیت پاتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکایت بیان کرتے ہوئے سورۂ شعراء میں ارشاد فرمایا اَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيْدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِن عمرِكَ سنين۔

ترکیب، تحقیق وتفسیری فوائد

نَتْلُوْا عَلَيْكَ ای بواسطةِ جبرائِيْلَ مِنْ نَبَإِ خبر موسٰى وفرعونَ بالحَقِّ مِنْ تبعیضیہ ہے ای نتلوا عليك بعضَ نَبَأِ موسٰى نتلوا کا مفعول محذوف بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، نتلوا عليك شيئًا من نبأ موسٰى بقول اخفش مِنْ زائدہ بھی ہوسکتا ہے ای نَتْلُوْا عَلَيْكَ نَبَأ موسٰى **قوله** بالحَقِّ یہ نتلوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے ای حال كوننا ملتَبِسِيْنَ بالصدقِ یا نَتْلُوْا کے مفعول سے حال ہے ای کون الخبر ملتبسًا بالصدق **قوله** لاجلهم یہ اشارہ ہے کہ لقوم میں لام تعلیلیہ ہے اور نتلوا سے متعلق ہے یعنی مقصود بالذکر مومنین ہیں اس لئے کہ وہی اس سے منتفع ہوتے ہیں **قوله** اِنَّ فرعون عَلا یہ جملہ مستانفہ ہے، گویا کہ یہ سوال کیا گیا کہ موسیٰ وفرعون کا کیا قصہ تھا؟ تو جواب دیا اِنَّ فرعونَ علی **قوله** يذبّحُ ابناء هم یہ يُسْتَضعفُ سے بدل ہے لقول

بعض الکہنۃ یہ یذبح کی علت ہے **قولہ** نُمَکِّن لَھُمْ فی الاَرْضِ ای نُسَلِّطُھُمْ علی مصر والشام **قولہ** نُرِیَ فرعون اور اس کے معطوفات نُرِیَ کا مفعول اول ہے وَمَا کانُوْا یحذَرُوْنَ مفعول ثانی، جنودھما میں اضافت تغلیباً ہے یعنی لشکر اگرچہ فرعون کا تھا اور ہامان اس کا وزیر تھا اور بادشاہ کے لشکر کو تغلیباً ہامان کا کہہ دیا گیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہامان کا بھی کوئی مخصوص لشکر ہو اور ایک قرأت میں یَرَیٰ ہے اس صورت میں تینوں اسماء فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں گے **قولہ** الی ام موسٰی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے نام میں اختلاف ہے بعض حضرات یُوحانِذ بتاتے ہیں اور قرطبی نے ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ ان کا نام لوخا بنت ہانذ بن لاوی بن یعقوب ہے اس کے علاوہ اور اقوال بھی مذکور ہیں **قولہ** اَنْ اَرْضِعِیْہِ اَنْ تفسیریہ اور مصدریہ دونوں ہو سکتے ہیں **قولہ** ولاَ تخافی غرقَہٗ اوپر کہا گیا تھا فاِذَا خفتِ علیہ اور یہاں کہا جا رہا ہے لاتخافی دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، یہ تعارض لاتَخافِیْ کی تفسیر غَرْقِہٖ سے کرنے کی وجہ سے دفع ہو گیا فاِذا خِفتِ میں ذبح کا خوف مراد ہے اور لاَ تَخافِی میں غرق کے خوف کی نفی ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے القار سیاہ سیال مادہ جو کشتی وغیرہ میں لگایا جاتا ہے تاکہ پانی اثر نہ کرے جیسے تارکول وغیرہ **قولہ** مُمَھَّدٍ یہ تابوت کی صفت ثانیہ ہے صفت اولیٰ مطلی ہے، یعنی تابوتِ چوبی میں تارکول مل دیا تاکہ پانی اثر نہ کرے اور اس میں دھنی ہوئی روئی بچھا دی تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف نہ ہو مُمَھَّدٍ بچھایا ہوا **قولہ** فی عاقبۃ الامر اس سے اشارہ کر دیا کہ لیکون میں لام عاقبت کے لئے ہے نہ کہ علت کے لئے اس لئے کہ اٹھاتے وقت تو مقصد ابن بنانا تھا جوان ہونے کے بعد فرعون اور فرعونیوں کے لئے سبب رنج و غم ہوئے **قولہ** اِنَّ فرعونَ وھامان الخ یہ معطوف علیہ فلتقطہٗ آلُ فرعون اور معطوف وقالت امرأۃ فرعون کے درمیان جملہ معترضہ ہے (جمل) قالت امرأۃ فرعون فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن الریان بن الولید **قولہ** ھو قرۃ عین لی ولکَ ھو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ قرۃ عین مبتداء محذوف کی خبر ہے **قولہ** لَوْ لاَ اَنْ رَّبَطْنَا الخ لولا کا جواب محذوف ہے جس پر لولا کا ماقبل یعنی لَتُبْدِیْنَ دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لولا اَنْ رَّبَطْنَا علی قَلْبِھَا لَاَبَدَتْ اَنّہ اِبْنُھا **قولہ** وَھُمْ لایشعرونَ یہ جملہ آل فرعون سے حال ہے **قولہ** لاختہ مریم مریم حضرت موسیٰ کی حقیقی بہن ہیں بعض حضرات نے مریم کے بجائے کلثمہ اور کلثوم بھی ذکر کیا ہے، والدہ کا نام یوحانذ اور والد کا نام عمران ہے مگر یہ عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم کے والد عمران کے علاوہ ہیں اس لئے کہ دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے (جمل) **قولہ** من مکانٍ بعیدٍ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جُنُبٌ موصوف محذوف کی صفت ہے ای عن مکان بعیدٍ اختلاسًا ای اِختفاءً. حَرَّمْنَا علیہِ المَرَاضِعَ حَرَّمْنَا ای مَنَعْنَا تحریم سے مجازاً منع کرنا مراد ہے اس لئے یہاں تحریم کے شرعی معنی مراد لینا صحیح نہیں ہیں کیونکہ بچہ تکالیف شرعیہ کا مکلف نہیں ہوتا، مَرَاضِع مُرْضِعٌ کی جمع ہے چونکہ دودھ پلانا عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے ۃ

کوترک کردیا گیا ہے جیسے حائض میں۔(روح المعانی)

تفسیر وتشریح

سورۂ قصص اس کو سورۂ موسیٰ بھی کہا جاتا ہے، یہ مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور سے نکلنے کے بعد کفار مکہ کے خوف کی وجہ سے معروف راستہ ترک کر کے غیر معروف راستہ اختیار فرمایا تھا جب غیر معروف راستہ جحفہ (رابغ) کے قریب مکہ جانے والے معروف راستہ میں جا کر ملا تو آپ کو اپنا وطن مالوف مکہ یاد آ گیا، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے فرمایا کہ اے محمد کیا آپ کو اپنا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آرہا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں یاد آرہا ہے، اس پر جبرائیل امین نے قرآن کی یہ سورت سنائی جس کے آخر میں آپ کو اس بات کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے گا وہ آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے اول اجمالاً اور پھر تفصیلاً نصف سورت تک موسیٰ وفرعون کا قصہ بیان ہوا ہے اور آخر سورت میں موسیٰ اور قارون کا قصہ بیان ہوا ہے اس سورت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورت نہ مکی ہے اور نہ مدنی بلکہ مقام جحفہ میں نازل ہوئی جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے۔

قرآن کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو صحیح صحیح اس کی جزئیات کے ساتھ بیان کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر ہزاروں سال قبل کے واقعات کو بالکل اسی طرح بیان کر دینا جس طرح پیش آئے تھے ناممکن ہے، فرعون نے ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور خود بڑا معبود کہلاتا تھا بنی اسرائیل کو نہایت ذلت ومشقت میں مبتلا کر رکھا تھا جتنے بھی مشقت اور ذلت کے کام تھے وہ بنی اسرائیل سے لئے جاتے تھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کو قتل کرا دیتا تھا اور خدمت گذاری کے لئے لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا جس کی وجہ بعض نجومیوں کی یہ پیشین گوئی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچہ کے ہاتھوں فرعون کی ہلاکت اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا، جس کا حل فرعون نے یہ نکالا کہ پیدا ہونے والے ہر اسرائیلی بچے کو قتل کر دیا جائے، حالانکہ اس احمق نے یہ نہیں سوچا کہ اگر کاہن سچا ہے تو ایسا یقیناً ہو کر رہے گا اور اگر وہ جھوٹا ہے تو قتل کروانے کی ضرورت ہی نہیں (فتح القدیر)

وَنُمَكِّنَ لَهُم فِی الْاَرْضِ سے ارض شام مراد ہے جہاں بنی اسرائیل کنعانیوں کی زمین کے وارث ہوئے کیونکہ بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد مصر آنا ثابت نہیں ہے۔(واللہ اعلم)

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی یہاں وحی سے مراد دل میں بات ڈالنا ہے نہ کہ وحی رسالت، مطلب یہ ہے کہ تو بے خوف خطر بچہ کو دریائے نیل میں ڈالدے اور اس کے ڈوبنے یا ضائع ہوجانے کا خوف نہ کر اور نہ اس کی جدائی کا غم، ہم

یقیناً اسے تیری طرف لوٹا دیں گے اور ہم اسے پیغمبر بنانے والے ہیں جب ذبح و قتل کا سلسلہ زیادہ ہوا تو فرعون کی قوم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے جس کے نتیجے میں محنت و مشقت کے کام ہمیں خود کرنے پڑیں، اس اندیشہ کا ذکر انہوں نے فرعون سے کیا، جس پر نیا حکم جاری کر دیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں، حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جو بچوں کے قتل کا سال نہیں تھا، اور موسیٰ قتل کے سال پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سامان اس طرح پیدا فرمایا کہ اول تو ان کی والدہ پر حمل کے آثار ظاہر نہیں ہوئے کہ جس سے وہ فرعون کی چھوڑی ہوئی دائیوں کی نظر میں آجائیں اس لئے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ گذر گیا، لیکن ولادت کے بعد قتل کا خطرہ موجود تھا، جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو سمجھا دیا چنانچہ موسیٰ کی والدہ نے ان کو ایک تابوت میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈالدیا (ابن کثیر) یہ تابوت بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا جو لب دریا ہی تھا اور فرعون کے نوکر چاکروں نے نکال لیا۔

لیکون لَهُمْ عدُوًّا وحَزَنًا میں لام عاقبت کے لئے ہے یعنی انہوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا نہ کہ دشمن سمجھ کر، لیکن انجام ان کے فعل کا یہ ہوا کہ وہ بچہ ان کا دشمن اور رنج و غم کا باعث ثابت ہوا، **إن فرعون وهامان وجنودهما كانوا خطِئِينَ** یہ جملہ ماقبل کی تعلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دشمن کیوں ثابت ہوئے اس لئے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطاکار تھے۔

قالت امرأت فرعون الخ یہ اس وقت کہا جب تابوت میں ایک حسین و جمیل بچہ انہوں نے دیکھا بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قول ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی کے بال نوچ لئے تھے تو فرعون نے اس کے قتل کا حکم دیدیا تھا (ایسر التفاسیر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی نگرانی پر مامور تھیں اور پیچھے پیچھے احتیاط کے ساتھ دور دور چل رہی تھیں جب دیکھا کہ تابوت محل کی طرف مڑ گیا اور فرعون کے خدام نے نکال لیا تو صورت حالی کی خبر اپنی والدہ کو کر دی ان کے والدہ بے قرار ہو گئیں اور ان کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹ گیا قریب تھا کہ وہ یہ ظاہر کر دیں کہ یہ ان کا بچہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو راز کا افشا کر دیتیں، مگر ہماری توفیق سے موسیٰ کی والدہ نے صبر سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بھی یاد آگیا جس میں موسیٰ کو صحیح سلامت واپس لوٹانے کے لئے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی قدرت تکوینی کے حکم سے موسیٰ کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انّا کا دودھ پینے سے روکدیا، چنانچہ بسیار کوشش کے باوجود کوئی انّا انہیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

یہ منظر موسیٰ کی بہن مریم بڑی خاموشی سے دیکھ رہی تھیں بالآخر بول پڑیں کہ میں تمہیں ایسا گھرانا بتادوں کہ جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کردے، چنانچہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ مریم سے کہا کہ جا اس عورت کو لے

چنانچہ مریم اپنی ماں کو جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھیں بلالائی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا تو فرعون نے موسیٰ کی والدہ سے محل ہی میں رہنے کی استدعا کی تاکہ بچہ کی صحیح پرورش اور تربیت ہو سکے، لیکن موسیٰ کی والدہ نے بے اعتنائی اور خودداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لیجائیں، اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اسکی اجرت انہیں شاہی خزانے سے دیدی جائے، سبحان اللہ اللہ کی قدرت دودھ اپنے بچہ کو پلائیں اور اجرت فرعون سے وصول کریں، رب العالمین نے موسیٰ کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقہ سے پورا فرمایا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وهو ثلاثون سنة او وثلث وَاسْتَوٰىٓ اى بلغ اربعين سنة اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا حكمة وَّعِلْمًا ط فقها فى الدّين قبل ان يُبعثَ نبيا وَكَذٰلِكَ كما جزيناه نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ لانفسهم وَدَخَلَ موسى الْمَدِيْنَةَ مدينة فِرعون وهى مُنفُ بعد ان غاب عنه مدةً عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا وقتِ القيلُولةِ فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ اى اِسرائيلى وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ اى قِبطى يُسخِرُ الاسرائيلىَ ليَحمِلَ حطبا الى مطبخ فرعونَ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ فقال له موسى خَلِّ سبيلَه فقيل اِنه قال لموسى لقد هَممت ان اَحملَه عليك فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى اى ضَربَه بجُمعِ كَفه وكَان شديدَ القوةِ والبَطشِ فَقَضٰى عَلَيْهِ اى قتله ولم يكن قَصدُ قَتلِه ودَفنَه فى الرَّملِ قَالَ هٰذَا اى قتلُه مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ط المُهيّج غضبى اِنَّهٗ عَدُوٌّ لابن ادم مُضِلٌّ له مُّبِيْنٌ بين الاضلال قَالَ نادما رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ بقتله فَاغْفِرْلِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ اى المتصفُ بهما اَزلا وابَدا قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ بحق اِنعامِك عَلَىَّ بالمَغفِرةِ اعصِمنى فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا عونا لِّلْمُجْرِمِيْنَ الكافِرين بعد هذه ان عَصمتَنى فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ينتظر ماينالُه من جهة القتيلِ فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ط يَستغيث به على قِبطِى اخرَ قَالَ لَهٗ مُوْسٰىٓ اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ بَيّنُ الغَوايةِ لما فَعلتَه اَمس واليوم فَلَمَّآ اَنْ زائدة اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا لموسى والمُستغيثِ به قَالَ المستغيثُ ظانا انه يَبطِشُ به لِما قال له يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ق اِنْ ما تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ فَسمع القبطى ذلك فعلم اَنَّ القاتلَ موسى فانطلقَ الى فِرْعَونَ فاخبره بذلك فَامر فرعونُ الذَّبّاحِين بِقتل موسى فاخذوا الطريق اِلَيه قال تعالى وَجَآءَ رَجُلٌ هو مؤمنُ اٰلِ فرعونَ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ اٰخِرِها يَسْعٰى يسرِعُ

فِی مَشیِہ من طریقٍ. اَقربَ من طریقِھم قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنَّ الْمَلَاَ من قومِ فرعونَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ یتشاوَرُوْنَ فِیک لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ مِنَ المَدِینۃِ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ۝ فی الاَمرِ بالخُروجِ فَخَرَجَ مِنْھَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ لحوقَ طالبٍ اَو غوثَ اللّٰہِ اِیَّاہ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ قومِ فرعونَ. ع۲

ترجمہ

اور موسیٰ جب اپنی بھر پور جوانی کو پہنچ گئے اور وہ تیس یا تینتیس سال ہیں اور توانا اور تندرست ہو گئے یعنی چالیس سال کے ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا کیا یعنی نبی بنائے جانے سے پہلے ہی ان کو حکمت اور دین کی سمجھ عطا کی اور ہم اسی طرح جیسا کہ موسیٰ کو جزاء دی اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو جزاء دیتے ہیں اور موسیٰ شہر میں یعنی فرعون کے شہر میں جس کا نام مُنْف تھا ایک مدت غائب رہنے کے بعد ایسے وقت میں داخل ہوئے کہ شہر کے لوگ قیولہ کے وقت غافل تھے یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا یہ ایک تو اس کی برادری کا یعنی اسرائیلی تھا اور دوسرا اس کے دشمن کی برادری کا یعنی قبطی تھا (قبطی) اسرائیلی کو اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ لکڑیوں کو فرعون کے مطبخ لے چلے جو موسیٰ کی برادری کا تھا اس نے اس شخص کے خلاف کہ جو ان کے مخالفین میں سے تھا موسیٰ سے فریاد کی تو موسیٰ علیہ السلام نے قبطی سے کہا تو اس کو چھوڑ دے (جانے دے) کہا گیا ہے کہ اس قبطی نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا میں ارادہ کر چکا ہوں کہ لکڑیاں تیرے سر پر رکھ دوں جس پر موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک گھونسا مار دیا یعنی ہاتھ بند کر کے مکا مار دیا موسیٰ بہت قوی اور سخت گرفت والے تھے چنانچہ موسیٰ نے قبطی کو قتل کر دیا حالانکہ اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا، اور اس کو ریت میں دفن کر دیا اور موسیٰ نے فرمایا یہ قتل شیطانی حرکت ہو گئی جو میرے غصہ کو بھڑکانے والا ہے بلاشبہ شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے غلطی میں ڈالدیتا ہے نادم ہو کر عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے قبطی کو قتل کر کے خود اپنے اوپر ظلم کر لیا آپ مجھے معاف فرما دیں اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بلاشبہ وہ غفور و رحیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں صفات کے ساتھ ازلاً و ابداً متصف ہیں، موسیٰ کہنے لگے اے میرے رب میرے اوپر تیرے مغفرت کا انعام فرمانے کے صدقہ میں میری حفاظت فرما اگر تو نے میری حفاظت کی تو میں آئندہ مجرمین کا مددگار نہ بنوں گا پھر موسیٰ علیہ السلام نے خوف و دہشت کی حالت میں صبح کی یہ انتظار کرتے ہوئے کہ مقتول کی جانب سے ان کو کیا (معاملہ) پیش آتا ہے، تو اچانک (کیا دیکھتے ہیں) کہ وہی شخص جس نے گزشتہ کل موسیٰ سے مدد چاہی تھی ایک دوسرے قبطی کے خلاف موسیٰ کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے تو موسیٰ فرمانے لگے بے شک تو ہی صریح بدراہ ہے، اپنی اس حرکت کی وجہ سے جو تو نے کل اور آج کی چنانچہ جب موسیٰ نے اس شخص کی طرف ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا دشمن تھا یعنی موسیٰ اور اسرائیلی کا اَنْ زائدہ ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فریادی (اسرائیلی) سے اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ کا جملہ کہا تو فریادی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ (شاید آج) وہ میری گرفت

کریں گے کہنے لگا اے موسیٰ کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے بس تم دنیا میں اپنا زور بھلانا چاہتے ہو صلح کرانا نہیں چاہتے چنانچہ قبطی نے جب یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ (کل کا) قاتل موسیٰ ہے چنانچہ قبطی نے فرعون کے پاس پہنچ کر اس کی خبر کر دی تو فرعون نے جلادوں کو موسیٰ کے قتل کا حکم صادر کر دیا چنانچہ جلاد اس کی طرف روانہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آل فرعون کا ایک مومن شخص شہر کے پرے کنارے سے دوڑتا ہوا یعنی جلادوں کی بہ نسبت مختصر راستہ سے تیزی سے چلتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا اے موسیٰ فرعون کی قوم کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا تو شہر سے نکل جا اور میں خروج کے مشورہ کے معاملہ میں تیرا خیر خواہ ہوں پس موسیٰ وہاں سے خوف زدہ ہو کر تلاش کرنے والوں کے پہنچنے (کا اندیشہ کرتے ہوئے) یا اللہ کی مدد کا انتظار کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے کہنے لگے اے میرے پروردگار تو مجھے ظالم قوم یعنی فرعون کی قوم سے بچا لے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله وَاسْتَوٰی ای بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سنةً مفسر علام اگر اِسْتَوٰی کی تفسیر انتھی شبابه وتکامل عقله سے فرماتے تو زیادہ ظاہر اور مناسب ہوتا، اس لئے کہ مدین حضرت شعیبؑ کی خدمت میں دس سال قیام کرنے کی بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر کی واپسی ہوئی اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی عمر اس وقت چالیس کی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام مصر میں تیس سال رہا اور اگر مصر میں حضرت موسیٰؑ کا قیام چالیس سال مان لیا جائے جیسا کہ مفسر علام نے فرمایا ہے تو مدین سے واپسی کے وقت موسیٰ علیہ السلام کی عمر پچاس سال ہونی چاہئے حالانکہ صراحت کے خلاف ہے **قوله** مَنْفَ اس شہر کا نام ہے جہاں فرعون رہتا تھا یہ علمیت اور عجمہ یا علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے اسی شہر کو منوف بھی کہتے ہیں فقضٰی عَلَیْهِ یہ اَوْقَعَ القضاء کے معنی میں ہونے کی وجہ سے متعدی بعلیٰ ہے **قوله** وَلَمْ یکن قصدهٗ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خلاف شرع ایسی جرأت کیوں کی کہ ایک غیر واجب القتل شخص کو قتل کر دیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ قتل خطا تھا، اب رہا اس قتل پر استغفار تو یہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے تھا **قوله** هٰذا ای قتله کہہ کر هٰذا کے مشار الیہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ مراد فعل قتل ہے اور بعض حضرات نے هٰذا کا مشار الیہ فعل مقتول کو قرار دیا ہے یعنی مقتول کا فعل یعنی قبطی کا اسرائیلی پر زور زبردستی کرنا یہ فعل شیطانی عمل تھا جو کہ قابل مواخذہ تھا اور بعض حضرات نے هٰذا کا مشار الیہ خود قبطی کو قرار دیا ہے یعنی قبطی خود شیطانی لشکر اور اس کی جماعت کا فرد تھا، اور موسیٰؑ کا اِنّی ظلمتُ نفسی فرمایا تواضع اور کسر نفسی کے طور پر تھا **قوله** قَالَ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ بِحَقِّ اِنْعَامِكَ عَلَیَّ مفسر علام نے بِمَا اَنْعَمْتَ کی تفسیر بحق انعامك سے کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اول یہ کہ ما مصدریہ ہے یعنی اَنْعَمْتَ بمعنی اِنعامك ہے اور کلام حذف مضاف کے

ساتھ ہے ای بحق انعامك اور تیسری بات یہ کہ اِعْصِمْنِی محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ بحق جار با مجرور اِعْصِمْنِی محذوف کے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِعْصِمْنِی بِحَقِّ اِنْعَامِكَ عَلَیَّ بالمغفرۃ **قولہ** فَلَنْ اکونَ ظَهِیْرًا للمجرمِیْنَ یہ جملہ شرط محذوف کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ اعْصَمْتَنِیْ فَلَنْ اَکُوْنَ ظهیرًا للمجرمین **قولہ** بعد هذہ ای بعد هذہ المرۃ مفسر علام کا مجرمین کی تفسیر کافرین سے کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اس تفسیر کے مطابق اسرائیلی کا کافر ہونا لازم آتا ہے بہتر ہوتا ہے کہ مجرمین کو علی حالہ رہنے دیتے۔ (جمل ملخصاً) **قولہ** فَاَصْبَحَ فی المدینة خائفاً یترقب مدینہ سے وہی شہر مراد ہے جس میں قبطی مقتول ہوا تھا **قولہ** خائفًا یہ اصبح کی خبر ہے اور فی المدینة اس کے متعلق ہے اور یَتَرَقَّبُ کا مفعول محذوف ہے ای یَتَرَقَّبُ المکروہ ، او الفرج ، او الخبر ، هل وصل لفرعون ام لا یعنی یَتَرَقَّبُ کے مختلف مفعول محذوف ہو سکتے ہیں جیسا کہ اوپر ظاہر کردیئے گئے ہیں **قولہ** اِذَا الَّذِیْ اذا مفاجاتیہ ہے اَلَّذِیْ موصول استنصرہ اس کا صلہ موصول صلہ سے مل کر موصوف محذوف الاسرائیلی کی صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء یَسْتَصْرِخُهٗ خبر، بِالْاَمْسِ متعلق ہے استنصرہ کے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا الإسرائیلی الذی اسْتَنْصَرَهٗ بالامسِ یَسْتَصْرِخُهٗ **قولہ** یَسْعٰی رَجُلٌ کی صفت ہے یَسْعٰی رجل سے حال بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ رَجُلٌ من اقصی المدینةِ سے متصف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہو گیا جس کی وجہ سے رجل کا ذوالحال بننا درست ہے اَلْمَلَاُ اسم جمع شریف یہ سرداروں کی جماعت یَاْتَمِرُوْنَ ایتمار (افتعال) سے جمع مذکر غائب وہ مشورہ کر رہے ہیں اِیَّاهُ الضمیر راجع الی موسٰی۔

تفسیر وتشریح

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰی اَشُدٌّ کے لفظی معنی قوت وشدت کے انتہاء پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے بتدریج قوت وشدت کی طرف بڑھتا ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت وشدت آسکتی تھی وہ پوری ہو جاتی ہے، اس وقت کو اشد کہا جاتا ہے، اور یہ زمین کے خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، کسی کا اشد کا زمانہ جلدی آتا ہے اور کسی کا دیر میں، لیکن حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے بروایت عبد بن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو ونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس سال تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استوٰی کہتے ہیں، چالیس سال کے بعد انحطاط اور ضعف شروع ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح وقرطبی بحوالہ معارف) خازن نے کہا ہے کہ اشد اٹھارہ سال سے تیس سال تک ہوتا ہے۔

اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا و عِلمًا بعض حضرات نے حکماً وعلماً سے حکمت اور تفقہ فی الدین مراد لیا ہے اور یہ دونوں چیزیں قبل البعثت عطا کی گئیں، اور بعض کے نزدیک حکم سے مراد نبوت و رسالت ہے اور علم سے احکام شرعیہ کا علم ہے وَدَخَلَ موسی المدینۃ علی حینِ غفلۃٍ من اَھْلِھَا مدینہ سے مراد شہر مصر (مُنف) ہے اور غفلت کے وقت سے بعض حضرات نے دوپہر کا وقت مراد لیا ہے جبکہ لوگ قیلولہ کرتے ہوتے ہیں اور بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت مراد لیا ہے مگر اول راجح ہے، دخل المدینۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ کہیں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔

قال ربِ اِنِّی ظلمتُ نفسی الخ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اس قبطی کافر کا قتل جو موسیٰ سے بلا ارادہ صادر ہو گیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس قتل خطاء کو بھی حسنات الابرار سیئات المقربین کے قاعدہ سے جرم عظیم سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

سوال: یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کافر قبطی شرعی اصطلاح کے اعتبار سے حربی تھا جس کا قتل عمداً وقصداً بھی مباح تھا کیونکہ یہ نہ کسی اسلامی حکومت کا ذمی تھا اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا اس سے کوئی معاہدہ تھا، پھر موسیٰ نے اس قتل خطا کو عمل شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا، اس کا قتل تو بظاہر موجب اجر ہونا چاہئے تھا، کہ ایک مسلمان پر ظلم کر رہا تھا اس کو بچانے کے لئے یہ قتل واقع ہوا۔

جواب: جواب یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی عہد شکنی اور غداری سمجھی جاتی ہے، اسی طرح معاہدہ عملی بھی ایک قسم کا معاہدہ ہی ہوتا ہے، اس کی بھی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مرادف ہے معاہدہ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن و اطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں، ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی جائز نہیں، اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے، اس کا واقعہ یہ تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ اپنے اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کفار کی ایک جماعت کے ساتھ مصاحبت و معاشرت اور معاملات رکھتے تھے، ایک روز ان کو قتل کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا، اَمَّا الاسلام فاقبلُ و اَمَّا المال فلست منہ فی شیئٍ اور ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں اما المال فمال غدر لا حاجتہ لنا فیہ یعنی آپ کا سلام تو ہمیں قبول مگر یہ مال جو کہ غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اس کی ہمیں حاجت نہیں، شارح بخاری ابن حجر نے شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالت امن میں لوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہیں ان کا یہ عملی معاہدہ بھی ایک امانت

ہے جس کی حفاظت کرنا فرض ہے، اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں حالت امن وامان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہوں کسی کافر کا مال لوٹ لینا جائز نہیں قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں یہی بات لکھی ہے:

خلاصہ یہ کہ قبطی کا قتل اس عملی معاہدہ کی بناء پر اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگائی جو عادۃً سبب قتل نہیں ہوتی مگر اتفاقاً قبطی اس ضرب سے مرگیا، تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس کو دفع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا یہ زیادتی میرے لئے درست نہ تھی اسی لئے اس کو عمل شیطان قرار دیکر اس سے مغفرت طلب کی۔

قَالَ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ (الآیۃ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس لغزش کو جب معاف فرما دیا تو آپ نے اس کے شکریہ میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ نے جس اسرائیلی کی مدد کے لئے یہ اقدام کیا تھا دوسرے واقعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ وہ خود ہی جھگڑالو ہے لڑائی جھگڑا اس کی عادت ہے اس لئے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ سے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ منقول ہے اور قتادہ نے بھی تقریباً یہی فرمایا ہے، صاحب جلالین نے غالباً اسی تفسیر کے پیش نظر مجرمین کی تفسیر کافرین سے کی ہے، اس تفسیر کی بناء پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی مدد موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اس کو مظلوم سمجھ کر امداد فرمائی۔

مسئلہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس طرز عمل سے دو مسئلہ معلوم ہوتے ہیں مظلوم اگرچہ کافر اور فاسق ہی کیوں نہ ہو اس کی مدد کرنی چاہئے، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَائِفًا يَّتَرَقَّبُ خائفاً ڈرتے ہوئے یعنی گرفتاری کا خوف کرتے ہوئے یترقبُ کے دو معنی ہیں اور مفسرین نے دونوں ہی معنی کو صحیح قرار دیا ہے اول احتیاط کے طور پر ادھر ادھر جھانکتے ہوئے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں مبتلا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی اعانت اور مدد کی امید کرتے ہوئے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے دوسرے روز اسی اسرائیلی کو ایک دوسرے قبطی سے الجھتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگے تیری ہی شرارت معلوم ہوتی ہے کل بھی تو ایک قبطی سے جھگڑ رہا تھا، اور آج دوسرے سے الجھ رہا ہے، اسرائیلی کو زبانی فہمائش کرنے کے بعد قبطی سے مواخذہ کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا تو قبطی یہ سمجھا شاید میری گرفت کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہے تو اسرائیلی بول اٹھا، اے موسیٰ اتریدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ (الآیۃ) جس سے قبطی کے علم میں یہ بات آگئی کہ کل جو قتل ہوا تھا اس کا قاتل موسیٰ ہے اس نے جا کر فرعون کو خبر کردی جس کے نتیجہ میں فرعون نے موسیٰ کے قتل کے لئے اپنے سرداروں اور ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے موسیٰ کے قتل کا حکم صادر کردیا۔

شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا دوڑتا ہوا آیا اور فرعونیوں کے مشورہ کی خبر دی اور یہ بھی کہا کہ تم فوراً مصر چھوڑ دو اور کسی دوسری جگہ چلے جاؤ، شہر کے کنارے سے آنے والا شخص کون تھا؟ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کا چچا زاد بھائی حزقیل تھا بعض نے شمعون اور بعض نے سمعان بتایا ہے اور در پردہ حضرت موسیٰ کا خیر خواہ اور ہمدرد تھا، بعض کہتے ہیں کہ اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ کا قریبی رشتہ دار تھا۔

وَلَمَّا توجّه قصد بوجهه تِلْقَآءَ مَدْيَنَ جهتها وهي قرية شعيب مسيرة ثمانية ايام من مصر سميت بمدين ابن ابراهيم ولم يكن يعرف طريقها قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ اى قصد الطريق اى الطريق الوسط اليها فارسل اللّٰهُ اليه ملكا بيده عَنَزة فانطلق به اليها وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ بئر فيها اى وصل وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً جماعة كثيرة مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ مواشيهم وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ اى سواهم امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ تمنعان اغنامهما عن الماء قَالَ موسى لهما مَا خَطْبُكُمَا اى شانكما لاتسقيان قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ جمعُ راعٍ اى يرجعوا من سقيهم خوف الزحام فنسقى وفى قراءةٍ يَصْدُرَ من الرُّباعى اى يصرفوا مواشيهم عن الماء وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۞ لايقدر ان يسقى فسقى لهما من بئرٍ اخرى بقربها رفع حجرًا عنها لايرفعه الا عشرة انفس ثُمَّ تَوَلّٰٓى انصرف اِلَى الظِّلِّ سمرة من شدة حر الشمس وهو جائع فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ طعام فَقِيْرٌ ۞ محتاج فرجعتا الى ابيهما فى زمن اقلّ مما كانتا ترجعان فيه فسألهما عن ذلك فاخبرتاه بمن سقى لهما فقال لاحداهما ادعيه لى قال تعالى فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ اى واضعةً كُمَّ درعها على وجهها حياءً منه قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فاجابها منكرًا فى نفسه اخذ الاجرةِ وكانها قصدت المكافاة ان كان ممن يريدها فمشت بين يديه فجعلت الريح تضرب ثوبها فتكشف ساقها فقال لها امشى خلفى ودلّينى على الطريق ففعلت الى ان جاء اباها وهو شعيب عليه السلام وعنده عشاء قال له اجلس فتعش قال اخاف ان يكون عوضًا مما سقيتُ لهما وانا اهل بيتٍ لا نطلب على عملٍ خيرٍ عوضًا قال لاعادتى وعادةُ ابائى نقرى الضيف ونطعم الطعام فاكل واخبره بحاله قال تعالى فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ مصدر بمعنى المقصوص من قتله القبطى وقصدهم قتله وخوفه من فرعون قَالَ لَا تَخَفْ ۪ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞ اذ لاسلطان لفرعون على مدين قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا وهى المرسلة الكبرى او الصغرى يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اتّخذه

اجیرا یرعی غَنَمَنَا ای بَدَلَنَا انَّ خیر من اسْتاجَرْتَ الْقوِیُّ الامِیْنُ ای استاجره لقوته و امانته فسَالها عنهما فاَخبرته بما تَقدَّم من رفعه حَجر البئرِ ومن قوله لها امشی خلفی وزیادة انها لما جاءته وعَلِم بها صوَّب راسَه فلم یرفعه فرغب فی انکاحه قَالَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ وهی الکُبریٰ او الصُّغریٰ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ تکونُ اجیْرًا لی فی رعی غنمی ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ای سنینَ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا ای رعْیَ عشر سِنین فَمِنْ عِنْدِکَ التمامُ ومَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْکَ باشْتراطِ العَشَرِ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ للتَبرک مِنَ الصّٰلِحِیْنَ الوافین بالعهد قَالَ موسی ذٰلِکَ الذی قُلتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ الثمانَ او العشر وما زائدة ای رعیه قَضَیْتُ به ای فرَغْتُ عنه فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ بطَلَب الزّیادةِ علیه وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ انا وانت وَکِیْلٌ حفیظ او شَهِیْدٌ فتمَّ العَقْدُ بذلك وامر شُعیبٌ ابنَهُ انْ یُعطی موسٰی عصًا یدفعُ بها السّباع من غنمه وکانت عِصِیّ الانبیاءِ عنده فوقع فی یدها عصا اٰدَمَ من اٰس الجنّة فاخذها موسی بعلم شعیب

ترجمہ

اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے یعنی مدین کی طرف رخ کیا، مدین شعیب علیہ السلام کی بستی تھی جو مصر سے آٹھ دن کی مسافت پر واقع تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدین بن ابراہیم علیہ السلام کے نام سے یہ بستی موسوم تھی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے راستہ سے واقف نہیں تھے تو کہنے لگے مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے گا، یعنی سیدھے راستہ یعنی مدین کے متوسط راستہ کی رہنمائی کرے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ کو بھیج دیا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، تو وہ فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کی طرف لے چلا، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی یعنی اس کے کنوئیں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہی ہے اور ان لوگوں سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو پانی سے روکے ہوئے ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے معلوم کیا تمہارا کیا معاملہ ہے تم پانی کیوں نہیں پلا رہیں؟ وہ بولیں جب تک چرواہے واپس نہ چلے جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں، الرِّعَاءُ راعٍ کی جمع ہے یعنی جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس نہ چلے جائیں ہم خوف ازدحام کی وجہ سے پانی نہیں پلاتیں (اور جب بھیڑ کم ہو جائے گی) تو ہم پلائیں گی، اور ایک قرأۃ میں یُصْدِرُ رباعی (افعال) سے ہے ای یَصْرِفوا مواشیهم عن الماء (یعنی جب تک اپنے جانوروں کو نہ لوٹا لیں) اور ہمارے والد صاحب بڑی عمر کے بوڑھے ہیں یعنی وہ پانی پلانے پر قادر نہیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان کی بکریوں کو دوسرے کنوئیں سے جو کہ اس کنوئیں سے قریب ہی تھا پانی

پلادیا، ایک بھاری پتھر اس کنوئیں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (تنہا) اٹھادیا کہ جس کو دس افراد (بمشکل) اٹھا سکتے تھے پھر دھوپ کی سخت گرمی کی وجہ سے ببول کے ایک درخت کے سایہ کی طرف لوٹ آئے حال یہ کہ موسیٰ علیہ السلام بھوکے بھی تھے پھر دعاء کی اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت بھی مجھ پر بھیج دیں کھانا (وغیرہ) میں اس کا حاجت مند ہوں، چنانچہ وہ دونوں لڑکیاں (روزانہ) جتنے وقت میں لوٹا کرتی تھیں اس سے کم وقت میں اپنے ابا جان کے پاس لوٹ آئیں، تو ان کے والد نے ان سے جلدی چلے آنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے اس شخص کے بارے میں خبر دی جس نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا تھا، تو ان کے والد نے ان میں سے ایک سے کہا اس کو میرے پاس بلالاؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اتنے میں ان دونوں میں سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی یعنی حضرت موسیٰ سے حیاء کی وجہ سے اپنے کرتے کی آستین کو اپنے چہرے پر رکھے ہوئے کہنے لگی میرے ابا جان آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے (جانوروں) کو پانی پلایا ہے اس کا صلہ دیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لڑکی کی دعوت کو قبول کرلیا، اپنے دل میں اجرت لینے کو ناپسند کرتے ہوئے اور گویا کہ لڑکی کا مقصد بدلہ دینا تھا اگر موسیٰ علیہ السلام اجرت لینا چاہیں پھر وہ لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے آگے آگے چلی اور ہوا اس کے کپڑے کو اڑانے لگی جس کی وجہ سے اس کی پنڈلی کو ظاہر کرنے لگی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میرے پیچھے چلو اور مجھے راستہ بتاتی رہو، چنانچہ لڑکی نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اپنے ابا جان شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی، ان کے پاس شام کا کھانا تیار تھا، حضرت شعیب نے فرمایا تشریف رکھئے اور کھانا تناول فرمائیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (کھانا) ان کے (جانوروں) کو میرے پانی پلانے کا عوض ہو، اور میرا تعلق ایسے گھرانے سے ہے کہ ہم کار خیر پر کوئی اجرت نہیں لیتے، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے بلکہ میری اور میرے آباء واجداد کا یہ معمول ہے کہ ہم مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کھانا تناول فرمایا اور اپنی (پوری) سرگذشت سنائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَهٗ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا (القصص) مصدر ہے مقصوص کے معنی میں ہے یعنی اپنے قبطی کو قتل کرنے اور ان کے ان کو قتل کرنے اور فرعون کے جانب سے اپنے خوف کی پوری سرگذشت سنائی تو شعیب کہنے لگے (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے اس لئے کہ مدین پر فرعون کی سلطنت نہیں ہے ان میں سے ایک نے اور وہ وہی تھی جس کو (بلانے) بھیجا تھا، بڑی یا چھوٹی کہا ابا جان ان کو ملازم رکھ لیجئے (یعنی) ان کو اجیر رکھ لیجئے ہمارے بجائے ہماری بکریوں کو چرائیں گے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں گے ان میں سب سے بہتر وہ ہوگا جو قوی اور امانت دار ہوگا یعنی ان کی قوت اور امانت کی وجہ سے ان کو ملازم رکھ لیجئے، چنانچہ (شعیب علیہ السلام) نے اپنی بیٹی سے ان دونوں صفات کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے وہ

سب باتیں جن کا ذکر اوپر گذرا ہے اپنے والد صاحب کو بتائیں یعنی ان کے کنوئیں کے پتھر کو (تنہا) اٹھانے اور ان کے اس سے یہ کہنے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور مزید کچھ اضافہ کے ساتھ یہ کہ جب میں ان کے پاس پہنچی اور ان کو میری آمد کا علم ہوا تو اپنا سر جھکالیا اور اٹھایا نہیں، چنانچہ شعیبؑ ان سے نکاح کرنے کی طرف راغب ہوئے، تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور وہ بڑی ہے یا چھوٹی اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میرے یہاں ملازمت کرو یعنی تم میری بکریاں چرانے کا کام کرو اور اگر آپ دس سال پورے کردیں یعنی دس سال بکریاں چرائیں تو یہ اتمام آپ کی طرف سے ہوگا اور میں آپ کو دس سال کی شرط لگا کر کسی مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا اور آپ انشاء اللہ تبرک کے لئے ہے مجھے عہد کو وفا کرنے والا پائیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ بات جو آپ نے فرمائی میرے اور آپ کے درمیان مکمل ہوگئی ان دونوں میں سے یعنی آٹھ یا دس سال میں سے جس مدت کو بھی میں پوری کروں اس پر زیادتی کا مطالبہ کرکے مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اَیَّمَا میں مَا زائدہ ہے یعنی چرانے کی مدت کو (پورا کروں) اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ نگہبان ہے یا شاہد ہے، اس بات سے عقد (نکاح) مکمل ہوگیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے کہا (ان کو) ایک عصا دیدیں جس کے ذریعہ بکریوں کی درندوں سے حفاظت کریں (اور انبیاء سابقین کے) بہت سے عصا ان کے پاس موجود تھے چنانچہ لڑکی کے ہاتھ میں آدم علیہ السلام کا عصا آ گیا جو جنت کے درخت مورد کا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ عصا شعیب علیہ السلام کے علم لا کرلے لیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله سَوَاءَ السَّبِیْلِ یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے ای الطریق الوسط سواءَ السَّبِیْلِ کی تفسیر قصدَ السَّبیل سے کی ہے، اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے قصد الطریق کی تفسیر الطریق الوسط سے کی ہے، **قوله** عَنَزَۃ عنزہ عصاء سے بڑا اور نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے نیچے والے سرے پر لوہے کی اَنی ہوتی ہے **قوله** مَاءَ مدینَ کی تفسیر بئرٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ حال بول کر محل مراد ہے اور بئرٌ سے پہلے **هو** مبتداء محذوف ہے بئر اس کی خبر ہے ای هو بئرٌ كائن فيها **قوله** اُمَّۃً کی تفسیر جماعۃ کثیرۃ سے کرکے اشارہ کردیا کہ تنوین تکثیر کے لئے ہے **قوله** تَذُوْدَانِ امراتین کی صفت ہے نہ کہ وَجَدَ کا مفعول ثانی اس لئے کہ وَجَدَ بمعنی لَقِیَ ہے۔

سوال: مندرجہ ذیل چار افعال کے مفعولوں کو کیوں حذف کیا گیا ہے؟ یَسْقُوْنَ تذُوْدَانِ ولاَ نَسْقِیْ اور یُصْدِرُ الرعاءُ (افعال)

جواب: چونکہ مقصود بالذات فعل ہوتا ہے نہ کہ مفعول لہٰذا مذکورہ چاروں فعلوں کے مفاعیل کو حذف کردیا گیا ہے

قوله علی أن تاجرنی فاعل یا مفعول سے حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ای مشروطاً علیّ او عليك ذلكَ **قوله** التمام محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ مِنْ عندكَ مبتداء محذوف کی خبر ہے **قوله** ذلك مبتداء ہے اور بینی وبینك اس کی خبر **قوله** اَیَّمَا الاَجَلَیْنِ ایُّ شرطیہ ہے ما زائدہ ہے فلا عُدْوان جواب شرط ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَمَّا توجَّهَ تِلقاء مدینَ مدین ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے ان ہی نے اس شہر کو بسایا تھا، یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا، مصر سے مدین آٹھ دن کی مسافت پر واقع تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونی سپاہیوں کا طبعی خوف پیش آیا، جو نہ نبوت کے منافی ہے اور نہ توکل کے تو مصر سے ہجرت کا ارادہ فرمایا، اور مدین کی سمت کو شاید اس لئے اختیار کیا کہ مدین بھی اولاد ابراہیم کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ بھی حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے اس لئے کہ حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بالکل بے سروسامانی کی حالت میں نکلے، نہ کوئی توشہ تھا، اور نہ کوئی سامان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا فرمائی عسٰی ربّی ان یهدینی سواء السبیل یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی یہ دعا قبول فرمائی، مدین کے تین راستے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہدایت خداوندی متوسط راستہ اختیار فرمایا فرعونی سپاہی آپ کی تلاش وجستجو میں نکلے اور مشورہ میں یہ طے ہوا کہ بھاگنے والا کبھی سیدھا راستہ اختیار نہیں کرتا ہمیشہ بعید اور غیر معروف راستہ اختیار کرتا ہے لہٰذا موسیٰ نے بھی مختصر اور سیدھے راستہ کو چھوڑ کر طویل اور غیر معروف راستہ اختیار کیا ہوگا چنانچہ فرعونی سپاہیوں نے درمیانی سیدھا راستہ ترک کر کے دشوار اور طویل راستہ اختیار کیا موسیٰ علیہ السلام بخیر وعافیت اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے اور فرعونی سپاہی خائب وخاسر واپس آگئے، مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدیَنَ ماءِ مدینَ سے وہ کنواں مراد ہے جس سے اس بستی کے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلاتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بکریوں کو روکے ہوئے دور کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رحم آیا تو ان سے معلوم کیا کہ تم اپنی بکریوں کو کیوں روکے کھڑی ہو؟ پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہماری عادت یہی ہے کہ ہم مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کے لئے اس وقت تک بکریوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ لوگ کنوئیں پر ہوتے ہیں، قدرتی طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمہارے یہاں کوئی مرد نہیں

کہ جو یہ کام انجام دے سکے تو اس سوال کا جواب انہوں نے خود ہی وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ کہہ کر دیدیا کہ ہمارے والد صاحب بہت ضعیف اور بوڑھے ہیں وہ یہ کام نہیں کر سکتے، اس لئے ہم اس کام کے لئے مجبور ہیں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے، اول ضعیفوں کی مدد کرنا، انبیاء کی سنت ہے، دوسرا بوقت ضرورت اجنبی عورت سے بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، تیسرا شرم وحیا عورتوں کا زیور ہے یہ واقعہ اگرچہ اسلام سے بہت پہلے کا ہے مگر اس وقت بھی دونوں لڑکیوں نے اپنی فطری اور طبعی شرافت کی وجہ سے تکلیف برداشت کرنا تو گوارا کیا مگر مردوں کے ساتھ اختلاط پسند نہیں کیا، چوتھا عورتوں کا باہر کے کاموں کے لئے نکلنا اس وقت بھی ناپسند سمجھا جاتا تھا اسی لئے لڑکیوں نے اپنے باہر نکلنے کا یہ کہہ کر عذر بیان کیا کہ چونکہ ہمارے والد صاحب ضعیف اور بوڑھے ہیں اس لئے بدرجہ مجبوری ہم کو نکلنا پڑا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان لڑکیوں پر ان کی مجبوری کی وجہ سے رحم آگیا اسی کنوئیں سے یا اس کے قریب دوسرے کنوئیں سے جس پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا تھا جس کو بمشکل دس آدمی اٹھا سکتے تھے تنہا اٹھا کر الگ رکھدیا اور ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، اور ببول کے ایک درخت کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مندی کے لئے دعا کرنے لگے۔

ادھر یہ ہوا کہ یہ لڑکیاں اپنے مقررہ وقت سے پہلے گھر پہنچ گئیں تو ان کے والد نے وجہ دریافت کی لڑکیوں نے واقعہ بیان کیا، حضرت شعیب علیہ السلام نے چاہا کہ اس شخص نے احسان کیا ہے اس کی مکافات کرنی چاہئے، اس لئے انہیں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو بلانے بھیجا، یہ حیا کے ساتھ شرماتی ہوئی پہنچی، اور شرماتے ہوئے حیاء کی وجہ سے منہ پر کرتے کی آستین رکھ کر بات کی، اور اپنے والد صاحب کی دعوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچادی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ چل پڑے، ہوا چونکہ تیز تھی جس کی وجہ سے کپڑا اڑتا تھا جس سے اس کی پنڈلی کھل جاتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میرے پیچھے چلو اور اشارہ یعنی دائیں بائیں کہہ کر راستہ بتاتی رہو۔

گھر پہنچ کر حضرت شعیب علیہ السلام سے دعاء سلام ہوئی شام کا کھانا تیار تھا شعیب علیہ السلام نے کھانے کے لئے کہا مگر موسیٰ نے یہ کہہ کر کھانے سے معذرت کردی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نے آپ کی بکریوں کو پانی پلا کر جو نیکی کی ہے یہ کھانا اس کا معاوضہ ہو تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے بلکہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا تو ہمارا خاندانی طریقہ ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کھانا تناول فرمایا کھانے کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پورے واقعہ کی قتل قبطی سے لیکر آخر تک کی پوری روداد سنادی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اب اندیشہ نہ کرو یہ علاقہ فرعون کی حکومت سے خارج ہے وہ یہاں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی نے جس کا نام صفورا بیان کیا گیا تھا اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کو گھر کے کام کاج کے لئے ایک ملازم کی ضرورت ہے آپ ان ہی کو ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازم میں دو صفتوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو کام کی صلاحیت دوسرے امانت و دیانت داری، ہمیں ان کے تنہا پتھر اٹھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت کا اندازہ ہو گیا اور راستہ میں اپنے پیچھے کر دینے سے امانت داری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اِنِّی اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ کہہ کر خود ہی اپنی ایک لڑکی کے نکاح کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی مرد صالح مناسب حال ملے تو پھر لڑکی کے ولی کو اس کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ لڑکے کی طرف سے پیش کش ہو بلکہ خود ہی پیش کش کرنا سنت انبیاء ہے، ابوسعود میں چھوٹی لڑکی کا نام صفیراء اور بڑی کا صفراء لکھا ہے۔

اِحْدَی ابْنَتَیَّ شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو متعین کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو مبہم رکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو آپ کے نکاح میں دینے کا ارادہ ہے، مگر چونکہ یہ باقاعدہ عقد نکاح نہیں تھا جس میں ایجاب وقبول اور گواہوں کا ہونا شرط ہے بلکہ یہ تو معاملہ کی گفتگو تھی تاکہ شرائط معاملہ طے ہو جائیں، مثلاً یہ کہ اگر آپ کو آٹھ سال تک ہمارے یہاں ملازمت منظور ہو تو ہم ایک لڑکی کا نکاح آپ سے کر دیں گے، لہٰذا یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ منکوحہ کی تعیین کے بغیر نکاح کیسے درست ہو گیا؟

علٰی اَنْ تَاجُرَنِی ثَمَانِیَ حِجَجٍ آٹھ سال کی ملازمت وخدمت کو نکاح کا مہر قرار دیا گیا، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی خدمت وملازمت کو اس کا مہر قرار دے سکتا ہے یا نہیں، اول بات یہ ہے کہ مہر کا یہ معاملہ شریعت محمدیہ کے لحاظ سے درست نہ ہو مگر شعیب علیہ السلام کی شریعت کے لحاظ سے درست ہو شرائع انبیاء میں اس قسم کے فروعی مسائل میں فرق ہونا نصوص سے ثابت ہے۔

امام ابوحنیفہ کی ظاہر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدمت زوجہ کو مہر نہیں بنایا جا سکتا، مگر ایک روایت جس پر علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر قرار دینا تو شوہر کے احترام واکرام کے خلاف ہے، مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کا ہو مثلاً بکریاں چرانا یا تجارت وغیرہ اگر اس میں شرائط اجارہ کے مطابق مدت متعین کر دی جائے جیسا کہ اس واقعہ میں آٹھ سال کی مدت متعین کر دی گئی تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ بیوی کے ذمہ لازم ہوگی تو اس تنخواہ کو مہر قرار دینا جائز ہوگا۔ (ذکرہ فی البدائع عن نوادر بن سماعہ بحوالہ معارف)

قولہ فوقع فی یدھا عصاء آدم حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی سے کہا ان کو ایک عصا دیدو تاکہ اس سے بکریوں کی نگرانی کریں، شعیبؑ کے پاس انبیاء علیہم السلام کے متبرک باقیات تھے ان میں حضرت آدم کا مورد کا وہ عصاء بھی تھا جس کو وہ جنت سے ساتھ لائے تھے لڑکی کے ہاتھ میں وہی عصا آ گیا حضرت شعیب چونکہ نابینا تھے، اس

لئے ٹٹول کر معلوم کر لیا کہ یہ آدمؑ کا عصاء ہے یہ کہہ واپس کردیا کہ دوسرا دیدو، اس طرح سات مرتبہ واپس کیا مگر ہر بار وہی عصا ہاتھ میں آتا تھا مجبوراً وہی عصاء حضرت موسیٰ کو دیدیا مگر شعیبؑ کو بعد میں خیال آیا کہ یہ تو انبیاء کی امانت تھی مجھے نہیں دینا چاہئے تھی واپسی کا مطالبہ کیا مگر موسیٰ علیہ السلام نے انکار کردیا اس میں نزاع پیدا ہوا بات زیادہ بڑھ گئی آخر یہ طے ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص آئے وہ جو فیصلہ کرے وہ فریقین کو منظور ہوگا، چنانچہ انسان کی شکل میں ایک فرشتہ آیا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عصاء کو زمین پر ڈالدیا جائے جو اٹھالے وہ لے لے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شعیب علیہ السلام نے اٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اٹھا سکے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اٹھالیا تو ان ہی کو دیدیا گیا۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسٰى الْاَجَلَ اى رَعْيَهُ وهو ثمان او عَشَرَ سِنِيْنَ وهُوَ المَظْنُونُ به وَسَارَ بِاَهْلِه زَوْجَتِه باذن ابيها نحوَ مِصر اٰنَسَ اَبْصَرَ مِن بَعِيْدٍ مِن جَانِبِ الطُّوْرِ اِسْمُ جَبَلٍ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا هُنا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ عن الطَّرِيق وكان قد اخطأها اَوْ جَذْوَةٍ بتثليث الجيم قِطْعَةٍ او شُعْلَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ تَسْتَدْفِئُوْنَ والطاءُ بَدَلٌ من تاءِ الافتعال مِن صَلِي بالنَّار بكسر اللّامِ وفتحِها فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ جَانِبِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ لِمُوْسٰى فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ لِمُوسٰى لسماعِه كلامَ اللهِ فِيهَا مِنَ الشَّجَرَةِ بَدَلٌ مِّنْ شَاطِئِ باعَادَةِ الجَارِ لِنَبَاتِها فِيْه وهِيَ شَجَرَةُ عِنَابٍ او عُلَّيْقٍ اوعوسج اَنْ مُفسِّرَةٌ لا مُخَفَّفَةٌ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۙ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وهي الحيَّةُ الصَّغِيْرَةُ مِن سُرْعَةِ حَرَكَتِها وَّلّٰى مُدْبِرًا هَارِبًا منها وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ اى يَرْجِعْ فَنُوْدِيَ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝ اُسْلُكْ اَدْخِل يَدَكَ اليمنى بمعنى الكَفِّ فِيْ جَيْبِكَ هو طَوقُ القَمِيْصِ واَخرِجها تَخْرُجْ خِلافَ ماكانت عليه من الأُدمةِ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ اى بَرَصٍ فأدخلها واَخرجها تُضِيئُ كشُعَاعِ الشَّمْسِ تُغْشِي البَصَرَ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ بفتحِ الحرفَيْن وسُكُونِ الثانى معَ فتحِ الاوَّلِ وضَمِّه اى الخَوفِ الحَاصِلِ مِنْ إضَاءَةِ اليَدِ بان تُدخلها فى جَيْبِكَ فتَعُوْدَ الى حالَتِهَا الاُوْلٰى وعبّر عنها بالجَناحِ لانها لِلانسانِ كالجناحِ للطائرِ فَذٰنِكَ بالتشديدِ والتخفيف اى العَصَا واليَد وهما مؤنَّثان وانما ذُكِّرَ المشارُ بِهِ اليهما المُبتدأ لِتذكِير خبرِه بُرْهَانَانِ مُرسَلان مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِه ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ

چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کردی یعنی (بکریاں) چرائی کی مدت، اور وہ آٹھ یا دس سال تھی اور

غالب گمان یہ ہے کہ دس سال پورے کئے اور اپنی اہلیہ کو اس کے والد کی اجازت سے مصر کی طرف ہمراہ لیکر روانہ ہو گئے (تو) دور سے طور جو کہ ایک پہاڑ کا نام کی جانب آگ دیکھی تو اپنی اہلیہ سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے راستہ کی خبر حال یہ ہے کہ موسیٰ راستہ بھول گئے تھے یا آگ کا ٹکڑا یا شعلہ لاؤں جِذْوۃ جیم میں تینوں اعراب جائز ہیں تا کہ تم تاپو یعنی تا کہ تم سینکو طاء باب افتعال کی تاء سے بدلی ہوئی ہے، اور یہ صَلِیَ بالنارِ کسرہ لام اور فتحہ لام سے مشتق ہے، پس جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو موسیٰ کو ان کی دائیں جانب وادی کے کنارے درخت سے ندا دی گئی موسیٰ کے لئے مبارک میدان میں ان کے اس میدان میں، اللہ کا کلام سننے کی وجہ سے (یعنی وہ میدان موسیٰ کے لئے نہایت مبارک تھا اس میدان میں ان کو نبوت ملنے اور اللہ سے ہم کلام ہونے کی وجہ سے) مِنَ الشجرۃِ اعادۂ جار کے ساتھ وادی سے بدل ہے اس درخت کے اس وادی میں اگنے کی وجہ سے، اور وہ عناب یا امر بیل یا جھاڑی کا درخت تھا اَنْ مفسرہ ہے نہ کہ مخففہ اے موسیٰ یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار اور (یہ بھی) آواز آئی (اے موسیٰ) اپنی لاٹھی ڈالدے چنانچہ لاٹھی ڈالدی پھر جب اس لاٹھی کو دیکھا کہ سانپ کی طرح حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سریع الحرکت ہونے کے اعتبار سے (جان) یعنی چھوٹا سانپ ہے تو موسیٰ اس سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (تو حکم ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو نہیں یقیناً تم امن میں ہو اور تم اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں داخل کرو اور طوق کرتے کے گریبان کو کہتے ہیں (اپنے) سابق گندمی رنگ کے برخلاف بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا نکلے گا یعنی برص (وغیرہ) کے بغیر چنانچہ ہاتھ کو داخل کیا اور نکالا تو سورج کی شعاعوں کے مانند روشن تھا اور آنکھوں کو (خیرہ) چکا چوند کر رہا تھا اور خوف سے (بچنے کے لئے) اپنے بازو اپنی طرف ملالے دونوں حرفوں کے فتحہ اور دوسرے کے سکون مع فتحہ اول اور ضمہ اول کے یعنی اس خوف سے (بچنے کے لئے) جو ہاتھ کے چمکدار ہونے کی وجہ سے حاصل ہو، بایں طور کہ تم ہاتھ کو (دوبارہ) اپنے گریبان میں داخل کرو تو وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے گا اور ہاتھ کو بازو سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ انسان کے لئے ہاتھ ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لئے بازو، پس یہ دو معجزے تیرے لئے تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجے ہیں ذَانِكَ تشدید اور تخفیف کے ساتھ یعنی عصاء اور ید اور یہ دونوں مؤنث ہیں اور جس اسم اشارہ کے ذریعہ ان دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مبتداء ہے اس کو مذکر لایا گیا ہے، اس کی خبر کے مذکر ہونے کی رعایت کی وجہ سے کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

جُذوَۃ میں تینوں اعراب ہیں، اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے سرے میں شعلہ ہو، موٹی لکڑی کو بھی جذوۃ کہتے ہیں من نارٍ جذوۃ کا بیان ہے فَلَمَّا اَتَاھَا میں ھا کا مرجع نار ہے **قولہ من الشاطی الوادی** میں مِن ابتداء غایۃ

کے لئے ہے اور اَیمن شاطی یا وادی کی صفت ہے اور ایمن یمین سے بمعنی دایاں ہے، اور جانب یمین سے موسیٰ کی جانب یمین مراد ہے اور **فی البقعة** نودی سے متعلق ہے **قوله لسماعه کلام اللّٰه** یعنی وہ میدان موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس لئے مبارک تھا کہ اس میدان میں ان کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور رب العالمین سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، **قوله من الشجرة** یہ شاطی سے بدل الاشتمال ہے، اور وجہ ملابسۃ کی جانب مفسر علام نے لِنَبَاتِهَا فِيهِ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے چونکہ وہ درخت شاطی (کنارہ) میں تھا اس لئے گویا کہ نداء درخت سے آئی، وہ درخت کس چیز کا تھا اس میں تین قول نقل کئے ہیں، اول عناب جو کہ معروف ہے اسکے پھل کو بھی عناب ہی کہتے ہیں جنگلی بیر سے کچھ بڑا اور رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے، دوسرا عُلَّیق یہ درختوں سے لپٹنے والی بیل نما ایک چیز ہوتی ہے، پتے بہت کم ہوتے ہیں، سوئیوں کے مانند پورے درخت پر چھا جاتی ہے جس درخت پر لپٹ جاتی ہے اس کا رس چوس کر خشک کر دیتی ہے، رنگ زرد ہوتا ہے، عوام میں اس کے مختلف نام ہیں آکاش بیل، امربیل، فارسی میں عشق پیچاں کہتے ہیں، طبی نام افتیمون ہے، تیسرا **عوسج** کانٹوں دار ایک جنگلی درخت ہے اس پر چھوٹے چھوٹے کھٹے میٹھے پھل آتے ہیں، جس کو عام طور پر جھڑبیری کہتے ہیں، **قوله** اَنْ مفسرہ بعض حضرات نے اس اَن کو مخففہ عن المثقلہ کہا ہے جو درست نہیں ہے یہ اَن مفسرہ ہے اس سے پہلے چونکہ نودی آیا ہوا ہے جو کہ قول کے ہم معنی ہے لہٰذا اس کا ان مفسرہ ہونا متعین ہے ای نُودِیَ بِاَنْ یا موسیٰ **جانٌّ** چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور **ثعبان** بڑے سانپ کو کہتے ہیں اور **حیة** مطلق سانپ کو کہتے ہیں قرآن کریم میں اس کو جانٌّ بھی کہا گیا ہے اور ثعبان بھی، تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ابتداءً ڈالتے وقت تو جان (چھوٹا) ہوتا تھا مگر بعد میں بڑا ہو جاتا تھا، یا سرعت حرکت کے اعتبار سے وہ چھوٹے سانپ کی طرح سریع الحرکت تھا مگر جسم وجثہ کے اعتبار سے ثعبان اژدہا تھا، **قوله ذُکِّرَ المشارُ به اِلَيهِمَا** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ عصاء اور ید دونوں مؤنث ہیں لہٰذا ان کے لئے اسم اشارہ مؤنث "تان" لانا چاہئے تھا نہ کہ ذانِ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں خبر کی رعایت کی گئی ہے خبر جو کہ برھانان ہے مذکر ہے اس لئے مبتداء کو بھی مذکر لے آئے تا کہ مطابقت ہو جائے **قوله مِنْ رَّبِّكَ** یہ محذوف کے متعلق ہے اور وہ برھانان کی صفت ہے جس کی طرف مفسر علام نے مرسلان نکال کر اشارہ کر دیا ہے اور بعض حضرات نے کائنان محذوف مانا ہے۔

تفسیر و تشریح

فَلَمَّا قَضٰی مُوسَی الْاَجَلَ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدت ملازمت پوری کر دی جو کہ آٹھ سال لازمی اور دس سال اختیاری تھی، حضرت ابن عباسؓ نے دس سال مدت مراد لی ہے، کیونکہ اس مدت کی حضرت موسیٰ کے ضعیف اور بوڑھے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کی خواہش بھی یہی تھی کہ موسیٰ دس سال پورے کریں لیکن اس پر جبر نہیں کر سکتے

تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کریمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خسر کی دلی خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا (فتح الباری کتاب الشہادات) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی عادت مبارکہ تھی کہ حقدار کو اس کے حق سے زیادہ ادا فرماتے تھے اور امت کو بھی اس کی ہدایت فرمائی ہے۔

نُودِیَ مِن شاطِئِ الوادِ الایمن (الآیۃ) یہ مضمون موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں سورۂ طٰہٰ اور سورۂ نمل میں گذر چکا ہے الفاظ اگر چہ مختلف ہیں مگر مضمون تقریباً ایک ہی ہے، اور یہ تجلی بشکل نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہوسکتا اور خود موسیٰ علیہ السلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے لَن ترانی فرمایا گیا یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، مراد مشاہدۂ ذات حق ہے۔

آواز وادی کے کنارے سے آرہی تھی جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف سے تھی اور دائیں جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے تھی اس لئے کہ پہاڑ کی یا کسی بھی چیز کی کوئی دائیں بائیں جانب نہیں ہوتی بلکہ شخص کی دائیں بائیں جانب ہوتی ہے۔

کوہ طور کے اس مقام کو قرآن کریم نے بقعۂ مبارکہ کہا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اس کے مبارک ہونے کا سبب یہ تجلی خداوندی ہے جو اس مقام پر بشکل نار دکھائی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام میں کوئی اہم نیک عمل واقع ہوتا ہے تو وہ مقام بھی متبرک ہوجاتا ہے۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر سرفراز کرنے کے بعد معجزۂ عصاء عطا کیا گیا، معجزہ چونکہ خرق عادت معاملہ کو کہا جاتا ہے جو عام عادات اور اسباب ظاہری کے خلاف ہوتا ہے جو مشیعت خداوندی سے ظاہر ہوتا ہے اس کے ظہور میں کسی بھی انسان کا اختیار و دخل نہیں ہوتا خواہ وہ جلیل القدر پیغمبر مقرب ہی کیوں نہ ہو، اس لئے جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی لاٹھی زمین پر ڈالنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھنکارتی سانپ بن گئی تو حضرت موسیٰ بھی ڈر گئے، جب اللہ تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو موسیٰ کا خوف دور ہوا، دوسرا معجزہ ید بیضاء عطا فرمایا، اس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، مذکورہ دونوں معجزے فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے حضرت موسیٰ نے دلیل صداقت کے طور پر پیش کئے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا هو القِبْطِیُّ السَّابق فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ○ به وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا اَبْيَنُ فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْءًا مُعِينًا وفی قِراءَةٍ بِفَتْحِ الدَّالِ بلا هَمْزَةٍ يُّصَدِّقُنِیْٓ بالجَزْمِ جَوابُ الدُّعاءِ وفی قِراءَةٍ بالرَّفْعِ وجُملَتُه صِفَةُ رِدْءٍ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ○ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ نُقَوِّيكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا غَلَبَةً فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِسُوءٍ اِذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ○ لَهُم فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ وَاضِحاتٍ حالٌ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا

سِحْرٌ مُّفْتَرًى مُختلقٌ وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا كائنا فِيْٓ ايام اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ بواوٍ وبدونها مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ اى عَالِمٌ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ الضَّمِير للرَّبِّ وَمَنْ عَطفٌ على مَنْ تَكُوْنُ بالفوقانيةِ والتَّحتانيةِ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اى العَاقِبَةُ المَحْمُودةُ فِي الدارِ الأخرَةِ اى وَهُوَ اَنَا في الشقين فانا مُحِقٌّ فيما جئتُ به اِنَّهٗ لَايُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ الكافرونَ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَاعَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فاطبَخْ لي الآجُرَّ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا قصرا عاليا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى انظرُ اليه وَاَقِفُ عليه وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فِي ادِّعَائِهٖ اِلٰهًا اٰخر وانه رسولُه وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ بالبناء للفاعل وللمفعول فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ طَرَحْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ البحرِ المالحِ فَغَرِقُوْا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ حِين صَارُوا الى الهلاكِ وَجَعَلْنٰهُمْ فِي الدُّنيا اَئِمَّةً بتحقيق الهَمزتَيْنِ وإبدالِ الثانيةِ ياءً رُؤَسَاءَ في الشِّركِ يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ بدُعائهم الى الشِّركِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَايُنْصَرُوْنَ ۝ بدفعِ العذابِ عنهم وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ خِزيًا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝ المُبْعَدِيْنَ

ع

ترجمہ

موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ سے ان کے ایک شخص کا خون ہوگیا تھا اور وہ وہی سابق قبطی تھا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے عوض میں مجھے بھی قتل کرڈالیں اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے تو اسے بھی (میرا) معاون بنا کر بھیج دیجئے ایک قرأۃ میں رِدًا دال کے فتحہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے ہے وہ میری تائید کریں گے یُصَدِّقُنِیْ جزم کے ساتھ جواب دعاء (ارسِلْهُ کا) اور ایک قرأۃ قاف کے رفع کے ساتھ جملہ ہوکر ردءً ا کی صفت ہونے کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں، ارشاد ہوا ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں (یعنی) تم کو تقویت پہنچائے دیتے ہیں اور ہم تم کو غلبہ عطا کریں گے جس کی وجہ سے وہ تم پر بدنیتی سے دست رس نہ ہوگے ہماری نشانیاں (معجزے) لیکر جاؤ تم اور تمہارے متبعین ان پر غالب رہو گے غرض جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری صریح نشانیاں لے کر آئے بَیِّنٰتٍ حال ہے ان لوگوں نے کہا یہ تو گھڑا ہوا جادو ہے اور ہم نے نہیں سنا کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے زمانہ میں ایسی بات ہوئی ہو، اور موسیٰ کہنے لگے میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آتا ہے ایک قرأت میں واؤ کے ساتھ (وقال) ہے اور ایک میں بغیر واؤ کے (قال) (عندہ) کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے، اور اس کو (بھی جانتا ہے) جس کے لئے آخرت میں (اچھا) انجام

ہے یعنی بہتر انجام ہے آخرت میں، یعنی وہ دونوں صورتوں میں میں ہی ہوں، سو میں جو کچھ لایا ہوں میں اس میں حق پر ہوں، یقیناً ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے یکون میں یا اور تا دونوں قرأتیں ہیں فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو تمہارا اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا، اے ہامان! تو میرے لئے مٹی کو آگ میں (پزاوا) لگوا کر پکوا یعنی پکی اینٹیں بنوا اور میرے لئے ایک اونچی عمارت بنوا اونچا محل تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو جھانکوں اس کو دیکھوں اور اس سے واقف ہو جاؤں اور میں تو موسیٰ کو اس کے اس دعویٰ میں کہ (میرے علاوہ کوئی) دوسرا معبود ہے اور یہ کہ وہ اس کا رسول ہے جھوٹا سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کے لشکر نے دنیا میں ناحق سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہی نہیں ہے (یُرْجَعُوْنَ) معروف اور مجہول دونوں قرأتیں ہیں سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا دریائے شور میں، چنانچہ وہ غرق ہو گئے سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ جب وہ ہلاکت کی طرف چلے اور ہم نے ان کو دنیا میں ایسا پیشوا بنایا کہ لوگوں کو شرک کی دعوت کے ذریعہ جہنم کی طرف بلاتے تھے (أئمة) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو یا سے بدل کر، یعنی شرک میں رئیس بنایا اور قیامت کے روز ان سے عذاب دفع کر کے (مطلقاً) مدد نہ کئے جائیں گے اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت رسوائی لگا دی اور قیامت کے روز بھی وہ دھتکارے ہوئے لوگوں میں ہوں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله رِدْءًا اَرْسِلْهُ کی ضمیر سے حال ہے بمعنی مددگار جواب الدعاء اصل میں جواب امر کہنا چاہئے تھا مگر ادباً جواب دعاء کہا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جوامر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں وہ دعاء ہی کہلاتے ہیں **قوله** سَنَشُدُّ عَضُدَكَ اس میں مجاز مرسل ہے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لئے کہ قوت بازو قوت شخص کو مستلزم ہوتی ہے **قوله** بِاٰيٰتِنَا یہاں آیات سے عصا اور ید ہی مراد ہیں مگر دو پر جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک متعدد آیات پر مشتمل تھا قوله بَيِّنَاتٍ آیات سے حال ہے **قوله** اَعْلَمُ ای عَالِمٌ اَعْلَمُ کی تفسیر عالِمٌ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے، سوال یہ ہے کہ اسم تفضیل اسم ظاہر کو نصب نہیں دیتا، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہے وتكونُ عام قراء نے تا کے ساتھ پڑھا ہے، لَهٗ تکون کی خبر اور عاقبةُ اس کا اسم ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تکون کے اندر ضمیر ھی اس کا اسم ہو اور لَهٗ عاقبة الدار جملہ ہو کر محل میں خبر کے اور شِقَين شق کا تثنیہ ہے بمعنی کنارہ کے معنی دو کنارے یہاں مَنْ جاء بالهدیٰ اور مَنْ یکون لهٗ عاقبةُ الدار مراد ہیں **قوله** يَوْمَ القيٰمة هم من المقبوحين يوم القيٰمة مقبوحين کے متعلق بھی ہو سکتا ہے مگر ظاہر یہ

ہے کہ محذوف کے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے قبحوا یوم القیٰمۃ ہم من المقبوحین ، مقبوحین قبحوا کی تفسیر کررہا ہے مقبوحین مقبوح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بگڑا ہوا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے مسخ ہو کر سیاہ اور آنکھیں نیلی ہو جائیں گی، مقبوح اسم مفعول (ک،ف)

تفسیر وتشریح

قَالَ رَبِّی اِنِّی قَتَلْتُ مِنْھُمْ نَفْسًا یہ ایک واقعی خطرہ تھا جو حضرت موسیٰ کی جان کو لاحق تھا، کیونکہ ان کے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا، اسرائیلی روایات کے اعتبار سے حضرت موسیٰ کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کے انگارے اور کھجور یا موتی رکھے گئے تھے تو آپ نے انگارا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی زبان جل گئی تھی، رواں گفتگو نہ کرنے کی وجہ کوئی بھی ہو قرآن کریم کی نص سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ فصیح الکلام تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی جس کے کھولنے کی دعاء انہوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں حضرت ہارون علیہ السلام کو کار رسالت میں شریک کرنے کی دعاء فرمائی جو قبول کر لی گئی، حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ کا معاون و مددگار بنا دیا گیا اور حکم دیدیا کہ تم دونوں فرعون اور فرعونیوں کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے دعوت حق پیش کرو اور ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ہم تمہاری حفاظت فرمائیں گے فرعون اور اس کے حواری موالی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت موسیٰ وہارونؑ فرعون کے دربار میں

ان دونوں حضرات نے فرعون اور فرعونیوں کو مدلل طریقہ پر دعوت توحید پیش کی فرعون کے تمام شکوک وشبہات کو دفع کیا فرعون جب لاجواب ہو گیا تو کٹ حجتی پر اتر آیا اور اپنے وزیر ہامان کو بلا کر حکم دیا کہ پختہ اینٹوں کی ایک نہایت ہی بلند و بالا عمارت بنواؤ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون کے اس واقعہ سے پہلے پختہ اینٹوں کی تعمیر کا رواج نہ تھا، پختہ اینٹ کی تعمیر فرعون کی ایجاد ہے، تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے اس محل کی تعمیر کے لئے پچاس ہزار معمار جمع کئے مزدور اور لوہے لکڑی کے کام کرنے والے ان کے علاوہ تھے، اور محل کو اتنا اونچا بنایا کہ اس زمانہ میں اس سے زیادہ بلند عمارت نہیں تھی جب عمارت مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا، انہوں نے ایک ضرب میں اس محل کے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا جس میں فرعون کے ہزاروں آدمی دب کر مر گئے۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى قَوْمَ نُوحٍ وعادٍ ثمودَ وغيرهم بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ حَالٌ مِنَ الكِتَابِ جَمْعُ بَصِيْرَةٍ وَهِيَ نُوْرُ الْقَلْبِ اى اَنْوَارًا لِلْقُلُوْبِ وَهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ لِمَنْ عَمِلَ بِهِ وَّرَحْمَةً لِمَنْ اٰمَنَ بِهِ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ○ يَتَّعِظُوْنَ بما فِيْهِ مِنَ الْمَوَاعِظِ وَمَا كُنْتَ يا مُحَمَّدُ بِجَانِبِ الْجَبَلِ اوِ الوَادِى او المكان الْغَرْبِيِّ مِنْ مُوْسٰى حِيْنَ الْمناجَاةِ اِذْ قَضَيْنَآ اوحَيْنَا اِلٰى مُوسَى الْاَمْرَ بالرِّسَالَةِ الٰى فِرعَوْنَ وقومِه وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ لا لِذلِكَ فَتَعْرِفُه فتُخْبِرُ به وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا اُمَمًا بَعْدَ مُوسٰى فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ج اى طَالَتْ اَعْمَارُهم فنسوا العُهُودَ وَانْدَرَسَتْ العلومُ وانقطع الوَحْيُ فجئنا بك رَسُوْلاً واَوْحَيْنَا اِلَيْكَ خَبَرَ مُوْسٰى وغيرِه وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا مُقِيمًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِنَا خبرٌ ثانٍ فَتَعرِفُ قِصَّتَهم فَتُخبِرُ بِهَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ○ لَكَ واِلَيْكَ باخبارِ المُتَقَدِّمِينَ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ الجَبَلِ اِذْ حِين نَادَيْنَا مُوسٰى اَنْ خُذِ الكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَلٰكِنْ اَرسَلْنَاكَ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ وهم اَهلُ مَكَّةَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ○ يَتَّعِظُوْنَ وَلَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ عُقُوْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ من الكُفر وغَيْرِه فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلاً فَنَتَّبِعَ اٰيَاتِكَ المرسَلَ بِهَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ وَجَوابُ لو لا مَحْذُوفٌ ومَا بعدَهَا مُبتدأٌ والمَعْنٰى لَوْلَا الاصابةُ المُسَبَّبُ عنها قَوْلُهُمْ اولَو لَا قولُهُم المُسَبَّبُ عنها لَعَاجَلْنَاهُمْ بِالعُقُوبَةِ وَلَمَا اَرسَلْنَاكَ اِلَيْهِمْ رَسُوْلاً فَلَمَّا جَآءَ هُمُ الْحَقُّ مُحَمَّدٌ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ هَلَّا اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ط مِنَ الاٰيَاتِ كَالْيَدِ الْبَيْضَاءِ وَالعَصَا وغيرِهما اَو الكتابِ جُملةً واحدةً قال تعالٰى اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ج حَيْثُ قَالُوْا فيه وفى مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم سَاحِرَانِ وفى قِرَاءَةٍ سحران اى التَّورٰةُ والقراٰنُ تَظَاهَرَا تعَاوَنَا وَقَالُوْا اِنَّا بِكُلٍّ من النَّبِيَّيْنِ والكتابَيْنِ كَافِرُوْنَ○ قُلْ لهم فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ من الكِتَابَيْنِ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ○ فى قولكم فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ دُعاءَكَ بالاِتْيَانِ بكتابٍ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَ هُمْ ط فى كفرهم وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ط اى لا اَضَلَّ منه اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ع الكافرين

ترجمہ

اور ہم نے پہلی امتوں (مثلاً) قوم نوح وعاد وثمود وغیرہ کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات

عطا کی تھی جو لوگوں کے لئے بصیرت اور ہدایت تھی گمراہی سے اس شخص کے لئے جو اس پر عمل کرے اور رحمت تھی اس کے لئے جو اس پر ایمان لائے تاکہ نصیحت حاصل کریں ان نصیحتوں سے جو اس میں ہیں بصَائِرَ للناسِ ، الکتاب سے حال ہے اور بَصَائِر بصِیْرَۃ کی جمع ہے اور بصیرت نور قلبی کو کہتے ہیں اور بصائر کا مطلب ہے انوار القلوب اور اے محمد تم مناجات کے وقت موسیٰ کی مغربی پہاڑ کی جانب یا غربی وادی کی جانب یا غربی مکان کی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی جانب پیغام پہنچانے کے لئے موسیٰ کو وحی بھیجی تھی اور نہ تم اس واقعہ کو دیکھنے والوں میں تھے کہ اس واقعہ سے باخبر ہوتے اور اس کی خبر دیتے لیکن ہم نے موسیٰ کے بعد بہت سی امتیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گذر گیا یعنی ان کی عمریں طویل ہوئیں عہد و پیمان کو بھول گئے اور علوم مٹ گئے اور وحی (کا سلسلہ) منقطع ہو گیا تو ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا اور تمہاری طرف موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے واقعہ کی وحی بھیجی اور تم اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہیں تھے کہ تم ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہوں (تَتْلُوْا عَلَیْھِمْ) مَا کُنْتَ کی خبر ثانی ہے بلکہ ہم ہی تم کو رسول بنا کر بھیجنے والے اور گذشتہ لوگوں کے (واقعات) کی خبروں کو بھیجنے والے ہیں اور جب ہم نے موسیٰ کو ندا دی کہ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو تو (تب بھی) تم جبل طور کی جانب میں موجود نہیں تھے بلکہ ہم نے تم کو تمہارے رب کی جانب سے رحمت بنا کر بھیجا تاکہ تم اس قوم کو ڈراؤ کہ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اور وہ اہل مکہ ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کفر وغیرہ کی بدولت ان کو مصیبت یعنی عقوبت پہنچتی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری بھیجی ہوئی آیتوں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں ہو جاتے اور لو لا (اول) کا جواب محذوف ہے اور اس کا مابعد مبتداء ہے، اور معنی یہ ہیں اگر مصیبت کا پہنچنا جو کہ ان (کافروں) کے قول لو لا ارسلتَ الینا رسولاً کا سبب ہے، نہ ہوتا تو ہم ان کو سزا دینے میں جلدی کرتے، یا اگر ان کا قول ربنا لو لا ارسلْتَ الینا رسولاً الخ جو کہ مسبب ہے اصابت مصیبت کا نہ ہوتا تو ہم آپ کو ان کی طرف رسول بنا کر نہ بھیجتے پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق محمدؐ آپہنچا تو (اہل مکہ) کہنے لگے ان کو ایسی نشانی کیوں نہ ملی؟ جیسی موسیٰ کو ملی تھی مثلاً ید بیضاء اور عصاء یا یکبارگی پوری کتاب، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ منکر نہیں ہوئے اس کے جو موسیٰ کو اس سے پہلے دی گئی تھی انہوں نے موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا دونوں جادوگر ہیں اور ایک قرأۃ میں سِحرانِ ہے یعنی تورات اور قرآن جو ایک دوسرے کے معاون ہیں اور وہ یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم دونوں نبیوں یا دونوں کتابوں میں سے کسی کو نہیں مانتے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم اور کوئی کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں کتابوں سے بہتر ہو میں اس کی اتباع کروں گا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو پھر اگر یہ لوگ کتاب لانے میں آپ کی بات نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ کفر میں محض اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں اور ایسے شخص سے کون زیادہ گمراہ ہوگا؟ جو اپنی خواہشات

کے پیچھے چلتا ہو بغیر اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل ہو یعنی اس سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں، اللہ تعالیٰ ایسے ظالم کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ وَعَادَ اس کا عطف قوم پر ہے نہ کہ نوح پر اس لئے کہ اگر نوح پر عطف ہو تو عاد کے لئے قوم کا ہونا لازم آئے گا حالانکہ عاد خود ایک قوم ہے تقدیر عبارت یہ ہے مِنْ بعد ما أهلكنا قوم نوح وعاد وثمود بعد اس کے کہ ہم نے ہلاک کر دیا قوم نوح اور عاد کو اور ثمود کو، لہٰذا مناسب تھا کہ عاد کو الف کے ساتھ لکھتے تا کہ نوح پر عطف کا اشتباہ نہ ہوتا **قولہ** بصائرَ یہ حذف مضاف کے ساتھ کتاب سے حال ہے ای ذا بصائرَ اگر مضاف محذوف نہ مانیں تو مبالغۃً بھی حال ہو سکتا ہے اور بصائر کتاب سے مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے اسی طرح هُدًى اور رحمةً میں بھی مذکورہ تینوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں **قولہ** بجانبِ الجبل او الوادی او المكان اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بصریین کے مذہب کے مطابق ہونے والے اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ جانب کی اضافت الغربی کی طرف اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے اور یہ بصریین کے یہاں جائز نہیں ہے اس لئے کہ موصوف اور صفت ایک ہی شئ ہوتی ہے لہٰذا اس سے اضافت الشئ الی نفسہ لازم آتی ہے اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ جانب اور غربی ایک ہی شئ ہیں، اس اعتراض کو دفع کرنے کے لئے غربی کا موصوف الجبل محذوف مان لیا تا کہ جانب کی اضافت جبل کی جانب ہو نہ کہ الغربی کی جانب، مفسر علام نے تین لفظ محذوف مانے ہیں ان تینوں میں سے کسی کو بھی جانب کا مضاف الیہ قرار دے سکتے ہیں، کوفیین کے مذہب کے مطابق مذکورہ اعتراض واقع نہیں ہوتا، اس قسم کی تعبیرات قرآنی اور حدیث میں بکثرت موجود ہیں **قولہ** وَمَا كنتَ منَ الشّاهدين لِذٰلكَ اور آپ ان حالات وواقعات وغیرہ کو دیکھنے والے نہیں تھے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماقبل میں کہا گیا ہے کہ پہاڑ کی غربی جانب میں موجود نہیں تھے، اس سے مشاہدہ کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے تو پھر وما كنتَ من الشاهدين کہنے سے کیا فائدہ؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ حاضر ہونے کے لئے مشاہدہ ضروری نہیں ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان موجود تو ہوتا ہے مگر مشاہدہ نہیں کر پاتا، اسی وجہ سے ابن عباسؓ نے فرمایا **لم تحضر ذٰلك الموضع ولو حضرتَهٗ ما شاهدتُ ما وقع فيه.**

قولہ تتلوا عليهم آياتِنا جملہ ہو کر كنتَ کی خبر ثانی اور كنتَ کی ضمیر سے جملہ ہو کر حال بھی ہو سکتا ہے ہم ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں، یعنی جب آپ اہل مکہ کو اہل مدین کے واقعات سنا رہے تھے تو آپ اہل مدین میں موجود نہیں تھے کہ ان کے حالات وواقعات کو دیکھ کر اپنی قوم کو سنا رہے ہوں، بلکہ ہزار ہا سال ماقبل کے ان تمام حالات وواقعات کی

خبر آپ کو بذریعہ وحی دی جا رہی تھی جو کہ آپ کے نبی ہونے کی پختہ اور واضح دلیل ہے **قولہ** اَن خُذِ الکتابَ بقوۃٍ میں ان تفسیر یہ یعنی نداء کی تفسیر ہے، مفسر علام نے ان خُذِ الکتابَ کو ایتاء تورات سے متعلق کیا ہے اور سابقہ آیت **وماکنتَ بجانب الغربی** کو نفس ارسال سے متعلق کیا ہے حالانکہ نفس ارسال اور ایتاء تورات کے درمیان تیس سال کا فاصلہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کا عکس بھی کہا ہے **قولہ لَوْ لَا اَنْ تصیبَھُمْ مُصِیْبَۃٌ**، لو لا امتناعیہ ہے جو وجود اول کی وجہ سے انتفاء ثانی پر دلالت کرتا ہے، اَن تصیبَھم میں أن مصدریہ ہے اور لو لا اصابۃُ المصیبَۃ لھم کے معنی میں ہو کر مبتداء ہے اور مبتداء کی خبر موجودٌ محذوف ہے اور لولا کا جواب مَا اَرْسَلْنَاكَ محذوف ہے دوسرا لَوْلَا تحضیضیہ ہے اس کا جواب فَنَتَّبِعَ آیَاتِكَ مذکور ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ لَا قولُھُمْ ھٰذا اِذا اَصَابَتْھُمْ مصیبۃٌ لَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَیْھِمْ رَسُوْلاً (خلاصہ) اصابۃِ عقوبۃ سبب ہے قول کا اور قول سبب ہے ارسال کا چونکہ سبب کا سبب سبب ہوتا ہے لہٰذا اصابۃ مصیبۃ بواسطہ قول سبب ہوا ارسال کا، اسی وجہ سے لولا کو اصابۃ پر داخل کر دیا اور فاسببیہ کے ذریعہ فیقولوا کا اصابۃ پر عطف کر دیا، یعنی آپ کے ارسال کا سبب اہل مکہ کا یہ قول ہے، اگر اہل مکہ کا یہ قول نہ ہوتا تو ہم آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے، یعنی عدم ارسال کے انتفاء (ارسال) کا سبب اہل مکہ کا قول لو لا اَرْسلتَ الینا رسولاً ہے اور اس قول کا سبب اصابت مصیبت ہے۔

تنبیہ: عدم ارسال کا انتفاء نفی النفی اثبات کے معنی ہونے کی وجہ سے ارسال کے معنی میں ہے **قولہ** اَوْ لَوْ لا قولھم المسبَّب عنھَا الخ یعنی اصابۃ مصیبۃ کے وقت ان کا قول انتفاء عدم رسالت کا سبب نہ ہوتا تو ہم ان کے عذاب میں جلد کرتے اور آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے یہ تعبیر حاصل معنی کے اعتبار سے ہے، جس کا حاصل یہ ہے لولا کے جواب کے انتفاء کا سبب ان کا قول مذکور ہے، اسی وجہ سے المسبَّبُ عنھا قولھم کہا ہے **قولہ** ما ارسلناكَ یہ جواب منفی ہے یہ وجود شرط کی وجہ سے انتفاء جواب پر دلالت کر رہا ہے، فالمعنی انتفی عدم ارسالك الیھم لقولھم المذکور تا کہ نزول عذاب کے وقت ان کے عذر کو ختم کر دیا جائے، ورنہ تو نزول عذاب کے وقت یہ عذر بیان کر سکتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی سابقہ امتوں کے مانند انبیاء آتے تو ہم بھی ایمان لاتے اور آج عذاب کی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ان کے اس عذر کو ختم کر دیا، اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اصابت مصیبت اور مذکورہ مقولہ تو آئندہ روز قیامت میں واقع ہوں گے اور لَوْ لَا کے وجود واقعی کی وجہ سے انتفاء ثانی پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مانع کبھی موجود ہوتا ہے اور کبھی مفروض یہاں ثانی صورت مراد ہے یعنی علی سبیل الفرض والتقدیر (جمل ملخصاً) **قولہ** او الکتاب سے مثل ما اوتی کی دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور او الکتاب کا عطف الآیات پر ہے، **قولہ** ساحران یہ مبتداء محذوف ھُمَا کی خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ﴾ قرون اولیٰ سے اقوام نوح وہود وصالح ولوط علیہم السلام مراد ہیں جو موسیٰ سے پہلے اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کی گئی تھیں، بصائر بصیرۃ کی جمع ہے جس کے لفظی معنی دانش و بینش کے ہیں اور مراد اس سے وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کے قلوب میں پیدا فرماتے ہیں، جس سے وہ حقائق اشیاء کا ادراک کر سکیں اور حق و باطل کا امتیاز کر سکیں۔

بَصَائر للناس اگر ناس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تورات ان کے لئے مجموعہ بصائر تھی، اور اگر ناس سے تمام انسان مراد ہیں جن میں امت محمدیہ بھی داخل ہے تو یہاں سوال پیدا ہوگا کہ امت محمدیہ کے زمانہ میں جو تورات موجود ہے وہ تحریفات کے ذریعہ مسخ ہو چکی ہے تو ان کے لئے بصائر کہنا کس طرح درست ہوگا اور یہ کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی تورات سے استفادہ کرنا چاہئے حالانکہ حدیث میں حضرت عمرؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو نصائح وغیرہ ہیں ان کو پڑھیں تاکہ ان کے علم میں ترقی ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع لازم ہوتا۔

اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تورات کا جو نسخہ اس وقت لوگوں کے پاس موجود تھا وہ محرف اور مسخ شدہ تھا اور اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، نزول قرآن کا سلسلہ بھی جاری تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مکمل حفاظت اور خلط ملط سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی احادیث کو بھی لکھنے سے بھی بعض حضرات کو منع فرما دیا تھا، ان حالات میں کسی دوسری مسخ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تورات کا مطلقاً پڑھنا اور مطالعہ کرنا منع ہے ان کتابوں کے وہ حصے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا صحابہ کرام سے ثابت ہے، حضرت عبد اللہ بن سلام اور کعب احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں، اس لئے حاصل آیت یہ ہوگا کہ توریت اور انجیل میں غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بصائر ہیں ان سے استفادہ درست ہے مگر یہ استفادہ صرف ایسے لوگ ہی کر سکتے ہیں جو محرف اور غیر محرف میں فرق کر سکیں، عوام کو اس سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ کہیں وہ کسی مغالطہ میں نہ پڑ جائیں، یہی حکم ان تمام کتابوں کا ہے جن میں حق و باطل کی آمیزش ہو کہ عوام کو ان کے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہئے، علماء ماہرین کے لئے کوئی مضائقہ نہیں (معارف)

لِتنذرَ قومًا ما اَتٰهم مِن نذيرٍ یہاں اس قوم سے عرب مراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، اور ان کے بعد سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ان میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ

دوسری جگہ قرآن کا یہ ارشاد کہ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ کوئی امت ایسی نہیں کہ جس میں اللہ کا پیغمبر نہ آیا ہو، اس آیت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ زمانہ دراز سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان میں کوئی نبی نہیں آیا، مگر رسول اور نبی آنے سے خالی یہ امت بھی نہیں رہی۔

وما کنت بجانب الغربی یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا اور اسے وحی رسالت سے نوازا تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ وہاں موجود نہیں تھے اور نہ یہ منظر دیکھنے والوں میں تھے، بلکہ یہ غیب کی وہ باتیں ہیں کہ جو وحی کے ذریعہ آپ کو بتلا رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پیغمبر برحق ہیں، اس لئے کہ نہ تو آپ نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں اور نہ خود ان کا مشاہدہ کیا ولولا ان تصیبھم مصیبة بما قدمت ایدیھم یعنی ان کے اس عذر کو ختم کرنے کے لئے آپ کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا ہے کیونکہ طول زمانی کی وجہ سے گذشتہ انبیاء کی تعلیمات مسخ اور ان کی دعوت فراموش ہو چکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نبی کی ضرورت کے متقاضی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن وحدیث) کو مسخ ہونے سے محفوظ رکھا ہے، اور ایسا تکوینی نظام فرما دیا ہے کہ جس کی وجہ سے آپ کی دعوت دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہے۔

قالوا ساحران تظاھران مشرکین مکہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اپنا ایک وفد مدینہ کے علماء یہود کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا چنانچہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور علامات کے بارے میں علماء یہود سے معلوم کیا تو علماء یہود نے جواب دیا کہ ہم تورات میں ان کی علامات اور صفات پاتے ہیں، چنانچہ وفد نے مکہ آکر لوگوں کو اس کی خبر دی تو اس وقت ان لوگوں نے کہا ساحران تظاھران یا سحران تظاھران یہ دونوں جادوگر یا جادو ہیں جو ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں۔ (جمل ملخصا)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا بَيَّنَّا لَهُمُ الْقَوْلَ القرانَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ يَتَّعِظُوْنَ فيؤمنون اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ اى القران هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ايضا نزل في جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوا مِنَ اليَهُود كعبدِاللّٰهِ بن سلام وغيرِه ومِن النصارٰى قَدِموا من الحَبْشَةِ ومن الشَّام وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ القرانُ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ مُوَحِّدِين اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بإيمَانِهم بالكتابَين بِمَا صَبَرُوْا بِصَبْرِهم على العَمَل بهما وَيَدْرَءُوْنَ يَدْفَعون بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ منهم وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ يتصدَّقُون وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ الشَّتمَ والاَذى مِنَ الكُفَّار اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ سلامُ متاركةٍ اى سَلِمتُم منا مِن الشَّتم وَغيرِه لَا نَبْتَغِى

الْجَاهِلِيْنَ○ لا نصحبُهم ونزل في حِرْصِه صلى الله عليه وسلّم على إيمانِ عَمِّه أبي طالب اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ هدايتَه وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ اى عَالِمٌ بِالْمُهْتَدِيْنَ○ وَقَالُوْا اى قومُه اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اى نُنتزع منها بسُرعةٍ قال تعالى اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يَاْمِنُونَ فيه مِن الإغارةِ والقَتْلِ الواقِعَيْنِ مِنْ بَعْضِ العَرَبِ على بَعْضٍ يُّجْبٰى بالفوقانيّةِ والتحتانيّةِ اِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ من كل اَوْبٍ رِّزْقًا لهم مِّنْ لَّدُنَّا اى عِندنا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ○ انّ ما نقوله حقٌّ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا اى عَيْشَها واُريد بالقرية اَهلُها فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ للمارّةِ يومًا او بعضه وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِيْنَ○ مِنهم وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بظُلْمِ اَهْلِهَا حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْ اُمِّهَا اى اَعْظَمِهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ○ بتكذيبِ الرُّسُلِ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ اى تَتَمَتَّعُون وتَتَزَيَّنُوْن به ايامَ حيوتِكم ثم يَفْنٰى وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ وهو ثوابُه خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ○ بالياءِ والتاءِ ان الباقيَ خيرٌ مِّن الفانيْ .

ترجمہ

اور ہم نے لوگوں کے لئے قول یعنی قرآن کو (کھول کر بیان کیا) پیہم بھیجا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں جن کو ہم نے اس قرآن سے پہلے کتاب عطا فرمائی وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں یہ آیت یہود کی اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، جیسا کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ اور ان نصاریٰ کے بارے میں جو حبشہ اور شام سے آئے تھے اور جب ان کو قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم تو اس سے پہلے ہی سے مسلمان یعنی موحد ہیں یہ لوگ اپنے دونوں کتابوں پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اور دونوں پر عمل (کی مشقت) پر صبر کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر دیئے جائیں گے، اور یہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کر دیتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) صدقہ کرتے ہیں اور جب کسی سے لغویات اور اذیت کی بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں ہمارا عمل ہمارے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے ہم تو تم کو سلام کرتے ہیں یہ سلام متارکت (یعنی پیچھا چھڑانے کا سلام) ہوتا ہے (نہ کہ سلام تحیہ) یعنی تم ہماری طرف سے گالی وغیرہ سے سلامت رہو ہم ناسمجھ لوگوں سے مصاحبت (الجھنا) نہیں چاہتے (آئندہ آیت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے چچا ابوطالب کے ایمان پر زیادہ حریص ہونے کے بارے میں نازل ہوئی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے، ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے تو آپ

کی قوم کہنے لگی اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابعدار بن جائیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لئے جائیں یعنی فی الفور ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کیا جائے کیا ہم نے ان کو امن اور امن والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ کہ وہ اس میں قتل و غارتگری سے جو کہ عرب میں باہم (عام طریقہ پر) واقع ہو رہی ہے مامون رہ رہے ہیں جہاں ہر قسم کے پھل ہر جانب سے کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے ان کے لئے بطور رزق کے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ حق ہے اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھیں اور قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں یہ ہیں ان کے مکانات، جو ان کے بعد آئے نہ رہ سکے مگر بہت کم، مسافروں کے لئے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اور آخر کار ہم ہی ان کے وارث رہے اور تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اہل بستی کے ظلم کی وجہ سے (اس وقت تک) ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ (بستیوں) کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ بستی والے رسولوں کی تکذیب کر کے ظلم پر کمر کس لیں اور جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے جس سے تم اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہو اور اس سے زینت حاصل کرتے ہو پھر فنا ہو جاتا ہے ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت ہی بہتر اور دیرپا ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟ **یعقلون** میں یا اور تا کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں اور یقیناً باقی فانی سے بدرجہا بہتر ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَصَّلْنَا ماضی جمع متکلم (تفعیل) ہم نے پے در پے بھیجا، ہم نے کھول کر بیان کیا **قوله** الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر جملہ ہو کر مبتدا هُمْ مبتدا ثانی یومنون هم مبتدا کی خبر اور به یومنون سے متعلق مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتدا اول کی خبر **قوله** ایضا ای کما آمنوا بکتابهم **قوله** بصبرهم سے اشارہ کر دیا کہ ما مصدریہ ہے **قوله** یَدْرَءُ وْنَ ، یُنْفِقُوْنَ ، وَاِذَا سَمِعُوْا ان سب کا عطف، یُؤْتَوْنَ پر ہے، **قوله** وَالاَذی من الکفارِ یہ عطف عام علی الخاص کے قبیل سے ہے **قوله** لا تَهْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ اس میں ایصال الی المطلوب کی نفی ہے نہ کہ اراءۃِ طریق کی، لہٰذا اس قول اور اِنَّكَ لَتَهْدِی اِلٰی صِراطِ المستقیمِ میں کوئی تعارض نہیں ہے وقالوا ای **قومُه** قوم سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہے اور قائل حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف ہے **قوله** یُجْبٰی ای یُحْمَلُ ویُسَاقُ الیه ، مِنْ کُلِّ اوبٍ ای مِن کلِّ جانبٍ **قوله** ثمراتُ کلِّ شیئٍ یہ کثرت سے کنایہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شیئٍ میں ہر ضرورت کی شئ مراد ہے نہ کہ دنیا کی ہر شئ **قوله** معیْشَتَها ای عَیْشَها معیْشَتَهَا حذف مضاف کے ساتھ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اور مفسر علام نے معیْشَةً کی تفسیر عیشٌ سے کی ہے اب تقدیر عبارت یہ ہوگی بَطِرَتْ فِی زمنِ حیاتِها **قوله** لَمْ تُسْکَنْ یہ جملہ ہو کر حال ہے اور عامل تِلْكَ

بمعنی اشیر ہے تلک مبتداء کی خبر ثانی بھی ہوسکتی ہے **قولہ** وَمَا اُوْتِیْتُم مِنْ شیئ فَمَتَاعُ الحیٰوۃِ الدنیا ما شرطیہ ہے اور مِن شیئٍ اس کا بیان ہے فمَتاعُ الحیٰوۃ الدنیا ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے اور جملہ ہو کر جواب شرط ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا (الآیۃ) وَصَّلْنَا تَوْصِیلٌ سے مشتق ہے، جس کے لغوی معنی تاروں میں تار ملا کر رسی بٹنا، حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری رکھا یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا اور ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب بھیجتے رہے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد رشد وہدایت کا امت مرحومہ کے ذریعہ ایسا تکوینی سلسلہ جاری فرمادیا کہ اب کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

شان نزول

الذین آتَیْنٰھُمُ الکتابَ (الآیۃ) اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی تورات اور انجیل کی دی ہوئی بشارتوں کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن پر یقین رکھتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اپنے سابق یقین کی بناء پر ایمان لے آئے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے درباریوں میں سے چالیس آدمی مدینہ طیبہ میں اس وقت حاضر ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر میں مشغول تھے یہ لوگ بھی جہاد میں شریک ہوگئے، بعض کو کچھ زخم بھی لگے مگر ان میں سے کوئی مقتول نہیں ہوا، ان لوگوں نے جب صحابہ کرام کی معاشی تنگی کا حال دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ ہم اللہ کے فضل سے مالدار اور صاحب ثروت ہیں ہم اپنے ملک واپس جا کر صحابہ کے لئے مال فراہم کر کے لائیں آپ اجازت دیدیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اخرجہ ابن مردویہ والطبرانی، مظہری)

اور حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب ہجرت مدینہ سے پہلے حبشہ گئے تھے اور نجاشی کے دربار میں اسلامی تعلیمات پیش کیں تو نجاشی اور اس کے اہل دربار جو اہل کتاب تھے اور توریت وانجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور علامتیں دیکھے ہوئے تھے ان کے دلوں میں اسی وقت اللہ نے ایمان ڈالدیا۔ (مظہری)

اُولٰئِکَ یُؤتَونَ اَجْرَھم مرتین بما صبروا صبر سے مراد ہر قسم کے حالات میں انبیاء اور کتاب الٰہی پر ایمان لانا اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے، پہلی کتاب آئی تو اس پر اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا، پہلے نبی پر ایمان لائے اس کے بعد دوسرا نبی آیا تو اس پر ایمان لائے، ان کے لئے دوہرا اجر ہے، حدیث شریف میں بھی ان کی یہ فضیلت

بیان کی گئی ہے، آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں کے لئے دوہرا اجر ہے ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لایا۔ (مسلم شریف کتاب الایمان)

برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور درگذر سے کام لیتے ہیں، اور جاہلوں سے صاحب سلام کہہ کر گذر جاتے ہیں یعنی ان لوگوں کی ایک عمدہ عادت یہ ہے کہ جب کسی جاہل دشمن سے لغویات سنتے ہیں تو اس کا جواب دینے کی بجائے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا سلام لو ہم جاہل لوگوں سے الجھنا پسند نہیں کرتے، اس کو سلام متارکت یا مسالمت کہتے ہیں اور جس سلام کی ممانعت ہے وہ سلام تحیہ ہے جو مسلمانوں میں بوقت ملاقات رائج ہے۔

شان نزول

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (الآیۃ) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدرد اور غمگسار چچا ابوطالب کا انتقال ہونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرمایا چچا جان آپ اپنی زبان سے ایک مرتبہ یہ کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ کہہ لیں تاکہ میں روز قیامت اللہ کے سامنے سفارش کر سکوں لیکن دیگر رؤساء قریش موجود تھے جن کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے، مگر یہ فرمایا اے میرے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ میرے مرنے کے بعد کہیں کہ موت سے ڈر گیا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ کلمہ کہہ کر ضرور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے اس لئے کہ میں تمہارے شدت غم اور خیر خواہی کو دیکھ رہا ہوں، پھر یہ اشعار پڑھے

لقد علمتُ بانّ دین محمد ۔۔۔ من خیر ادیان البریة دینا

لو لا الملامة او حذار مسبّه ۔۔۔ لوجدتنی سمعًا بذاك مبینا

اور پھر فرمایا، لکنی سوف اموتُ علی ملة الاشیاخ عبدالمطلب و هاشم و عبد مناف ثم مات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بڑا قلق اور صدمہ ہوا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ اِنَّکَ لا تهدی من اَحْبَبْتَ نازل فرمائی، یعنی کسی کو مومن بنا دینا اور ایمان دل میں اتار دینا آپ کی قدرت میں نہیں ہے آپ کا کام کوشش کرنا ہے اور بس، تفسیر روح المعانی میں ہے کہ خواجہ ابوطالب کے کفر و ایمان کے بارے میں بےضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے اجتناب کرنا چاہئے کہ اس سے آنحضرت کی طبعی ایذا کا احتمال ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی مَعَكَ یہ آیت الحارث بن عثمان بن نوفل بن مناف کے بارے میں نازل ہوئی تھی حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگرچہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق جانتے ہیں مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایت پر عمل کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اچک لیا جائے گا (نکال باہر کیا جائے گا) قرآن کریم ان کے اس عذر لنگ کا جواب دیتے

ہوئے فرماتا ہے اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ (الآیۃ) یعنی ان کا یہ عذر اس لئے باطل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے باوجود ان کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان یہ کر رکھا ہے کہ ارض مکہ کو حرام بنادیا جس میں قتل وغارتگری سخت حرام ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر وشرک کے باوجود اس سرزمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ ان کو کیسے ہلاک ہونے دے گا؟

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ مُصِيْبُه وهُو الجنة كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَيَزُوْلُ عن قريب ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ○ النار الاول المؤمن والثاني الكافر اى لاتُساوِى بينهما واذكُرْ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ○ هُمْ شُرَكائِي قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بِدُخولِ النارِ وهم رُؤَسَاءُ الضَّلالةِ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ج مبتدأ وصِفته اَغْوَيْنَاهُمْ خبرُه فغَوَوا كَمَا غَوَيْنَا ج لم نُكرِهْهُمْ على الغَيّ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ز منهم مَا كَانُوْآ اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ○ ما نافيةٌ وقُدِّمَ المَفْعولُ لِلفَاصِلةِ وقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ اى الاصنامَ الّذين كُنتُم تَزعَمُونَ انّهم شركاءُ اللّٰهِ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ دُعاءَ هم وَرَاَوُا هم الْعَذَابَ اَبصَرُوه لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ○ فى الدنيا ما رَاوه فى الأخرة وَاذكر يَوْمَ يُنَادِيْهِمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ○ اِلَيكُم فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَآءُ الاخبارُ المُنْجِيَةُ فى الجواب يَوْمَئِذٍ اى لَم يَجدُوا خَبَرًا لهم فِيه نجاةٌ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ○ عنه فيسكُتون فَاَمَّا مَنْ تَابَ من الشِّرْكِ وَاٰمَنَ صَدَّقَ بتَوحِيْدِ اللّٰه وَعَمِلَ صَالِحًا اَدَّى الفرائضَ فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ○ النَّاجِيْنَ بِوَعدِ اللّٰهِ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا يَشاء مَا كَانَ لَهُمْ للمشركين الْخِيَرَةُ ط الاختيار فى شئ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ عن اِشراكِهم وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ تُسِر قُلُوبُهم مِنَ الكُفرِ وغَيرِه وَمَا يُعْلِنُوْنَ○ بالسِنَتِهم من الكِذبِ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى الدُّنيا وَالْاٰخِرَةِ ز الجنَّة وَلَهُ الْحُكْمُ القضاءُ النّافِذُ فى كُلِّ شئ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ بالنُّشورِ قُلْ لِأهلِ مَكَّةَ اَرَاَيْتُمْ اى اَخبِرُونى اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰه بزَعْمِكم يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ط نهارٍ تطلُبون فيه المَعِيْشَةَ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ○ ذٰلك سماعَ تفهّم فترجعون عن الاشراك قُلْ لهم اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰه بزَعْمِكُمْ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ تستريحُونَ فِيْهِ ط مِن التَّعَبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ○ ما انتم عليه مِنَ الخطاء فى الإشراكِ فَترجِعُونَ عنه وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ تعالٰى جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فى

اللَّيْلِ ولِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ فِي النَّهَارِ بِالْكَسْبِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ النِّعْمَةَ فِيْهِما وَاذْكُرْ يَوْمَ يُنادِيهِم فيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ذكر ثانيًا لِيَبْنِي عليه قولَه وَنَزَعْنَا اَخْرَجْنا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا وهُوَ نبيُّهم يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِمَا قالوه فَقُلْنَا لهم هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ على ما قُلْتُمْ مِنَ الاشراكِ فَعَلِمُوْا اَنَّ الْحَقَّ فِي الالٰهية لِلّٰهِ لا يُشارِكُه فيها اَحَدٌ وَضَلَّ غاب عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ فِي الدُّنيا مِن اَنَّ مَعَهُ شريكا تعالىٰ عن ذٰلك. ع

ترجمہ

بھلا وہ شخص کہ جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے جسے وہ قطعاً پانے والا ہے یعنی اس وعدہ (موعود بہ) کو پہنچنے والا ہے اور وہ جنت ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے، جو عنقریب زائل ہو جائے گا پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے دوزخ میں حاضر کئے جائیں گے اول شخص مومن ہوگا اور دوسرا کافر یعنی دونوں میں کوئی مساوات نہ ہوگی اور اس دن کو یاد کرو کہ جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو پکار کر کہے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم سمجھتے تھے وہ میرے شریک ہیں جن پر خدا کا دخول نار کا حکم ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے اور وہ گمراہی کے سردار ہوں گے اے ہمارے پروردگار یہ وہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا تھا یہ مبتداء ور اس کی صفت ہے اور اَغْوَيْنَاهُمْ اس کی خبر ہے ہم نے ان کو اسی طرح بہکایا جس طرح ہم خود بہکے تھے تو یہ بہک گئے ہم نے ان کو گمراہی پر مجبور نہیں کیا تھا ہم تیری سرکار میں ان سے اپنی طرف سے اظہار برأت کرتے ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، ما نافیہ ہے مفعول فواصل کی رعایت کے لئے مقدم کیا گیا ہے اور کہا جائے گا اپنے شرکاء کو بلا لو یعنی ان بتوں کو جن کو تم سمجھتے تھے کہ یہ میرے شریک ہیں چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے مگر وہ ان کی پکار کا جواب تک نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، کاش یہ لوگ دنیا میں راہ راست پر ہوتے تو اس عذاب کو آخرت میں نہ دیکھتے اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ ان سے پکار کر پوچھے گا تم نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ پھر تو اس دن ان کی جواب میں پیش کر کے نجات دلانے والی سب دلیلیں گم ہو جائیں گی (یعنی بکے بکے رہ جائیں گے) یعنی ان کی سمجھ میں کوئی ایسی دلیل نہیں آئے گی کہ جس میں ان کی نجات ہو اور وہ آپس میں بھی دلیل کے بارے میں پوچھ تاچھ نہ کر سکیں گے جس کی وجہ سے لاجواب ہو جائیں گے البتہ جس شخص نے شرک سے توبہ کی اور ایمان لے آیا یعنی اللہ کی توحید کی تصدیق کی اور نیک اعمال کئے یعنی فرائض ادا کئے تو یقین ہے کہ ایسے لوگ اللہ کے وعدے کے مطابق کامیاب ہوں گے اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا چنتا ہے اور ان میں سے کسی مشرک کو کسی چیز میں کوئی اختیار نہیں اللہ ہی کے لئے پاکی ہے اور وہ برتر ہے ان کے شرک کرنے سے اور آپ کا رب ان سب

کفر وغیرہ کی باتوں کو جانتا ہے جن کو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جس جھوٹ کو وہ اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہیں وہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں دنیا اور آخرت میں جنت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کے لئے فرمارواِئی ہے (یعنی) ہر چیز میں اسی کا فیصلہ نافذ ہے اور زندہ کرکے اسی طرف لوٹائے جاؤ گے آپ اہل مکہ سے کہئے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات رہنے دے تو خدا کے سوا تمہارے خیال میں وہ کونسا معبود ہے کہ تمہارے لئے دن کی روشنی کو لے آئے کہ جس میں تم روزی طلب کرو، کیا تم اس بات کو سمجھنے کے لئے سنتے نہیں ہو؟ کہ تم شرک سے باز آجاؤ ان سے پوچھئے کہ یہ بھی بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو تمہارے خیال کے مطابق اس کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے؟ کہ جس میں تم تکان کی وجہ سے آرام کرو کیا تم شرک کے معاملہ میں اپنی غلطی کو نہیں دیکھتے (غور نہیں کرتے) کہ تم اس شرک سے باز آجاؤ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ رات میں آرام کرو اور دن میں کسب کے ذریعہ اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم رات اور دن کی نعمت کا شکر ادا کرو اور یاد کرو جس دن انہیں پکار کر اللہ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں ہیں؟ (ان کے شرک کو) دوبارہ ذکر کیا تاکہ آئندہ قول کی اس پر بناء کرے، ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے اور وہ ان کا نبی ہوگا جو کچھ انہوں نے اس سے کہا ہوگا اس پر شہادت دے گا تو ہم ان مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اپنے شرک کے دعوے پر دلیل پیش کرو ان کو معلوم ہوجائے گا کہ الوہیۃ کے بارے میں سچی بات اللہ کی تھی کہ الوہیۃ میں اس کا کوئی شریک نہیں اور جو کچھ وہ دنیا میں گھڑا کرتے تھے کہ اس کا شریک ہے حالانکہ اللہ اس سے بری ہے وہ سب ان کے پاس سے غائب ہوجائے گا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَقَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک سوال مقدر کے جواب میں واقع ہے جب مشرکین سے کہا جائے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کی تم پوجاپاٹ کیا کرتے تھے؟ تو اس سوال کا جواب دینے کے بجائے مشرکین کے رؤساء اور اتباع میں جھگڑا شروع ہوجائے گا تابعین متبوعین کو مورد الزام قرار دیں گے اور متبوعین تابعین کو **قوله** مبتداءٌ وصفتهٗ هٰؤلاءِ اسم اشارہ موصوف اَلَّذِيْنَ اسم موصول اَغْوَيْنَا جملہ ہوکر صلہ عائد محذوف اور وہ هُمْ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَغْوَيْنَاهُمْ موصول صلہ سے ملکر صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء، اور اَغْوَيْنَا كما غوينا مبتداء کی خبر، **قوله** قُدِّمَ المفعول للفاصل اصل میں مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَنَا تھا، فواصل کی رعایت کے لئے مفعول کو مقدم کردیا گیا، ماكانوا اِيَّانَا يعبدون ہوگیا، **قوله** مَا رَاَوْهُ فى الآخرة یہ لَوْ کا جواب ہے، اور بعض حضرات نے لَاَنْجَاهُمْ ذٰلِكَ محذوف مانا ہے یعنی اگر وہ دنیا میں ہدایت پر ہوتے تو ان کا ہدایت پر ہونا آخرت میں ان کو

کامیاب کردیا **قولہ** فعَمِيَتْ عَلَيْهِم الانباءُ اس میں قلب ہے جو کہ محسنات کلام میں شمار ہوتا ہے، اصل یہ ہے فعَمُوا عن الانْبَاء شارح کے قول لَمْ یجدوا خیرًا لَهُمْ فیه سے اسی قلب کی طرف اشارہ کیا ہے، **قولہ** فعَمِيَتْ عَلَيْهِمْ میں عمٰی کا صلہ علیٰ خَفِيَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے **قولہ** عَسٰی اَنْ یَّكُوْنَ عسٰی یہاں تحقیق کے لئے ہے اس لئے کریموں کے یہاں توقع بھی یقین کا درجہ رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو اکرم الاکرمین ہیں لہٰذا اللہ کے کلام میں عسٰی بمعنی حقّق ہوگا، اور اگر ترجی ہی کے معنی میں لیا جائے تو تائب کے اعتبار سے ہوگا۔

شانِ نزول

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوی کیا تو لوگوں کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی خاص طور پر ولید بن مغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ پر نزول قرآن کو بڑا عجیب اور عظیم سمجھا اور کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی کو رسول بنانا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے ان دو سرداروں میں سے کسی کو کیوں رسول نہیں بنایا؟ تو اس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی (جمل) سَرْمَدًا جَعَلَ کا مفعول ثانی ہے بمعنی دائمًا سَرْدٌ سے مشتق ہے اس کے معنی متابعت اور لگاتار کے ہیں، میم زائدہ ہے، عرب اشہر حرم کے بارے میں بولتے ہیں، ثلاثةٌ سردٌ و احد فردٌ تین مسلسل ہیں اور ایک الگ ہے۔

قولہ قُلْ لَهُمْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهارَ سَرْمَدًا یہ باب تنازع فعلان سے ہے اَرَاَيْتُمْ اور جَعَلَ نے اللَّيْلَ میں نزاع کیا، دونوں ہی اللیل کو اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں، ثانی فعل کو عمل دیدیا اور اول کے لئے مفعول اول محذوف مان لیا اور وہ اَرَاَيْتُمُوهُ میں هُ ہے اور اس کا مفعول ثانی بعد میں واقع ہونے والا جملہ استفہامیہ ہے اور فعل ثانی کا مفعول ثانی سرمدًا ہے، اِنْ حرف شرط ہے اور جَعَلَ فعل شرط اور اللہ اس کا فاعل ہے، اللیلَ جَعَلَ کا مفعول اول ہے اور سرمدًا مفعول ثانی ہے اور جواب شرط محذوف ہے وہ مَاذَا تفعَلونَ؟ ہے ای اِنْ جَعَلَ اللّٰه علیکم النهار سرمدًا ماذا تفعلون **قولہ** ذُكِرَ ثانیًا لِیُبْنیَ علیه ، **قولہ** اَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تزعمونَ کو دو مرتبہ ذکر کیا ہے، یہی آیت شروع رکوع میں بھی آئی ہے، بیضاوی نے کہا ہے تقریعٌ بعد تقریعٍ یعنی ملامت کے بعد ملامت ہے اس لئے کہ شرک سے زیادہ کوئی شئ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی نہیں ہے، یا اول ان کی فساد رائے کو بیان کرنے کے لئے ہے اور ثانی یہ بتانے کے لئے ہے کہ شرک کی بات کوئی مستند بات نہیں ہے بلکہ محض تشبہ اور ہوائے نفس ہے۔

تفسیر و تشریح

اَفَمَنْ وَّعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا یعنی اہل ایمان وعدۂ الٰہی کے مطابق نعمتوں سے بہرہ ور اور نافرمان عذاب سے

دوچار ہوگا، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

محشر میں مشرکین سے پہلا سوال شرک سے متعلق ہوگا کہ جن شیاطین وغیرہ کو تم ہمارا شریک ٹھہرایا کرتے تھے اور ان کا کہنا مانتے تھے آج وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ سیدھا جواب دینے یا معذرت کرنے کے بجائے آپس میں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے، تابعین کہیں گے کہ ہمارا کوئی قصور نہیں ہم نے از خود شرک نہیں کیا بلکہ ہمیں تو ان شیاطین نے بہکایا تھا، تو وہ شیاطین کہیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا تھا اس لئے مجرم تو ہم بھی ہیں مگر یہ بھی جرم سے بری نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے ان کو بہکایا تھا اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے ان کو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کر دیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے اپنے انبیاء کی بات نہ مانی، ہماری مان لی تو کیسے بری ہو سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق واضح ہو جائے اور حق کے دلائل واضحہ موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یختار سے مراد اختیار احکام ہے کہ حق تعالیٰ جب تخلیق کائنات میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں تو اجراء احکام میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق پر احکام نافذ فرمائے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا اختیار تکوینی میں کوئی شریک نہیں اختیار تشریعی میں بھی کوئی شریک نہیں۔

اس کا دوسرا مفہوم وہ ہے جو اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں بیان کیا ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے جس کو چاہیں اپنے اکرام و اعزاز کے لئے انتخاب فرما لیتے ہیں اور بقول بغوی یہ جواب ہے مشرکین مکہ کے اس قول کا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی یہ قرآن اللہ کو اگر نازل کرنا تھا تو عرب کے دو بڑے شہر مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل فرماتا، ایک یتیم مسکین پر نازل کرنے میں کیا حکمت و مصلحت تھی؟ اس کے جواب میں فرمایا جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ اپنے خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کس کو منتخب کرے اس میں وہ تمہاری تجویز کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اس کا مستحق ہے اور فلاں نہیں۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (الآية) دن اور رات یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، رات کو تاریک بنایا تاکہ سب لوگ آرام کر سکیں اس اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے، ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقہ سے سونے کا موقع نہ پاتا، جبکہ معاشی تگ ودو اور کاروبار جہاں کے لئے نیند کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر توانائی بحال نہیں ہو سکتی، اگر کچھ لوگ سو رہے ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف تگ ودو ہوتے تو سونے والوں کے آرام و راحت میں خلل واقع ہوتا نیز لوگ

ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم رہتے جبکہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون وتناصر کا محتاج ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے رات کو تاریک کر دیا تا کہ ساری مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نیند اور آرام میں مخل نہ ہو سکے، اسی طرح دن کو روشن بنایا کہ روشنی میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقہ سے کر سکے، دن کی اگر یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا اسے ہر شخص بآسانی سمجھتا اور اس کا ادراک کرتا ہے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسٰى ابن عَمِّه وابن خالته وامن به فَبَغٰى عَلَيْهِمْ بالكبر والعُلُوِّ وكثرة المال وَآتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَآ إِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ تثقل بِالْعُصْبَةِ الجماعة أُولِي أصحاب الْقُوَّةِ اى تثقلهم فالباء للتعدية وعدّتهم قيل سبعون وقيل اربعون وقيل عشرة وقيل غير ذلك اُذكر إِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ المؤمنون من بنى اسرائيل لَا تَفْرَحْ بكثرة المال فرح بطر إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ بذلك وَابْتَغِ اُطلب فِيمَآ آتٰكَ اللّٰهُ من المال الدَّارَ الْآخِرَةَ بان تُنفقه فى طاعة الله وَلَا تَنْسَ تَترك نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اى ان تعمل فيها للآخرة وَأَحْسِنْ للناس بالصدقة كَمَآ أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ تطلب الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ بعمل المعاصى إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ بمعنى انه يُعاقبهم قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيْتُهٗ اى المالَ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ اى فى مُقابلته وكان اعلم بنى اسرائيل بالتورة بعد موسى وهارون قال تعالى أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ الامم مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّأَكْثَرُ جَمْعًا للمال اى وهو عالم بذلك ويُهلكهم الله تعالى وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ لعلمه تعالى بها فيدخلون النار بلا حساب فَخَرَجَ قارون عَلٰى قَوْمِهٖ فِي زِيْنَتِهٖ باتباعه الكثيرين ركبانا متحلّين بملابس الذهب والحرير على خيول وبغال متحلّية قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يَا للتنبيه لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ أُوْتِيَ قَارُوْنُ فى الدنيا إِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ نَصِيْبٍ عَظِيْمٍ وافٍ فيها وَقَالَ لهم الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ بما وعد الله فى الآخرة وَيْلَكُمْ كلمة زجر ثَوَابُ اللّٰهِ فى الآخرة بالجنة خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا مما اُوتى قارون فى الدنيا وَلَا يُلَقّٰهَا اى الجنة المُثاب بها إِلَّا الصّٰبِرُوْنَ على الطاعة وعن المعصية فَخَسَفْنَا بِهٖ بقارون وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ من غيره بان يمنعوا عنه الهلاك وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ منه وَأَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْأَمْسِ اى من قريب يَقُوْلُوْنَ وَيْكَأَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ يُوسّع الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ يُضيِّق على من يشاء وَوَىْ اسم فعل بمعنى اعجب اى انا والكاف بمعنى اللام لَوْلَآ أَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا بالبناء

للفاعِلِ والمفعولِ وَيْكَانَهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ لِنِعمةِ اللّٰه كفّارونَ.

ترجمہ

قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا (یعنی) چچازاد اور خالہ زاد بھائی تھا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا، کبر وتعلّی اور کثرت مال کے ذریعہ لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا تھا، اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زورآور لوگوں کو گراں بار کر دیتی تھیں یعنی ان کو بوجھل کر دیتی تھیں با تعدیہ کے لئے ہے (اور اٹھانے والی جماعت کے افراد کی تعداد) کہا گیا۔ ستر تھی اور کہا گیا چالیس تھی اور کہا گیا کہ دس تھی، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، اس وقت کو یاد کرو جب اس کی قوم بنی اسرائیل کے مومن لوگوں نے اس سے کہا کثرت مال پر مت اترا واقعی اللہ تعالیٰ مال پر اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو مال تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس میں دار آخرت کی بھی جستجو رکھ اس طریقہ پر کہ اللہ کی اطاعت میں خرچ کر، اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر بایں طور کہ دنیا میں آخرت کے لئے عمل کرتا رہ، اور لوگوں کے ساتھ صدقہ کے ذریعہ حسن سلوک کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے اور عمل معصیت کے ذریعہ ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو بلا شبہ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اس معنی کر کہ ان کو سزا دے گا قارون نے جواب دیا یہ سب کچھ مجھے میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے یعنی میری ہنرمندی کی بدولت اور بنی اسرائیل میں موسیٰ اور ہارون کے بعد سب سے زیادہ تورات کا عالم تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اسے اس بات کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی ایسی امتوں کو ہلاک کر دیا کہ جو اس سے قوۃ میں بھی زیادہ تھیں اور مال کی جمع پونجی کے اعتبار سے بھی زیادہ تھیں یعنی اس کو اس بات کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے ذنوب کا علم رکھنے کی وجہ سے ان کے ذنوب کے بارے میں سوال نہ کرے گا اور بغیر حساب (کتاب) کے دوزخ میں داخل کرے گا پس قارون پوری آرائش (شان) کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے (ایک روز) اپنے بہت سے متبعین کے ہمراہ جو کہ زری اور ریشم کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، زیورات سے لدے ہوئے خچروں اور گھوڑوں پر سوار تھے نکلا، تو دنیوی زندگی کے متوالے کہنے لگے یا تنبیہ کے لئے ہے کاش ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دنیا میں دیا گیا ہے یہ تو بڑا نصیب دار ہے یعنی دنیا سے وافی حصہ پانے والا ہے (فیہا کے بجائے منہا انسب ہے) اور وہ لوگ جن کو ان چیزوں کا علم دیا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے آخرت میں وعدہ فرمایا ہے ان سے (بطور نصیحت) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو (ویل) کلمہ توبیخ ہے آخرت میں اللہ کا ثواب (یعنی) جنت (ہزار درجہ) بہتر ہے اس سے جو قارون کو دنیا میں دیا گیا ہے جو ایسے شخص کو ملے گا جو ایمان لایا ہوگا اور نیک عمل کئے ہوں گے اور جنت جو بطور ثواب ملے گی ان ہی کو دی جائے گی جو طاعت ومعصیت پر صبر کرنے والے ہیں آخرکار قارون کو مع اس کے محل کے زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ ہوئی کہ اس کی مدد کرتی (یعنی) ہلاکت سے اس کو بچالیتی اور نہ وہ خود کو عذاب سے بچانے والوں میں ہوا، اور

جولوگ کل زمانہ قریب میں اس کے جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے روزی میں وسعت کرتا اور جس کی چاہے تنگ کر دیتا ہے اور وَیْ اسم فعل اِعْجَبُ انا کے معنی میں ہے اور کاف بمعنی لام ہے اور اگر ہم پر اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو دھنسا دیتا خَسَفَ معروف اور مجہول دونوں ہیں بس جی معلوم ہو گیا قارون کے مانند اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کو کامیابی نہیں ہوتی۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنَّ قَارُوْنَ قارون عجمی (عبرانی) لفظ ہے، عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، قارون کے متعلق اتنی بات طے شدہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری کا فرد تھا، باقی رہی یہ بات کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کا کیا رشتہ تھا، اس میں مختلف اقوال ہیں، اول چچازاد بھائی تھا، دوسرا خالہ زاد بھائی تھا یہ دونوں رشتے جمع بھی ہو سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی خالہ موسیٰ علیہ السلام کے چچا کے نکاح میں ہو، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، نسب اس طرح ہے قارون بن یصھر بن قاھث ، اور موسیٰ بن عمران بن قاھث تَنُوْءُ واحد مؤنث غائب نَاءَ یَنُوْءُ نوءً (ن) جھکنا، گراں بار ہونا قولہ اِنَّ مفَاتِحَهٗ لَتَنُوْءَ بالعصبة لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ میں دو صورتیں ہیں (اول) یہ باء تعدیہ کے لئے ہو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے لَتَنُوْءَ الْمَفَاتِحُ الْعُصبة الْاَقْوِيَاءَ یعنی کنجیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ طاقتور لوگوں کی ایک جماعت کو بھی گراں بار کر دیتی تھیں، اس صورت میں قلب نہیں ہے (دوسری) لَتَنُوْءَ بِالْعُصْبَةِ میں قلب مانا جائے اور معنی یہ ہوں لَتَنُوْءَ المفاتحُ الْعُصبَة وہ کنجیاں ایک قوی جماعت کو گراں بار کر دیتی تھیں، اس لئے کہ اگر قلب نہ مانا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ اقویاء کی جماعت کنجیوں کو گراں بار کر دیتی تھی، ظاہر ہے کہ یہ خلاف عقل ہے۔

قولہ وَلَا یُسْئَلُ عن ذُنُوبِهِمُ المجرمون سوال: ایک آیت میں ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اجمعینَ عَمَّا كَانُوْا یَعملونَ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرمین سے ان کے جرائم کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور بغیر حساب وکتاب جہنم میں داخل کر دیا جائے گا، اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مجرمین سے ان کے جرائم کے بارے میں سوال کیا جائے گا، دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب: سوال کی دو قسمیں ہیں سوال استعتاب کہ سوال کرنے کے بعد معاف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض عصاۃ مومنین کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا۔

دوسرا سوال: تقریع جس کے بعد جہنم میں داخل کر دیا جائے گا، یہاں اول قسم کے سوال کی نفی مراد ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے **قولہ فَخَرَجَ** اس کا عطف قال انما اوتیتهٗ پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے، **قولہ مِن فِئَةٍ يَنْصُرُوْنَهٗ فئة** کان کا اسم بھی ہو سکتا ہے اگر کان ناقصہ ہو تو لَهٗ اس کی خبر، اور اگر کان تامہ ہو تو فِئة اس کا فاعل ہوگا اور

ینصرونه فِئة کی صفت فِئة لفظاً مجرور ہوگا اور معناً مرفوع اس لئے کہ مِن زائدہ **قوله** من دون اللّٰه فئة سے حال ہے، **قوله** بالامس سے اس کے حقیقی معنی کل گذشتہ مراد نہیں ہیں، بلکہ زمانہ قریب مراد ہے زمانہ قریب کو مجازاً امس سے تعبیر کردیتے ہیں **قوله** وَیْکَاَنَّ یہ کلمہ تعجب اور زجر ہے وَیْ لَكَ سے مرکب ہے کاف ضمیر خطاب ہے اور اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ وَا اسم ہے جو تعجب پر دلالت کرتا ہے، اس وا کے بعد کبھی کبھی ھا بڑھا دیتے ہیں معنی تعجب ہی کے رہتے ہیں، اور کبھی وَا کو وَیْ پڑھتے ہیں اور اس کے بعد کَاَنَّ لگا دیتے ہیں وَیکَاَنَّ مَنْ یکن له نَشَبٌ یُحْبَبْ ومن یفتقر یعیش عیش ضر ''ارے جس کے پاس زر کثیر ہوتا ہے اس سے محبت کی جاتی ہے اور جو محتاج ہوتا ہے وہ دکھ کی زندگی گذارتا ہے''۔ (لغات القرآن)

تفسیر وتشریح

سورۂ قصص میں بیان کردہ واقعات میں سے یہ دوسرا واقعہ ہے پہلا قصہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا تھا، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی برادری بنی اسرائیل کے ایک شخص قارون کے ساتھ ہے۔

ربط: دونوں واقعات میں مناسبت یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دنیا کی مال و دولت جو تم کو دی جاتی ہے وہ چندروزہ متاع ہے اس کی محبت میں لگ جانا اور اس پر فریفتہ ہو کر آخرت کو فراموش کردینا دانشمندی نہیں ہے وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنْ شَیْئٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا الآیۃ قارون کے قصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے مال و دولت حاصل ہونے کے بعد اس نصیحت کو بھلا دیا اور دنیا کی مال و دولت کے نشہ میں مست ہو کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے لگا اور اس کے ذمہ جو مالی حقوق واجبہ تھے ان کی ادائیگی سے منکر بھی ہوگیا، جس کے نتیجہ میں وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

قارون عجمی لفظ ہے غالباً عبرانی ہے قارون کے متعلق اتنی بات تو قرآن ہی سے معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل کا شخص تھا، مگر اس بات میں کافی اختلاف ہے کہ اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا رشتہ تھا؟ بعض نے چچا زاد بھائی اور بعض نے خالہ زاد بھائی بتایا ہے اور بعض نے دونوں کہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ وابن جریج وقتادہ وابراہیم سے مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، نسب اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام اور قارون کا نسب اس طرح ہے، قارون بن یصہر بن قاہث اور مجمع البیان میں عطاء عن ابن عباس انہ ابن خالۃ موسیٰ علیہ السلام اور محمد بن اسحق سے مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا، نسب اس طرح بیان کرتے ہیں موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث، قارون بن یصہر بن قاہث۔ (روح المعانی)

قارون تورات کا حافظ تھا نیز موسیٰ وہارون کے بعد تیسرے درجہ کا عالم بھی مگر سامری کے مانند منافق تھا قیادت

وسیادت چونکہ حضرت موسیٰ وہارون کے پاس تھی جس کی وجہ سے قارون حسد تھا ایک مرتبہ قارون نے اپنے حسد کا اظہار بھی کر دیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ سب اللہ کے اختیار کی بات ہے ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ قارون نے موسیٰ کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ (روح المعانی)

اور اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کر دیا، یحییٰ بن سلام اور سعید بن مسیب نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا فرعون کی جانب سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مامور تھا، اس امارت کے زمانہ میں اس نے بنی اسرائیل کو بہت ستایا بغی کے ایک معنی تکبر کے بھی آتے ہیں بہت سے مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں یعنی مال و دولت کے نشہ میں بنی اسرائیل پر تکبر کرنے لگا اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگا۔

و تیناہُ من الکنوز کنوز کنز کی جمع ہے مدفون خزانہ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح شرع میں کنز اس مال کو کہا جاتا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو، حضرت عطاء سے روایت ہے کہ اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا۔ (روح ملخصاً)

لتنوء بالعُصبة ناء یَنُوءُ نوءً بوجھ سے جھک جانا، عصبہ کے معنی جماعت، مطلب یہ ہے کہ اس کے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے صندوق اس قدر تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو جھکا دیتی تھیں خدا کی نعمت پر خوشی کا اظہار اگرچہ مذموم نہیں ہے مگر اس قدر خوشی کرنا کہ اترانے اور تکبر کی حد تک پہنچ جانے اور دوسروں کو ذلیل و حقیر سمجھنے لگے جائز نہیں، قرآن کریم نے فرح کو متعدد آیات میں مذموم قرار دیا ہے۔

وَابْتَغِ فِیمَا آتَاکَ اللّٰہُ (الآیۃ) مسلمانوں نے قارون کو یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت تجھے عطا فرمائی ہے اس کے ذریعہ آخرت کا سامان فراہم کر اور دنیا میں جو تیرا حصہ ہے اسے فراموش نہ کر اور یہ کہ دنیا میں آخرت کے لئے عمل کرتا رہ، حدیث شریف میں وارد ہے اغتنم خمسًا قبل خمس شبابک قبل ھرمک وصحتک قبل سقمک وغناءک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک (حدیث مرسل) جمل۔

اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ قارون نے یہ جملہ مومنین ناصحین کے جواب میں کہا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے مال و دولت کے حصول میں فضل خداوندی کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ مال و دولت تو مجھے میرے ذاتی کمال علمی کی وجہ سے ملا ہے اس کا خود حقدار ہوں اس میں مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے، ظاہر یہ ہے کہ آیت میں علم سے مراد معاشی تدابیر کا علم ہے، مثلاً تجارت صنعت وغیرہ اور بعض مفسرین نے علم سے تورات کا علم مراد لیا ہے، جیسا کہ بعض روایت میں ہے کہ قارون تورات کا حافظ اور عالم تھا، اور ان ستر اصحاب میں سے تھا جن کو موسیٰ نے میقات کے لئے منتخب فرمایا تھا مگر اس کو اپنے علم پر ناز اور غرور پیدا ہو گیا، اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھ بیٹھا۔

اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ علیٰ علم عندی کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اللہ کے علم میں یہ بات ہے کہ میں اس کا مستحق

تھا اسی لئے مجھے یہ نعمتیں ملی ہیں، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ علم الکیمیا (سونا بنانے کا علم) آتا تھا، مگر امام ابن کثیر نے اس کو محض فریب اور دھوکا قرار دیا ہے، مال و دولت کی فراوانی یہ کوئی فضیلت کا باعث نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قومیں تباہ و برباد نہ ہوتیں اس لئے قارون کا اپنی دولت پر گھمنڈ کرنا اور اسے باعث فضیلت سمجھنا کوئی معقول بات نہیں ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰی قومہٖ فی زینتہٖ ایک روز قارون اپنے ہزار ہا مصاحبین اور خدم وحشم کی معیت میں بڑی شان وشوکت اور زیب و زینت کے ساتھ نکلا، جب کچھ دنیا دار مسلمانوں نے یا کافروں اور منافقوں نے قارون کی زیب و زینت اور کروفر اور دنیوی چمک دمک کو دیکھا تو اس کے جیسا ہونے کی تمنا کی اور قارون کے بارے میں کہنے لگے قارون بڑا ہی نصیب دار، اور اقبال مند ہے۔

وقال الذین اوتوا العلم دنیادار لوگوں کے برخلاف اہل علم کہ جن کو دنیا و آخرت ثواب وعقاب اور امم سابقہ کی ہلاکت و بربادی اور اللہ کے وعدوں کا علم دیا گیا تھا نے کہا ارے کمبخت! دنیا کی یہ زیب و زینت جس کی تم تمنا کر رہے ہو چندروزہ ہے، ہمیشہ باقی رہنے والا تو آخرت کا اجر و ثواب ہے لہٰذا تم اس چندروزہ زینت پر فریفتہ مت ہو اس کی حقیقت (خضراء دمن) کوڑی کے سبزے سے زیادہ نہیں، آخرت کا اجر و ثواب ایمان والوں نیکوکاروں ہی کو ملتا ہے، اس آیت میں علماء کا مقابلہ الذین یریدون الحیٰوۃ الدنیا سے کیا گیا ہے جس میں واضح اشارہ اس طرف ہے کہ متاع دنیا کو مقصود بنانا اہل علم کا کام نہیں۔

قارون کے زمین میں دھنسنے کا قصہ تاریخی روایات کی روشنی میں

ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ جب سیادت وقیادت حضرت موسیٰ اور ہارونؑ پر مقرر ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو (بیت القربان) یعنی قربانیوں کا نگراں مقرر فرمادیا، یعنی جو نذر آئے، وہ ہارون کی معرفت ان کی نگرانی میں قربان گاہ میں رکھی جائے اور آسمانی آگ آ کر اس کو جلادے، گویا کہ یہ قربانی کے مقبول ہونے کی علامت تھی، قارون کو اس بات پر حسد ہوا اور کہا آپ پیغمبر بھی ہیں، اور رئیس قوم بھی، اور ہارون قربان گاہ کے نگراں اور میں تورات کا بھی حافظ ہوں مجھے کیونکر صبر آئے، حضرت موسیٰ نے فرمایا یہ امر منجانب اللہ ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے، قارون کہنے لگا میں کیسے یقین کروں کہ یہ امر منجانب اللہ ہے، حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو جمع ہونے کا حکم دیا جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے حکم دیا کہ تم سب اپنی اپنی لاٹھیاں لاؤ جس کی لاٹھی سرسبز ہو جائے وہ قربانگاہ کی نگرانی کا مستحق ہوگا سب لاٹھیوں کو جمع کر کے ایک مکان میں بند کردیا گیا جب صبح کو دیکھا تو حضرت ہارون کا عصا سرسبز ہوگیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دیکھا یہ فعل میرا نہیں تھا، قارون نے کہا یہ تو جادوگروں کا کرشمہ ہے قارون نے کھلا پلا کر بنی اسرائیل کے بہت سے سرداروں کو اپنی طرف کرلیا، جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ واجب فرمائی تو

حضرت موسیٰ قارون کے پاس آئے اور فی ہزار ایک دینار دینا طے ہوا مگر جب قارون نے حساب لگایا تو کثیر مال ہوا تو گھبرایا اور بنی اسرائیل کو جمع کر کے کہنے لگا موسیٰ نے اب تک جو کچھ کہا تم نے مانا، مگران کو کفایت نہ ہوئی اب تمہارا مال لینے کی فکر میں ہے، قوم نے کہا تم ہمارے بڑے اور عقل مند ہو، جو تم کہو گے ہم تسلیم کریں گے، قارون نے کہا فلاں زن فاحشہ کو لاؤ اسے کچھ دیکر آمادہ کریں کہ حضرت موسیٰ پر تہمت لگائے جب قوم یہ بات سنے گی تو موسیٰ سے باغی ہو جائے گی اور ہم سب کو اس غلامی سے نجات مل جائے گی، غرضیکہ وہ عورت آئی اور اسے بہت کچھ دے دلا کر تہمت لگانے پر راضی کر لیا قارون اور اس کے ساتھی بنی اسرائیل کو جمع کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گئے اور عرض کیا یہ لوگ حاضر ہیں آپ ان کو وعظ فرمائیں، حضرت موسیٰ باہر تشریف لائے اور وعظ فرمانے لگے اور منجملہ تمام احکام کے چور کا ہاتھ کاٹنے اور تہمت کی سزا اسی کوڑے اور اگر زانی غیر محصن ہو تو سو کوڑے اور اگر محصن ہو تو سنگسار کرنے کا حکم بیان فرمایا، قارون بولا اگر یہ حرکت آپ نے فلاں عورت سے فعل بد کیا ہے، آپ نے فرمایا اس عورت کو بلاؤ، اگر وہ عورت گواہی دے تو سچ ہے وہ عورت بلائی گئی، جب عورت حاضر ہوئی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا اے عورت کیا میں نے تیرے ساتھ وہ فعل کیا جو یہ لوگ کہتے ہیں اور میں تجھے اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا میں شگاف کر دیا اور توریت نازل فرمائی تو سچ سچ بتا وہ عورت سکھائے ہوئے کید شیطانی کو بھول گئی اور کہنے لگی یہ لوگ جھوٹے ہیں مجھے قارون نے اس قدر مال دیکر راضی کیا تھا کہ میں اپنے ساتھ آپ کو متہم کروں، قارون یہ بات سن کر گھبرا گیا اور سر جھکا لیا اور سردار خاموش ہو گئے اور عذاب الٰہی سے خوف زدہ ہو گئے، حضرت موسیٰ سجدہ میں گر پڑے اور رو رو کر عرض کیا اے میرے رب تیرے اس دشمن نے مجھے ایذا دی اور مجھے رسوا کرنا چاہا اگر میں تیرا رسول ہوں تو تو مجھے اس پر مسلط کر دے، خدا تعالیٰ کی جانب سے وحی آئی فرمایا اے موسیٰ سر اٹھاؤ اور زمین کو حکم دو جو کہو گے وہ بجا لائے گی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل لے، چنانچہ زمین نے بتدریج نگلنا شروع کیا، ادھر قارون یا موسیٰ یا موسیٰ چلاتا رہا گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ ستر مرتبہ حضرت موسیٰ کو پکارا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور زمین میں غائب ہو گیا۔ (مظہری)

پھر بنی اسرائیل کہنے لگے کہ موسیٰ نے اس لئے قارون کو دھنسا دیا کہ اس کے مال پر قبضہ کر لے، پھر آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اس خزانہ کو بھی زمین میں دھنسا دے چنانچہ اس کا خزانہ بھی دھنس گیا اور برابر دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔ (خلاصة التفاسیر تائب لکھنوی)

واصبح الذین تمنوا مکانہ بالامس یعنی جو لوگ قارون کی ترقی اور خوشحالی دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا ہی عروج حاصل ہوتا، آج اس کا یہ برا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے، اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے کسی شخص کی دنیوی ترقی اور عروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے یہاں وہ کچھ عزت اور وجاہت رکھتا ہے، دنیا کی ترقی اور وجاہت کی

کے مقبول یا مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی، اللہ تعالیٰ جس کے لئے مناسب سمجھے روزی کے دروازے کشادہ کردے اور جس پر چاہے تنگ کردے، مال ودولت کی فراخی وفراوانی مقبولیت اور محبوبیت کی دلیل نہیں بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

کم عاقلٍ عاقلٍ اعیت مذاهبه　　کم جاهلٍ جاهلٍ تلقاه مرزوقا
وصیّر العالِمَ النحریر زندیقًا　　هذا الذی ترک الاوهام حائرة

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ ای الجنة نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ بالبَغْیِ وَلَا فَسَادًا بعملِ المَعَاصِی وَالْعَاقِبَةُ المحمودةُ لِلْمُتَّقِیْنَ عقابَ اللّٰهِ بعمَلِ الطَّاعاتِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ثوابٌ بسَبَبِها وهو عَشْرُ اَمْثَالِها وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا جزاءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○ ای مثله اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ انزلَهُ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ الی مَكة وكان قد اشتاقَها قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ نَزَل جوابا لقولِ كُفّارِ مكةَ له اِنَّكَ فِی ضَلَالٍ ای فَهو الجائی بالهدی وهم فی الضَّلالِ واعلم بمعنی عَالِم وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ القران اِلَّا لكن اُلْقِیَ اِلَیْكَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا مُعِینا لِّلْكٰفِرِیْنَ○ علی دینهم الذی دَعوك الیه وَلَا یَصُدُّنَّكَ اصله یَصُدُّونَنَكَ حُذِفَتْ نُونُ الرَّفعِ للجَازِمِ وَالواوُ الفاعِلُ لِالْتِقائِها مَعَ النُّونِ السَّاكنةِ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ ای لا ترجع الیهم فی ذلك وَادْعُ النَّاسَ اِلٰی رَبِّكَ بتوحیدِهٖ وعِبادتِه وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ باعانَتِهم ولم یُؤَثِّرِ الجازِمُ فِی الفِعْلِ لِبِنائِه وَلَا تَدْعُ تَعْبُدْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اِلَّا ایاهُ لَهُ الْحُكْمُ القَضاءُ النافِذُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ بالنُّشورِ مِنَ القُبُورِ

ترجمہ

یہ دار آخرت یعنی جنت ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ ظلم کے ذریعہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ نافرمانی کرکے فساد کرتے ہیں اور بہتر انجام فرمانبرداری کرکے اللہ کے عذاب سے ڈرنے والوں کے لئے ہے جو شخص نیکی لیکر آئے گا اس کو اس سے بہتر ملے گا ان نیکیوں کا اجر ملے گا اور وہ ان نیکیوں کا دس گنا ہوگا اور جو شخص بدی لیکر آئے گا سو ایسے لوگوں کو جو بدی کا کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے جس خدا نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لوٹانے والا ہے یعنی مکہ (کی طرف) اور آپ نے مکہ کے لئے اشتیاق ظاہر فرمایا تھا، آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لیکر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے یہ آیت کفار مکہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ ان لوگوں نے آپ کے بارے میں کہا کہ تم تو صریح گمراہی میں ہو، یعنی آپ تو ہدایت لیکر

آنے والے ہیں اور وہ گمراہی میں ہیں اور اَعلم عالم کے معنی میں ہے آپ کو تو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب قرآن نازل کی جائے گی مگر آپ پر محض آپ کے رب کی مہربانی سے نازل کی گئی لہٰذا آپ کافروں کے ان کے دین کے بارے میں جس کی طرف وہ آپ کو دعوت دیتے ہیں ہرگز معاون نہ بنیں اور (خیال رکھئے) کہ یہ کفار آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں، بعد اس کے کہ وہ آیتیں نازل ہو چکی ہیں وَلَا یَصُدُّنَّکَ اصل میں یَصُدُّوْنَنَکَ تھا، نون رفع کو جازم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، اور واؤ فاعل کو نون ساکنہ کے ساتھ التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، یعنی آپ اس معاملہ میں ان کی (خرافات کی) طرف التفات نہ کیجئے اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی توحید وعبادت کی طرف دعوت دیتے رہئے اور ہرگز ان کی اعانت کر کے مشرکوں میں سے نہ ہوجئے اور جازم (یعنی لا) نے فعل کو مبنی ہونے کی وجہ سے جزم نہیں دیا اور اللہ کے ساتھ کسی غیر کی بندگی نہ کیجئے، بجز اللہ کے کوئی اور معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر شئ فنا ہونے والی ہے اسی ذات کا فیصلہ نافذ ہونے والا ہے اور قبروں سے زندہ کرنے کے بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تحقیق، وترکیب وتفسیری فوائد

تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَۃُ تلکَ مبتداء موصوف الدار الآخرۃ بترکیب توصیفی اس کی صفت نَجْعَلُھَا جملہ ہو کر اس کی خبر **قولہ** لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ معاد سے اکثر مفسرین نے مکہ مراد لیا ہے اور بعض نے مقام محمود مراد لیا ہے **قولہ** وَلَا یَصُدُّنَّکَ لَا ناہیہ جازمہ ہے اور یَصُدُّنَّکَ فعل مضارع مجزوم اور علامت جزم حذف نون اور واؤ فاعل کاف مفعول بہ اور نون تاکید **قولہ** عَنْ آیَاتِ اللّٰہِ یہاں مضاف محذوف ای عن تبلیغ آیات اللہ **قولہ** لَمْ یُؤَثِّرِ الجَازِمِ ولاتکونَنَّ میں لا جازمہ نے لفظوں میں کوئی اثر نہیں کیا اگرچہ محلا اثر کیا ہے، اثر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تکونَنَّ نون تاکید ثقیلہ کی وجہ سے مبنی ہو گیا ہے **قولہ** تعبدُ تدعُ کی تفسیر تَعْبُدْ سے کر کے خوارج کا رد کیا ہے، خوارج کہتے ہیں کہ طلب خواہ زندہ سے ہو یا مردہ سے شرک ہے، یہ خوارج کا جہل ہے اس لئے کہ مؤثر بالذات سمجھ کر غیر اللہ سے طلب شرک ہے، مگر اسباب کے درجہ میں طلب شرک نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا اس آیت میں دار آخرت کی نجات اور فلاح کو صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص فرمایا گیا ہے جو زمین میں علو اور فساد کا ارادہ نہ کریں، علو سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے بڑا سمجھنے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا۔

فائدہ: تکبر جس کی حرمت اور وبال اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ وہی ہے جس میں لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو، ورنہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جبکہ دوسروں پر تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ عزم بھی معصیت ہے

اس آیت میں علو اور فساد کے ارادہ پر دار آخرت سے محروم ہونے کی وعید ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزم مصمم کے درجہ میں ہو، وہ بھی معصیت ہی ہے۔ (کما فی الروح) البتہ پھر اگر وہ خدا کے خوف سے اس ارادہ کو ترک کر دے تو گناہ کی جگہ ثواب اس کے اعمال نامہ میں درج ہوتا ہے، اور اگر کسی غیر اختیاری سبب سے اس گناہ پر قدرت نہ ہوئی اور عمل نہ کر سکا مگر اپنی کوشش گناہ کے لئے پوری کی تو وہ بھی معصیت اور گناہ میں لکھا جائے گا (کما ذکرہ الغزالی) آخر آیت میں فرمایا وَالعاقبۃُ للمتقین اس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی نجات اور فلاح کے لئے دو چیزیں تکبر و فساد سے اجتناب ضروری ہے، اور تقویٰ یعنی اعمال صالحہ کی پابندی بھی ضروری ہے صرف تکبر اور فساد سے اجتناب کر لینا کافی نہیں بلکہ فرائض و واجبات کا ادا کرنا بھی شرط ہے۔ (معارف)

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ القرآن (الآیۃ) آخر سورت میں یہ آیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور اپنے فریضہ رسالت و نبوت پر پوری طرح قائم رہنے کی تاکید کے لئے ہے۔

شان نزول

ائمہ تفسیر میں سے مقاتل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر غیر معروف راستہ سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے، جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو آپ ﷺ کو بیت اللہ اور اپنا وطن عزیز یاد آ گیا، اسی وقت جبرئیل امین مذکورہ آیت لیکر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چندروزہ ہے بالآخر آپ کو پھر مکہ پہنچا دیا جائے گا جو فتح مکہ کی بشارت تھی، حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت چونکہ جحفہ میں نازل ہوئی تھی جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے لہٰذا یہ آیت نہ مکی ہے اور نہ مدنی۔

تمت المجلد الرابع بالخیر



(یعنی آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور بندوں سے سلوک)

اردو ترجمہ

عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی

سُنّتِ نبوی کے پروانوں کیلئے ایک انمول خزانہ جس میں تمام اُمورِ زندگی میں سُنّتِ نبوی سے رہنمائی بیان کی گئی ہے۔

سونے، جاگنے، کھانے، پینے، وضو، نماز، پیدائش، موت، نکاح، ولیمہ، سلام وکلام، مسلمانوں کے حقوق، صبح وشام اور مختلف اوقات کی دعائیں

مع فوائد وتشریح

احادیث کا ترجمہ آسان، عام فہم اور سلیس زبان میں۔ احادیث کے فوائد وتشریح، احادیث کی تخریج

ترجمہ وتشریح

حضرت مولانا ارشاد احمد فاروقی

استاذ مدرسہ باب الاسلام مسجد برنس روڈ۔ کراچی

زمزم پبلشرز

اَحناف حُفّاظ حَدیث
کی
فن جرح وتعدیل میں خدمات

تالیف

محمد ایوب الرشیدی
متخصص فی علوم الحدیث النبوی
جامعة العلوم الاسلامیة علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

زمزم پبلشرز